شرح صحیح مسلم

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

اور رسول تم کو جو احکام دیں ان کو قبول کرو اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے باز رہو

شرح صحیح مسلم

(جلد خامس)

اقضیہ، لقطہ، جہاد، امارہ

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور ۲
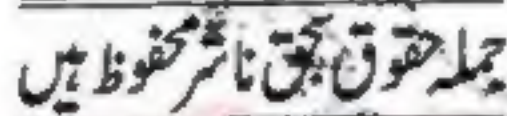
نام کتاب : شرح صحیح مسلم (جلد خامس)

تصنیف : شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی

کتابت : دار الکتابت حضرت کیلیانوالہ گوجرانوالہ

تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی صاحب

ایم اے، ایل ایل بی، ایل ایل ایم، فاضل علوم شرقیہ

تعداد : ایک ہزار

ہدیہ : ۲۲۰ روپے

مطبع : روبی ایکسٹرا گرافک پرنٹرز لاہور

الطبع الاول : شوال ۱۴۲۱ھ / جنوری ۲۰۰۱ء

الطبع الثانی : شوال ۱۴۲۲ھ / جنوری ۲۰۰۲ء

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸ اردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای میل نمبر Emial:info@faridbookstall.com

ویب سائٹ Visit us at : www.faridbookstall.com

فہرست مضامین شرح صحیح مسلم جلد خامس

......

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

افتتاحی کلمات

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ عنایت ہے کہ ہم اس قابل ہوئے کہ شرح صحیح مسلم کی پانچویں جلد قارئین کے سامنے پیش کر سکیں، دوسری جلد سے پانچویں جلد تک یہ تسلسل رہا ہے کہ ایک سال کے وقفہ کے بعد ہر جلد تیار ہو کر آتی رہی تھی البتہ جلد سادس اس بار تقریباً تین چار ماہ کی تاخیر سے پیش کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ۱۹ ستمبر ۱۹۹۰ء کو حضرت صاحبزادہ محمد حبیب الرحمان صاحب محبوبی مہتمم جامعہ اسلامیہ بریڈفورڈ کی دعوت پر برطانیہ چلا گیا اور تقریباً تین ماہ تک برطانیہ میں وعظ و تقریر کی سرگرمیوں میں مشغول رہا اور حرمین طیبین کی زیارت اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد یکم جنوری ۱۹۹۱ء کو واپس کراچی پہنچا۔

برطانیہ میں قیام کے دوران میں نے انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور دیگر برطانیہ کے تینوں صوبوں میں اکتالیس خطابات کیے خاص طور پر لندن، برمنگھم، مانچسٹر، لیڈز اور بریڈفورڈ میں زیادہ تقریریں ہوئیں، حضرت صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی زیدہ مہتمم بریڈفورڈ کے علاوہ مولانا محمد عارف سیدی (لندن) مولانا بشیر احمد سیالوی (اولڈہام) صاحبزادہ دلشاد احمد قادری (لیڈز) مولانا گل رحمان (برمنگھم) قاری عبدالمجید (برسٹل) حافظ فضل احمد (ڈربی) پیرزادہ امداد حسین (وھتھ کینز) مولانا شاہ محمد منشتر (بریڈفورڈ) مولانا ظفر احمد قادری (مانچسٹر) مفتی محمد عبداللہ (بریڈفورڈ) اور خاص طور پر حافظ محمد طارق (بریڈفورڈ) اور حافظ عبدالغفور (ویکنفیلڈ) نے نہایت خلوص اور محبت کے ساتھ میری خدمت کی اور اس دیار غیر میں مجھے اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا۔ حضرت صاحبزادہ محبوبی صاحب ان کے صاحبزادگان عزیزم عرفان الحق اور عزیزم ازار الحق اور حافظ عبدالغفور صاحب حرمین طیبین میں بھی میرے ساتھ آئے، ان احباب نے یہاں بھی میری بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان تمام دوستوں کو ہمیشہ خوش رکھے، انہیں دنیا اور آخرت میں ہر رنج و الم سے محفوظ رکھے اور دین و دنیا کی ہر نعمت اور سعادت سے بہرہ مند فرمائے (آمین)۔

ہر چند کہ برطانیہ میں دوستوں سے ملاقات اور تبلیغی اجتماعات کی شدید مشغولیات تھیں، اس کے باوجود بھی میں شرح صحیح مسلم کی تصنیف کے کام میں لگا رہا۔ اس کام کے سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ محبوبی صاحب کے وسیع کتب خانہ سے ہی استفادہ ہوا۔ — شرح صحیح مسلم جلد سادس کے باب ہیر ۲۵ سے کرہ ۷۲ تک کا کام بریڈفورڈ میں مکمل ہوا — برسٹل اور بریڈفورڈ میں تقاریر کے بعد علمی مذاکرے اور سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی البتہ اس بات سے سخت رنج اور افسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت کے دعوے دار ہونے کے باوجود ہمارے بعض بنیاد پرست لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث مرفوعہ اور صحابہ کرام کے صحیح آثار پر بعض متاخرین علماء کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں! بہرحال سفر برطانیہ میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی

کہ وہاں کے اکثر علماء اور خطباء کے پاس شرح صحیح مسلم، مقالات سعیدی، تذکرۃ المحدثین، توضیح البیان اور میری دیگر تصانیف تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے میری کتابوں کو اس قدر مقبولیت عطا فرمائی اور پھر کرم بالائے کرم یہ کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے اور اپنے حبیب کے دربار پر حاضر ہونے کی توفیق دی۔ میں ان علماء کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے شرح صحیح مسلم کے متعلق اپنے تاثرات لکھ کر مجھے ارسال فرمائے۔ جن میں سے بعض تاثرات کو اس جلد کے شروع میں شائع کیا جا رہا ہے۔

شرح صحیح مسلم جلد خامس میں جن ابواب کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: کتاب الاقضیہ، کتاب اللقطہ، کتاب الجہاد اور کتاب الامارۃ۔
شرح صحیح مسلم جلد خامس میں جن مسائل اور موضوعات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے وہ یہ ہیں: تقلید اور اجتہاد کے مباحث، عوام اور علماء کی تقلید کا فرق۔ رخصت کی تفصیل اور تحقیق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور نور ہونے کی تحقیق۔ نبی کی خصوصیات۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کی بحث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی تحقیق۔ سرکاری عدالت سے اپنا حق وصول کرنے کا مسئلہ۔ لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنے کی بحث، گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی بحث، عورت کی شہادت کی تحقیق، آیا عورت کی شہادت نصف ہے یا کامل، ہجرت کی تفصیل، دار الکفر میں سکونت اختیار کرنے کا حکم، حدیث رد شمس کی تحقیق۔ جنگی قیدیوں کے تبادلہ یا ان کو بلا معاوضہ چھوڑنے کی تحقیق، مسئلہ فدک اور علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات، مسئلہ خلافت، حضرت ابو بکر کی خلافت پر اعتراضات کے جوابات، غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کی بحث۔ قیام تعظیمی کی بحث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ہونے کا مسئلہ، تہتر فرقوں کی حدیث کی تحقیق، مسئلہ تکفیر کے متعلق تحقیق، خلاف شرع حکام کے خلاف خروج، اسلامی حکومتوں کی تحقیق، متعلقہ تحریف اور مسئلہ وغیرہ کا شرعی حکم۔ جہاد کی تحقیق، جہاد شہادت کی بحث، فقہاء کی تعداد کا بیان اور دیگر بہت سے مباحث۔

سید محسن اعجاز صاحب مالک فرید بک سٹال کی ہمت اور حوصلہ قابل داد اور لائق ستائش ہے وہ بیک وقت کئی ضخیم کتب کی جلدوں کو تسلسل کے ساتھ منظر عام پر لا رہے ہیں اور یقیناً قارئین کرام کو یہ پڑھ کر خوشی ہوگی کہ شرح صحیح مسلم کی پہلی جلد کا دوسرا ایڈیشن قریب الختم ہے، دوسری جلد کا دوسرا ایڈیشن چھپ گیا ہے، تیسری جلد کا دوسرا ایڈیشن عنقریب چھپنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائے، اس کے مصنف، ناشر، کاتب، مصحح، معاونین اور قارئین کو دارین کی رحمتوں سے نوازے۔ دنیا میں علم نافع اور اعمال صالحہ اور آخرت میں اپنے حضور رحم و کرم اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، شفاعت اور قرب خاص سے مالا مال فرمائے۔ الٰہ العٰلمین مجھے اس کتاب کی تصنیف میں راہ حق دکھا اور زلل سے محفوظ رکھ، اس کتاب کو تا قیامت باقی رکھ اور اسے میرے لیے صدقہ جاریہ بنا دے ... اے بار الٰہ اس کتاب کے طفیل میری، میرے والدین کی، میرے اساتذہ اور مشائخ کی، میرے تلامذہ اور احباب کی، میرے معاونین و قارئین کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما اور دارین کی سعادتوں، کرامتوں اور کامرانیوں کو ہم سب کا مقدر کر دے۔ آمین۔ یا رب العالمین بجاہ حبیبک محمد سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المحدثین والمفسرین والائمۃ المجتہدین والعلماء اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸
ٹیلیفون نمبر: ۶۳۲۴۴۳۹ - ۶۳۱۴۵۰۸
یکم شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ، ۱۷ فروری ۱۹۹۱ء

آراء و تاثرات

از حضرت استاذ العلماء مولانا سید حسین الدین شاہ صاحب مدظلہم العالی مہتمم جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

علامہ غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث مدظلہ العالی صاحب تصانیف کثیرہ ان خوش نصیبوں میں شامل ہیں جنہیں قسام ازل نے اپنے حبیب لبیب باعث تخلیق کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا فیض دوسروں تک پہنچانے اور ان کے مفاہیم و مطالب عالیہ کو سہل انداز میں پیش کر کے عامۃ المسلمین کو بہرہ اندوز کرنے کی سعادت پر مامور کر دیا ہے۔

علامہ سعیدی صاحب کے بعض رسائل و مقالات کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کے باعث آپ سے ایک گونہ تعارف تو پہلے سے ہو چکا تھا مگر خود مولانا سے ملاقات اور ان کی مشہور تصنیف شرح صحیح مسلم کے مطالعہ کا موقع میسر نہ ہوا تھا۔ اتفاقاً ایک تنظیمی کام کے سلسلہ میں کراچی جانے کا اتفاق ہوا تو حضرت مولانا کی زیارت و ملاقات کے ساتھ علماء کی مجلس میں بعض مسائل پر تبادلہ خیال کا موقع بھی ملا اور آپ کے انداز گفتگو، طرز بحث سے بالمشافہ آگاہ ہونے کا موقع بھی ہاتھ آیا۔

حضرت مولانا کے ترجمہ اور تشریح کو دیکھ کر یہ تاثر قائم ہوا کہ آپ منشاء رسالت کو اردو کی صورت میں منتقل کرتے ہیں، مفاہیم احادیث کو اپنے خیالات کے مطابق نہیں ڈھالتے بلکہ اپنی فکر اور قلم کو ان کی ترجمانی کے لیے استعمال کرتے ہیں، خود کوئی دعویٰ ایجاد کر کے اس کے لیے احادیث کو استعمال نہیں کرتے بلکہ احادیث سے جو کچھ اخذ ہوتا ہے ان فوائد و نکات کو اصلاح امت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ اتنے بڑے کارنامہ کی انجام دہی میں خطا کا واقع ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ متوقع ہے مگر خلوص نیت سے حق کی تلاش میں اجتہاد و سعی کرتے ہوئے خطا کا مرتکب ہو جانا کوئی گناہ نہیں بلکہ تلاش حق کی محنت کا ثمرہ پھر بھی مل جاتا ہے۔ ان نااہل لوگوں کا تنگ نظری سے کام لینا اور اپنے مزعومات کے مطابق قرآن و حدیث کو ڈھالنا بہت بڑا جرم ہے۔ الحمد للہ حضرت مولانا کا قلم اس جرم سے پاک اور اظہار حق میں سرگرداں ہے۔

حضرت مولانا کا انداز تحریر سہل اور عام فہم ہے۔ آپ بہترین ادیب قلم برداشتہ لکھنے کے عادی اور اسالیب کلام پر قادر ہیں مگر اس کتاب میں الفاظ کی کثرت و شوکت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ مطالب حدیث کو ہر طبقہ کے لوگوں کے فہم کے قریب لانا چاہتے ہیں، کیونکہ الفاظ کی شوکت کے زور پر چھایا ہوا ادب ذہن کو تو جلا بخش سکتا ہے مگر قلب کو متاثر نہیں کر سکتا۔ وہ تو کسی مصلح کے اخلاص و سوز کے ساتھ پیش کیے ہوئے اصلاحی پیغام سے ہی متاثر ہوتا ہے۔ آپ کی کتاب جہاں مدرسین کے لیے

و سکون کے ساتھ ساتھ مقتضب نبوی کی خدمت مستمرہ کی توفیق عطا فرما، میرے گناہوں کو بخش دے، میرے والدین کریمین اساتذہ کرام پر خاص کرم نازل فرما اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت پر رحم فرما۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

ابوالخیر حسین الدین شاہ سلطانپوری

خادم جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی

۳۰ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

۱۶ فروری ۱۹۹۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحبزادہ مولانا محمد حبیب الرحمان محبوبی، مہتمم صفۃ الاسلام بریڈفورڈ برطانیہ

میں بنیادی طور پر علوم دینیہ کا ایک طالب علم ہوں اور درس نظامی کی تکمیل اور دورۂ حدیث شریف سے بہرہ مند ہونے کے بعد بھی گزشتہ چند سال سے میرا پسندیدہ مشغلہ کتب بینی ہے اور میری دل چسپی کا محور و مرکز تفسیر، حدیث، فقہ اور کتب سیرت کا مطالعہ اور اکابر کے فیوض علمیہ کی خوشہ چینی ہے۔

پاک و ہند میں گزشتہ ایک صدی میں علوم دینیہ پر بہت زیادہ تحقیقی کام ہوا ہے اور اب ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان کے بعد اسلامی لٹریچر اور دینی و علمی سرمایہ کے اعتبار سے اردو زبان دنیا کی کسی بھی زبان سے کسی بھی طور پر کم تر نہیں ہے۔ بلاشبہ اسلام کے دینی، علمی، تاریخی و ادبی سرمایہ کو عربی سے اردو زبان میں منتقل کرنے میں علماء اہلسنت کا [illegible] بہت نمایاں ہے اور بعض جہتوں سے تو اس حد تک تحقیقی کام ہوا ہے جو بجائے خود ماخذ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس سلسلے میں امام اہل سنت مجدد ملت علامہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ العزیز، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اور دیگر اکابر اہلسنت کے بار احسان سے ہماری گردن سپاس اعتراف سے ہمیشہ جھکی رہے گی۔

تاہم اس امر کا اعتراف کر لینے میں ہمیں تامل نہیں کرنا چاہیے کہ تفسیر و شرح حدیث کے عنوان سے جس قدر علمی و تحقیقی کام ہونا چاہیے تھا وہ ہمارے ہاں نہیں ہو سکا۔ دیگر وجوہ کے علاوہ اس کا ایک معقول سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے اکابر کی بیشتر توجہ عصری فتنوں کی سرکوبی کی جانب مرکوز رہی اور اگر وہ اپنے عہد کے تقاضوں کا بروقت ادراک کر کے لادینیت، دہریت، انکار ختم نبوت، انکار حدیث اور توہین رسالت ایسے عجیب فتنوں کا قلع قمع نہ کرتے تو عالم یہ ہوتا کہ آج ہمارے عقائد اعتقاد صحیح کی شکل میں محفوظ نہ ہوتے اور نہ جانے کس کس فتنہ کی بدعقیدگیوں کی آمیزش سے ہمارے عقائد مسخ ہو چکے ہوتے اور طرح طرح کے اوہام ہر رنگ ذہن میں اس طرح پھنس چکے ہوتے کہ اس سے نکلنے کا راستہ بھی سجھائی نہ دیتا۔

بلله الحمد کہ اب وہ سب فتنے اپنی موت آپ مر چکے ہیں۔ قادیانیت کو اب پاکستان میں آئینی و قانونی طور پر کفر قرار دیا جا چکا ہے اور توہین رسالت پر مبنی کتب کے مصنفین کے پیروکار اب خود ہی اس گندگی کو صد در صد غلافوں میں لپیٹ کر چھپانے پر مجبور ہیں اور "جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا" کا عملی نمونہ ہم اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں، بس فقط اس کے مشاہدہ کے لیے چشم بصیرت وا ہونی چاہیے۔

کرم بالائے کرم یہ کہ اب ہمارے متقدر و محقق علماء کو تھوڑی سی فرصت ملی ہے اور امید واثق ہے کہ انشاء اللہ قلیل عرصہ میں تفسیر و حدیث پر وقیع تحقیقی کام کا وافر ذخیرہ ہمارے علمی ورثے میں شامل ہو جائے گا اور اس سلسلے میں محقق العصر علامہ غلام رسول سعیدی

کا نام ان شاء اللہ علماء کے اس قافلہ کے سرخیل و سالار کے طور پر تاریخ میں ہمیشہ ثبت رہے گا اور انہیں بقائے دوام نصیب ہو گا۔

اب ہم نہایت فخر و انبساط کے ساتھ بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ حضرت علامہ نے شرح صحیح مسلم تصنیف فرما کر خدمت حدیث کا حق ادا کر دیا ہے، اس کتاب کو پڑھ کر ہماری تمام تمنائیں پوری ہو گئیں، سارے خواب شرمندہ تعبیر ہو گئے اور اب اس سلسلہ میں کوئی حسرت نہیں رہی۔ اس شرح کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف احادیث کی شرح ہی نہیں ہے بلکہ فقہی مذاہب پر دلائل کا عظیم فقہی ذخیرہ بھی ہے اور عصری مسائل پر ایک عظیم اجتہادی شاہکار ہے، اس کتاب میں حضرت مصنف قم فیضانہ نے احادیث پر فنی بحث کے ساتھ ساتھ قدیم و جدید مسائل اعتقادیہ و فقہیہ پر موافقین و مخالفین کے تمام دلائل عقلیہ و نقلیہ کو بیان کیا اور پھر خدا داد اجتہادی بصیرت سے رد و قدح کی طرح اپنے موقف کو واضح کر دیا۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ کے اس حسین، جامع اور کامل امتزاج کی وجہ سے حضرت مصنف قم فیضانہ صاحب ہدایہ کے ہم پلہ و ہم رکاب نظر آتے ہیں۔ یقین واثق ہے کہ اس شرح کی تکمیل کے بعد شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو گا جس پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث نہ کر دی گئی ہو۔

شرح صحیح مسلم کی تکمیل کے بعد میں مصنف محترم کی توجہ ایک اور اہم کام کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ ہے قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ اور اس کی جامع تفسیر، ہر چند کہ اس وقت مارکیٹ میں مختلف اردو تراجم اور تفاسیر موجود ہیں اور وہ بہت سے مفید اور مقبول بھی ہیں، تاہم اردو پڑھنے والوں کا ایک خاصا طبقہ ہنوز تشنگی محسوس کرتا ہے۔ اردو ادب کے موجودہ اسلوب، سادگی اور سلاست کے ساتھ رواں دواں زبان میں دینی موضوعات پر تحریر کی جو چاشنی شرح صحیح مسلم کی عبارت میں ہے وہ کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتی۔ بعض کتابوں میں نامانوس اور متروک محاورات اور ترکیبات ہیں اور بعض کتابوں میں حد سے زیادہ ثقالت اور بھاری بھرکم عبارات ہیں اور بعض مصنفین نے علمی مضامین کو افسانوی زبان اور نثری شاعری کے رنگ میں لکھا ہے اور بعض علماء کی عبارات ادق الفاظ اور ثقیل علمی اصطلاحات کے بوجھ تلے دبی ہوتی ہیں ـــــ الغرض علمی اور دینی مضامین کی تفہیم کے لیے زبان کی جس سادگی، شگفتگی اور بے ساختگی کی ضرورت ہے۔ اس سے ہماری دینی کتابیں اور ہمارے اردو تراجم اور تفاسیر کا ذخیرہ تہی دامن ہے اس لیے اردو پڑھنے والوں کے ایک بہت بڑے طبقہ کی نگاہیں حضرت مصنف کی طرف لگی ہوئی ہیں کیونکہ شرح صحیح مسلم کے مطالعہ کے بعد صرف اور صرف آپ ہی کی ذات سے یہ توقع وابستہ ہے کہ اس اسلوب نگارش کے ساتھ آپ قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کی خدمت پر بھی کمربستہ ہوں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ!

ہمارے دینی مدارس کی کثیر تعداد اور ان کی گراں قدر خدمات کے باوجود ابھی تک ہمیں قحط الرجال سے نجات نہیں مل سکی اور کوئی نہیں جانتا کہ آئندہ چند سالوں تک ہماری زبوں حالی کہاں تک پہنچ چکی ہو گی۔ ہمارے دینی مدارس سے فارغ التحصیل علماء کی اکثر تعداد ایسی ہوتی ہے جنہیں جدید دینی مسائل اور ضروریات کا صحیح ادراک نہیں ہوتا اور ان کے حل کا سلیقہ ہوتا ہے۔ اس کا ایک سبب محنت کی کمی اور نصاب کی طوالت ہے ـــــ دوسری وجہ یہ ہے کہ علوم دینیہ کا اکثر سرمایہ عربی زبان میں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک کسی زبان کی لغت اور گرامر پر مکمل عبور نہ ہو اس زبان کے علمی ذخیرے سے کما حقہ استفادہ نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ایک دور میں علماء کرام نے علوم عربیہ کو فارسی میں منتقل کیا کیونکہ اس وقت عام لوگوں کی دسترس فارسی زبان تک ہی تھی۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے فارسی میں اشعۃ اللمعات، شرح سفر السعادت اور مدارج النبوت لکھیں۔ شیخ نور الحق دہلوی نے فارسی میں صحیح بخاری کی شرح تیسیر القاری لکھی، شاہ ولی اللہ نے فارسی میں ترجمہ قرآن لکھا اب اس دور کا تقاضا یہ ہے کہ ان علوم کو اردو میں منتقل کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر برصغیر کے علماء نے عربی اور فارسی کے علمی ذخائر کو اردو میں منتقل کرنا شروع کر دیا ہے۔

لہٰذا اب اردو زبان میں بھی کافی علمی ذخیرہ مہیا ہو چکا ہے۔ اگر موجودہ فارغ التحصیل علماء نے اب بھی ان علوم سے استفادہ نہ کیا تو یہ بڑی محرومی اور افسوس کا مقام ہوگا۔ میں دینی مدارس کے منتظمین اور اساتذہ کی خدمت میں یہ تجویز پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ وہ شرح صحیح مسلم کو ایک اضافی اور امدادی کتاب کی حیثیت سے باقاعدہ اپنے نصاب میں شامل کریں اور دورۂ حدیث کی تعلیم کے دوران طلبہ کو اس شرح کے علمی اور فقہی مباحث کا مطالعہ کرائیں اور انھیں یہ ہدایت کی جائے کہ وہ اس کی ابحاث میں مندرج حوالہ جات کو اصل کتابوں میں تلاش کریں تاکہ ان میں تحقیق و تجسس کی صلاحیت ابھرے۔ اگر اس تجویز پر عمل کر لیا گیا تو ایک بہت بڑی کمی پوری ہو جائے گی۔

میں آخر میں رب ذوالجلال کے حضور اقدس میں بہ صد عجز و اخلاص یہ التجا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیب کریم رحمۃ للعالمین سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضرت علامہ سعیدی مدظلہٗ کا سایہ اہل سنت پر صحت کاملہ کے ساتھ تادیر قائم رکھے اور اسی صحت کے ساتھ انھیں قرآن مجید، حدیث شریف اور علوم اسلامی کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اس راہ میں ان کی رکاوٹیں دور فرمائے اور ان کو وافر سہولتیں عطا فرمائے اور ان کے دینی، علمی اور قلمی سرمایہ کو صدیوں تک اہل سنت اور عامۃ المسلمین کے لیے سرمایۂ افتخار بنا دے اور ان کی تصانیف دین اسلام اور میراث علم و حکمت نبوت کا ایسا سرچشمہ اور منبع قرار پائیں جن سے علم و حکمت کے سوتے تا قیامت پھوٹتے رہیں اور جملہ تشنگان علم اور طلبگاران ہدایت کو ان سے مستفید و مستفیض فرمائے۔ آمین۔ "وما ذلک علی اللہ بعزیز انہ علی کل شیء قدیر وانہ یفعل ما یشاء وانہ ہو فعال لما یرید انہ سمیع مجیب الدعوات ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم بجاہ حبیبک محمد سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

(صاحبزادہ) محمد حبیب الرحمٰن محبوبی فیض پوری،

مہتمم صوت الاسلام بریڈ فورڈ، برطانیہ

(154, Bowbridge Road Bradford Yorks, England, U.K.)

۱۵ دسمبر ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفتی محمد زبیر تبسم، ناروے

آج سے تقریباً پندرہ برس قبل اہلسنت کے بے باک ترجمان ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نمبر میں حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب کا ایک مضمون پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے بعد حضرت مولانا سعیدی صاحب کی کئی تصنیفات حضور ضیائے حرم میں چھپنے والے مضامین پڑھ کر بے ساختہ مولانا کی درازئ عمر کے لیے دعائیں کیں۔ بلاشبہ فاضل جلیل نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز کا مرقع زیبا اور عصر حاضر میں اہلسنت کا عظیم سرمایہ ہیں۔ مبدا فیاض نے انہیں بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں علامہ سعیدی کی تصنیفات۔ ترجیح ایمان، ذکر بالجہر، مقالات سعیدی، تذکرۃ المحدثین کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ حال ہی میں ماہنامہ ضیائے حرم لاہور کے کئی شماروں میں شرح صحیح مسلم کی چار جلدیں چھپ جانے کا جب علم ہوا تو بڑی خوشی ہوئی۔ چند دن قبل ان ضیاء القرآن پبلیکیشنز سے منگوالیں۔ بعض مقامات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ الحمد للہ اردو کی تین جن شروح اس وقت منظر عام پر آچکی ہیں ان میں یہ شرح منفرد مقام رکھتی ہے۔ مسلک اہلسنت کی دلائل کے ساتھ جس طرح حقانیت واضح کی گئی ہے اس کو پڑھ کر فاضل مصنف کے لیے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔ علامہ سعیدی صاحب نے بڑے حسین انداز میں بامحاورہ اردو ترجمہ، احادیث کی مختصر تشریح، فقہ حنفی کی عظمت پر دلائل اور اختلافی مسائل پر گفتگو کے ساتھ ساتھ جدید دور کے بعض اہم مسائل مثلاً پرائز بانڈ، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ، اعضاء کی پیوندکاری، عطیہ خون و انتقال خون کا جواز، ضبط تولید، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، ملک ترث کی تحقیق، دنیا کا کرنسی نوٹ اور دیگر کئی موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اگرچہ بعض مقامات پر مولانا سعیدی صاحب سے اختلاف ممکن ہے لیکن ان کی اس کاوش پر داد نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ یہ جان کر کہ حضرت فاضل مصنف مختلف تکلیف دہ امراض کا شکار رہے دکھ ہوا۔ دعا ہے کہ رب جلیل اپنے محبوب و حسین ورعنا کے تاجدار سب نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کے نعلین پاک کے تصدق میں حضرت مصنف کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین اور انہیں عمر دراز عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے قلم معجز رقم سے یہ جہاد جاری رکھ سکیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

عبدہ المذنب
مفتی محمد زبیر تبسم فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف (پاکستان)
حال خطیب غوثیہ مسلم سوسائٹی رجسٹرڈ ناروے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا افتخار علی چشتی ٗ ادسٹرڈیم ہالینڈ

صحیح مسلم سید المحدثین حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ آلارا اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے۔ کتب احادیث میں اس کا مقام جمہور اہل علم کے نزدیک صحیح بخاری کے بعد ہے۔ جبکہ بعض علمائے کرام نے متعدد وجوہ کی بناء پر اس کو بخاری شریف پر بھی ترجیح دی ہے۔

صحیح مسلم احادیث طیبہ کا ایک بے حد قیمتی مجموعہ ہے۔ قول و فعل اور پسند و ناپسند کی عظمت و حکمت قائل و فاعل کے مقام و مرتبہ کی عظمتوں اور رفعتوں کے مطابق ہوتی ہے کلام الملوک ملوک الکلام۔ حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحبہا التحیۃ والثناء کا فہم حقیقی صرف اس کو عطا ہوتا ہے جو مقام مصطفیٰ کی عظمتوں اور تقدس سے باخبر اور اس کا دل حب مصطفیٰ کی سرمدی دولت سے مالا مال اور سرشار ہو۔

اُردو برصغیر پاک و ہند کی ایک انتہائی اہم علمی زبان ہے۔ مسلم شریف کی عربی زبان میں متعدد شروح موجود ہیں لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ اس کی ایک جامع شرح اردو میں بھی کی جائے تاکہ عربی سے نابلد اور اُردو دان طبقہ بھی حدیث رسول کے نور سے اپنے دل و دماغ کو منور کر سکے۔

کارکنان قضاء و قدر نے یہ سعادت عظمیٰ دنیائے اسلام کے ممتاز اسکالر اور محقق حضرت علامہ غلام رسول صاحب سعیدی شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے لیے روز اول سے ہی مقدر کر رکھی تھی۔ علمی حلقوں میں تو پہلے ہی حضرت موصوف کے لیے تذکرۃ المحدثین، توضیح البیان، مقالات سعیدی، مقام ولایت و نبوت اور تاریخ نجد و حجاز جیسی بلند پایہ علمی و تحقیقی تصانیف کی بناء پر محبت و عقیدت اور ممنونیت کے جذبات پائے جاتے تھے لیکن شرح مسلم (اللہ تعالیٰ بطفیل اپنے حبیب پاک اس مقدس کام کو جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائے آمین) علامہ موصوف کی وہ تصنیف ہے جو رہتی دنیا تک ان کے مستفیضین و محبین میں روز افزوں اضافے کا سبب بنتی رہے گی۔ اور انھیں راہ ہدایت کی پر زور اور مدلل نشاندہی کرتی رہے گی۔

ملت اسلامیہ حضرت موصوف کی اس دینی و علمی خدمت پر بجا طور پر آپ کی شکر گزار ہے۔ اور خدا وند عالم جل و علا کے حضور دست بدعا ہے کہ وہ حضرت علامہ کو عمر دراز اور صحت و سلامتی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبک الکریم علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات۔

افتخار علی چشتی، ایم۔اے، ایم۔او۔ایل
فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف۔
امام جامع مسجد و خطیب پاکستان اسلامک سینٹر ادسٹرڈیم ہالینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت علامہ محب اللہ نوری شیخ الحدیث دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور مدظلہم

سید المحدثین حضرت امام مسلم علیہ الرحمۃ کی شہرۂ آفاق تصنیف "صحیح مسلم" صدیوں سے اہلِ علم میں متداول اور مدارس اسلامیہ میں داخلِ نصاب ہے۔ اس کی متعدد شروح لکھی گئیں۔ زیرِ تبصرہ "شرح صحیح مسلم" (اردو) ان شروح میں ایک گراں قدر اضافہ ہے بلا مبالغہ یہ کہا جائے کہ اپنے مواد، تحقیق و تدقیق، فنی مباحث، گمراہ فرقوں کے رد، مسلک اہلسنت کی بادلائل تائید اور مسائل عصریہ پر گفتگو کے اعتبار سے آج تک دنیائے حدیث میں ایسی کوئی کتاب تحریر نہیں کی گئی تو بے جا نہ ہوگا۔

اس کتاب کے مصنف فاضل جلیل علامہ غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی کا نام علمی و ادبی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ توضیح البیان، ذکر بالجہر، مقام ولایت و نبوت، تاریخ نجد و حجاز، مقالات سعیدی، اور تذکرۃ المحدثین، ایسی متعدد علمی و تحقیقی تصانیف کے ذریعے اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب وہ متبحر اور محقق اسکالر ہیں جو کسی بھی مسئلے پر قلم اٹھاتے ہیں تو اسے عالمانہ طریقہ کے بغیر نہیں چھوڑتے زیر نظر کتاب ان کا بہترین علمی شاہکار ہے۔

شرح صحیح مسلم کی اب تک چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔ پہلی جلد میں ناشر کی خواہش کے مطابق ایجاز و اختصار سے کام لینا پڑا۔ جبکہ دوسری، تیسری اور چوتھی جلدیں نہایت مفصل ہیں۔ یہ کتاب کئی خصوصیات کی حامل ہے۔ متن احادیث کا بڑا سلیس، عمدہ اور رواں ترجمہ، حدیث پر فنی بحث، قرآن و احادیث، آثار و اقوال تابعین سے استدلال، مذاہب اربعہ کے علاوہ دیگر فقہی مذاہب کی توضیح و تشریح کے بعد فقہ حنفی کی ترجیح پر زبردست دلائل اس انداز سے پیش کیے ہیں کہ قاری کو دل کی گہرائیوں سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ فقہ حنفی قرآن و حدیث کا صحیح ترجمان ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ترجیح مسالک اصل متن اور بنیادی مآخذ سے کی گئی ہے۔ علامہ سعیدی کی جو بات بطورِ خاص پسند آئی وہ آداب رسالت اور عشق و محبت مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چاشنی ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے نامور علماء بھی جب بطورِ محدث کسی حدیث پر بحث کرتے ہیں تو بعض ایسی باتیں ان کے قلم سے نکل جاتی ہیں جن سے معترض کو شاید بظاہر میں سہارا مل جاتا ہو مگر عظمت رسالت کا احترام اوجھل ہو جاتا ہے مگر علامہ موصوف ایسے نازک مقامات پر اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں کہ حدیث کی روح بھی نکھر کر سامنے آ جاتی ہے اور عظمت مصطفےٰ بھی مزید اُجاگر ہو جاتی ہے۔

اس شرح کو دیگر شروح سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ عصری مسائل پر سیر حاصل گفتگو ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ علامہ سعیدی نے نزاکتِ وقت کا احساس کرتے ہوئے مسائل عصریہ پر بحث کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ آپ نے دورِ حاضر کے جدید مسائل پر جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان کے محاسن کے لیے علیحدہ ایک مبسوط تحقیقی مقالے کی ضرورت ہے جو اہل علم کا کام ہے۔ جن عصری مسائل پر موصوف نے داد تحقیق دی ہے۔ ان میں سے چند موضوعات کی جھلک ملاحظہ فرمائیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا محمد خان قادری، منہاج القرآن لاہور

محترم و مکرم محقق دوراں رازی زماں علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم

السلام علیکم۔ مزاج گرامی

بندہ نے اس سے پہلے بھی آپ کی کتب ذکر بالجہر، مقالات سعیدی، تذکرۃ المحدثین، توضیح البیان سے استفادہ کیا۔ آپ کی تحقیقات پڑھ کر دل سے دعائیں نکلیں کہ اے اللہ! ایسے شخص کو مزید ترقی عطا فرما۔

ان دنوں شرح صحیح مسلم کی چار جلدیں طبع ہو کر آئی ہیں، ان کا متعدد مقامات سے مطالعہ کیا اس کے بعد جی چاہا کہ آپ کا وقت نکال کر تحریری سلام عرض کر دوں۔

میرے نزدیک آپ کا یہ کام برصغیر کی تاریخ میں پہلا کام ہے۔ اتنی محنت، تحقیق کے ساتھ کسی شخص نے بھی مسائل حاضرہ پر گفتگو نہیں کی۔ آپ نے جس احسن انداز کے ساتھ مختلف مسائل کو بطریق استدلال بیان فرمایا ہے یہ آپ ہی کا حصہ ہے: ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

ان شاء اللہ کسی وقت تفصیلاً خط لکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ دنیا و آخرت میں اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے، حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہو اور اسلام و دین کی مزید خدمت کی توفیق نصیب ہو، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

والسلام

محمد خان قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ حمد الشاکرین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین اکرم الاولین والاٰخرین حامل لواء الحمد یوم الدین اول الشافعین والمشفعین صاحب المقام المحمود بین المحشورین الذی نطقہٗ وحی رب العالمین والذی خلقہ معیار للحسن فی الاولین والاٰخرین رحمۃ للعالمین حبیب رب العٰلمین سیدنا محمد وعلٰی اٰلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الراشدین المہدیین وازواجہ الطاہرات المطہرات امہات المؤمنین ولاولیاء امتہ الواصلین الکاملین وعلماء امتہ الراسخین من المفسرین والمحدثین والائمۃ المجتہدین اجمعین

کِتَابُ الْاَقْضِیَۃِ

قضاء کا لغوی معنی

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری لکھتے ہیں: قضاء کا معنی ہے حکم، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ "آپ کے رب نے یہ حکم دیا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو" اور یہ لفظ فراغت کے معنی میں بھی مستعمل ہے قضیت حاجتی "میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا" اور قضی نحبہ کے معنی ہیں "مر گیا" ادا کرنے اور پہنچانے کے معنی میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وقضینا الیہ ذلک الامر "ہم نے اس تک یہ حکم پہنچایا" قضیت دینی "میں نے اپنا قرض ادا کر دیا" اس کا معنی بنانا اور مقدر کرنا بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فقضھن سبع سموات فی یومین "اللہ تعالیٰ نے دو دنوں میں سات آسمان کو بنا دیا" وغیرہ وغیرہ[1]

علامہ سید زبیدی نے بھی تقریباً یہ تمام معانی ذکر کیے ہیں لکھتے ہیں قضاء کا معنی ہے حکم میں فیصلہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولولا اجل مسمی لقضی بینھم "اگر وقت مقرر نہ ہوتا تو ان کے درمیان حکم کا فیصلہ کر دیا جاتا" اور کسی امر کو مقرر کرنے کا معنی بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثم قضی اجلا "پھر کسی وقت مقرر کر دی" وغیرہ وغیرہ[2]

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: اہل حجاز نے کہا ہے کہ لغت میں قاضی اس شخص کو کہتے ہیں جو معاملات میں فیصلہ کرنے والا اور حکم نافذ کرنے والا ہو، صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھذا ما قاضی علیہ محمد "یہ وہ ہے جس کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ کیا" زہری نے کہا ہے کہ قضاء لغت میں متعدد معانی میں مستعمل ہے اور ان سب کا مرجع کسی شئی کے منقطع اور پورے

---

[1] علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ الصحاح ج ۶ ص ۲۴۶۳، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ

[2] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۱۰ ص ۲۹۶ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، ۱۳۰۶ھ

جس کا طرف ہوتا ہے ہر وہ چیز جس کو محکم کر دیا جائے ختم کر دیا جائے نافذ کر دیا جائے، گزار دیا جائے، اس کے لیے قضاء کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ [1]

قضاء کا شرعی معنی

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے القضاء قول ملزم یصدر عن ولایۃ عامۃ جس شخص کو ولایت عامہ حاصل ہو اس کا وہ حکم جو کسی پر کسی چیز کو لازم کر دے اس کو قضاء کہتے ہیں۔ [2]

ابن فرحون نے قضاء کی یہ تعریف کی ہے ھو الاخبار عن حکم شرعی علی سبیل الالزام۔ کسی حکم شرعی کو لازم اور واجب کرنے کے لیے بیان کرنا۔ (تبصرۃ الحکام ج ۱ ص ۱۲)

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: فتح القدیر میں قضاء کی تعریف الزام (کسی چیز کو لازم کرنا) کے ساتھ کی گئی ہے۔ محیط میں لکھا ہے جھگڑوں کو ختم کرنا اور خصومات کا فیصلہ کرنا قضاء ہے۔ بدائع الصنائع میں لکھا ہے لوگوں میں حق کے ساتھ حکم کرنا قضاء ہے اور حق کی تفسیر یہ ہے کہ جس امر واقعہ میں وہ حکم دیا جائے جو کتاب اللہ، سنت متواترہ، سنت مشہورہ یا اجماع سے ثابت ہو یا اس طور کہ اس کے نزدیک کتاب یا سنت سے (خواہ خبر واحد ہو) یا قیاس سے اس حکم پر ایسی دلیل قائم ہو گئی ہو جس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے، اگر اس کے نزدیک دلیل قطعی سے ایک حکم ثابت ہو جائے اور وہ اس کے خلاف فیصلہ کرے تو یہ قضاء باطل ہے۔ اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں اگر اس نے ایسا فیصلہ کیا جو کسی امام کا مذہب نہیں ہے تو وہ قضاء بھی باطل ہے کیونکہ حق ائمہ اربعہ کی آراء سے باہر نہیں ہے، اور اگر اس نے نص صریح کے خلاف اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا تو یہ قضاء بھی باطل ہے کیونکہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا باطل اور فاسد ہے اور جس مسئلہ میں نص نہ ہو تو اگر قاضی مجتہد ہے وہ اپنی رائے سے فیصلہ کرے دوسرے کی رائے سے فیصلہ نہ کرے اور اگر وہ کسی فقیہ کا مقلد ہو تو امام اعظم کے نزدیک وہ پھر بھی اجتہاد کر سکتا ہے اور صاحبین منع کرتے ہیں اور ایک قول میں اختلاف اس کے برعکس ہے۔ اور جب کسی مسئلہ میں اشکال واقع ہو تو اپنی رائے سے کام لے اور بہتر ہے کہ فقہاء سے مشورہ کرے اور اگر ان سے اختلاف ہو تو اپنی رائے پر عمل کرے لیکن قضاء میں جلدی نہ کرے۔ اگر قاضی اجتہاد کا اہل نہیں ہے تو اگر اس کو صحابہ کے اقوال یاد ہوں تو جس قول پر اس کا دل مطمئن ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے ورنہ اس شہر میں ہمارے فقہاء (فقہاء احناف) کے فتویٰ کے مطابق عمل کرے اور اگر اس شہر میں صرف ایک فقیہ ہو تو اس کے قول پر بھی عمل کر سکتا ہے، اور اگر اس نے جان بوجھ کر دوسرے امام کے مذہب پر فیصلہ کیا تو یہ قضاء باطل ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب قاضی خود اجتہاد کا اہل نہ ہو اور جب وہ خود اجتہاد کا اہل ہو تو دوسرے امام کے مذہب کے مطابق بھی فیصلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا اجتہاد اس امام کے اجتہاد کے موافق ہو، اور اگر اس نے نسیاناً یہ فیصلہ کیا تو وہ اس کو باطل کر سکتا ہے۔ اور بعض روایات میں یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک اس کی قضاء نافذ ہے اور صاحبین کا اس میں اختلاف ہے۔ [3]

منصب قضاء کی فضیلت اور اہمیت

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد حق کے ساتھ فیصلہ کرنا سب سے اہم فرض ہے اور سب سے افضل عبادت ہے کیونکہ اسی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور فرمایا: انی جاعل فی الارض خلیفۃ "میں زمین میں اپنا خلیفہ

---

[1] علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور مصری افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۵ ص ۱۸۶، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[2] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۳۰۶، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

[3] علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۵۵ - ۲۵۶، مطبوعہ مکتبہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

بنانے والے ہیں۔ (البقرہ: ۳۰) اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔ "اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا" (ص: ۲۶) اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ارشاد فرمایا: انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی و نور یحکم بہا النبیون۔ "ہم نے تورات اور انجیل نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے جس کے ساتھ انبیاء حکم دیتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فاحکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم۔ "اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل کیے ان کے مطابق ان میں فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے" (المائدہ: ۴۸) الغرض ہر زمانہ میں حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کی وجہ سے عدل کا اظہار ہوتا ہے اور عدل کے سبب سے آسمان اور زمین قائم ہیں، نیز ہر صاحب عقل یہ چاہتا ہے کہ ظلم کو ختم کیا جائے، ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے اور ہر حق دار کو اس کا حق پہنچایا جائے اور نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے اسی مقصد کے لیے انبیاء اور رسل علیہم الصلوات کی بعثت کی گئی تھی اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی مقصد کی تکمیل میں لگے رہے۔

امام سرخسی کتاب القضاء کے شروع میں امام محمد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ کر بھیجا حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ قضاء ایک محکم فریضہ اور سنت متبعہ ہے۔ فریضہ محکمہ سے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ ایسی قطعی دلیل سے ثابت ہے اس میں نسخ کا احتمال نہیں ہے، نہ تخصیص یا تاویل کی گنجائش ہے اور سنت متبعہ سے ان کی مراد ہے احکام وغیرہ پر عمل کرنے کا وہ طریقہ جس کی اتباع کرنا ہر حال میں واجب ہے۔[1]

عہد رسالت میں قضاء کا نظام

عہد رسالت میں تمام مقدمات کے فیصلے خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم انجام دیتے تھے، لیکن بعض اوقات آپ صحابہ کی تربیت کی خاطر صحابہ کرام کو بھی قضاء کرنے کا حکم دیتے تھے جیسا کہ آپ نے حضرت معاذ کو یمن کے واقعہ میں فرمایا ہے اور حضرت عمرو بن العاص کو ان سے زیادہ واضح حکم دیا اور اس سے بھی واضح یہ حدیث ہے، امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

عن عمرو بن العاص جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصمان یختصمان فقال لعمرو اقض بینھما یا عمرو فقال انت اولی بذلک منی یا رسول اللہ قال وان کان قال فاذا قضیت بینھما فما لی قال ان انت قضیت بینھما فاصبت القضاء فلک عشر حسنات وان انت اجتہدت فاخطات فلک حسنۃ[2]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنا مقدمہ پیش کیا، آپ نے حضرت عمرو سے کہا: اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کرو، حضرت عمرو نے کہا: یا رسول اللہ یہ فیصلہ کرنا تو میرے بجائے آپ کا منصب ہے، آپ نے فرمایا: ہر چند کہ ایسا ہی ہے، حضرت عمرو نے کہا اگر میں ان کے درمیان فیصلہ کر دوں تو مجھے کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: اگر تم نے ان کے درمیان صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر تم کو صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کے باوجود خطا لاحق ہو تو تم کو ایک نیکی ملے گی۔

نیز امام احمد روایت کرتے ہیں:

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۶ ص ۶۰–۵۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

عن عقبة بن عامر عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله غير انه قال فان اجتهدت فاصبت القضاء فلك عشرة اجور وان اجتهدت فاخطات فلك اجر واحد۔ [1]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب سابق روایت بیان کی ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ اگر تم نے اجتہاد سے صحیح فیصلہ کیا تو تم کو دس اجر ملیں گے اور اگر تم نے اجتہاد کے بعد خطاء کی تو تم کو ایک اجر ملے گا۔

حضرت عمرو بن العاص اور حضرت عقبہ بن عامر کے ان واقعات کو امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

جب اسلام کی سرحدیں پھیل گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشغولیات بڑھ گئیں تو آپ نے اسلامی علاقوں میں حضرات صحابہ کرام کو حاکم مقرر کر کے بھیجا اس وقت قضاء کا علیحدہ شعبہ نہیں تھا اور علاقہ کے حاکم کے ہی ذمہ قضاء کے فرائض بھی ہوتے تھے۔ آپ نے حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو موسیٰ اشعری کو یمن میں بھیجا اور حضرت علاء بن حضرمی کو بحرین کا قاضی مقرر کیا۔ (المطالب العالیہ ج ۲ ص ۲۳۰) حضرت معقل بن یسار بھی قاضی ہیں تھے (مسند احمد ج ۵ ص ۲۶) حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا قاضی مقرر کیا (ادب القاضی للماوردی ج ۱ ص ۱۳۱) حضرت دحیہ کلبی کو یمن کے ایک علاقہ کا قاضی مقرر کیا (ادب القاضی ج ۱ ص ۱۳۲) اور حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاضیوں میں شمار ہوتا تھا (تراتیب الاداریہ ج ۱ ص ۲۵۸)۔

عہد صحابہ میں قضاء کا نظام

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: آغاز اسلام میں سلطان خود فیصلے کرتے تھے اور منصب قضاء کسی اور کو نہیں تفویض کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ منصب دوسروں کے سپرد کیا۔ آپ نے مدینہ میں حضرت ابو الدرداء کو، بصرہ میں شریح کو اور کوفہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر فرمایا۔ حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو فیصلہ کرنے کے بارے میں ایک خط لکھا آپ کا یہ خط بہت مشہور ہے اور احکام قضاء کے سلسلے میں ایک اساسی دستاویز ہے۔ حضرت عمر لکھتے ہیں:

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ فیصلہ کرنا ایک اہم فرض ہے اور یہ وہ سنت ہے جس کی پیروی کرنا واجب ہے، جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ لایا جائے تو اس کا ایسا فیصلہ نہ کرو جس کو نافذ نہ کیا جا سکے، مجلس قضاء میں لوگوں کے درمیان مساوات رکھو تاکہ امیر تمہاری بے جا حمایت کی امید نہ رکھے اور غریب تمہارے انصاف سے مایوس نہ ہو۔ مدعی کے ذمہ ثبوت پیش کرنا ہے اور مدعا علیہ پر قسم لازم ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے البتہ ایسی صلح جائز نہیں ہے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے، اگر کل تم کوئی فیصلہ کر چکے اور آج اس میں غور کے بعد تم پر حق واضح ہو گیا ہے تو کل کا کیا ہوا فیصلہ تمہیں حق کی طرف رجوع کرنے سے مانع نہ ہونے پائے کیونکہ حق قدیم ہے اور باطل میں الجھے رہنے سے حق کا اختیار کرنا واجب ہے۔ جس چیز کی نظیر تمہیں قرآن اور سنت میں نہ ملے تو اس کے امثال اور نظائر پر غور کرو اور ان نظائر پر قیاس کر کے اس چیز کا فیصلہ کرو، اگر مدعی کسی غیر موجود حق کا یا کسی غیر موجود ثبوت کا دعویدار ہو تو مقدمہ کی تاریخ ڈال دو اور اگر ثبوت لے آئے تو اس کا حق اس کے حوالے کر دو ورنہ اس کے خلاف فیصلہ کر دو، کیونکہ شک اور ابہام کو دور کرنے کی اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں ہے۔ سب مسلمان آپس میں نیک اور عادل ہیں ماسوا اس شخص کے جس پر حد جاری ہو چکی ہو یا جس کی جھوٹی شہادت ثابت

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ مسند احمد ج ۴ ص ۲۰۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ۔

[2] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۰۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

ہو چکی ہو یا جو شخص نسب یا اولاد میں متہم ہو، مستقل اختلافات کا فیصلہ کرتے وقت پریشانی اور کراہت کو دور کرنے والا اور منعقد کرنے والوں پر اثر ہو کر ناحق پر عمل کرنے کی وجہ سے آخرت میں اجر عظیم ملتا ہے اور دنیا میں تحسین ہوتی ہے۔

ہر چند کہ قضاء خلفاء کی ذمہ داری تھی کیونکہ سیاست عامہ کے فرائض خود خلفاء ہی انجام دیتے تھے تاہم خلفاء دوسروں کو قاضی بناتے تھے کیونکہ ان کے مشاغل بہت زیادہ تھے مثلاً جہاد کا انتظام کرنا، مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال کرنا، سرحدوں کی حفاظت کرنا اور ملک میں امن قائم رکھنا۔ اور ان اہم کاموں کو دوسروں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قضاء کی شرائط اور احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں اور کتب احکام سلطانیہ میں خصوصاً مذکور ہیں۔[1]

آخرت میں قاضی کی سخت گرفت اور شدید محاسبہ اور مواخذہ کے بارے میں احادیث اور آثار:

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن موهب ان عثمان قال لابن عمر اذهب فاقض بين الناس قال او تعافيني يا امير المؤمنين قال فما تكره من ذلك وقد كان ابوك يقضي قال اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من كان قاضيا فقضى بالعدل فبالحرى ان ينقلب منه كفافا فما ارجو بعد ذلك۔[2]

عبد اللہ بن موہب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا جاؤ لوگوں کے درمیان فیصلے کرو، حضرت ابن عمر نے کہا اے امیر المؤمنین آپ مجھے اس سے معاف رکھیں۔ حضرت عثمان نے کہا تم کس وجہ سے اس کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ تمہارے والد قضاء کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص قاضی بنا اور اس نے انصاف سے فیصلے کیے تو وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کا معاملہ برابر برابر کر دیا جائے۔ حضرت ابن عمر نے کہا کیا اس حدیث کو سننے کے بعد میں قضاء کی خواہش کروں گا۔

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من ولي القضاء او جعل قاضيا بين الناس فقد ذبح بغير سكين۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو منصب قضاء سونپا گیا یا فرمایا جو شخص لوگوں کا قاضی بنایا گیا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی کئی اسانید سے روایت کیا ہے[4] نیز اس حدیث کو امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔[5]

نیز امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

1۔ علامہ عبد الرحمن بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ، مقدمہ ابن خلدون مترجم ج ۱ ص ۴۲۵-۴۲۳، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی طبع نہم ۱۹۸۰ء

2۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

3۔ جامع ترمذی ص ۲۱۰

4۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۴۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

5۔ امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۰۴، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

عن بریدۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال القضاۃ ثلاثۃ واحد فی الجنۃ واثنان فی النار فاما الذی فی الجنۃ فرجل عرف الحق فقضی بہ ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فھو فی النار ورجل قضی للناس علی جھل فھو فی النار[1]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنت میں ہوگا اور دو جہنم میں ہوں گے جنت میں وہ شخص ہوگا جس کو حق کا علم ہوگا اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے گا اور جس شخص کو حق کا علم ہو اور پھر وہ فیصلہ میں ظلم کرے وہ جہنم میں ہوگا اور جو شخص بغیر علم کے لوگوں کے فیصلے کرے وہ بھی جہنم میں ہوگا۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیأتین علی القاضی العدل یوم القیمۃ ساعۃ یتمنی انہ لم یقض بین اثنین فی تمرۃ قط رواہ احمد واسنادہ حسن ورواہ الطبرانی فی الاوسط[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن قاضی عادل پر بھی ایک ایسی گھڑی آئے گی جس میں وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس نے دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے اور اس کو امام طبرانی نے بھی "اوسط" میں روایت کیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من امیر عشرۃ الا یؤتی بہ یوم القیمۃ مغلولا لا یفکہ الا العدل۔ رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دس آدمیوں کا بھی امیر رہا ہوگا اس کے گلے میں قیامت کے دن طوق ڈال دیا جائے گا اور اسے عدل کے سوا کوئی نہیں چھڑا سکے گا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان قاضیا فقضی بجھل کان من اھل النار ومن کان قاضیا عالما فقضی بحق او بعدل سأل تقلب کفافا فما ارجوا بعد ھذا رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط والبزار ولاحمد کلاھما باختصار ورجالہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قاضی ہو اور بغیر علم کے فیصلے کرے وہ جہنمیوں میں سے ہے اور جو قاضی عالم ہو اور عدل سے فیصلے کرے وہ سوال کرے گا کہ اس کے ساتھ برابر برابر معاملہ کر دیا جائے۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ اس حدیث کو سننے کے بعد میں قضا کی خواہش نہیں کرتا۔ امام طبرانی نے اس کو معجم کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور امام احمد اور امام بزار نے اس کو اختصار سے

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۹۲، مطبوعہ دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

[3] مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۹۲-۱۹۳

ثقات [1]

روایت کیا ہے اور اس کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من حاكم يحكم بين الناس الا جاء يوم القيمة وملك آخذ بقفاه ثم يرفع رأسه الى السماء فان قال القه القاه في مهواة اربعين خريفا [2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن ایک فرشتہ اس کی گدی کو پکڑ کر لائے گا پھر اس کا سر آسمان کی طرف بلند کرے گا، اگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو پھینک دو تو وہ اس کو چالیس سال کی گہرائی تک جہنم کے گڑھے میں پھینک دے گا۔

اس حدیث کو امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں:

عن ابي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقضي القاضي الا وهو شبعان ريان۔ [4]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قاضی شکم سیر اور سیراب ہو صرف اس وقت فیصلہ کرے۔

سلف صالحین کا منصب قضاء کو قبول کرنے سے گریز

ان احادیث کی بناء پر اکثر سلف صالحین سے منقول ہے کہ وہ منصب قضاء کو قبول کرنے سے گھبراتے تھے اور ہزاروں سختیاں اور صعوبتیں برداشت کرتے لیکن قضاء کا عہدہ قبول نہیں کرتے تھے، امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن عادل قاضی کو اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا جس کو اپنے سخت حساب و کتاب کا سامنا ہوگا۔ وہ یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس نے زندگی میں کوئی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ [5] اس حدیث میں عادل قاضی کے خوف حساب کا ذکر ہے اور جب عادل قاضی کا یہ حال ہوگا تو ظالم قاضی کا کیا حشر ہوگا۔

امام خصاف ذکر کرتے ہیں کہ حضرت مسعود بن حرملہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مقام ذی قار میں طرب (ریاست کی چوٹی) پر کھڑے ہو کر ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا کہ آگاہ رہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "قیامت کے دن ہر حاکم اور قاضی کو پل صراط پر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ پھر فرشتے اعلیٰ اور ماتحت لوگوں کے سامنے اس کے طرز عمل کے بارے میں اس کے نامۂ اعمال کا اعلان کریں گے۔ خواہ وہ حاکم یا قاضی عادل ہو یا ظالم اور وہ تمام عالم میں اس کا اعمال نامہ پڑھ کر سنائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ویوم یقوم الاشہاد (مومن: ۵۱) جس دن گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوں گے" اگر وہ حاکم (یا قاضی) عادل تھا تو اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو نجات دے گا اور اگر وہ ظالم تھا تو پل صراط اس کی وجہ

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۹۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۶۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۲ھ

[3] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۰۵، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[4] " " " " سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۰۶

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۷۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

قرآن مجید کی روشنی میں منصب قضاء قبول کرنے کا بیان

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوٰی۔ (ص: ۲۶)

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو تم لوگوں میں حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین۔ (مائدہ: ۴۲)

اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

یایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط۔ (نساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر اچھی طرح قائم رہنے والے ہو جاؤ۔

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی۔ (مائدہ: ۸)

کسی قوم سے عداوت تم کو اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، تم (ہمیشہ) عدل کرتے رہو کیونکہ وہ خدا ترسی کے زیادہ قریب ہے۔

واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین (حجرات: ۹)

اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو بہت محبوب رکھتا ہے۔

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربٰی (انعام: ۱۵۲)

اور جب تم کچھ کہو تو حق بات کہو خواہ تمہارا قریبی رشتہ دار ہو۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔ (نساء: ۵۸)

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

احادیث کی روشنی میں منصب قضاء قبول کرنے کا بیان

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا حسد الا فی اثنتین رجل اتاہ اللہ مالا فسلطہ علی ھلکتہ فی الحق ورجل اتاہ اللہ الحکمۃ فھو یقضی بھا ویعلمھا۔[۱]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اس کو حق کے راستوں میں خرچ کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

---

[۱] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

عن ابی ایوب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید اللہ مع القاضی حین یقضی ویداللہ مع القاسم حین یقسم[1]

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قاضی فیصلہ کرتا ہے تو اس پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور جب قاسم تقسیم کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن معقل بن یسار المزنی قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقضی بین قوم فقلت ما احسن ان اقضی یا رسول اللہ قال ید اللہ مع القاضی ما لم یحف عمدا، رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط۔[2]

حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قوم کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اچھی طرح فیصلہ نہیں کر سکتا، آپ نے فرمایا جب تک قاضی عمداً ظلم نہ کرے اس پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولی من امر المسلمین ولایۃ وکانت بنیۃ الحق وکل اللہ بہ ملکین یوفقانہ ویرشدانہ ومن ولی من امر المسلمین شیئا وکانت نیتہ غیر الحق وکل اللہ الی نفسہ رواہ الطبرانی فی الاوسط والبزار۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی در آں حالیکہ اس کی نیت حق کے مطابق کام کرنے کی تھی تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کو بتلاتے ہیں اور اس کی حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور جس شخص کو مسلمانوں کا کوئی عہدہ دیا گیا در آں حالیکہ اس کی نیت حق کے مطابق کام کرنے کی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بزار نے روایت کیا ہے۔

ہر چند کہ حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ موخر الذکر دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے تاہم فضائل اعمال میں چونکہ حدیث ضعیف بھی حجت ہوتی ہے اس لیے ہم نے ان حدیثوں کو بہ طور استشہاد پیش ذکر کیا ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سایہ (رحمت) کے سوا کسی کا سایہ

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۹۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

[3] ″ ″ ″ ″ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۳، ۹۰

ظل الا ظلہ، الامام العادل، وشاب نشأ بعبادۃ اللہ، ورجل قلبہ معلق فی المساجد ورجلان تحابا فی اللہ عز وجل اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ ورجل دعتہ امرأۃ ذات منصب وجمال، فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق فاخفاها حتی لا تعلم یمینہ ما تنفق شمالہ۔ [1]

نہیں ہوگا اس دن سات شخص اللہ کے سائے میں ہوں گے، انصاف کرنے والا امام، وہ نوجوان جس کی نشوونما اللہ کی عبادت میں ہوئی، وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے، وہ دو آدمی جو اللہ کی وجہ سے آپس میں محبت رکھتے ہوں، اللہ کی وجہ سے ملتے ہوں اور اس کی وجہ سے جدا ہوتے ہوں، وہ شخص جس کو کسی حسین اور با اختیار عورت نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جس نے چھپا کر صدقہ کیا حتیٰ کہ دائیں ہاتھ کو پتا نہ چلا کہ بائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

حافظ زیلعی طبرانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم من امام عادل افضل من عبادۃ ستین سنۃ وحد یقام فی الارض بحقہ ازکی فیها من مطر اربعین یوما۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصاف کرنے والے امام کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور زمین پر حد قائم کرنا چالیس سال کی بارش سے زیادہ پاکیزگی اور صفائی کرنے والا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان المقسطین فی الدنیا علی منابر من نور عن یمین الرحمن وکلتا یدیہ یمین الذین یعدلون فی حکمهم واهلیهم وما ولوا [3]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں عدل و انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) رحمان کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو حکم کرتے وقت انصاف کرتے ہیں، اپنے اہل و عیال اور جو کام ان کے سپرد ہو، اس میں انصاف سے کام لیتے ہیں (یعنی کسی کی بے جا رعایت نہیں کرتے)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احب الناس الی اللہ یوم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک

1۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

2۔ حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۶۸، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

3۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

القیامۃ وادناھم مجلسا امام عادل وابغض الناس الی اللہ وابعدھم منہ مجلسا امام جائر۔[1]

سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ اس کے قریب وہ شخص ہوگا جو انصاف کرنے والا حاکم ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض اور سب سے دور وہ شخص ہوگا جو ظلم کرنے والا حاکم ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قاضی کے لیے ایک دن کے عادلانہ فیصلہ کرنے کا اجر اس شخص کے اجر سے زیادہ ہوتا ہے جو اپنے گھر میں ساٹھ یا ستر سال نماز پڑھتا ہے۔ نیز حضرت حسن بصری فرماتے ہیں قاضی کے انصاف کی وجہ سے مسلمانوں کے گھروں میں خیر اور بھلائی پہنچ جاتی ہے کیونکہ عدل و انصاف کی وجہ سے ان پر باران رحمت کا نزول ہوتا ہے جبکہ قاضی کے ظلم کی وجہ سے وہ قحط کا شکار ہو جاتے ہیں اس لیے قضاء کے عادلانہ فوائد کا تعلق جملہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عادلانہ فیصلہ مخلوق کی فریادوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے سے روک لیتا ہے۔ اور غیر عادلانہ فیصلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تک براہ راست شکایات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

منصب قضا قبول کرنے کا حکم

امام خصاف فرماتے ہیں ہمیں بہت سی ایسی احادیث پہنچی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منصب قضا قبول کرنا ایک ناپسندیدہ امر ہے بعض صالح اور نیک حضرات نے اس منصب کو قبول کیا اور کچھ صالح و نیک حضرات ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس سے اجتناب کیا مگر اس منصب کو قبول کرنا دین و دنیا میں بھلائی کا موجب ہے۔ اور ان میں سے کچھ یہ منصب قبول کریں تو پھر امام خصاف کا یہ قول اس صورت پر محمول ہے جب کسی شہر میں بہت سے نیک اور صاحب علم حضرات موجود ہوں اگر ان میں سے کوئی ایک شخص یہ منصب قبول نہ کرے تو وہ گنہگار نہ ہوگا اور اگر کسی شہر میں صرف ایک اہل شخص ہو جو نیک اور صاحب علم ہو اور پھر بھی وہ اس منصب کو قبول نہ کرے تو وہ گنہگار ہوگا۔

اگر کسی شہر میں بہت سے نیک اور صاحب علم لوگ ہوں اور وہ سب اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کریں اور حاکم وقت بھی بذات خود مقدمات کے فیصلے نہ کرتا ہو تو وہ سب لوگ گنہگار ہوں گے، کیونکہ اس صورت میں احکام الہیٰ کی تعمیل نہیں ہوگی اور اگر سب لوگ اس منصب سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ایک جاہل آدمی کو یہ منصب تفویض کر دیں تو وہ سب لوگ گنہگار ہوں گے کیونکہ جاہل شخص احکام الہیٰ کی دھجیاں بکھیر دے گا۔ علامہ ابن ہمام نے بزازیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ منصب قضاء کو قبول کرنا فرض کفایہ ہے۔[2]

عہدۂ قضاء کی مذمت میں وارد احادیث کا محمل

علامہ ابو الحسن علی بن خلیل لکھتے ہیں: منصب قضاء کو قبول کرنا فرض کفایہ ہے اور امت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قضاء کو قائم کرنا واجب ہے، اور اگر شہر میں صرف ایک شخص قضاء کا اہل ہو جس میں قضاء کی شرائط پائی جاتی ہوں تو اس پر اس منصب کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر وہ قضاء قبول نہ کرے تو اس کو قضا قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اکثر علماء اور مصنفین نے منصب قضاء سے احتراز کو بیان کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور منصب قضاء سے اعراض اور فرار کی بہت فضیلت بیان کی ہے حتیٰ کہ بہت سے فقہاء اور صالحین کے دماغوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جس نے منصب قضاء کو قبول کر لیا اس کا دین خطرہ میں پڑ گیا اور اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا یہ بات بالکل غلط ہے اور اس سے رجوع اور توبہ کرنا واجب ہے

---

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۱۱۔۲۰۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۵۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

بلکہ اس عظیم منصب کی تحصیل کرنا ضروری ہے، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مظلوم تک اس کا حق پہنچایا جائے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کیا جائے اور عدل و انصاف کو پھیلایا جائے اور اسی عدل و انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں قضاء کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اور جن احادیث میں قاضیوں پر وعید کا ذکر ہے وہ ظالم اور جاہل قاضیوں سے متعلق ہیں اور جس حدیث میں ہے: جس شخص کو قاضی بنا دیا گیا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی وغیرہ) بعض علماء نے کہا اس حدیث میں منصب قضاء کو قبول کرنے سے اجتناب اور احتراز کی ہدایت دی گئی ہے اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث منصب قضاء کی عظمت اور فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص منصب قضاء کو قبول کرتا ہے وہ اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے جہاد کرتا ہے اور جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ گویا راہ حق میں بغیر چھری کے ذبح کر دیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو اہل ہوا اور باطل پرست اس کے دشمن ہو جاتے ہیں کبھی قاضی کا فیصلہ کسی بہت مالدار اور صاحب اثر و رسوخ کے خلاف ہوتا ہے اور کبھی اس کا فیصلہ حکومت وقت کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے خلاف فیصلہ کرنا اپنی جان، مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور انگاروں سے کھیلنا ہے، پس قاضی حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر کے راہ حق میں ذبح ہو کر شہداء کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہم کو قاضی مقرر کیا۔ پس قضاء سے بچنے کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ ظالمانہ فیصلے اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کے بارے میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: قاضیوں کی تین قسمیں ہیں، دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے اور ایک قاضی جنت میں جائے گا جو قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اور جو قاضی عمداً حق سے انحراف کر کے ظالمانہ فیصلہ کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور جو قاضی جہالت سے فیصلہ کرے گا اور اہل علم سے پوچھنے میں عار محسوس کرے گا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ یہ حدیث ظالم اور جاہل قاضی کے متعلق ہے لیکن جو شخص حق اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کی کوشش کرے اور کوشش کے باوجود اس کو فیصلہ میں خطا لاحق ہو جائے وہ مجرم نہیں ہے بلکہ اس کو بھی اپنی کوشش کرنے کا ایک اجر ملے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ پر پہنچ جائے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ غلط فیصلہ پر پہنچے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وداود وسلیمان اذ یحکمن فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شاھدین ففھمنھا سلیمان وکلا اتینا حکما وعلما۔
(الانبیاء: ۷۸، ۷۹)

اور (یاد کیجئے) داؤد اور سلیمان کو جب وہ کھیت سے متعلق (ایک مقدمہ کا) فیصلہ کر رہے تھے جب (رات کو) اس میں (کچھ) لوگوں کی بکریاں چھوٹ گئیں اور ہم ان کے اس مقدمہ کا مشاہدہ کر رہے تھے، سو ہم نے اس مقدمہ (کا فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ان دونوں کو حکمت اور علم سے نوازا تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین۔
(العنکبوت: ۶۹)

وہ لوگ جو ہماری رضا جوئی میں جد و جہد کرتے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھائیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

عہدۂ قضاء سے سلف صالحین کے گریز کی توجیہ

بعض ائمہ مذاہب نے یہ کہا ہے کہ منصب قضاء ایک آزمائش ہے اور جس شخص نے عہدہ قضاء کو قبول کر لیا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کر دیا کیونکہ جو شخص اس میں مبتلاء ہو جائے اس کا نجات پانا بہت مشکل ہے اور ابو قلابہ نے کہا کہ جو قاضی عالم ہو اس کی مثال سمندر میں تیرنے والے کی طرح ہے اور کم لوگ ہی تیر کر سمندر کو عبور کر سکتے ہیں، اور بعض ائمہ نے کہا کہ متقین کا شعار عہدۂ قضاء سے دور رہنا ہے اور ایک جماعت کو جب عہدہ قضاء تفویض کیا گیا تو وہ اپنا شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور منصب قضاء قبول کرنے کی بجائے انہوں نے اذیتیں برداشت کرنے کو اختیار کر لیا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے بہت تکلیفوں، مصیبتوں اور اذیتوں کو برداشت کیا اور عہدہ قضاء قبول نہیں کیا اور ابو قلابہ اپنا شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور عہدہ قضاء قبول نہیں کیا۔ ان تمام بزرگوں کے اقوال کا محمل یہ ہے کہ جس شخص میں ضعف ہو اور جو بار وہ اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور جو شخص مستقل مزاجی سے فرائض قضاء کو انجام نہ دے سکتا ہو وہ شخص عہدہ قضاء کو قبول نہ کرے اسی طرح وہ شخص بھی اس عہدہ کو قبول نہ کرے جو علی وجہ البصیرت یہ سمجھتا ہو کہ وہ عہدہ قضاء کا اہل نہیں ہے خواہ لوگ اس کو اس عہدہ کا اہل سمجھتے ہوں۔ [1]

فرضیت قضاء کا بیان

ملک العلماء علاء الدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں: قاضی کو مقرر کرنا فرض ہے کیونکہ قاضی کو ایک فرض کے قائم کرنے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اور وہ فرض قضاء ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق (ص: ۲۶)

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے تو تم لوگوں میں حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرو۔

اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

فاحکم بینھم بما انزل اللہ (مائدہ: ۴۸) آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (کتاب یعنی قرآن مجید) کے مطابق فیصلے کیجئے اس سبب سے فرض کو قائم کرنے کے لیے قاضی کو مقرر کرنا فرض ہے نیز اس پر اتفاق ہے کہ سربراہ مملکت کا تقرر کرنا فرض ہے، کیونکہ اس کی فرضیت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، کیونکہ احکام نافذ کرنے، ظالم سے مظلوم کا حق دلانے اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے اور ان امور کو سربراہ مملکت ہی قائم کر سکتا ہے اور یہ چیز بداہتہً معلوم ہے کہ سربراہ مملکت خود تمام مقدمات کا فیصلہ نہیں کر سکتا اور نہ تمام علاقوں کا از خود بنفس نفیس انتظام کر سکتا ہے اس لیے ان امور کو قائم کرنے کے لیے اس کے نائب اور قائم مقام کی ضرورت ہے۔ اور وہ قاضی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف شہروں میں قاضیوں کا تقرر فرماتے تھے۔ سو آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا قاضی مقرر فرمایا پس قاضیوں کا تقرر کرنا امام کی ضروریات میں سے ہے اس لیے یہ فرض ہے۔ امام محمد نے اس کو فریضۃ محکمۃ فرمایا ہے کیونکہ اس حکم کے منسوخ ہونے کا احتمال نہیں ہے کہ اس حکم کا وجوب عقل سے ہے اور حکم عقلی منسوخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتا۔ [2]

---

[1] علامہ علاء الدین ابو الحسن علی بن خلیل طرابلسی حنفی، معین الحکام ص ۹۔ ۷، مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر، ۱۳۱۰ھ

[2] ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۵ ص ۲، مطبوعہ ایچ، ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

قضاء کی اقسام

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: قضاء اصل میں ایک محکم فریضہ اور لائق اتباع سنت ہے، صحابہ اور تابعین نے عہدہ قضاء کو قبول کیا اور سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے لیکن یہ فرض کفایہ ہے (کافی) قضاء کی پانچ اقسام ہیں:

(ا) اگر قضاء کی صلاحیت رکھنے والا صرف ایک شخص ہو اور اس کے علاوہ کوئی اور شخص نہ ہو تو وہ شخص قضاء کے لیے متعین ہے اور اس پر عہدہ قضاء کو قبول کرنا واجب ہے۔

(ب) اگر قضاء کی صلاحیت رکھنے والے متعدد شخص ہوں لیکن ایک شخص ان سب میں زیادہ صلاحیت رکھتا ہو تو اس پر قضاء کو قبول کرنا مستحب ہے۔

(ج) اگر قضاء کی صلاحیت اور اس منصب کو قائم کرنے میں سب برابر ہوں تو ان کے لیے قضاء کو قبول کرنا مباح ہے ان میں سے کوئی شخص قضاء کو قبول کرے یا ترک کرے کوئی حرج نہیں ہے۔

(د) اگر ایک شخص قضاء کی صلاحیت رکھتا ہو لیکن دوسرا اس سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے مقابلہ میں قضاء کو قبول کرنا مکروہ ہے۔

(ہ) ایک شخص کو علم ہو کہ وہ منصب قضاء کو قائم کرنے سے عاجز ہے اور چونکہ وہ خواہش نفس کا پیروکار ہے اس لیے انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے قضاء کو قبول کرنا حرام ہے۔ (خزانۃ المفتین)[1]

اہلیت قضاء کی شرائط

ملک العلماء علامہ کاسانی نے اہلیت قضاء کے لیے حسب ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) عقل (۲) بلوغ (۳) اسلام (۴) حریت (۵) بصر (۶) نطق یعنی گونگا نہ ہو (۷) اس شخص پر حد قذف نہ لگی ہو، پس مجنون، بچے، کافر، غلام، اندھے، گونگے، اور جس شخص کو تہمت لگانے کی وجہ سے حد قذف لگ چکی ہو اس کو قاضی مقرر کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ قاضی ایک عظیم ولی (متصرف فی الامور) ہوتا ہے (کیونکہ جو شخص کسی علاقے کا قاضی ہوتا ہے وہ اس علاقہ میں متصرف ہوتا ہے اور اس کے احکام اس علاقہ میں نافذ ہوتے ہیں۔) اور جس شخص میں یہ شرائط نہ ہوں وہ تو اس سے کم درجہ کی ولایت یعنی شہادت دینے کا بھی اہل نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ قضاء کا اہل ہو۔ اور ذکورت (یعنی مرد ہونا) عہدہ قضاء تفویض کرنے کے جواز کی شرط نہیں ہے کیونکہ عورت بھی فی الجملہ شہادت کی اہل ہے مگر عورت حدود اور قصاص میں عہدہ قضاء کی اہل نہیں ہے کیونکہ حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت جائز نہیں ہے اور قاضی وہی شخص ہو سکتا ہے جو شہادت دے سکتا ہو۔

کیا حلال اور حرام اور باقی احکام شرعیہ کا علم بھی عہدہ قضاء کو تفویض کرنے کے جواز کی شرط ہے؟ سو ہمارے نزدیک یہ جواز کی شرط نہیں ہے بلکہ ندب اور استحباب کی شرط ہے، اور محدثین کے نزدیک دوسرے احکام شرعیہ کا علم ہونا بلکہ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کی اہلیت رکھنا بھی عہدہ قضاء کی تفویض کے جواز کی شرط ہے اسی طرح ان کے نزدیک سربراہ مملکت کے تقرر کے لیے بھی یہ اہلیت شرط ہے اور ہمارے نزدیک سربراہ مملکت کے تقرر کے لیے احکام شرعیہ کے علم اور اہلیت اجتہاد کی شرط نہیں ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ اہل علم سے فتاویٰ حاصل کرکے ان کے مطابق عمل کرے، اسی طرح قاضی کے تقرر کے لیے بھی علم اور اجتہاد کی شرط نہیں ہے، اس کے باوجود جو شخص احکام شرعیہ سے جاہل ہو اس کو منصب قضاء نہیں سونپنا چاہیے، کیونکہ جو شخص جاہل ہو گا وہ اصلاح کی بجائے فساد زیادہ کرے گا اور اکثر لاعلمی کی وجہ سے غلط اور باطل فیصلے کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے کہ

۱۔ علامہ نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۰۵ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۳۰۰-۳۰۱، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک قاضی جنت میں جائے گا اور دو جہنم میں۔ جو شخص صاحب علم ہو اور وہ اپنے علم کے مطابق فیصلے کرے وہ جنت میں جائے گا اور جو شخص علم کے باوجود علم کے خلاف فیصلے کرے وہ جہنم میں جائے گا اور جو شخص جاہل ہو اور جہالت سے فیصلے کرے وہ جہنم میں جائے گا۔ البتہ ہمارے نزدیک جاہل کو قضاء کا منصب تفویض کرنا فی نفسہ جائز ہے کیونکہ وہ علماء سے فتاوی حاصل کر کے حق اور انصاف کے مطابق فیصلے کر سکتا ہے لیکن یہ تفویض مکروہ ہے۔ اسی طرح ہمارے نزدیک وہ ظالم اور فاجر جو شرع سے تجاوز نہ کرے اس کا تقرر بھی جائز ہے اور اس کے فیصلے نافذ ہو جائیں گے اور ہمارے نزدیک اس کی مثال بیع فاسد کی طرح ہے۔

ہمارے نزدیک منصب قضاء کے لیے عدالت (نیکی اور پرہیزگاری) بھی شرط نہیں ہے البتہ یہ کمال اور استحباب کی شرط ہے لہٰذا فاسق کو منصب قضاء کی تفویض کرنا جائز ہے اور اس کے فیصلے نافذ ہو جائیں گے بشرطیکہ وہ حد شرع سے متجاوز نہ ہو اور امام شافعی کے نزدیک فاسق شخص کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک فاسق شخص شہادت کا اہل نہیں ہے اس لیے وہ قضاء کا بھی اہل نہیں ہے اور ہمارے نزدیک فاسق شخص چونکہ شہادت کا اہل ہے اس لیے وہ قضاء کا بھی اہل ہے لیکن فاسق شخص کو یہ منصب سونپنا نہیں چاہیے کیونکہ قضاء بہت بڑی امانت ہے۔ لوگوں کے اموال، عزتیں اور جانیں بسبب قاضی کی امانت میں ہوتی ہیں، اس لیے ان امانتوں کے حقوق وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں کامل ہو۔ البتہ فی نفسہ فاسق کی قضاء جائز ہے اس لیے اگر اس کو قاضی بنا دیا گیا تو اس کے فیصلے نافذ ہوں گے لیکن یہ تقرر مکروہ ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں مذکور الصدر شرائط اہلیت قضاء کے جواز کی شرائط ہیں اور فضیلت اور کمال قضاء کی شرط یہ ہے کہ قاضی عادل اور عالم اور تمام احکام شرعیہ کا عالم ہو، اور اس کا علم حد اجتہاد کو پہنچا ہوا ہو، نیز وہ لوگوں کے عرف اور معاملات کو جاننے والا ہو، نیک اور پرہیزگار ہو، اس پر کسی قسم کی تہمت نہ ہو اور وہ کسی قسم کا لالچ نہ رکھتا ہو کیونکہ لوگوں کے درمیان حق اور انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا نام قضاء ہے اور جو شخص ان اوصاف کا حامل ہو گا وہ حق اور انصاف کے ساتھ ہی فیصلے کرے گا۔

ہم نے منصب قضاء کی جو شرائط بیان کی ہیں وہ فریقین میں حکم بنانے کی بھی وہی شرائط ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے: فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا "ایک حکم مرد کی طرف سے بھیجو اور ایک حکم عورت کی طرف سے" ان دو حکموں کا حکم قاضی کے درجہ میں ہے البتہ یہ حسب ذیل صورتوں میں قاضی سے مختلف ہے

(ا) حدود اور قصاص میں ان کا حکم جائز نہیں ہے۔

(ب) حکم دینے سے پہلے ان کی حاکمیت لازم نہیں ہوتی البتہ حکم دینے کے بعد ان کا فیصلہ لازم ہو جاتا ہے۔

(ج) اگر کسی اجتہادی مسئلہ میں حکم دیں اور قاضی کے پاس وہ مقدمہ لے جایا جائے تو قاضی اپنے اجتہاد سے ان کا حکم فسخ کر سکتا ہے۔[1]

مقدمات کے فیصلوں کی بنا اور معیار شرعی

قاضی جس مقدمہ کا فیصلہ کرے وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہونا چاہیے اور حق اور انصاف کا معیار یہ ہے کہ وہ فیصلہ دلائل شرعیہ کی بنیاد پر ہو۔ علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

مقدمہ کا فیصلہ یا تو دلیل قطعی پر مبنی ہو بایں طور کہ اس کی بناء قرآن مجید کی نص صریح یا حدیث متواتر، حدیث مشہور یا اجماع پر ہو یا وہ فیصلہ ایسی دلیل سے کیا جائے جو قرآن مجید کی کسی آیت یا حدیث متواتر یا حدیث مشہور، خبر واحد یا قیاس شرعی سے مستفاد ہو۔ یہ بناء ان مقدمات کے لیے ہے جو مسائل اجتہادیہ سے متعلق ہوں لیکن اگر کوئی ایسا مقدمہ ہے جس کے بارے میں فقہاء کا کوئی قول منقول نہیں

[1] ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

ہے اس کا اگر اس نے کوئی ایسا فیصلہ کیا جو دلیل قطعی کے خلاف ہو تو یہ فیصلہ باطل ہوگا، اسی طرح اگر اس نے مسائل اجتہادیہ میں کسی مسئلہ کا ایسا فیصلہ کیا جو مذاہب فقہاء سے خارج ہو تو اس کا یہ فیصلہ مردود ہوگا کیونکہ حق اقاویل فقہاء سے متجاوز نہیں ہے سو ہر وہ فیصلہ جو اقاویل فقہاء سے خارج ہو باطل ہوگا، اسی طرح جس مسئلہ میں قرآن مجید کی نص صریح ہو اور اس کا فیصلہ قرآن مجید کے خلاف ہو یا سنت کے خلاف ہو تو اس کا یہ فیصلہ ناجائز اور باطل ہوگا کیونکہ نص کے مقابلہ میں قیاس اور اجتہاد باطل اور ناجائز ہے خواہ نص قطعی ہو یا ظنی ہو، البتہ جن مسائل میں نص نہیں ہے اور نہ ان میں اجماع منقول ہے ان میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ [1]

چونکہ فقہاء احناف کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ ایسے شخص کو قاضی مقرر کیا جائے جو مجتہد ہو اس لیے ہم اجتہاد کی شرائط بیان کر رہے ہیں تاکہ یہ مسئلہ مکمل طور پر واضح ہو جائے۔

فقہاء احناف کے نزدیک اہلیت اجتہاد کی شرائط

علامہ ابو الحسن مرغینانی صاحب ہدایہ اجتہاد کی شرط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: [2]

ان یکون صاحب حدیث له معرفة بالفقه او صاحب فقه له معرفة بالحدیث لئلا یشتغل بالقیاس فی المنصوص علیه وقیل ان یکون مع ذلک صاحب قریحة یعرف بها عادات الناس لان من الاحکام ما یبتنی علیها۔ [3]

یہ کہ وہ شخص حدیث میں ماہر ہو اور اس کو فقہ کی معرفت ہو یا وہ شخص فقہ میں ماہر ہو اور اس کو حدیث کی معرفت ہو تاکہ وہ منصوص مسائل میں قیاس نہ کرے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ذہین اور طباع ہو (یعنی قیاس صحیح کر سکتا ہو)، لوگوں کے عرف اور عادت کو پہچانتا ہو کیونکہ بعض احکام عرف پر مبنی ہوتے ہیں، مثلاً حمام کو کرائے پر دینا قیاساً جائز نہیں ہے لیکن عرفاً جائز ہے یا گندم کے بدلے آٹے کو قرض لینا قیاساً جائز نہیں ہے اسی طرح کاریگر سے کوئی چیز بنوانا قیاساً جائز نہیں ہے لیکن عرفاً جائز ہے۔ (عنایہ وکفایہ)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ اجتہاد میں حدیث اور فقہ دونوں میں مہارت کی ضرورت ہے تاکہ اس کا قیاس نص صریح کے معارض ہو نہ اقاویل فقہاء کے خلاف ہو، خلاصہ یہ ہے کہ مجتہد وہ شخص ہے جو کتاب اور سنت کی عبارت النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص کا عالم ہو اور کتاب اور سنت کے ناسخ اور منسوخ کو جاننے والا ہو اور شرائط قیاس اور مسائل اجماعیہ اور اقوال صحابہ کو جاننے والا ہو تاکہ وہ اقوال صحابہ یا اجماع پر قیاس کو مقدم نہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ذہین اور طباع ہو اور لوگوں کے عرف اور عادت کو جانتا ہو، جو شخص ان تمام شرائط کا جامع ہو وہ اجتہاد کرنے کا اہل ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے (پھر اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں) ان مذکور الصدر دلائل سے کسی حکم شرعی کو حاصل کرنے کے لیے کوشش سے جدوجہد کرنا حتیٰ کہ اس حکم

---

[1] ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۴، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی ۱۴۰۰ھ۔

[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۳۲، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان۔

[3] کیونکہ اس کی تحدید نہیں ہو سکتی کہ نہانے والا کتنی دیر حمام کو استعمال کرے گا اسی طرح گندم کے بدلے آٹے میں مماثلت غیر متصور ہے اور مصنوعہ معدوم چیز ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ معدوم چیز کی بیع نہ کی جائے لیکن ان تمام چیزوں پر مسلمانوں کا تعامل ہے۔

پر غالب ظن ہو جائے اور اس حکم شرعی میں وہ کسی کی تقلید نہ کرے۔ [1]

علامہ طرابلسی لکھتے ہیں: مجتہد کے لیے واجب ہے کہ وہ کتاب اور سنت کی تعریفات اور اجماع اور قیاس کا جاننے والا ہو، سلف صالحین نے مجتہد کے لیے صرف ان شرائط کا ذکر کیا ہے اور ائمہ اور مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے جن مسائل فرعیہ کا استخراج کیا ہے ان کو جاننے کی اس میں شرط نہیں لگائی اور بعض علماء نے یہ شرط بھی لگائی اور کہا ہے کہ اجتہاد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مسائل فرعیہ کا علم ہو کیونکہ جس شخص کو ان مسائل پر عبور ہوگا وہ اجتہاد کا اہل ہوگا، شمس الائمہ سرخسی نے لکھا ہے کہ جس شخص نے امام محمد کی مبسوط اور مذہب متقدمین کو حفظ کر لیا وہ اجتہاد کا اہل ہے۔ اور جو شخص اس حد تک پہنچ جائے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے اور اس پر دوسرے شخص کی تقلید کرنا حرام ہے۔ [2]

علامہ زین الدین ابن نجیم نے اجتہاد کی چودہ شرائط بیان کی ہیں:

(۱) اسلام (۲) بلوغ (۳) عقل (۴) فقیہ النفس ہو یعنی طبعاً اور ذہین ہو اور اس کو استدلال اور استنباط کا ملکہ ہو (۵) لغت عربیہ کا علم ہو (۶) صرف کا علم ہو (۷) نحو کا علم ہو (۸) علم معانی کا علم ہو (۹) علم بیان کا علم ہو (۱۰) وجوہ قیاس کا علم ہو (۱۱) احکام سے متعلق کتاب اللہ کی آیات کا علم ہو (۱۲) احکام سے متعلق احادیث کا متناً اور سنداً علم ہو اور کتاب اور سنت کے ناسخ اور منسوخ کو جانتا ہو (۱۳) اجماع کی معرفت ہو (۱۴) لوگوں کے عرف اور عادت کو جانتا ہو۔ [3]

فقہاء نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ مجتہد کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ ان چودہ علوم کا عالم ہو اس سے ان تمام علوم کی معلومات کا زبانی یاد ہونا مراد نہیں ہے نہ یہ مراد ہے کہ اس کو احکام سے متعلق تمام آیات اور احادیث زبانی یاد ہوں نہ اقوال فقہاء اور آثار صحابہ کا زبانی یاد ہونا مراد ہے بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس میں یہ اہلیت ہو کہ وہ بوقت ضرورت قرآن مجید سے اور احادیث اور فقہ کے متعلقہ ابواب سے پیش آمدہ آیت اور حدیث کو تلاش کر کے حاصل کر سکے؛ اسی طرح حدیث کی سند کی کتب رجال سے تحقیق کر سکے اور جن علوم کو مجتہد کے لیے ذکر کیا ہے ان علوم میں اس کا متبحر ہونا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کو ان علوم میں دسترس ہونی چاہیے تاکہ بوقت اجتہاد ان علوم پر اس کی نظر ہو سکے، یہ بھی کہ ان علوم کی شرط سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ان علوم میں ماہر اور متبحر ہو، اور قرآن مجید، احادیث، آثار اور اقوال فقہاء کا حافظ ہو اور احادیث کی تمام اسانید اس کو زبانی یاد ہوں اور ان کی جرح اور تعدیل بھی حفظ ہو حتیٰ کہ مجتہد کا وجود عنقاء کی طرح بالکل نایاب اور ناپید ہو جائے اس کے برخلاف فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ مجتہد میں یہ اہلیت ہونی چاہیے کہ وہ ان چودہ علوم کے مسائل کو متعلقہ کتب کے ابواب سے بوقت ضرورت تلاش کر کے حاصل کر سکے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ تمام یا بعض قرآن کا حافظ ہو، بلکہ کافی ہے کہ وہ یہ جانتا ہو کہ پیش آمدہ مسائل کن ابواب میں ہیں اور بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر	ولا یشترط حفظہ لجمیع القرآن ولا لبعضہ عن ظھر القلب بل یکفی ان یعرف مظان احکامھا فی ابوابھا فیراجعھا وقت

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۴۶۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن خلیل طرابلسی حنفی، معین الحکام ص ۲۹، مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر، ۱۳۱۰ھ

[3] علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۵، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

المعلیۃ ولا یشترط التبحر فی ھذہ العلوم۔[1]

کے اور اس کے لیے ان علوم میں ماہر اور متبحر ہونا بھی ضروری نہیں۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

واما المجتھد الذی ذکرہ اھل الاصول فھو ان یکون عالما بالنصوص من الکتاب والسنۃ مما یتعلق بہ الاحکام الشرعیۃ ولا یشترط ان یکون عالما بجمیع ما فی الکتاب والسنۃ وھذا عزیز والرخصۃ ذلک ان یکون بحال یمکنہ طلب الحادثۃ الواقعۃ من النصوص التی تتعلق بھا الاحکام الشرعیۃ۔[2]

اصولیین نے مجتہد کی جو تعریف کی ہے اس کے لحاظ سے مجتہد کو احکام شرعیہ سے متعلق کتاب اور سنت کی تصریحات کا علم ہونا چاہیے اور اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ تمام کتاب اور سنت کا عالم ہو کیونکہ یہ ایک نادر امر ہے اور اس میں رخصت یہ ہے کہ وہ پیش آمدہ مسئلہ کا احکام شرعیہ سے متعلق تصریحات کو (کتاب وسنت سے) تلاش کر سکے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

ولا یشترط ان یکون الفقیہ محیطا بکل القرآن والسنۃ ولا ان یحیط بجمیع الاخبار الواردۃ ولا ان یکون مجتھدا فی کل المسائل بل یکفی معرفۃ ما یتعلق بموضوع البحث۔[3]

مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ تمام قرآن اور سنت تمام احادیث اور آثار مرویہ کا عالم ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ تمام مسائل میں مجتہد ہو بلکہ یہ کافی ہے کہ جو مسئلہ پیش آیا ہے اس سے متعلق احکام کا اسے علم ہو۔

فقہاء شافعیہ کے نزدیک اہلیت اجتہاد کی شرائط

علامہ نووی شافعی نے اس مسئلہ کو بہت وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

اہلیت اجتہاد چند امور کو جاننے سے حاصل ہوتی ہے ان میں سے ایک کتاب اللہ کا علم ہے، اور تمام قرآن مجید کا جاننا شرط نہیں ہے بلکہ احکام سے متعلق آیات کا جاننا ضروری ہے اور ان آیات کو یاد کرنا ضروری نہیں ہے، بعض اصحاب کا کلام بظاہر اس کے خلاف ہے دوسرا امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا علم ہے اور اس میں بھی جمیع احادیث کو جاننا ضروری نہیں بلکہ احکام سے متعلق احادیث کا جاننا کافی ہے اور ان میں عام، خاص، مطلق، مقید، مجمل، مبین، ناسخ، منسوخ، خبر متواتر، خبر واحد، مرسل، متصل اور راویوں کے احوال کی جرح اور تعدیل کی معرفت ہونی چاہیے اور تیسرا امر یہ ہے کہ فقہاء صحابہ اور بعد کے فقہاء کی معرفت ہونی چاہیے اور یہ جاننا چاہیے کہ کس مسئلہ میں ان کا اتفاق ہے اور کس میں اختلاف ہے، اور چوتھا امر قیاس ہے یعنی قیاس جلی اور قیاس خفی کی معرفت ہونی چاہیے اور قیاس صحیح اور قیاس فاسد میں تمیز ہونی چاہیے اور پانچواں امر لغت عرب ہے یعنی نحو صرف اور لغت وغیرہ کو جاننا چاہیے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں ہمارے اصحاب (فقہاء شافعیہ) نے یہ کہا ہے کہ اہلیت اجتہاد کے لیے ان علوم میں تبحر اور مہارت کی شرط نہیں ہے بلکہ اجمالی طور پر ان علوم کی معرفت کافی ہے، علامہ غزالی نے اس میں تخفیفات کا ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ، تمام متفرق اور منتشر

---

[1] علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۹۲، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

[2] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح الہدایہ جز ثالث ص ۴۲۹، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

[3] ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۴۸۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

احادیث کے حفظ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ کافی ہے کہ مجتہد کے پاس احکام سے متعلق تمام احادیث صحیحہ کا کوئی مجموعہ ہو جیسے سنن ابو داؤد ہے اور یہ کافی ہے کہ اس کو ہر باب کے مخزون کی معرفت ہو اور جب کسی مسئلہ میں اجتہاد کی ضرورت ہو تو اس حدیث کو متعلقہ باب میں تلاش کرے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ سنن ابو داؤد کی مثال دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں احکام سے متعلق کل احادیث ہیں نہ اکثر احادیث ہیں اور جس شخص کو علم حدیث میں معمولی درک بھی ہو اس کے لیے یہ بالکل ظاہر بات ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں احکام سے متعلق کتنی احادیث ہیں جو سنن ابو داؤد میں نہیں ہیں اسی طرح جامع ترمذی اور سنن نسائی اور دیگر کتب حدیث میں جو احکام سے متعلق احادیث ہیں ان کی کثرت اور شہرت کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔

راقم الحروف یہ کہتا ہے کہ صحاح ستہ، موطا امام مالک، مسند امام اعظم، سنن کبریٰ للبیہقی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور مجمع الزوائد میں احکام سے متعلق تمام احادیث اور آثار موجود ہیں پس اگر مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کے وقت ان کتابوں کے متعلقہ ابواب میں احادیث اور آثار کو تلاش کرے تو اس کو تسلی اور اطمینان ہو جائے گا کیونکہ ان کتب احادیث سے خارج کسی حکم شرعی سے متعلق کوئی حدیث اور اثر نہیں ہے۔ مسائل کے تتبع اور چھان بین کے دوران مصنف کو اس کا بارہا تجربہ ہوا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں: تمام اجماعی مسائل اور تمام اختلافی مسائل کو جاننا بھی مجتہد کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ کافی ہے کہ جس مسئلہ میں وہ فتویٰ دے رہا ہے اس میں اس کا قول اجماع کے خلاف نہ ہو، بایں طور کہ اس کو یہ علم ہو کہ اس کا یہ قول بعض متقدمین کے موافق ہے یا اس کو اس پر ظن غالب ہو کہ یہ مسئلہ متقدمین کے سامنے پیش نہیں آیا بلکہ یہ مسئلہ اس کے زمانہ میں پیدا ہوا ہے، ناسخ اور منسوخ کی معرفت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ اور جس حدیث کے قبول کرنے پر سلف کا اجماع ہو یا جس راوی کی عدالت تواتر سے ثابت ہو اس کی عدالت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے علاوہ راویوں کی عدالت کے لیے جرح اور تعدیل کے کسی مشہور امام کی تصریح کافی ہے۔

ان علوم کا مجتمع ہونا مجتہد مطلق میں شرط ہے جو تمام ابواب شرعیہ میں فتویٰ دیتا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ عالم کے لیے صرف کسی ایک باب میں منصب اجتہاد ہو۔ ہمارے اصحاب نے اہلیت اجتہاد میں اصول اعتقاد کی معرفت کی شرط بھی عائد کی ہے، امام غزالی فرماتے ہیں کہ مجتہد کے لیے متکلمین کے طریقہ پر اعتقاد کے دلائل کو جاننا لازم نہیں ہے۔ [1]

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک اہلیت اجتہاد کی شرائط

علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی اہلیت اجتہاد کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مجتہد وہ شخص ہے جو کتاب اور سنت کے حقیقت اور مجاز کی معرفت رکھتا ہو اور امر، نہی، مبین، مجمل، محکم، متشابہ، عام، خاص، مطلق، مقید، ناسخ، منسوخ، مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا علم رکھتا ہو اور احکام سے متعلق صحیح اور ضعیف اور متواتر اور آحاد احادیث کو جانتا ہو اور قیاس اور اس کی شرائط اور استنباط کے طریقہ کو جانتا ہو اور حجاز اور شام اور عراق میں متداول عربیت کو جانتا ہو سو جو شخص اکثر فقہ کو جانتا ہو وہ فتویٰ دینے (یعنی اجتہاد) کرے کیونکہ مفتی وہی ہوتا ہے جو مجتہد ہو۔ سیدی (ابن حمدان) اور قضاء کا اہل ہے۔ ابو محمد جوزی نے کہا جو شخص فقہ کے اصول اور فروع کو جانتا ہو وہ مجتہد ہے اور وہ کسی شخص کی تقلید نہ کرے۔ [2]

---

1. علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۸ ص ۹۶-۹۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ
2. علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبد اللہ محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع ج ۶ ص ۴۲۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۰۵ھ

مجتہد مطلق کی طرف منسوب ہونے والوں کی اقسام

علامہ زین الدین ابن نجیم لکھتے ہیں:

جو لوگ کسی امام مجتہد کی طرف منسوب ہوتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں، ایک عوام ہیں جو محض مقلد ہوتے ہیں، دوسرے وہ علماء ہیں جو خود بھی مجتہد ہوتے ہیں اگر ان کا اجتہاد امام کے موافق ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ان کا اجتہاد امام کے اجتہاد کے خلاف ہو تو یہ اپنے اجتہاد پر عمل کریں گے، (مثلاً امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام طحاوی، علامہ ابو بکر جصاص، قاضی خان، علامہ ابن ہمام وغیرہم) اور تیسری قسم ان علماء کی ہے جو غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن درجہ اجتہاد پر فائز نہیں ہوتے، اگر کسی حکم کے بارے میں امام کی نص مل جائے تو یہ اس حکم کی علت کا استنباط کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام کے مذہب کے مطابق یہ حکم اس طرح ہے اور اگر امام کی نص دیکھ لو تو اس کے مشابہ حکم سے تخریج کیا کرتے ہیں۔ (علامہ شامی، علامہ طحطاوی اسی معیار کے فقہاء تھے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔[1]

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں:

جو شخص امام شافعی، یا امام ابو حنیفہ یا امام مالک کے مذہب کی طرف منسوب ہو اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) عوام، ان کا مثلاً امام شافعی کی تقلید کرنا میت کی تقلید پر مبنی ہے۔

(۲) وہ علماء جو مرتبہ اجتہاد تک پہنچ چکے ہیں اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرتا اور یہ علماء مثلاً امام شافعی کی طرف اس لیے منسوب ہیں کہ یہ اپنے اجتہاد اور دلائل کی ترتیب میں امام شافعی کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں اور اکثر اوقات ان کا اجتہاد اپنے امام کے اجتہاد کے موافق ہوتا ہے اور اگر بعض اوقات ان کا اجتہاد اپنے امام کے مخالف ہو تو یہ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

(۳) **متوسطین:** یہ وہ لوگ ہیں جو اہل شرع میں درجہ اجتہاد تک تو نہیں پہنچے لیکن تمام ابواب فقہیہ میں اپنے امام کے اصول سے واقف ہوتے ہیں اور غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہ علماء بھی عوام کی طرح امام کے مقلد ہوتے ہیں اور عوام بھی ان کے اقوال پر عمل کر کے امام ہی کے مقلد ہوتے ہیں اور یہ بھی میت کی تقلید پر مبنی ہے (الیٰ قولہ) اور جب حکم اور علت میں امام کی نص موجود ہو تو یہ اس علت کی وجہ سے غیر منصوص کو منصوص کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں اور اگر امام نے صرف حکم بیان کرنے پر اقتصار کیا ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس حکم کی علت کو مستنبط کر کے غیر منصوص مسئلہ کو اس حکم کی طرف لاحق کرنا جائز ہے یا نہیں اور اشبہ بالحق یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔[2]

عوام اور فقہاء کی تقلید کا فرق

آج کل ہمارے زمانے میں دو قسم کے مقلد ہیں ایک تو عوام ہیں جو امام کے محض مقلد ہوتے ہیں اور ایک وہ علماء ہیں جو فقہی مسائل اور ان کے دلائل پر بصیرت رکھتے ہیں اور مسائل عصریہ کا حل کتاب و سنت اور اصول کی روشنی میں تلاش کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے مقلد صرف تقلید کرتے ہیں اور دوسری قسم کے مقلد امام کی اتباع کرتے ہیں۔ تقلید کے معنی ہیں دلائل سے قطع نظر کر کے کسی امام کے قول پر عمل کرنا اور اتباع سے مراد ہے کہ کسی امام کے قول کو کتاب و سنت کے موافق پا کر اور دلائل شرعیہ سے ثابت جان کر اس قول کو اختیار کر لینا۔ سو تقلید صرف عوام کے لیے ہے جو دلائل شرعیہ سے

---

[1] علامہ زین الدین بن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۹۰، مطبوعہ مکتبہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین و عمدۃ المفتین ج ۱۱ ص ۱۰۲ - ۱۰۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

بے خبر ہوتے ہیں اور اہل علم اور اہل فتویٰ حضرات کے لیے تقلید محض جائز نہیں ہے۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں: فقہاء نے ہمارے ائمہ سے یہ نقل کیا ہے کہ کسی مفتی کے لیے ہمارے قول پر فتویٰ دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے قول کا ماخذ کیا ہے؟ حتیٰ کہ سراجیہ میں ہے کہ یہی وجہ ہے کہ علامہ عصام امام کی مخالفت کرتے تھے اور کثیر مسائل میں امام کے قول کے خلاف فتویٰ دیتے تھے کیونکہ ان پر امام کی دلیل ظاہر نہیں ہوئی بلکہ دلائل سے امام کے قول کے برعکس ثابت ہوا پس وہ اپنے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ ۱؎

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں فتاویٰ ظہیریہ میں ہے امام ابوحنیفہ سے یہ مروی ہے کہ کسی مفتی کے لیے اس وقت تک ہمارے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو ہمارے ماخذ کا علم نہ ہو اور اگر وہ اہل اجتہاد سے نہیں ہے تو اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں البتہ وہ اقوال فقہاء کی حکایت کر سکتا ہے۔ (الیٰ قولہ) قاعدہ یہ ہے کہ مفتی اور قاضی کو امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے اور ان کے قول پر فیصلہ کرنا چاہیے اور جس مسئلہ میں ہمارے مشائخ نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی اور کے قول کو ترجیح دی ہے وہاں اس ترجیح کو اختیار کرنا چاہیے اور جس جگہ امام ابوحنیفہ کے قول کو ہی ترجیح نقل کی گئی ہے وہاں پر عرف، لوگوں کی عادت اور تعامل کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے قول میں جس کا قول عرف اور تعامل کے زیادہ موافق ہو اس پر فتویٰ دینا چاہیے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے اور زمانہ کبھی ایسے اہل علم سے خالی نہیں ہوگا جو ان اقوال میں سے راجح کو متمیز کر سکیں اور جو ترجیح نہیں دے سکتے انہیں ان علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو ترجیح دے سکتے ہیں۔ ہم یہاں پر اہل علم کے استفادہ کے لیے علامہ شامی کی اصل عبارت نقل کر رہے ہیں۔

فان قلت قد يحكون اقوالا بلا ترجيح وقد يختلفون في التصحيح قلت يعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغير العرف واحوال الناس وما هو الارفق وما ظهر عليه التعامل وما قوي وجهه ولا يخلو الوجود ممن يميز هذا حقيقة لا ظنا وعلى من لم يميز ان يرجع لمن يميز لبراءة ذمته اهـ ۲؎

اگر تم یہ کہو کہ مشائخ حنفیہ کبھی اقوال ائمہ کو ترجیح دیے بغیر نقل کر دیتے ہیں اور کبھی ان کی تصحیح میں اختلاف ہوتا ہے تو میں کہوں گا کہ اس صورت میں وہی عمل کیا جائے جو عمل وہ خود کرتے ہیں یعنی عرف اور لوگوں کے احوال کے تغیر کو دیکھ کر جس قول پر عمل کرنا آسان ہو اس کو ترجیح دی جائے اور اس قول کو ترجیح دی جائے جس پر لوگوں کا تعامل ہو اور جس کی دلیل قوی ہو اور زمانہ کبھی ایسے علماء سے خالی نہیں ہوگا جو اس چیز کی "حقیقةً" تمیز کر سکیں اور جو علماء اس کی تمیز نہیں کر سکتے ان پر لازم ہے کہ وہ ان علماء کی طرف رجوع کریں جو اس کی تمیز کر سکتے ہیں تاکہ وہ بری الذمہ ہو جائیں۔ (علامہ شامی نے علامہ ابن شلبی کے فتاویٰ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔)

علامہ ابن نجیم اور علامہ ابن عابدین کی ان عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اہل علم اور اہل فتویٰ حضرات عوام کی طرح اپنے امام کے مقلد محض

۱؎ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۹، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۲؎ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، منحة الخالق علی ہامش البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۹ مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

نہیں ہوتے بلکہ وہ امام کے بیان کردہ اقوال پر اس لیے عمل کرتے ہیں کہ وہ دلائل شرعیہ کے مطابق ہوتے ہیں اور جو قول دلیل شرعی کے مطابق نہ ہو اس قول کو چھوڑ کر وہ دوسرے امام کے اس قول پر عمل کرتے ہیں جو کتاب و سنت اور دلائل شرعیہ کے مطابق ہوتا ہے جیسا کہ بہت سے مسائل میں امام اعظم کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور مسائل عصریہ میں وہ خود اجتہاد کرتے ہیں اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں مسائل عصریہ کا حکم شرعی تلاش کرتے ہیں جیسے انتقال خون، پوسٹ مارٹم، اعضاء کی پیوند کاری، ضبط تولید، مصنوعی طریقے تولید اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی ایسے مسائل کا حکم شرعی بیان کرنا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ علماء عوام کی طرح محض مقلد نہیں ہیں جو دلائل سے قطع نظر کر کے امام کے قول کی تقلید کرتے ہیں بلکہ یہ علماء ائمہ کے اقوال کو دلائل شرعیہ کے مطابق پا کر ان ائمہ کی اتباع کرتے ہیں اس لیے مقلد نہیں بلکہ متبعین ہیں اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ بعض مسائل میں امام سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

مجتہد عالم کا دلیل کی بناء پر امام سے اختلاف کرنا ادب کے خلاف نہیں ہے

جو عالم مسائل میں اجتہاد کا اہل ہو وہ بعض مسائل میں دلائل کی بناء پر امام سے اختلاف بھی کر سکتا ہے۔ یہ امام سے عقیدت اور اس کے ادب کے خلاف نہیں ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے۔ امام محمد لکھتے ہیں:

ایک شخص نے اپنی نابالغہ باندی کو مکاتب کیا تو یہ مکاتبت جائز ہے اگر وہ اس نابالغہ باندی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر دے تو یہ نکاح ناجائز ہے (یعنی یہ نکاح اس باندی کی اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ مکاتبت کی وجہ سے وہ بالغہ کے حکم میں ہوگی۔ سعیدی غفرلہ) اگر وہ باندی نکاح کو مسترد نہ کرے اور بدل کتابت کو ادا کر دے اور آزاد کر دی جائے تو اب یہ نکاح موقوف ہوگا اگر اس باندی کا کوئی ولی اقرب نہیں ہے اور مولیٰ نے اس نکاح کی اجازت دے دی تو نکاح جائز ہو جائے گا اور باندی کو خیار بلوغ حاصل ہوگا یعنی آزاد ہونے کے بعد یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور آزاد ہونے سے یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا۔[1]

علامہ ابن ہمام نے اس مسئلہ میں امام محمد سے اختلاف کیا ہے ان کے نزدیک آزاد ہونے کے بعد یہ نکاح نافذ ہو جائے گا۔ وہ لکھتے ہیں: لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس نابالغ مکاتبہ کے آزاد ہونے کے بعد اس کا نکاح اس کے سابق مولیٰ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا بلکہ اس کے آزاد ہونے سے ہی یہ نکاح نافذ ہو جائے گا، کیونکہ فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ جب کوئی غلام اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اور مولیٰ اس غلام کو آزاد کر دے تو وہ نکاح نافذ ہو جاتا ہے کیونکہ اگر یہ نکاح موقوف ہو تو یا تو مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور یہ اس لیے غلط ہے کہ آزاد ہونے کے بعد اس غلام پر اس مولیٰ کی ولایت نہیں رہی اور یا غلام کی اجازت پر موقوف ہوگا اور یہ اس لیے غلط ہے کہ غلام نے تو خود نکاح کیا تھا اب اس کی اجازت پر توقف ایک وہمی بات ہے۔ اسی طرح اس نابالغہ مکاتبہ کے مسئلہ میں اس کے مولیٰ کا کیا ہوا نکاح اس مکاتبہ کی اجازت پر اس لیے موقوف تھا کہ وہ ولی مجبر تھا (یعنی لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر رہا تھا) اور عقد کتابت کی وجہ سے یہ نکاح اس لڑکی کی اجازت پر موقوف تھا اور آزاد ہونے کے بعد یہ مانع زائل ہو گیا (یعنی عقد کتابت) لہٰذا مولیٰ کی طرف سے نکاح نافذ ہو گیا اور اصل حکم یہی ہے اور بہت سے وہ لوگ جن کو سہو لاحق ہوتا ہے وہ ان لوگوں کی تقلید کرتے ہیں جن کو اس مسئلہ میں سہو ہو گیا ہے۔[2]

---

1. امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، الجامع الکبیر ص ۱۰۴، مطبوعہ دارالمعارف النعمانیہ لاہور، ۱۳۹۰ھ
2. علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۰۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

علامہ زین الدین ابن نجیم نے علامہ ابن ہمام کی امام محمد کے خلاف اس تحقیق کی عبارت کو بے ادبی پر محمول کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: علامہ کمال امام کی یہ بحث سوء ادب اور غلط ہے کیونکہ امام محمد نے اس مسئلہ کی جامع کبیر میں تصریح کی ہے پس امام محمد اور ان کے متقدمین کی طرف سہو کس طرح منسوب کیا جائے گا۔ ثانیاً اس لیے کہ امام محمد نے یہ نکاح مولیٰ کی اجازت پر اس لیے موقوف کیا ہے کہ باندی کے آزاد ہونے کے بعد مولیٰ کو اس باندی پر ولاء حق ولایت حاصل ہو گئی اور اب وہ اس کا مولیٰ یا معتق ہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب اس کا کوئی اور ولی اقرب موجود نہ ہو ورنہ یہ نکاح نافذ نہیں ہوگا اور مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔[1]

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: علامہ مقدسی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ علامہ ابن ہمام نے جو بحث کی ہے وہی قیاس کا تقاضا ہے۔ امام صیرفی نے جامع کبیر کی شرح میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ تحقیق قیاس کے مطابق ہے اس کے جواب میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ غلط اور سوء ادب ہے۔ علاوہ ازیں جو شخص رتبہ اجتہاد تک پہنچا ہو اور یہ کہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے تو یہی قیاس کا تقاضا ہے اور علامہ ابن ہمام پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ ان کا قیاس منقول کے خلاف ہے کیونکہ علامہ ابن ہمام نے دلیل معقول کی اتباع کی ہے۔[2]

جو شخص فقہ کا گہرا مطالعہ کرتا ہے اس پر یہ امر مخفی نہیں ہوگا کہ بعد کے فقہاء نے بہت سے مسائل میں ائمہ سے اختلاف کیا ہے اور اپنی رائے کو دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے اس لیے ایک مجتہد عالم یا قاضی کسی مسئلہ یا کسی معاملہ میں ائمہ سے اختلاف کرے اور اپنی رائے کو شواہد اور دلائل کے ساتھ پیش کرے تو اس کی رائے قابل قبول ہوگی بشرطیکہ اس کی رائے کتاب وسنت کی تصریحات اجماع اور سبیل مسلمین کے خلاف نہ ہو۔

قاضی کے لیے اہلیت اجتہاد کی شرط میں مذاہب ائمہ

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ، فقہاء حنابلہ اور بعض فقہاء حنفیہ کے نزدیک قاضی کے لیے مجتہد ہونا شرط ہے، لہٰذا جو شخص احکام شرعیہ سے جاہل ہو یا محض مقلد ہو اس کو منصب قضاء کو سونپا جائے کیونکہ ایسا شخص فتویٰ دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا چہ جائیکہ اس کو قاضی بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وان احکم بینھم بما انزل اللہ۔ "لوگوں کے درمیان قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کیجئے" یہ نہیں فرمایا کہ دوسروں کی تقلید کر کے فیصلہ کریں؛ نیز فرمایا: "لتحکم بین الناس بما اراک اللہ" "تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس علم سے فیصلہ کریں جو آپ کو اللہ نے سمجھایا ہے" نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول "اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول (کے احکام) کی طرف لوٹا دو" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جہالت سے فیصلہ کرے وہ جہنمی ہے (سنن ابن ماجہ، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مستدرک وغیرہ) اور اگر غیر مجتہد عامی کو حاکم بنا لیا گیا تو وہ جہالت سے ہی فیصلہ کرے گا، اور اگر دوسرے مجتہد سے فتویٰ لے کر فیصلہ کرے گا تو وہ اس کو شرح صدر نہیں ہوگا کہ یہ حکم صحیح ہے یا نہیں، نیز ان تمام آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی کو عالم اور مجتہد ہونا چاہیے۔[3]

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ قاضی میں اہلیت اجتہاد کی شرط اولویت اور استحباب

1۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۰، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

2۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۲ ص ۵۲-۱۵۱، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

3۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۴۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ

کے لیے صحت جواز کی شرط نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جواز کی شرط ہے صاحب شرح ادب القاضی کا اسی طرف میلان ہے اور وجیز الشافعیہ میں ہے کہ قاضی کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے اور جاہل اور مقلد کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے لیکن امام محمد نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ مقلد کو قاضی بنانا جائز ہے اور خصاف نے ذکر کیا ہے کہ اگر قاضی صاحب رائے ہے تو اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر وہ صاحب رائے نہیں ہے تو کسی فقیہ سے پوچھ کر فیصلہ کر دے۔ [1]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی نے لکھا ہے: کہ قاضی کے لیے اجتہاد شرط ہے لہٰذا جو شخص احکام شرعیہ اور اس کے دلائل سے ناواقف ہو اور دوسروں کی تقلید کا محتاج ہو اس کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے۔ [2]

علامہ مقدسی حنبلی لکھتے ہیں: قاضی میں اہلیت اجتہاد کی شرط پر اجماع ہے اور فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حاکم اور مفتی کے لیے کسی شخص کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے اس کو صرف اپنی رائے سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ [3]

ایک قاضی مجتہد کا دوسرے قاضی مجتہد کی رائے پر فیصلہ کرنے کا جواز

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ اگر قاضی مجتہد ہو تو وہ دوسرے مجتہد کے مذہب کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے اور اس کا یہ فیصلہ بالاجماع صحیح ہوگا کیونکہ اس فیصلہ پر یہ صادق نہیں آئے گا کہ وہ چوک گیا بلکہ یہ فیصلہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کے اجتہاد میں دوسرے مجتہد کا اجتہاد صحیح تھا لہٰذا اس نے اس مجتہد کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا لہٰذا یہ فیصلہ اس کے اپنے اجتہاد سے ہے اسی لیے صحیح ہے۔ [4]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ کی صحت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فیصلہ قاضی کے مذہب کے مطابق ہو خواہ قاضی مجتہد ہو یا مقلد اس لیے اگر اس نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کیا تو صحیح نہیں ہوگا لیکن بدائع الصنائع میں ہے کہ جب مجتہد قاضی نے مذہب غیر پر فیصلہ کیا تو صحیح ہوگا کیونکہ یہ فیصلہ اس پر محمول ہوگا کہ اس کے اجتہاد میں اس مجتہد کا اجتہاد صحیح تھا تو اب یہ اس کا اپنا اجتہاد ہو گیا (بدائع الصنائع کی عبارت کا ترجمہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ سعیدی) اور اس کی تائید علامہ قاسم کے رسالہ سے ہوتی ہے جنہوں نے اس مسئلہ پر سیر کبیر سے استدلال کیا ہے۔ اور اس سے صاحب البحر الرائق کا بدائع الصنائع کی عبارت پر تعقب منقطع ہو جاتا ہے۔ [5]

قاضی کو مقدمہ کی سماعت میں فریقین کے ساتھ عدل اور انصاف کی ہدایت میں احادیث اور آثار

انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے قاضی کو فریقین کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے وہ حسب ذیل احادیث اور آثار

1. علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح ہدایہ جز ثالث ص ۲۴۲، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد
2. علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۸ ص ۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
3. علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبد اللہ محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع ج ۶ ص ۴۲۱، مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۴۰۸ھ
4. ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۵، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۴۰۰ھ
5. علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۳۰۹، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

میں اس کی ہدایت دی گئی ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمانوں کا قاضی بنایا گیا ہو اس کو مقدمہ کے فریقین کو دیکھنے میں، ان کی طرف اشارہ کرنے اور ان کو بٹھانے میں عدل کرنا چاہیے۔ [1]

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ ابو العوام سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان لکھوایا: حق پہنچانے میں لوگوں کے ساتھ مساوی سلوک کرو، قریب کے ساتھ بعید کی طرح، اور بعید کے ساتھ قریب کی طرح سلوک کرو۔ رشوت لینے اور خواہش نفس پر عمل کرنے سے بچو، غضب کے وقت فیصلہ نہ کرو۔ اور حق اور انصاف کو قائم کرو، خواہ دن کی ایک ساعت ہی ہو۔ [2] امام بیہقی شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی چیز میں تنازعہ تھا۔ حضرت ابی نے حضرت عمر پر دعویٰ کیا اور حضرت عمر نے اس کا انکار کیا۔ پھر دونوں نے اپنے درمیان حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم بنا لیا اور دونوں حضرت زید کے گھر گئے۔ جب دونوں ان کے پاس گئے تو حضرت عمر نے حضرت زید سے کہا ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان ایک جھگڑے کا فیصلہ کردیں، حضرت زید نے حضرت عمر سے کہا اے امیر المومنین! یہاں مسند مجلس میں تشریف رکھیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید سے کہا تم نے میری رعایت کر کے، ناانصافی سے کام لیا، میں اپنے فریق کے ساتھ بیٹھوں گا، پھر دونوں حضرت زید کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت ابی نے دعویٰ کیا اور حضرت عمر نے انکار کیا، قاعدہ کے مطابق حضرت عمر پر قسم لازم آتی تھی کیونکہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر قسم کھاتا ہے لیکن حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابی سے کہا تم امیر المومنین کو قسم کھانے سے معاف رکھو! میں امیر المومنین کے علاوہ اور کسی شخص کے ساتھ رعایت نہیں کرتا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود قسم کھا کر فرمایا: بخدا! اس وقت تک زید بن ثابت قضاء کے اہل نہیں ہوں گے۔ جب تک ان کے نزدیک عمر اور ایک عام مسلمان برابر نہ ہوں! [3]

امام بیہقی تمیم بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن ابی عصیفیر قاضی شریح کے پاس گئے، انہوں نے ایک شخص کے خلاف مقدمہ کیا تھا وہ جا کر قاضی شریح کے پاس مسند پر بیٹھ گئے، قاضی شریح نے کہا: اٹھو اور جا کر اپنے فریق کے پاس بیٹھو۔ کیونکہ تمہارا یہاں بیٹھنا اس کو شک میں مبتلا کرے گا، ابن ابی عصیفیر ناراض ہو گئے لیکن قاضی شریح نے دوبارہ کہا جاؤ جا کر اپنے فریق کے ساتھ بیٹھو! [4]

امام بیہقی، شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بازار گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک نصرانی ایک زرہ فروخت کر رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس زرہ کو پہچان لیا اور فرمایا یہ تو میری زرہ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان مسلمانوں کا قاضی فیصلہ کرے گا اور اس وقت شریح مسلمانوں کے قاضی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شریح کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کیا۔ جب شریح

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۵، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] " " " ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۶-۱۳۵، "

[3] " " " ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۶، "

[4] " " " ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۶،

نے امیر المومنین حضرت علی کو دیکھا تو اپنی مسند سے اٹھے اور حضرت علی کو اپنے پاس بٹھایا اور شریح اٹھ کر ان کے سامنے نصرانی کے برابر بیٹھ گئے۔ حضرت علی نے فرمایا: اے شریح! اگر میرا خصم (فریق مخالف) مسلمان ہوتا تو میں اس کے ساتھ فریق مخالف کی جگہ بیٹھتا لیکن بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے: ان غیر مسلموں سے مصافحہ نہ کرو، ان کو سلام میں پہل نہ کرو، نہ ان کے بیماروں کی عیادت کرو، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان کو تنگ راستہ میں چلنے پر مجبور کرو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تحقیر کی ہے اس طرح ان کی تحقیر کرو، اب اے شریح! میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرو۔ شریح نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کا کیا دعویٰ ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: یہ میری زرہ ہے کافی دنوں سے یہ گم ہو گئی تھی، شریح نے کہا: میرا خیال ہے کہ زرہ اس کے قبضہ سے نہیں نکل سکتی، آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: اے شریح! تم نے سچا فیصلہ کیا، اور تب اس نصرانی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کے فیصلے ہیں، امیر المومنین قاضی کے پاس مقدمہ لے کر جاتے ہیں اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کر دیتا ہے، حالانکہ بخدا اے امیر المومنین! یہ آپ کی زرہ ہے، ______ یہ زرہ آپ کے چکبرے اونٹ سے گر پڑی تھی تو میں نے اس کو اٹھا لیا، پھر وہ نصرانی شریح کے غیر جانبدارانہ فیصلہ اور حضرت علی کے اپنے خلاف فیصلہ قبول کرنے سے اس قدر متاثر ہوا کہ کہنے لگا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، حضرت علی نے فرمایا: اب جبکہ تم مسلمان ہو چکے ہو تو میں یہ زرہ تم کو ہبہ کرتا ہوں، پھر حضرت علی نے اس کو ایک عمدہ گھوڑے پر سوار کر دیا، شعبی کہتے ہیں پھر میں نے اس شخص کو مشرکین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے دیکھا۔[1]

قضاء کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ قاضی رشوت نہ لے اس لیے اب رشوت کا معنی اور اس کا حکم شرعی بیان کر رہے ہیں۔

رشوت کا معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی رشوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الرشوة هو ما يعطيه الشخص الحاكم او غيره ليحكم له او يحمله على ما يريد۔

کوئی شخص حاکم یا کسی اور کو کچھ چیز دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا حاکم کو اپنی منشاء پوری کرنے پر ابھارے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: الرشوة الوصلة الى الحاجة بالمصانعة ۔ کچھ پیسے دے کر اپنی حاجت پوری کرانا یہ رشوت ہے۔
علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ رشوت اصل میں رشاء سے ماخوذ ہے اور رشاء اصل میں ڈول کی اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے اور راشی وہ شخص ہے جو کسی باطل چیز کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے اور مرتشی رشوت لینے والے کو کہتے ہیں اور رائش اس شخص کو کہتے ہیں جو راشی اور مرتشی کے درمیان رشوت کا معاملہ طے کراتا ہے، اور جو چیز حق کو حاصل کرنے کے لیے دی جائے یا ظلم کو دور کرنے کے لیے دی جائے وہ رشوت نہیں ہے اور ائمہ تابعین سے منقول ہے کہ اپنی جان اور مال کو ظلم سے بچانے کے لیے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۶، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۲۔ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۵۰، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

قرآن مجید کی روشنی میں رشوت کا حکم

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ (بقرہ: ۱۸۸)

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، اور نہ (بطور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ، تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ کھا ڈالو حالانکہ تم جانتے ہو (کہ یہ فعل ناجائز ہے)

اکلون للسحت۔ (مائدہ: ۴۲)

بہت حرام خور، (رشوت کھانے والے)

احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمرو قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی[1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

عن مسروق قال سئل عبد اللہ عن السحت فقال ھی الرشا فقال فی الحکم فقال عبد اللہ ذلک الکفر وتلا ھذہ الآیۃ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔[2]

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ سحت کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا رشوت، پھر سوال کیا کہ فیصلے پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ کفر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔

ان احادیث میں فیصلہ کے لیے رشوت دینے اور ناجائز کام کرانے کے لیے رشوت دینے کو حرام قرار دیا ہے اور حسب ذیل احادیث اور آثار میں ظلم اور ضرر سے بچنے کے لیے کچھ دینے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ رشوت نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص بیان کرتے ہیں:

روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قسم غنائم خیبر واعطی تلک العطایا الجزیلۃ اعطی العباس بن مرداس شیئا فسخطہ فقال شعرا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقطعوا عنا لسانہ فزادوہ

روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطایا دیے۔ اور عباس بن مرداس کو بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کچھ اور مال دے کر) ہمارے متعلق اس کی زبان بند کر دو۔ پھر اس کو کچھ اور مال دیا حتیٰ کہ وہ راضی

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] " " " سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ " "

حتی رضی۔[1]

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ لما اتی ارض الحبشۃ اخذ بشیء فتعلق بہ فاعطی دینارین حتی خلی سبیلہ۔[2]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے کچھ سامان چھینا گیا۔ انھوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے کر اپنا سامان چھڑوا لیا۔

عن وھب بن منبہ قال لیست الرشوۃ التی یاثم فیھا صاحبھا بان یرشو فیدفع عن مالہ ودمہ انما الرشوۃ التی تاثم فیھا ان ترشو لتعطی ما لیس لک۔[3]

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گنہگار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور خطرہ دور کرنے کے لیے دی جائے۔ رشوت وہ چیز ہے جس میں دینے والا گنہگار ہوتا ہے یعنی اس طور کہ تم اس چیز کے لیے رشوت دو جس پر تمہارا حق نہیں ہے۔

رشوت کی اقسام

علامہ قاضی خان اوزجندی لکھتے ہیں: جب قاضی رشوت دے کر منصب قضاء کو حاصل کرے تو وہ قاضی نہیں ہوگا اور قاضی اور رشوت لینے والے دونوں پر رشوت حرام ہوگی۔[4] رشوت کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ پہلی قسم یہی ہے یعنی منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا، اس رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

۲۔ کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لیے قاضی کو رشوت دے یہ رشوت جانبین سے حرام ہے خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور فرض ہے، (اسی طرح کسی افسر کو اپنا کام کرانے کے لیے رشوت دینا یہ بھی جانبین سے حرام ہے کیونکہ وہ کام کرنا اس افسر کی ڈیوٹی ہے۔ سعیدی غفرلہ)

۳۔ اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دینا، یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے، اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لیے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

۴۔ کسی شخص کو اس لیے رشوت دی کہ وہ اس کو بادشاہ یا حاکم تک پہنچا دے تو اس رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔[5]

رشوت کی یہ چار اقسام قاضی خان کے حوالے سے علامہ ابن ہمام،[5] علامہ بدرالدین عینی،[6] علامہ زین الدین ابن نجیم[7] اور علامہ ابن عابدین شامی

۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۳، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

۳۔ سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹

۴۔ علامہ حسن بن منصور اوزجندی (قاضی خان) متوفی ۵۹۲ھ، فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ ج ۲ ص ۳۶۲-۳۶۳، مطبوعہ مطبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

۵۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۵۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۶۔ علامہ محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح ہدایہ جلد ثالث ص ۴۹۹، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

۷۔ علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۲-۲۶۱، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

نے بھی بیان کی ہیں۔[1] علامہ ابوبکر جصاص نے بھی رشوت کی یہ چار قسمیں بیان کی ہیں۔[2]

قاضی اور دیگر سرکاری افسروں کے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں کہ قاضی ہدیہ اور تحفہ کو قبول نہ کرے ہر چند کہ شریعت میں ہدیہ قبول کرنا مستحب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دوسرے کو ہدیہ دو اور ایک دوسرے سے محبت کرو، لیکن ہدیہ لینے کا یہ جواز اس شخص کے لیے ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں سے کسی عمل کے لیے متعین نہ ہو اور جو شخص کسی عمل کے لیے متعین ہو گیا جیسے قاضی اور حاکم وغیرہ ان پر لازم ہے کہ وہ کسی سے ہدیہ قبول نہ کریں خصوصاً اس شخص سے جو اس منصب پر مقرر ہونے سے پہلے انہیں ہدیہ نہ دیتا ہو، کیونکہ ہدیہ دینے والا کسی کام یا قضاء کو اپنے حق میں کرنے کے لیے ہدیہ دیتا ہے اور یہ بھی رشوت اور سحت کی ایک قسم ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیہ کو مسلمانوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر فرمایا جب صدقات لے کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے لوگوں نے ہدیہ دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم کسی جگہ کا عامل بنا کر بھیجتے ہیں اور وہ واپس آکر یہ کہتے ہیں کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، یہ لوگ اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے پھر دیکھا جاتا کہ ان کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں! اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کسی جگہ کا عامل بنایا۔ ان کے پاس کافی مال جمع ہو گیا، حضرت عمر نے ان سے پوچھا تمہارے پاس یہ مال کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا گھوڑوں کی نسل بڑھی اور لوگوں نے تحفے دیے۔ حضرت عمر نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تم اپنے گھر میں کیوں نہ بیٹھے رہے پھر ہم دیکھتے کہ تم کو کوئی ہدیہ دیتا ہے یا نہیں! اور وہ مال بیت المال میں داخل کر دیا۔ اس حدیث اور اثر سے یہ معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی منصب کی جہت سے کوئی ہدیہ ملے تو وہ رشوت ہے۔ لہٰذا جو لوگ قاضی کو منصب قضاء پر فائز ہونے سے پہلے تحفے دیتے تھے ان کے سوا کسی اور شخص سے قاضی کو ہدیہ اور تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔[3]

بَابُ ۲۳۲ اَلْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

مدعیٰ علیہ پر قسم کا وجوب

۴۳۵۶ - حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَّاَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کے دعووں کے مطابق ان کا فیصلہ کر دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کی جانوں اور اموال پر دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن مدعیٰ علیہ پر یمین (قسم) لازم ہے۔

---

1. علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۳۰۴-۳۰۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ
2. علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۴، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ
3. شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۶ ص ۸۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۳۹۸ھ

۴۳۵۷ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیٰ علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا ہے۔

مدعیٰ علیہ پر قسم کے لزوم میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان اختلاط ضروری ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں احکام شریعت کے قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ بیان کیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی انسان کا قول صرف اس کے دعویٰ کی وجہ سے قبول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے قبول ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یا تو وہ اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرے یا مدعیٰ علیہ اس کے دعویٰ کی تصدیق کر دے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرما دیا ہے کہ کسی شخص کے محض دعویٰ کی وجہ سے اس کو اس کا حق نہیں دیا جائے گا کیونکہ اگر ایسا ہو تو ہر قوم دوسری قوموں کی جانوں اور اموال پر اپنے حق کا دعویٰ کرے گی، اور مدعیٰ علیہ کی جان اور مال کی حفاظت ممکن نہیں رہے گی، اور مدعی کی حفاظت گواہوں کے ذریعہ ممکن ہے، نیز اس حدیث میں امام شافعی اور جمہور فقہاء اسلام کے اس موقف پر دلیل ہے کہ ہر وہ شخص جس کے خلاف دعویٰ کیا جائے اس پر قسم کھانا لازم ہے عام ازیں کہ اس کے اور مدعی کے مابین کوئی اختلاط اور میل ملاپ ہو یا نہ ہو، اس کے برخلاف امام مالک، جمہور فقہاء مالکیہ اور فقہاء مدینہ کی یہ رائے ہے کہ ہر مدعیٰ علیہ پر قسم کھانا لازم نہیں ہے ورنہ اہل فسق اور جیلا خبر فاجر پر جھوٹے دعوے کر کے ایک دن میں ان پر کئی کئی قسمیں لازم کر دیں گے۔ اس لیے مدعیٰ علیہ پر قسم کے لزوم کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ میں کسی قسم کا کوئی ربط اور اختلاط ہو جس کی وجہ سے دعویٰ کی صحت کا گمان ہو سکے (ورنہ اوباش لوگ بلاوجہ کسی شریف آدمی پر دعویٰ کریں گے کہ اس نے ہماری فلاں چیز دینی ہے وہ یہ قسم کھائے۔ سعیدی غفرلہ) اختلاط کی تفسیر میں فقہاء مالکیہ کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ایک یا دو آدمیوں کی شہادت سے یہ ثابت ہو کہ ان کے درمیان کوئی معاملہ یا قرض کا لین دین ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ معاملہ کا صرف شبہ ہی کافی ہے اور جمہور فقہاء اسلام کی دلیل اس باب کی حدیث ہے جس کی رو سے مطلقاً ہر مدعیٰ علیہ پر قسم لازم ہے خواہ ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاط اور ربط ہو یا نہ ہو اور کتاب، سنت اور اجماع میں اختلاط کی اصل پر کوئی دلیل نہیں ہے۔[1]

مدعی پر گواہ اور مدعیٰ علیہ پر قسم کے لزوم کی حکمت

مدعی پر گواہ لازم کرنے کی ایک حکمت تو وہ ہے جس کا خود اس حدیث میں بیان ہے کہ اگر صرف مدعی کے دعویٰ کی بنا پر اس کی تصدیق کر دی جائے تو ہر شخص دوسرے شخص کی جان اور مال پر دعویٰ کرے گا اس لیے ضروری ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ کے صدق پر گواہ پیش کرے، اور مدعیٰ علیہ چونکہ اس دعویٰ کا منکر ہوتا ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ قسم کھا کر اپنی برأت کو ثابت کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مدعی کی جانب ضعیف ہوتی ہے کیونکہ وہ اس چیز کا دعویٰ کر رہا ہے جو دوسرے شخص کے قبضہ میں ہے اور ظاہر حال کا تقاضا یہ ہے کہ چیز اسی کی ہے جس کے قبضہ میں ہے اس لیے مدعی کی جانب ظاہر حال کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اسی وجہ سے اس پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور مدعیٰ علیہ کی جانب قوی ہوتی ہے، کیونکہ ظاہر حال اس کا موید ہے اس وجہ سے

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

اس کے لیے قسم کھانا کافی ہے۔

مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریفات

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریفات میں اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ مدعی وہ شخص ہے جو بغیر حجت اور دلیل کے اپنے دعویٰ کا مستحق نہ ہو سکے دوسرا قول یہ ہے کہ مدعی وہ ہے جو ظاہر حال کے خلاف دعویٰ کرے، تیسرا قول یہ ہے کہ مدعی ایک ایسی پوشیدہ چیز کا ذکر کرے جو ظاہر کے خلاف ہو چوتھا قول یہ ہے کہ مدعی وہ شخص ہے جو اگر اپنے دعویٰ کو چھوڑ دے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور یہ تعریف احسن ہے کیونکہ یہ جامع اور مانع تعریف ہے، اور مدعیٰ علیہ وہ شخص ہے جو بغیر حجت کے اپنی چیز کا مستحق ہوتا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ وہ ہے جو ظاہر کے ساتھ متعلق ہو اور تیسرا قول یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ وہ شخص ہے کہ اگر وہ مقدمہ کو چھوڑنا چاہے تو اس کو نہ چھوڑا جائے بلکہ مقدمہ کی پیروی کیا جائے۔ [1]

علامہ ابو عبداللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: مدعیٰ علیہ وہ شخص ہے جس کا دعویٰ اصل کے مطابق ہو اور اصل یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی مقدمہ اور معاملہ نہ ہو، اور مدعی وہ شخص ہے جو اس اصل کو اپنی طرف منتقل کرنے کا دعویٰ کرے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مجہول النسب شخص حریت الاصل (اصل میں آزاد) ہونے کا دعویٰ کرے اور دوسرا شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کا مملوک ہے تو اس شخص کے قول کا اعتبار کیا جائے گا جو حریت الاصل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ اصل میں تمام انسان آزاد ہیں اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ شخص اس کا مملوک اور غلام ہے اس سے کہا جائے گا کہ تم گواہ پیش کرو۔ علامہ ابن حاجب نے یہ ذکر کیا ہے کہ مدعی وہ شخص ہے جس کا دعویٰ کسی معہود سے خالی ہو اور مدعیٰ علیہ وہ شخص ہے جس کا قول عرف اور اصل سے مؤید ہو، الغرض یہ تمام تعریفات اس تعریف کی طرف راجع ہوتی ہیں کہ مدعیٰ علیہ وہ شخص ہے جو اصل کا دعویٰ کرے اور مدعی وہ شخص ہے جو اس اصل کو اپنی طرف منتقل کرنے کا دعویٰ کرے۔ [2]

جائز اور حق بات پر قسم کھانے کے استحسان پر دلائل

جو شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہو اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس کے لیے قسم کھانا جائز ہے اور اس قسم کھانے سے اس پر کوئی گناہ ہوگا نہ کوئی وبال ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھانے کو مشروع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حرام چیز کو مشروع نہیں فرماتا، قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حق بات پر قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عمر نے حضرت ابی کے سامنے ایک کھجور کے درخت پر قسم کھائی پھر وہ ان کو ہبہ کر دیا، اور یہ فرمایا اگر میں نے قسم نہ کھائی تو مجھے یہ خوف ہے کہ لوگ اپنے حقوق پر قسم کھانا چھوڑ دیں گے اور قسم نہ کھانا سنت ہو جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: قسم کھانے میں دو فائدے ہیں ایک تو مال ضائع ہونے سے محفوظ رہتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تمہارا مسلمان بھائی جو ظلم کر کے تمہارا حق مارنا چاہتا ہے تم قسم کھا کر اس کو اس ظلم سے باز رکھتے ہو اور اس کو ناحق مال نہ کھانے سے بچاتے ہو، یہ ظالم کی خیر خواہی ہے اور اس کو ظلم سے روکنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان قسم کھا کر اپنا حق لے لے۔

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۰۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اگر کوئی شخص قسم کھانے سے بچنے اور اپنا جائز حق چھوڑنے سے مدعی علیہ پر چھوڑ دے تو اس میں ظالموں اور خائنوں کی حوصلہ افزائی ہو گی بلکہ ایک طرح ظلم پر مدد اور معاونت ہو گی اور یہ جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ (مائدہ: ۲) ”گناہ اور سرکشی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔“ [1]

مذاہب ائمہ کی روشنی میں وہ مقدمات جن میں منکر سے قسم لینا جائز نہیں ہے

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ حقوق کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کا حق ہے اور دوسرا بندے کا حق ہے اور دونوں حقوق کی دو دو قسمیں ہیں:

بندے کے حق کی پہلی قسم جو چیز مال ہو یا اس چیز سے مال مقصود ہو، اہل علم کے نزدیک اس میں قسم کھانا مشروع ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اگر مدعی نے اس حق پر دو گواہ پیش کر دیے تو اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور مدعی علیہ قسم کھا کر بری ہو جائے گا۔

بندے کے حق کی دوسری قسم جس چیز کا مقصد یہ ہے وہ نہ تو مال ہو اور نہ اس سے مال مقصود ہو جیسے حد قذف، نکاح، طلاق، رجعت، عتق، نسب، استیلاد، ولاء وغیرہ امام احمد کے اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس میں مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی نہ اس پر قسم پیش کی جائے گی، امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے متقدمین میں سے کسی سے یہ نہیں سنا جو اموال اور سازو سامان کے سوا کسی چیز پر قسم لینے کو جائز قرار دیتا ہو، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نکاح اور جو چیزیں نکاح سے متعلق ہیں مثلاً رجعت، ایلاء میں رجوع، ولاء اور نسب وغیرہ ان میں قسم طلب نہیں کی جائے گی کیونکہ ان چیزوں کا بدل نہیں ہے اور قسم اسی چیز میں طلب کی جاتی ہے جس کا بدل ہو اور اس میں مدعی علیہ کو اس بات کا اختیار رہتا ہے کہ وہ قسم کھائے یا مدعی کے دعوے کو تسلیم کرے۔ اور چونکہ یہ امور دو گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتے اس لیے ان میں مدعی علیہ پر قسم نہیں پیش کی جاتی۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ طلاق، قصاص، اور قذف میں قسم طلب کی جائے گی، خرقی نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں نے تم سے رجوع کر لیا تھا اور عورت یہ کہے کہ تیرے رجوع سے پہلے میری عدت پوری ہو چکی تھی تو عورت سے قسم لے کر اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور جب چار ماہ کی مدت میں مرد اور عورت کا اختلاف ہو تو قسم کے ساتھ مرد کے قول کا اعتبار کیا جائے گا یہ صورت ایلاء سے متعلق ہے۔ سیدی قذف والا اس قول کے تقاضے سے بندے کے ہر حق پر قسم طلب کی جائے گی، امام شافعی، امام محمد اور امام ابو یوسف کا یہی قول ہے، کیونکہ امام مسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر لوگوں کے حقوق ان کے دعووں کے مطابق دے دیے جائیں تو ہر قوم دوسری قوم کی جانوں اور اموال پر دعویٰ کرے گی لیکن مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہر قسم کے دعویٰ کو شامل ہے اور یہ فرمان قصاص کے دعویٰ کو بھی شامل ہے کیونکہ آدمی کے حق میں قصاص کا دعویٰ کیا جاتا ہے لہٰذا مال کی طرح مدعی علیہ سے اس پر قسم لینا بھی جائز ہے۔

اللہ کے حق کی پہلی قسم یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان میں قسم مشروع نہیں ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے کسی جرم (مثلاً زنا) کا اقرار کیا اور پھر اس اقرار سے رجوع کر لیا تو اس کے رجوع کو قبول کر لیا جائے گا اور اس سے قسم نہیں لی جائے گی اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا، کیونکہ اس کا پردہ رکھنا مستحب ہے اس لیے

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۲۱۵-۲۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

اس کو رجوع کا حق نہیں کیا جاتا ہے اور گواہوں کے لیے بھی یہ مستحب ہے کہ وہ ستر کریں جیسا کہ حضرت ماعز کے قصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال سے فرمایا تھا اگر تم اس کا پردہ رکھتے تو بہتر تھا۔

اللہ کے حق کی دوسری قسم | یہ حقوق مالیہ ہیں مثلاً مال زکوٰۃ، کسی شخص پر یہ دعویٰ کرے کہ اس کا نصاب زکوٰۃ مکمل ہو گیا ہے، امام احمد کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں مالک نصاب کا قول بغیر قسم کے معتبر ہے اور لوگوں سے ان کے صدقات پر حلف نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ لوگوں سے ان کے صدقات کے متعلق حلف لیا جائے گا کیونکہ اس دعویٰ کی سماعت کی جاتی ہے اور یہ آدمی کے حق کے مشابہ ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ حقوق اللہ میں اور حد کے مشابہ ہیں نیز صدقات کا ادا کرنا عبادت ہے اس لیے اس پر قسم نہیں لی جائے گی جیسا کہ نماز پر قسم نہیں لی جاتی اور اگر کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس پر قسم کا یا ظہار کا کفارہ ہے یا اس پر کسی صدقہ کی نذر ہے تو اس میں بغیر قسم لیے اس شخص کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور اس معاملہ میں دعویٰ کی سماعت نہیں کی جائے گی اور کسی اور کے بھی دعویٰ کی سماعت کی جائے گی کیونکہ اس معاملہ میں کسی مدعی کا حق نہیں ہے اور نہ کسی شخص کا اس پر ولایت ہے اس لیے اس دعویٰ کی سماعت نہیں ہو گی ہاں اگر کسی معاملہ میں اللہ کے حق کے ساتھ بندے کا حق بھی متعلق ہو جائے تو پھر اس دعویٰ کی سماعت ہو گی مثلاً کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس نے اس کا مال چرایا ہے تاکہ اس سے وہ اپنا مال برآمد کرے یا اس کو اس مال کا ضامن کرے یا کسی شخص پر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس کی باندی سے زنا کیا ہے تاکہ اس شخص سے باندی کا مہر وصول کیا جا سکے تو اس دعویٰ کی سماعت کی جائے گی۔[1]

وہ مقدمات جن میں فقہاء احناف کے نزدیک منکر سے قسم لینا جائز نہیں ہے | علامہ ابو الحسن مرغینانی لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حسب ذیل صورتوں میں منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔

(۱)۔ **نکاح**: مثلاً ایک شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کا اس عورت سے نکاح ہے اور عورت انکار کرے یا اس کے برعکس ہو۔

(۲)۔ **رجعت**: مثلاً طلاق کی عدت گزرنے کے بعد مرد یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا تھا اور عورت منکر ہے یا اس کے برعکس ہو۔

(۳)۔ **ایلاء**: (یعنی چار ماہ تک عورت سے عمل ازدواج نہ کرنے کی قسم کھانا اگر یہ قسم پوری کرے تو چار ماہ بعد عورت بائنہ ہو جائے گی) میں رجوع کا دعویٰ کرنا۔ مثلاً چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد مرد یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مدت کے اندر عمل ازدواج کر لیا تھا اور عورت منکر ہو یا اس کے برعکس ہو۔

(۴)۔ **غلام ہونے کا دعویٰ**: مثلاً کسی مجہول النسب شخص کے بارے میں کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص منکر ہو یا اس کے برعکس ہو۔

(۵)۔ **ام ولد ہونے کا دعویٰ**: مثلاً کوئی عورت اپنے مولیٰ پر دعویٰ کرے کہ وہ اس کی ام ولد ہے، اس کا عکس متصور نہیں ہے۔

(۶)۔ **ولاء**: مثلاً کسی مجہول النسب شخص کے بارے میں کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کا مولیٰ ہے اور اس نے اس کو آزاد کیا تھا اور وہ شخص منکر ہو یا اس کے برعکس ہو۔ یا یہ صورت ولاء موالات میں ہو۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۲۱۷-۲۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

(۷)۔ **نسب:** مثلاً کسی مجہول النسب کے بارے میں کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا اس کا غلام ہے اور وہ شخص منکر ہو یا اس کے برعکس ہو۔

(۸)۔ **حدود:** مثلاً کوئی شخص دوسرے شخص پر ایسے جرم کا دعویٰ کرے جس پر حدود میں سے کوئی حد لازم آتی ہو اور وہ شخص منکر ہو۔

(۹)۔ **لعان:** مثلاً عورت اپنے شوہر پر یہ دعویٰ کرے کہ اس کے شوہر نے اس کو ایسی تہمت لگائی ہے جس سے لعان واجب ہوتا ہے (یعنی زنا کی تہمت لگائی ہے) اور شوہر اس کا منکر ہو۔

امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ حدود اور لعان کے سوا ان تمام صورتوں میں منکر سے قسم لی جائے گی، صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ کا قسم کھانے سے انکار کرنا دعویٰ کا اقرار کرنا ہے، اور یہ انکار اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دعویٰ کا انکار کرنے میں جھوٹا ہے کیونکہ اگر وہ جھوٹا نہ ہوتا تو سچ اور حق پر قسم کھا لیتا اور جو چیز واجب ہے اس کو ثابت کرتا، لہٰذا اس کا قسم کھانے سے انکار کرنا دعویٰ کا اقرار ہے یا اس کا بدل ہے۔ لیکن یہ ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور لعان بھی حکماً حد ہے اس لیے حدود اور لعان میں تو منکر سے قسم نہیں لی جائے گی اور باقی صورتوں میں منکر سے قسم لی جائے گی۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ منکر کا قسم سے انکار کرنا "بذل" ہے۔ یعنی وہ منازعت اور جھگڑے کو ترک کر رہا ہے اور اس سے اعراض کر رہا ہے نہ یہ کہ مدعی کے دعویٰ کو تسلیم کر رہا ہے اور بذل کے ساتھ قسم کا انکار دعویٰ کے ثبوت کے لیے موجب نہیں رہتا اور منکر کے انکار کو "بذل" پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ یہ وہم نہ آئے کہ وہ دعویٰ کے انکار میں کاذب تھا جبھی تو قسم کھانے سے انکار کر رہا ہے (کیونکہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان کو کذب سے بچانا چاہیے) اور ان امور میں "بذل" جاری نہیں ہوتا، مثلاً ایک مرد ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کرے عورت اس نکاح کی منکر ہو لیکن وہ قسم نہ کھائے اور کہے کہ میرا تمہارے ساتھ نکاح نہیں ہوا لیکن میں قسم کھانے کی بجائے اپنے آپ کو تمہارے حوالے کر دیتی ہوں تو عورت کا یہ بذل صحیح نہیں ہے، اسی طرح جس شخص پر کسی نے اپنے غلام ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ کہے میں اصل میں آزاد ہوں لیکن میں قسم کھانے کے بجائے اپنے آپ کو تمہاری غلامی میں دیتا ہوں تو اس کا یہ بذل صحیح نہیں ہے، اسی طرح جس شخص پر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بیٹا ہے وہ کہے میں در اصل فلاں شخص کا بیٹا ہوں لیکن یہ دعویٰ مجھے منظور ہے اسی لیے میں اپنا نسب اس کے لیے مباح کرتا ہوں تو یہ بذل صحیح نہیں ہے، اور منکر سے قسم لینے کا فائدہ یہ ہے کہ قسم سے انکار کی بناء پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے اور جب یہاں مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا تو منکر سے قسم بھی نہیں لی جائے گی البتہ قسم سے انکار کرنا منازعت اور خصومت کو دفع کرنے کے لیے بذل کرنا ہے اس وجہ سے اگر کوئی شخص مکاتب یا عبد ماذون ہونے کا دعویٰ کرے اور مالک منکر ہو اور بذل کرتے ہوئے قسم نہ کھائے تو وہ شخص مکاتب یا عبد ماذون قرار دیا جائے گا، کیونکہ اس میں ان کی محض اجازت ہے اور اگر کوئی شخص کسی پر قرض کا دعویٰ کرے اور مدعی علیہ بذل کرتے ہوئے قسم نہ کھائے تو اس پر قرض ادا کرنا لازم ہوگا، کیونکہ یہ مال کا معاملہ ہے، ایک شخص اپنا مال دوسرے پر مباح کر سکتا ہے لیکن کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا نفس دوسرے پر مباح کر دے۔ اس لیے کوئی عورت قطع منازعت کی خاطر بذل کرتے ہوئے کسی غیر شخص پر اپنا نفس مباح نہیں کر سکتی اس وجہ سے امام ابو حنیفہ نے ان تمام صورتوں میں بذل کا اعتبار نہیں کیا لہٰذا ان کے نزدیک ان تمام صورتوں میں منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔ [1]

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اخیرین ص ۲۰۵-۲۰۴، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

مدعی علیہ کے انکار کے بعد مدعی پر قسم لوٹانے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر مدعی علیہ یہ کہے کہ میں قسم نہیں کھاتا یا خاموش رہے اور کسی بات کا ذکر نہ کرے تو پھر یہ دیکھا جائے گا کہ آیا دعویٰ مال کا ہے یا اس دعویٰ سے مال مقصود ہے یا نہیں، اگر مال کا دعویٰ ہو یا اس سے مال مقصود ہو تو قسم سے انکار کی بناء پر مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا اور مدعی پر قسم نہیں لوٹائی جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے ابوبکر نے کہا ہے کہ میں مدعی پر قسم لوٹانے کو جائز نہیں کہتا اگر مدعی علیہ نے حلف اٹھایا تو فبہا ورنہ مدعی کو اس کا حق دے دیا جائے گا، امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابوالخطاب کا مختار یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ قسم نہ کھائے تو قاضی مدعی پر قسم لوٹا سکتا ہے اور مدعی کے حلف کے بعد اس کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کر دے۔ ابوالخطاب نے کہا ہے کہ امام احمد نے اس قول کا انکار نہیں کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بعید از حق نہیں ہے، یہی اہل مدینہ کا قول ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی روایت ہے اور شریح، شعبی، نخعی، ابن سیرین اور امام مالک کا بھی خصوصاً اموال میں یہی قول ہے۔ امام شافعی کا تمام قسم کے دعاوی میں یہی قول ہے کیونکہ نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب حق پر قسم لوٹا دی تھی (سنن دارقطنی) نیز اس لیے کہ جب مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعی کا صدق ظاہر ہو گیا اور اس کی جانب قوی ہو گئی۔ پس اس کے حق میں بھی مدعی علیہ کی طرح قسم مشروع ہو جائے گی۔ نیز اس لیے کہ کبھی مدعی علیہ اس لیے قسم نہیں کھاتا کہ وہ صورت حال سے ناواقف ہوتا ہے اور جس کی اس کو پوری تحقیق نہیں ہے اس پر قسم کھانے سے بچتا ہے یا قسم کے اخروی انجام کے خوف سے قسم نہیں کھاتا یا دعویٰ کے انکار میں اپنے صادق ہونے کے یقین کے باوجود تہمت سے بچنے کے لیے قسم نہیں کھاتا تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی ہے اس لیے مدعی علیہ کے محض قسم نہ کھانے سے مدعی کا صدق ظاہر نہیں ہوتا اس لیے بغیر دلیل کے مدعی کے حق میں فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے اور جب مدعی نے اپنے دعویٰ پر قسم کھالی تو مدعی کے صدق پر دلیل قائم ہو گئی اور اب اس کے حق میں فیصلہ کرنا صحیح ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ امام احمد کے قول پر ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے" اس حدیث میں آپ نے قسم کا مدعی علیہ میں حصر کر دیا ہے نیز آپ نے فرمایا "مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہیں اور مدعی علیہ پر قسم لازم ہے" اس حدیث میں آپ نے جنس گواہ کا مدعی میں حصر کر دیا اور جنس قسم کا مدعی علیہ میں حصر کر دیا نیز حضرت ابن عمر پر دعویٰ کیا گیا کہ انہوں نے ایک غلام کو عیب معلوم ہونے کے باوجود اس کو فروخت کر دیا۔ حضرت عثمان نے حضرت ابن عمر سے کہا تم قسم کھاؤ کہ تم کو بیع کے وقت اس عیب کا علم نہیں تھا، حضرت ابن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا تو حضرت عثمان نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر کے غلام ان کو واپس کر دیا۔ اور امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو قید کر لیا جائے گا حتیٰ کہ یا تو وہ دعویٰ کے صدق کو مان لے یا اس کے خلاف قسم کھالے۔ اور سنن دارقطنی کی جس روایت سے استدلال کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے اور حضرت عثمان کے فیصلہ کو حضرت ابن عمر کا تسلیم کرنا اس کے ضعف کو مزید ظاہر کرتا ہے۔[1]

مدعی علیہ کے انکار کے بعد مدعی پر قسم لوٹانے میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی صاحب ہدایہ لکھتے ہیں ـــــ جب مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کے انکار کی بناء پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۲ ص ۲۱۶-۲۱۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی اگر مدعی نے اپنے دعویٰ پر قسم کھالی تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مدعی علیہ کے قسم کھانے سے انکار کرنے میں دو احتمال ہیں ایک یہ ہے کہ اس نے جھوٹی قسم سے احتراز کی بناء پر قسم سے انکار کیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس نے تہمت سے بچنے کے لیے سچی قسم کھانے سے بھی انکار کیا تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اس نے جھوٹی قسم کھالی۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان نے ایک مقدمہ میں قسم نہیں کھائی تھی۔ اور یا اس وجہ سے انکار کیا کہ اس پر صورت حال مشتبہ تھی اور اس احتمال کی بناء پر صرف مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا، مدعی کے صدق کی دلیل نہیں ہے اور جب مدعی قسم کھالے گا تو اس کے دعویٰ کا صدق ظاہر ہو جائے گا پھر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس کے بذل پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ مخاصمت اور منازعت کو ترک کرنے کے لیے قسم نہیں کھاتا یا اس کا انکار اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے مدعی کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ قسم کھاتا اور اپنے آپ کو نقصان سے بچاتا نیز منکر پر قسم کھانا واجب ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ قسم کھاتا اس لیے اس کے انکار کی وجہ سے مدعی کے صدق کی جانب راجح ہو گئی اور مدعی پر قسم لوٹانے کی اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی پر صرف گواہ پیش کرنے کو واجب کیا ہے اور مدعی علیہ پر قسم لازم کی ہے اور مدعی پر قسم لوٹانا اس تقسیم کے منافی ہے۔ [1]

بَابُ الْقَضَاءِ بِالْيَمِيْنِ وَالشَّاهِدِ — ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا

۴۳۵۸ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا زَيْدٌ وَهُوَ ابْنُ حُبَابٍ حَدَّثَنِي سَيْفُ بْنُ سُلَيْمَانَ أَخْبَرَنِي قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِيَمِينٍ وَشَاهِدٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کیا۔

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے میں مذاہب ائمہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: اس باب کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ پر ایک گواہ پیش کرے اور (دوسرے گواہ کی جگہ) قسم کھائے تو اس کے حق میں فیصلہ کرنا جائز ہے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ، فقہاء کوفہ، شعبی، حکم، اوزاعی، لیث اور اندلس کے فقہاء مالکیہ یہ کہتے ہیں: ایک گواہ اور قسم کی بناء پر کسی قسم کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور صحابہ کرام، تابعین عظام اور جمہور فقہاء اسلام کا یہ مسلک ہے کہ اموال اور جن چیزوں سے اموال کا قصد کیا جاتا ہے، ان میں ایک گواہ اور قسم کی بناء پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا بھی یہی نظریہ ہے عمر بن عبدالعزیز، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، فقہاء مدینہ، فقہاء حجاز اور دیگر شہروں کے فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت جابر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عمارہ بن حزم، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے اس نوع کی بکثرت احادیث مروی ہیں اور ائمہ حدیث نے بیان

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۲۰۲-۲۰۳، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

کیا ہے کہ اس باب میں صحیح ترین روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں کسی نے جرح نہیں کی اور ائمہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر وغیرہما کی احادیث حسن ہیں۔ [1]

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کے جواز میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

علامہ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ عقوبات (مثلاً حدود اور قصاص) اور جنایات (مثلاً نکاح، عتاق اور ان کے لوازم یعنی ایلاء، طلاق اور ظہار وغیرہ) میں تو دو گواہ ضروری ہیں لیکن مالیات میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے بھی مدعا ثابت ہو جاتا ہے۔ [2]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں، امام محمد بن حسن شیبانی نے کہا ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بناء پر فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامراتان (البقرہ: ۲۸۲)

اپنے مردوں میں سے دو گواہوں کو طلب کرو، اگر دو مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

اور جس شخص نے اس حکم پر زیادتی کی اس نے نص قرآن پر زیادتی کی اور نص میں زیادتی کرنا اس نص کو منسوخ کرنا ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم کھانا واجب ہے"، اس حدیث میں قسم کا مدعا علیہ میں حصر ہے جیسا کہ گواہ پیش کرنے کا مدعی میں حصر ہے۔

علامہ ابن قدامہ امام محمد کے استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی بناء پر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کر دیا اور اس سے اس آیت کے حکم کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ حکم اس وقت منسوخ قرار دیا جاتا جب دو گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ناجائز ہو جاتا نیز اس آیت میں دو گواہوں کی شرط شہادت کی ادائیگی کے لیے نہیں ہے بلکہ شہادت کے تحمل یعنی حصول شہادت کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ دو گواہ ہوں۔ اور جو حدیث امام محمد نے پیش کی ہے (مدعی پر گواہ لازم ہیں اور مدعا علیہ پر قسم) وہ حدیث ضعیف ہے علاوہ ازیں قسم کا مدعا علیہ میں حصر نہیں ہے کیونکہ قسم لعان، قسامت اور اختلاف فی البیع کی صورت میں بھی مشروع ہے اور ان صورتوں میں صرف مدعا علیہ پر قسم نہیں ہوتی۔ اور امام محمد کا یہ کہنا کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے، اس قول کا مقتضیٰ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے جو ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلے کیے ہیں وہ فیصلے صحیح نہ ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی بناء پر فیصلہ کیا ہے وہ محمد بن حسن شیبانی کے فیصلہ سے افضل ہے جو آپ کا مخالف ہے۔ [3]

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کی حدیث کی فنی حیثیت

ایک گواہ اور مدعی کی قسم کی بناء پر فیصلہ کرنے کے جواز پر ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۲ ص ۹-۱۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۲ ص ۱۱-۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

کی جس روایت سے استدلال کیا ہے حافظ زیلعی نے اس کے دو جواب دیے ہیں: پہلا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے، امام ترمذی نے علل کبیر میں لکھا ہے کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا عمرو بن دینار نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نہیں سنا، (حافظ زیلعی کہتے ہیں:) اس کی دلیل یہ ہے کہ دار قطنی عمرو بن دینار کی روایت کو حضرت ابن عباس سے طاؤس کے واسطے سے روایت کرتے ہیں، نیز اس حدیث میں دوسرا انقطاع یہ ہے کہ اس کی سند میں قیس بن سعد کی عمرو بن دینار سے روایت ہے حالانکہ قیس بن سعد کی عمرو بن دینار سے کوئی روایت نہیں ہے جیسا کہ امام طحاوی نے اس کی تصریح کی ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں دو انقطاع ہیں۔ ابن القطان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر چند کہ امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں از قیس بن سعد از عمرو بن دینار از ابن عباس روایت کیا ہے لیکن اس میں ان دونوں جگہ انقطاع ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس سے اس حدیث کو نہیں سنا، امام طحاوی کہتے ہیں کہ قیس بن سعد نے عمرو بن دینار سے کسی حدیث کو نہیں سنا۔ امام دار قطنی نے اس حدیث کو از طاؤس از ابن عباس روایت کیا ہے لیکن اس سند میں ایک راوی عبد اللہ بن محمد بن ربیعہ متروک ہے۔

اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ہم اس حدیث کی سند کی صحت کو تسلیم کر لیں تب بھی یہ مفید عموم نہیں ہے۔ امام فخر الدین نے کہا ہے کہ جب صحابی یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع فرمایا یا اس چیز کا فیصلہ فرمایا تو یہ عموم کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ صحابی نے کسی خاص واقعہ کی حکایت کی ہو، اور اس حدیث کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنس شاہد یا جنس یمین (قسم) کی بناء پر فیصلہ کیا ہو، بہر صورت بر تقدیر صحت اس حدیث میں کسی خاص واقعہ کا بیان ہے اور یہ عام قاعدہ نہیں ہے۔ [1]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: علامہ کاسانی نے کہا ہے کہ امام شافعی کا نظریہ یہ ہے کہ جب مدعی ایک گواہ پیش کرے اور دوسرا گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو پھر مدعی پر قسم لوٹائی جائے گی، اگر اس نے قسم کھالی تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو پھر اس کے حق میں مطلقاً فیصلہ نہیں کیا جائے گا، امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کر دیا، لیکن یہ حدیث غریب ہے اور جو حدیث ہم نے بیان کی ہے (یعنی مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم کھانا لازم) یہ حدیث مشہور ہے جس کو تمام امت نے قبول کیا ہے حتیٰ کہ یہ حدیث متواتر کے درجہ میں ہے۔ اس لیے وہ حدیث جو غریب ہے وہ اس حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی جو مشہور بلکہ حکماً متواتر ہے۔ علاوہ ازیں یحییٰ بن معین نے اس کو رد کر دیا ہے۔ اور امام ذہلی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ یحییٰ بن معین نے اس کو رد کر دیا ہے۔ نیز اس حدیث کو ربیعہ نے سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہے اور سہیل نے اس کا انکار کیا ہے اور جب راوی کسی روایت کا انکار کر دے تو وہ روایت حجت نہیں رہتی چہ جائیکہ وہ حدیث مشہور کے معارض ہو سکے۔ نیز اس حدیث کے معنی میں یہ احتمال بھی ہے کہ کبھی آپ نے جنس گواہ کی بناء پر فیصلہ کیا اور کبھی آپ نے جنس یمین (قسم) کی بناء پر فیصلہ کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زید گھوڑے اور خچر پر سوار ہوا یعنی کبھی گھوڑے پر اور کبھی خچر پر، اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیں کہ اس حدیث میں ایک ہی وقت کا فیصلہ مراد ہے تو یہ کب لازم ہے کہ اس حدیث میں قسم سے مدعی کی قسم مراد ہو، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مدعیٰ علیہ کی قسم مراد ہو اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ایک گواہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور چونکہ اس کا وجود اور عدم برابر ہے اس لیے آپ نے مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا۔ اس صورت میں یہ حدیث اس حدیث مشہور (مدعی پر گواہ لازم

---

[1] حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۹۹-۹۷، مطبوعہ مجلس علمی ہند، ۱۳۵۷ھ

اور مدعا علیہ پر قسم کہا تا ہے) کے مطابق بھی نہیں ہوگی بلکہ موافق ہو جائے گی۔ [1]

البتہ بکیر یہ وہ حدیث ہے جو سنداً دو وجہ سے منقطع ہے، اور محدثین کی تصریح کے مطابق ضعیف اور مردود ہے اور اس کی بناء پر علامہ ابن قدامہ امام محمد بن حسن شیبانی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا الزام عائد کر رہے ہیں، حالانکہ امام محمد قرآن مجید کی آیت اور حدیث مشہور کے مطابق عمل کرتے ہیں اور باوجود ضعف اور انقطاع کے اس حدیث کی حدیث مشہور کے مطابق تاویل اور توجیہ کرتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے امام زیلعی سے نقل کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ کے دیگر اعتراضات کے جوابات

علامہ ابن قدامہ نے امام محمد کی دلیل کے خلاف لکھا ہے کہ اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا جائے تو "استشہدوا شہیدین = دو گواہوں کو طلب کرو" کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا، سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ قرآن مجید کی اس آیت میں گواہی کا عام قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر قسم کے معاملہ میں دو گواہ طلب کیے جائیں، اگر کسی ایک مقدمہ میں بھی صرف ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا تو گواہی کا یہ قاعدہ کلیہ ٹوٹ جائے گا اور اس قاعدہ کا عموم منسوخ ہو جائے گا اور وہ حدیث جس میں ایک سے زیادہ منقطع راوی ہوں وہ قرآن مجید کے کسی عمومی حکم کو منسوخ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ باقی رہا علامہ ابن قدامہ کا یہ کہنا کہ قرآن مجید میں دو گواہوں کی شرط تحمل شہادت کے لیے ہے گواہی دینے کے لیے نہیں ہے، سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ تحمل شہادت کا مقصد گواہی دینا ہوتا ہے اور جب کسی معاملہ پر گواہ بننے کے لیے دو گواہوں کی شرط ہے تو گواہی دینے کے لیے دو گواہوں کی شرط بدرجہ اولیٰ ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ حدیث البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر (مدعی پر گواہ اور منکر پر قسم ہے) ضعیف ہے بلکہ یہ قول واضح طور پر خلاف ہے۔ حافظ زیلعی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے، امام بیہقی نے اس کو سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے اور امام دارقطنی نے اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ ابن عدی نے اس کو دو سندوں سے روایت کیا ہے اور امام واقدی نے اس کو کتاب المغازی میں روایت کیا ہے۔ [2]

یہ حدیث اس قدر اسانید کثیرہ سے مروی ہے کہ اس کو متواتر قرار دیا گیا ہے اور اس حدیث کے مشہور ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے میں فقہاء احناف کا مسلک اور دلائل

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

ایک گواہ اور مدعی کی قسم میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور ابن شبرمہ کا یہ نظریہ ہے کہ بغیر دو گواہوں کے فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے اور مدعی کے ایک گواہ اور اس کی قسم پر کوئی فیصلہ کرنا بھی صحیح نہیں ہے اور امام مالک اور امام شافعی اسی طرح عام اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اموال میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا صحیح ہے۔ علامہ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۷ ص ۱۲۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۹۶، مطبوعہ مجلس علمی ہند، ۱۳۵۷ھ

واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء۔ (البقرہ: ۲۸۲)

اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنا لو، اور اگر دو مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا لو ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

یہ آیت ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنے کو باطل قرار دیتی ہے، کیونکہ اس آیت کا سیاق یہ ہے کہ حق پر دو گواہ بنا لیے جائیں تاکہ اگر کوئی فریق انکار کرے تو حاکم کے سامنے دو گواہوں کو پیش کر دیا جائے اور حاکم پر لازم ہے کہ وہ دو گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔ اس آیت میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حد قذف میں فرمایا: فاجلدوهم ثمانين جلدة۔ "ان کو اسی کوڑے مارو" اور حد زنا میں فرمایا: فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة "ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو" سو جس طرح حد قذف میں اسی کوڑوں سے کم مارنا جائز نہیں ہے اور حد زنا میں سو کوڑوں سے کم مارنا جائز نہیں ہے اسی طرح نصاب شہادت میں دو گواہ سے کم کو پیش کرنا یا ان سے کم گواہوں پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گواہوں کے متعلق دو چیزیں بیان کی ہیں ایک عدد اور ایک صفت۔ عدد میں دو گواہوں کو بیان فرمایا اور صفت میں فرمایا وہ تمہارے پسندیدہ گواہ ہوں یعنی آزاد اور نیک عادل مسلمان گواہ ہوں۔ پس جس طرح غیر عادل کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اسی طرح دو سے کم گواہ بنانا بھی جائز نہیں ہے، نیز اگر صرف ایک مرد گواہ میسر ہو تو اس کے ساتھ صرف ایک عورت پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا تاکہ دعویٰ کی صداقت پر کسی قسم کا شک اور شبہ نہ ہو تو صرف ایک مرد گواہ کے ساتھ مدعی کی قسم کو ملا کر فیصلہ کر دیا جائے تو یہ فیصلہ مشکوک ہوگا اور جس حکمت کے پیش نظر ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو ملایا گیا تھا یہ اس حکمت کے خلاف ہوگا۔

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کو گواہ بناؤ جن کو تم پسند کرتے ہو اور مدعی کا قسم پر گواہ ہونا صادق نہیں آتا اور نہ کوئی شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ مدعی اپنی قسم سے اپنے دعویٰ کو ثابت کرے، اس وجہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا اس آیت کے خلاف ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدعی پر گواہ پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ پر قسم ہے، ہر چند کہ یہ حدیث خبر واحد کی اقسام سے ہے لیکن چونکہ اس حدیث کو تمام امت نے قبول کر لیا ہے اس لیے یہ حکماً متواتر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کے حقوق محض ان کے دعووں سے دے دیے جائیں تو ہر شخص دوسرے کی جان اور مال پر دعویٰ کرے گا، یہ حدیث دو طرح سے اس بات کے مخالف ہے کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کیا جائے، اول اس لیے کہ مدعی کی قسم اس کا دعویٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محض کسی کے دعویٰ کی بناء پر اس کا حق نہیں دیا جائے گا، ثانی اس لیے کہ مدعی کی قسم اس کا قول ہے اور محض کسی شخص کو اس کے قول کی بناء پر اس کا حق نہیں دیا جائے گا۔ نیز اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ حضرت وائل بن حجر بیان کرتے ہیں کہ حضرمی اور کندی کا ایک زمین میں تنازع ہوا، حضرمی نے کندی پر زمین کا دعویٰ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا تم دو گواہ پیش کرو یا اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا، اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی کے حق کے ثبوت کے لیے صرف یہ فرمایا ہے کہ دو گواہ پیش کرے ورنہ اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوگا، اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر بھی فیصلہ جائز ہوتا تو آپ اس کا بھی ذکر فرماتے۔

بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا، علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ ان احادیث کو

قبول کرنے سے پانچ امور مانع ہیں:

(ا) ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں۔

(ب) ان احادیث کے راویوں نے ان روایات کا انکار کیا۔

(ج) یہ احادیث قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہیں۔

(د) سند کے فساد سے صرف نظر کر کے بھی یہ احادیث ان امور کو مفید نہیں ہیں۔

(ہ) یہ بھی احتمال ہے کہ یہ احادیث کسی خاص صورت پر محمول ہوں۔

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی احادیث کا ضعف

عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا، یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عمرو بن دینار کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح سہیل نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کیا، لیکن سہیل کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور وہ اپنی روایات بھول گئے تھے، سلیمان کہتے ہیں کہ میری سہیل سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا انھوں نے کہا میں اس حدیث کو نہیں پہچانتا، سلیمان نے کہا میں نے ربیعہ سے سنا وہ اس حدیث کو آپ سے روایت کر کے بیان کرتے ہیں سلیمان نے کہا اگر تم نے ربیعہ سے یہ حدیث سنی ہے تو ربیعہ سے روایت کرو مجھ سے روایت نہ کرو۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ یہ حدیث روایت کرنے کے بعد بھول گئے اس کو عدم لازم ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حذف عدم لاحق ہوا ہو یا وہ ابتداً بھول گئے ہوں اور جس چیز کو انھوں نے نہ سنا ہو اس کو روایت کر دیا ہو، خصوصاً اس صورت میں جبکہ انھوں نے آخر میں اس کا انکار کر دیا، اسی طرح جعفر بن محمد سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن وہ روایت مرسل ہے عبدالوہاب نے اس کو مرفوعاً ذکر کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بہر حال ان امور کی وجہ سے اس حدیث کی اسانید مجروح اور ضعیف ہیں اور یہ حدیث لائق استدلال نہیں ہے۔

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی حدیث کے راویوں کا انکار

امام عبدالرزاق نے ایک گواہ اور قسم کے فیصلے کے بارے میں زہری سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کو لوگوں نے گھڑ لیا ہے دو گواہوں کے سوا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ حماد بن خالد خیاط کہتے ہیں میں نے ابن ابی ذئب سے سوال کیا ایک گواہ اور قسم کے متعلق زہری کیا کہتے ہیں انھوں نے کہا یہ بدعت ہے سب سے پہلے اس کو معاویہ نے جاری کیا، اور محمد بن الحسن نے ابن ابی ذئب سے روایت کیا، میں نے زہری سے ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا یہ بدعت ہے سب سے پہلے حضرت معاویہ نے اس پر فیصلہ کیا تھا۔ اور زہری اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو ان سے مخفی نہ ہوتی اور زہری کی تصریح سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک گواہ اور ایک قسم پر سب سے پہلے حضرت معاویہ نے فیصلہ کیا تھا اور یہ بدعت ہے۔ حضرت معاویہ سے تو یہ بھی روایت ہے کہ انھوں نے مدعی سے قسم لیے بغیر صرف ایک خاتون کی شہادت پر فیصلہ کر دیا تھا، امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ علقمہ ابن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے محمد بن عبداللہ بن زہیر اور ان کے بھائی کے حق میں یہ شہادت دی کہ زہیر بن ابی امیہ نے اپنے مال زہیر بن ابی امیہ کو اپنے ورثہ میں سے دیا، ام المؤمنین کے علاوہ کسی نے اس پر شہادت نہیں دی تھی، حضرت امیر معاویہ نے اس شہادت پر فیصلہ کر دیا سو اگر حضرت امیر معاویہ کے فیصلہ کی بنا پر ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا جائز ہو تو ان کے فیصلہ کی بنا

ہو بغیر قسم کے صرف ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کرنا بھی جائز ہونا چاہیے حالانکہ یہ قرآن اور سنت کی تصریحات کے بداہۃً خلاف ہے۔
امام عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ عطاء یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کی رو سے صالح دو گواہوں سے کم کسی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دور خلافت میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کیا۔ علامہ ابوبکر جصاص نے اس قسم کے احادیث و آثار بیان کرنے کے بعد کہا: ان آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا حضرت معاویہ اور عبدالملک بن مروان کی سنت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوتی تو فقہاء تابعین سے مخفی نہ ہوتی نیز زہری نے اس روایت کا انکار کیا اور یحییٰ نے کہا کہ ہماری کتاب میں نہیں ہے اور فقہاء تابعین نے تصریح کی کہ یہ معاویہ اور عبدالملک کی بدعت ہے۔

ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کی حدیث کا صریح قرآن کے خلاف ہونا

ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کی روایت اگر سند صحیح سے بھی مروی ہوتی اور سلف صالحین نے اس پر انکار نہ کیا ہوتا اور اس کو بدعت نہ کہا ہوتا تب بھی یہ روایت قرآن مجید کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود تھی، کیونکہ خبر واحد سے بھی قرآن مجید کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔ جس طرح صدقات میں اس کے مقرر نصاب سے کم ماننا جائز نہیں ہے اور عدت کے مقررہ دنوں سے کم ماننا جائز نہیں ہے اسی طرح نصاب شہادت میں دو گواہ منصوص ہیں اور اس سے کم گواہی پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جب کہ قرآن مجید میں دو گواہوں پر فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا مختلف فیہ ہے تو ہم اس حکم کو قرآن مجید سے منسوخ قرار دینا چاہیے۔

حدیث مذکور ائمہ ثلاثہ کے موقف کو مستلزم نہیں

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ گواہ اور قسم کی حدیث صحیح ہے اور اس آیت سے صرف نظر کر لیا جائے کہ یہ قرآن مجید کے معارض ہے تب بھی یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کا موجب نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرنا واجب ہے، بلکہ اس میں ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا، اور اس حدیث میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ قسم سے مراد مدعی علیہ کی قسم ہو تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مدعی علیہ سے قسم اس وقت لی جاتی ہے جب مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو اور اگر مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو پھر مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جاتی۔ پس حدیث میں اس گمان کا رد کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی کے پاس ایک گواہ ہونے کے باوجود مدعی علیہ کی یمین پر فیصلہ کیا تھا۔
دوسرا احتمال یہ ہے کہ گواہ اور قسم سے مراد جنس گواہ اور جنس قسم ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدعی کے) گواہوں پر بھی فیصلہ کیا اور مدعی علیہ کی قسم پر بھی فیصلہ کیا اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت خزیمہ بن ثابت کے خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی گواہی پر فیصلہ کیا تھا اور ہو سکتا ہے اس وقت منکر نے آپ سے قسم کا بھی مطالبہ کیا ہو، اور ان احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قسم سے مدعی کی قسم مراد ہے صحیح نہیں ہے۔

حدیث مذکور کا صحیح محمل

بعض صورتوں میں جب کسی چیز پر صرف ایک گواہ متصور ہو اور دوسرا گواہ شرعاً غیر متصور ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ اس صورت میں ایک گواہ اور مدعی کی قسم پر فیصلہ کرنا صحیح ہے مثلاً ایک شخص نے باندی خریدی اور اس کی شرمگاہ میں کوئی عیب دیکھا اور اس عیب پر وہی شخص گواہ ہے اور دوسرا گواہ بنانا جائز نہیں ہے اس صورت میں اس کی گواہی اور اس کی قسم پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور بیع فسخ کر دی جائے گی لیکن ہو سکتا ہے کہ اس صورت

یہ اسی قسم کی صورت کی طرف اشارہ ہے۔ لہ

بَابُ بَيَانِ اَنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ لَا يُغَيِّرُ الْبَاطِنَ

حاکم کا فیصلہ حقیقت واقعیہ کو تبدیل نہیں کرتا

۴۳۵۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ اَخْبَرَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مِمَّا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَطَعْتُ لَهٗ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ شَيْئًا فَلَا يَاْخُذْهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ بِهٖ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ دلائل کے ساتھ پیش کرے اور اس سماعت کے اعتبار سے میں بالفرض اس کے حق میں فیصلہ کر دوں سو جس شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دے دوں وہ اس کو نہ لے کیونکہ میں اس کو آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔

۴۳۶۰ - وَحَدَّثَنَاهُ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ كِلَاهُمَا عَنْ هِشَامٍ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهٗ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں بیان کی ہیں۔

۴۳۶۱ - وَحَدَّثَنِيْ حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ جَلَبَةَ خَصْمٍ بِبَابِ حُجْرَتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّهٗ يَاْتِيْنِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَهُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبُ اَنَّهٗ صَادِقٌ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کے دروازہ پر کسی شخص کے جھگڑنے کی آواز سنی، آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا میں صرف ایک بشر ہوں اور میرے پاس کوئی شخص مقدمہ لاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے دعویٰ کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ اچھی طرح پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر لوں پھر بالفرض میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ پس جس شخص کے لیے میں دوسرے مسلمان کے حق کا فیصلہ کر دوں تو وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے وہ اس کو اٹھا لے یا چھوڑ دے۔

لہ۔ علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۵۱۹-۵۲۰، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

اجتہاد میں خطاء ہو جاتی ہے اور بعض علماء خطاء اجتہادی کے قائل نہیں ہیں اور جو قائل ہیں ان کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ اس خطاء پر قائم نہیں رہتے بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح فیصلہ پر مطلع فرما دیتا ہے) اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ بغیر اپنے اجتہاد کے محض شہادت یا قسم کی بنا پر جو فیصلہ کریں اور اس ظاہر شہادت کی وجہ سے باطن حال کے خلاف فیصلہ کر دیں اس فیصلہ کو غلط اور خطاء نہیں کہا جائے گا بلکہ آپ کو جس بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مکلف کیا گیا ہے وہ شہادت یا قسم ہے اور اس لحاظ سے یہ فیصلہ صحیح ہے اور اگر گواہوں نے جھوٹی گواہی دی تو یہ ان کا گناہ ہے، فیصلے میں کوئی قصور نہیں ہے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر اور نور ہونے کی تحقیق

اس باب کی حدیث نمبر ۴۳۶۱ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "انما انا بشر" میں صرف ایک بشر ہوں، یعنی میں خدائی صفات نہیں رکھتا کہ خود بخود کسی مقدمہ کی حقیقت باطنی اور غیب کو جان لوں۔ علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ای لا اعلم الغیب وبواطن الامور کما هو مقتضی الحالة البشرية.[۲]

میں غیب اور باطنی امور کو نہیں جانتا جیسا کہ حالت بشریہ کا تقاضا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "انما انا بشر" میں صرف ایک بشر ہوں، اس مناسبت سے ہم یہاں انبیاء علیہم السلام کے انسان اور بشر ہونے کی حیثیت پر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام جنس بشر اور نوع انسان سے پیدا ہوئے ہیں لیکن کیا انبیاء علیہم السلام کی حقیقت صرف انسان اور بشر ہے، یہ بات تفصیل طلب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسان کی حقیقت حیوان ناطق ہے، حیوان ہونے میں باقی حیوانات بھی انسان کے شریک ہیں اور ناطق (مدرک الکلیات والجزئیات) ہونے کی وجہ سے وہ باقی حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اور نطق وہ فصل ممیز ہے جس کی وجہ سے انسان اور باقی حیوانات میں امتیاز اور فرق ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی حقیقت میں اس سے ایک زائد چیز ہے اور وہ ہے قبول وحی کی استعداد اور صلاحیت، اسی صلاحیت کی وجہ سے نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہوتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام میں یہ چیز مشترک ہے کہ وہ سب نبی حامل وحی تھے اور جس طرح نطق کی وجہ سے انسان کا حیوانات سے امتیاز ہوتا ہے، اسی طرح استعداد وحی کی وجہ سے نبی کا غیر نبی سے امتیاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان کی حقیقت میں نطق داخل ہے اور وہ اس کے لیے فصل ممیز ہے اسی طرح نبی کی حقیقت میں استعداد وحی داخل ہے اور وہ اس کی فصل ممیز ہے اور جس طرح انسان کلیات اور جزئیات کے ادراک کی صلاحیت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا ظہور ایک خاص مدت کے بعد ہوتا ہے اسی طرح نبی وحی کی استعداد کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور اس کا ظہور ایک خاص مدت کے بعد ہوتا ہے۔

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[۲] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

نبی کی حقیقت کا عام انسانوں کی حقیقت سے ممتاز ہونا

اب ہم آپ کے سامنے قرآن مجید کی وہ آیات پیش کر رہے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ نبی بشر محض نہیں ہوتا بلکہ نبی وہ بشر ہے جس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور جو اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيًا او من وراء حجاب او يرسل رسولا فيوحى باذنه ما يشاء۔ (شوریٰ: ۵۱)

اور کسی بشر کے یہ لائق نہیں کہ وہ اللہ سے ہم کلام ہو مگر وحی سے یا پردے کی اوٹ سے یا اللہ اس پر کوئی فرشتہ بھیج دے جو اللہ کی اجازت سے اس پر وہ وحی کرے جو اللہ چاہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عام بشر اور نبی میں فرق بیان فرمایا ہے کہ عام بشر اللہ سے ہم کلام نہیں ہو سکتا اور نبی اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے اور نبی کا اللہ سے ہم کلام ہونا براہ راست وحی الٰہی سے ہوتا ہے یا پردہ کی اوٹ سے یا فرشتہ کی وساطت سے اس تک پہنچائی جاتی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى انما الهكم اله واحد۔ (کہف: ۱۱۰)

آپ فرما دیجئے کہ (الوہیت کا مدعی نہیں بلکہ معبود نہ ہونے میں) تم جیسا ہی بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر محض نہیں ہیں بلکہ ایسے بشر ہیں جو حامل وحی ہیں اور وحی ہی وہ وصف ہے جس کی وجہ سے عام انسان اور بشر کا نبی سے امتیاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان کو حیوانات کے مقابلہ میں عقل اور ادراک کی خصوصیت حاصل ہے نبی کو اس خصوصیت کے علاوہ استعداد وحی کی خصوصیت بھی حاصل ہے جس سے وہ عام انسان اور بشر سے ممتاز ہوتا ہے۔

امام غزالی اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ووراء العقل طور آخر تنفتح فيه عين اخرى يبصر بها الغيب وما سيكون فى الغيب وامور اخر العقل معزول عنها كعزل قوة التمييز عن ادراك المعقولات وكعزل قوة الحس عن مدركات التمييز وكما ان المميز لو عرضت عليه مدركات العقل لاباها واستبعدها فكذلك بعض العقلاء ابوا مدركات النبوة واستبعدوها، وذلك عين الجهل۔

اور عقل کے ماوراء ایک اور عالم ہے جس میں ادراک کی ایک اور آنکھ کھلتی ہے جس سے انسان غیب کا ادراک کرتا ہے اور مستقبل میں ہونے والے امور غیبیہ اور بہت سے امور کو جان لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہے۔ جیسے قوت تمیز معقولات کا ادراک نہیں کر سکتی اور جس طرح حواس قوت تمیز کے مدرکات کو نہیں پا سکتے۔ اسی طرح عقل، قوت ادراک غیب کے مدرکات کو نہیں پا سکتی، اور جس طرح صاحب تمیز کے سامنے عقل کے مدرکات پیش کیے جائیں تو وہ ان کو بعید سمجھ کر ان کا انکار کرتا ہے اسی طرح بعض عقل والوں کے سامنے نبوت کے مدرکات پیش کیے گئے تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا۔ اور یہ

خالص جہالت ہے۔[1]

امام غزالی نے اس عبارت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ جس طرح حواس کے بعد تمییز کا مرتبہ ہے اور تمییز کے بعد عقل کا مرتبہ ہے، اسی طرح عقل کے بعد نبوت کا مرتبہ ہے اور جس طرح قوت عقلیہ سے معقولات کا ادراک ہوتا ہے اسی طرح نبوت کی قوت سے غیبیات کا ادراک ہوتا ہے۔ اور جس طرح عام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے حواس کی قوت عطا کی ہے اور انسان کو اس سے ایک زائد قوت عطا کی ہے اور وہ عقل اور تمییز ہے اسی طرح نبی کو اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں سے زائد ایک قوت عطا کی ہے جس قوت سے وہ غیب کا ادراک کرتا ہے اور جس طرح انسان عالم محسوسات میں ظاہری چیزوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے، حیوانات اور انسانوں کو دیکھتا ہے اور ان کی آوازیں سنتا ہے اسی طرح نبی غیب کی مخفی چیزوں کو دیکھتا ہے فرشتوں اور جنات کو دیکھتا ہے ان کی آوازیں سنتا ہے اور ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی اپنی حقیقت میں عام بشر اور انسان سے ممتاز ہوتا ہے اور جس طرح انسان عام حیوانوں سے خاص ہے نبی عام انسانوں سے خاص ہوتا ہے۔

نبی کی خصوصیات

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

وذکر الحلیمی فی کتاب المنهاج ان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لا بد وان یکون مخالفین لغیرهم فی القوی الجسمانیة والقوی الروحانیة۔[2]

علامہ حلیمی نے کتاب المنہاج میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا دوسرے انسانوں سے جسمانی اور روحانی قوتوں میں مختلف ہونا ضروری ہے۔

پھر امام رازی اس کی تفصیل میں علامہ حلیمی سے نقل کرتے ہیں کہ قوت جسمانیہ کی دو قسمیں ہیں مدرکہ اور محرکہ اور مدرکہ کی دو قسمیں ہیں۔ حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ اور حواس ظاہرہ پانچ ہیں۔

قوت باصرہ قوت باصرہ کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا میرے لیے تمام روئے زمین سمیٹ دی گئی اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم ج ٢ ص ٣٩٠، سنن ابوداؤد، ج ٢ ص ٢٢٨، دلائل النبوۃ ج ٦ ص ٥٢٧) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفیں قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو اپنی پشت سے بھی دیکھتا ہوں۔

اس قوت کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فرمایا: وکذلک نری ابراهیم ملکوت السمٰوٰت والارض۔ "اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی نشانیاں دکھاتے ہیں" اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی بصر کو قوی کر دیا تھا کہ حضرت ابراہیم نے اعلیٰ سے اسفل تک تمام نشانیاں دیکھ لیں (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجلی لی ما فی السمٰوٰت والارض میرے لیے تمام آسمان اور زمین منکشف ہو گئے مسند احمد ج ٤ ص ٦٦ اور ایک روایت میں ہے فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض "میں نے تمام آسمانوں اور زمین کو جان لیا مسند احمد ج ١ ص ٣٦٨، سعیدی غفرلہ)۔

---

[1] امام محمد بن محمد غزالی متوفی ٥٠٥ھ، المنقذ من الضلال ص ١٥٥، مطبوعہ ہیئۃ الاوقاف لاہور، ١٩٧١ء

[2] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ، تفسیر کبیر ج ٢ ص ٤٣٣، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثالثۃ ١٣٩٨ھ

قوت سامعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ تھی کیونکہ آپ نے فرمایا آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا بجا ہے، آسمان میں ایک قدم کی جگہ بھی نہیں ہے مگر اس میں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی نیز آپ نے فرمایا ایک پتھر جہنم میں گرایا جا رہا ہے جو ابھی تک جہنم کی تہ تک نہیں پہنچا آپ نے اس کی آواز سنی۔ اس قوت کی نظیر حضرت سلیمان کو بھی عطا کی گئی تھی کیونکہ انہوں نے چیونٹی کی آواز سنی، قرآن مجید میں ہے: قالت نملة یا ایها النمل ادخلوا مساکنکم "ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ" اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو چیونٹی کا کلام سنایا اور اس کے معنی پر مطلع کیا اور یہ قوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھی کیونکہ آپ نے بھیڑیے اور اونٹ سے کلام کیا۔

قوت شامہ نبی کی قوت شامہ کی خصوصیت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ دلیل ہے، کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ میری قمیص لے جاؤ اور حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈال دو اور قافلہ وہ قمیص لے کر روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: انی لاجد ریح یوسف "مجھے حضرت یوسف کی خوشبو آرہی ہے" حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کئی دن کی مسافت کے فاصلے سے سونگھ لی۔

قوت ذائقہ نبی کی چکھنے کی قوت کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کا ایک ٹکڑا چکھا تو فرمایا: اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

قوت لامسہ نبی کی قوت لامسہ کی خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو گئی۔

اور حواس باطنہ میں قوت حافظہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سنقرئك فلا تنسی "ہم عنقریب آپ کو پڑھائیں گے پس آپ نہیں بھولیں گے" اور قوت ذکاوت ہے، حضرت علی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے علم کے ایک ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب مستنبط کیے، اور جب ولی کی ذکاوت کا یہ حال ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاوت کا کیا عالم ہوگا اور قوت محرکہ کی خصوصیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج پر جانا دلیل ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا، اور حضرت ادریس اور الیاس علیہما السلام کا آسمانوں پر جانا اس کی دلیل ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی انتہائی کامل ہوتی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ نفس قدسیہ نبویہ اپنی ماہیت میں باقی نفوس سے مختلف ہوتا ہے اور نفس نبویہ کے لوازم سے یہ ہے کہ اس کی ذکاوت، ذہانت اور حریت انتہائی کامل ہو اور وہ جسمانیات اور شہوانیات سے منزہ ہو اور جب نبی کی روح انتہائی صفا اور شرف میں ہوگی تو اس کا بدن بھی انتہائی صاف اور پاکیزہ ہوگا اور اس کی قوت مدرکہ اور قوت محرکہ بھی انتہائی کامل ہوگی، کیونکہ یہ قوتیں ان انوار کے قائم مقام ہیں جو انوار جوہر روح سے صادر ہوتے ہیں اور نبی کے بدن سے واصل ہوتے ہیں اور جب فاعل (روح) اور قابل (بدن) انتہائی کامل ہوں گے تو ان کے آثار بھی انتہائی کامل، اشرف اور صاف ہوں گے۔ [1]

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۳۲-۴۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

نبی کے چھیالیس امتیازات

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ علامہ حلیمی نے انبیاء علیہم السلام کے چھیالیس خواص ذکر کیے ہیں، یہ وہ خواص ہیں جن کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام عام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں

ان خواص کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ نبی اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کرتا ہے۔
۲۔ بغیر کلام کے نبی پر الہام ہوتا ہے، بلکہ نبی اپنے نفس میں بغیر تقدم اور تاخر کے ایک معنی پاتا ہے جس کو محسوس نہیں کیا جا سکتا۔
۳۔ فرشتہ کو دیکھ کر اس سے وحی سنتا ہے اور اس سے کلام کرتا ہے۔
۴۔ فرشتہ نبی کے قلب پر وحی القاء کرتا ہے اور یہ القاء احکام، وعد اور وعید پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ اولیاء اللہ کے قلب پر جو القاء ہوتے ہیں وہ حوادث اور واقعات کی اطلاعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔
۵۔ نبی کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کی عقل کو کبھی کوئی عارضہ لاحق نہیں ہوتا۔
۶۔ نبی کی قوت حافظہ غیر معمولی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ طویل ترین سورت کو صرف ایک مرتبہ سن کر حفظ کر لیتا ہے اور اس کا ایک لفظ بھی نہیں بھولتا۔
۷۔ نبی اپنے اجتہاد میں خطاء سے محفوظ رہتا ہے (یعنی وہ خطاء پر برقرار نہیں رہتا۔ سعیدی غفرلہ)
۸۔ نبی کی ذکاوت غیر معمولی ہوتی ہے اور اس کا استنباط بھی غیر معمولی ہوتا ہے۔
۹۔ نبی کی بصر بہت تیز ہوتی ہے اور وہ زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کی چیز دیکھ لیتا ہے۔
۱۰۔ نبی کی سماعت بہت تیز ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ زمین کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کی آواز سن لیتا ہے جس کو دوسرا نہیں سن سکتا۔
۱۱۔ نبی کی قوت شامہ غیر معمولی ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یعقوب کا دور سے حضرت یوسف کی قمیص کی خوشبو سونگھ لینا۔
۱۲۔ نبی کا جسم بہت قوی ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ ایک رات میں ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ —
سعیدی غفرلہ)
۱۳۔ نبی کا آسمانوں پر جانا۔
۱۴۔ گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی کو پا لینا۔
۱۵۔ بکریوں سے کلام کرنا۔
۱۶۔ نباتات سے کلام کرنا۔
۱۷۔ درخت کے تنا (شہتیر) سے کلام کرنا۔ (جیسے استن حنانہ)
۱۸۔ پتھروں سے کلام کرنا۔
۱۹۔ بھیڑیے کی آواز سے اس کا مطلب سمجھ لینا
۲۰۔ اونٹ کی بلبلاہٹ کو سمجھ لینا۔
۲۱۔ متکلم کو دیکھے بغیر اس کی آواز سننا۔

۲۲۔ جنات کا مشاہدہ کرنا۔

۲۳۔ اشیاء غائبہ کی شکلوں کا بھی پر پیش کیا جانا جیسا کہ معراج کے موقع پر آپ کے سامنے بیت المقدس کی مثال پیش کی گئی۔

۲۴۔ کسی حادثہ سے اس کی عاقبت کو جان لینا، جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو فرمایا اس کو اس ذات نے روک لیا جس نے ہاتھیوں کو روک لیا تھا۔

۲۵۔ کسی نام سے فال نکالنا کیونکہ جب سہیل بن عمرو آیا تو آپ نے فرمایا اب اللہ نے تمہارا معاملہ سہل کر دیا ہے۔

۲۶۔ کسی آسمانی چیز کو دیکھ کر زمین کے حادثہ پر استدلال کرنا جیسا کہ فرمایا یہ بادل بنو کعب کی مدد کا اعلان کر رہا ہے۔

۲۷۔ پس پشت دیکھنا۔

۲۸۔ کسی شخص کی موت سے پہلے اس کے حال پر مطلع ہونا، جیسا کہ حضرت حنظلہ کے بارے میں فرمایا میں نے دیکھا فرشتے اس کو غسل دے رہے ہیں اور وہ حالت جنابت میں شہید ہوئے۔

۲۹۔ مستقبل کی فتح کا آپ پر اظہار کر دینا جیسا کہ غزوۂ خندق میں ہوا۔

۳۰۔ دنیا میں جنت اور دوزخ کو دیکھ لینا۔

۳۱۔ فراست۔

۳۲۔ درخت کا آپ کے حکم کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ آپ کے بلانے پر درخت جڑوں اور شاخوں سمیت آیا اور آپ کے حکم سے واپس چلا گیا۔

۳۳۔ ہرنی کا آپ سے شکایت کرنا۔

۳۴۔ بغیر غلطی کے خواب کی تعبیر بیان کرنا۔

۳۵۔ کھجور کے درخت کے بارے میں یہ اندازہ لگانا کہ اس میں اتنے وسق کھجوریں ہوں گی۔

۳۶۔ احکام کی ہدایت دینا۔

۳۷۔ دین اور دنیا کے انتظام اور سیاست کی ہدایت دینا۔

۳۸۔ عالم کی ہیئت اور ترکیب کی ہدایت دینا۔

۳۹۔ بدن انسان سے متعلق طبی امور کی ہدایت دینا۔

۴۰۔ عبادات کی ہدایت دینا۔

۴۱۔ صنعتوں کی ہدایت دینا۔

۴۲۔ ما سیکون (امور مستقبلہ) پر مطلع ہونا۔

۴۳۔ ما کان (امور ماضیہ) پر مطلع ہونا (جن کو پہلے کسی نے بیان نہ کیا ہو)۔

۴۴۔ لوگوں کی پوشیدہ باتوں اور بھیدوں پر مطلع ہونا۔

۴۵۔ استدلال کے طریقوں کی تعلیم دینا۔

۴۶۔ حسن معاشرت کے طریقوں پر مطلع ہونا۔

علامہ حلیمی نے لکھا ہے کہ نبوت کے چھیالیس خصائص ہیں، ہر چند کہ ان میں سے بعض اوصاف غیر نبی کو بھی حاصل ہوتے

ہیں لیکن یہ اوصاف نبوت کے خصائص اس وجہ سے ہیں کہ ان میں نبی کو اصلاً خطا نہیں ہوتی جب کہ غیر نبی کو ان میں خطا لاحق ہو جاتی ہے۔ [1]

نبی اور غیر نبی کا فرق

علامہ عینی کی عبارت نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی خصائص نبوت بیان کرتے ہوئے احیاء العلوم سے امام غزالی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ ہم قارئین کے سامنے احیاء العلوم سے امام غزالی کی اصل عبارت پیش کر رہے ہیں:

ان النبوۃ عبارۃ عما یختص بہ النبی و یفارق بہ غیرہ وھو یختص بانواع من الخواص منھا انہ یعرف حقائق الامور المتعلقۃ باللہ وصفاتہ وملائکتہ والدار الاخرۃ لا کما یعلمہ غیرہ بل عندہ من کثرۃ المعلومات وزیادۃ الیقین والتحقیق ما لیس عند غیرہ ولہ صفۃ تتم لہ بھا الافعال الخارقۃ للعادات کالصفۃ التی بھا تتم لغیرہ الحرکات الاختیاریۃ، ولہ صفۃ یبصر بھا الملائکۃ ویشاھد بھا الملکوت کالصفۃ التی یفارق بھا البصیر الاعمی ولہ صفۃ بھا یدرک ما سیکون فی الغیب ویطلع بھا ما فی اللوح المحفوظ کالصفۃ التی یفارق بھا الذکی البلید۔ [2]

نبوت ان اوصاف کو کہتے ہیں جو نبی کے ساتھ خاص ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے نبی اپنے غیر سے ممتاز ہو، اور یہ کئی قسم کے خصائص ہیں، نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، فرشتوں اور آخرت کے حقائق کو اس طرح جانتا ہے جس طرح ان کو کوئی نہیں جانتا کیونکہ نبی کو ان کی بہت معلومات ہوتی ہیں اور ان پر بہت یقین ہوتا ہے اور جتنی تحقیق ہوتی ہے کسی اور کو نہیں ہوتی۔ اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غیر نبی کو افعال اختیاریہ پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح نبی کو افعال خارقہ عادات (یعنی معجزات) پر قدرت ہوتی ہے، اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح ہم میں بینا اور نابینا کا فرق ہے، اور نبی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مستقبل میں ہونے والے امور غیب کا ادراک کر لیتا ہے اور لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ جس طرح انسان میں ذہانت کی صفت ہوتی ہے اور اس صفت کی وجہ سے ذہین شخص غبی سے ممتاز ہوتا ہے۔

امام غزالی، امام رازی، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی ان تعریفات سے واضح ہو گیا کہ نبی کی حقیقت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے اور ہر چند کہ نبی انسان اور بشر ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت میں استعداد وحی کی صلاحیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور نبی میں ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے جس طرح دیکھنے والا شخص نابینا اور ذکی غبی سے متمیز ہوتا ہے۔

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۲-۳۶۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ، احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۱۹۰-۱۹۱ مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا بیان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین ۞ یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام۔
(مائدہ: ۱۶-۱۵)

بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس آ گیا نور اور روشن کتاب (اس نور اور کتاب) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق کیا ہے، کیونکہ بعض معتزلہ کو چھوڑ کر تمام متقدمین اور متاخرین مفسرین نے کہا ہے کہ نور سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

وکان یقول فی دعائہ اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی بصری نورا وفی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری نورا وفوقی نورا وتحتی نورا وامامی نورا وخلفی نورا واجعل لی نورا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز تہجد کی) دعا میں فرماتے تھے: اے اللہ! میرے دل میں نور کر دے اور میری بصارت میں نور کر دے اور میری سماعت میں نور کر دے اور میرے دائیں نور کر دے اور میرے بائیں نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور میرے لیے نور کر دے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی تشریح یوں لکھتے ہیں: علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن انوار کی دعا کی ہے ان انوار سے نور حسی کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے، گویا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اعضاء میں ایسا نور پیدا کر دے جس سے روز قیامت کے اندھیروں میں روشنی ہو، جو روشنی آپ کو، آپ کے متبعین کو اور جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا حاصل ہو گی۔ علامہ قرطبی نے کہا کہ اولیٰ یہ ہے کہ نور سے مجازاً علم اور ہدایت کا ارادہ کیا جائے۔ علامہ عسقلانی فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ نور کی جس عضو کی طرف نسبت ہے اس عضو کا اس کے مناسبات کے لیے مظہر ہونا مراد ہے۔ سمع کا نور یہ ہے کہ وہ مسموعات کا مظہر ہو جائے اور بصر کا نور یہ ہے کہ وہ مبصرات کے لیے کاشف ہو جائے اور قلب کا نور یہ ہے کہ وہ معلومات کے لیے کاشف ہو جائے اور اعضاء کا نور یہ ہے کہ ان سے عبادات صادر ہوں۔ علامہ طیبی نے کہا کہ اعضاء کے لیے نور کی دعا کا معنی یہ ہے کہ آپ کے اعضاء معرفت الٰہی اور عبادات کے انوار سے روشن ہو جائیں اور ان میں معرفت اور عبادت کے علاوہ کچھ نہ ہو، کیونکہ شیطان چھ جہتوں سے وسوسہ کے لیے حملہ آور ہوتا ہے تو اس سے بچاؤ کی یہی طرح ممکن ہو گا کہ ان چھ جہات (دائیں، بائیں، اوپر، نیچے اور آگے، پیچھے) میں ایسے انوار ہوں جو شیطان کو حملہ سے روک سکیں۔ علامہ طیبی نے

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵-۹۳۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ
[2] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۱-۲۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

کہ ان انوار سے مراد ہدایت اور حق کی روشنی ہے۔ [1]

علامہ بدر الدین عینی نے بھی علامہ قرطبی اور علامہ طیبی کی عبارات کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ [2]

شیخ شبیر احمد عثمانی نے بھی حافظ ابن حجر کے حوالے سے علامہ قرطبی کی عبارت نقل کی ہے۔ [3]

(علامہ قرطبی نے اس دعا میں نور کو نور حسی پر بھی محمول کیا ہے اور نور ہدایت پر بھی ہر چند کہ اولیٰ نور ہدایت کو قرار دیا ہے)۔

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ اس دعا میں نور کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، یعنی نور حسی بھی اور نور ہدایت بھی۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے لیے نور کی دعا کی ہے اس سے اکابر علماء اسلام نے نور حسی اور نور ہدایت دونوں مراد لیے ہیں اور بعض دیگر احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نور حسی کا ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسی نورانیت اور حسن وجمال

ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان اور بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسی نورانیت بھی عطا فرمائی ہے جیسا کہ ان احادیث سے ظاہر ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں:

عن ابن عباس قال، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افلج الثنیتین وکان اذا تکلم رؤی کالنور یخرج من بین ثنایاہ۔ [5]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی، جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

امام دارمی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [6]

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ [7]

حافظ الہیثمی نے بھی اس کو طبرانی فی الاوسط کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام طبرانی کی سند میں عبد العزیز بن ابی ثابت ضعیف راوی ہے۔ [8]

علامہ یوسف نبہانی نے اس حدیث کو امام ترمذی، امام بیہقی، امام طبرانی کے علاوہ ابن عساکر کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ [9]

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۱۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۰۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم ج ۲ ص ۳۲۵، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی

[4] ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۳ ص ۱۲۵، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

[5] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل ترمذی مع جامع ترمذی ص ۵۷۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[6] امام عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

[7] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ

[8] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[9] علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۶۸۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

کان احسن الناس وجها وانورهم لونا لم یصفه واصف قط الا شبه وجهه بالقمر لیلة البدر ویقول هو احسن فی اعیننا من القمر ازهر اللون نیر الوجه یتلألأ تلألؤ القمر [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ چمکدار تھا، جو شخص بھی آپ کے چہرہ مبارک کے جمال کو بیان کرتا اس کو چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ آپ ہماری نظروں میں چاند سے زیادہ حسین ہیں، آپ کا رنگ چمکدار اور آپ کا چہرہ نورانی ہے اور چاند کی طرح چمکتا ہے۔

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے ابو نعیم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ [2]

امام دارمی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قال ابن عمر، ما رأیت احدا اجود ولا اشجع ولا اضوأ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [3]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی شخص کو سخی دیکھا نہ بہادر نہ روشن چہرے والا۔

علامہ یوسف نبہانی نے بھی اس حدیث کو سنن دارمی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ [4]

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یری باللیل فی الظلمة کما یری بالنهار من الضوء۔ [5]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے تھے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک قال، لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اظلمت المدینة حتی لم ینظر بعضنا الی بعض، وکان احدنا یبسط یده فلا یبصرها فما فرغنا من دفنه حتی انکرنا قلوبنا۔ [6]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو مدینہ میں اندھیرا ہو گیا، حتی کہ ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکے، اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ ہم آپ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو ایک دوسرے کو اجنبی پہچان پا رہے تھے۔

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ ج۱ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ

[2] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج۱ ص ۷۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور

[3] امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج۱ ص ۳۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[4] علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۶۸۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور

[5] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ ج۶ ص ۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ

[6] " " " " ، دلائل النبوۃ ج۷ ص ۲۶۵، " " " "

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے ابن سعد حاکم اور بیہقی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ [1]

علامہ ابن جوزی بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس: لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل، ولم یقم مع شمس قط الا غلب ضوءہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوءہ علی ضوء السراج۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، آپ جب بھی سورج کے سامنے کھڑے ہوتے آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب رہتا، اور آپ جب بھی چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے آپ کا نور چراغ کے نور پر غالب رہتا۔

علامہ سیوطی ابن عساکر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن عائشۃ قالت کنت اخیط فی السحر فسقطت منی الابرۃ فطلبتھا فلم اقدر علیھا فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتبینت الابرۃ بشعاع نور وجھہ فاخبرتہ فقال یا حمیراء الویل ثم الویل ثلاثا لمن حرم النظر الی وجھی۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سحری کے وقت سی رہی تھی، مجھ سے سوئی گر گئی میں نے اس کو ڈھونڈا لیکن وہ مجھے نہیں ملی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور آپ کے چہرہ کے نور کی شعاعوں سے وہ سوئی مل گئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا آپ نے فرمایا اے حمیرا! افسوس ہے پھر تین بار فرمایا اس شخص کے لیے افسوس ہو جو میرا چہرہ دیکھنے سے محروم رہا (یعنی جس نے باوجود زیارت پر قدرت کے میری زیارت نہیں کی)

علامہ نبہانی نے بھی اس حدیث کو ابن عساکر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ [4]

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ یہ روایت روایۃً اور درایۃً ثابت نہیں ہے۔ (الآثار المرفوعۃ ص ۴۵)

قرآن مجید کی نصوص قطعیہ سے بہ صراحت کے ساتھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے انسان اور بشر ہیں جن پر وحی آتی ہے اور قرآن ہیں، نیز ہدایت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور حسی سے بھی وافر حصہ عنایت فرمایا ہے جیسا کہ مذکور الصدر احادیث سے واضح ہوتا ہے اور یہ آپ کی دیگر معجزات کی طرح ایک خصوصیت ہے۔

بشریت کا نورانیت سے افضل ہونا

ہرچند کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حسی نورانیت کا ذکر ملتا ہے اور یہ آپ کی خصوصیت ہے لیکن اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ نورانیت افضل ہے اور بشریت مفضول ہے اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح بشر ہیں، عام

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

[2] علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ، الوفا باحوال المصطفیٰ ص ۴۰۷ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۳۹۷ھ

[3] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۶۳-۶۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

[4] علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ، جواہر البحار ج ۲ ص ۱۲۱۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

انسانوں کی طرح جو بشری کثافتیں اور عادات و اخلاقی برائیاں ہوتی ہیں، انبیاء علیہم السلام ان تمام سے منزہ ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کائنات میں سب سے اعلیٰ اور افضل بشریت ہے اور ہر قسم کی مادی آلائش اور جسمانی کثافت سے پاک ہے، بشریت یوں بھی انسانیت سے افضل ہے کتب عقائد میں لکھا ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں[1] اور جو بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا جز ہے، اس کے افضل مخلوقات ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے، رہا خمیر اور عنصر تخلیق، آپ کے مادہ خلقت سے کسی چیز کو کیا نسبت ہے۔ اصل میں منشاء فضیلت آپ کی ذات ہے۔ بشر بھی اس لیے افضل ہے کہ آپ بشر ہیں، اگر آپ بشر نہ ہوتے تو بشریت کا یہ مقام نہ ہوتا اور اگر آپ انسان نہ ہوتے تو انسانیت کی عزت نہ ہوتی، انسانیت کا احترام بھی آپ سے ہے اور بشریت کی عزت بھی آپ سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل ہونا

آپ افضل البشر اور افضل الانسان ہیں، عام انسان اور بشر تو کجا تمام نبیوں اور رسولوں میں کوئی آپ کا مثل نہیں ہے۔ آپ کی آنکھیں دیکھیے! فرمایا "انی اری ما لا ترون" (ترمذی ص ۳۳۲)[3] "میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے" فرمایا "واللہ ما یخفی علی رکوعکم ولا خشوعکم انی لاراکم من وراء ظہری" (بخاری ج ۱ ص ۱۰۲) "بخدا مجھ پر تمہارا رکوع مخفی ہے نہ خشوع مخفی ہے اور بے شک میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔" نیز فرمایا: "میں حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔" آپ نے نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) پڑھاتے ہوئے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ جن کی نظر کی جولانی کا یہ عالم ہے کہ اوپر نظر اٹھائیں تو سات آسمان ان کی نظر کے لیے حجاب نہیں، نیچے نظر ڈالیں تو سات زمینیں ان کی نظر کے لیے رکاوٹ نہیں۔ آسمان اور زمین، جنت اور دوزخ بلکہ دنیا و آخرت کی تو کیا حقیقت ہے جس ذات کو کوئی نبی اور رسول نہیں دیکھ سکا آپ نے اس ذات کو دیکھا۔

حسن الوہیت کو بے حجاب دیکھا اور اس طرح دیکھا کہ دکھانے والے نے یوں داد دی اور کہا "ما زاغ البصر وما طغی" "نظر بہکی نہ کجی ہوئی" یہ آنکھیں ایسی ہیں کہ جاگیں تو ریاضت اور سوئیں تو عبادت، فرمایا میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور دل نہیں سوتا یہی تو کہا تھا: "لست کہیئتکم"[4] "میں تمہاری مثل نہیں ہوں!"

سماعت دیکھیے! فرمایا: "انی اسمع ما لا تسمعون"[3] "میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے" فرشتوں کی باتیں سنتے ہیں، حیوانات اور جمادات کا کلام سنتے ہیں، حتیٰ کہ شجر و حجر کی آوازیں بھی سنتے ہیں، یہ سب چیزیں الگ رہیں خالق کائنات کا کلام سنتے ہیں اس کلام کو سنتے ہیں جو اگر پہاڑ پر نازل ہو تو پہاڑ پھٹ جائے! بجا تو کہا تھا کہ "ایکم مثلی"[2] "تم میں مجھ جیسا کون ہے؟"

لعاب دہن کو دیکھیے! یہ لعاب حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں پڑا تو ایسی ٹھیک ہوئیں کہ پھر کبھی دکھنے نہ آئیں، ایک جنگ میں حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ کا ڈھیلا نکل گیا، آپ نے لعاب دہن لگا کر وہ ڈھیلا اپنی جگہ رکھا، حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ پیدائشی آنکھ سے اتنا نہیں دکھائی دیتا تھا جتنا آپ کے ہاتھ سے لگائی ہوئی آنکھ سے دکھائی دیتا تھا، حضرت سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر اسی لعاب

۱۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ، شرح العقائد ص ۱۰۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۳۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۳۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۴۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

سے جوڑنا، حضرت علی کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ اسی لعاب سے جوڑ دی، حضرت ابوبکر کو زہر خوردہ ایڑی میں یہ لعاب لگایا تو زہر کا اثر جاتا رہا، حضرت جابر کی ہنڈیا میں لعاب ڈالا تو اس میں برکت ہوئی کہ تھوڑا سا کھانا تمام لشکر کے لیے کافی ہو گیا، کھارے کنوئیں میں یہ لعاب ڈالا تو میٹھا ہو گیا، فقط پانی کا ذائقہ نہیں بدلا زمین کی ماہیت بدل گئی۔

صرف زمین کی ماہیت نہیں بدلی، لوگوں کے دل و دماغ بدل دیے، فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا، یہ زبان کی تاثیر تھی اور نظر کا فیضان ہے کہ چرواہوں، ڈاکوؤں، رہزنوں اور لٹیروں کو لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا امین اور محافظ بنا دیا، جو گلہ بانی کے آداب سے ناواقف تھے انہیں جہانگیر اور جہاں بان بنا دیا، بت پرست بت شکن ہو گئے، ایک لمحہ پہلے وہ بدو جو جہانبانی کے آداب سے ناواقف تھے، ایک عالم کو تہذیب اور تمدن کا سبق سکھانے لگے۔

یوں تو آپ کی بہت فضیلتیں ہیں، آپ کا بول و براز طاہر تھا، آپ کے تمام فضلات طیب تھے، جس نے آپ کا پیشاب پی لیا اس کی بیماری جاتی رہی، جس نے فصد لگانے کے بعد آپ کا نکلا ہوا خون پی لیا اس پر دوزخ حرام ہو گئی، آپ کا پسینہ خوشبودار تھا، آپ کے جسم پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی، زمین پر سایہ نہیں پڑتا تھا، دھوپ میں ابر سایہ کرتا تھا، اشارہ سے سورج پلٹ آتا تھا اور چاند شق ہو جاتا تھا، لکڑی کو کبھی تلوار بنا دیا تو تلوار ہو جاتی تھی، لیکن آپ کی اصل فضیلت اور کمال یہ ہے کہ آپ نے سب نبیوں سے کم تبلیغ کا زمانہ پایا اور سب سے زیادہ پیروکار چھوڑے، اور اپنے مشن اور نصب العین کو سب سے زیادہ پھیلایا۔ دوسرے نبیوں نے معجزات کے حوالے لوگوں کو مسلمان کیا، آپ نے اپنی پاکیزہ زندگی اور سیرت طیبہ سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ اعلان نبوت ہوتے ہی بلا کسی دلیل اور معجزہ کے بغیر حضرت خدیجۃ الکبریٰ اسلام لائیں، جو آپ کی زوجہ تھیں، حضرت ابوبکر صدیق مسلمان ہوئے، جو آپ کے دوست تھے اور حضرت زید بن حارثہ مسلمان ہوئے جو آپ کے غلام تھے۔ ان میں سے کسی نے کوئی معجزہ نہیں دیکھا، کوئی دلیل نہیں طلب کی، یہ صرف آپ کی سیرت کا اعجاز تھا، یہ آپ کی پاکیزہ زندگی کا کرشمہ تھا، جیسے جیسے آپ کی سیرت کا شہرہ پھیلتا گیا، جیسے جیسے لوگ آپ کی شخصیت سے واقف ہوتے گئے، اسلام پھیلتا گیا، ہزاروں نبی اور رسول آئے اور تبلیغ کر کے چلے گئے لیکن کسی نبی اور رسول کی اصل تعلیم اور پیغام باقی نہیں ہے، کسی کی وحی ہوئی کتاب کا اصل متن تک موجود نہیں ہے لیکن آج چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی آپ کی تعلیم اور آپ کا پیغام باقی ہے اور آپ کا مشن جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا، یہی آپ کا مشن ہے اور اسی کو پھیلانے کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول الخلق ہونا

علماء اہل سنت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ کی خلقت کے قائل ہیں، حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اجسام سے قبل عالم ارواح میں ذوات انبیاء علیہم السلام کا موجود ہونا نص قرآن سے ثابت ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولیٰ عالم ارواح میں موجود ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

واذ اخذ الله ميثاق النبيين لما اتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاءكم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به ولتنصرنه قال ءاقررتم واخذتم على ذلكم اصري قالوا

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور حکمت سے دوں پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائے جو اس چیز کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا

اس لیے ذات پاک محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت اصل کائنات ہونے کی حیثیت سے کل موجودات اور عالمین سے پہلے ہے۔ الحمد للہ خوب واضح ہو گیا کہ خلقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات عالم سے پہلے ہے۔

دوسری آیت جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت خلقت کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہے یہ ہے:

انا اول المسلمین (انعام: ۱۶۳)
میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

صاحب روح البیان فرماتے ہیں اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود پاک اور نور ہر مقدس جمیع کل لینی تمام ماسوی اللہ پر مقدم ہے (روح البیان ج ۱ ص ۳۲۰)

ظاہر ہے کہ اختیاری یا غیر اختیاری اسلام سے کوئی عالم کا کوئی فرد خالی نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ولہ اسلم من فی السموات ومن فی الارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون"۔ پھر اسلام لانے والوں سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت ہو سکتے ہیں جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے پہلے ہوں، لہٰذا اس آیت سے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت تمام کائنات سے پہلے معلوم ہوئی۔ [1]

احادیث کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اول الخلق ہونا

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال، قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال و آدم بین الروح والجسد [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کو امام ابونعیم نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن میسرۃ الفجر قال قلت یا رسول اللہ! متی کنت نبیا؟ قال، و آدم بین الروح والجسد [4]

حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کس وقت نبی تھے؟ فرمایا جس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ [5]

امام احمد نے اس حدیث کو بعض اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کیا ہے۔ [6]

---

[1] علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ، مقالات کاظمی ج ۱ ص ۵۳-۴۹، مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال، ۱۳۹۰ھ

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[3] امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۴۰، مطبوعہ دار النفائس

[4] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۵۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

[6] " " " ، مسند احمد ج ۴ ص ۶۶، ج ۵ ص ۳۷۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

امام بیہقی نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عرباض بن ساریۃ صاحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول، انی عبد اللّٰہ وخاتم النبیین وابی منجدل فی طینتہ وسا خبرکم عن ذلک دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسی ورؤیا امی التی رأت وکذلک امھات النبیین یرین۔ [2]

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیین ہوں، اور میرے باپ (آدم) اپنی مٹی میں تھے اور میں تم کو عنقریب اس کی خبر دوں گا، میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا اور نبیوں کی مائیں اسی طرح خواب دیکھتی ہیں۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے [4]

امام ذہبی نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ [5]

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام احمد، امام طبرانی اور امام بزار کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کی جو سند بیان کی ہے اس کے راوی صحیح ہیں، البتہ ایک راوی سعید بن سوید میں کلام ہے لیکن امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ [6]

شیخ اشرف علی تھانوی ذکر کرتے ہیں:

شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ذکر کیا: یا رسول اللہ آپ کب نبی بنائے گئے؟ آپ نے فرمایا کہ آدم اس وقت روح اور جسد کے درمیان تھے جبکہ مجھ سے میثاق (نبوت کا) لیا گیا، کما قال تعالیٰ واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح الاٰیۃ۔ روایت کیا اس کو ابن سعد نے جابر جعفی کی روایت سے ابن رجب کے ذکر کے موافق۔ [7]

نیز شیخ تھانوی ذکر کرتے ہیں:

حضرت علی بن الحسین (یعنی امام زین العابدین) سے روایت ہے وہ اپنے باپ حضرت امام حسین اور وہ ان کے جد امجد یعنی

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوت ج ۲ ص ۱۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] " " " ، دلائل النبوت ج ۲ ص ۱۳۰، ج ۱ ص ۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷-۱۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

[4] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، مستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

[5] علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، " "

[6] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[7] شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب ص ۵، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

حضرت علی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا۔ ۱

اس حدیث کو علامہ سیوطی نے بھی ابو سہل القطان کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ ۲

علامہ ابن جوزی روایت کرتے ہیں:

عن کعب الاحبار قال، لما اراد اللہ تعالیٰ ان یخلق محمدا صلی اللہ علیہ وسلم امر جبرئیل علیہ السلام ان یاتیہ فاتاہ بالقبضۃ البیضاء التی ہی موضع قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعجنت بماء التسنیم، ثم غمست فی انہار الجنۃ وطیف بہا فی السموت والارض، فعرفت الملائکۃ محمدا قبل ان تعرف آدم، ثم کان نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم یری فی غرۃ جبہۃ آدم وقیل لہ ہذا سید ولدک من الانبیاء والمرسلین۔ ۳

کعب احبار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو مٹی لانے کا حکم دیا۔ جبرئیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی جگہ سے سفید مٹی لے کر آئے اس مٹی کو تسنیم (جنت کی نہر) کے پانی سے گوندھا گیا، پھر اس کو جنت کی نہروں میں غوطہ دیا گیا اور آسمانوں اور زمینوں میں اس مٹی کو گھمایا گیا، پس فرشتوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آدم (علیہ السلام) کے پہچاننے سے پہلے جان لیا، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آدم کی پیشانی میں دکھائی دیتا تھا اور آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ یہ تمہاری اولاد میں سے انبیاء اور مرسلین کے سردار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّل الخلق ہونے کے بارے میں علماء کے نظریات اور مصنف کا موقف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کے بارے میں اکثر علماء اسلام کا اتفاق ہے لیکن اس میں علماء اسلام کی آراء مختلف ہیں کہ اوّل خلق کا مصداق کیا ہے، علامہ شہاب الدین خفاجی کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پیدا کی گئی، علامہ ابن جوزی کی رائے یہ ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے سفید نورانی مٹی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا گیا، علامہ قسطلانی کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا گیا۔ علامہ سیوطی کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی روح یا آپ کی حقیقت کو پیدا کیا گیا۔ علامہ سبکی نے بھی یہی کہا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مختلف نظریات اس وجہ سے ہیں کہ قرآن مجید کی کسی نص صریح یا کسی حدیث میں اس کی تصریح اور تعیین نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے کس مادہ سے پیدا کیا گیا۔ اور قرآن اور حدیث نے اس چیز سے اس لیے تعرض نہیں کیا کہ جسمانی

۱۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب ص ۹، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

۳۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ، الوفاء باحوال المصطفیٰ ج ۱ ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

دنیاوی فوز و فلاح اور اخروی سعادت کا مدار اس چیز پر نہیں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مادہ تخلیق کو جان لیں! اس لیے اس میں بحث کرنے کے بجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کا کیا مصداق تھا، ہماری توجہ اس پر مبذول رہنی چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجنے کا کیا مقصد ہے؟ اور آپ کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور افضلیت جاننے کے لیے یہ چیز کافی ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ کے لیے نبوت اس وقت واجب ہوئی جب حضرت آدم جسم اور روح کے درمیان تھے اور اس بحث میں پڑنا اور یہ موشگافیاں کرنا غیر ضروری ہے کہ اس وقت آپ کا جسم مٹی سے بنایا گیا تھا یا نور سے یا اس جسم کی حقیقت مجہول ہے کیونکہ یہ تمام افکار اور نظریات کسی قطعی دلیل پر مبنی نہیں ہیں۔ تاہم اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سب سے پہلے پیدا کی گئی اور جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کا جسم پیدا کیا گیا تو یہ ظاہر قرآن اور حدیث کے اور اسلام اصول فطرت کے مطابق ہے۔

اب ہم قارئین کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کے مصداق کے بارے میں علماء اسلام کے نظریات پیش کر رہے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم صرف ترجمہ کر رہے ہیں۔

علامہ احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

شیخ تقی الدین سبکی نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام پیدا کرنے سے پہلے ارواح کو پیدا کیا اور کنت نبیا سے آپ کی روح شریفہ کی طرف اشارہ ہے۔ [1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ قسطلانی اور علامہ سبکی کے نزدیک اول خلق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہے۔

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے اور رزق کو مقدر کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے حضرت احدیہ میں انوار صمدیہ سے حقیقت محمدیہ کو ظاہر کیا پھر تمام علوی اور سفلی عالموں کو ان کی صورتوں کے اعتبار سے اپنے علم کے مطابق اس حقیقت سے نکالا پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو یہ بتایا کہ وہ نبی ہے اور اس کو رسالت کی بشارت دی یہ اس وقت ہوا جب حضرت آدم پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ روح اور جسم کے درمیان تھے جیسا کہ ارشاد رسالت ہے۔ پھر آپ سے ارواح صافیہ کا ظہور ہوا اس وقت عالم اعلیٰ میں آپ کا ظہور ہو چکا تھا اور آپ ان کے لیے (فیض کا) چشمہ شیریں بن چکے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اجناس کے لیے جنس عالی اور تمام موجودات اور لوگوں کے لیے اب اکبر ہیں۔ [2]

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول خلق اس معنی میں ہیں کہ آپ تمام اجناس کے لیے جنس عالی اور تمام انسانوں کے لیے اب اکبر ہیں۔

اس کے بعد علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

عارف ربانی عبد اللہ بن ابی جمرہ نے اپنی کتاب بہجۃ النفوس میں اور ان سے پہلے ابن سبع نے شفاء الصدور میں کعب احبار سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو جبریل کو حکم دیا کہ زمین سے اس مٹی کو لے کر آئیں جو زمین کا قلب ہو اور سب سے اچھی مٹی ہو، تاکہ اس کو منور کر دیں، پھر جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی جگہ کی مٹی لی درآں حالیکہ وہ سفید اور روشن تھی اس مٹی کو جنت کی نہروں کے پانی سے گوندھا گیا حتی کہ یہ چمکدار موتی کی طرح ہو گئی اور اس کی عظیم شعاعیں تھیں، پھر فرشتے اس مٹی کو لے کر عرش، کرسی، آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں

---

[1] علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] ، ، ، ، ، المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۱۰

اور مدینہ منورہ میں آگیا اور تمام فرشتوں اور تمام مخلوق نے سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی فضیلت کو آدم علیہ السلام سے پہلے جان لیا یعنی فرشتوں نے پہلے آپ کو جانا اور پھر حضرت آدم کو جانا، اور ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین سے فرمایا: خوشی اور ناخوشی سے میرے پاس آؤ! تو زمین سے کعبہ شریفہ اور آسمانوں سے کعبہ کے مقابل آسمان نے کہا ہم خوشی سے آگئے ہیں اور حضرت ابن عباس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی کا اصل مکہ میں زمین کی ناف ہے۔ بعض علماء نے کہا اس میں یہ اشارہ ہے کہ زمین کے جس حصہ نے جواب دیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل کا ذرہ تھا اور کعبہ کی جگہ کو پھیلا کر زمین بنائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تکوین کی اصل ہیں اور باقی کائنات اس کے تابع ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو آفاقی اس لیے کہا جاتا ہے کہ مکرمہ ام القریٰ ہے اور آپ کا ذرہ کعبہ سے لیا گیا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ کسی شخص کی مٹی اس کے مدفن سے لی جاتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن مکہ ہو کیونکہ آپ کی مٹی مکہ سے لی گئی ہے صاحب عوارف المعارف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جب پانی کا طوفان آیا تو پانی کی موجوں سے وہ ذرہ اس جگہ چلا گیا جہاں مدینہ میں آپ کا مدفن ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکی بھی ہیں اور مدنی بھی ہیں۔ [1]

علامہ قسطلانی نے جو عبارات نقل کی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آپ کا اول خلق ہونا اس معنی سے ہے کہ آپ آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیے گئے اور آپ کا مادہ خلقت مٹی ہے۔

اس کے بعد علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں یہ بتلائیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا پھر یہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ نے چاہا سیر کرتا رہا اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان نہ زمین نہ سورج تھا نہ چاند نہ جن اور نہ انسان، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے پہلے حصہ سے قلم پیدا کیا، دوسرے حصہ سے لوح، تیسرے حصہ سے عرش پھر چوتھے حصہ کے چار حصے کیے پہلے حصہ سے حاملین عرش کو پیدا کیا، دوسرے سے کرسی کو تیسرے حصہ سے باقی ملائکہ کو، پھر چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کیے پہلے حصہ سے آسمان دوسرے سے زمین تیسرے سے جنت اور دوزخ اور چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کیے پہلے حصہ سے مومنین کی آنکھوں کا نور دوسرے حصے سے ان کے دلوں کا نور اور وہ معرفت الٰہی ہے اور تیسرے حصہ سے دلوں کا انس یعنی کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پیدا کیا۔ الحدیث۔ [2]

علامہ قسطلانی نے جو یہ روایت (ب) نقل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اشیاء کے اعتبار سے اول خلق ہیں اور آپ کا مادہ خلقت نور ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی اس بحث میں لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض ہو کہ نبوت ایک وصف ہے اور اس کا موصوف موجود ہونا چاہیے اور نبوت سے چالیس سال کے بعد اتصاف

---

[1] علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

[2] " " " المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۹ " " "

ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے سے پہلے آپ کا نبوت سے موصوف ہونا کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام سے پہلے ارواح کو پیدا کیا ہے اور کنت نبیاً میں آپ کی روح شریفہ کی طرف اشارہ ہے یا آپ کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور حقائق کے ادراک سے ہماری عقول قاصر ہیں حقائق کا ادراک صرف ان حقائق کا خالق ہی کر سکتا ہے۔ [1]

غور فرمائیے امام سبکی کے نزدیک کنت نبیاً کا معنی ہے میں اللہ کے علم اور تقدیر میں نبی تھا ______

______ اور علامہ قسطلانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول خلق ہونے کے بارے میں یہ تحقیق کیا ہے کہ سب سے پہلے آپ کی روح کو خلق کیا گیا، آدم علیہ السلام سے پہلے آپ کی مٹی سے بنایا گیا، ایک ذرہ سے بنایا گیا اور یہ آپ جنس عالی ہیں اور علامہ سیوطی اور علامہ سبکی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت آدم سے پہلے آپ کی روح کو پیدا کیا گیا یا آپ کی حقیقت کو پیدا کیا گیا جس کے ادراک سے ہماری عقول قاصر ہیں اور علامہ ابن جوزی نے کعب احبار کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت آدم کی خلقت سے پہلے آپ کی مٹی سے بنایا گیا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی خطیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کو مٹی سے بنایا گیا۔ (فتاویٰ افریقیہ ص ۲۰۰-۹۹، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔)

ان تمام اقوال کو پڑھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی چیز قطعی نہیں ہے ورنہ اس میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا اس لیے صرف اس پر یقین رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا، رہا یہ کہ آپ کا مادہ تخلیق کیا ہے؟ اور آپ کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ تو چونکہ یہ کسی حدیث صحیح یا یقینی دلیل سے ثابت نہیں اور نہ اس کے ساتھ دین اور شریعت کی کوئی غرض وابستہ ہے اور نہ اس کا تعلق ہمارے عقائد اور اعمال سے ہے، دوم یہ کہ آخرت میں اس پر باز پرس ہوگی کہ تم نے یہ کیوں نہیں جانا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے تمہارے نبی کو کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ اس لیے اس بحث میں نہیں الجھنا چاہیے۔ تاہم اگر کوئی شخص اس کے جاننے پر اصرار کرتا ہے تو ہمارے نزدیک سلامتی کی راہ اس قول میں ہے کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پیدا کی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا عام اصول ہے کہ وہ اجسام سے پہلے ارواح کو پیدا کرتا ہے اور ظاہر قرآن اور حدیث میں بھی اس کی تائید ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی نے اس مسئلہ پر نفیس بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے آپ کی روح کو پیدا کیا، اور اس کو نبوت کی خلعت سے مشرف کیا اور چونکہ نبوت آپ کی روح کی صفت ہے تو معلوم ہوا کہ آپ وفات کے بعد بھی نبی اور رسول ہیں، اور دین اسلام کا منقطع ہونا اس میں مضر نہیں ہے کیونکہ آپ کا دین مکمل ہو چکا ہے، اس تحقیق کو حفظ کر لو کیونکہ یہ بہت نفیس ہے، اور ابن القطان نے جو روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کرنے سے چودہ ہزار سال پہلے آپ کے نور کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ نور ملائکہ کی تسبیح کے ساتھ ساتھ تسبیح کرتا تھا، اس نور سے بھی آپ کی روح مراد ہے۔ [2]

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے علی الاطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پیدا کی گئی اور ہر چند کہ آپ کی ولادت جنس بشر سے ہوئی ہے لیکن چونکہ آپ کی حقیقت میں وحی کی استعداد اور دیگر خصوصیات ہیں اس وجہ سے آپ علم فضائل

۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۵-۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور

۲۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۰۱-۲۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت

سے ممتاز ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشریت کے ساتھ ساتھ نورِ حسّی بھی عطا فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا چہرہ اقدس نہایت روشن اور تاباں تھا اور زمین پر آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔

ہم نے یہ تمام کوشش صرف اس لیے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی حقیقت کے بارے میں جو لوگ افراط اور تفریط پر مبنی نظریات کے شکار ہیں ان کی اصلاح ہو جائے، اللہ العالمین میری اس تحریر کو لوگوں کے لیے موثر اور نافع بنا اور میری مغفرت فرما اور مجھے دارین کی سعادت عطا فرما، مجھے اس شرح کو مکمل کرنے کی توفیق دے اور اس شرح کو قبول و دوام عطا فرما۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

مخلوق کی طرف علم غیب کی نسبت کرنے کی تحقیق

علامہ نووی، علامہ کرمانی، علامہ عسقلانی، علامہ عینی اور دیگر شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتقاضاء بشریت غیب کا علم نہیں تھا۔ اس مسئلہ میں علماء اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ غیب کا علم عطا فرمایا ہے لیکن مطلقاً یہ کہنا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے" دو وجہ سے درست نہیں ہے اول اس لیے کہ یہ قول ظاہر قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید نے اللہ کے غیر سے مطلقاً علم غیب کی نفی کی ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ جب مطلقاً علم کا ذکر کیا جائے تو اس سے مراد علم بالذات ہوتا ہے۔ اس لیے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب سے وافر حصہ عطا فرمایا ہے یا یوں کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض علوم غیبیہ عطا کیے گئے اور کسی مخلوق کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا درست نہیں ہے اسی طرح کسی کو عالم الغیب کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

امام احمد رضا قادری فرماتے ہیں:

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جبکہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔ اس کی تصریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے، کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ [1]

اعلیٰ حضرت کی اس عبارت کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ جب مطلقاً علم غیب بولا جائے تو اس سے ذاتی علم غیب مراد ہوتا ہے اور قرآن اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاں علم غیب کی نفی کی گئی ہے اس سے ذاتی علم غیب مراد ہے، اور چونکہ مطلقاً علم غیب سے ذاتی علم غیب مراد ہوتا ہے اس لیے مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے مسئلہ علم غیب کی نفیس تحقیق کی ہے، قارئین کی علمی ضیافت کے لیے ہم اس کو یہاں بیان کر رہے ہیں: علامہ شامی لکھتے ہیں: فقہاء احناف نے اپنی متعدد کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص نے اپنے لیے علم غیب کا دعویٰ کیا وہ کافر ہو گیا، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے "جس شخص نے الو کی آواز سن کر کہا ایک آدمی مر جائے گا اس کے متعلق بعض فقہاء نے کہا وہ

---

[1] ۔ امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ ج ۳ ص ۴۷، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور

کافر ہو گیا اور بعض نے کہا وہ کافر نہیں ہوا، کیونکہ اس نے اس آواز سے بدشگونی لی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص سفر کے لیے نکلا اور عقعق بول پڑا اور وہ لوٹ آیا تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔ صاحب ہدایہ نے مختارات النوازل میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ آخر کے مسئلہ میں تکفیر نہیں کی جائے گی، بزازیہ میں ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ میں چوری کی ہوئی اشیاء کو جانتا ہوں وہ کافر ہو گیا، اسی طرح جس نے کہا میں جنات کی خبریں دیتا ہوں وہ بھی کافر ہو گیا کیونکہ جنات بھی انسانوں کی طرح غیب نہیں جانتے اور جو شخص جنوں کی خبر کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل شدہ دین سے کفر کیا۔" اسی طرح جامع الفصولین میں مذکور ہے کہ جس شخص نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ اللہ اور اس کا رسول گواہ ہیں یا فرشتے گواہ ہیں اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول یا فرشتوں کو غیب کا علم ہے پھر اس پر یہ اشکال وارد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبریں دی ہیں۔ اسی طرح حضرت عمر اور دیگر سلف صالحین نے بھی غیب کی خبریں دی ہیں تو اس کا یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے جس علم غیب کی نفی کی جاتی ہے وہ علم مستقل ہے (یعنی وہ علم جو بتلائے بغیر حاصل ہو) یا علم یقینی ہے اور جو علم آپ کے لیے ثابت ہے وہ علم غیر مستقل ہے (جو علم بتانے سے حاصل ہو یعنی عطائی) یا آپ کے لیے جو علم حاصل ہے وہ علم ظنی ہے۔ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کہا اتجعل فیہا من یفسد فیہا "کیا تو زمین میں اس کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا؟" فرشتوں نے یہ غیب کی خبر دی تھی اور انھوں نے یہ خبر یا برسبیل ظن دی تھی یا اللہ کے بتلانے سے لہٰذا جو شخص بغیر کسی کے بتلائے علم غیب کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور جو یہ کہے کہ اس کو نیند میں بتلایا گیا یا بیداری میں اس نے کشف سے جان لیا اس وجہ سے اس کو غیب کا علم ہو گیا تو وہ کافر نہیں ہو گا کیونکہ اس کے دعویٰ میں اور قرآن مجید کی آیات میں کوئی تعارض اور تنافی نہیں ہے۔

علامہ رافعی نے ائمہ حنفیہ سے نقل کر کے یہ کہا کہ کسی شخص سے یہ پوچھا گیا کہ کیا تم کو غیب کا علم ہے؟ اس نے کہا ہاں! تو وہ کافر ہو گیا اور جو شخص سفر کے لیے نکلا اور عقعق کی آواز سن کر لوٹ آیا اس کے کفر میں اختلاف ہے، روضۃ الطالبین میں علامہ نووی نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں وہ کافر نہیں ہو گا۔[1] علامہ نووی کے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ جو شخص غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت کی تکذیب کر رہا ہے وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ہو۔ "اور غیب کی چابیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔" نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔ "(وہ) غیب جاننے والا (رب) ہے تو اپنے غیب پر کسی کو (کامل) اطلاع نہیں دیتا مگر جن کو پسند فرمایا جو اس کے (سب) رسول ہیں۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم غیب کی نفی میں رسولوں کے سوا کسی کا استثناء نہیں کیا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کا یہ قول قرآن مجید کی نص کی مخالفت اور تکذیب کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو علم مختص ہے وہ تمام اشیاء کا علم ہے اور وہی مفاتح الغیب ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث الآیۃ۔ "اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے" اس لیے جو شخص کسی ایک چیز یا چند چیزوں کے بارے میں غیب کے علم کا دعویٰ کرتا ہے وہ قرآن مجید کا مکذب یا مخالف نہیں ہے اور اس دعویٰ سے وہ کافر نہیں ہو گا، اور جس شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ تمام چیزوں کے غیب کا علم رکھتا ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ٧ ص ٦٢، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٥ھ

(علامہ شامی کہتے ہیں) پھر میں نے دیکھا کہ علامہ اخفاجی نے بھی علامہ قونوی کی طرح لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ کوئی شخص مطلقاً یہ کہنے سے (میں غیب جانتا ہوں) کافر نہیں ہوگا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی سے یہ سوال کیا گیا کہ "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ولی غیب کو جانتا ہے" تو کیا ان روایتوں کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جائے گا؟ علامہ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ میں اس سوال کے جواب میں یہ لکھا کہ چونکہ اس شخص کے کلام میں تاویل ہے اس لیے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی جیسا کہ روضۃ الطالبین وغیرہ میں ہے۔ علامہ رافعی نے کہا اس شخص سے یہ پوچھنا چاہیے کہ تمہارے اس قول (ولی غیب کو جانتا ہے) سے کیا مراد ہے؟ اگر وہ اس کے جواب میں یہ کہے کہ میری مراد یہ ہے کہ بعض اولیاء اللہ کو کبھی اللہ تعالیٰ بعض غیب کا علم عطا فرماتا ہے تو اس کا یہ قول قبول کر لیا جائے گا کیونکہ یہ عقلاً جائز ہے اور نقلاً ثابت ہے کیونکہ غیب کو جاننا اولیاء اللہ کی جملہ کرامات میں سے ہے، بعض اولیاء کشف کے ذریعہ غیب کو جان لیتے ہیں اور بعض پر لوح محفوظ منکشف کر دی جاتی ہے اور وہ اس کو دیکھ لیتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت خضر کا جو واقعہ ہے وہ اس پر کافی دلیل ہے، کیونکہ حضرت خضر بعض علماء کی تصریح کے مطابق ولی ہیں ہر چند کہ جمہور علماء اور عارفین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے حمل کے بارے میں یہ خبر دی کہ اس کے پیٹ میں لڑکا ہے۔ اسی طرح حضرت عمر نے علم میں لشکر کے اس لشکر کے بارے میں یہ خبر دی جو ساریہ کی قیادت میں لڑ رہا تھا اور جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے برسر منبر کہا: یا ساریۃ الجبل "اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں ہو جاؤ" اور حضرت ساریہ کو دشمنوں کے حملے سے خبردار کیا۔ اسی طرح حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے بارے میں خبر دی وہ محدَّث ہیں (یعنی ان کو الہام کیا جاتا ہے) اور امام قشیری نے اپنے رسالہ میں اور شیخ سہروردی نے عوارف المعارف میں اور دیگر عارفین اور علماء نے اپنی تصانیف میں اولیاء اللہ کی بہت غیب کی خبروں کا ذکر کیا ہے اور اولیاء اللہ کو جو غیب کا علم ہوتا ہے وہ قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف نہیں ہے جن میں غیب کے علم کا اللہ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بالذات علم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے غیب کا علم ہوتا ہے اور اولیاء اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے غیب کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ما کان وما یکون کی تمام جزئیات کو محیط ہے اس کا علم صفت واحدہ ہے جو تمام معلومات کے لیے جملہ الکاشف ہے اور اس کا علم قدیم ہے وہ ہمیشہ سے ہے نہ کسبی، نہ اس میں کسی نقص یا کمی کا شائبہ ہے اور یہ علم اللہ کے ساتھ خاص ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے، اس کے علاوہ باقی جزئیات کا اگر مخلوق کو علم ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہے۔ اور اس صورت میں یہ مطلقاً نہیں کہا جائے گا کہ اولیاء کو غیب کا علم ہے، کیونکہ اولیاء کو کوئی صفت حاصل نہیں ہے جس سے ان کو مستقلاً غیب کا علم ہو اور ان کو جو کچھ علم ہوتا ہے وہ بتلانے سے ہوتا ہے، نیز ان کو غیب مطلق کا علم نہیں دیا جاتا۔ اور انبیاء اور اولیاء کو جو غیب کا علم دیا جاتا ہے وہ کسی وجہ سے بھی کمال کو مستلزم نہیں ہے اس لیے اس کا انکار کرنا عناد کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو جو غیب کا علم ہوتا ہے اس سے ان کا اللہ تعالیٰ کے

سے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کسی شخص کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا کفر ہے یا نہیں، ہر چند کہ صحیح یہ ہے کہ یہ کفر نہیں ہے تاہم مخلوق کی طرف مطلقاً علم غیب کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ علم غیب جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے جیسا کہ ہم امام احمد رضا قادری کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔ منہ

ساتھ شریک ہونا کسی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جمیع اور غیر متناہی معلومات کا علم ہے اور اس کا علم بذاتہ اور مستقل ہے، قدیم اور واجب ہے اور ممتنع الزوال ہے اور انبیاء اور اولیاء کو بعض اور متناہی معلومات کا علم ہوتا ہے اور ان کا علم غیر مستقل ہے اور اللہ کے بتلانے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ علم حادث اور ممکن ہے اس علم کا حصول بھی ممکن ہے اور اس کا زوال بھی ممکن ہے، اس آیت کی تقریر یہاں ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے، علامہ نووی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کی تقریر کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ تمام غیر متناہی غیوب کا استقلالاً احاطہ کرنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، البتہ معجزات اور کرامات اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے واقع ہوتے ہیں۔[1]

مفتی ابو السعود آفندی نے بھی عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے غیب پر اس کے رسولوں کے سوا کسی کو ایسی اطلاع کامل نہیں ہوتی جس سے ایسا انکشاف تام حاصل ہو یعنی جن ہو کیونکہ جن غیب کے علم کا تعلق رسالت سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان غیوب پر اپنے رسولوں کو مطلع فرماتا ہے یا اس وجہ سے کہ وہ غیوب رسول کی رسالت کے مبادی ہوتے ہیں یعنی وہ ایسے معجزے ہوتے ہیں جو رسول کی رسالت پر دلالت کرتے ہیں یا ان غیوب کا تعلق رسالت کے احکام اور ارکان سے ہوتا ہے جیسے علم احکام شرعیہ اور ان پر آخرت میں مرتب ہونے والے اجر و ثواب کا بیان۔ اور وہ غیوب جن کا اور وہ چیزوں سے تعلق ہو جیسے قیامت کے قائم ہونے کا وقت تو اس پر اللہ تعالیٰ کسی کو مطلع نہیں فرماتا کیونکہ اس غیب کا بتلا دینا حکمت تشریع کے خلاف ہے اور اس آیت میں اولیاء اللہ کی کرامات کی نفی نہیں ہے، کیونکہ یہ کرامات اولیاء اللہ کو کشف سے حاصل ہوتی ہیں اور یہ کشف اس سے بہت کم درجہ کا ہے جو رسولوں کو بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے علاوہ ازیں اولیاء کا کشف ظنی اور انبیاء کا یقینی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس غیب مطلق کے ساتھ منفرد ہے جو جمیع معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اپنے رسولوں کو ان بعض علوم غیبیہ پر مطلع فرماتا ہے جو رسالت کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کو بعض حوادث غیبیہ پر الہام یا کشف کے ذریعہ مطلع فرمانا اس کے خلاف نہیں ہے، اس لیے اگر کسی صاحب کرامت ولی نے کسی غیب جاننے کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ کرنا جائز اور صادق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیب مطلق مختص ہے اور یہ جس غیب کا دعویٰ کر رہا ہے وہ حقیقۃً غیب نہیں ہے بلکہ اسے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوتا ہے۔

اسی طرح بعض علامات یا آلات کے ذریعہ مستقبل کے کسی واقعہ کی پیش گوئی کرنا (جیسے محکمہ موسمیات موسم اور بارش کی پیشگی اطلاع دیتا ہے یا جیسے سائنس دان سورج گرہن اور چاند گرہن کی پیشگی اطلاع دیتے ہیں) جائز ہے، کیونکہ علامہ قنیالی صاحب حلیہ نے فتاوی المنازل میں لکھا ہے کہ علم نجوم فی نفسہ حسن ہے کیونکہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک علم تو حساب اور ریاضی پر مبنی ہے اور یہ حق ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: والشمس والقمر بحسبان یعنی سورج اور چاند کی گردش ایک معین حساب سے ہے اور ایک علم استدلالی ہے اور یہ علم ستاروں کی رفتار اور حرکت افلاک سے حوادث پر استدلال سے عبارت ہے سو یہ علم بھی جائز ہے، جیسے طبیب نبض سے مریض کے مرض پر استدلال کرتا ہے۔ ہاں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا منکر ہو اور ذاتی علم غیب کا مدعی ہو (یعنی اس کو بغیر انکشافات ہوتا ہے) تو وہ کافر ہے۔

ہم نے فقہاء کی جو عبارات پیش کی ہیں اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ معجزہ، کرامت یا آلات اور علامات سے بعض امور غیبیہ پر مطلع ہونا جائز ہے، البتہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس پر کسی سبب کے بغیر ازخود غیب منکشف ہو جاتا ہے یا یہ دعویٰ

[1] علامہ احمد شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ، الفتاوی الحدیثیہ ص ۲۲۸، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۵۶ھ

کرے کہ اس کو جنات حبیب کی خبر دیتے ہیں یا جو شخص ستاروں کی تاثیر کا قائل ہو سو ایسا شخص کافر ہے۔ [۱]

قرآن اور سنت کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے زیادہ علم عطا فرمایا ہے اور آپ کا یہ علم، حبیب اور شہادت دونوں کو محیط ہے اور یہ علم تدریجی ہے، اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تا حیات اضافہ فرماتا رہا۔ اسی علم کو علماء اہلسنت علم کلی اور علم ماکان وما یکون سے تعبیر کرتے ہیں۔ علم کلی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل معلومات الہیہ کا علم ہے کسی مخلوق کے لیے اس علم کو ماننا نہ صرف محال ہے بلکہ شرک ہے۔

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں: کسی علم کی حضرت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اوّل: علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطاء غیر ہو۔

دوم: علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ وتدبیر فکر ونظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم: علم کا وجوب کہ کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

پنجم: علم کا ثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر، تبدل، فرق اور تفاوت کا امکان نہ ہو۔

ششم: علم کا اقصیٰ غایت کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اعراض، احوال لازمہ، مفارقہ، ذاتیہ، اضافیہ، ماضیہ آتیہ (مستقبلہ) موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے مطلقاً منفی، یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں ہے جو کسی غیر الہٰی کے لیے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ [۲]

نیز امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اوّلین وآخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرے کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے ہے، کیونکہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ غیر متناہی کی متناہی سے۔ [۳]

خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے علوم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایسا ہے جیسے قطرہ کے مقابلہ میں سمندر ہو اور اللہ کے علم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ اور سمندر میں ہوتی ہے۔ کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے اور آپ کے علم کی اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف نسبت متناہی کی نسبت

---

[۱] امام سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۱۹۔ ۲۱۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۹۶ھ

[۲] امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ، الصمصام ص ۹

[۳] امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ، الملفوظ ج ۱ ص ۴۹، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور

غیر متناہی کی طرح ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ (نساء: ۱۱۳)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور ان تمام چیزوں کا علم دے دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے اور یہ اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

اس آیت سے علم کلی کے استدلال پر ہم نے اپنی کتاب مقام ولایت و نبوت میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس استدلال کی تائید میں بکثرت حوالہ جات نقل کیے ہیں اور اس استدلال پر وارد ہونے والے اعتراضات کا مکمل ازالہ کر دیا ہے۔ جو لوگ اس بحث کو تفصیل اور تحقیق سے جاننا چاہتے ہوں ان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عمر قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اہل الجنۃ منازلہم واہل النار منازلہم حفظ ذلک من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں، حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے اس کو بھلا دیا۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں

عن حذیفۃ قال لقد خطبنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبۃ ما ترک فیہا شیئا الی قیام الساعۃ الا ذکرہ علمہ من علمہ وجہلہ من جہلہ الحدیث۔[۲]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک کے ہونے والے تمام امور بیان فرما دیے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں

عن ابی زید قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظہر فنزل فصلی

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت

---

[۱] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[۲] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۷ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان وبما هو کائن فاعلمنا احفظنا[1]

آگیا پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہو گئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے منبر پہ چڑھ کر ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام ماکان وما یکون کی خبریں دیں سو جو ہم میں زیادہ حافظ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یوما صلوٰة العصر بنهار ثم قام خطیبا فلم یدع شیئا یکون الی قیام الساعة الا اخبرنا به حفظه من حفظه ونسیه من نسیه.[2] (الحدیث)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر آپ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور آپ نے قیامت تک ہونے والے ہر واقعہ اور ہر چیز کی ہمیں خبر دے دی، جس نے اس کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ثوبان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله زوی لی الارض فرایت مشارقها ومغاربها.[3]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے[4] نیز امام ابو داؤد[5] اور امام احمد[6] نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن جبل قال احتبس عنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات غداة

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں آنے کے

1۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

2۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

3۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

4۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۲۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

5۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

6۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

من صلوٰۃ الصبح حتی کدنا نترأی عین الشمس فخرج سریعا فثوب بالصلوٰۃ فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتجوز فی صلوٰتہ فلما سلم دعا بصوتہ فقال لنا علی مصافکم کما انتم ثم انفتل الینا فقال اما انی ساحدثکم ما حبسنی عنکم الغداۃ انی قمت من اللیل فتوضأت فصلیت ما قدر لی فنعست فی صلوٰتی فاستثقلت فاذا بربی تبارک وتعالی فی احسن صورۃ فقال یا محمد قلت رب لبیک قال فیما یختصم الملأ الاعلی قلت لا ادری رب قالہا ثلاثا قال فرأیتہ وضع کفہ بین کتفی حتی وجدت برد انا ملہ بین ثدیی فتجلی لی کل شیء وعرفت الحدیث الی ان قال، قال ابو عیسی هذا حدیث حسن صحیح سألت محمد ابن اسماعیل عن هذا الحدیث فقال هذا صحیح[1]

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی ربی فی احسن صورۃ فقال یا محمد فقلت لبیک ربی وسعدیک قال فیم یختصم الملأ الاعلی قلت ربی لا ادری فوضع یدہ بین کتفی حتی وجدت بردها بین ثدیی فعلمت ما بین المشرق والمغرب الحدیث[2]

لیے دیر کی، حتیٰ کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو دیکھ لیتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی، پھر آپ نے سلام پھیر کر باآواز بلند ہم سے فرمایا: جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہوئے ہو بیٹھے رہو، پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا: میں اب تم کو یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز میں آنے سے کیوں دیر ہوگئی، میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی رکعات نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی پھر مجھے گہری نیند آگئی، اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا، اس نے فرمایا: اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں، فرمایا: ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا آپ نے کہا: میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ الحدیث۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا، میرے رب نے کہا اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں یا رب! فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب! میں نہیں جانتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۴۶۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] ، ، ، جامع ترمذی ص ۴۶۶، ، ، ،

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی ربی عز وجل اللیلۃ فی احسن صورۃ احسبہ یعنی فی النوم فقال یا محمد تدری فیم یختصم الملا الاعلی قال قلت لا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ بین کتفی حتی وجدت بردہا بین ثدیی او قال نحری فعلمت ما فی السموت والارض الحدیث۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج رات کو نیند میں میرا رب عزوجل حسین صورت میں میرے پاس آیا اور فرمایا: اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ حضرت ابن عباس کہتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور میں نے ان تمام چیزوں کو جان لیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں:

فوضع کفیہ بین کتفی فوجدت بردہا بین ثدیی حتی تجلی لی ما فی السموات وما فی الارض۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو میرے کندھوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینہ میں محسوس کیا حتیٰ کہ میرے لیے وہ تمام چیزیں منکشف ہو گئیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔

حافظ الہیثمی ذکر کرتے ہیں:

عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عز وجل قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ہو کائن فیہا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ہذہ رواہ الطبرانی ورجالہ وثقوا علی ضعف کثیر۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا اٹھا کر رکھ دی اور میں دنیا کو اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کو دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے، ہر چند کہ اس حدیث کے راوی ضعیف ہیں لیکن ان کی توثیق کی گئی ہے۔

فقہاء اسلام کے اقوال کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کی شان میں چند اشعار سنائے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] ″ ″ ″ ، مسند احمد ج ۲ ص ۶۶، ″ ″ ″

[3] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

فاشهد ان الله لا رب غيره	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں
وانك مامون على كل غائب	اور آپ اللہ تعالیٰ کے ہر غیب پر امین ہیں۔

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار سن کر مجھ سے بہت خوش ہوئے، آپ کے چہرۂ اقدس سے خوشی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور آپ نے فرمایا: افلحت یا سواد اے سواد تم کامیاب ہو گئے۔ اس حدیث کو کثرت علماء اسلام نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، بعض علماء کے اسماء یہ ہیں: امام ابو نعیم[1]، امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی[2]، علامہ ابن عبد البر[3]، علامہ سہیلی[4]، علامہ ابن الجوزی[5]، حافظ ابن کثیر[6]، علامہ بدر الدین عینی[7]، علامہ جلال الدین سیوطی[8]، علامہ حلبی[9]، شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی[10]۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

وعلمك ما لم تكن تعلم من خبر الاولين والاخرين وما كان وما هو كائن[11]	اولین اور آخرین کی خبروں اور ما کان و ما یکون میں سے جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

واما تعلق عقده من ملكوت السموات والارض وخلق الله وتعيين اسماء الحسنى وآياته الكبرى وامور الآخرة واشراط الساعة واحوال السعداء والاشقياء وعلم ما كان وما يكون مما	آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین، آیات کبریٰ، امور آخرت، علامات قیامت، اچھے اور برے لوگوں کے احوال اور ما کان و ما یکون کا علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

1. امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۱۱۴، مطبوعہ دار النفائس
2. امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
3. علامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۶۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت
4. علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۸۱ھ، الروض الانف ج ۱ ص ۱۲۰، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان
5. علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ، الوفاء باحوال المصطفیٰ ج ۱ ص ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور
6. حافظ ابو الفداء اسماعیل بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۴۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
7. علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
8. علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۰۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور۔
9. علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ، انسان العیون ج ۱ ص ۳۲۲، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی حلبی واولادہ مصر، ۱۳۸۴ھ
10. شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۴۲ھ، مختصر سیرۃ الرسول ص ۹۹، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور
11. علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۵ ص ۱۷۵، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر، ۱۳۷۳ھ

لم یعلمہ الا بوحی[1]

بغیر وحی کے نہیں جانا۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان علمہ (صلی اللہ علیہ وسلم) محیط بالکلیات والجزئیات[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

الثانیۃ والاربعون اطلاعہ علی ما سیکون الثالثۃ والاربعون الاطلاع علی ما کان مما لم ینقلہ احد قبلہ[3]

تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما سیکون (امور مستقبل) کا علم ہو، اور تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما کان (امور ماضیہ) کا علم ہو جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

(انزلہ بعلمہ) ای متلبسا بعلمہ المحیط الذی لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السموات والارض ومن ھھنا علم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما کان وما ھو کائن[4]

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت علم کے ساتھ تجلی کر کے حضور پر قرآن نازل کیا جس صفت علم سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ غائب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ما کان وما یکون کو جان لیا۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

فلم یقبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی علم کل شیء یمکن العلم بہ[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت تک وصال نہیں ہوا جب تک کہ آپ نے ہر اس چیز کو نہیں جان لیا جس کا علم ممکن ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری لکھتے ہیں:

حاصل یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیبیات اس قدر دیا گیا تھا کہ دنیا کے تمام علوم ہیں اگر ملائے جائیں تو آپ کے ایک علم کے برابر نہ ہوں گے۔[6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت پر تفصیلی دلائل جاننے کے لیے ہماری کتاب "مقام ولایت و نبوت" کا مطالعہ فرمائیں۔

---

1. قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء ج ۲ ص ۱۰۰، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان
2. ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۱ ص ۱۵۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ
3. حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۷۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ
4. علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۵ ص ۴۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
5. " " روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۵۴، " "
6. شیخ مرتضیٰ حسین چاند پوری متوفی ۱۳۸۱ھ، توضیح البیان فی حفظ الایمان ص ۲۲

قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے میں مذاہب ائمہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی لکھتے ہیں: صحابہ کرام، فقہاء تابعین امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ حاکم کا حکم باطن میں کسی چیز کو حلال کرتا ہے نہ حرام کرتا ہے لہٰذا جب دو جھوٹے گواہ کسی کے حق میں مال کی گواہی دیں اور حاکم اس گواہی کی بناء پر مدعی کے حق میں مال کا فیصلہ کر دے تو مدعی کے لیے اس مال کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر دو جھوٹے گواہ کسی شخص کے خلاف گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے تو اگر ولی مقتول کو یہ علم ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں تو اس کے لیے اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دو شخص کسی کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور قاضی نے اس گواہی کی بناء پر تفریق کر دی ہے تو جس شخص کو علم ہو کہ گواہی جھوٹی ہے اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے عورت تو حلال ہو جاتی ہے مال حلال نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کے نزدیک اس صورت میں نکاح جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ کا یہ قول اس حدیث صحیح اور اجماع متقدمین کے خلاف ہے، اسی طرح ان کا یہ قول قرآن کے اور جمہور کے اس قاعدہ کے بھی خلاف ہے کہ عورت سے وطی کے معاملہ میں مال کی بہ نسبت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ [1]

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: علامہ مازری مالکی نے کہا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جان، مال اور عورت اگر وہ ہرگز قاضی کے حکم سے حلال نہیں ہوگی اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ قاضی کے حکم سے عورت حلال ہو جاتی ہے۔ پس اگر دو گواہ کسی شخص کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دیں کہ اس شخص نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے تو جس شخص کو یہ علم ہو کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اس کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا حلال ہے۔ اس قول کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر سے طعن کیا گیا کہ انہوں نے مال کی حفاظت کی اور عورت کی حفاظت نہیں کی حالانکہ عورت کی حفاظت مقدم ہے، ہمارے اصحاب نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے۔ [2]

قضاء کے ظاہراً اور باطناً نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی نے اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جھوٹے گواہوں سے ظاہراً اور باطناً قضاء نافذ ہو جاتی ہے، بشرطیکہ محل اس حکم کا قابل ہو (یعنی معلوم ہو کہ کسی پر حرمت نہ ہو) اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو اور یہ قضاء عقود (مثلاً بیع اور نکاح) اور فسوخ (مثلاً اقالہ اور طلاق) دونوں میں نافذ ہو جاتی ہے، کیونکہ حضرت علی نے اس عورت سے فرمایا تھا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، اور امام ابو یوسف امام محمد امام زفر اور ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف ظاہراً قضاء نافذ ہوتی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ [3]

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ امام طحاوی نے نقل کیا ہے کہ امام محمد کا قول بھی امام ابوحنیفہ کی طرح ہے، نیز علامہ شامی بیان کرتے ہیں کہ قہستانی اور بحر الرائق میں حقائق اور ابو اللیث سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے لیکن فتح القدیر میں ہے

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۴-۷۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] علامہ علاؤ الدین الحصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۳۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

کہ امام اعظم کا قول ہی معتبر ہے اور علامہ قاسم نے بھی اسی کی تائید کی اور عام متون میں بھی امام اعظم کا قول مذکور ہے ۔[۱]

جن صورتوں میں فقہاء احناف کے نزدیک قضاء ظاہرا اور باطناً نافذ ہو جاتی ہے

علامہ شامی نے جھوٹی گواہی کی بناء پر عقود اور فسوخ میں قاضی کے حکم کی حسب ذیل مثالیں بیان کی ہیں:

(۱) ۔ ایک باندی نے کسی شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ اس شخص نے اس باندی کو اتنے روپوں میں خرید لیا ہے، اس شخص نے اس دعویٰ کا انکار کیا، قاضی نے اس کو قسم کھانے کا حکم دیا اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور قاضی نے اس انکار کی بناء پر اس شخص کے خلاف فیصلہ کر دیا تو اب وہ باندی اس شخص پر دیانۃً اور قضاءً دونوں طرح حلال ہے۔

(۲) ۔ ایک شخص نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے، قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(۳) ۔ ایک عورت نے کسی شخص پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے مدعیہ کے حق میں فیصلہ کر دیا تو ان دونوں صورتوں میں مرد کے لیے عورت سے وطی کرنا اور عورت کا اس کو وطی کا موقع دینا جائز ہے۔

(۴) ۔ ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، شوہر منکر ہے، عورت نے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے اس جھوٹی گواہی کے پیش نظر ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دیا اور عدت گزر جانے کے بعد عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کر لیا تو اس دوسرے شخص کا اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے خواہ اس کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم ہو اور گواہوں میں سے بھی کوئی ایک اس سے نکاح کر سکتا ہے اور وطی بھی کر سکتا ہے، اور پہلا شوہر اب وطی نہیں کر سکتا، عورت اس کو وطی کا موقع فراہم کر سکتی ہے۔

(۵) ۔ ایک باندی یہ دعویٰ کرے کہ اس کے مالک نے اس کو آزاد کر دیا ہے اور مالک منکر ہو، باندی اس پر دو گواہ پیش کرے اور قاضی اس کے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دے تو اب وہ باندی کسی شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور اس شخص کا اس باندی سے وطی کرنا اور باندی کا اس کو وطی کا موقع فراہم کرنا جائز ہے خواہ اس شخص کو علم ہو کہ گواہ جھوٹے تھے۔

(۶) ۔ ایک شخص نے کسی مکان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کر دیا تھا مالک منکر ہے اس شخص نے اس وقف پر دو جھوٹے گواہ پیش کیے اور قاضی نے فیصلہ کر دیا تو مدعی کا اس جگہ پر وقف کے احکام لاگو کرنا صحیح ہے۔

(۷) ۔ کسی شئے کو کرایہ پر حاصل کرنے کا دعویٰ کیا اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو مدعی کے لیے اس شئے میں تصرف کرنا جائز ہے ۔[۲]

فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہرا اور باطناً نافذ ہونے کی شرائط

فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہرا اور باطناً نافذ ہونے کی حسب ذیل شرائط ہیں:

---

[۱] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۴ ص ۳۲۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[۲] ۔ ۔ ۔ رد المحتار ج ۴ ص ۳۲۳، ۳۲۲

(۱)۔ قاضی کو یہ علم نہ ہو کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔

(۲)۔ مدعی نے ملک مطلق کا دعویٰ نہ کیا ہو بلکہ ملکیت کا سبب بھی بیان کیا ہو، قرض کا بھی یہی حکم ہے اگر کسی شخص پر مطلقاً قرض کا دعویٰ کیا تو باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی جب تک کہ یہ نہ بتائے اس پر فلاں سبب سے قرض ہے، کسی شخص پر وراثت کے دعویٰ کرنے کا بھی یہی حکم ہے اس میں بھی باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی۔

(۳)۔ مدعی نے جس چیز پر دعویٰ کیا ہے وہ اس کے دعویٰ کا محل بننے کی صلاحیت بھی رکھتی ہو، اگر اس میں اس کے دعویٰ کی صلاحیت نہیں ہے تو اس میں باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی مثلاً منکوحۂ غیر یا معتدۂ غیر کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے تو اس میں ظاہراً قضاء نافذ ہوگی نہ باطناً۔ مرتدہ اور دیگر محارم کا بھی یہی حکم ہے۔

(۴)۔ مدعی کا دعویٰ اس چیز کے متعلق ہو جس میں انشاء ممکن ہو، انشاء سے مراد ان کلمات کو ادا کرنا ہے جن سے کسی چیز کو واقع کیا جائے مثلاً "میں نے یہ چیز خرید لی یا ہبہ کر دی یا کر کے واقع کیا" جیسے عقد بیع، فسخ بیع، نکاح اور طلاق اور جس چیز میں انشاء ممکن نہ ہو اس میں باطناً قضاءً نافذ نہیں ہوگی جیسے وراثت، کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں اور اس پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دے۔

(۵)۔ قاضی یہ فیصلہ منکر کی قسم پر نہ کرے اگر قاضی نے منکر کی قسم پر فیصلہ کر دیا تو یہ قضاءً باطناً نافذ نہیں ہوگی مثلاً ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، اس کے پاس گواہ نہیں ہیں، قاضی نے شوہر سے قسم طلب کی، شوہر نے جھوٹی قسم کھالی کہ اگر عورت کو یہ علم ہے کہ شوہر تین طلاقیں دے چکا ہے تو اس عورت کے لیے اس کو وطی کا موقع دینا جائز نہیں ہے اور مرد کے لیے بھی اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں انشاء نکاح نہیں ہے بلکہ جو نکاح پہلے سے قائم تھا قاضی نے اس کے برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اسی وجہ سے یہاں باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی، خلاصہ یہ ہے کہ باطناً قضاء اس وقت نافذ ہوتی ہے جب وہ قضاء گواہی کی بناء پر ہو یا انکارِ قسم کی بناءً پر ہو اور وہ فیصلہ کسی عقد یا فسخ کے انشاء پر مبنی ہو اور محل انشاء بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

(۶)۔ جن گواہوں کی بنیاد پر قاضی نے فیصلہ کیا ہے وہ مسلمان، آزاد اور عادل ہوں، اگر وہ گواہ کافر، غلام یا محدود فی القذف ہوں تو باطناً قضاء نافذ نہیں ہوگی۔[1]

قضاء باطنی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تجزیہ

شمس الائمہ سرخسی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقود، فسوخ، نکاح، طلاق اور عتاق میں جھوٹے گواہوں سے بھی قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جاتا ہے۔ پہلے امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے تھی۔ امام ابو یوسف کے دوسرے قول اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک ان امور میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے باطناً نافذ نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جب کسی شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور نکاح کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کر دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے، امام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی تھا، البتہ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، امام محمد اور امام شافعی

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۳۲۳-۳۲۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

کا بھی یہی قول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ (بقرہ: ۱۸۸)

ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ، اور نہ ہی (رشوت) وہ مال حکام تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ (ناجائز طور پر) کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حاکم کے فیصلہ سے مال غیر کے ناجائز طریقہ سے کھانے کو حرام کر دیا ہے، لہٰذا یہ آیت اس پر نص صریح ہے کہ اگر قاضی نے جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی چیز کا فیصلہ کر دیا تو اس چیز کا لینا ناجائز ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو دوسرے کی بہ نسبت زیادہ چرب زبانی اور طاقت لسانی سے پیش کرے پس اگر میں (ظاہری حجت کی بناء پر) کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں (درحقیقت) اس کے لیے آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں، وہ چاہے اس کو لے یا چھوڑ دے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فیصلہ کی بناء ایک سبب باطل پر ہے اس لیے یہ فیصلہ باطناً نافذ نہیں ہوگا، جس طرح قاضی، غلام یا کافر یا محدود فی القذف کی گواہی پر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ باطناً نافذ نہیں ہوتا۔ اور اس فیصلہ کی بناء جھوٹی گواہی پر ہے اور یہ ایک باطل سبب ہے کیونکہ جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے اور قضاء کی حجت ایک امر شرعی ہے اور گناہ کبیرہ اس کی ضد ہے اور جب محض تہمت کی وجہ سے گواہی معتبر نہیں ہوتی اور وہ گواہی فیصلہ کی حجت نہیں ہو سکتی تو حقیقتاً جھوٹی گواہی بدرجہ اولیٰ نامعتبر ہوگی۔ نیز قاضی نے جس چیز کا فیصلہ کیا ہے اس کا مانع بھی کوئی موجود نہیں ہے لہٰذا یہ قضاء باطل ہوگی جیسا کہ اگر قاضی جھوٹے گواہوں کی بناء پر کسی کے لیے منکوحہ غیر کا فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ باطل ہوتا ہے نیز اس فیصلہ کو انشاء عقد قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ قاضی انشاء عقد کا قصد نہیں کرتا، بلکہ مدعی نے جس عقد کا دعویٰ کیا تھا قاضی اس کو ثابت کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کر دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان نکاح کا فیصلہ کر دیا، اس عورت نے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر اس نکاح کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے تو آپ میرا اس سے نکاح کر دیجئے کیونکہ ہمارے درمیان نکاح نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا۔ دیکھئے اس عورت نے زنا سے بچنے کے لیے عقد نکاح کا مطالبہ کیا لیکن حضرت علی نے اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا، ہو سکتا ہے کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے ان کے درمیان نکاح کا مطالبہ اس لیے پورا نہیں کیا کہ اس کا خاوند راضی نہیں تھا لیکن یہ غلط خیال ہے کیونکہ اس کا خاوند نکاح پر راضی تھا اسی وجہ سے وہ نکاح کا دعویٰ کر رہا تھا اور عورت بھی راضی تھی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میرا اس سے نکاح کر دیجئے اور حضرت علی کے لیے ان کا نکاح کرنا آسان تھا کیونکہ خاوند کو اس میں رغبت تھی اس کے باوجود حضرت علی نے نکاح نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ ان کے فیصلہ سے ان کا مقصود حاصل ہو گیا۔ اور یہ فرمایا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا یعنی ان گواہوں نے تمہارے درمیان نکاح کا فیصلہ مجھ پر لازم کر دیا، لہٰذا اس فیصلہ سے نکاح ثابت ہو گیا اور حضرت علی کا یہ اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ اس حکم کو عقل اور قیاس سے جاننا ممکن نہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کی آیت (ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ) اور حدیث "اگر میں (ظاہری) حجت کی بنا پر کسی شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو میں اس کے لیے آگ کے ٹکڑے کا فیصلہ کر رہا ہوں" املاک مرسلہ (بغیر سبب ملکیت بتائے بغیر کسی چیز پر ملکیت کا دعویٰ کرنا) کے بارے میں وارد ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اس کے قائل ہیں۔ اور اس کی علت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معاملات میں قاضی کو انشاء کی ولایت دی ہے، قاضی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان معاملات میں فیصلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فیصلہ حقیقتاً نافذ ہوگا، کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی کو فیصلہ کرنے کا حکم دے پھر اس فیصلے کے نفاذ کو روک دے۔ قاضی اس بات کا مکلف تھا کہ علی الاعلان اور خفیہ طریقہ سے گواہوں کی عدالت کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور جب اس نے تزکیہ شہود کر لیا اور اس کے نزدیک گواہوں کی عدالت ثابت ہو گئی تو اس گواہی کے مطابق اس پر فیصلہ کرنا واجب ہے، حتیٰ کہ اگر اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا جائے گا۔ اس لیے یہ معلوم ہو گیا کہ قاضی فیصلہ کرنے پر مامور ہے اور حقیقت میں گواہوں کے صدق یا کذب کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور جس چیز کی حقیقت کو جاننے کا کوئی شرعی طریقہ نہ ہو قاضی اس کے جاننے کا شرعاً مکلف بھی نہیں ہے، کیونکہ انسان کو اس کی وسعت اور طاقت کے اعتبار سے مکلف کیا جاتا ہے اور قاضی کی وسعت میں صرف اتنا ہی تھا کہ وہ گواہوں کے احوال کی جانچ پڑتال کرے اور جب اس نے اسی طرح تزکیہ شہود کر لیا تو وہ اپنے عہدہ سے بری الذمہ ہو گیا اور اس پر لازم ہو گیا کہ وہ گواہوں کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کر دے اور قاضی کے فیصلہ پر ظاہراً اور باطناً عمل کرنا واجب ہے ورنہ قاضی کو قضاء پر مامور کرنا عبث ہوگا اور اس صورت میں قضاء کے دو طریقے تھے ایک نکاح کا انکار کرنا دوسرا عقد نکاح کر دینا، اور جب ان کے درمیان عقد نکاح نہیں تھا تو اس فیصلہ سے نکاح کا انکار کرنا متعذر ہے، اس لیے اب انشاء نکاح متعین ہو گیا، کیونکہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے لہٰذا دلیل شرعی کی اس ضرورت سے قاضی کے لیے ولایت انشاء ثابت ہوگی اور جس طرح اور نزاعی معاملات میں قاضی کی ولایت انشاء سے فیصلہ نافذ ہوتا ہے اسی صورت میں بھی قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا بلکہ یہاں زیادہ اولیٰ ہے۔

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ جب شوہر اور بیوی آپس میں لعان کرتے ہیں تو قاضی کو انشاء تفریق کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس اختیار سے زوجین کے درمیان تفریق کر دیتا ہے۔ اسی طرح قاضی ولایت انشاء کے ذریعہ سے نابالغ بچے اور نابالغ بچی کا نکاح کر دیتا ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی اس کو ولایت انشاء عقد نکاح حاصل ہے تاکہ وہ عورت کو زنا سے محفوظ رکھ سکے اور قاضی کا یہ فیصلہ عورت کو زنا کا موقع دینے سے بچاتا ہے۔ جب دو فریق لعان کرتے ہیں تو ایک فریق یقیناً کاذب ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے اور باوجود اس حقیقت کے ان میں سے کوئی ایک کاذب ہے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے قاضی کو ولایت انشاء تفریق حاصل ہوتی ہے اور قاضی ان کے درمیان تفریق کر دیتا ہے اسی طرح یہاں بھی گواہوں کے جھوٹے ہونے کے باوجود قاضی کو انشاء نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ شرعاً قضاء کرنے پر مامور ہے۔[1]

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں: حضرت علی، حضرت ابن عمر اور امام شعبی کا بھی اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی طرح موقف

---

[1] شمس الائمہ ابو اسماعیل محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۶ ص ۱۸۳۔۱۸۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

ہے۔ امام ابو یوسف نے عمرو بن مقدام سے روایت کیا ہے کہ ایک قبیلہ کے ایک شخص نے ایک ہاشمی عورت کو نکاح کا پیغام دیا جو شرف اور مرتبہ میں اس سے زیادہ تھی اس عورت نے اس شخص سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا اس شخص نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس کا عورت سے نکاح ہو چکا ہے اور حضرت علی کی عدالت میں اس پر دو گواہ پیش کر دیئے۔ اس عورت نے کہا میرا اس شخص سے نکاح نہیں ہوا، حضرت علی نے فرمایا ان دو گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ شعبی بن حجاج، امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف جھوٹی گواہی دی کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے تو قاضی نے ان کے درمیان تفریق کر دی پھر ان گواہوں میں سے ایک شخص نے اس عورت سے نکاح کر لیا شعبی نے کہا یہ جائز ہے اور حضرت ابن عمر نے ایک غلام کو عیب سے بری قرار دے کر فروخت کر دیا، خریدار اس غلام کو حضرت عثمان کی عدالت میں لے گیا، حضرت عثمان نے حضرت ابن عمر سے کہا کیا تم اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتے ہو کہ جب تم نے اس کو فروخت کیا تھا تو تم نے اس کی بیماری کو نہیں چھپایا تھا، حضرت ابن عمر نے قسم کھانے سے انکار کیا حضرت عثمان نے وہ غلام ان کو واپس کر دیا بعد میں حضرت ابن عمر نے وہ غلام زیادہ نفع کے ساتھ فروخت کر دیا۔ اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر نے غلام کی بیع کو جائز قرار دیا حالانکہ ان کو علم تھا کہ باطن میں ایسا نہیں ہے اور باطن کا حکم ظاہر کے خلاف ہے (کیونکہ انہوں نے بری الذمہ ہو کر غلام کو فروخت کیا تھا اس وجہ سے باطن میں اس غلام کو واپس کرنا صحیح نہیں تھا) اگر حضرت عثمان کو بھی حضرت ابن عمر کی طرح اس بات کا علم ہوتا تو وہ بیع کو رد نہ کرتے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر کا بھی یہ مذہب تھا کہ اگر حاکم کسی عقد کو فسخ کر دے تو وہ باطناً بھی فسخ ہو جاتا ہے، اگرچہ باطن میں حقیقت اس کے برعکس ہو۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی صحت پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا پھر فرمایا اگر اس عورت کے ہاں اس اس طرح کا بچہ ہوا تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے اور اگر دوسری شکل و صورت کا ہوا تو وہ شریک بن سمحاء کا ہوگا جس کے ساتھ ہلال بن امیہ کی بیوی کو متہم کیا گیا تھا، پھر اس عورت کے ہاں ناپسندیدہ صفت پر بچہ پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان کے درمیان لعان نہ ہو چکا ہوتا تو پھر میں اس عورت کو دیکھتا، ہلال بن امیہ کا صدق اور اس کی بیوی کا کذب ظاہر ہو گیا اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفریق کو باطل نہیں کیا جو لعان کی وجہ سے ہوئی تھی اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حاکم جب کسی عقد کو فسخ کر دے تو وہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے قول پر اس سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ جب حاکم کے پاس ایسے گواہ گواہی دیں جن کا ظاہر حال صدق ہو تو حاکم پر واجب ہے کہ ان کی گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کرے اور اگر اس نے گواہی کے بعد فیصلہ کرنے میں توقف کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا تارک اور گنہگار ہوگا کیونکہ اس کو ظاہر کا مکلف کیا گیا ہے اور اس کو اس علم باطن کا مکلف نہیں کیا گیا جو اللہ تعالیٰ کا غیب ہے۔ [1]

علامہ بدر الدین عینی حنفی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو چیز پہلے ثابت ہو اس کا اظہار قضاء ہوتا ہے اور جو چیز پہلے نہ ہو اس کا اثبات قضاء نہیں ہوتا اور نکاح پہلے ثابت نہیں تھا تو پھر کس طرح قضاء باطناً نافذ ہو گی، اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح بطریق اقتضاء معلوم ہے گویا کہ قاضی نے اس عورت سے کہا میں نے اس شخص سے تیرا نکاح کر دیا اور تم دونوں کے درمیان نکاح کا حکم کر دیا تاکہ ان کے درمیان تنازع دور ہو اور وہ شخص اس عورت کے ساتھ وطی

[1] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

کر سکے۔ بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ نزاع ختم کرنے کے لیے یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ قاضی اس شخص سے کہتا کہ تم اس عورت کو طلاق دے دو، اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق سے کیا مراد ہے طلاق مشروع یا طلاق غیر مشروع؟ طلاق غیر مشروع کا ذکر ہی لغو ہے اور طلاق مشروع اس کو مستلزم ہے کہ اس سے پہلے نکاح ثابت ہونا چاہیے لہٰذا ہر حال میں نکاح کا قول کرنا پڑے گا۔ لے

بَابُ ۵۶۵ قَضِيَّةِ هِنْدٍ

حضرت ہند کے متعلق فیصلہ کا بیان

۴۳۶۳ - حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ امْرَأَةُ أَبِي سُفْيَانَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ لَا يُعْطِينِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِينِي وَيَكْفِي بَنِيَّ إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ مِنْ جُنَاحٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل شخص ہے وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو البتہ اگر میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کیا اس صورت میں مجھ پر کوئی گرفت ہو گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کے مال سے دستور کے مطابق اتنا لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کفایت کرے۔

۴۳۶۴ - وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَوَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی تین اور سندیں ذکر کیں اور بتایا ان سلسلوں سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

۴۳۶۵ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ

لے علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ مع فتح القدیر ج ۶ ص ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

حَرَجٌ مِنْ اَنْ اُطْعِمَ مِنَ الَّذِیْ لَهٗ عِیَالَنَا
فَقَالَ لَهَا لَا اِلَّا بِالْمَعْرُوْفِ۔

نادہندہ کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر بقدرِ حق وصول کرنے میں مذاہبِ ائمہ

اس باب کی احادیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہندہ کو اتنا خرچ نہیں دیتے تھے جو ان کے اور ان کے بچوں کی ضروریات کے لیے کافی ہوتا، ہندہ نے پوچھا کیا میں حضرت ابوسفیان کے مال سے حسب ضرورت لے لیا کروں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم دستور کے مطابق ابوسفیان کے مال سے اپنی ضروریات کے لیے لے لو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ کسی شخص نے ایک شخص سے اپنا مال وصول کرنا ہو اور وہ شخص (مقروض یا مدین) اس (دائن) کو اس کا مال نہ دیتا ہو تو کیا دائن بقدر قرض مدیون کے مال سے اس کے علم اور اجازت کے بغیر لے سکتا ہے؟ فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر مدیون کا مال قرض کی جنس سے ہے تو دائن لے سکتا ہے ورنہ نہیں اور فقہاء شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ دائن اپنے قرض کی مقدار مدیون کے مال سے ہر حال میں وصول کر سکتا ہے خواہ مدیون کا مال قرض کی جنس سے ہو یا نہیں، متاخرین فقہاء احناف نے بھی امام شافعی کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ فقہاء حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ دائن کا اپنے حق کو مدیون کے مال سے لینا جائز نہیں ہے خواہ اس کا حق مدیون کے مال کی جنس سے ہو یا نہ ہو، اور فقہاء مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر صاحب حق اس شخص کا مقروض نہیں ہے تب تو وہ اپنے حق کے برابر مال اس شخص کے مال سے لے سکتا ہے اور اگر صاحب حق اس شخص کا مقروض ہے تو نہیں لے سکتا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جب ایک شخص کا دوسرے شخص پر کوئی حق ہو اور وہ شخص اس حق کا اقرار بھی کرتا ہو اور حق ادا بھی کرتا ہو تو صاحب حق کے لیے اس شخص کے مال سے بقدر حق مال لینا جائز نہیں ہے اور اگر اس نے اس کی اجازت کے بغیر مال لیا تو اس کو واپس کرنا لازم ہوگا، خواہ وہ مال اس کے حق کی جنس سے ہو یا نہ ہو، اور اگر مدیون کو دائن کا حق ادا کرنے سے کوئی مانع ہو مثلاً وہ مہلت طلب کرتا ہو یا اس کے پاس پیسے نہ ہوں تب بھی اس کے مال سے اپنا حق یا اس کی مقدار کو لینا جائز نہیں ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اگر مدیون ناحق انکار کرتا ہو اور صاحب حق حاکم یا سلطان کے پاس استغاثہ دائر کر کے اپنا حق وصول کر سکتا ہو تب بھی مدیون کے مال سے اپنا حق یا اس کی مقدار لینا جائز نہیں ہے، اور اگر مدیون دائن کے حق کا منکر ہو اور صاحب حق کے پاس گواہ نہ ہوں اور وہ عدالت کے ذریعہ اپنا حق نہ لے سکتا ہو اور کسی طرح اس کو ادائیگی پر مجبور کر سکتا ہو تب بھی (حنابلہ کا) مذہب یہ ہے کہ اس کے لیے مدیون کے مال سے بقدر حق لینا جائز نہیں ہے، امام مالک سے بھی ایک یہی روایت ہے: [illegible] نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب حدیث نے یہ کہا ہے کہ مدیون کے مال سے اپنا حق لینے کی کوئی ایک دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے فرمایا: "تم اپنے اور بچوں کے لیے دستور کے مطابق لے لو" اور ابوالخطاب نے کہا کہ مدیون کے جس مال پر قدرت ہو اگر وہ اس کے حق کی جنس سے ہے تو لے لے اور اگر وہ مال اس کے حق کی جنس سے نہیں ہے تو وہ اس کی قیمت میں غور و فکر اور اجتہاد کرے جیسا کہ ہندہ کی حدیث میں ہے۔ اور امام احمد نے کہا ہے کہ جس کے پاس سواری رہن رکھی جائے وہ سواری پر سوار ہو اور اپنے خرچ کے مطابق جانور کا دودھ دوہ لے اور عورت اپنے بچے کے مطابق لے لے اور [illegible] کے مال سے

پہنچنے والا اس کی رضا کے بغیر مال لے لے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ کوئی شخص اگر بعینہٖ اپنا حق وصول کرے پر قادر ہو تو وہ بقدر حق مدیون کے مال سے لے سکتا ہے خواہ مدیون کا مال اس کے حق کی جنس سے ہو یا نہ ہو اور اگر اس کے حق پر گواہ ہوں اور وہ اپنا حق وصول کرنے پر قادر ہو تو اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ اور امام مالک کے مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ اگر اس کا دوسرے شخص پر قرض نہیں ہے تب وہ بقدر حق اس کے مال سے لے سکتا ہے اور اگر اس کا دوسرے پر قرض ہو تو پھر اس کے مال سے نہیں لے سکتا۔

امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص پر حق ہے اور وہ حق کوئی سونا چیز ہے یا چاندی ہے یا اس کے حق کی جنس سے مال ہے تو وہ بقدر حق اس کا مال سے لے سکتا ہے اور اس کا مال کوئی سامان ہے تو پھر وہ بقدر حق نہیں لے سکتا کیونکہ اپنے حق کے بدلہ میں سامان لینا عوض ہے اور کسی شخص کو بغیر فریق کی رضا کے لینا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (النساء: ۲۹)- "البتہ یہ کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو"۔ اور مجہول لے لینے کو جائز کہا ہے انہوں نے حضرت ہند کی حدیث سے استدلال کیا ہے کیونکہ حضرت ہند نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے، وہ مجھے میری اور بچوں کی ضروریات کے مطابق خرچ نہیں دیتا، آپ نے فرمایا تم دستور کے مطابق اس کے مال سے بقدر ضرورت لے لو (صحیح بخاری، صحیح مسلم) اور جب حضرت ہند کے لیے یہ جائز ہوا کہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق حضرت ابوسفیان کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر لے لیں تو جس شخص کا دوسرے پر حق ہے اس کے لیے بھی جائز ہے کہ اگر وہ اس کا حق نہ دے اور جائز طریقے سے لینے کی کوئی اور سبیل نہ ہو تو وہ اس کے مال سے بقدر حق لے لے۔

نادہندہ کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر بقدر حق وصول کرنے کے عدم جواز میں حنابلہ کے دلائل

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل جامع ترمذی کی یہ حدیث ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ادّ الامانۃ الی من ائتمنک ولا تخن من خانک۔ "جس شخص نے تمہارے پاس امانت رکھوائی ہے اس کی امانت ادا کرو اور جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو" اور جب وہ اس شخص کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر اپنے حق کے برابر نکال لے گا تو یہ اس کی خیانت ہے اور یہ اس حدیث کی ممانعت کے عموم میں داخل ہے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یحل مال امرئ مسلم الا عن طیب نفس منہ۔ "کسی شخص کی رضامندی کے بغیر اس کا مال لینا جائز نہیں ہے" نیز جب اس نے کسی شخص کے مال سے بقدر حق لے لیا تو یہ بغیر رضامندی کے معاوضہ لینا ہے۔

حضرت ہند کی حدیث کا امام احمد نے یہ جواب دیا ہے کہ ان کا حق اپنے شوہر پر ہر وقت واجب تھا جبکہ قرض کا ادا کرنا ہر دن اور ہر وقت واجب نہیں ہوتا، علامہ ابوبکر نے اس میں ایک اور فرق کیا ہے وہ یہ کہ کسی عورت کا زوجہ ہونا یقینی کے قائم مقام ہے اور اس میں ایک اور فرق یہ ہے کہ عورت کے لیے خاوند کے مال میں تصرف کرنا عادۃً مباح ہوتا ہے اور اس کو دستور کے مطابق خاوند کے مال میں خرچ کی اجازت ہوتی ہے جبکہ کسی اجنبی کے مال میں دوسرے شخص کو اس طرح تصرف کی اجازت

نہیں ہوتی، دوسرا فرق یہ ہے بیوی کا اپنے اور بچوں کے کھانے پینے کے لیے نفقہ لینا جان بچانے کے لیے ہے اور اپنے آپ اور اپنے بچوں کو زندہ رکھنے اور پرورش کرنے کے لیے جس خرچ کی ضرورت ہے اس پر صبر نہیں کیا جا سکتا اور اس خرچ کو چھوڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے لہٰذا اس خرچ کو بقدر ضرورت لینا جائز ہے اس کے برخلاف جس شخص سے قرض لینا ہو اس کے یہ احکام نہیں ہیں۔

نادہندہ کے مال سے بقدر حق وصول کرنے کے مسئلہ میں فقہاء حنابلہ کے دلائل کے جوابات

فقہاء حنابلہ کے یہ دلائل نہایت ضعیف ہیں لیکن جمہور کی طرف سے اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ فقہاء حنبلیہ نے امام ترمذی کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ امانت میں خیانت نہ کرنے کے بارے میں ہے اور جو شخص کسی نادہندہ سے بقدر حق لے رہا ہے وہ خیانت نہیں کر رہا، خیانت اس وقت ہوتی جب وہ اپنے حق سے زائد لیتا اسی طرح جس حدیث میں ہے کہ کسی شخص کا مال اس کی رضامندی کے بغیر حلال نہیں، یہ حدیث بھی عام احوال پر محمول ہے جب کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی چیز یا اس کے حق کا عوض دے رہا ہو تو اس کی رضامندی کے بغیر عوض دیا جائے گا لیکن جب کوئی شخص دوسرے کی چیز یا اس کا حق دینے سے منکر ہو اور اس سے اپنا حق وصول کرنے کی کوئی اور سبیل نہ ہو تو وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں ہے بلکہ اس صورت میں نادہندہ کے مال سے اس کے علم اور اجازت کے بغیر بقدر حق مال نکال لینا قرآن مجید کے مطابق ہے۔

نادہندہ کے مال سے بقدر حق وصول کرنے کے مسئلہ میں جمہور کے دلائل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وجزاء سيئة سيئة مثلها. (الشوریٰ: ۴۰) — اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔

والذين كسبوا السيئات جزاء سيئة بمثلها. (یونس: ۲۷) — اور جنہوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلہ اسی کی مثل ہوگا۔

فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم. (بقرہ: ۱۹۴) — تو جو تم پر زیادتی کرے سو تم بھی اس پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

کسی شخص کا حق ادا نہ کرنا اور اس کا قرض مار دینا اور بلاوجہ شرعی (مثلاً تنگ دستی یا [illegible]) ٹال مٹول سے انکار کر دینا ایک برائی اور زیادتی ہے اور کسی شخص کے مال سے اس کے علم اور اس کی اجازت کے بغیر اپنا حق نکال لینا یہ بھی برائی اور زیادتی ہے لیکن برائی اور زیادتی کا اتنا ہی بدلہ لینا از روئے قرآن مجید جائز ہے اس لیے کسی نادہندہ شخص کے مال سے اس کے علم اور اجازت کے بغیر اپنا حق نکال لینا قرآن مجید کی ان آیات کی روشنی میں جائز ہے۔

جمہور کی طرف سے دوسری دلیل یہ ہے کہ امام احمد بھی مرتہن کے لیے رہن سے فائدہ اٹھانے کو جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ رہن رکھی ہوئی سواری پر سوار ہو سکتا ہے اور رہن رکھے ہوئے جانور کا دودھ دوہ سکتا ہے کیونکہ ان جانوروں کے کھانے

۱؎ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۲ ص ۲۲۸-۲۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

پیٹنے اور کمائی پر وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے اس لیے ان جانوروں سے وہ راہن کے علم اور اجازت کے بغیر بھی یہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور اس مسئلہ میں امام احمد کا استدلال اس حدیث سے ہے:

عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر یرکب اذا کان مرہونا ولبن الدر یشرب اذا کان مرہونا وعلی الذی یرکب ویشرب نفقتہ۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب (جانور) رہن ہو تو اس کی پشت پر سواری کی جائے گی اور جب (جانور) رہن ہو تو اس کا دودھ پیا جائے گا اور جو سواری کرے اور دودھ پیئے گا اس جانور کا خرچ اس کے ذمہ ہے۔

اور جب کوئی شخص رہن شدہ جانور کو کھلانے پلانے کے عوض راہن کے علم اور اس کی اجازت کے بغیر اس پر سواری کر سکتا ہے اور اس کا دودھ پی سکتا ہے تو کسی نادہندہ شخص کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر اپنا حق بطریق اولیٰ وصول کر سکتا ہے۔ قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات، اس حدیث، اور امام احمد نے جو اس حدیث کی تشریح کی ہے اس کی روشنی میں حضرت ہند کی حدیث سے جمہور کے موقف پر استدلال کرنا حق و صواب سے متجاوز اور بعید نہیں ہے۔

نادہندہ کے مال سے بقدر حق وصول کرنے میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ علاؤ الدین الحصکفی حنفی لکھتے ہیں:

صاحب حق کے لیے غیر جنس سے اپنے حق کو لینا جائز نہیں ہے، امام شافعی کے نزدیک غیر جنس میں بھی جائز ہے اور اس میں زیادہ وسعت ہے۔[2]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ہم کتاب الحجر میں پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان کے زمانہ میں عدم جواز تھا لیکن اب جواز کا فتویٰ ہے۔[3]

اور کتاب الحجر میں علامہ شامی نے یہ لکھا ہے:

علامہ حموی نے شرح الکنز میں علامہ مقدسی سے نقل کیا ہے انہوں نے اپنے جد اشقر سے، انہوں نے اخصب کی شرح قدوری سے یہ نقل کیا ہے کہ خلاف جنس سے اپنے حق کو لینے کا عدم جواز ان کے زمانہ میں تھا اور اب یہ فتویٰ ہے کہ انسان جس مال پر بھی قادر ہو اس کو لے لے۔[4]

علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

امام شافعی کے نزدیک خلاف جنس سے بھی اپنا حق لینا جائز ہے کیونکہ وہ مالیت میں ہم جنس ہیں۔ مجتبیٰ میں لکھا ہے کہ اس میں زیادہ وسعت ہے لہٰذا ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا چاہیے۔[5]

---

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۰۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر، ۱۳۲۷ھ

[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر، ۱۳۲۷ھ

[4] 〃 〃 〃 رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۱

[5] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹-۲۳۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۲۷ھ

علامہ شامی لکھتے ہیں: علامہ قہستانی نے کہا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ مالیت میں ہم جنس ہونے کے وقت انسان کے لیے اپنے حق کو لینا جائز ہے، ہر چند کہ یہ ہمارا مذہب نہیں ہے لیکن ضرورت کے وقت انسان اپنے مخالف کے مذہب پر عمل کرنے کے لیے مضطر ہوتا ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے۔ [1]

سرکاری خزانہ سے اپنا حق وصول کرنے کی تفصیل

علامہ شامی لکھتے ہیں:
قنیہ میں علامہ وہبانی سے نقل کر کے لکھا ہے کہ جس شخص کا بیت المال میں حصہ (حق) ہو اور اس کو بیت المال سے اپنا حصہ اٹھانے کا موقع ملے تو وہ دیانۃً اپنا حصہ اٹھا سکتا ہے، یہ وہبانیہ کی عبارت ہے، اور بزازیہ میں ہے کہ امام حلوانی نے یہ کہا ہے کہ جب کسی شخص کے پاس کسی کی امانت ہو اور امانت رکھوانے والا فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو ہمارے زمانے میں امین کے لیے جائز ہے کہ وہ اس امانت کو اپنے مصرف میں لے آئے کیونکہ اگر اس نے اس امانت کو بیت المال میں داخل کیا تو وہ ضائع ہو جائے گی کیونکہ اب حکام بیت المال کی دولت کو اس کے مصارف میں خرچ نہیں کرتے، پس اگر وہ امین مصرف کا اہل ہے تو اس کو اپنے اوپر خرچ کرے ورنہ اس مال کو اس کے مصرف میں خرچ کرے، علامہ شامی لکھتے ہیں شارح نے کتاب الزکوٰۃ کے باب العشر میں لکھا ہے: جس شخص کا بیت المال میں مثلاً فقیر یا عالم ہونے کی وجہ سے حصہ ہو اور اس نے ایسے مال کو پایا جس کو بیت المال میں داخل کرنا چاہیے تھا تو وہ اس مال میں سے دیانۃً لے سکتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس مال کا تعلق بیت المال کے اس شعبہ سے ہو جس میں اس کا حق ہے کیونکہ اگر یہ قید لگائی جائے تو لازم آئے گا کہ کوئی مستحق بیت المال سے اپنا حق نہ لے سکے، کیونکہ ہمارے زمانہ میں بیت المال غیر منتظم ہے اور اس کے شعبہ جات مرتب نہیں ہیں اور اگر اس نے (مثلاً لاوارث کے مال یا گری پڑی چیز کو) بیت المال میں داخل کر دیا تو اس کا ضائع ہونا لازم آئے گا، کیونکہ اب بیت المال کے مال کو اس کے مصارف میں صرف نہیں کیا جاتا جیسا کہ ہم کتاب الزکوٰۃ کے باب العشر میں بیان کر چکے ہیں، سو اس بناء پر اگر کسی شخص نے مال غنیمت سے باندی خریدی اور وہ باندی درحقیقت مال خمس کی تھی (جو بیت المال کا حصہ ہوتا ہے) تو اس شخص کے لیے اس باندی کو اپنے مصرف میں صرف کرنا جائز ہے، کیونکہ مال خمس میں سے وہ بھی مستحق ہے۔ اور اگر وہ شخص خود مستحق نہ ہو (مثلاً وہ مالدار عالم ہو) تو اس کو چاہیے کہ وہ باندی کسی فقیر کی ملک کر دے اور پھر اس فقیر سے اس باندی کو خرید لے اور ایک قول یہ ہے کہ مال غنیمت اور خمس بیت المال میں جمع ہونے کے بعد مشترک ہو جاتا ہے اور اس میں شرکت خاصہ نہیں رہتی اور یہ بیت المال کے ان اموال کے حکم میں ہو جاتا ہے جو عام مسلمانوں کے حقوق میں سے ہیں اس لیے جس شخص کا بیت المال کے مال میں حق ہو اور اس کو اس مال کے لینے کا موقع ملے تو وہ دیانۃً اپنے حق کے مطابق مال لے سکتا ہے۔ [2]

کتاب الزکوٰۃ کے باب العشر میں علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں:

جس شخص کا بیت المال میں حق (حصہ) ہو اور اس کو اپنے حصہ کے مطابق بیت المال سے اٹھانے کا موقع ملے تو وہ دیانۃً بیت المال سے اپنے حصہ کے مطابق لے سکتا ہے۔ [3]

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۰ - ۲۲۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر، ۱۳۲۷ھ

[2] " " " " رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۱ - ۲۲۵، " " " "

[3] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر، ۱۳۲۷ھ

علامہ شامی لکھتے ہیں: جن لوگوں کا بیت المال کے مال میں حصہ ہے وہ قاضی، عامل، عالم، لڑنے والے سپاہی اور ان کی اولاد ہیں، ان کے لیے بیت المال سے اتنی مقدار کو لینا جائز ہے جو ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو، مصنف نے کہا ہے کہ دینی طالب علم، واعظ اور معلم بھی ان میں شامل ہیں، اور فقہاء کی ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال کے جس شعبہ سے بھی ان کو اپنا حق حاصل کرنے کا موقع ملے وہ اس کو حاصل کر سکتے ہیں خواہ بیت المال کا وہ شعبہ ان کے لیے مختص نہ ہو، اور اس مسئلہ میں ہماری گفتگو ہے وجہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے لیے اپنے مخصوص شعبہ سے اپنا حق لینا ممکن ہے تو اس کے لیے دوسرے شعبہ سے اس حق کو لینا جائز نہیں ہے اور اگر یہ ممکن نہیں ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے تو دوسرے شعبہ سے بھی اپنا حق لینا جائز ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بیت المال کے الگ الگ شعبہ جات نہیں ہیں سو اگر یہ قید لگا دی جائے تو کسی شخص کے لیے اپنے حق کو حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ [1]

حضرت ہند کی حدیث کے فوائد

اس حدیث کے دیگر فوائد حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔
(۲)۔ چھوٹے اور ضرورت مند بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔
(۳)۔ بیوی اور بچوں کا نفقہ بقدر کفایت واجب ہے۔
(۴)۔ فتویٰ دیتے وقت یا مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت اجنبی عورت سے بات کرنا اور اس کی بات سننا جائز ہے اور دیگر ضروری اور ناگزیر حالات میں بھی یہی حکم ہے۔
(۵)۔ بیوی کا کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلنا جائز ہے بشرطیکہ اس کو معلوم ہو کہ اس پر اس کا شوہر ناراض نہیں ہوگا۔
(۶)۔ فتویٰ معلوم کرنے کے لیے یا مقدمہ کی شکایت کرنے کے لیے پس پشت کسی انسان کا عیب بیان کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ہند نے کہا کہ حضرت ابوسفیان بخیل ہیں۔
(۷)۔ جس شخص کا کسی دوسرے شخص پر حق ہو اور معروف طریقہ سے اس شخص سے اپنا حق وصول کرنے سے عاجز ہو تو وہ اس شخص کے علم اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے بقدر حق لے سکتا ہے اس کی تفصیل اور مذاہب کا بیان گذر چکا ہے۔
(۸)۔ مفتی کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ اگر ایسا ہو تو یہ حکم ہے بلکہ صورت مسئلہ کے پیش نظر مطلقاً فتویٰ دے سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر ابوسفیان بخیل ہوں تو ان کے مال سے لینا بلکہ مطلقاً فرمایا دستور کے مطابق حسب ضرورت ان کے مال سے لے لو۔
(۹)۔ بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں عورت کا دخل ہوتا ہے۔
(۱۰) جس چیز کی شریعت نے کوئی حد نہیں بیان کی اس میں عرف اور عادت پر اعتماد ہوتا ہے، مثلاً بچوں کی پرورش کے لیے کس قدر نفقہ کی ضرورت ہے؟ اس کا مدار عرف پر ہے۔

۱۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۹۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر، ۱۳۲۷ھ

(۱۹) بعض فقہاء شافعیہ نے اس حدیث سے قضاء علی الغائب پر استدلال کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوسفیان اس وقت مکہ میں موجود تھے اور یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا تھا صرف اس مجلس میں حاضر نہیں تھے اور قضاء علی الغائب کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شخص اس شہر سے غائب ہو اور دوسرے یہ کہ اس حدیث میں قضاء کا نہیں فتویٰ کا ذکر ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ كَثْرَةِ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ

بکثرت سوال کرنے اور مال ضائع کرنے کی ممانعت

۴۳۶۷- حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا فَيَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَيَكْرَهُ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں کو پسند کرتا ہے اور تمہاری تین باتوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور سب مل کر اللہ کے دین کی رسی مضبوطی سے پکڑو اور افتراق نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ فضول بحث کرنے بکثرت سوال کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔

۴۳۶۸- وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سُهَيْلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا وَلَمْ يَذْكُرْ وَلَا تَفَرَّقُوا۔

امام مسلم نے کہا ہے کہ ایک اور سند سے اس حدیث کی مثل مروی ہے، البتہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے اور اس میں یہ نہیں ہے کہ تم افتراق نہ کرو۔

۴۳۶۹- وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعًا وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ کام حرام کر دیے ہیں، ماؤں کی نافرمانی کرنا، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا، حق نہ دینا، ناحق مانگنا اور تین کام مکروہ کیے ہیں، فضول بحث کرنا، بکثرت سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔

٤٣٧٠- وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ وَحَرَّمَ عَلَيْكُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقُلْ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ.

امام مسلم نے کہا ہے کہ ایک اور سند سے بھی اس حدیث کی مثل مروی ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام تم پر حرام کر دیے ہیں اور یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ کام حرام کیے ہیں۔

٤٣٧١- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ حَدَّثَنِي ابْنُ أَشْوَعَ عَنِ الشَّعْبِيِّ حَدَّثَنِي كَاتِبُ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ اكْتُبْ إِلَيَّ بِشَيْءٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا قِيلَ وَقَالَ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو خط لکھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث سنی ہو وہ مجھے لکھ کر بھیجو، حضرت مغیرہ نے لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین کاموں کو ناپسند کرتا ہے: فضول بحث کرنا، مال ضائع کرنا اور بکثرت سوال کرنا۔

٤٣٧٢- حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيُّ عَنْ وَرَّادٍ قَالَ كَتَبَ الْمُغِيرَةُ إِلَى مُعَاوِيَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عُقُوقَ الْوَالِدِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَلَا وَهَاتِ وَنَهَى عَنْ ثَلَاثٍ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةِ الْمَالِ.

حضرت مغیرہ نے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کی طرف لکھا: سلام علیک، اس کے بعد واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تین کاموں کو حرام کیا ہے اور تین کاموں سے منع فرمایا ہے والد کی نافرمانی کرنا، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور حق کو روکنا اور ناحق مانگنا ہے، اور فضول بحث کرنے، بکثرت سوال کرنے اور مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قیل و قال سے ممانعت کی حکمت

اس باب کی احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیل و قال کرنے، بکثرت سوال کرنے اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرماتا ہے۔ فضول بحث کی شرح میں علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے غیر متعلق اور غیر مقصود اقوال بیان کرنا، یا اکثر دینی

خلاف اولیٰ ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ حاجت شدیدہ کے وقت سوال کرتے تھے اور سوال کرنے کی کراہت پر دلیل وہ احادیث ہیں جن میں سوال کرنے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ یہ تمام بحث اس صورت میں تھی جب کوئی شخص اپنے لیے سوال کرے لیکن جب کوئی شخص دوسرے کے لیے سوال کرے تو اس کا حکم حالات کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ [1]

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: اس حدیث میں جو بکثرت سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے یا تو اس سے یہ مراد ہے کہ لوگوں سے ان کے اموال کا بکثرت سوال نہ کیا جائے یا اس سے مراد یہ ہے کہ جن امور کی چیزیں متشابہات میں سے ہیں ان کے متعلق سوال کرنے سے شریعت میں منع کر دیا گیا ہے ان کے بارے میں سوال نہ کیا جائے یا یہ مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا ضرورت سوال نہ کیے جائیں۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ سوال کی ایک قسم قابل تعریف ہے یعنی جب کسی ضرورت کی بنا پر مسئلہ معلوم کرنے کے لیے سوال کیا جائے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ﴾ (بقرہ: ۲۱۵) "وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟" اور سوال کی دوسری قسم مذموم ہے یعنی جب بلا ضرورت سوال کیے جائیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ (اسراء: ۸۵) "یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔" علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص سے اس کے حالات اور کوائف کے بارے میں بکثرت سوالات نہ کیے جائیں کیونکہ بعض اوقات انسان اپنے حالات اور معاملات کی تفصیلات دوسروں سے مخفی رکھنا چاہتا ہے اس لیے اس قسم کے سوالات اس کے لیے ناگواری کا باعث ہوں گے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں اس حدیث میں بکثرت سوال کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم سوال کرنا بلا کراہت جائز ہے خصوصاً اس صورت میں جب سوال نہ کرنے کی وجہ سے انسان کو اپنی ہلاکت کا خدشہ ہو اس صورت میں اس پر سوال کرنا واجب ہے کیونکہ جب انسان کے پاس اپنی جان بچانے کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو تو اس کے لیے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں ہے۔ [2]

مسجد میں سوال کرنے اور سائل کو دینے کی تحقیق

مولانا امجد علی لکھتے ہیں: مسجد میں سوال کرنا حرام ہے اور اس سائل کو دینا بھی منع ہے۔ [3]

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: مسجد میں سائل کو دینا مکروہ ہے، ہاں اگر وہ سوال کے وقت لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو پھر اس کو دینا بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ الاختیار اور مواہب الرحمان میں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حالت نماز میں اپنی انگوٹھی کو صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ (مائدہ: ۵۵) "اور وہ لوگ جو حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔" [4]

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: "کتاب الاختیار" میں ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے درمیان سے گزرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے تو اس کو دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ لوگوں کو ایذاء دینے پر معاونت ہے۔ حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اس صورت میں ایک پیسہ دینے کا کفارہ ستر پیسوں کے دینے سے بھی ادا نہیں ہوتا۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سائل کا مطلقاً پھلانگنا موجب

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۳۴۰-۳۴۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۲۰-۲۲۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] مولانا امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ، بہار شریعت ج ۳ ص ۱۵۰، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی

[4] علامہ علاؤ الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۰، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

کراہت نہیں ہے۔ بلکہ کراہت اس صورت میں ہے کہ جب اس کے چلانے سے لوگوں کو ایذاء پہنچے جیسا کہ "اعتیاد" کی عبارت کے مفہوم کا تقاضا ہے۔ [1]

نیز علامہ شامی لکھتے ہیں حضرت علی نے حالت نماز میں مسجد میں انگوٹھی صدقہ کی اور نماز افضل اعمال ہے اور جب نماز کی حالت میں سائل کو مسجد میں دینا جائز ہے تو غیر حالت نماز میں سائل کو مسجد میں دینا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ [2]

علامہ حصکفی نے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

انما ولیکم اللّٰہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ (مائدہ: ۵۵)

تمہارا دوست صرف اللہ اور اس کا رسول ہیں اور وہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: حاکم اور ابن مردویہ وغیرہما نے اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن سلام اور ان کی قوم کے کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! ہمارے گھر دور ہیں اور اس مجلس کے سوا ہماری اور کوئی جائے پناہ نہیں ہے کیونکہ جب ہماری قوم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں تو وہ ہم کو چھوڑ دیں گے اور یہ قسم کھائیں گے کہ وہ ہماری مجلس میں بیٹھیں گے نہ ہمارے ساتھ نکاح کریں گے، اور نہ ہم سے بات چیت کریں گے اور یہ چیز ہم پر دشوار ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا دوست صرف اللہ اور اس کا رسول ہے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ قیام میں ہیں اور کچھ لوگ رکوع کر رہے ہیں۔ آپ نے سائل کو دیکھ کر پوچھا تم کو کسی نے کچھ دیا؟ اس نے کہا ہاں! مجھے چاندی کی ایک انگوٹھی دی ہے فرمایا کس نے دی ہے؟ سائل نے حضرت علی کی طرف اشارہ کر کے کہا نماز پڑھنے والے نے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے تم کو کس حال میں انگوٹھی دی؟ سائل نے کہا حالت رکوع میں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر! اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ [3]

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نماز میں سلام اور کلام جائز تھا اور جب آپ نے یہ فرمادیا ان فی الصلوٰۃ لشغلا۔ "نماز میں صرف افعال نماز ہی میں مشغول رہنا چاہیے" تو نماز میں سلام، کلام اور دوسرے افعال منسوخ ہوگئے، اس لیے اب حالت نماز میں کسی کو کچھ دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ مسجد میں سائل کو دینا جائز ہے اور اس کے جواز بلکہ اولیٰ ہونے پر یہ آیت اور یہ حدیث دلیل ہے۔

ملا علی قاری اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسجد میں سائل کو کچھ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حدیث ملا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا میں جب مسجد میں داخل ہوا تو میں نے ایک سائل کو دیکھا، میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دیکھا میں نے عبدالرحمٰن سے وہ روٹی کا ٹکڑا لے کر سائل کو دے دیا۔ (اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۸، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[2] " " " " ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۰، " " " "

[3] علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۶ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں سوال کرنے اور سائل کے دینے کو برقرار رکھا بلکہ یہ چیز حضرت ابوبکر کے فضائل سے شمار ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہ) اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیک غطفانی کو جمعہ کے دن خطبہ کے دوران نماز پڑھنے کا حکم دیا تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر ان کو صدقہ اور خیرات دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے لوگوں کو اس پر صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ وہ شخص سائل تھا۔ اور بحث اس میں ہے کہ بعض سلف نے یہ کہا ہے کہ مسجد میں سائل کو دینا جائز نہیں ہے کیونکہ بعض احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن یہ منادی کی جائے گی "جن لوگوں پر اللہ کا غضب ہے وہ کھڑے ہو جائیں" تو مسجد میں سوال کرنے والے کھڑے ہو جائیں گے۔ اور بعض علماء نے یہ فرق کیا ہے کہ جو سائل سوال کرتے ہوئے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر ایذا دے تو اس کو دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ معصیت پر تعاون ہے اور جو شخص لوگوں کو ایذا نہ دے تو اس کو دینا مسنون ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ مسجد میں سوال کرتے تھے حتیٰ کہ روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رکوع کی حالت میں انگوٹھی صدقہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی: "یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون" ملا علی قاری اس دلیل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت اور اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ انگوٹھی مسجد میں دی تھی۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس دور کے سائلین کا حکم ہے اور اس دور کا حکم الگ ہے۔[1]

ملا علی قاری کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ آلوسی نے حاکم اور ابن مردویہ کے حوالے سے جو حدیث نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت علی نے سائل کو انگوٹھی مسجد میں دی تھی اسی طرح خود ملا علی قاری نے جو حدیث بیان کی ہے اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابوبکر نے سائل کو روٹی کا ٹکڑا مسجد میں دیا تھا۔ اس حدیث کو علامہ ابن حجر مکی نے مسند بزار کے حوالے سے بیان کیا ہے[2] اور اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل پر (اس کے ساتھ اور نیک افعال بھی تھے) حضرت ابوبکر کو جنت کی بشارت دی۔ اور جس فعل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہو اس کو ممنوع کہنا (جیسا کہ مولانا امجد علی نے بہار شریعت میں لکھا ہے) نامناسب ہے اور سہو کا نتیجہ ہے۔ غالباً یہ حدیث ان کے پیش نظر نہیں تھی۔

یہ بحث اس سائل کے بارے میں ہے جو اپنے لیے سوال کرے اور کسی دوسرے ضرورت مند شخص کے لیے مسجد میں سوال کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں ...... کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم دن کے ابتدائی حصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ناگاہ آپ کے پاس لوگوں کی ایک جماعت آئی جو کہ ننگے پیر ننگے بدن تھے، گلے میں چمڑے کی کفنیاں یا عبائیں پہنے ہوئے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے، ان میں اکثر بلکہ سب قبیلہ مضر سے متعلق تھے۔ ان کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا، آپ اندر گئے پھر باہر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر اقامت کہی، آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا، اور فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا۔ (یہ پوری آیت پڑھی) اور سورۂ حشر کی یہ آیت پڑھی (ترجمہ:) انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کل آخرت کے لیے کیا بھیج رہا ہے، لوگ درہم، دینار، اپنے کپڑے، گیہوں

---

[1] ملا علی بن سلطان محمد القاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۴ ص ۲۰۰ - ۱۹۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

[2] علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ ص ۷۲، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ مصر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۵ھ

اور صاع بھر کھجور صدقہ کریں، حتیٰ کہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کریں۔ راوی کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص تھیلی لے کر آئے جس کو اٹھانے سے ان کا ہاتھ تھکا جاتا تھا اس کے بعد لوگوں کا تانتا بندھ گیا یہاں تک کہ میں نے کھانے اور کپڑے کے دو ڈھیر دیکھے حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ (خوشی سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک رہا تھا یوں لگتا تھا جیسے آپ کا چہرہ سونے کی ڈلی ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کرے اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور ان عاملین کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے عمل کی ابتداء کی اسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور ان عاملین کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ کسی ضرورت مند شخص کی مدد کے لیے مسجد میں اعلان کرنا اور اس کے لیے چندہ کرنا جائز اور مستحسن ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور کسی ضرورت مند شخص کا اپنے لیے مسجد میں سوال کرنا جائز ہے اور مسجد میں سائل کو دینا بھی جائز ہے اور حضرت ابوبکر اور حضرت علی کی سنت ہے، بشرطیکہ وہ سائل لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر انہیں ایذاء نہ دے اور جن فقہاء نے علی الاطلاق مسجد میں سوال کرنے والے کو دینے سے منع کیا ہے اس سے ایسا ہی سائل مراد ہے۔

زیادہ خرچ کرنے کی تفصیل اور تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، زیادہ خرچ کرنے کی تین صورتیں ہیں:

(ا) جو کام شرعاً مذموم ہیں ان میں مال خرچ کرنا، ناجائز ہے۔

(ب) جو کام شرعاً محمود ہیں ان میں زیادہ مال خرچ کرنا محمود ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ خرچ کرنے سے اس سے زیادہ اہم دینی کام فوت نہ ہو۔

(ج) مباح کاموں میں زیادہ خرچ کرنا مثلاً نفس کے آرام اور آسائش اور اس کے التذاذ کے لیے خرچ کرنا اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خرچ کرنے والا اپنے مال اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے تو یہ اسراف نہیں ہے۔

(۲) خرچ کرنے والا اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے، اس کی پھر دو قسمیں ہیں اگر وہ کسی موجود یا متوقع ضرر اور خلل کو دور کرنے کے لیے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جائز ہے اور اگر دفع ضرر کے بغیر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ اسراف ہے۔ اور بعض شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اسراف نہیں ہے کیونکہ وہ اس سے بدن کے آرام اور آسائش کے حصول کا قصد کرتا ہے اور یہ غرض صحیح ہے اور جبکہ یہ کسی معصیت میں خرچ نہیں ہے تو مباح ہے۔ ابن دقیق العید، قاضی حسین، امام غزالی اور علامہ رافعی نے کہا ہے کہ یہ تبذیر ہے اور ناجائز ہے، اور محرر میں ہے کہ یہ تبذیر نہیں ہے، علامہ نووی کی بھی یہی رائے ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر زیادہ خرچ کرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی مثلاً لوگوں سے سوال کرنے کی نوبت نہیں آتی تو پھر زیادہ خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

اپنے تمام مال کو راہ خدا میں صدقہ کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو تنگی اور فقر میں صبر کر سکتا ہو، علامہ باجی مالکی نے لکھا ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرنا مستحب ہے اور دنیاوی مصلحتوں میں زیادہ مال خرچ کرنا مکروہ ہے، البتہ کبھی کبھی زیادہ خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسے عید یا ولیمہ کے موقع پر، اور اس پر اتفاق ہے کہ بقدر ضرورت سے زیادہ مکان پر خرچ کرنا مکروہ ہے،

---

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

اسی طرح آرائش اور زیبائش پر زیادہ خرچ کرنا بھی مکروہ ہے اور مال کو ضائع کرنا گناہ کے کاموں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مال کسی ناتجربہ کار کے حوالہ کر دینا اور جواہر نفیسہ پر مال خرچ کر دینا بھی اس میں داخل ہے۔

علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ مال کو ضائع کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر مال خرچ کرنے سے کوئی دینی اور دنیاوی غرض نہ ہو تو اس میں مال خرچ کرنا حرام قطعی ہے، اور اگر دینی یا دنیوی غرض ہو اور اس جگہ مال خرچ کرنا معصیت نہ ہو اور وہ خرچ اس کی حیثیت کے مطابق ہو تو یہ قطعاً جائز ہے اور ان دونوں مرتبوں کے درمیان بہت ساری صورتیں ہیں جو کسی ضابطہ کے تحت داخل نہیں ہیں۔

بہرحال معصیت میں خرچ کرنا حرام ہے، اور اکرام اور آسائش اور نفسانی لذتوں کے حصول کے لیے مال خرچ کرنے میں تفصیل اور اختلاف ہے۔ [1]

اسراف اور اقتار کا محل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواما۔ (فرقان: ۶۷)

وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

امام رازی نے اس آیت کی تین تفسیریں ذکر کی ہیں:

(۱) خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لیا جائے، یہ تفسیر جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا (بنی اسرائیل: ۲۹)

اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اور نہ اسے پوری طرح کھول دے کہ بیٹھا رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہارا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ضحاک سے منقول ہے کہ اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنا اقتار ہے، مجاہد نے کہا اگر پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے تو اسراف نہیں ہے اور اگر ایک صاع (چار کلوگرام) بھی اللہ کی معصیت میں خرچ کرے تو اسراف ہے۔ حسن بصری نے کہا کبھی حق ادا نہ کرنا تقتیر ہوتا ہے اور کبھی مستحب کو ادا نہ کرنا بھی تقتیر ہوتا ہے مثلاً اگر مالدار آدمی اپنے غریب رشتہ داروں کی کفالت نہ کرے تو یہ بھی تقتیر ہے۔

(۳) دنیا کے عیش اور آسائشوں میں حد سے گزرنا اسراف ہے خواہ یہ عیش مال حلال سے ہو پھر بھی مکروہ ہے، کیونکہ یہ تکبر اور افتخار کا سبب ہے۔ اگر کوئی شخص اس قدر زیادہ سیر ہو کر کھائے جس کی وجہ سے عبادت نہ کر سکے تو یہ اسراف ہے اور اگر بقدر ضرورت سے کم کھائے تو اقتار ہے اور اعتدال یہ ہے کہ بقدر ضرورت کھائے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفت ہے جو لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور نہ جمال اور زینت کے لیے پہنتے تھے وہ بس اتنا کھاتے تھے جس سے بھوک ختم ہو جاتی اور اس سے ان کو عبادت کرنے کی طاقت حاصل ہوتی اور اتنا لباس پہنتے جو بقدر ضرورت کے لیے کافی ہوتا اور ان کو گرمی اور سردی سے بچا سکتا۔ [2]

۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۶۹-۷۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۲۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

لذت اور آسائش کے لیے مال خرچ کرنا اسراف نہیں ہے

امام رازی نے یہ لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور جمال اور زینت کے لیے نہیں پہنتے تھے یہ بعض صحابہ کا حال ہے جن پر زہد کا غلبہ تھا۔ ورنہ تحقیق یہ ہے کہ صاحب حیثیت کے لیے رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا، قیمتی کپڑے پہننا اور دیگر رہائش اور آرائش کی اشیاء حاصل کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ موجب اجر و ثواب ہے بشرطیکہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے اور ان چیزوں کے حصول میں مال خرچ کرنے سے کوئی مالی عبادت فوت ہو نہ کسی کا حق تلف ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا یھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم واشکروا للہ (بقرۃ: ۱۷۲)

اے ایمان والو ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

یا یھا الذین امنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم۔ (مائدہ: ۸۷)

اے ایمان والو ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہیں۔

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔ (اعراف: ۳۲)

آپ فرمائیے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے، اور اللہ کے رزق سے پاک اور لذیذ چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عَنْ عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر قال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنا ونعلہ حسنۃ قال ان اللہ جمیل یحب الجمال الکبر بطر الحق وغمط الناس۔[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی اچھی ہو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے، تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عقبۃ بن عامر انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یموت حین یموت وفی قلبہ مثقال حبۃ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مرے کہ مرتے وقت اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر

---

[1] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

من خردل من کبر تحل له الجنة ان یریحہ ریحھا و یراھا فقال رجل من قریش یقال له ابو ریحانة واللہ یا رسول اللہ انی لاحب الجمال واشتھیه حتی انی لاحبه فی علاقة سوطی و فی شراك نعلی قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیس ذاك الکبر ان اللہ عز وجل جمیل یحب الجمال ولکن الکبر من سفه الحق وغمص الناس بعینه [1]

ہو تو اس کے لیے جنت کی خوشبو سونگھنا اور جنت کو دیکھنا حلال نہیں ہے۔ قریش کے ایک شخص نے کہا جس کا نام ابوریحانہ تھا: یا رسول اللہ! میں حسن و جمال سے محبت کرتا ہوں، حتیٰ کہ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے چابک کا دستہ اور میری جوتی کا تسمہ بھی خوبصورت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تکبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن سے محبت کرتا ہے البتہ حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر نظروں سے دیکھنا تکبر ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرة ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیه وسلم وکان رجلا جمیلا فقال یا رسول اللہ! انی رجل حبب الی الجمال و اعطیت منه ما تری حتی ما احب ان یفوقنی احد اما قال بشراك نعلی و اما قال بشسع نعلی افمن الکبر ذلك قال لا ولکن الکبر من بطر الحق وغمط الناس [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور وہ خوبصورت شخص تھا اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایسا شخص ہوں کہ مجھے حسن و جمال بہت پسند ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں کتنا حسین ہوں، حتیٰ کہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ کسی شخص کی جوتی کا تسمہ میرے تسمہ سے اچھا ہو کیا یہ تکبر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! البتہ حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو ذرا سا حقیر جاننا بھی تکبر ہے۔

فی قدر موضع الازار [3]

امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور اس میں فی قدر موضع الازار کے الفاظ بھی ہیں۔ [3]

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ثم سأل رجل عمر فقال اذا وسع اللہ فاوسعوا۔ [4]

ایک شخص نے حضرت عمر سے دو کپڑے پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت دی ہے تو وسعت اختیار کرو۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ
[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ
[4] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
سه موضع الازار چادر باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور وہ پیٹ سے ٹخنوں تک کی جگہ ہوتی ہے سو اس میں یہ کہا ہے کہ کسی کو ذرا سا حقیر جاننا بھی تکبر ہے

عن ابی الاحوص عن ابیه قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم فی ثوب دون فقال الک مال قال نعم قال من ای المال قال قد اتانی الله من الابل والغنم والخیل والرقیق قال فاذا اتاک الله مالا فلیر اثر نعمة الله علیک وکرامته۔ [1]

ابو الاحوص کے والد (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معمولی کپڑوں میں گیا، آپ نے فرمایا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! فرمایا کون سا مال ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام دیے ہیں، آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تم کو مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر دکھائی دینا چاہیے۔

اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله یحب ان یری اثر نعمته علی عبده۔ [3]

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنے کو پسند کرتا ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد الله قال اتانا رسول الله صلی الله علیه وسلم فرای رجلا شعثا قد تفرق شعره فقال اما کان هذا یجد ما یسکن به شعره وراى رجلا اخر علیه ثیاب وسخة فقال اما کان هذا یجد ما یغسل به ثوبه۔ [4]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کیا اس شخص کو ایسی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے بالوں کو ٹھیک کر سکے، ایک اور شخص کو آپ نے دیکھا جس نے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کیا اس کو ایسی چیز دستیاب نہیں جس سے اپنے کپڑے دھو سکے۔

ہم نے قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ سے یہ واضح کر دیا ہے کہ رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا اور قیمتی کپڑے پہننا بھی مستحسن اور مستحب ہے بشرطیکہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور مستحقین کے حقوق ادا کیے جائیں۔ باقی امام رازی نے جو یہ لکھا ہے کہ صحابہ لذت کے لیے نہیں کھاتے تھے اور زینت کے لیے کپڑے نہیں پہنتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ یہ ان بعض صحابہ کا حال ہو جن پر زہد کا غلبہ تھا ورنہ تمام صحابہ کرام سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی ان آیات اور صریح احادیث سے صرف نظر کر لیتے، اور اگر کسی شخص کو یہ وہم ہو کہ بھوک مٹانا اور شرم گاہ چھپانا تو ضروری ہے اس لیے بھوک مٹانے کے لیے کھانا اور ستر پوشی کے لیے پہننا تو اجر و ثواب کا باعث ہوگا لیکن لذت کے لیے اچھے کھانے کھانا اور زیبائش کے لیے قیمتی کپڑے پہننا کس

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابوعبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۹۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۴۰۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[4] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۶، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

ورنہ اجر و ثواب کا موجب ہوگا، کیونکہ مقصود رمق حیات کو برقرار رکھنا ہے حصول لذت تو مقصود نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رزق حلال سے کھانے کی لذت حاصل کرنا اور حلال مال سے زیبائش حاصل کرنا اس لیے موجب اجر و ثواب ہے کہ اگر اس لذت کو حرام مال سے حاصل کیا جاتا تو اس پر بندہ اخروی سزا کا مستحق ہوتا سو اگر بندہ اس لذت کو حلال مال سے حاصل کرے گا تو اخروی اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اس کی دلیل اس حدیث میں ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی بضع احدکم صدقۃ قالوا یا رسول اللہ ایاتی احدنا شہوتہ ویکون لہ فیہا اجر قال ارایتم لو وضعہا فی حرام اکان علیہ وزر فکذلک اذا وضعہا فی الحلال کان لہ اجر۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کا جماع کرنا بھی صدقہ ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اگر شہوت پوری کرنے کے لیے جماع کرے تو کیا پھر بھی اس کو ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر وہ حرام طریقے سے اپنی شہوت پوری کرتا تو اس کو گناہ ہوتا، سو اگر وہ حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ رزق حلال سے لذیذ کھانے کھانا، قیمتی لباس پہننا، خوبصورت مکان بنانا اور دیگر زیب و زینت اور آرام اور آسائش کی چیزیں حاصل کرنا صاحب حیثیت کے لیے درست جائز ہے بلکہ اجر و ثواب کا موجب ہے بشرطیکہ ان لذتوں کے حصول کی وجہ سے کسی مالی عبادت میں حرج ہو اور نہ کسی حقدار کا حق تلف ہو اور ان نعمتوں پر وہ شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔

ماں باپ کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے

حدیث نمبر ۴۳۲۹ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماؤں کی نافرمانی کرنے سے منع فرمایا ہے، اور بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ ماں کی نافرمانی کرنا گناہ کبیرہ ہے، اسی طرح باپ کی نافرمانی کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، اس حدیث میں صرف ماں کی نافرمانی پر اقتصار کیا گیا ہے کیونکہ ماں کی نافرمانی کی تحریم باپ کی نافرمانی سے زیادہ شدید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا میں کس سے نیکی کروں تو فرمایا اپنی ماں سے نیکی کرو، اس نے پوچھا پھر کس کے ساتھ نیکی کروں؟ تو فرمایا اپنی ماں سے تیسری بار بھی یہی فرمایا اور اس کے چوتھی بار سوال کرنے پر فرمایا، پھر اپنے باپ کے ساتھ نیکی کرو، نیز عام طور پر لوگ ماں کی نافرمانی زیادہ کرتے ہیں۔ اس حدیث میں بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اہل عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔

حدیث نمبر ۴۳۴۲ میں باپ کی نافرمانی کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ تاہم یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ماں اور

---

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵-۳۲۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۱، ۱۵۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

باپ کی نافرمانی اس وقت گناہ کبیرہ ہے جب وہ کسی ایسی چیز کا حکم دیں جو شریعت کے خلاف ہو اور اگر وہ کسی ایسے کام کا حکم دیں جو شریعت کے خلاف ہو تو اس وقت ان کی اطاعت حرام ہے اور اس صورت میں بھی ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت سے پیش آنا چاہیے اور ان کو شرعی احکام کی اہمیت سمجھانا چاہیے۔

بَابُ بَيَانِ أَجْرِ الْحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ

حاکم فیصلہ صحیح کرے یا غلط اس کو اجتہاد کرنے پر اجر ملتا ہے

٤٣٧٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ.

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) غلط ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

٤٣٧٤ - وَحَدَّثَنِي إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ فِي عَقِبِ الْحَدِيثِ قَالَ يَزِيدُ فَحَدَّثْتُ هَذَا الْحَدِيثَ أَبَا بَكْرِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالَ هَكَذَا حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ البتہ حدیث کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ یزید کہتے ہیں میں نے یہ حدیث ابوبکر بن محمد سے بیان کی تو انہوں نے کہا مجھے ابوسلمہ نے اسی طرح ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔

٤٣٧٥ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ الدِّمَشْقِيَّ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ الْهَادِ اللَّيْثِيُّ بِهَذَا الْحَدِيثِ مِثْلَ رِوَايَةِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ بِالْإِسْنَادَيْنِ جَمِيعًا.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

قاضی کا عالم اور مجتہد ہونا ضروری ہے

علامہ نووی لکھتے ہیں: تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حدیث اس عالم کے متعلق ہے جو عالم ہو اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اگر اس کا فیصلہ صحیح ہے تو اس کو دو اجر ملیں گے ایک اجر اس کے اجتہاد کا ہوگا اور ایک اجر اس کی اصابت رائے کا اور اگر اس کا فیصلہ غلط ہے تو اس کو صرف اپنے اجتہاد کا اجر ملے گا۔ اور اس حدیث میں عبارت محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے۔ علماء نے کہا ہے کہ جو شخص اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اس کے لیے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کسی نااہل شخص نے فیصلہ کیا تو اس کو اجر نہیں ملے گا۔ بلکہ وہ گنہگار ہوگا اور اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا خواہ اس کا فیصلہ صحیح ہو یا غلط، کیونکہ اس کے فیصلہ کا صحیح ہونا اتفاقی ہے اور اس کا فیصلہ کسی دلیل شرعی پر مبنی نہیں ہے اس لیے وہ اپنے تمام فیصلوں میں گنہگار ہوگا خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط ہوں اور اس کو معذور نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ کتب سنن میں یہ حدیث ہے: قاضی تین قسم کے ہیں ایک قاضی جنتی ہے اور دو قاضی دوزخی ہیں۔ ایک قاضی وہ ہے جس کو حق کا علم ہوتا ہے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ جنتی ہے، دوسرا قاضی وہ ہے جو باوجود علم کے حق کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ دوزخی ہے اور تیسرا قاضی وہ ہے جو بغیر علم کے فیصلہ کرتا ہے وہ بھی دوزخی ہے۔ [1]

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حاکم کا مجتہد ہونا ضروری ہے ہر چند کہ ہم اس کتاب کی جلد ثالث اور کتاب الاقضیہ کے شروع میں اجتہاد کی تعریف اور اس کی شرائط بیان کر چکے ہیں تاہم اس حدیث کی وضاحت کے لیے چند مزید حوالہ جات کے ساتھ اس بحث کو ذکر کر رہے ہیں تاکہ اس حدیث کے پڑھنے والوں کو اجتہاد کی تعریف اور اس کی شرائط پر آگاہی ہو اور تحقیق کے لیے مزید حوالہ جات کا مواد فراہم ہو۔

اجتہاد کی تعریف

قاضی بیضاوی اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

استفراغ الجهد فی درك الاحكام الشرعية۔ [2]

احکام شرعیہ کو حاصل کرنے میں پوری طاقت (تمام علمی صلاحیت) کو صرف کرنا اجتہاد ہے۔

علامہ جمال الدین اسنوی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن حاجب نے اجتہاد کی یہ تعریف کی ہے:

الاجتهاد استفراغ الفقيه الوسع لتحصيل ظن بحكم شرعی [3]

کسی حکم شرعی کے ظن کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ (مجتہد) کا اپنی تمام علمی صلاحیتوں کو صرف کرنا اجتہاد ہے۔

علامہ ابن ہمام اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الاجتهاد لغة بذل الطاقة فی تحصيل ذی كلفة واصطلاحا ذلك من الفقيه فی

اجتہاد کا لغوی معنی ہے کسی مشقت طلب کام کو حاصل کرنے کے لیے طاقت صرف کرنا، اور اصطلاحی معنی ہے

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

[2] قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ۶۸۵ھ، منہاج الوصول الی علم الاصول ج ۴ ص ۵۲۴ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق، مصر ۱۳۱۶ھ

[3] علامہ جمال الدین اسنوی متوفی ۷۷۲ھ، نہایۃ السول علی هامش التقریر والتحبیر ج ۴ ص ۵۲۴ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

تحصیل حکم شرعی ظنی ۔[1] — کسی حکم شرعی ظنی کو حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اپنی علمی صلاحیتوں کو صرف کرنا۔

علامہ وشتانی ابی نے قاضی عیاض مالکی سے اجتہاد کی یہ تعریف نقل کی ہے:

الاجتهاد بذل الوسع فی طلب الحق والصواب فی النازلة ۔[2] — پیش آمدہ مسئلہ میں حق اور صواب کو طلب کرنے کے لیے اپنی کلی صلاحیت کو صرف کرنا اجتہاد ہے۔

اجتہاد کا طریقہ

علامہ وشتانی لکھتے ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مجتہد کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا جائے تو پہلے وہ اس کے حل کے لیے نص قرآن تلاش کرے اگر قرآن مجید میں اس کا حکم تلاش نہ کر سکے تو پھر اس کا حکم اخبار متواترہ میں تلاش کرے، اگر اخبار متواترہ میں اس کا حکم نہ مل سکے تو پھر اخبار آحاد میں اس کا حکم تلاش کرے اور اگر قرآن اور سنت میں اس کا حکم نہ مل سکے تو پھر مذاہب مجتہدین میں اس کا حکم تلاش کرے، اگر اس حکم کے متعلق علماء کا اجماع مل جائے تو اس اجماع پر عمل کرے ورنہ قیاس سے اس مسئلہ کا حکم معلوم کرے۔

علامہ وشتانی، امام غزالی اور علامہ ابن عبد السلام سے نقل کر کے لکھتے ہیں اجتہاد کے لیے قرآن مجید کی صرف ان آیات کو جان لینا کافی ہے جن کا تعلق احکام سے ہے اور علم حدیث تو اب بہت آسان ہو چکا ہے کیونکہ ہر حدیث کی صحت اور ضعف کے بارے میں محققین نے تحقیق کر دی ہے اور اب احادیث کی اس قدر تصنیفات شائع ہو چکی ہیں جن کے بارے میں اندازہ ہے کہ امام مالک کے سامنے بھی اس قدر احادیث نہیں تھیں، اور جن مسائل پر اجماع ہے ان کی بھی کتابوں میں تصریح موجود ہے اس لیے اب اجتہاد کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔[3]

مجتہدین اور مقلدین کے درجات

علامہ ابن امیر الحاج لکھتے ہیں: علامہ زرکشی نے "بحر" میں لکھا ہے علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم ہے جس کی معرفت میں عام اور خاص مشترک ہیں یہ ضروریات دین کی معرفت ہے جن کا علم تواتر سے ہوا اس میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے، مثلاً نمازوں اور رکعات کی تعداد، ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح کا حرام ہونا، زنا اور لواطت کی حرمت کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن کی معرفت عام آدمی پر دشوار نہیں ہے اور وہ ان کی معرفت اس کے لیے کسی کام سے مانع ہے اور بعض وہ امور ہیں جن کی معرفت خواص کے ساتھ مختص ہے، اور اس میں لوگوں کے تین طبقات ہیں:

طبقۂ اولیٰ

پہلا طبقہ محض عام لوگوں کا ہے اور جمہور کے نزدیک ان پر واجب ہے کہ وہ تمام احکام شرعیہ فرعیہ میں کسی مجتہد کی تقلید کریں، اور اگر ان میں سے کسی شخص کو قرآن اور حدیث کا علم ہو لیکن وہ قرآن اور حدیث سے مسائل کا استنباط نہ کر سکتا ہو تو اس کا یہ علم ناکافی ہے اور وہ تقلید سے مستغنی نہیں ہے۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، التحریر ج ۳ ص ۲۹۱، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۲ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] " " " " ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۶ - ۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

طبقۂ ثانیہ دوسرا طبقہ ان علماء کا ہے جن کو بعض علوم معتبرہ حاصل ہوں لیکن وہ درجۂ اجتہاد تک نہ پہنچے ہوں۔ علامہ ابن حاجب وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ علماء عام مقلدین کی طرح ہیں کیونکہ یہ اجتہاد کرنے سے عاجز ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے لیے تقلید کرنا جائز نہیں ہے اور ان پر احکام شرعیہ کو ان کے مآخذ سے حاصل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ درجہ دلائل کے برخلاف احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ علامہ زرکشی نے کہا ہے کہ ان کو پہلے طبقہ کے ساتھ لاحق کرنے پر اتفاق ہے۔ علامہ ابن منیر نے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کہ یہ مجتہد ہیں اور انھوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ یہ کوئی نیا مذہب نہیں بنائیں گے، یہ مجتہد اس وجہ سے ہیں کہ ان میں مجتہدین کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور کسی نئے مذہب کا ایجاد نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ ائمہ اربعہ نے تمام قواعد کا استیعاب کر لیا ہے اور تمام احکام فرعیہ کے لیے ایسے اصول اور قواعد کو وضع کرنا جو ائمہ اربعہ کے قواعد سے مختلف ہوں بہت دشوار ہے، ان پر کسی امام کے قاعدہ کی اتباع کر سکتے ہیں اور جب کسی مسئلہ میں اپنے امام کے علاوہ کسی اور امام کے قاعدہ کی صحت ان پر منکشف ہو جائے تو ان کے لیے اپنے امام کی تقلید جائز نہیں ہے لیکن اس کا وقوع مستبعد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسرا طبقہ ان علماء کا ہے جو اجتہاد مطلق کی صلاحیت تو نہیں رکھتے لیکن پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کر سکتے ہیں اور احکام شرعیہ کے دلائل سے واقف ہوتے ہیں اور ان کے استنباط کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ پہلے طبقہ کی طرح محض مقلد نہیں ہیں انھیں اپنے امام کے مستخرجہ مسائل کے دلائل کا علم ہوتا ہے اس وجہ سے یہ ان مسائل میں اپنے امام کی اتباع کرتے ہیں۔

طبقۂ ثالثہ تیسرا طبقہ ان علماء کا ہے جو درجہ اجتہاد (مطلق) جیسے ائمہ اربعہ کا درجہ ہے تک پہنچ چکے ہوں۔ [1]

پیش آمدہ مسائل میں اہل فتویٰ کا اجتہاد

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ: اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص کا علم، اجتہاد اور عدالت (نیک چلنی) معروف ہو اور لوگ اس کو تسلیم کرتے ہوں اور اس سے مسائل دریافت کرتے ہوں اس سے فتویٰ طلب کرنا اور اس کا منصب افتاء پر فائز ہونا جائز ہے اور جس شخص میں یہ شرائط نہ ہوں اس سے فتویٰ طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مجتہد (مطلق) کسی مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دے اور اس کے پاس اس مجتہد کا مذہب منقول نہ ہو لیکن وہ اس مجتہد کے احکام کے مآخذ پر مطلع ہو اور اس مجتہد کے قواعد کے مطابق احکام مآخذ سے مستنبط کر سکتا ہو تو اس کا اس مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ کسی مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا مطلقاً جائز ہے خواہ مفتی اس کے مآخذ پر مطلع ہو یا نہ ہو (علامہ ابن امیر الحاج نے لکھا ہے کہ صاحب بدیع کا یہی مختار ہے اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے) یہ قول مسترد کیے جانے کے لائق ہے۔ اور ابوالحسین نے کہا ہے کہ غیر مجتہد (مطلق) کا مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا مطلقاً جائز نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر مجتہد (مطلق) کا کسی مجتہد کے مذہب پر فتویٰ دینا بلا نکیر واقع ہے کیونکہ اصحاب مذاہب کے متبحر علماء ہمیشہ دور سے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیتے رہے ہیں اگرچہ وہ اجتہاد مطلق کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے تھے اور ان فتووں کا کبھی انکار نہیں کیا گیا اور جو شخص کسی

---

[1] علامہ ابن امیر الحاج متوفی ۸۷۹ھ، التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳۴۵، مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر، ۱۳۱۶ھ

مذہب کا غیر متبحر عالم ہو تو اس کے فتویٰ کا انکار کیا جاتا ہے پس کسی مذہب کے مقلد اور متبحر عالم کے فتویٰ کے قبول کرنے اور غیر متبحر عالم کے فتویٰ کے رد قبول کرنے پر اجماع ہو گیا ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ اجماع تو غیر مجتہدین کا ہے اور غیر مجتہدین کا اجماع حجت نہیں ہوتا اس لیے اس فتویٰ کا جواز ضرورت کی بناء پر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہ علماء مجتہد مطلق تو نہیں ہیں لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ پیش آمدہ مسائل میں بھی ان کا اجتہاد بھی ختم ہو چکا ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ ارباب افتاء اگرچہ مجتہد مطلق نہیں ہوتے لیکن ان کا پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرنا جائز ہے، اس بناء پر حنفی بھی مجتہد ہوتے ہیں اور کسی غیر مجتہد مطلق حنفی کا کسی مجتہد مطلق کے مذہب پر فتویٰ دینا ان مجتہدین کے اجماع سے بھی ثابت ہے اور یہ ضرورت کا بھی تقاضا ہے۔[1]

مسائل اجتہادیہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک حکم معین ہوتا ہے یا نہیں؟

علامہ جلال الدین حنفی لکھتے ہیں، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقلیات میں حکم واحد ہوتا ہے، جس شخص نے اس حکم کو پایا اس نے صحت اور صواب کو پایا، اور جس نے اس حکم کو نہیں پایا اس نے خطاء کی اور وہ گناہ گار ہو گا، اور مسائل فقہیہ کے اجتہاد میں علماء کا اختلاف ہے، آیا اس میں حکم واحد ہوتا ہے یا مختلف احکام ہوتے ہیں اگر حکم واحد ہوتا ہے تو جس مجتہد نے اس حکم کو پا لیا وہ حق اور صواب کو پہنچا اور اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس نے اس حکم کو نہیں پایا وہ خطاء پر ہے لیکن وہ معذور ہے اور اس کو اجتہاد کا ایک اجر ملے گا اور اگر احکام متعدد اور مختلف ہیں تو تمام مجتہدین صحت اور صواب کو پہنچ گئے۔

جس مسئلہ میں نص صریح نہ ہو اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مجتہد کے اجتہاد سے پہلے اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم معین نہیں ہے بلکہ اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم مجتہد کے ظن کے تابع ہے (العیاذ باللہ) اور انہی لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، اس نظریہ کے قائلین اشعری، قاضی اور اشاعرہ اور معتزلہ کے جمہور متکلمین ہیں پھر ان میں اختلاف ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کوئی حکم نازل کرتا تو وہی حکم نازل کرتا جو مجتہد کا ظن ہے اور یہی قول اشبہ بالحق ہے اور بعض نے کہا ہر مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم معین ہوتا ہے، اور اس میں تین نظریات ہیں، بعض فقہاء اور متکلمین کا یہ نظریہ ہے کہ یہ حکم کسی دلالت اور علامت کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے کسی طالب کو اتفاقاً کوئی دفینہ مل جائے سو جس شخص نے یہ حکم حاصل کر لیا اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جس نے اس حکم کو حاصل کرنے میں خطاء کی اس کو ایک اجر ملتا ہے، دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اس حکم پر کوئی علامت یعنی دلیل ظنی ہوتی ہے اس میں دو اختلاف ہے فقہاء حنفیہ اور فقہاء شافعیہ کا یہ قول ہے کہ چونکہ یہ دلیل جانب خفی اور غامض ہوتی ہے اس لیے مجتہد اس صحیح حکم کو حاصل کرنے کا مکلف نہیں ہوتا اس وجہ سے اس میں خطا کی معذور اور ماجور ہوتا ہے، اور بعض نے کہا کہ مجتہد اس حکم کو حاصل کرنے کا مکلف ہوتا ہے اگر اس کو اجتہاد میں خطاءً واقع ہو جائے تو تکلیف بدل جاتی ہے اور اس پر یہ واجب کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ظن کے تقاضے پر عمل کرے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس معین حکم پر دلیل قطعی ہوتی ہے اور مجتہد اس دلیل کو حاصل کرنے کا مکلف ہوتا ہے اس نظریہ کے قائلین میں بھی اختلاف ہے جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ اگر اس کو خطاء واقع ہو گئی تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا اور اس کا فیصلہ غلط قرار دیا جائے گا اور بشر مریسی کا مذہب یہ ہے کہ وہ گناہ گار ہو گا اور اس کا فیصلہ مسترد کر دیا جائے گا۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، علامہ ابن امیر الحاج حنفی ۸۷۹ھ، التحریر والتقریر ج ۳ ص ۳۴۹-۳۴۸ مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

ان اختلافات میں ہماری رائے یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک معین حکم ہوتا ہے اور اس پر دلیل ظنی ہوتی ہے اور اگر مجتہد اس حکم کو حاصل کرنے میں خطاء کرے تو وہ گناہ گار نہیں ہوتا اور نہ اس کا فیصلہ رد کیا جاتا ہے بلکہ خطاء کی صورت میں بھی اس کو اجتہاد پر ایک اجر ملتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم معین کو حاصل کرلے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں ایک اجتہاد کا اور ایک اصابت رائے کا، امام شافعی سے بھی یہی منقول ہے اور قاضی بیضاوی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ ۱

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا دونوں جانبوں میں حق ہوتا ہے اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یا حق صرف ایک جانب میں ہوتا ہے اور صرف ایک مجتہد مصیب ہوتا ہے؟۔

اور ہر فریق نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے پہلے فریق نے یہ کہا ہے کہ خطا کے لیے بھی اجر کا وعدہ ہے اگر اس کی رائے میں گناہ ہوتی تو اس کو اجر نہ دیا جاتا اور دوسرے فریق نے کہا اس کو مخطی کہنا اس کی دلیل ہے کہ اس کی رائے صحیح نہیں تھی اور پہلے فریق نے کہا کہ اس نے نص سے عدول کیا یا اس کو نص سے ذہول ہوگیا اور جو شخص کسی ایسے مسئلہ میں اجتہاد کرتا ہے جس میں کوئی نص ہے وہ اجماع قرآن کے متعلق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خطاء کی، اور بعض علماء کے اس قول کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے کہ ہر مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک معین حکم ہوتا ہے جو مجتہد اس حکم پر مطلع ہو جائے وہ مصیب ہے اور جو اس حکم پر مطلع نہ ہو وہ مخطی ہے کیونکہ یہ غیر محققین کا قول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن پیش آمدہ مسائل میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی نص نہیں ہے اور نہ اس حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اور نہ اس حکم پر علماء کا اجماع ہے سو اس مسئلہ میں اب تک کوئی حکم نہیں ہے، اور مجتہدین اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ کا جو حکم بیان کریں گے وہی اس کا حکم ہے مثلاً امام شافعی کسی مسئلہ میں ایک شخص پر جواز کا حکم لگائیں اور امام مالک اسی مسئلہ میں دوسرے شخص پر عدم جواز کا حکم لگائیں یا امام ابوحنیفہ کسی معاملہ میں ایک شخص پر تحریم کا حکم لگائیں اور امام مالک ایسے ہی مسئلہ میں دوسرے شخص پر حلت کا حکم دیں تو اللہ تعالیٰ کو ازل میں ان کے اختلاف کا علم تھا اور اس کو معلوم تھا کہ اس مسئلہ میں ایک شخص کے متعلق ایک مجتہد کا یہ حکم ہوگا اور ایسے ہی مسئلہ میں دوسرے شخص کے متعلق دوسرے مجتہد کا یہ حکم ہوگا اور یہ اجتماع نقیضین نہیں ہے کیونکہ ایک ہی شخص پر قتل کرنے اور قتل نہ کرنے کا حکم نہیں لگایا گیا بلکہ ایک مسئلہ میں مثلاً امام شافعی ایک شخص پر قتل کا حکم نافذ کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اسی جیسے مسئلہ میں دوسرے شخص پر قتل کا حکم نہیں نافذ کرتے اور اللہ تعالیٰ کا حکم وہی ہے جو ان مجتہدین نے حکم دیا ہے۔ پس جنس مسئلہ تو ایک ہے لیکن اس کے متعلقات الگ الگ ہیں۔

علامہ وشتانی لکھتے ہیں، اصولیین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مسائل اجتہادیہ ظنیہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم معین ہوتا ہے یا نہیں سو اگر ایک حکم معین ہوتا ہے تو مجتہد اس کا مکلف ہوتا ہے کہ اس حکم کو حاصل کرے اگر اس نے اس حکم کو حاصل کر لیا تو اس کا اجتہاد صحیح ہے ورنہ نہیں اور اگر ان مسائل میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم معین نہیں ہے تو پھر ان مسائل میں اللہ تعالیٰ کا حکم مجتہد کے ظن کے تابع ہے، قاضی نے اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے، بعض متاخرین نے اس تعبیر پر اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مجتہدین کے ظن کے تابع قرار دینا سوء ادب ہے اور مجتہد کا ظن حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم قدیم ہے اور قدیم حادث کے تابع کیسے ہو سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو مجتہدین کے ظن کے تابع قرار دینے سے ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ وہ نفس حکم کا وجود موقوف ہے اور وہ حکم مجتہد کے ظن کے بعد ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا حادث ہونا لازم آئے بلکہ ان کی مراد

۱ ۔ علامہ جمال الدین اسنوی متوفی ۷۷۲ھ، نہایۃ السول مع تقریر، ج ۴ ص ۳۱۰ - ۳۱۴، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۶ھ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ فلاں مسئلہ میں فلاں مجتہد کا یہ قول ہوگا اور اسی مسئلہ میں فلاں مجتہد کا یہ قول ہوگا اس لیے اللہ تعالیٰ کا اس مسئلہ میں فلاں مجتہد کے اعتبار سے یہ حکم ہے اور فلاں مجتہد کے اعتبار سے یہ حکم ہے۔[1]

مسائل اجتہادیہ میں حکم کے معین ہونے یا نہ ہونے کے متعلق مصنف کا موقف

اشاعرہ، ماتریدیہ اور معتزلہ کے

جن علماء نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام متعدد ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہ متعدد احکام مجتہدین کے احکام کے تابع ہوتے ہیں، ہمارے نزدیک یہ صرف مرجوح ہی نہیں ہے بلکہ صراحۃً غلط ہے، مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے اور امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا بلا کراہت جائز ہے، اس قاعدہ سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھوڑا کھانا مکروہ بھی ہو اور مکروہ نہ بھی ہو، اسی طرح امام ابوحنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانوروں کا کھانا حرام ہے اور امام مالک کے نزدیک تمام دریائی جانوروں کا کھانا جائز ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مینڈک اور مگرمچھ کے سوا تمام دریائی جانوروں کا کھانا جائز ہے، ابو علی نجار کے نزدیک جو جانور خشکی میں حرام ہے اس کی نظیر سمندر میں بھی حرام ہے جیسے کتا، خنزیر اور انسان۔ اور اس قاعدہ سے لازم آئے گا کہ دریائی جانور اللہ کے نزدیک حرام بھی ہوں اور حلال بھی ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس اور یہ صحیح نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کو تناقض اور تضاد پر محمول کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ نیز اجتہاد سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک کسی چیز کا جو حکم ہے اس کا علم کیا جائے جس کا منشاء یہ ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اللہ کے حکم کے تابع ہے اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ کا حکم مجتہد کے اجتہاد کے تابع ہے مزید برآں یہ کہ یہ بکثرت ثابت ہے کہ مجتہد کو اجتہاد میں خطاء بھی لاحق ہوتی ہے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے اجتہادی فیصلوں میں اس کی واضح مثال ہے اور اس نظریہ کی بناء پر یہ لازم آئے گا کہ اللہ کے احکام بھی بعض برخطاء ہوں اور اللہ کے احکام کو بھی خطاء قرار دیا جائے۔ العیاذ باللہ! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں اجتہاد کرنے کے بعد کہتے تھے کہ اگر یہ حکم حق ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر باطل ہے تو یہ میری عقل اور فہم کا قصور ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

والمختار حكم معين اوجب طلبه فمن اصابه المصيب ومن لا المخطئ ونقل عن الائمة الاربعة ثم المختار ان المخطئ ماجور[2]

مذہب مختار یہ ہے کہ جس مسئلہ میں اجتہاد کیا جاتا ہے اس میں ایک حکم معین ہوتا ہے، جس کو اجتہاد سے طلب کرنا واجب کیا گیا ہے، جس مجتہد نے اجتہاد سے اس حکم کو حاصل کر لیا وہ مصیب ہے اور جس نے حاصل نہیں کیا وہ مخطی ہے ائمہ اربعہ سے بھی یہی مذہب منقول ہے اور پھر یہ مختار ہے کہ اجتہاد میں خطاء واقع ہونے پر بھی مجتہد کو اجر ملتا ہے

علامہ ابن امیر الحاج لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد سے یہی مذہب منقول ہے۔ علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ سے یہی نقل صحیح ہے بلکہ علامہ کرخی نے لکھا ہے کہ ہمارے تمام فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ علامہ قرافی نے اس کے

[1] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۰۱-۱۰۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، التحریر ج ۳ ص ۳۰۲، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۷ھ

علاوہ امام مالک کا اور کوئی مذہب نہیں لکھا۔ علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ امام شافعی نے اسی کو تحریر کیا ہے۔ علامہ ابن السمعانی نے لکھا ہے کہ جس شخص نے امام شافعی کی طرف کسی اور مذہب کو منسوب کیا ہے اس نے خطا کی۔ [1]

علامہ ابن حجر عسقلانی نے علامہ مازری مالکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ فقہاء اور متکلمین میں سے اکثر اہل تحقیق کا مذہب یہ ہے کہ تمام مطلق جائز ہیں ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے ہر چند کہ ائمہ اربعہ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر نے لکھا کہ میں کہتا ہوں کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے۔ یعنی واقع میں ایک حکم معین ہوتا ہے۔ [2]

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ میں تحقیق نہیں کی اور صرف علامہ مازری کا قول نقل کر کے بات ختم کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ مسئلہ اجتہادیہ ظنیہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک حکم معین ہوتا ہے اور اس حکم کو حاصل کرنے کا مجتہد مکلف ہوتا ہے اگر اس نے اس حکم کو حاصل کر لیا تو اس کا اجتہاد صحیح ہے ورنہ غلط ہے۔ قاضی بیضاوی، علامہ اسنوی، علامہ ابن ہمام اور علامہ ابن امیر الحاج کی یہی تحقیق ہے اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے اور ائمہ اربعہ اس سے بری ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مجتہدین کے اجتہاد کے تابع قرار دیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام میں تناقض اور تضاد کا قول کریں اور اس کے احکام کو خطاء کے ساتھ متصف کریں۔

میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لیے کی ہے کہ عام علماء علامہ وشتانی، علامہ مازری اور علامہ ابن حجر کی عبارات کو دیکھ کر ائمہ اربعہ سے بدگمان نہ ہوں یا اس نقل کو دیکھ کر یہ عقیدہ نہ بنا لیں کہ مسائل اجتہادیہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام متعدد ہوتے ہیں اور اس کے احکام مجتہد کے اجتہاد کے تابع ہوتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

بَابُ كَرَاهَةِ قَضَاءِ الْقَاضِي وَهُوَ غَضْبَانُ ۵۶۸

حالت غضب میں قاضی کو فیصلہ کرنے کی ممانعت

۴۳۷۶ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَتَبَ أَبِي وَكَتَبْتُ لَهُ إِلَى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ وَهُوَ قَاضٍ بِسِجِسْتَانَ أَنْ لَا تَحْكُمَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحْكُمُ أَحَدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ۔

عبدالرحمن بن ابی بکرہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے عبید اللہ بن ابی بکرہ قاضی سجستان کو لکھوایا اور میں نے لکھا کہ دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ مت کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

---

[1] علامہ ابن امیر الحاج متوفی ۸۷۹ھ، التقریر والتحبیر ج ۳ ص ۳۰۶، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۶ھ

[2] علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۳۲۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

۴۳۷۰۔ وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ ح وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی چھ مختلف اسانید بیان کیں۔ ان سب اسانید میں حضرت ابوبکرہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مثل سابق روایت ہے۔

کن حالات میں حاکم کو فیصلہ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے؟

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: حالت غضب کے ساتھ ہر وہ حالت لاحق ہے جس حالت کی وجہ سے حاکم صحیح غور و فکر نہ کر سکے اور اس کا مزاج اعتدال پر نہ ہو، مثلاً اس کو بہت زیادہ بھوک اور پیاس لگی ہو یا بہت زیادہ غم ہو یا کسی بات پر بہت زیادہ خوشی ہو یا اس کا دل و دماغ کسی معاملہ میں الجھا ہوا ہو تو اس قسم کے احوال میں حاکم کا فیصلہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس حال میں غلط فیصلہ کر دے اور اگر اس نے فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ صحیح ہو گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراج حرۃ (ایک زمین پر پانی کی نالی) کا فیصلہ حالت غضب میں کیا تھا، اسی طرح ایک شخص نے لقطہ کے بارے میں سوال کیا کہ اگر کسی شخص کو گم شدہ اونٹ مل جائے تو وہ اس کا کیا کرے؟ تو آپ نے غضب سے جواب دیا تمہیں اس سے کیا سروکار![1]

حالت غضب میں فیصلے سے منع کرنے کی حکمت

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مہلب نے کہا ہے کہ حالت غضب میں فیصلہ کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ غضب کی حالت میں حاکم حق سے تجاوز کر سکتا ہے اس لیے اس کو حالت غضب میں فیصلہ کرنے سے منع کر دیا، علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ ممانعت کا سبب یہ ہے کہ حالت غضب میں انسان صحیح غور و فکر نہیں کر سکتا، اور فقہاء نے اس حکم سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جس حالت کے طاری ہونے کی وجہ سے انسان کے غور و فکر کی صلاحیت متاثر ہو اس حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، مثلاً بہت زیادہ بھوک اور پیاس لگی ہو یا بہت ٹھنڈا

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

رہتا ہو اسی طرح ہر وہ کیفیت جس کا اس کے دل و دماغ پر غلبہ ہو، اور حدیث میں صرف حالت غضب پر اس وجہ سے اقتصار کیا گیا ہے کہ غصہ اور غضب کا انسان کے نفس پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے اور دوسرے عوارض کی بہ نسبت اس کا روکنا زیادہ مشکل ہے امام بیہقی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابوسعید سے مرفوعاً یہ روایت بیان کی ہے کہ قاضی صرف اسی وقت فیصلہ کرے جب وہ شکم سیر ہو" (یعنی اس کو بھوک اور پیاس نہ لگی ہو)۔ امام شافعی نے لکھا ہے کہ بھوک، پیاس، تھکاوٹ اور جب دل کسی کام میں مشغول ہو تو حاکم کا فیصلہ کرنا مکروہ ہے۔

حالت غضب میں فیصلہ کرنے کا حکم

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں، اگر کوئی شخص اس حکم کی مخالفت کرے اور حالت غضب میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کر دے تو جمہور کے نزدیک ہر چند کہ یہ فعل مکروہ ہے لیکن اس کا فیصلہ صحیح اور نافذ العمل ہوگا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں حالت غضب میں فیصلہ کیا تھا جب کہ حضرت زبیر کے فریق نے شراج حرہ (نالے سے پانی دینے کے معاملہ) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غضبناک کر دیا تھا، البتہ اس حدیث سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کے لیے حالت غضب میں فیصلہ کرنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور حالت غضب میں بھی حالت رضا کی مثل حکم دیتے ہیں، البتہ ہمارے حق میں حالت غضب میں فیصلہ کرنا مکروہ ہے، حدیث مذکور کی تشریح میں علامہ نووی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

امام الحرمین اور علامہ بغوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اگر اللہ کے لیے غضب ہو تو فیصلہ کرنا مکروہ نہیں ہے اور اگر غیر اللہ کے لیے غضب ہو تو فیصلہ کرنا مکروہ ہے، علامہ رویانی اور دوسرے علماء نے اس تفصیل کو مستبعد قرار دیا ہے کیونکہ ظاہر حدیث میں مطلقاً حالت غضب میں فیصلہ کرنے سے منع کیا ہے، اور بعض حنبلی فقہاء نے کہا ہے کہ حالت غضب میں کیا ہوا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث میں اس سے منع کیا ہے اور ممانعت فساد کا تقاضا کرتی ہے۔ اور بعض علماء نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر حاکم پر مقدمہ کا حکم منکشف ہو گیا اور اس کے بعد اس کو کسی پر غصہ آیا تو اب فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر مقدمہ پر غور و فکر کرنے سے پہلے غصہ آگیا تو پھر دیکھیں گے کہ وہ اللہ کے لیے غصہ ہے یا نہیں۔

باب مذکور کی حدیث کے دیگر فوائد

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ حدیث کو لکھنا بھی کسی شیخ سے حدیث کے سماع کے قائم مقام ہے، اور یہ کہ عہد صحابہ اور تابعین میں حدیث کو لکھنے کا عام رواج تھا اور یہ کہ کسی فتویٰ پر حدیث سے استدلال کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت ابوبکرہ نے اپنے بیٹے کو حالت غضب میں فیصلہ سے منع کیا اور اس پر حدیث سے استدلال کیا، نیز اس میں باپ کی اولاد پر شفقت اور اس کو برائیوں سے روکنے کا بیان ہے اور علم کی نشر و اشاعت کا ذکر ہے اور یہ کہ اگر عالم سے کسی چیز کا سوال نہ کیا جائے تو اس کو پھر بھی اپنے علم سے لوگوں کو مستفید کرنا چاہیے۔[1]

بَابُ ۹۱ نَقْضِ الْاَحْكَامِ الْبَاطِلَةِ وَرَدِّ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ

احکام باطلہ کو ساقط کرنے اور بدعات کو رد کرنے کا بیان

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج [illegible] ص [illegible]، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۴۳۷۸ - حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَوْنٍ الْهِلَالِيُّ جَمِيعًا عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ ابْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی عبادت ایجاد کرے جس کی اصل دین میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

۴۳۷۹ - وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ أَبِي عَامِرٍ قَالَ عَبْدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَأَلْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ رَجُلٍ لَهُ ثَلَاثَةُ مَسَاكِنَ فَأَوْصٰى بِثُلُثِ كُلِّ مَسْكَنٍ مِنْهَا قَالَ يُجْمَعُ ذٰلِكَ كُلُّهُ فِي مَسْكَنٍ وَاحِدٍ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔

سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے اس شخص کے متعلق پوچھا جس کے پاس وراثت کے تین مکانات ہوں اور وہ ہر مکان میں سے ایک تہائی (۱/۳) کی وصیت کرے تو کیا یہ جائز ہے؟ انہوں نے کہا کہ سب کو ایک مکان میں جمع کیا جائے گا پھر کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ایسا عمل کیا جس کی اصل ہمارے دین میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔

احداث کا لغوی اور شرعی معنی

اس باب کی دونوں حدیثوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی عبادت ایجاد کرے جس کی اصل اس دین میں نہ ہو تو وہ عبادت مردود ہے۔"

اس حدیث میں احداث (دین میں کسی چیز کو گھڑ لینا) کا لفظ ہے۔ علامہ ابن منظور افریقی محدث کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حدث الامر۔ کا معنی ہے کوئی چیز واقع ہوئی اور محدثات الامور۔ کا معنی ہے: "ایسے کام جن کو بدعتی لوگوں (دین کے معاملہ میں اپنی خواہشات پر عمل کرنے والے لوگ) نے گھڑ لیا ہو، سلف صالحین کا ان پر عمل نہ ہو۔ حدیث میں ہے: ایاکم و محدثات الامور۔ "تم نوپیدا کاموں سے بچو" اور یہ وہ کام ہیں جو کتاب سنت اور اجماع میں معروف نہ ہوں۔ حدیث میں ہے: "ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" اور محدث سے مراد وہ برا کام ہے جو سنت میں معروف اور معمول نہ ہو۔[1] (حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

علامہ زبیدی نے بھی بعینہٖ یہی لکھا ہے۔ [1]

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

محدث اس نئے اور برے کام کو کہتے ہیں جو سنت میں معروف اور معمول نہ ہو اور محدث اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی برے کام کرنے والے کو پناہ دینے والا ہو اور محدث کسی من گھڑت کام کو کہتے ہیں اور محدثات الامور سے مراد وہ کام ہیں جو کتاب، سنت اور اجماع میں معروف نہ ہوں۔ [2]

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

جو امر کتاب اور سنت میں نہ پایا جائے اس کو دین میں گھڑ لینا احداث ہے۔ [3]

جن عبادات کی دین میں اصل ہے وہ محدث، مخترع اور بدعت نہیں ہیں

حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اسلام کے اصول اور قواعد میں سے شمار کی جاتی ہے، کیونکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص دین میں کسی ایسے کام کو گھڑے جس کی اصول دین میں کوئی دلیل نہ ہو وہ کام قابل اعتبار نہیں ہے، علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس میں منکرات کے ابطال پر استدلال کیا جاتا ہے۔ طرقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث دلائل شرعیہ کا نصف ہے، کیونکہ دلیل صغریٰ اور کبریٰ دو مقدموں سے مرکب ہوتی ہے اور یہ حدیث مقدمہ کبریٰ ہے مثلاً ہم کہتے ہیں نجس پانی سے وضو کرنے کی دین میں اصل نہیں ہے اور جس کام کی دین میں اصل نہ ہو وہ باطل ہے سو نجس پانی سے وضو کرنا باطل ہے۔ اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس کام کی دین میں اصل ہو وہ صحیح ہے اور یہ بھی قیاس کا کبریٰ ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ وضو میں نیت کرنے کی دین میں اصل ہے۔ اور جس کام کی دین میں اصل ہو وہ صحیح ہے سو وضو میں نیت کرنا صحیح ہے۔ [4]

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی دین میں اصل ہے (کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے) لہٰذا کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا صحیح ہے البتہ اس کو واجب اور لازم کہنا بدعت ہے۔ اسی طرح اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چومنے کی دین میں اصل ہے کیونکہ یہ حضرت ابوبکر کی سنت ہے، اسی طرح الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنے کی دین میں اصل ہے کیونکہ نماز میں ایہا النبی کہا جاتا ہے اور جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پیر سن ہو گیا تو انہوں نے چیخ کر کہا یا محمد، البتہ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سنائے بغیر از خود سن لیتے

(حاشیہ صفحہ سابقہ ملاحظہ ہو) [1]۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۲ ص ۱۳۱، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[1]۔ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱ ص ۶۱۳، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2]۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ

[3]۔ حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۷۳، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[4]۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۳۰۲-۳۰۳، مطبوعہ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

ہاں تو یہ عقیدہ شرک ہے اور مسلمان کے حال سے یہ عقیدہ بہت بعید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوب کر یا رسول اللہ کہنے کو علماء دیوبند نے بھی جائز لکھا ہے اور آپ کو مستقل سامع نہ سمجھتے ہوئے یا رسول اللہ کہنے کو بھی جائز لکھا ہے[1] البتہ استمداد اور استعانت صرف اللہ سے کرنی چاہیے تمام انبیاء اور رسل نے یہی تعلیم دی ہے کہ اللہ سے سوال کرو اور اسی سے مدد مانگو، اور یہی صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین کا طریقہ ہے تاہم اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مستقل اور مدد الٰہی کا مظہر سمجھتے ہوئے انغثنی یا رسول اللہ یا یا رسول اللہ المدد کہہ دیتا ہے تو یہ شرک نہیں ہے۔ اسی طرح محفل میلاد منعقد کرنا جائز ہے کیونکہ محفل میلاد کی اصل دین میں ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کا ذکر کیا اور تمام سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے، البتہ اس کو لازم اور واجب سمجھنا بدعت ہے اور اس میں اسراف کرنا اور منکرات کا داخل کرنا گناہ ہے۔

فاتحہ، چہلم اور عرس وغیرہ میں دنوں اور تاریخوں کی تعیین کی تحقیق

فاتحہ، چہلم، عرس اور اہلسنت کے دیگر تمام معمولات کا مرجع اس طرح ہوتا ہے کہ کسی نفل عبادت کے لیے عرفاً وقت معین کر لیا جاتا ہے، یہ تعیین شرعی نہیں ہے اور ان معین اوقات کے علاوہ بھی ان کاموں کو کرنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص ان معین اوقات میں ان عبادات کو کرنا شرعاً لازم اور ضروری سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے اور گناہ ہے۔ رہا یہ کہ کوئی نفل عبادت جو کسی وقت بھی کی جا سکتی ہو اس کے لیے کسی خاص وقت کو معین کرنے پر کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعیین احادیث سے ثابت ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی مسجد قباء کل سبت ماشیا وراکبا وکان عبد اللہ رضی اللہ عنہ یفعلہ۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدل یا سوار ہو کر ہر ہفتہ کے دن مسجد قباء تشریف لے جاتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفی ھذا الحدیث علی اختلاف طرقہ دلالۃ علی جواز تخصیص بعض الایام ببعض الاعمال الصالحۃ والمداومۃ علی ذلک۔[3]

یہ حدیث مختلف اسانید سے مروی ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ بعض ایام کو بعض اعمال صالحہ کے ساتھ خاص کر لینا جائز ہے اور اس پر مداومت کرنا بھی جائز ہے۔[3]

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

فیہ دلیل علی جواز تخصیص بعض الایام بنوع من القرب وھو کذلک الا فی الاوقات

اس حدیث میں بعض ایام کو بعض عبادات کے ساتھ خاص کر لینے کے جواز پر دلیل ہے اور یہ جائز ہے ماسوا

---

[1] شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ، فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۰، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

[2] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۳ ص ۶۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

النهي عنها كالنهي عن تخصيص ليلة الجمعة من بين الليالي او تخصيص يوم الجمعة بصيام من بين الايام ۔[1]

ان اوقات کے سوا میں کسی عبادت کی تخصیص سے منع کر دیا گیا ہے، جیسے جمعہ کی رات کو نوافل کے قیام کے ساتھ خاص کرنے سے منع کیا گیا ہے یا جمعہ کے دن کو روزے کے ساتھ خاص کر لینے سے منع کیا گیا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مقصود مباح یا کسی طاعت کے لیے تعیین یوم اگر باعتقاد قربت نہ ہو بلکہ کسی مباح مصلحت کے لیے ہو جائز ہے، جیسے مدارس دینیہ میں اسباق کے لیے گھنٹے معین ہوتے ہیں اور اگر باعتقاد قربت ہو منہی عنہ ہے، پس عرس میں جو تاریخ معین ہوتی ہے اگر اس تعیین کو قربت نہ سمجھیں بلکہ اور کسی مصلحت سے یہ تعیین ہو مثلاً سہولت اجتماع تاکہ تداعی کی صورت یا بعض اوقات اس کی کراہت کے شبہ سے مامون رہیں اور خود اجتماع اس مصلحت سے ہو کہ ایک سلسلہ کے احباب باہم ملاقات کر کے حب فی اللہ کو ترقی دیں اور اپنے بزرگ کو آسانی سے اور کثیر مقدار میں جو کہ اجتماع میں حاصل ہے ثواب پہنچانا بے تکلف میسر ہو جاوے نیز اس اجتماع میں طالبوں کو اپنے لیے شیخ کا انتخاب بھی سہل ہوتا ہے یہ تو ظاہری مصالح ہیں جو مشاہد ہیں یا کوئی باطنی مصلحت ہو جیسا بعض نے بعض اکابر اہل ذوق سے سنا ہے کہ میت کو اپنے یوم وفات کے عود سے وصول ثواب کے انتظار کی تجدید ہوتی ہے اور یہ مصلحت محض کشفی ہے جس کا کوئی مکذب شرعی یا عقلی موجود نہیں اس لیے صاحب کشف کو یا اس صاحب کشف کے معتقد کو بدرجہ ظن اس کی رعایت کرنا جائز ہے البتہ جزم جائز نہیں۔ بہرحال اگر ایسے مصالح سے یہ تعیین کی گئی ہو تو جائز ہے، لیکن اگر کوئی امر عارض موجب منع اس میں منضم ہو جاوے مثلاً سماع خلاف شرائط یا اختلاط امارد و نساء یا بھیڑ کے جمع کرنے کا اہتمام خصوص فساق و فجار کے شریک کرنے کا اہتمام یا شرکت کے بعد بلا ضرورت ان کا احترام یا احتمال فساد عقیدہ عوام تو ان عوارض سے پھر وہ مباح بھی ممنوع ہو جاوے گا اور قطعاً وہ عرس واجب الترک ہو جاوے گا۔ جیسا اس زمانہ میں اکثر اعراس کی حالت ہو گئی پس قدماء مشائخ سے جو اعراس منقول ہیں اگر سند صحیح ہو ان میں کوئی منکر ثابت نہیں پس ان کے فعل میں کوئی اشکال نہیں۔[2]

شیخ تھانوی نے ان عوارض میں بھیڑ جمع کرنے کا اہتمام اور احتمال فساد عقیدہ عوام کا جو ذکر کیا ہے وہ بہت اہم ہے۔

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہفتہ کے دن مسجد قبا تشریف لے جانا اتفاقیات سے ہے، اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں اتفاقی امور کی بر سبیل اتفاق پیروی کرنا سنت ہے اور اس کو دائمی معمول بنا لینا سنت نہیں ہے اور میرا خیال ہے کہ انہوں نے اس رائے کو پسند نہیں کیا۔[3]

نفلی عبادات کے لیے کسی وقت کو معین کرنے پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

---

[1] حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۵۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، بوادر النوادر ص ۲۰۵، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۲ء

[3] شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری ج ۲ ص ۴۳۲، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی وائل قال کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس الحدیث۔ [1]

ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نفلی عبادت کے لیے ہفتہ کے ایام میں سے کسی ایک دن کو معین کر لینا جائز ہے۔ لہٰذا سالانہ جلسہ، عرس، گیارہویں، بارہویں وغیرہا کے لیے دنوں اور تاریخوں کی تعیین کرنا جائز ہے۔ البتہ اس تعیین کو لازم اور ضروری سمجھنا بدعت ہے، رہا یہ سوال کہ آپ سے ان تاریخوں میں ان کاموں کو کرنا ثابت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سے ان دنوں میں ان کاموں سے منع کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔

قاسم بن محمد کے فتویٰ پر ایک اشکال کا جواب

اس باب کی پہلی حدیث میں قاسم بن محمد کا یہ قول مذکور ہے کہ ایک شخص کے اگر تین مکان ہوں تو وہ ہر مکان کے ایک ثلث کی وصیت کر دے بجائے سب کو جمع کر کے ایک ثلث کی وصیت کرے، اس قول پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر اس نے ہر مکان میں سے ایک ثلث کی وصیت کر دی تو اس میں کیا غلطی ہے؟ حافظ ابن حجر نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اس وصیت میں کوئی اور زائد چیز تھی جس کا اس روایت میں ذکر نہیں ہے اسی وجہ سے قاسم بن محمد نے اس کی تغلیط کی۔ [2]

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی نے اس اشکال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اگر مکانات ایک دوسرے سے دور ہوں تو ان کی تقسیم میں سنت یہ ہے کہ ہر مکان کا الگ الگ حصہ کیا جائے اور اگر مکانات ایک دوسرے کے قریب ہوں تو پھر ان کی تقسیم میں سنت یہ ہے کہ ان کو تقسیم میں جمع کیا جائے اور قاسم بن محمد نے جس وصیت کے پیش نظر یہ کہا تھا کہ ان کو جمع کیا جائے اس صورت میں یہ مکان ایک دوسرے کے قریب تھے اور چونکہ یہ تقسیم خلاف سنت تھی اس لیے انہوں نے مسئلہ بھی بتلایا اور حدیث بھی سنائی۔ [3]

بَابُ بَيَانِ خَيْرِ الشُّهُودِ
بہترین گواہ کا بیان

۴۳۸۰۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو بہترین گواہ نہ بتلاؤں؟ اور وہ (بہترین گواہ) وہ ہے جو سوال کرنے سے پہلے گواہی دے دے۔

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۳۴۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[3] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اَلشُّهَدَآءِ الَّذِیْ یَاْتِیْ بِشَهَادَتِهٖ قَبْلَ اَنْ یُّسْاَلَهَا۔

بغیر سوال کے گواہی دینے کی ممانعت اور فضیلت کا محمل

اس باب کی حدیث میں اس گواہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو بغیر طلب اور سوال کے گواہی دے۔ یہ حدیث حضرت زید بن خالد جہنی سے مروی ہے اس کے برعکس حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے اس میں بغیر سوال کے گواہی دینے کی مذمت بیان کی گئی ہے اور یہ دونوں حدیثیں متعارض ہیں، پہلے ہم حضرت عمران بن حصین کی روایت بیان کرتے ہیں اس کے بعد اس تعارض کو دور کریں گے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عمران بن حصين قال قال النبي صلى الله عليه وسلم خيركم قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم قال عمران لا ادري اذكر النبي صلى الله عليه وسلم بعد قرنين او ثلاثة قال النبي صلى الله عليه وسلم ان بعدكم قوما يخونون ولا يؤتمنون ويشهدون ولا يستشهدون وينذرون ولا يفون ويظهر فيهم السمن۔[1]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، حضرت عمران نے کہا مجھے یاد نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زمانوں یا تین زمانوں کے بعد فرمایا: تمہارے زمانہ کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو خیانت کریں گے اور ان کو امین نہیں بنایا جائے گا وہ از خود گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی نہیں طلب کی جائے گی وہ نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے اور وہ بہت موٹے (یعنی بسیار خور) ہوں گے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عمران بن حصين قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثلاثا ثم يجيء قوم من بعدهم يتسمنون ويحبون السمن يعطون الشهادة قبل ان يسئلوها۔[2]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے زمانہ کے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں (آپ نے تین بار فرمایا) پھر ان کے بعد ایک بسیار خور قوم آئے گی جو بسیار خوری کو پسند کرے گی یہ لوگ طلب اور سوال سے پہلے شہادت دیں گے۔

۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۲۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

امام ترمذی لکھتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کا سوال کرنے سے پہلے گواہی دے اس کا معنی یہ ہے کہ جب اس سے گواہی طلب کی جائے تو کسی رکاوٹ اور ہچکچاہٹ کے بغیر گواہی دے۔ لہ
امام ترمذی نے ان حدیثوں کے تعارض کو دور کرنے کے لیے جو جواب لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمران بن حصین کی روایت کو اپنی اصل پر رکھا ہے اور حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت میں تاویل کی ہے۔ اور بغیر طلب اور سوال کے گواہی دینے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ گواہی طلب اور سوال کے بعد دے مگر بغیر حیل و حجت کے فوراً گواہی دے، اور از خود گواہی دینے کو مذموم ہی قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت عمران بن حصین کی روایت میں ہے۔
علامہ نووی نے حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت کی تین تاویلیں ذکر کی ہیں اور حضرت عمران بن حصین کی روایت کی چار تاویلیں ذکر کی ہیں۔ پہلے ہم حضرت زید بن خالد کی روایت کی تین تاویلیں ذکر کرتے ہیں:

(الف) امام مالک اور اصحاب شافعی نے یہ تاویل کی ہے کہ کسی شخص کے پاس کسی انسان کے حق کے بارے میں شہادت ہو اور وہ انسان اپنے بارے میں اس شہادت کو نہ جانتا ہو تو وہ شخص اس انسان کو جاکر یہ خبر دے کہ وہ اس کے حق کا شاہد ہے، یعنی اس کے حق کی شہادت کا متحمل ہے۔

(ب) یہ شہادت حسبہ ہے۔ (شہادت حسبہ کی فقہاء نے یہ تعریف کی ہے کہ انسان جس شہادت کا متحمل ہو یعنی اس کے پاس جو شہادت ہو وہ اس شہادت کو کسی طالب کی طلب کے بغیر محض اجر و ثواب کی نیت سے ابتداءً بیان کرے) اور یہ آدمیوں کے حقوق منحصر میں نہیں ہوتی بلکہ حقوق شرعیہ میں ہوتی ہے مثلاً طلاق، عتق، وقف، وصایا عامہ اور حدود وغیرہ میں، پس جس شخص نے ان معاملات میں شہادت کا تحمل کیا ہو اس پر واجب ہے کہ وہ قاضی کے پاس جاکر وہ شہادت پیش کرے اور قاضی کو خبر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اقیموا الشھادۃ للہ "اللہ کے لیے شہادت دو" اسی طرح پہلی قسم میں بھی جب کسی شخص کے پاس کسی انسان کے حق کی شہادت ہو اور اس انسان کو اس کا پتا نہ ہو تو اس پر اس شہادت کا ادا کرنا واجب ہے کیونکہ اس شخص کے پاس یہ شہادت اس انسان کی امانت ہے۔

(ج) اس حدیث کا مطلب ابتداءً شہادت دینا نہیں ہے، طلب اور سوال کے بعد ہی شہادت دینا مراد ہے لیکن چونکہ وہ شخص سوال کے بعد فوراً بغیر کسی ہچکچاہٹ کے گواہی دیتا ہے اس لیے اس کو مجازاً اور مبالغۃً ابتداءً بغیر سوال کے شہادت دینے سے تعبیر فرمایا جیسا کہ کہتے ہیں: "کہ سوال کرنے سے پہلے دیتے ہیں" یعنی سوال کے بعد بغیر توقف کے فوراً دے دیتے ہیں۔ (امام ترمذی نے بھی یہی جواب دیا ہے)

علامہ نووی نے حضرت زید بن خالد کی حدیث کو اصل پر رکھ کر حضرت عمران بن حصین کی روایت کے تین جواب دیے ہیں (حضرت عمران بن حصین کی روایت میں بغیر سوال اور طلب کے شہادت دینے کی مذمت ہے) وہ جوابات حسب ذیل ہیں:

(ل) ایک آدمی کے پاس کسی شخص کے متعلق شہادت ہو اور وہ اس کے طلب کرنے سے پہلے شہادت دے۔
(ب) ایک شخص بغیر طلب کے جھوٹی اور بے اصل گواہی دے
(ج) جو شخص شہادت کا اہل نہ ہو وہ گواہی دے۔

لہ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۲۵-۲۲۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(ہ) کوئی شخص کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کی قطعی گواہی دے۔[1]

علامہ عینی نے بھی مذکور الصدر ترجیحات میں سے بعض بیان کی ہیں اور یہ لکھا ہے کہ بعض علماء نے حضرت عمران بن حصین کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے اور حضرت زید بن خالد کی روایت میں امام مسلم منفرد ہیں۔[2]

اس باب کی حدیث میں بہترین شاہد کا بیان کیا گیا ہے، اس مناسبت سے ہم شہادت کے متعلق ضروری ابحاث کا ذکر رہے ہیں۔ فنقول وباللّٰہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

شہادت کا لغوی معنی

امام خلیل بن احمد لکھتے ہیں:

والشہادۃ ان تقول استشہد فلان فھو شہید۔[3]

شہادت یہ ہے کہ تم یہ کہو کہ فلاں شخص کو گواہ بنایا گیا، سو وہ گواہ ہے۔

علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں:

اصل الشہادۃ الاخبار بما شاھدہ و شھدہ۔[4]

جس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا جس پر کوئی شخص حاضر ہو اس کی خبر دینا لغت میں شہادت ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

والشہادۃ قول صادر عن علم حصل بمشاھدۃ بصیرۃ او بصر۔[5]

بصیرت یا آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے جس چیز کا علم حاصل ہو اس کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔

شہادت کا اصطلاحی معنی

فقہاء شافعیہ میں سے شارح مہذب لکھتے ہیں:

والشہادۃ خبر قطع بما حضرہ وعاین ثم قد یکون بما علمہ واستفاض۔[6]

جو شخص کسی جگہ حاضر ہو یا اس نے کسی چیز کو دیکھا ہو اس کی یقینی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں اور کبھی اس چیز کی خبر کو شہادت کہتے ہیں جس کا اس کو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

الشہادۃ اخبار صدق لاثبات حق بلفظ

کسی حق کو ثابت کرنے کے لیے "میں گواہی دیتا

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ۔
[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۱۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ
[3] امام ابو عبدالرحمان الخلیل بن احمد الفراہیدی متوفی ۱۷۵ھ، کتاب العین ج ۳ ص ۳۹۸، مطبوعہ دار الہجرۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ
[4] علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۲ ص ۵۱۴، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ
[5] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۲۶۷، مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ
[6] شرح المہذب ج ۲۰ ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت

الشہادۃ فی مجلس القضاء[1] یعنی شہادت کے الفاظ کے ساتھ مجلس قضاء میں سچی خبر دینا شہادت ہے۔

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ اشہد کا لفظ اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ قسم کو متضمن ہے گویا کہ گواہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ واقعہ اس طرح دیکھا ہے اور اب میں اس کی خبر دے رہا ہوں۔

شہادت کی اقسام

(الف) عینی شہادت: یعنی گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے، یہی شہادت فیصلہ کن ہوتی ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۵۹)

(ب) سمعی شہادت: یعنی گواہ کسی چیز کو سن کر اس کی شہادت دے، جن امور کا تعلق مسموعات سے ہے ان میں کی شہادت اتنی ہی معتبر ہوتی ہے جتنی کہ عینی شہادت ہے (ہدایہ اخیرین ص ۱۶۰)

(ج) شہادت علی الشہادت: اصل گواہ کسی شخص کو اپنی شہادت پر حاضر بنائے جب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۱۵۸)

قرآن مجید کی روشنی میں شہادت کا بیان

شہادت کے ساتھ دو حکم متعلق ہوتے ہیں ایک تحمل شہادت ہے اور دوسرا اداء الشہادت۔ تحمل شہادت کا مطلب ہے کسی واقعہ کا معائنہ کرے اس کو یاد کر کے منضبط کرنا[2] اور اداء الشہادت کا مطلب ہے اس شہادت کو قاضی کے سامنے ادا کرنا۔ تحمل شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتن ممن ترضون من الشهداء۔ (بقرہ ۲۸۲)
اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

واشهدوا اذا تبايعتم۔ (بقرہ ۲۸۲)
اور جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالو۔

واشهدوا ذوى عدل منكم۔ (طلاق ۲)
اور اپنوں میں سے دو عادل (نیک) شخصوں کو گواہ بنالو۔

اور اداء شہادت کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

واقيموا الشهادة لله۔ (طلاق ۲)
اور اللہ کی خاطر شہادت ادا کرو۔

ولا يأب الشهداء اذا ما دعوا۔ (بقرہ ۲۸۲)
اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔

ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه آثم قلبه۔ (بقرہ ۲۸۳)
اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپاتا ہے تو بیشک اس کا دل گنہگار ہے۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۴۴۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۵۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ

یایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا۔ (نساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو انصاف پر سختی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ اور اللہ کے لیے گواہ بن جاؤ، خواہ یہ گواہی (تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف ہو، (فریق معاملہ) خواہ امیر ہو یا غریب، اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے، (لہٰذا) تم خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے مانند رہو اور اگر تم گول مول بات کہو گے یا (شہادت سے) پہلو بچاؤ گے تو (یاد رکھو) اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

احادیث کی روشنی میں شہادت کا بیان

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل یشھد بشھادۃ فقال یا ابن عباس لا تشھد الا علی ما یضیء لک کضیاء الشمس واومأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ الی الشمس ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔[۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کے شہادت دینے کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا اے ابن عباس! صرف اس چیز پر گواہی دو جو تمہارے لیے سورج کی روشنی کی طرح روشن ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سورج کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی خطبتہ البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ۔[۲]

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: مدعی پر بینہ (گواہ) لازم ہیں اور مدعا علیہ پر قسم لازم ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ان الاشعث بن قیس خرج الینا فقال ما یحدثکم ابو عبد الرحمان فحدثناہ بما قال فقال صدق فی نزلت کان بینی وبین رجل خصومۃ فی شیء فاختصمنا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال شاھداک او یمینہ

حضرت اشعث بن قیس ہمارے پاس آئے اور کہا حضرت عبد اللہ بن مسعود نے تمہیں کیا حدیث بیان کی ہے؟ ہم نے انہیں حدیث بیان کی۔ انہوں نے کہا حضرت ابن مسعود نے سچ کہا یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے، میرے اور ایک شخص کے درمیان کسی چیز میں جھگڑا تھا ہم نے نبی کا

---

[۱] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۹۹-۹۸، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ۔

[۲] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۲۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

الحدیث ۔ ۱ اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: یا تم دو گواہ لاؤ ورنہ یہ قسم کھائے گا۔

شہادت کا حکم علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ تحمل شہادت اور ادار شہادت دونوں فرض کفایہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا "اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں" نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ (بقرہ ۲۸۳) "اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے تو بے شک اس کا دل گنہگار ہے" نیز اس لیے کہ شہادت ایک امانت ہے اور باقی امانتوں کی طرح اس کا ادا کرنا لازم ہے۔ ۲

علامہ ابو الحسن مرغینانی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں شہادت کا ادا کرنا فرض ہے۔ اور جب مدعی شاہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا (بقرہ ۲۸۲) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تکتموا الشھادۃ (الایۃ ۔ بقرۃ ۲۸۳) اور مدعی کا گواہ کو طلب کرنا اس لیے شرط ہے کہ یہ مدعی کا حق ہے سو باقی حقوق کی طرح یہ بھی طلب پر موقوف ہے۔ اور حدود میں شہادت دینے پر گواہ کو اختیار ہے کہ خواہ ستر کرے خواہ اظہار کرے کیونکہ دونوں چیزوں میں ثواب ہے پردہ پوشی میں بھی اور اقامت حدود میں بھی اور ستر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کاش تم اپنے کپڑے سے اس کا ستر کر لیتے (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۴۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرے گا (بخاری ج ۱ ص ۳۳۰) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے حدود ساقط کرنے کے بارے میں جو روایات منقول ہیں ان سے ستر کا افضل ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔ ۳

علامہ مرغینانی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً ستر افضل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد اس پر نادم ہو تو اس کی پردہ پوشی کرنا افضل ہے اور جو شخص علی الاعلان بدکاری کرتا ہو جس سے حدود الٰہیہ کا احترام مجروح ہوتا ہو تو پھر اس کے خلاف شہادت دینا افضل ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ تحمل شہادت میں مسلمان کے حق کا تحفظ ہے اور مسلمان کے حق کا تحفظ کرنا اولیٰ ہے اور تحمل شہادت سے انکار کرنا خلاف اولیٰ یا مکروہ تنزیہی ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں شہداء کا لفظ آیا ہے اس سے مراد ادا شہادت کرنے والا ہے کیونکہ شہادت تحمل کرنے والے کو شاہد مجازاً کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب شاہد کو مدعی بلائے تو شہادت ادا کرنا فرض ہے اور تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔ ۴

۱۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
۲۔ علامہ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۲۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
۳۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۵۴، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان
۴۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۲۲۷-۲۲۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

شہادت کی تعریف، رکن اور سبب وغیرہ کا بیان

مجلس قضاء میں کسی شخص کے حق کو ثابت کرنے کے لیے لفظ اشہد (میں گواہی دیتا ہوں) کے ساتھ سچی خبر بیان کرنا شہادت ہے۔ (فتح القدیر)

شہادت کا رکن لفظ اشہد ہے۔ یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ (تبیین الحقائق)

شہادت کو ادا کرنے کا سبب یہ ہے کہ مدعی گواہ سے شہادت طلب کرے یا مدعی از خود گواہی دے جبکہ گواہ کو یہ علم ہو کہ مدعی کو اپنے حق پر شہادت کا علم نہیں ہے اور اس کے گواہی نہ دینے کی صورت میں مدعی کے حق کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔ شہادت کا حکم یہ ہے کہ شہادت کے بعد قاضی پر واجب ہے کہ اس شہادت کے مطابق فیصلہ کرے۔ (عنایہ)

تحمل شہادت کی شرائط

شہادت کی شرائط دو قسم کی ہیں۔ تحمل شہادت (حصول شہادت) کی شرائط اور ادائیگی شہادت کی شرائط۔ تحمل شہادت کی شرائط یہ ہیں کہ جس وقت گواہ کسی واقعہ کو دیکھ رہا ہے اور گواہی کو حاصل کر رہا ہے تو وہ شخص مجنون نہ ہو، نا سمجھ بچہ نہ ہو اور یہ شخص بصیر ہو لہٰذا اندھے کا تحمل شہادت کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز مشہود بہ (جس چیز کی گواہی دی جا رہی ہے) کا وہ خود مشاہدہ کرے کسی اور کے مشاہدہ کا تحمل نہ کرے البتہ بعض اشیاء میں لوگوں سے سن کر تحمل شہادت کرنا بھی جائز ہے (بدائع الصنائع)۔ تحمل شہادت کے لیے بلوغ، حریت، اسلام اور عدالت (نیک چلنی) شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر تحمل شہادت کے وقت وہ سمجھدار بچہ ہو یا غلام ہو یا کافر ہو یا فاسق ہو پھر بچہ بالغ ہو جائے یا غلام آزاد ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے یا فاسق توبہ کر لے اور پھر وہ قاضی کے پاس شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی (البحر الرائق)۔

بلحاظ شاہد ادائیگی شہادت کی شرائط

شہادت ادا کرنے کے لیے شاہد میں عقل، بلوغ، حریت، بصر اور نطق (گویائی) کی شرط ہے، اور یہ کہ اس کو حد قذف نہ لگی ہو (یہ شرط احناف کے نزدیک ہے) اور یہ کہ وہ محض اللہ کے لیے شہادت دے اور اس شہادت سے اس کا مقصد نہ کسی نفع کو حاصل کرنا ہو اور نہ کسی ضرر کو دفع کرنا ہو اور یہ کہ اس مقدمہ میں وہ شخص خود فریق نہ ہو، اور یہ کہ ادائے شہادت کے وقت اس کو مشہود بہ کا علم ہو اور وہ اس کو یاد ہو۔ (یہ شرط امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔) (بدائع الصنائع)۔

عدالت کی تعریف

گواہوں کا عادل (نیک) ہونا قاضی پر وجوب قبول کے لیے شرط ہے نفس شہادت کے جواز کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ (البحر الرائق) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظاہر یہ شرط ہے اور عدالت حقیقیہ جو تزکیہ شہود اور تعدیل سے ثابت ہوتی ہے وہ امام اعظم کے نزدیک شرط نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عدالت حقیقیہ شرط ہے۔ (البدائع الصنائع)۔ اس زمانہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (کافی)۔ امام ابو یوسف سے جو عدالت کی تفسیر منقول ہے وہ یہ ہے کہ شہادت میں عدل یہ ہے کہ شاہد کبائر سے مجتنب ہو اور صغائر پر اصرار کرنے والا نہ ہو اور اس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں اور اس کی درست باتیں اس کی غلط باتوں سے زیادہ ہوں، یہ عدالت کی سب سے بہترین تعریف ہے (عنایہ)

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ معصیت کبیرہ وہ فعل ہے جس پر نص

کتاب سے حد واجب ہو، لیکن ہمارے فقہاء نے اس کو اختیار نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ گناہ کبیرہ میں تین امور معتبر ہیں۔ (الف) ہر وہ فعل جو مسلمانوں میں معیوب سمجھا جاتا ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی بے وقعتی ہو۔ (ب) ہر وہ فعل جو مروت اور حسن اخلاق کے خلاف ہو، بلکہ بد اخلاقی پر مشتمل ہو۔ (ج) گناہ پر اصرار کرے۔ علامہ ابن ہمام نے اس تعریف پر اعتراض کیا ہے کہ یہ تعریف غیر جامع ہے اور غیر مانع ہے۔[1]

علامہ بابرتی حنفی لکھتے ہیں اہل حجاز اور محدثین نے کہا ہے کہ گناہ کبیرہ وہ سات گناہ ہیں جن کا حدیث مشہور میں ذکر ہے وہ یہ ہیں: (۱) اللہ کے ساتھ شریک کرنا (۲) میدان جہاد سے بھاگنا۔ (۳) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۴) کسی انسان کو بے گناہ قتل کرنا۔ (۵) مسلمان پر بہتان باندھنا (یعنی) زنا کرنا۔ (۶) خمر (انگوری شراب) پینا۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ہر معصیت حرام لعینہ ہو وہ معصیت کبیرہ ہے۔[2]

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی لکھتے ہیں معصیت کبیرہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ وہ سات گناہ ہیں جن کا حدیث مشہور میں ذکر ہے یہ اہل حجاز اور محدثین کا قول ہے اور بعض علماء نے ان سات گناہوں میں سود خوری اور یتیم کا مال ناحق کھانے کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ جو معصیت حرام لعینہ ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور [illegible] قول یہ ہے جو شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے کہ جو کام مسلمانوں میں معیوب ہو اور جس میں دین کی تخفیف اور بے وقعتی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اسی طرح گناہ پر مدد کرنا اور گناہ پر ابھارنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔[3]

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے گناہ کبیرہ کی تفسیر میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں ان سات امور کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اور شمس الائمہ حلوانی کا قول ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ لکھا ہے کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے فتاویٰ صغریٰ میں بیان کیا ہے کہ جو گناہ حرام محض ہو وہ گناہ کبیرہ ہے خواہ اس کو شریعت میں فاحشہ کہا جائے جیسے لواطت یا دنیا میں اس کی کوئی سزا مقرر ہو جیسے چوری، زنا اور قتل ناحق یا اس گناہ پر آخرت میں عذاب کی وعید ہو جیسے ناحق مال یتیم کھانا اور بعض نے کہا ہے کہ جس گناہ پر حد ہو وہ گناہ کبیرہ ہے بعض نے کہا جو گناہ حرام لعینہ ہو وہ گناہ کبیرہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ جس گناہ پر بندہ اصرار کرے وہ گناہ کبیرہ ہے اور جس گناہ پر استغفار کرے وہ گناہ صغیرہ ہے اور زیادہ بہتر وہ تعریف ہے جو متکلمین نے ذکر کی ہے کہ ہر گناہ اپنے مافوق کے اعتبار سے صغیرہ ہے اور ماتحت کے اعتبار سے کبیرہ ہے۔[4]

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں، گناہ صغیرہ اور کبیرہ دو قسم کے ہیں، استاذ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ گناہ کبیرہ کی چار تعریفیں ہیں۔

(۱)۔ جس معصیت سے حد واجب ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔
(۲)۔ جس معصیت پر کتاب اور سنت میں وعید شدید ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۲۴۳، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔
[2] علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔
[3] علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی، کفایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ۲۸۵-۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[4] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد حنفی عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح ہدایہ جلد ثالث ص ۲۴۳، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

(۳) امام نے "ارشاد" میں لکھا ہے کہ جس گناہ کو لاپرواہی کے ساتھ کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔
(۴) جس کام کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہو یا جس کام کی جنس میں قتل وغیرہ کی سزا ہو یا جو کام علی الفور فرض ہو اس کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نووی نے دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے، پھر علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ کی منضبط تعریفات ہیں، بعض علماء نے گناہ کبیرہ کو تفصیلاً شمار بھی کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے: قتل، زنا، لواطت، شراب پینا، چوری، تہمت زنا لگانا، جھوٹی گواہی دینا، مال غصب کرنا، میدان جہاد سے بھاگنا، سود کھانا، مال یتیم کھانا، والدین کی نافرمانی کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنا، بلا عذر شہادت کو چھپانا، رمضان میں بلا عذر روزہ نہ رکھنا، جھوٹی قسم کھانا، قطع رحم کرنا، ناپ اور تول میں خیانت کرنا، نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا، بلا عذر نماز قضا کرنا، مسلمان کو ناحق مارنا، صحابہ کرام کو سب وشتم کرنا، رشوت لینا، دیوثی (زانیہ عورتوں کے لیے لوگ لانا)، حاکم کے پاس چغلی کھانا، زکوٰۃ نہ دینا، نیکی کا حکم نہ دینا، باوجود قدرت کے برائی سے نہ روکنا، قرآن مجید بھلانا، حیوان کو جلانا، عورت کا بلا سبب خاوند کے پاس نہ جانا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا، علماء کی توہین کرنا، ظہار، بلا عذر خنزیر یا مردار کا گوشت کھانا، جادو کرنا، حالت حیض میں وطی کرنا، اور چغلی کھانا، یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔

علامہ نووی نے گناہ صغیرہ کی تفصیل میں ان گناہوں کو لکھا ہے: اجنبی عورت کو دیکھنا، غیبت کرنا، ایسا جھوٹ جس میں حد ہے نہ ضرر، لوگوں کے گھروں میں جھانکنا، تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنا، بے ہودہ جھگڑنا اگرچہ حق پر ہو، غیبت پر سکوت کرنا، مردہ پر بین کرنا، مصیبت میں گریبان چاک کرنا اور چلانا، اترا اترا کر چلنا، فاسقوں سے دوستی رکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا، اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا، مسجد میں خرید وفروخت کرنا، بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا، جس شخص کو لوگ کسی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں اس کا امام بننا، نماز میں عبث کام کرنا، جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنا، قبلہ رخ بول وبراز کرنا، عام راستہ پر بول وبراز کرنا، جس شخص کو غلبہ شہوت کا خطرہ ہو اس کا روزہ میں بوسہ لینا، صوم وصال رکھنا، استمناء، بغیر جماع کے اجنبیہ سے مباشرت کرنا، (مثلاً بوس وکنار اور قبل گیری وغیرہ)، بغیر کفارہ کے مظاہر کا اپنی عورت سے جماع کرنا، اجنبی عورت سے خلوت کرنا، عورت کا بغیر محرم اور خاوند کے سفر کرنا یا غیر ثقہ عورتوں کے سفر کرنا (یہ مذہب شافعی کے ساتھ خاص ہے) نجش، احتکار، مسلمان کی بیع پر بیع کرنا، اسی طرح مسلمان کی قیمت پر قیمت لگانا اور منگنی پر منگنی کرنا، شہری کا دیہاتی سے بیع کرنا، دیہاتی قافلے سے بیع کے لیے ملاقات کرنا، تصریہ (بیچنے کے لیے تھنوں میں دودھ روک لینا)، بغیر عیب بیان کیے ہوئے عیب دار چیز فروخت کرنا، بلا ضرورت کتا رکھنا، مسلمان کا کافر کو قرآن مجید اور دینی کتابوں کو فروخت کرنا، بلا ضرورت نجاست کو بدن پر لگانا اور بلا ضرورت خلوت میں اپنی شرمگاہ کھولنا۔

عدالت (نیک چلنی) میں صغائر سے بالکلیہ اجتناب کرنا شرط نہیں ہے لیکن صغیرہ پر اصرار بھی نہ ہو کیونکہ بار بار صغیرہ کا ارتکاب کرنا صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔[1]

[1] علامہ یحیٰی بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۱ ص ۲۲۵-۲۲۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی لکھتے ہیں: گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد ہو یا اس پر وعید ہو، یا اس پر غضب ہو یا لعنت ہو، یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی کی گئی ہو، جس طرح حدیث میں ہے: من غش فلیس منا۔ جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے، کیونکہ یہ وہ کلام ہے جو ہمارے احکام میں سے نہیں ہے یا ہمارے اخلاق میں سے نہیں ہے یا ہماری ملت میں سے نہیں ہے اور فصول، فنیہ اور مستوعب میں ہے کہ غیبت اور چغلی صغائر میں سے ہے اور قاضی نے معتمد میں کہا ہے کہ کبیرہ وہ ہے جس کا عقاب زیادہ ہو اور صغیرہ وہ ہے جس کا عقاب کم ہو۔ ابن حامد نے کہا ہے کہ صغائر خواہ کسی نوع کے ہوں وہ تکرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور ہمارے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ تکرار سے صغیرہ کبیرہ نہیں ہوتا، جیسا کہ جو امور غیر کفر ہوں وہ تکرار سے کفر نہیں ہوتے۔[1]

علامہ بھوتی حنبلی لکھتے ہیں: گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر دنیا میں حد ہو اور آخرت میں وعید ہو، جیسا کہ سود کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور شیخ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جس فعل پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی ہو۔ جھوٹ بولنا گناہ صغیرہ ہے بشرطیکہ اس پر دوام اور استمرار نہ ہو، البتہ جھوٹی گواہی دینا، نبی پر جھوٹ باندھنا یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے اور صلح کرانے کے لیے، بیوی کو راضی کرنے کے لیے اور جنگی چال کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ ہر وہ نیک مقصد جس کو جھوٹ کے بغیر حاصل نہ کیا جاسکتا ہو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ غیبت میں اختلاف ہے، علامہ قرطبی نے اس کو کبائر میں سے شمار کیا ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے، صاحب الفصول، صاحب الغنیہ اور صاحب المستوعب کی یہی تحقیق ہے۔ امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان شخص کی عزت پر ناحق ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اور پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا گناہ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق بلا علم کچھ کہنا گناہ کبیرہ ہے، ضرورت کے وقت علم چھپانا گناہ کبیرہ ہے، فخر اور غرور کے لیے علم حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے، جاندار کی تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے، کاہن اور نجومی کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا گناہ کبیرہ ہے، بغیر عذر کے جمعہ ترک کرنا، بدعت کی دعوت دینا، خیانت کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا، سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا، وصیت میں زیادتی کرنا، خمر بیچنا، سودی معاملہ لکھنا اور سود پر گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے، دو چہرے والا ہونا یعنی بظاہر دوستی رکھنا اور بباطن دشمنی رکھنا گناہ کبیرہ ہے، مرد کو کسی اور نسب کی طرف منسوب کرنا، جانور سے بدفعلی کرنا، بلا عذر جماعت ترک کرنا، نشہ آور مشروبات استعمال کرنا، نیکی کر کے احسان جتلانا، لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کی باتیں کان لگا کر سننا، کسی پر بلا استحقاق لعنت کرنا، غیر اللہ کی قسم کھانا یہ تمام امور گناہ کبیرہ ہیں، اور جو مسائل اجتہادیہ ہیں ان کو کسی مجتہد کی اتباع میں کرنا معصیت نہیں ہے مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جائز نہیں۔ علامہ بھوتی حنبلی کے ذکر کردہ کبیرہ گناہوں میں سے ہم نے ان گناہوں کو حذف کر دیا ہے کہ اس سے پہلے ہم علامہ نووی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔[2]

---

[1] علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبداللہ محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع ج ۶ ص ۵۶۵-۵۶۴ مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۸۸ھ

[2] علامہ منصور بن یونس بن ادریس بھوتی حنبلی ۱۰۴۶ھ، کشاف القناع ج ۶ ص ۴۲۲-۴۲۱ مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تحقیق میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ مت سوچو کہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ یہ غور کرو کہ کس ذات کی نافرمانی کر رہے ہو اور اس اعتبار سے تمام گناہ، گناہ کبیرہ ہیں، قاضی ابوبکر بن طیب، استاذ ابو اسحٰق اسفرائنی ابو المعالی، ابو نصر عبد الرحیم قشیری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ انھوں نے کہا کہ گناہوں کو اضافی طور پر صغیرہ اور کبیرہ کہا جاتا ہے مثلاً زنا کفر کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور بوسہ دکنار زنا کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور کسی گناہ سے اجتناب کی وجہ سے دوسرے گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ تمام گناہوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء۔ "اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشے گا اور شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا" اور یہ جو قرآن مجید میں ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیأٰتکم (نساء: ۳۱) اس آیت میں کبائر سے مراد انواع کفر ہیں، یعنی اگر تمام انواع کفر سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا، نیز صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مارا، اللہ تعالیٰ اس آدمی پر دوزخ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہر چند کہ (اس شخص کا حق) معمولی سی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: ہر چند کہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو! پس معمولی معصیت پر بھی ایسی شدید وعید ہے جیسی کہ بڑی معصیت پر وعید ہے۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ جن چیزوں سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کے ذکر پر ختم کیا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سورۂ نساء کی تینتیس (۳۳) آیتوں میں جن چیزوں سے منع کیا ہے اور پھر فرمایا ہے "ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ" وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر سات (۷) ہیں فرمایا یہ ستر کے قریب ہیں اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا کبائر سات ہیں فرمایا یہ سات سو کے قریب ہیں البتہ استغفار کے بعد کوئی کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے) گناہ کبیرہ کی تعداد اور ان کے حصر میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ ان میں آثار مختلف ہیں، میں یہ کہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ کے متعلق صحیح اور حسن بکثرت احادیث ہیں اور ان سے حصر مقصود نہیں ہے، البتہ بعض گناہ بعض دوسرے گناہ سے زیادہ بڑے ہیں اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تکذیب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ورحمتی وسعت کل شیء "میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہ لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکٰفرون۔ "میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا" اس کے بعد تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر تکیہ کر کے بے خوفی سے گناہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے افامنوا مکر اللہ فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخٰسرون (اعراف: ۹۹) "کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہ ہونے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں" اس کے بعد چوتھے درجہ پر قتل ہے

بڑا گناہ ہے اور اس کے بعد لواطت ہے، پھر زنا ہے، پھر شراب نوشی ہے پھر نماز اور اذان کا ترک کرنا ہے پھر جھوٹی گواہی دینا ہے۔ اور ہر وہ گناہ جس پر عذاب شدید کی وعید ہے یا اس کا ضرر عظیم ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے۔[1]

میں نے گناہ کبیرہ کے متعلق ان تمام اقوال اور تعریفات پر غور کیا میرے نزدیک جامع مانع اور منضبط تعریف یہ ہے جس گناہ کی دنیا میں کوئی سزا ہو یا اس پر آخرت میں وعید شدید ہو یا اس گناہ پر لعنت یا غضب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان اور واضح تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے۔[2] نیز کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر بے خوفی سے کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ علامہ نووی شافعی اور علامہ بحر آلوسی حنبلی نے جو گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی مثالیں دی ہیں ان پر یہ تعریفیں صادق آتی ہیں اس لیے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو سمجھنے کے لیے ان تعریفات کی روشنی میں ان مثالوں کو ایک بار پھر پڑھ لیا جائے۔ اس بحث میں یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ فرض کے ترک کا عذاب واجب کے ترک کے عذاب سے اور حرام کے ارتکاب کا عذاب مکروہ تحریمی کے عذاب سے شدید ہوتا ہے اور اصولیین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرض اور واجب کے ترک کا عذاب ایک جیسا ہوتا ہے اور ان میں صرف شہرت کے لحاظ سے فرق ہے۔

اصرار سے گناہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی وجہ

علامہ شامی اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔[3]

ایک علمی مجلس میں مجھ سے ایک فاضل دوست[4] نے سوال کیا کہ صغیرہ پر اصرار کرنا دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس لیے یہ اسی درجہ کی معصیت ہونی چاہیے اور جب یہ پہلے صغیرہ تھا تو دوبارہ اس کو کرنے سے یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو گیا؟ میں نے اس کے جواب میں کہا: اگر گناہ صغیرہ کرنے کے بعد انسان نادم ہو اور اس پر استغفار کرے اور پھر دوبارہ شامت نفس سے وہ صغیرہ گناہ کرے تو یہ اصرار نہیں ہے تکرار ہے اور اگر گناہ صغیرہ کرنے کے بعد نادم اور تائب نہ ہو اور بلا جھجک اس گناہ کا اعادہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے اور یہ کبیرہ اس وجہ سے ہو گیا کہ اس نے اس گناہ کو معمولی سمجھا اور اس میں احکام شرعیہ کی تخفیف اور بے وقعتی ہے اور شریعت کی تخفیف اور بے وقعتی گناہ کبیرہ ہے، بلکہ شریعت کی توہین کفر ہے۔ فرض اور واجب تو بڑی بات ہے جو فعل مستحسن ہو اس کی تخفیف اور بے وقعتی بھی گناہ کبیرہ ہے اور اس کی توہین کرنا کفر ہے۔ العیاذ باللہ!

اس کے بعد اس بحث کو لکھتے وقت جب میں نے اس سوال پر غور کیا تو مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ قرآن اور حدیث میں معصیت پر اصرار کرنے کو کبیرہ قرار دیا ہے خواہ وہ کسی درجہ کی معصیت ہو معصیت پر نفس اصرار گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر

اور جب وہ لوگ بے حیائی کا کام یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۶۱۔ ۱۵۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[2] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۵ مطبوعہ مطبع عثمانیہ ۱۳۲۶ھ

[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۴ ص ۵۲۲ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[4] سید حسین الدین شاہ صاحب اسلام آباد۔ منہ

الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون اولئک جزاؤھم مغفرۃ من ربھم وجنت تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا ونعم اجر العاملین۔

(آل عمران: ۱۳۶۔۱۳۵)

کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ لوگ جان بوجھ کر اپنے کیے (بُرے کاموں) پر اصرار نہ کریں۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور (نیک) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے!

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اخروی انعامات کو عدم اصرار معصیت پر مرتب فرمایا ہے اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ معصیت پر اصرار کرنا اخروی عذاب کو مستلزم ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ صریح یہ آیت ہے:

عفا اللہ عما سلف ومن عاد فینتقم اللہ منہ واللہ عزیز ذوانتقام۔

(مائدہ ۵: ۹۵)

جو ہو چکا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ بڑا غالب ہے بدلہ لینے والا۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اصرار پر وعید فرمائی ہے اور وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے۔ امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للمصرین الذین علی ما فعلوا وھم یعلمون [1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کے لیے عذاب ہو جو اپنے کیے ہوئے (گناہ) پر جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اصر من استغفر وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ۔ [2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے (گناہ پر) استغفار کر لیا تو یہ اس کا اصرار نہیں ہے خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ گناہ کے بعد استغفار کر لیا جائے تو یہ تکرار ہے اور گناہ کے بعد پھر گناہ کرے اور توبہ نہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا

لا کبیرۃ مع استغفار ولا صغیرۃ مع

استغفار کے ساتھ گناہ کبیرہ نہیں رہتا، اور اصرار

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۵، ۲۱۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

اصرار۔ ؎ — کے ساتھ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے)۔

اصرار کے ساتھ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اس پر یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے، علامہ آلوسی امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابن عباس موقوفا كل ذنب اصر عليه العبد كبيرة وليس بكبيرة ما تاب عنه العبد۔ ؎

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ جس گناہ پر بندہ اصرار کرے (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرے) وہ گناہ کبیرہ ہے اور جب بندہ کسی گناہ پر توبہ کرے تو وہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔

قرآن مجید کی آیات، احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ گناہ پر اصرار کرنا (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا) اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے خواہ وہ گناہ کسی درجہ کا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص اس گناہ کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا ہے اور اس کا یہ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کو اہمیت نہیں دیتا اور ان احکام کی پرواہ نہیں کرتا اور شریعت کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا اور اس سے لاپرواہی برتنا یہی گناہ کبیرہ ہے۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تفصیل اور تحقیق میں کلام طویل ہو گیا، اب ہم پھر اصل بحث یعنی شہادت کی شرائط کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

نفسِ شہادت کے اعتبار سے شرائط

(الف) مدعی یا اس کے نائب کی جانب سے شہادت دی جائے۔
(ب) شہادت دعویٰ کے موافق ہو۔
(ج) شاہدین متفق ہوں۔
(د) شاہدوں کا عدد نصاب کے مطابق ہو۔
(ہ) حدود میں گواہی دینے والے مرد اور مسلمان ہوں۔
(و) جب مدعیٰ علیہ مسلمان ہو تو گواہ بھی مسلمان ہوں۔ (البحر الرائق)
(ز) مشہود بہ معلوم ہو، کسی مجہول چیز کی شہادت دینا جائز نہیں ہے، نہ مجہول شخص کے حق میں شہادت جائز ہے۔

نصابِ شہادت کی اقسام

(۱) زنا پر شہادت: اس میں چار مردوں کی شہادت معتبر ہے۔
(۲) بقایا حدود اور قصاص میں شہادت: اس میں دو مردوں کی شہادت معتبر ہے اور اس میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے۔ (ہدایہ)
(۳) ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب سے متعلق امور پر شہادت، جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوتے: اس میں ایک مسلمان، آزاد، عادل عورت کی شہادت بھی قبول کی جاتی ہے اور اگر دو عورتیں ہوں تو بہتر

؎ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۵۹ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ
؎ علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی ج ۵ ص ۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ہے۔ (فتح القدیر) ان امور میں اگر کوئی مرد گواہی دے اور کہے کہ اچانک میری نظر پڑ گئی تھی تو اس کی شہادت قبول کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ عادل ہو۔ (مبسوط) یہ امر ایک مرد کی شہادت سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ (نہایہ)۔

(۴) بغیر حدود اور قصاص کے وہ امور جن پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں: اس میں دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت شرط ہے۔ عام ازیں کہ حق مال ہو یا غیر مال ہو جیسا کہ نکاح، طلاق، وکالت، وصیت وغیرہ جو مال نہیں ہیں۔ (تبیین الحقائق) اور وہ امور جن پر کامل سزا مرتب ہوتی ہے یعنی احصان، سو ہمارے نزدیک احصان بھی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے۔ [1]

جانب داری کی تہمت کی بناء پر جن کی شہادت قبول نہیں کی جاتی

والدین کی شہادت اپنی اولاد یا اولاد در اولاد کے حق میں قبول نہیں ہوتی، شوہر کی بیوی کے حق میں اور بیوی کی شوہر کے حق میں شہادت قبول نہیں ہوتی (ہدایہ) مالک کی شہادت اپنے غلام کے حق میں قبول نہیں ہوتی خواہ غلام کامل ہو یا ناقص، جو شخص کسی کا ملازم ہو خواہ اس کا مشاہرہ یومیہ ہو، ماہانہ ہو یا سالانہ اس کی مالک کے حق میں شہادت استحساناً قبول نہیں کی جائے گی، مالک کی نوکر کے لیے کام کے بارے میں شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کسی خاص شاگرد کی اپنے استاد کے حق میں شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ [2]

قرائن کی شہادت

واقعاتی شہادت یا قرائن کی شہادت کی اس زمانے میں بہت اہمیت ہے۔ اسلام میں بھی قرائن کی شہادت کو ایک گونہ اہمیت دی گئی ہے۔ اگر کوئی اور شہادت دستیاب نہ ہو تو قرائن کی شہادت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور محض قرائن اور واقعاتی شہادات دیگر شہادات کے لیے تائید اور تقویت کا باعث بنتی ہیں، واقعات اور قرائن کی شہادت کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

وشهد شاهد من اهلها ان كان قميصه قد من قبل فصدقت وهو من الكاذبين ۝ وان كان قميصه قد من دبر فكذبت وهو من الصادقين ۝ فلما را قميصه قد من دبر قال انه من كيدكن ان كيدكن عظيم۔

(یوسف: ۲۸-۲۶)

اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے یہ گواہی دی کہ اگر ان کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ (حضرت یوسف) غلط کہنے والوں میں سے ہیں، اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو اس عورت نے جھوٹ بولا ہے اور وہ سچوں میں سے ہیں، پھر جب اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو کہنے لگا تمہارے شک یہ تم عورتوں کی گہری چال ہے۔ یقیناً تم عورتوں کی فریب کاری بہت بڑی ہے۔

چونکہ قرآن اور سنت میں اس واقعاتی شہادت کا رد نہیں کیا گیا اس لیے ہماری شریعت میں بھی اس کا حجت ہونا برقرار رہے گا

---

[1] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۴۵۱-۴۵۰، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

[2] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۴۷۰، ملخصاً، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

قرائن اور واقعاتی شہادتوں سے شراب نوشی کا ثبوت

اسلام میں قرائن اور واقعاتی شہادتوں کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں، اگر کسی شخص کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو، ہر چند کہ خواہ اس کے خلاف دو مسلمان مرد گواہی نہ دیں تب بھی محض شراب کی بو کی وجہ سے اس کا شراب پینا ثابت ہو جائے گا اور اس کو سزا دی جائے گی، اسی طرح اگر اس کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا گیا تب بھی اس کا شراب پینا ثابت ہو جائے گا اور اس کو شراب کی سزا دی جائے گی۔ صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے ان واقعاتی شہادات کی بناء پر شراب کی حد جاری کی ہے۔ فقہاء میں سے امام احمد کے نزدیک شراب کی بو کے ثبوت پر حد لازم ہوگی (امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں) امام مالک کے نزدیک اگر دو گواہوں سے شراب کی بو ثابت ہو گئی تو اس پر شراب نوشی کی حد ہوگی، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک شراب کی بو کی بناء پر حد تو نہیں ہے لیکن وہ اس پر تعزیر لازم کرتے ہیں۔ پہلے ہم اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے آثار صحابہ پیش کریں گے اور پھر اقوال فقہاء بیان کریں گے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن السائب بن يزيد ان عمر كان يضرب في الريح۔ [1]

سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شراب کی بو پر مارتے تھے۔

عن مالك بن عمير الحنفي قال اتى عمر بابن مظعون قد شرب خمرا، فقال من شهودك؟ قال فلان وفلان وغياث بن سلمة وكان يسمى غياث الشيخ الصدوق فقال رأيته يقيئها ولم اره يشربها فجلده عمر الحد۔ [2]

مالک بن عمیر حنفی بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ابن مظعون کو اس الزام میں لایا گیا کہ اس نے شراب پی ہے، حضرت عمر نے پوچھا تمہارے گواہ کون ہیں، اس نے کہا فلاں، فلاں اور غیاث بن سلمہ، غیاث کو سچا کہا جاتا تھا، اس نے کہا میں نے اس کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت عمر نے اس پر شراب کی حد جاری کر دی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی قرائن کی شہادت کے قائل تھے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے،

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

عن علقمة قال اتى عبد الله الشام فقال له ناس من اهل حمص اقرا علينا فقرأ عليهم سورة يوسف فقال رجل من القوم والله ما هكذا انزلت فقال عبد الله ويحك والله لقد قرأتها على رسول الله صلى الله عليه وسلم هكذا فقال احسنت فبينا هو يراجعه

علقمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علاقہ شام گئے، آپ سے حمص والوں نے کہا ہمیں قرآن مجید سنائیں، آپ نے ان پر سورۂ یوسف تلاوت کی ان لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ بخدا یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی ہے! حضرت ابن مسعود نے کہا تجھ پر افسوس ہے! بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قدر

[2] - حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۳۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ ھ

[1] - حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۳۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ ھ

اذ وجد منه ريح الخمر فقال اتشرب الرجس وتكذب بالقرآن والله لا تزاولني حتى اجلدك فجلده الحد۔ ¹

کہ اسی طرح پڑھا جاتا تو آپ نے فرمایا تم نے اچھی قرأت کی، جس وقت یہ بحث ہو رہی تھی اچانک اس کے منہ سے خمر (شراب) کی بو آئی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا تم ناپاک شراب پیتے ہو اور قرآن کی تکذیب کرتے ہو! بخدا! میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم پر حد نہ لگا دوں، پھر حضرت ابن مسعود نے اس پر حد لگا دی۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ²

اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شراب کی بو کی بناء پر حد جاری کر دیتے تھے۔ اور یہ واقعاتی شہادت کا اعتبار کرنے پر واضح دلیل ہے۔

آثار صحابہ پیش کرنے کے بعد اب ہم اس مسئلہ پر اقوال فقہاء کا ذکر کریں گے۔ امام احمد کے ایک قول کے مطابق شراب کی بو کے ثبوت سے حد لازم ہو جاتی ہے، امام مالک کے نزدیک اگر دو گواہوں سے شراب کی بو ثابت ہو جائے تو حد ہو گی اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک محض بو کے ثبوت سے حد لازم نہیں ہو گی۔ اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ واقعاتی شہادت کی بناء پر شراب کی حد لگائی جا سکتی ہے۔

ہر چند کہ فقہاء احناف کے نزدیک محض شراب کی بو پائی جانے سے یا کسی کو شراب کی قے کرتے دیکھنے سے اس پر حد لازم نہیں ہوتی جب تک کہ وہ شراب پینے کا اقرار نہ کرے یا دو گواہ اس کے شراب پینے کی گواہی نہ دیں لیکن فقہاء احناف کے نزدیک بھی ایسے شخص کو تعزیری سزا دی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ:

لاحتمال انه شربها مكرها او مضطرا فلا يجب الحد بالشك واشار الى انه لو وجد سكران لا يحد من غير اقرار ولا بينة لاحتمال ما ذكرنا او انه سكر من المباح بحر لكنه يعزر بمجرد الريح او السكر كما في القهستاني۔ ³

کیونکہ یہ احتمال ہے کہ اس کو جبراً شراب پلائی گئی ہو یا اس نے مجبوراً شراب پی ہو لہٰذا اس شک کی بناء پر حد واجب نہیں ہو گی مصنف نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص نشہ میں پایا گیا اور اس کے شراب پینے پر گواہی قائم ہوئی اور نہ اس نے اقرار کیا تو اس احتمال کی وجہ سے اس پر حد نہیں ہو گی اور البحر الرائق میں ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو کسی مباح چیز کے پینے سے نشہ ہو گیا ہو، لیکن قہستانی میں ہے کہ شراب کی بو پائی جانے سے یا نشہ میں پائے جانے سے اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔

---

¹ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۴۲۵-۴۲۴-۳۸۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

² حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۳۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

³ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۱۶۴ مطبوعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

علامہ ابن رشد مالکی نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک صرف شراب کی بو کے ثبوت سے حد لازم نہیں ہے لیکن امام مالک کے نزدیک اس پر حد ہے بشرطیکہ دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ اس شخص کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے۔[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، ایک قول امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی طرح ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر شراب کی بو آ رہی ہو یا اس کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اس پر حد ہے۔ کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ علقمہ الخصی نے قدامہ کے خلاف حضرت عمر کے سامنے شہادت دی کہ انہوں نے اس کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے، حضرت عمر نے فرمایا جس شخص نے شراب کی قے کی اس نے شراب کو پیا اور اس پر شراب کی حد لگا دی۔ اسی طرح حضرت عثمان کے سامنے ولید بن عقبہ کے خلاف ایک شخص نے شراب پینے کی گواہی دی اور دوسرے نے شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھنے کی گواہی دی، حضرت عثمان نے فرمایا جب تک شراب پیے گا نہیں اس کی قے کیسے کرے گا اور حضرت علی سے کہا اس پر حد لگائیں، حضرت علی نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے حد لگانے کے لیے کہا اور انہوں نے حد لگا دی۔ (صحیح مسلم)[2]

مذکور الصدر حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود واقعاتی شہادت کی بناء پر حد لگا دیتے تھے، امام مالک کا یہی مسلک ہے اور امام احمد کا ایک قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر تعزیر ہے۔

واقعاتی شہادات اور قرائن خارجیہ سے زنا کا ثبوت

زنا کا ثبوت جس طرح گواہی اور اقرار سے ہوتا ہے اسی طرح قرائن سے بھی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے

ان قرائن میں سب سے واضح قرینہ عورت کا بغیر نکاح کے حاملہ ہونا ہے۔ احادیث میں حمل کو بھی زنا کے ثبوت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ امام مالک روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عباس قال سمعت عمر بن الخطاب يقول الرجم في كتاب الله حق على من زنى من الرجال والنساء اذا احصن اذا قامت البينة او كان الحبل او الاعتراف۔[3]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مردوں اور عورتوں میں سے جو شادی شدہ شخص بھی زنا کرے اس کے لیے قرآن مجید میں رجم کا حکم ہے، بشرطیکہ گواہوں سے زنا ثابت ہو یا (بغیر نکاح کے) حمل ہو یا وہ اعتراف کر لیں۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

---

[1] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۱۳۹-۱۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۷۰۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

[4] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر عورت کو بغیر نکاح کے حمل ہو جائے تو یہ اس کے زنا کی واقفاتی شہادت ہے سو اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو رجم کر دیا جائے گا اور اگر کنواری ہے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے۔

علامہ نووی شافعی اس مسئلہ میں بیان مذاہب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عمر، امام مالک اور ان کے تابعین کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی عورت حاملہ ہو جائے اور اس کا شوہر یا مالک نہ ہو اور یہ ثابت ہو کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا تھا تو اس پر حد لازم ہو جائے گی الا یہ کہ وہ مسافرہ ہو یا وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس کا کوئی شوہر یا مالک ہے، فقہاء مالکیہ نے کہا ہے اگر اس نے زنا بالجبر کے خلاف استغاثہ نہیں کیا تھا تو ظہور حمل کے بعد جبر کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ فقط ظہور حمل سے حد لازم نہیں آتی خواہ اس کا شوہر یا مالک ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ مسافرہ ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ جبر کا دعویٰ کرے یا نہ کرے یا خاموش رہے حد صرف اقرار یا گواہوں سے لازم آتی ہے۔ [1]

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ اگر ظہور حمل سے پہلے ایسی علامات پائی جائیں جو عورت کے ساتھ زنا بالجبر پر دلالت کرتی ہوں مثلاً وہ چیخی چلائی ہو یا خون آلودہ ہو یا روتی اور چیختی ہوئی آئی ہو اور پھر ظہور حمل کے بعد وہ زنا بالجبر کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا ورنہ اس کا دعویٰ جبر غیر مسموع ہوگا اور اس پر حد لازم ہو گی۔ [2]

امام مالک نے روایت کیا ہے کہ ایک شادی شدہ عورت کے ہاں چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو گیا، حضرت عثمان نے اس کو رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ بعد میں حضرت علی نے کہا قرآن مجید میں ہے وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا (الاحقاف: ١٥) "عورت کا حمل اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے" اور اس سے اللہ نے اس پر استدلال کیا کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے، کیونکہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ حضرت عثمان نے اس سے اتفاق کر کے اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کر لیا، مگر اس عورت کو رجم کیا جا چکا تھا۔ [3]

ہر چند کہ حضرت عثمان نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا لیکن اس سے یہ بہر حال ثابت ہو گیا کہ ان کے نزدیک صرف ظہور حمل بھی رجم کا موجب ہے۔ اور واقفاتی شہادت کی بناء پر رجم کیا جا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک واقفاتی شہادت اور قرائن حدود وغیرہ میں معتبر ہیں۔

میڈیکل رپورٹ کی بناء پر زنا کا ثبوت

اگر ایک اجنبی مرد اور عورت ایک کمرے سے پکڑے جائیں اور ان کے کپڑے منی سے آلودہ ہوں اور پکڑے جاتے وقت ان کے چہروں پر گھبراہٹ اور خجالت کے آثار ہوں اور میڈیکل ٹیسٹ کے ذریعہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ منی انہی دونوں کی ہے تو کیا اس واقفاتی شہادت سے ان پر حد لازم ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں ہر چند کہ ثبوت زنا پر قوی قرینہ موجود ہے لیکن ان پر حد نہیں جاری کی جائے گی بلکہ ان کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ، شرح مسلم ج ٢ ص ٦٦، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ١٣٧٥ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ وشتانی ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ، اکمال اکمال المعلم ج ٣ ص ٢٢٩، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ١٧٩ھ، موطا امام مالک ص ٦٩٩، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور۔

کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حدِ قذف لگے گی؟

ایک دہشت زدہ کنواری لڑکی جس کا لباس تار تار اور خون آلود ہے روتی اور آنسو بہاتی ہوئی پولیس کے پاس پہنچتی ہے اور کہتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ اس شخص کو فوراً موقع واردات پر گرفتار کر لیا جاتا ہے اور میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس لڑکی سے دخول کیا گیا ہے اور اس شخص کی منی اس لڑکی کے اندام نہانی میں موجود ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اس قرینہ کی وجہ سے اس شخص پر زنا کی حد لازم ہو گی یا بغیر چار مرد گواہوں کے اس شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنے کی وجہ سے اس لڑکی پر حدِ قذف لگائی جائے گی؟ اس کا حل یہ ہے کہ ثبوت زنا کے لیے یقیناً یہ قوی قرینہ ہے لیکن اس شخص پر حد لگانے کے بجائے اس کو تعزیراً سزا دی جائے جیسا کہ فقہاء شراب کی بو کی بناء پر شراب کی حد تو نہیں جاری کرتے لیکن تعزیراً سزا دیتے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ بغیر چار مرد گواہوں کے کسی شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف ہے اور اس کو تہمت لگانا ہے اس لیے اس لڑکی پر حدِ قذف لگنی چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قذف اس وقت ہوگا جب کوئی شخص کسی کو متہم اور بدنام کرنے کی حیثیت سے اور مسلمانوں میں ایک غلط بات کو پھیلانے کی غرض سے اس پر زنا کی تہمت لگائے، اس کے علاوہ اگر کسی غرض صحیح کی وجہ سے کوئی شخص کسی کی طرف زنا کی نسبت کرے تو یہ قذف نہیں ہے مثلاً ایک شخص حاکم کے سامنے اعتراف جرم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس لیے مجھ پر حد جاری کی جائے۔ اب اس کے اعتراف سے اس پر تو زنا کی حد لازم ہو جائے گی لیکن اس کے اعتراف سے اس عورت پر اس وقت تک حد لازم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ عورت خود اعتراف نہ کرے اور اس شخص نے جو اعتراف جرم کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس عورت کی طرف زنا کی نسبت کی ہے یہ قذف نہیں ہے اور ان کلمات سے اس شخص پر حدِ قذف لازم ہو گی کیونکہ ان کلمات سے اس شخص کا مقصود اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہے نہ کہ کسی کو بدنام اور متہم کرنا مقصود ہے۔ اس کی نظیر یہ حدیث ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة وزيد بن خالد الجهنی انهما قالا ان رجلا من الاعراب اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله انشدك الا قضيت لی بكتاب الله فقال الخصم الآخر وهو افقه منه نعم فاقض بيننا بكتاب الله وائذن لی فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قل قال ان ابنی كان عسيفا على هذا فزنی بامراته وانی اخبرت ان على ابنی الرجم فافتديت منه بمائة شاة ووليدة فسالت اهل العلم فاخبرونی انما على ابنی جلد مائة

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ میرا فیصلہ صرف کتاب اللہ سے کریں، دوسرا شخص جو اس سے زیادہ سمجھ دار تھا اس نے کہا ہاں! آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کر دیجئے اور مجھے (واقعہ) عرض کرنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا بیان کرو، اس نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اور اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا، مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا، میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے ایک باندی اور سو

وتغريب عام وان على امرأة هذا الرجم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذي نفسي بيده لاقضين بينكما بكتاب الله الوليدة والغنم رد وعلى ابنك جلد مائة وتغريب عام اغد يا انيس الى امرأة هذا فان اعترفت فارجمها قال فغدا عليها فاعترفت فامر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجمت۔ [1]

بکریاں فدیہ دیں، پھر میں نے علماء سے پوچھا انہوں نے کہا میرے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے گا، اور اس شخص کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے۔ میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ باندی اور بکریاں تم کو واپس کر دی جائیں گی، اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کیا جائے گا۔ اے انیس! صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جانا اگر وہ (زنا کا) اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دینا، حضرت انیس صبح گئے، اس عورت نے اعتراف کر لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا۔

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ مدعی کے والد نے کہا میرے بیٹے نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا ہے، لیکن چونکہ اس کا مقصد اپنے بیٹے کی سزا کا معلوم کرنا تھا، اس عورت کو متہم کرنا یا اس کو سزا دلوانا مقصود نہیں تھا اس لیے اس قول کو قذف نہیں قرار دیا گیا اور محض اس کے کہنے سے اس عورت کو رجم کیا گیا بلکہ اس عورت کے اعتراف کی بناء پر اس کو رجم کیا گیا۔ اسی طرح جو لڑکی اظہار شکایت کے لیے یہ کہتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ ظلماً اور جبراً زنا کیا ہے اس کا مقصد اپنی مظلومیت کا بیان ہے، اس شخص کو بدنام کرنا اس کا مقصد نہیں ہے اس لیے نہ اس کو حد قذف لگے گی اور نہ محض اس کے اس قول کی وجہ سے اس شخص کا زانی ہونا ثابت ہوگا تاوقتیکہ اس کے خلاف معتبر دلائل قائم ہو جائیں۔

صحیح مسلم کی اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مطلقاً کسی کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف نہیں ہے، اس لیے استغاثہ اور اظہار شکایت کے طور پر کسی مظلوم لڑکی کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے قذف نہیں ہے، اور اس پر دوسری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

لا يحب الله الجهر بالسوء من القول الا من ظلم۔ (نساء: ۱۴۸)

اللہ تعالیٰ بری بات کے اشکارا کرنے کو پسند نہیں فرماتا مگر اس شخص سے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن مجاهد ان المراد لا يحب الله سبحانه ان يذم احد احدا او يشكوه (الا من ظلم) فيجوز له ان يشكو ظالمه ويظهر

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ کسی کی کسی کے مذمت کرنے یا اس کی شکایت کرنے کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے لیکن مظلوم کے لیے ظالم

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

وہی مکان سے نکلنے والا شخص ہے، اس صورت میں اس وہم کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے کہ ممکن ہے اس شخص نے خودکشی کرلی ہو
اسی طرح ایک شخص ایک مکان سے گھبرائی ہوئی حالت میں باہر آیا اس کے پاس سے ایک پستول برآمد ہوا جس سے
بارود کی بو آرہی تھی اور اس مکان میں ایک شخص پستول کی گولی سے مرا ہوا پایا گیا اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے ثابت
ہوگیا کہ اسی پستول کی گولی سے اس شخص کو ہلاک کیا گیا ہے مزید یہ کہ پستول پر اس شخص کی انگلیوں کے نشان تھے اور
کسی شخص کا کوئی نشان نہیں تھا تو اب اس شخص کے قاتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح مال، خون اور انگلیوں
کے نشانات سے بھی قاتل کے تعین میں مدد مل سکتی ہے۔ یہ سب قرائن اور قاتل شہادات ہیں اور اسلام میں معتبر ہیں الا
یہ کہ ملزمان کسی نسبتاً زیادہ قوی شہادت سے اپنی براءت ثابت کردیں۔

علامہ ابن قیم جوزیہ لکھتے ہیں کہ شارع کا یہ مقصود نہیں ہے کہ اموال، حدود
اور قصاص میں کسی شخص کے دعویٰ کا ثبوت صرف دو گواہوں کے پیش کرنے پر موقوف ہے بلکہ خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے
حمل کی بناء پر حد جاری کی ہے اور شراب کی بو آنے کی وجہ سے شراب نوشی کی حد جاری کی ہے، اسی طرح اگر چوری شدہ مال کسی شخص کے پاس
سے برآمد ہو جائے تو وہ اس کے چوری کرنے پر حمل اور شراب کی قے کرنے سے زیادہ بڑا قرینہ ہے، اور جو تاویلات اور
احتمالات چوری کی نفی میں بیان کیے جائیں گے وہ سب احتمالات حمل اور شراب کی قے میں بھی بیان کیے جا سکتے ہیں، خلفاء
راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان شہادات کی طرف توجہ نہیں کی جس سے مریضہ شاہدوں کی تکذیب ہوتی ہے۔ [1]

کفار کی شہادت

امام احمد بن حنبل اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک اضطراری صورت میں کفار کو گواہ بنانا جائز ہے،
حالت سفر میں جب کوئی مسلمان شخص موجود ہو اور کسی کو وصیت پر گواہ بنانا ہو تو دو نیک خصلت
کافروں کو بھی گواہ بنانا جائز ہے، امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، امام احمد کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ۔ (مائدہ: ۱۰۶)

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کا نصاب شہادت یہ ہے کہ تم میں سے دو نیک آدمی گواہ بنائے جائیں اور اگر وہ سفر میں ہو اور اس کو موت کی مصیبت آپہنچے تو غیر مسلموں سے ہی دو گواہ بنالیے جائیں۔

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اہل کتاب میں سے جب دو ذمی گواہ کسی ایسے مسافر کی وصیت پر گواہی دیں جو
مسلمان سفر میں فوت ہوگیا ہو تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی اور ان سے عصر کی نماز کے بعد حلف لیا جائے گا، ابن منذر نے کہا
ہے کہ اکثر متقدمین کا یہی قول ہے، شریح، نخعی، اوزاعی اور یحییٰ بن حمزہ نے اس کی تصریح کی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود
اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اسی کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی نے کہا ان کی
گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ جن کی گواہی وصیت کے علاوہ قبول نہیں کی جاتی ان کی گواہی وصیت میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔
اور جب اس صورت میں فساق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تو کفار کی گواہی بطریق اولیٰ نہیں قبول کی جائے گی اور اس آیت
کے جواب میں احناف نے کئی تاویلات کی ہیں، ایک تاویل یہ ہے کہ اس آیت سے تحمل شہادت مراد ہے۔

[1] علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ

اور شہادت مراد نہیں ہے، دوسری تاویل یہ ہے کہ "من غیرکم" سے وہ مسلمان شخص مراد ہیں جو مسافر کے رشتہ دار نہ ہوں، اور ایک تاویل یہ ہے کہ شہادت سے مراد قسم ہے۔ علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں اور ہماری دلیل سورۂ مائدہ (۱۰۶) کی زیر بحث آیت کا ظاہری معنی ہے۔ [1]

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:

قول اول اس آیت میں "منکم" کی ضمیر سے مسلمان مراد ہیں "او اخران من غیرکم" سے کافر مراد ہیں اس تفسیر کی بناء پر سفر میں وصیت کے متعلق اہل کتاب کی شہادت جائز ہے اور آیت کے سیاق اور احادیث کی روشنی میں یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن قیس (علامہ قرطبی نے عبداللہ بن قیس ہی لکھا ہے لیکن صحیح عبداللہ بن مسعود ہے۔ سعیدی) اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی موقف ہے، اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، یحییٰ بن یعمر، سعید بن جبیر، ابومجلز، ابراہیم، شریح، عبیدہ سلمانی، ابن سیرین، مجاہد، قتادہ اور سدی وغیرہم کا یہی نظریہ ہے۔ اور بعد کے فقہاء میں سے سفیان ثوری، ابوعبید القاسم بن سلام اور امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا جب مسلمان نہ ہوں تو ذمی کافروں کو مسلمانوں پر گواہ بنانا جائز ہے کیونکہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت مسلمان صرف مدینہ میں تھے اور وہ ذمی کافروں، بت پرستوں اور دوسری قسم کے کافروں کے ساتھ سفر کرتے تھے حضرت ابوموسیٰ اور شریح وغیرہ کے مذہب پر یہ آیت محکم ہے۔ (یعنی منسوخ نہیں ہے)۔

قول ثانی زید بن اسلم نخعی، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ وغیرہم کا یہ نظریہ ہے کہ "او اخران من غیرکم" منسوخ ہے البتہ امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ کفار کی آپس میں گواہی جائز ہے۔ ان فقہاء نے "ممن ترضون من الشہداء" "جن گواہوں کو تم پسند کرو" اور "واشہدوا ذوی عدل منکم" "اپنوں میں سے نیک لوگوں کو گواہ بناؤ" سے استدلال کیا ہے یہ کہتے ہیں کہ آیت مداینہ (جس میں ممن ترضون من الشہداء ہے) سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے اور یہ سورۂ مائدہ کی اس آیت (۱۰۶) کی ناسخ ہے۔ اور نیز اس لیے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ فساق کی شہادت جائز نہیں ہے اور کفار فساق ہیں اس لیے ان کی شہادت جائز نہیں ہے۔

(علامہ قرطبی جمہور کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ جمہور کے دلائل صحیح ہیں لیکن سفر میں وصیت کے متعلق ذمیوں کی مسلمانوں کے بارے میں شہادت جائز ہے اور یہ خاص اس صورت میں ہے جب مسلمان گواہ نہ ملیں تو ضرورت کی بناء پر اہل ذمہ کو گواہ بنانا جائز ہے، اور جب مسلمان گواہ میسر ہوں تو پھر جائز نہیں ہے اور اس آیت کے نزول کے موقع پر جو صحابہ حاضر تھے ان میں سے کسی نے سورۂ مائدہ کی آیت کے منسوخ ہونے کا قول نہیں کیا۔ اور تین صحابہ نے یہ تصریح کی ہے کہ سفر میں جب مسلمان نہ ملیں تو وصیت کے بارے میں کافروں کو گواہ بنانا جائز ہے۔ اور ان صحابہ کے نظریہ کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ سورۂ مائدہ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ابن عباس اور حسن بصری وغیرہما نے کہا ہے کہ سورۂ مائدہ کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ جمہور نے اس آیت کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی آیت کے منسوخ ہونے کا قول اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ ایک دوسرے کے اس طرح منافی ہوں کہ ان کو جمع کرنا ممکن

---

[1] علامہ شمس الدین عبدالرحمن بن ابو عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ الشرح الکبیر ج ۱۲ ص ۲۰۴-۲۰۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ

اور جبکہ ان آیات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ ممن ترضون من الشھداء اور واشھدوا ذوی عدل منکم حالت اختیار پر محمول ہیں یعنی جب سفر اور ضرورت کا موقع نہ ہو اور سورہ مائدہ کی یہ آیت سفر یا حالت ضرورت پر محمول ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ کبھی کوئی کافر مسلمان کے نزدیک قابل اعتماد اور پسندیدہ ہوتا ہے، لہٰذا وہ ممن ترضون کے خلاف نہیں ہے اور یہ ثابت نہیں ہوا کہ ممن ترضون من الشھداء، سورہ مائدہ کی اس آیت کے لیے ناسخ ہے۔

قول ثالث زہری، حسن اور عکرمہ نے کہا ہے کہ سورہ مائدہ کی یہ آیت (۱۰۶) منسوخ نہیں ہے لیکن منکم اور او اخران من غیرکم میں مضاف محذوف ہے یعنی من عشیرتکم، او اخران من غیر عشیرتکم اور آیت کا تقاضا یہ ہے: "جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کرنا ہو تو اس کا نصاب شہادت یہ ہے کہ تمہارے رشتہ داروں میں سے دو نیک آدمی گواہ بنا لیے جائیں اور اگر وہ سفر میں ہو اور اس کو موت کی مصیبت آ پہنچے تو رشتہ داروں کے غیر سے ہی دو گواہ بنا لیے جائیں۔" لیکن اس تفسیر پر یہ اعتراض ہے کہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: یا یھا الذین اٰمنوا "اے ایمان والو" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منکم اور غیرکم سے مسلم اور غیر مسلم ہی مراد ہیں۔ [1]

اچانک پیش آنے والے واقعات اور اضطراری امور میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کی بحث

علامہ قرطبی مالکی کے اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء حنبلیہ کی طرح علامہ قرطبی مالکی بھی اس کے قائل ہیں کہ اضطراری صورت اور مجبوری کی حالت میں کسی معاملہ پر کافر کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے اور جب ایسی صورت میں دو کافروں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے تو دو مسلمان عورتوں کو گواہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

علامہ باجوری لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا جو حکم دیا ہے وہ اختیاری امور ہیں جن میں انسان اپنی پسند کے گواہ بناتا ہے اور سورہ بقرہ کی اس آیت (۲۸۲) کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اچانک پیش آنے والے حادثات اور وقائع میں بھی عورتوں کو گواہ نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ اگر اچانک پیش آنے والے واقعات میں عورتوں کو گواہ بنانا جائز نہ ہو تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور جب کہ سفر میں وصیت کے موقع پر دو کافروں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے تو دو مسلمان عورتوں کو گواہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ [2] مصنف کے نزدیک یہ اسلام کے اس عام اصول کے مطابق ہے کہ حالت اختیار میں جو شرائط ہوتی ہیں وہ حالت اضطرار میں لاگو نہیں ہوتیں۔ اس لیے اچانک پیش آنے والے واقعات، اور اضطراری امور میں دو عورتوں کو گواہ بنانا جائز ہے۔

عورت کی شہادت کی تحقیق حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت جائز نہیں ہے اور کاروباری لین دین اور قرض کے معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں سے کم کی گواہی جائز نہیں ہے اس

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۳۵۱۔ ۳۴۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[2] علامہ جلال الدین محمد شفیق رسول الباجوری، المرأۃ فی الفکر الاسلامی ج ۲ ص ۵۵۔ ۵۲، مطبوعہ مطابع جامعۃ الموصل بغداد، ۱۹۸۲ء

وجہ سے مخالفین، اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت کا اعتبار نہ کر کے عورت کی حق تلفی کی ہے اور معاملات میں عورت کی شہادت کو نصف قرار دے کر عورت کو آدھا انسان قرار دیا ہے گویا اسلام کے نزدیک عورت مکمل انسان نہیں ہے اور حدود اور قصاص میں چونکہ اس کی شہادت اصلاً جائز نہیں ہے اس لیے ان مقدمات کے لحاظ سے عورت کا درجہ نصف انسان ہونے سے بھی ساقط ہو گیا!

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیں تاکہ قارئین کرام اسلام کے نقطہ نظر کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔

عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

(۱) زنا کے اثبات کے لیے چار آزاد مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے اور اس میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے۔ [1]

علامہ ابن ہمام حنفیؒ، علامہ یحییٰ بن شرف نوویؒ اور علامہ ابن رشد مالکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ [2] [3] [4]

(۲) بقیہ حدود اور قصاص میں کم از کم دو آزاد اور مسلمان مردوں کی گواہی ضروری ہے، اور عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی نظریہ ہے۔ [5]

(۳) عطاء اور حماد سے منقول ہے کہ تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی زنا ثابت ہو جائے گا اسی طرح عطاء اور حماد کہتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بقیہ حدود اور قصاص کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ یہ حضرات حدود اور قصاص کو بھی اموال پر قیاس کرتے ہیں۔ [6]

(۴) شیخ ابن حزم نے فقہاء اربعہ کے اجماع کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حدود اور قصاص میں عورت کی شہادت مطلقاً مقبول ہے۔ چنانچہ آٹھ عورتوں کی گواہی سے زنا ثابت ہو جائے گا اور بقیہ حدود اور قصاص میں ایک مرد اور دو عورتیں یا چار عورتیں گواہی دیں تو وہ ثابت ہو جائیں گے۔ [7]

(۵) تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرض اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۱۵۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۴۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۱ ص ۲۵۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۵ھ

[4] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۴۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت

[5] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۱۵۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[6] " " " " " المغنی ج ۹ ص ۱۵۱-۱۵۵، " " "

[7] شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، المحلی ج ۹ ص ۳۹۶-۳۹۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۴۱ھ

ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس کی تصریح کی ہے۔ [1]

(۵)۔ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مالی حقوق کے علاوہ میں مثلاً نکاح، طلاق، ودیعت، عدت، حوالہ، وقف اور صلح وغیرہ میں بھی ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ (یعنی حدود اور قصاص کے سوا تمام معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ بنانا جائز ہے اور امام مالک اور شافعی کے نزدیک ان معاملات میں عورت کو گواہ بنانا جائز نہیں ہے اور امام احمد کے اس میں دو قول ہیں۔ [2]

(۶)۔ وہ تمام امور جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے مثلاً حیض، حمل، رضاعت، ولادت، بکارت اور عورتوں کے عیوب وغیرہ ان میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں کو دیکھنے کی مرد استطاعت نہیں رکھتے ان میں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ (مصنف عبد الرزاق)۔ علامہ مرغینانی حنفی [3]، شارح المہذب شافعی [4]، علامہ ابن قدامہ حنبلی [5] اور علامہ ابن رشد مالکی [6] وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے۔

مالی معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی شہادت مقرر کرنے کی وجوہات

عورتوں کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب بیان کرنے کے بعد ہم دو چیزوں کی وضاحت کریں گے۔ ایک یہ کہ قرض کے لین دین اور کاروباری معاملات میں ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو کیوں مشروع کیا گیا ہے اور دوم یہ کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی کا کیوں اعتبار نہیں کیا گیا۔

سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جس بات میں مدعو دو نے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے یہ اختیاری شہادت کا بیان ہے۔ لیکن یہ وہ صورت نہیں ہے کہ جب کسی ہنگامی، ناگہانی یا اضطراری واقعہ میں کسی مالی معاملہ یا کسی انسانی حق میں موقع پر موجود کسی شخص کی گواہی کو اس معاملہ یا حق کے ثبوت میں پیش کرنا ہو ایسے کسی ہنگامی اور ناگہانی واقعہ میں ایک مسلمان عورت تو الگ رہی، کافر کی شہادت سے بھی وہ معاملہ یا حق ثابت ہو جائے گا۔ قرآن مجید کی زیر بحث جس آیت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جب تم اپنے قصد اور اختیار سے اپنے کسی کاروباری معاملہ یا قرض کے لین دین پر گواہ بنانا چاہو تو اپنی پسند اور مرضی سے گواہ بناؤ۔ اور وہ دو مسلمان مرد ہیں یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ توسع اور اختیار کی حالت میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتیں کیوں رکھی گئی ہیں! اس کا جواب یہ ہے کہ عدالت میں مدعی علیہ کے خلاف گواہی دینا بہت بڑی جرأت، حوصلہ اور دلیری کی بات ہے، کیونکہ جس فریق کے خلاف

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۴۵۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان

[4] شرح المہذب ج ۲۰ ص ۲۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

[5] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[6] قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۴۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت

گواہی دی جاتی ہے، فطری طور پر وہ فریق اس گواہ کا دشمن ہو جاتا ہے اور فریق مخالف، گواہ کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے اور مختلف ہتھکنڈوں سے اس کو مرعوب اور متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ عورتیں جب گواہی دینے کے لیے آتی ہیں تو رونے لگتی ہیں یا کوسنا شروع کر دیتی ہیں یا وکیل مخالف کے اعتراضات سے گھبرا کر بے ربط اور اول فول باتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ عورتیں مردوں سے فطرۃً کمزور ہوتی ہیں اور ان میں مردوں کی بہ نسبت جرأت اور حوصلہ بہت کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو سپہ سالار، جنرل اور کمانڈر نہیں بنایا جاتا، امریکہ میں صدر سے چند عورتیں پائلٹ ہیں اور عالم اسلام ساری دنیا میں عورتوں کو پائلٹ نہیں بنایا جاتا، غرض بہت، دلیری اور شجاعت کے تمام کام مردوں کے سپرد کیے جاتے ہیں اور عورتوں کو ان کاموں سے الگ رکھا جاتا ہے۔ چونکہ فریق مخالف کے خلاف گواہی دینا بہت جرأت اور حوصلہ کا کام ہے، اس وجہ سے اسلام نے یہ کام اصالۃً اور بالذات دو مردوں کے سپرد کیا ہے اور اگر کسی عقد اور معاملہ کے وقت دو مرد میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ عدالت میں فریق مخالف کا دھمکیاں یا اس کے ڈر سے عورت اپنی جھجک یا کمزوری سے گھبرا کر کچھ کا کچھ کہہ دے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخرٰی۔ (بقرہ: ۲۸۲)

تاکہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ضلال کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والضلال عن الشھادۃ انما ھو نسیان جزء منھا و ذکر جزء و یبقی المرء حیران بین ذلک ضالا۔[۱]

شہادت میں ضلال یہ ہے کہ ایک چیز یاد رہے اور دوسری یاد نہ رہے اور انسان سرگشتہ و حیران ہو۔

دکلاء بیان کرتے ہیں کہ ہمارے مشاہدات میں جب عورت گواہی کے لیے پیش ہوتی ہے تو زیادہ تر وہ گھبرا کر اول فول باتیں کرتی ہے یا کوسنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں مرد فطرۃً قوی، جرأت مند اور دلیر ہوتا ہے اور فریق مخالف کے دباؤ سے مرعوب اور متاثر نہیں ہوتا اس لیے وہ عدالت میں حوصلہ اور بے خوفی سے ٹھیک ٹھیک گواہی پیش کرتا ہے۔ اسلام نے جو نظام حیات پیش کیا ہے وہ چونکہ فطرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اس وجہ سے اس نے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی ہے تاکہ گواہی کے موقع پر ان دونوں عورتوں کو ایک دوسری سے طمانیت خاطر رہے اور ڈھارس بندھی رہے اور جب عورت پر گھبراہٹ اور گھبراہٹ میں کچھ کا کچھ کہنے لگے تو دوسری عورت اس کو صحیح بات یاد دلا دے۔

ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو معتبر کرنے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ تجارتی مال کی پیچیدگیاں، لین دین کی باریکیاں اور قرض کی ضروری شرائط اور قیود سے عام طور پر مرد پوری طرح واقف ہوتے ہیں اس کے برخلاف عورت چونکہ فطری اور شرعی طور پر صرف امور خانہ داری کی ماہر ہوتی ہے اور عام دنیاوی معاملات میں وہ براہ راست حرف

---

[۱] علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۹۰، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

میں ہوتی اور نہ اس کی باریکیوں سے کما حقہ واقف ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کسی لین دین اور معاہدہ کے وقت فریق مخالف یہ چاہتا ہے کہ اس کے معاملہ پر زیادہ سے زیادہ تجربہ کار اور اہل شخص گواہی دے اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اولین مرحلہ میں دو مردوں کو گواہ بنایا جائے اور اگر دو مرد میسر نہ آسکیں تو ایک مرد یا دو عورتوں کو گواہ بنا دیا جائے تاکہ اس کے معاہدہ پر زیادہ سے زیادہ بہتر گواہی پیش کی جا سکے اور اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس نے انسانی فطرت کے قریب گواہی کا یہ ضابطہ مقرر کیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عورت چونکہ فطرۃً متلون مزاج ہوتی ہے اس لیے فریق مخالف کے دلیل کی جرح کے موقع پر اس کا اصل موقف سے پھسل جانا اور فریق مخالف کے دلائل سے متاثر ہو جانا زیادہ ممکن ہے اس لیے اس کو اصل موقف پر قائم رکھنے کے لیے ایک اور گواہ کی ضرورت ہے تاکہ جب وہ متلون یا متاثر ہو کر اصل موقف سے پھسلنے لگے تو دوسری گواہ اس کو سنبھال سکے اور اس کو بروقت اصل موقف یاد دلا دے۔

وہ امور جن میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے

مذکور الصدر بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ مالیات کے اعتبار سے معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسلام کے نزدیک عورت آدھی انسان ہے یا وہ حقیر یا کم درجہ کی مخلوق ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فطرۃً متلون مزاج ہے یا مرد کے مقابلہ میں جرأت اور حوصلہ کم رکھتی ہے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ عادۃً، فطرۃً گھریلو معاملات اور امور خانہ داری میں ماہر ہوتی ہے اور مالیاتی نظام کی باریکیوں اور کاروباری نزاکتوں سے واقف اور ان امور کی ماہر نہیں ہوتی اس لیے ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی مشروع اور مقرر کی گئی ہے ورنہ جن معاملات پر اس کی دسترس ہوتی ہے یعنی عورتوں سے متعلق معاملات ان میں تنہا ایک عورت کی گواہی بھی مشروع اور مقرر کی گئی ہے۔ اگر اسلام کے نزدیک عورت آدھی انسان ہوتی یا ساقط الاعتبار ہوتی تو عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی کو کیوں کافی قرار دیا جاتا؟ اب ہم قارئین کے سامنے ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عقبة بن الحارث قال تزوجت امرأة فجاءت امرأة فقالت انی ارضعتكما فاتيت فذكرت للنبی صلی الله عليه وسلم فقال وكيف وقد قيل دعها عنك [1]

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ایک اور عورت نے آکر کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے! میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا: تم اس عورت کو اب نکاح میں کس طرح رکھ سکتے ہو جبکہ یہ شہادت ہو چکی ہے۔ اس عورت کو طلاق دے دو۔

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صرف ایک عورت نے یہ شہادت دی کہ اس نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کو دودھ پلایا ہے اور صرف اس ایک عورت کی شہادت پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن حارث کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں، ہر چند کہ فقہاء احناف اور دیگر ائمہ کے نزدیک یہ حدیث استحباب پر محمول ہے، اور رضاعت میں صرف ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رضاعت میں ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ کر دیا۔

نیز جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جن امور کو دیکھنے کے مرد کو جائز نہیں ہیں ان امور میں تنہا عورتوں کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا بلکہ صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

قال ابن جریج، قال ابن شہاب مضت السنة فی ان تجوز شهادة النساء لیس معهن رجل فیما یلین من ولادة المرأة واستهلال الجنین، وفی غیر ذلك من امر النساء الذی لا یطلع علیه ولا یلیه الا هن، فاذا شهدت المرأة المسلمة التی تقبل النساء فما فوق المرأة الواحدة فی استهلال الجنین جازت.[1]

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ابن شہاب نے کہا: اس امر پر سنت کے مطابق عمل ہوتا رہا ہے کہ عورتوں کے بچے جننے اور اور بچہ کے رونے اور عورتوں کے ان معاملات میں جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے اور صرف عورتیں ہی ان معاملات کی نگہبان ہوتی ہیں، ان میں صرف عورتوں کی شہادت جائز ہے جب بچہ جننے والی ایک مسلمان عورت گواہی دے یا ایک عورت سے زیادہ عورتیں نومولود کے رونے کی گواہی دیں تو یہ شہادت جائز ہے۔

نیز امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں کہ:

عن ابن شہاب ان عمر بن الخطاب اجاز شهادة امرأة فی الاستهلال.[2]

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے مولود کے رونے میں ایک عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا۔

عن القعقاع بن حکیم عن ابن عمر قال، لا تجوز شهادة النساء الا علی ما یطلع علیه الا هن من عورات النساء وما یشبه ذلك من حملهن وحیضهن.[3]

قعقاع بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تنہا عورتوں کی شہادت حمل اور حیض وغیرہ صرف ان امور میں جائز ہے جن پر صرف عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں۔

عن الشعبی والحسن قالا، تجوز شهادة المرأة الواحدة فیما لا یطلع علیه الرجال.[4]

امام شعبی اور حسن بصری نے کہا کہ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان میں ایک عورت کی شہادت بھی جائز ہے۔

---

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ۔
[2] " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، " " " "
[3] " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، " " " "
[4] " " " " ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۳، " " " "

عورت کی شہادت کو نصف شہادت قرار دینے کی حکمتیں!

ذکر المصادر احادیث، آثار، اقوال تابعین اور ائمہ مذاہب کی تصریحات

سے یہ واضح ہوگیا کہ جو امور عورتوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں، ان میں صرف ایک عورت کی شہادت پر بھی فیصلہ کر دیا جاتا ہے تو اس لیے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ مالی معاملات کی اختیاری گواہی میں چونکہ ایک مرد کی گواہی کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے اس لیے اسلام نے عورت کو آدھا انسان قرار دیا ہے یا اس کی گواہی کو کمتر قرار دیا ہے اگر اسلام کے نزدیک عورت آدھا انسان ہوتی یا وہ ذلیل اور حقیر ہوتی تو ان معاملات میں صرف ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کا مدار کیوں رکھا جاتا؟

اگر مرد یہ اعتراض کریں کہ بعض نسوانی معاملات میں ان کی شہادت اصلاً معتبر نہیں ہے، جبکہ ان معاملات میں عورتوں میں سے ایک عورت کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے تو مردوں کو اسلام نے بالکل ساقط الاعتبار کر دیا اور ان کو آدھے انسان کا درجہ بھی نہیں دیا تو کیا مردوں کا یہ اعتراض درست اور معقول ہوگا؟ ہرگز نہیں، اسی طرح یہی کہا جائے گا کہ جن دنیاوی معاملات میں مردوں کو شہادت کی اہلیت ہے وہاں مردوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے اور جن نسوانی معاملات میں عورتیں شہادت کی اہل ہیں وہاں عورتوں کی شہادت قبول کی جاتی ہے، اسلام نے جس صنف کی شہادت کا جس جگہ اعتبار کیا ہے وہ عین حکمت اور فطرت کے مطابق ہے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

مزید غور طلب یہ ہے کہ اثبات زنا میں دو کے بجائے چار مردوں کی گواہی ضروری کی گئی ہے اب کیا مرد یہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب ہماری گواہی تو آدھی کر دی گئی ہے کیونکہ باقی حدود اور معاملات میں دو مردوں کی گواہی کافی ہوتی ہے اور اب زنا میں بجائے دو کے چار مردوں کی گواہی ضروری قرار دی گئی ہے تو گویا دو مردوں کو ایک کے قائم مقام کیا ہے اور یہ مرد کو آدھا انسان قرار دینا ہے! اس کے جواب میں بھی یہی کہا جائے گا کہ چونکہ زنا کی سزا بہت سخت رکھی گئی ہے جس میں شادی شدہ زانی کو رجم کر دیا جاتا ہے اس لیے اس کے ثبوت کی بھی کڑی شرط رکھی ہے اور ثبوت زنا کو چار مسلمان مردوں کی گواہی پر موقوف کیا گیا ہے۔

پھر یہ چیز بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ شہادت دینا کوئی حق یا انعام نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو عورتیں کہہ سکتی تھیں کہ ہمارا حق کم کر دیا گیا ہے، عدالت میں جا کر فریق مخالف کے خلاف گواہی دینا اور اس کی دشمنی مول لینا یہ تو ایک ابتلاء اور مصیبت ہے، بعض اوقات شہادت دینے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر جانا پڑتا ہے اور سفر کی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، اسلام نے صنف نازک پر جیسے اور احسانات کیے ہیں کہ اس پر معاش اور بچوں کی کفالت کا بوجھ نہیں رکھا، ایام حیض میں نمازوں کا مکلف نہیں کیا، حالت حیض، حمل اور رضاعت میں روزے قضا کرنے کی سہولت دی ہے اسی طرح اسلام کا عورتوں پر یہ بھی احسان اور انعام ہے کہ اس پر شہادت ادا کرنے کا بوجھ کم رکھا ہے، حدود اور قصاص کے معاملات جن کی گواہی دینے میں زیادہ خطرہ اور مشقت ہے ان میں اس کو شہادت کا بالکل مکلف نہیں کیا اور مالی معاملات میں اس کے بوجھ کو کم کر دیا ہے اور جو بوجھ ایک مرد پر ڈالا جاتا ہے وہ دو عورتوں پر تقسیم کر دیا' الحمد للہ علی احسانہ وانعامہ۔

کیا اصالۃً صرف ایک عورت گواہ ہوتی ہے اور دوسری محض اس کی معاون ہوتی ہے!؟

عورت کی نصف شہادت پر مخالفین اسلام کے اعتراضات سے تنگ آکر بعض علماء نے یہ کہہ دیا کہ مالی معاملات

میں عورت کی شہادت مرد کی شہادت کے برابر ہے۔ اور دو عورتوں کو مقرر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دونوں عورتیں گواہ ہوتی ہیں۔ دراصل گواہ صرف ایک عورت ہوتی ہے اور دوسری عورت اس گواہ کی محض معاون ہوتی ہے اور اس آیت سے قرآن مجید کا یہ منشاء نہیں ہے کہ لازمی طور پر دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے۔ اس لیے اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور عورت کی گواہی مرد کی گواہی کا نصف ہوتی ہے۔

یہ جواب قرآن مجید کی خالص تحریف اور سفسطہ نادرا قیمت پر مبنی ہے۔ قرآن مجید کی نص صریح سے ثابت ہے کہ دونوں عورتیں گواہ ہوتی ہیں اس لیے صرف ایک عورت کو گواہ کہنا نص قرآن کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فرجل و امراتن ممن ترضون من الشہداء۔ (بقرہ : ۲۸۲) | ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو۔

اس آیت میں ایک مرد اور دونوں عورتوں پر شہداء (گواہوں) کا اطلاق کیا گیا ہے، اور یہ دونوں عورتیں اصالۃً گواہ ہیں۔ اس کے بعد اس آیت کے اگلے حصہ میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کو مقرر کرنے کی حکمت بیان کی ہے تاکہ ایک عورت اگر بھول جائے یا غلط بیان کرے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے۔

چنانچہ اس فکر کے موسس اول جناب غلام احمد پرویز بھی اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

اور ایسے معاملات کے وقت اپنے میں سے دو مرد بطور گواہ بلا لیا کرو۔ اگر کسی وقت دو مرد موجود نہ ہوں تو ان میں سے جن پر فریقین رضامند ہوں، ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ بلا لیا کرو۔ [1]

جناب غلام احمد پرویز نے بھی دونوں عورتوں کو گواہ قرار دیا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ ایک عورت گواہ ہے اور دوسری اس کی معاون ہے اور شہادت میں ایک مرد کے مقابلہ صرف ایک عورت گواہ ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت کے سراسر خلاف ہے۔

نیز بکثرت احادیث صریحہ میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف ہے۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اضحی او فطر الی المصلی فمر علی النساء فقال یامعشر النساء تصدقن فانی اریتکن اهل النار فقلن وبم یا رسول اللہ؟ قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر ما رایت من ناقصات عقل و دین اذهب للب

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو! کیونکہ میں نے تم کو دوزخ میں دیکھا ہے! عورتوں نے کہا: کس وجہ سے؟ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم بکثرت لعنت کرتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی

[1] غلام احمد پرویز مفہوم القرآن ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور۔

الرجل الحازم احدٰکن قلن وما نقصان ديننا وعقلنا يا رسول الله قال اليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلى قال فذلك نقصان عقلها اليس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلى قال فذلك من نقصان دينها۔ [1]

ناقص العقل والدین کو نہیں دیکھا جو مرد دانا کی عقل پر غالب آنے والی ہو! عورتوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے دین اور عقل میں کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف نہیں ہے؟ عورتوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہ عورتوں کی عقل کی کمی ہے، اور فرمایا کہ جب عورتوں کو حیض آتا ہے تو وہ (ایام حیض میں) نماز اور روزہ نہیں چھوڑتیں؟ عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کی کمی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح کر دی ہے کہ عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب العیدین ج ۱ ص ۱۳۱، کتاب الزکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۷، کتاب الصوم ج ۱ ص ۲۶۱ اور کتاب الشہادات ج ۱ ص ۳۶۶ میں بھی بیان کیا ہے۔ امام بخاری کے علاوہ اس حدیث کو امام مسلم[2]، امام ترمذی[3]، امام ابوداؤد[4]، امام ابن ماجہ[5]، امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری[6]، امام ذہبی[7]، امام احمد[8]، امام دارمی[9] اور امام بیہقی[10] نے بھی مختلف اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

یہ حدیث چار عظیم صحابہ سے مروی ہے اور ہم نے اس حدیث کو دس ائمہ محدثین کے حوالوں سے بیان کیا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے ذکر کردہ اصول کے مطابق یہ حدیث حکماً متواتر ہے ورنہ اس حدیث کے مشہور ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے اور اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ (اختیاری مالی معاملات میں) عورت کی شہادت مرد کی شہادت کی نصف ہوتی ہے لہٰذا اس کا انکار کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۷۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[4] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۸۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[5] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۲۸۹-۲۹۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[6] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

[7] حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۱۹۰، " " "

[8] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد، ج ۲ ص ۶۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۳۹۸ھ

[9] امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج ۱ ص ۱۹۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[10] امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱ ص ۳۰۸، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

اثبات گناہ میں صرف مردوں کی گواہی پر قرآن مجید سے استدلال

زنا کو ثابت کرنے کے لیے چار مسلمان آزاد مرد عادل کی گواہی ضروری ہے محض عورتوں کی گواہی سے زنا ثابت نہیں ہوتا ہم اثبات زنا کے نصاب شہادت کو قرآن مجید، احادیث، آثار، اجماع فقہاء اور عقل سلیم کی روشنی میں پیش کریں گے۔ سب سے پہلے اس نصاب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات پیش کرتے ہیں۔ اللہ جلّت کبریاؤہ کا ارشاد ہے:

(۱) واللتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم۔ (نساء: ۱۵)

تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے مردوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو۔

(۲) والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ (نور: ۴)

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں پھر چار مرد گواہ پیش نہ کریں تو ان کو اسی ۸۰ کوڑے مارو۔

(۳) لولا جاءو علیہ باربعۃ شھداء فاذ لم یاتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون۔ (نور: ۱۳)

(تہمت لگانے والے اپنی تہمت پر چار مرد گواہ کیوں نہ لائے؟ سو جب یہ مرد گواہ نہ لا سکے تو (جان لو کہ) وہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

سورۂ نساء کی آیت (۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے اربعۃ منکم فرمایا ہے اور اس میں مرد گواہ طلب کرنے پر دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ عربی قواعد کے مطابق اسم عدد ثلاثہ سے لے کر عشرہ تک مذکر کے لیے تاء کے ساتھ اور مؤنث کے لیے بغیر تاء کے استعمال ہوتا ہے لہٰذا چار مردوں کے لیے اربعۃ کا لفظ ہوگا اور چار عورتوں کے لیے اربع کا لفظ ہوگا۔ [۱] اور چونکہ اس آیت میں اربعۃ کا لفظ ہے اس لیے فاستشھدوا علیھن اربعۃ کا معنی ہے: "ان کے خلاف چار مرد گواہ طلب کرو۔"

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اربعۃ منکم فرمایا ہے اور کم مخاطب مذکر کی ضمیر ہے اور آیت کا معنی ہے اپنے مردوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو۔

سورۂ نور کی آیت چار اور تیرہ میں اللہ تعالیٰ نے اثبات زنا کے لیے اربعۃ شہداء کو ضروری قرار دیا ہے اور اس میں بھی گواہوں کے مرد ہونے پر دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ عربی قواعد کے مطابق ثلاثہ سے لے کر عشرہ تک کی تمیز مذکر ہوتی ہے اس لیے اربعۃ کی تمیز مذکر ہوگی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ شہداء شاہد کی جمع ہے اور شاہد مذکر کا صیغہ ہے۔ لہٰذا عربی

---

[۱] مشہور نحوی علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۴۵ھ لکھتے ہیں: ومن ثلاثۃ الی عشرۃ علی خلاف القیاس یعنی للمذکر بالتاء تقول ثلاثۃ رجال الی عشرۃ رجال وللمؤنث بدونھا تقول ثلث نسوۃ الی عشر نسوۃ "ثلاثہ سے لے کر عشرہ تک تمیز خلاف قیاس ہے مذکر کے لیے تاء کے ساتھ ثلاثۃ رجال سے لے کر عشرۃ رجال تک اور مؤنث کے لیے بغیر تاء کے ثلث نسوۃ سے لے کر عشر نسوۃ تک" (بحر المحیط، مطبوعہ ... کراچی) ایضاً (شرح جامی ص ۲۰۳ مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی)

قواعد کے مطابق ان وجوہ سے اربعۃ شہداء کا تقاضا ہے چار مرد گواہ۔ اور مفسرین، محدثین اور فقہاء مذاہب اربعہ نے انہی نکات کی بناء پر از روئے قرآن اثبات زنا کے لیے چار مردوں کی گواہی کو لازمی شرط قرار دیا ہے اور اثبات زنا میں عورتوں کی گواہی کو ناجائز کہا ہے۔

اربعۃ منکم سے مردوں کی گواہی پر استدلال

سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۵ کی تفسیر میں اربعۃ منکم کی بناء پر مفسرین کرام نے اثبات زنا کے لیے چار مردوں کی گواہی کی شرط ذکر کی ہے پہلے ہم اس کا بیان کریں گے اس کے بعد سورۃ نور کی آیات سے حوالوں کو بیان کریں گے۔

مشہور نحوی علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

والظاھر انہ یختص بالذکور المؤمنین لقولہ اربعۃ منکم[1]

ظاہر یہ ہے کہ یہ گواہی مسلمان مردوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اربعۃ منکم فرمایا ہے۔

قاضی بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فاطلبوا ممن قذفھن اربعۃ من رجال المؤمنین تشھد علیھن[2]

جن لوگوں نے عورتوں پر زنا کی تہمت لگائی ہے ان میں سے چار مسلمان مردوں کی ان کے خلاف گواہی طلب کرو۔

علامہ خازن متوفی ۷۲۵ھ اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویشترط فی ھذہ الشھادۃ العدالۃ والذکورۃ[3]

اس گواہی میں مردوں کی اور نیک مسلمانوں کی شرط ہے۔

علامہ ابوالسعود متوفی ۹۸۲ھ اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فاطلبوا ان یشھد علیھن باتیانھا اربعۃ من رجال المؤمنین[4]

ان چار مسلمان مردوں کی گواہی طلب کرو جو ان عورتوں کے خلاف زنا کی گواہی دیں۔

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای اربعۃ من رجال المؤمنین واحرارھم[5]

یعنی چار مسلمان اور آزاد مردوں کی گواہی طلب کرو۔

علامہ طنطاوی جوہری اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فاطلبوا ممن قذفھن اربعۃ من الرجال

عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والے مردوں میں

---

1. علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط ج ۳ ص ۱۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ
2. قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل علی ہامش عنایۃ القاضی ج ۳ ص ۱۲۱ مطبوعہ دار صادر بیروت
3. علامہ علی بن محمد خازن متوفی ۷۲۵ھ، تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۵۰، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
4. علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابوالسعود علی ہامش التفسیر الکبیر ج ۳ ص ۱۰۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
5. علامہ ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۴ ص ۲۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

تشہد علیہن ۔[۱] سے ان کے خلاف چار مردوں کی شہادت طلب کرو۔

علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

فاطلبوا ان یشہد علیہن باتیانہن اربعۃ من رجال المؤمنین واحرارھم ۔[۲]

ان چار مسلمان اور آزاد مردوں کی گواہی طلب کرو جو ان عورتوں کے خلاف زنا کی گواہی دیں۔

علامہ ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

یقول: فاستشہدوا علیہن بما اتین بہ من الفاحشۃ اربعۃ رجال من رجالکم یعنی من المسلمین ۔[۳]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عورتوں کے زنا کے خلاف اپنے مسلمان مردوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو۔

شیخ محمد عبدہ لکھتے ہیں:

لفظ الاربعۃ یطلق علی الذکور، فالمراد اربعۃ من رجالکم ۔[۴]

اربعہ کے لفظ کا مردوں پر اطلاق کیا جاتا ہے اس لیے اس سے چار مرد مراد ہیں۔

علامہ احمد مصطفیٰ مراغی لکھتے ہیں:

ای اطلبوا شہادۃ اربعۃ رجال احرار منکم ۔[۵]

یعنی مسلمانوں میں سے چار آزاد مردوں کی گواہی طلب کرو۔

شیخ حسین احمد بن حسین اربعۃ منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

چہار مرد عاقل بالغ عادل از شما کہ مسلمانید بر ایشاں گواہی دہند ۔[۶]

تم مسلمانوں میں سے چار عاقل بالغ عادل مرد ان عورتوں کے خلاف گواہی دیں۔

منکم سے مردوں کی گواہی پر استدلال

بعض مفسرین نے اس آیت میں منکم کی ضمیر جمع مذکر مخاطب سے گواہوں کے مرد ہونے پر استدلال کیا ہے۔ علامہ نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

والمراد بقولہ منکم ای من رجالکم ۔

منکم سے مراد ہے تمہارے مردوں میں سے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ منکم المراد بہ ھاھنا الذکور دون الاناث ۔

منکم سے اس آیت میں صرف مرد مراد ہیں، نہ کہ عورتیں۔

۱۔ علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری ـــــــ الجواہر فی تفسیر القرآن، ج ۳ ص ۲۶، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ
۲۔ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان ج ۲ ص ۱۸۱، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۹۴۷ء
۳۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۴ ص ۲۹۲، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ بمصر، ۱۳۷۳ھ
۴۔ شیخ محمد عبدہ، تفسیر المنار ج ۴ ص ۴۳۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثانیہ
۵۔ علامہ احمد مصطفیٰ مراغی، تفسیر المراغی ج ۴ ص ۲۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۳۹۴ھ
۶۔ علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ، غرائب القرآن ج ۴ ص ۲۰۳، مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی واولادہ بمصر

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ولا بد ان یکون الشهود ذکورا لقوله "منکم" [1]

گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "منکم" فرمایا ہے۔

علامہ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

منکم ای من رجال المسلمین [2]

یعنی مسلمان مردوں سے۔

اربعۃ شہداء سے مردوں کی گواہی پر استدلال

فقہاء اور محدثین نے یہ تصریح کی ہے کہ سورۂ نساء میں اربعۃ اور سورۂ نور میں اربعۃ شہداء کے الفاظ اثبات زنا میں گواہوں کے مرد ہونے کی دلیل ہیں۔ علامہ مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

والشهادة فی الزنا یعتبر فیها اربعة من الرجال لقوله تعالٰی واللاتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم ولقوله تعالٰی ثم لم یأتوا باربعة شهداء [3]

زنا میں چار مردوں کی شہادت معتبر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء۔

اس کی تشریح میں علامہ بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

ولفظ اربعة نص فی العدد والذکورة [4]

اربعۃ کا لفظ عدد اور مذکر ہونے کے بیان میں نص ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولان النص اوجب اربعة رجال بقوله تعالٰی اربعة منکم فقبول امرأتین مع ثلاثة مخالف لما نص علیه من العدد والمعدود [5]

اللہ تعالیٰ کے قول اربعۃ منکم کی وجہ سے چار مردوں کا واجب ہونا منصوص ہے، لہٰذا تین مردوں کے ساتھ دو عورتوں کو گواہی میں اعتبار کرنا عدد اور معدود کی صریح نص کے خلاف ہے۔

علامہ بابرتی حنفی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

فان قیل فی هذه النصوص بیان جواز العمل بهذا العدد ولیس فیها بیان نفی ذلک بدون العدد،

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عدد کی ان تصریحات سے یہ ثابت ہوا کہ اس عدد کے ساتھ عمل جائز ہے لیکن اس میں

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۸۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ
[2] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تفسیر جلالین ص ۷۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ لاہور
[3] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان
[4] علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[5] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۲۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

قلنا التقدير في الشرع لمنع الزيادة او النقصان وهذا التقدير لا يمنع الزيادة فلو لم يفد منع النقصان لم يبق لهذا التقدير فائدة۔ [1]

یہ تقریباً قرینہ ہے کہ اس عدد سے کم کی گواہی جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں عدد کی تعیین زیادتی یا کمی سے منع کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہاں گواہوں کا زیادہ ہونا تو ممنوع نہیں ہے اس لیے لامحالہ چار سے کم گواہوں کا ہونا ممنوع ہوگا ورنہ اس عدد کی تعیین کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

لفظ اربعة نص في العدد والذكورة ولا يقبل فيه الا اربعة رجال عدول مسلمين وهم احرار۔ [2]

اربعہ کا لفظ عدد اور مذکر ہونے کے بیان میں نص ہے اور زنا میں صرف چار نیک اور آزاد مسلمانوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

علامہ زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ، سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵ اور سورۂ نور کی آیت نمبر ۴ اور ۱۳ تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

هذه الالفاظ موضوعة للمذكر دون المؤنث۔ [3]

یہ الفاظ مذکر کے لیے موضوع ہیں نہ کہ مؤنث کے لیے۔

علامہ ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ ان آیات کو تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولفظ اربعة نص في العدد والذكورة۔ [4]

اربعہ کا لفظ عدد اور مرد ہونے کے بیان میں نص ہے۔

ملا مسکین حنفی متوفی ۹۵۴ھ سورۂ نساء کی آیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واشتراط الاربع مع وصف الذكورة يحقق معنى الستر۔ [5]

گواہوں میں چار کے عدد کے ساتھ مرد ہونے کی شرط سے (گناہ پر) پردہ پوشی کا معنی مستحکم ہوتا ہے۔

علامہ خسرو حنفی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں:

ونصابها للزنا اربعة رجال لقوله تعالى واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن اربعة منكم وقوله تعالى ثم لم يأتوا باربعة شهداء۔ [6]

زنا کی گواہی کا نصاب چار مرد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: واللاتي يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن اربعة منكم ——— اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثم لم يأتوا باربعة شهداء۔

---

1. علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۴ ص ۲۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
2. علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ شرح الہدایہ ج ۳ ص ۳۱۰، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد۔
3. علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۴ ص ۲۰۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
4. علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق ج ۷ ص ۶۰، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ
5. علامہ معین الدین الہروی المعروف بملا مسکین متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز ج ۲ ص ۵۳، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ
6. ملا احمد بن فرامرز خسرو متوفی ۸۸۵ھ، درر الحکام فی غرر الاحکام ج ۲ ص ۳۲۱، مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر، ۱۳۰۴ھ

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

ونصاب الشهادة للزنا اربعة رجال، فلا يقبل فيه شهادة النساء لقوله تعالى لولا جاءو عليه باربعة شهداء وقوله ثم لم ياتوا باربعة وقوله واللاتى يأتين الفاحشة من نسائكم فاستشهدوا عليهن اربعة منكم والنساء لا يدخلن على العدد الا اذا كان معدوده مذكرا۔[1]

اثبات زنا کا نصاب شہادت چار مرد ہیں، لہٰذا اس میں عورتوں کی گواہی بالکل قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لولا جاءو علیہ باربعۃ شہداء اور فرمایا ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء۔ نیز فرمایا واللاتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم۔ اور تاء عدد پر صرف اس وقت داخل ہوتی ہے جب اس کا معدود مذکر ہو۔

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اجمع المسلمون على انه لا يقبل فى الزنا اقل من اربعة شهود وقد نص الله تعالى عليه بقوله سبحانه لولا جاءو عليه باربعة شهداء فاذ لم ياتوا بالشهداء فاولئك عند الله هم الكذبون۔

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ زنا میں چار مردوں سے کم کی گواہی قبول نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چار مردوں پر نص کی ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: لولا جاءو علیہ باربعۃ شہداء فاذ لم یاتوا بالشہداء فاولئک عند اللہ ہم الکذبون۔

اس کے بعد علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: عطاء اور حماد نے تین مردوں اور دو عورتوں کی گواہی کو بھی جائز کہا ہے ولنا ظاہر الآیۃ۔ اور ہمارا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے۔[2]

علامہ شمس الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ نے بھی اسی آیت سے چار مردوں پر استدلال کیا ہے اور عطاء اور حماد کا اسی آیت سے رد کیا ہے۔[3]

گیارھویں صدی کے فقیہ علامہ بہوتی حنبلی لکھتے ہیں:

الامر الثانى ان يشهد على الزنا اربعة رجال مسلمين عدول لقوله تعالى والذين يرمون المحصنت ثم لم ياتوا باربعة شهداء۔[4]

اثبات زنا کے لیے دوسرا امر یہ ہے کہ چار مسلمان نیک مرد زنا پر گواہی دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء۔

دسویں ہجری کے فقہاء میں سے علامہ رشید الدین شافعی لکھتے ہیں:

ويشترط للزنا اربعة رجال لقوله تعالى والذين

اثبات زنا کے لیے چار مردوں کی گواہی شرط ہے

---

[1] ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح النقایہ ج ۲ ص ۳۱۲، مطبوعہ ایچ۔ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی
[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۱۵۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ
[3] علامہ شمس الدین ابو عمر عبدالرحمن بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ، الشرح الکبیر ج ۱۲ ص ۵۸۔۵۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ
[4] علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی، کشاف القناع ج ۶ ص ۱۰۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔

یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء۔[1]

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء۔

سید سابق لکھتے ہیں:

نصاب الشھادۃ فی حد الزنا اربعۃ لقول اللہ تعالیٰ والٰتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم وقولہ تعالیٰ والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء وقولہ تعالیٰ لولا جاءو علیہ باربعۃ شھداء۔[2]

حد زنا میں شہادت کا نصاب چار مرد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والٰتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لولا جاءو علیہ باربعۃ شھداء۔

علامہ سید بکری دمیاطی شافعی لکھتے ہیں:

اربعۃ من الرجال۔ ای لقولہ تعالیٰ والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء۔[3]

چار مرد اس لیے شرط ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھداء۔

اس بات کا جواب کہ لفظ شاہد مونث کے لیے بھی مستعمل ہے

سورۂ نساء کی آیت نمبر تین اور تیرہ میں اللہ تعالیٰ نے اربعۃ شہداء کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور ان آیتوں کے مرد ہونے پر دو دلیلیں ہیں ایک دلیل اربعہ کا تقاضا ہے عربی قواعد کے اعتبار سے اس کے بعد مذکر معدود کا ذکر ہونا چاہیے اور دوسری دلیل شہداء کا تقاضا ہے اور شہداء شاہد کی جمع ہے اور شاہد مذکر کا صیغہ ہے اور یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ گواہ مذکر ہونے چاہییں۔

بعض افاضل نے یہ اعتراض کیا ہے کہ شاہد کا لفظ مذکر اور مونث دونوں میں مشترک ہے اس لیے اس لفظ سے گواہوں کا مرد ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ اور شاہد کے مذکر اور مونث میں مشترک ہونے پر دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن منظور افریقی نے لکھا ہے کہ:

ورجل شاھد وکذلک الانثی لان اعرف ذلک انما ھو فی المذکر۔[4]

مرد شاہد کہا جاتا ہے اور اسی طرح مونث کے لیے بھی کیونکہ یہ لفظ مذکر میں زیادہ معروف ہے۔

اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ صرف علامہ ابن منظور افریقی کا شذوذ ہے باقی لغات میں شاہد کو مونث کے لیے مستعمل نہیں لکھا، چنانچہ صراح، قاموس، صحاح، مفردات، نہایہ، مجمع بحار الانوار، منتہی الادب، تہذیب الاسماء

---

[1] علامہ محمد شربینی خطیب شافعی، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۴۴۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] علامہ سید سابق، فقہ السنۃ، ج ۳ ص ۴۲۶، مطبوعہ شرکۃ دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ جدہ

[3] علامہ سید ابی بکر المشہور بالسید البکری، اعانۃ الطالبین ج ۴ ص ۲۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[4] علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی مصری ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۳ ص ۲۳۹، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

خلاف آجائے تو اس سے قاعدہ کلیہ باطل نہیں ہوتا بلکہ اس جزئیہ کو قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا ہے، یہ ایسا سوال ہے جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب "سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی" اس حدیث میں لا نفی جنس کے لیے نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ لا نفی جنس کے لیے نہیں آتا۔ لہٰذا لا نبی بعدی میں بھی لا نفی جنس کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ "میرے بعد کوئی کامل نبی نہیں ہوگا" (یعنی ناقص نبی ہو سکتا ہے) نعوذ باللہ من تلک الخرافات

دوسرا جواب یہ ہے کہ ثمانیۃ ازواج سے اعتراض اس وقت درست ہوتا جبکہ ازواج کا لفظ صرف مونث میں مستعمل ہوتا، جبکہ یہاں یہ لفظ مذکر اور مونث دونوں کے لیے ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ باب تغلیب سے ہے اور مذکر کی جانب کو غالب قرار دے کر ثمانیہ کا لفظ لایا گیا ہے اگر مونث کو غالب قرار دیا جاتا تو ثمان ازواج کہا جاتا۔

تسعۃ رھط سے اعتراض کا جواب

اسی طرح قرآن مجید میں ہے: وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط (نمل: ۴۸) اس سے بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ رھط قبیلہ کو کہتے ہیں جس میں مرد اور عورت دونوں ہوتے ہیں۔ پس تسعۃ مرد کے ساتھ خاص نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رھط اس گروہ کو کہتے ہیں جس میں صرف مرد ہوں اور عورتیں نہ ہوں[1] لہٰذا اس سے اعتراض صحیح نہیں ہے اور بر تقدیر تسلیم اس کا وہی جواب ہے جو ثمانیۃ ازواج میں بیان کیا گیا ہے۔

حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی کے عدم اعتبار پر احادیث اور آثار!

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن الزھری قال، مضت السنۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ الا تجوز شھادۃ النساء فی الحدود۔[2]

زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دونوں خلیفوں کے زمانہ میں یہ سنت تھی کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

عن عامر قال، لا تجوز شھادۃ النساء فی الحدود۔[3]

عامر کہتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے

عن الحسن قال لا تجوز شھادۃ النساء فی الحدود۔[4]

حسن بصری کہتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں ہے۔

عن سفیان قال سمعت حمادا یقول لا تجوز

سفیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد سے سنا ہے

---

[1] لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد مترجم ص ۴۳۴، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

[2] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۵۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[3] " " " " المصنف ج ۱۰ ص ۵۹ " " " "

[4] " " " " المصنف ج ۱۰ ص ۵۹ " " " "

شهادة النساء فى الحدود[1]

کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے۔

عن الشعبي قال لا تجوز شهادة امرأة فى حد ولا شهادة عبد[2]

شعبی کہتے ہیں کہ حدود میں عورت کی شہادت جائز ہے نہ غلام کی۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن الحسن والزهري قالا: لا تجوز شهادة النساء فى حد ولا طلاق ولا نكاح وان كان معهن رجل[3]

حسن اور زہری بیان کرتے ہیں کہ حدود اور طلاق اور نکاح میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے خواہ ان کے ساتھ مرد ہوں۔

عن الحكم بن عتيبة ان على بن ابى طالب قال لا تجوز شهادة النساء فى الطلاق والنكاح والحدود والدماء[4]

حکم بن عتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب نے کہا کہ طلاق، نکاح، حدود اور قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے۔

عن عبد الرحمان قال: لا تجوز شهادة النساء فى الحدود[5]

عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں ہے۔

حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی کے عدم اعتبار پر اجماع

تمام اہل علم حضرات کا اس پر اجماع ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے البتہ شیخ ابن حزم وغیرہ کا شذوذ اس اجماع میں معتبر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے ان کی مخالفت کا اعتبار نہیں کیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ولا بد ان يكون الشهود ذكورا لقوله "منكم" ولا خلاف فيه بين الامة[6]

زنا کے گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "منکم" فرمایا ہے اور اس میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

علامہ علاؤ الدین سمرقندی لکھتے ہیں:

ولا تقبل فيها شهادة النساء مع الرجال بلا خلاف۔[7]

زنا میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

---

[1] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، المصنف ج ۱۰ ص ۶۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[2] " " " " ، المصنف ج ۱۰ ص ۹۹، " " "

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۸ ص ۳۲۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[4] " " " ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۰-۳۲۹ " " "

[5] " " " ، المصنف ج ۸ ص ۳۳۰ " " "

[6] علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۸۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[7] علامہ علاؤ الدین ... ۱۰۸۸ھ، الدر المنتقی علی الملتقی الابحر ج ۲ ص ۱۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

فان المسلمین اتفقوا علی انہ لا یثبت الزنا باقل من اربعۃ عدول ذکور۔[1]

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ چار نیک مردوں سے کم کی گواہی سے زنا ثابت نہیں ہوتا۔

حدود اور قصاص میں عورتوں کو گواہ نہ بنانے کی عقلی وجوہات

حدود اور قصاص میں شہادت کا تحمل اور بروقت ضرورت اس شہادت کو ادا کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ شاہد حوصلہ مند اور جری ہو اور اس کو بلا روک ٹوک ہر جگہ آنے جانے کی قدرت حاصل ہو، اور عورت چونکہ فطرتاً رقیق القلب ہوتی ہے اور قتل اور خونریزی کے مناظر دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی اور وہ ہی لڑائی جھگڑوں کے مواقع پر عورت عادۃً موجود ہوتی ہے، اس لیے اس سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ قاتل کے قتل کرنے کی تمام کیفیات اور جزئیات کو محفوظ رکھ سکے اور پھر جرأت اور حوصلہ کے ساتھ عدالت میں اس کو بیان کر سکے۔ نیز جس شخص کو پھانسی کی سزا دی جاتی ہے اور وہ عدالت میں کھڑا موت کا منتظر ہے، ہو سکتا ہے اس وقت اس کی بے چارگی پر عورت کو اپنی فطری رقت قلبی کی وجہ سے رحم آ جائے اور وہ اپنا بیان بدل دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مخالف وکیل کے تابڑ توڑ اعتراضات سے گھبرا کر الٹ سلٹ کہہ دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مخالف پارٹی کے دباؤ میں آ کر وہ اپنا بیان بدل دے کیونکہ قتل کے مقدمہ میں گواہی دینے کے لیے مضبوط حوصلہ اور نہایت قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ قوت صرف مردوں کو حاصل ہے۔ ایام حیض میں عورت کا ذہن منتشر رہتا ہے اور ان ایام میں اس سے صحیح جواب دہی کی توقع نہیں کی جا سکتی، حمل کے ایام میں بعض اوقات عورت کا گھر سے باہر نکلنا اور سفر کرنا طبی اعتبار سے ممنوع ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ جن تاریخوں میں اس کی پیشی ہو ان تاریخوں میں اس کی زچگی ہو یا حمل کے تکلیف دہ ایام ہوں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ حدود اور قصاص کی کڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قصاص اور حد زنا کے گواہوں کی گواہی کی بناء پر ایک مسلمان شخص کی زندگی اور موت کا مدار ہوتا ہے اس وجہ سے اسلام نے اس کی گواہی ہر قسم کے شکوک اور شبہات سے بالاتر رکھی ہے۔ کافر پر یہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمان کا خیر خواہ ہوگا اور یہ شک کیا جا سکتا ہے کہ اس نے مسلمان کی بدخواہی کے لیے غلط شہادت دی ہو اس وجہ سے اس باب میں کافر کی شہادت کا اعتبار نہیں کیا گیا اور عورت کی گواہی چونکہ نصف ہوتی ہے۔ اور اس کے بہکنے اور غلطی کرنے کا امکان ہے اس وجہ سے اس کی شہادت کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا صرف مسلمان نیک مردوں کی شہادت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

شہادت کے باب میں میں نے بہت تفصیل اور تحقیق کی ہے اور بہت غور و خوض کیا ہے اور مختلف کتابوں کی چھان بین کی ہے ماہرین علماء سے مذاکرات اور بحث و تمحیص کی اور بہت چھان پھٹک کر لکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ عورت کی شہادت کے نصاب اور حدود و قصاص میں عورت کی شہادت کا اعتبار نہ کرنے کی وجہ سے اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو آدھا انسان قرار دیا ہے اور حدود و قصاص میں چونکہ اس کی شہادت اصلاً نہیں ہے گویا وہ آدھا انسان بھی نہیں ہے اس بناء پر میں نے اسلام کی حقانیت واضح کرنے کے لیے شہادت کے تمام پہلوؤں کو واضح کیا تاکہ اسلام کے نظام شہادت کا فلسفہ تشنگی کے قارئین بھی

[1] قاضی ابو الولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت

واضح ہو سکے اور معترضین کو تسلی بخش جواب دیے جا سکیں۔

الہ العالمین میری اس تحریر کو نفع آور بنا، مخالفین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا سبب بنا اور میری اس کتاب کو میرے لیے توشۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ کر دے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بَابُ بَيَانِ اخْتِلَافِ الْمُجْتَهِدِينَ

مجتہدین کے اختلاف کا بیان

۴۳۸۱ - حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنِي شَبَابَةُ حَدَّثَنِي وَرْقَاءُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ هٰذِهِ لِصَاحِبَتِهَا إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ أَنْتِ وَقَالَتِ الْأُخْرَى إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَكُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرَى لَا يَرْحَمُكَ اللهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضَى بِهِ لِلصُّغْرَى قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاللهِ إِنْ سَمِعْتُ بِالسِّكِّينِ قَطُّ إِلَّا يَوْمَئِذٍ مَا كُنَّا نَقُولُ إِلَّا الْمُدْيَةَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتیں اپنے اپنے بچے کو ساتھ لے کر جا رہی تھیں، راستے میں بھیڑیا آ کر ان میں سے ایک کے بچے کو لے گیا، ایک عورت نے دوسری سے کہا بھیڑیا تمہارے بچہ کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا نہیں، تمہارے بچہ کو لے گیا ہے وہ دونوں حضرت داؤد کے پاس اپنا مقدمہ لے کر گئیں، انہوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان کو ماجرا سنایا، حضرت سلیمان نے فرمایا چھری لاؤ میں اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے تم دونوں کو دے دیتا ہوں، چھوٹی نے کہا نہیں، اللہ تم پر رحم کرے وہ اسی کا بچہ ہے، پھر حضرت سلیمان نے چھوٹی کے حق میں اس بچہ کا فیصلہ کر دیا، حضرت ابوہریرہ نے کہا بخدا! ا چھری کے لیے "سکین" کا لفظ میں نے اسی دن سنا ہے۔ ہم اس سے پہلے "مدیہ" کہا کرتے تھے۔

۴۳۸۲ - وَحَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنِي حَفْصٌ يَعْنِي ابْنَ مَيْسَرَةَ الصَّنْعَانِيَّ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَهُوَ ابْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ جَمِيعًا عَنْ أَبِي الزِّنَادِ بِهٰذَا

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں اور بیان کی ہیں اور کہا ان سندوں سے بھی اسی طرح روایت ہے۔

اِلَّا سْنَادِ مِثْلَ مَعْنٰی حَدِیْثِ وَرْقَآءَ۔

اس باب کی حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس بچہ کا بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس جگہ یہ سوال ہے کہ حضرت داؤد نے کس قرینہ کی بناء پر بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت داؤد کے خیال میں وہ بچہ بڑی عورت کے مشابہ ہو اور اس مشابہت کی بناء پر انھوں نے یہ فیصلہ کیا ہو، یا بچہ بڑی عورت کے ہاتھ میں دیکھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہو۔

حضرت سلیمان کا واقعاتی شہادت سے استدلال

حضرت سلیمان نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان دونوں سے کہا کہ میں چھری سے اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیتا ہوں تاکہ یہ دیکھیں کہ یہ فیصلہ کس پر دشوار ہوتا ہے اور جس عورت پر بچہ کے دو ٹکڑے کرنے کا فیصلہ شاق ہوگا وہی عورت حقیقت میں بچہ کی ماں ہوگی، اور جب بڑی عورت بچے کے ٹکڑے کرنے پر راضی ہو گئی اور چھوٹی عورت نے بچے کی جان بچانے کے لیے کہا کہ نہیں، یہ اسی کا بچہ ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ بچہ حقیقت میں چھوٹی عورت کا ہے، اور انھوں نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ درحقیقت اس مسئلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے واقعاتی شہادت اور قرینہ خارجیہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ بیان اور گواہی نہیں تھی۔ اور علماء نے کہا ہے کہ حکام کو اس قسم کے معاملات میں واقعاتی شہادتوں سے استدلال کرنا چاہیے۔

ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے کب اختلاف کر سکتا ہے؟

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے بعد اسی مقدمہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیوں فیصلہ کیا، اور ان کے فیصلہ کو کیوں تبدیل کیا، حالانکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے فیصلہ کو تبدیل نہیں کرتا؟ اس کے متعدد جواب ہیں:

(۱)۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس فیصلہ پر یقین نہیں تھا۔

(۲)۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فتویٰ تھا، فیصلہ نہیں تھا۔

(۳)۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں یہ جائز ہو کہ جب دوسرے حاکم کے پاس مقدمہ پہنچے تو وہ پہلے حاکم کے خلاف فیصلہ کرے۔

(۴)۔ حضرت سلیمان نے جب حیلہ سے یہ معلوم کر لیا کہ بچہ چھوٹی عورت کا ہے تو انھوں نے بڑی عورت سے اقرار کرا لیا اور اقرار حجت ملزمہ ہے، کیونکہ جب اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کے خلاف خود ہی اقرار کر لیا کہ حق چھوٹی عورت کا ہے تو اب حضرت سلیمان پر فیصلہ تبدیل کرنے کا اعتراض نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد سے اختلاف کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد کرتے ہیں اور بعض اوقات انبیاء علیہم السلام سے اجتہادی خطاء بھی ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس مسئلہ میں حضرت داؤد علیہ السلام سے اجتہادی خطاء ہو گئی، لیکن وہ اجتہادی خطاء پر قرار نہیں رہتے اللہ تعالیٰ ان پر حق واضح کر دیتا ہے۔

بَابُ اسْتِحْبَابِ إِصْلَاحِ الْحَاكِمِ بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ

دو فریقوں کے درمیان حاکم کے صلح کرانے کا استحباب

۴۳۸۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى رَجُلٌ مِنْ رَجُلٍ عَقَارًا لَهُ فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ جَرَّةً فِيهَا ذَهَبٌ فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْأَرْضَ وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ فَقَالَ الَّذِي شَرَى الْأَرْضَ إِنَّمَا بِعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَا فِيهَا قَالَ فَتَحَاكَمَا إِلَى رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِي تَحَاكَمَا إِلَيْهِ أَلَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِي غُلَامٌ وَقَالَ الْآخَرُ لِي جَارِيَةٌ قَالَ أَنْكِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ وَأَنْفِقُوا عَلَى أَنْفُسِكُمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقَا.

ہمام بن منبہ نے حضرت ابوہریرہ کی کئی احادیث بیان کیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک شخص نے دوسرے شخص سے زمین خریدی، جس شخص نے زمین خریدی تھی اس کو اس زمین میں سونے سے بھرا ہوا ایک گھڑا ملا، زمین خریدنے والے شخص نے زمین والے سے کہا اپنا سونا لے لو، میں نے تو تم سے فقط زمین خریدی تھی، اور تم سے سونا نہیں خریدا تھا، زمین بیچنے والے نے کہا میں نے تم کو زمین اور جو کچھ اس زمین میں ہے فروخت کر دیا ہے، پھر ان دونوں نے ایک شخص کو اپنا منصف بنایا، منصف نے پوچھا کیا تمہاری اولاد ہے؟ ایک نے کہا میرا لڑکا ہے، دوسرے نے کہا میری لڑکی ہے، منصف نے کہا لڑکے اور لڑکی کی شادی کر دو اور اس سونا اپنے اوپر خرچ کرو اور صدقہ کرو۔

حَکَم کے فیصلے کے متعلق فقہاء کی آراء

اس حدیث میں یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے ایک شخص کو حاکم بنایا، علامہ وشتانی ابی مالکی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حکومت کا مقرر کردہ حاکم نہیں تھا، اور ان دونوں فریقوں نے اس کو اپنا حاکم بنا لیا تھا۔ امام مالک بھی یہی کہتے ہیں کہ کسی شخص کو حکم بنانا صحیح ہے اور اگر وہ شخص فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کا فیصلہ لازم ہو جائے گا اور اس کا فیصلہ غلط نہیں قرار دیا جائے گا خواہ قاضی شہر کی رائے اس کے موافق ہو یا مخالف، اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر اس حاکم کا فیصلہ قاضی شہر کی رائے کے موافق ہے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول امام مالک کی مثل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا فیصلہ لازم اور نافذ نہیں ہوگا اور اس کا قول فتویٰ کی طرح ہوگا۔ ؎

؎ علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی اسی طرح مذاہب فقہاء بیان کیے ہیں۔ [1]

زمین خریدنے کے بعد اس میں دفینہ ملنے کی مختلف صورتیں اور ان کے احکام

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حاکم نے وہ مال ان دونوں میں سے کسی ایک کو نہیں دیا بلکہ ان کی اولاد پر تقسیم کر دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مال ضائع تھا اور ان میں سے کسی شخص نے اس مال کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور شاید وہاں بیت المال نہیں تھا، اس لیے اس حاکم نے یہ سوچا کہ چونکہ یہ دونوں نیک آدمی ہیں اس لیے دوسروں کی بہ نسبت یہ دونوں اس مال کے زیادہ حق دار ہیں۔ علامہ ابی مالکی کہتے ہیں کہ جس مال کے دو شخص دعویٰ دار ہوں وہ مال ان دونوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اسی طرح جس مال کا دونوں انکار کریں اس کو بھی دونوں پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ (علامہ ابی کا بیان کردہ یہ قاعدہ کلیہ صحیح نہیں ہے، البتہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس مال کے دو شخص دعویٰ دار ہوں اور کسی کے دعویٰ کو دوسرے پر ترجیح اور فوقیت نہ ہو تو پھر وہ مال دونوں پر تقسیم کر دیا جائے گا، اسی طرح اگر ایک مال دو شخصوں سے متعلق ہو اور ان کے علاوہ کسی اور کی ملکیت اس سے متعلق نہ ہو اور وہ دونوں اس سے انکار کرتے ہوں تو وہ مال دونوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ مازری مالکی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے زمین بیچی اور پھر خریدار کو اس زمین میں دفینہ ملا تو ہمارے نزدیک اس میں اختلاف ہے کہ وہ بائع کی ملکیت ہے یا مشتری کی؟ اور اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔ علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ اختلاف اس وقت ہے جب وہ دفینہ پتھروں اور سنگ مرمر کی طرح زمین کی جنس سے ہو ــــــــــــ لیکن جو چیز زمین کی جنس سے نہ ہو جیسے سونا اور چاندی تو اگر وہ زمانہ جاہلیت کے دفینوں سے ہے تو وہ رکاز ہے۔ اور اگر وہ مسلمانوں کے دفینوں میں سے ہے تو وہ لقطہ ہے (اگر سونے اور چاندی کے ان سکوں پر بتوں کی تصویریں ہیں تو وہ دفینہ جاہلیت ہوگا اور اس کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے ہوگا اور باقی حصہ مالک زمین کا ہوگا یہ رکاز کا حکم ہے اور اگر ان سکوں پر مسلمانوں کی حکومتوں کی علامتیں ہوں تو پھر وہ مال لقطہ ہے، لقطہ کا حکم آئندہ ابواب میں آرہا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)، اور اگر سونے اور چاندی کے ان سکوں کا کچھ پتا نہ چلے تو پھر وہ مال ضائع ہے اور اس کو بیت المال میں محفوظ کر دیا جائے گا اور اگر وہاں بیت المال نہ ہو تو پھر اس مال کو فقراء میں اور مسلمانوں کے مفاد عامہ میں خرچ کر دیا جائے گا۔

علامہ وشتانی اُبی مالکی لکھتے ہیں: اگر وہ دفینہ رکاز قرار دیا جائے تو امام ابن القاسم کے نزدیک وہ خریدار کی ملکیت ہے اور امام مالک کے نزدیک وہ بائع کی ملکیت ہے اور اگر اس کو لقطہ قرار دیا جائے تو پھر وہ بلا اختلاف بائع کا ہے۔ اور بعض فقہاء مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر وہ قدیم زمانہ کا دفینہ ہے تب اس کو لقطہ قرار دیا جائے اور اگر وہ زمانہ قریب کا دفینہ ہے تو وہ بائع یا اس کے ورثاء کی ملکیت ہے اور زمانہ کے قرب اور بعد کا تعین قرائن سے کیا جائے گا۔ [2]

دفینہ کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی علامہ مازری مالکی کے بیان کردہ اقوال نقل کیے ہیں اور اس مسئلہ میں انفرادیت نے امام مالک کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی اُبی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۹-۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۵۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

رکاز میں مختار احناف کے مذہب کی تفصیل ہم نے سابقہ جلد میں بیان کر دیا ہے۔

۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ کو کتاب الاقضیۃ ختم ہو گئی والحمد للہ رب العالمین۔ اے بار الٰہ! مجھے صحیح مسلم کی باقی کتب اور ابواب کی شرح کی تکمیل بھی عنایت کر اور صحت و عافیت قائم رکھ اور اس کے لیے مزید قوت، توانائی اور وسائل عطا فرما اور اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرما اور اس کو تا قیامت تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنا دے اور میرے لیے اس کو صدقہ جاریہ اور بخشش کا ذریعہ بنا دے۔ آمین! وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المحدثین والمفسرین والائمۃ المجتہدین اجمعین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ اللُّقَطَةِ

گری پڑی چیزوں کے احکام

بَابٌ

۴۳۸۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَشَأْنَكَ بِهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ قَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا قَالَ يَحْيَى أَحْسِبُ قَرَأْتُ عِفَاصَهَا.

۴۳۸۵ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالَ ابْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے لقطہ (گم شدہ چیز) کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا اس (تھیلی) کے باندھنے کی ڈوری اور اس تھیلی کی پہچان کو یاد رکھو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو، اگر اس کا مالک آجائے تو فبہا ورنہ اس کو تم رکھ لو، اس شخص نے کہا اور گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی یا بھیڑیے کی، اس نے کہا اور گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اس کے ساتھ اس کی مشک (پیٹ کا پانی) ہے اور اس کا جوتا بھی اس کے ساتھ ہے، (وہ پانی کے گھاٹ) پر جائے گا اور درختوں کے پتے کھائے گا حتیٰ کہ اس کا مالک آکر اس کو پکڑ لے گا۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا تم اس کا ایک سال تک اعلان کرو، پھر اس کے سربند اور اس تھیلی کو پہچان کر یاد رکھو پھر اس کو خرچ کرو، اور اگر اس کا مالک آئے تو وہ اس کو دے دو، اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ! گم شدہ جنگلی بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو لے لو وہ تمہاری

عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ قَالَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا۔

یا تمہارے بھائی کی ہے، یا بھیڑیے کی، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! اور گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے رخسار سرخ ہو گئے، یا چہرہ سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: تمہیں اونٹ سے کیا مطلب ہے؟ اس کے ساتھ اس کا جوتا اور مشک ہے (وہ چرتا پھرے گا) حتیٰ کہ اس کا مالک اس سے آ ملے گا۔

۴۳۸۶- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ وَغَيْرُهُمْ أَنَّ رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَهُمْ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ حَدِيثِ مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ قَالَ وَقَالَ عَمْرٌو فِي الْحَدِيثِ فَإِذَا لَمْ يَأْتِ لَهَا طَالِبٌ فَاسْتَنْفِقْهَا۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا درآں حالیکہ میں بھی آپ کے ساتھ تھا اس شخص نے آپ سے لقطہ کے متعلق دریافت کیا اور اس حدیث کے آخر میں ہے جب اس چیز کا کوئی مانگنے والا نہ آئے تو اس کو خرچ کر ڈالو۔

۴۳۸۷- وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ الْأَوْدِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ يَقُولُ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَاحْمَارَّ وَجْهُهُ وَجَبِينُهُ وَغَضِبَ وَزَادَ بَعْدَ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا، اس کے بعد بقیہ حدیث حسب سابق ہے، اور اس میں یہ ہے کہ آپ کی پیشانی اور چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، اور آپ غضب ناک ہوئے اور اس کے بعد آپ کا یہ ارشاد ہے کہ پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو اور اگر اس کا مالک نہ آیا تو وہ چیز تمہارے پاس امانت رہے گی۔

وِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ لَمْ يَجِئْ صَاحِبُهَا كَانَتْ وَدِيعَةً عِنْدَكَ .

۴۴۸۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ الذَّهَبِ أَوِ الْوَرِقِ فَقَالَ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ لَمْ تَعْرِفْ فَاسْتَنْفِقْهَا وَلْتَكُنْ وَدِيعَةً عِنْدَكَ فَإِنْ جَاءَ طَالِبُهَا يَوْمًا مِنَ الدَّهْرِ فَأَدِّهَا إِلَيْهِ وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْإِبِلِ فَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا دَعْهَا فَإِنَّ مَعَهَا حِذَاءَهَا وَسِقَاءَهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا وَسَأَلَهُ عَنِ الشَّاةِ فَقَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے یا چاندی کے لقطہ (گم شدہ چیز) کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا اس کا سربند اور اس کی تھیلی پہچان کر یاد رکھو اور اس کا ایک سال تک اعلان کرو، پھر بھی اگر وہ شناخت نہ کی جائے تو تم اس کو خرچ کر لو لیکن وہ چیز تمہارے پاس امانت رہے گی، پھر جب کسی دن اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اس کو دے دو، پھر اس شخص نے گم شدہ اونٹ کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا تمہارا اس سے کیا تعلق، اس کو چھوڑ دو، کیونکہ اس کے ساتھ اس کی جوتی اور مشک ہے، وہ پانی پر جائے گا اور درخت کے پتے کھائے گا حتیٰ کہ اس کا مالک اس کو پا لے گا، پھر اس نے آپ سے بکری کے بارے میں پوچھا، آپ نے فرمایا اس کو لے لو کیونکہ یا وہ تمہارے لیے ہے یا تمہارے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے ہے۔

۴۴۸۹ - وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَرَبِيعَةُ الرَّأْيِ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَالَّةِ الْإِبِلِ زَادَ رَبِيعَةُ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ وَزَادَ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَعَرَفَ عِفَاصَهَا وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا فَأَعْطِهَا إِيَّاهُ وَإِلَّا فَهِيَ لَكَ .

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گم شدہ اونٹ کے بارے میں سوال کیا، ربیعہ کی روایت میں یہ زیادہ ہے کہ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے اور اس روایت میں یہ زیادہ ہے کہ اگر اس کا مالک آئے اور اس تھیلی کے (روپیوں کے) عدد اور سربند کو پہچان لے تو وہ اس کو دے دو ورنہ وہ تمہارے لیے ہے۔

۴۳۹۰ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ لَمْ تُعْتَرَفْ فَاعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ كُلْهَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ.

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا اس کا ایک سال تک اعلان کرو، پھر بھی اگر وہ نہ پہچانی جائے تو اس کی تھیلی اور سر بندھن کی پہچان کو یاد رکھو، پھر اس کو کھا لو اور اگر اس کا مالک آئے تو وہ چیز اس کو ادا کر دو۔

۴۳۹۱ - وَحَدَّثَنِيهِ إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ عُثْمَانَ بِهَذَا الإِسْنَادِ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ فَإِنِ اعْتُرِفَتْ فَأَدِّهَا وَإِلاَّ فَاعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا وَعَدَدَهَا.

ایک اور سند سے یہ روایت ہے، اور اس میں یہ ہے کہ اگر وہ چیز پہچان لی جائے تو اس کو دے دو، ورنہ اس تھیلی اس کے سر بند اور اس کے عدد کی شناخت کو یاد رکھو۔

۴۳۹۲ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ خَرَجْتُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ صُوحَانَ وَسَلْمَانُ بْنُ رَبِيعَةَ غَازِينَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا فَأَخَذْتُهُ فَقَالاَ لِي دَعْهُ فَقُلْتُ لاَ وَلَكِنِّي أُعَرِّفُهُ فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهُ وَإِلاَّ اسْتَمْتَعْتُ بِهِ قَالَ فَأَبَيْتُ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ غَزَاتِنَا قُضِيَ لِي أَنِّي حَجَجْتُ فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَأَخْبَرْتُهُ بِشَأْنِ السَّوْطِ وَبِقَوْلِهِمَا فَقَالَ إِنِّي وَجَدْتُ صُرَّةً فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت زید بن صوحان اور حضرت سلمان بن ربیعہ جہاد کے لیے گئے، مجھے ایک چابک پڑا ہوا ملا، میں نے اس کو اٹھا لیا، ان دونوں نے مجھ سے کہا: اس کو چھوڑ دو، میں نے کہا نہیں، میں اس کا اعلان کروں گا اگر اس کا مالک آ گیا تو ٹھیک ورنہ میں خود اس سے فائدہ اٹھاؤں گا، اور میں نے ان دونوں کی بات نہیں مانی، جب ہم جہاد سے واپس لوٹے تو میں خوش قسمتی سے حج کے لیے چلا گیا اور پھر میں مدینہ آیا، یہاں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، میں نے ان کو چابک اٹھانے اور ان دونوں کے منع کرنے کا قصہ سنایا، انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مجھے ایک تھیلی ملی تھی جس میں سو دینار تھے، میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا اس کا ایک سال تک اعلان کرو، انھوں نے کہا پھر میں نے اس کا اعلان کیا، لیکن اس کی شناخت کے لیے کوئی نہیں آیا، میں دوبارہ

فَأَتَيْتُ بِهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا قَالَ فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا فَقَالَ احْفَظْ عَدَدَهَا وَوِعَاءَهَا وَوِكَاءَهَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا فَاسْتَمْتَعْتُ بِهَا فَلَقِيتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِمَكَّةَ فَقَالَ لَا أَدْرِي بِثَلَاثَةِ أَحْوَالٍ أَوْ حَوْلٍ وَاحِدٍ۔

آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا ایک سال تک اس کا اعلان کرو، انھوں نے کہا: میں نے پھر اس کا اعلان کیا اور کوئی اس کی شناخت کے لیے نہیں آیا میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا ایک سال تک اس کا اعلان کرو، انھوں نے کہا میں نے اعلان کیا اور اس کی شناخت کے لیے کوئی شخص نہیں آیا پھر آپ نے فرمایا ان کے عدد، مال کی تھیلی اور سربند کی شناخت کو یاد رکھو، اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ورنہ تم اس سے فائدہ اٹھالو پھر میں نے اس سے فائدہ اٹھایا، سوید بن غفلہ کہتے ہیں اس کے بعد میری حضرت ابی سے مکہ میں ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا مجھے یاد نہیں تین سال تھے یا ایک سال۔

۴۳۹۳ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ أَوْ أَخْبَرَ الْقَوْمَ وَأَنَا فِيهِمْ قَالَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَوَجَدْتُ سَوْطًا وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِمِثْلِهِ إِلَى قَوْلِهِ فَاسْتَمْتَعْتُ بِهَا قَالَ شُعْبَةُ فَسَمِعْتُهُ بَعْدَ عَشْرِ سِنِينَ يَقُولُ عَرَّفَهَا عَامًا وَاحِدًا۔

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت زید بن صوحان اور حضرت سلمان بن ربیعہ ایک سفر پر گئے مجھے ایک چابک پڑا ہوا ملا، اس کے بعد "میں نے اس سے فائدہ اٹھایا" تک حسب سابق حدیث ہے شعبہ کہتے ہیں کہ میں دس سال بعد ان سے ملا تو وہ کہتے تھے ایک سال تک اعلان کرو۔

۴۳۹۴ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ ح وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

امام مسلم نے اس حدیث کی چار سندیں بیان کیں، حماد بن سلمہ کی روایت کے علاوہ تمام روایات میں تین سال تک اعلان کرنے کا ذکر ہے اور حماد کی روایت میں دو سال یا تین سال کا ذکر ہے، اور سفیان اور زید بن ابی انیسہ اور حماد بن سلمہ کی روایت میں ہے اگر کوئی شخص آئے اور وہ اس چیز کی تعداد، تھیلی اور سربند کی پہچان بتلائے تو تم اس کو وہ چیز دے دو اور وکیع کی روایت میں یہ زائد ہے کہ ورنہ وہ چیز تمہارے مال کی طرح ہے اور ابن نمیر کی روایت

بن بشر حدثنا بهز حدثنا حماد بن سلمة كل هؤلاء عن سلمة بن كهيل بهذا الإسناد نحو حديث شعبة وفي حديثهم جميعا ثلاثة أحوال إلا حماد بن سلمة فإن في حديثه عامين أو ثلاثة وفي حديث سفيان وزيد بن أبي أنيسة وحماد بن سلمة فإن جاء أحد يخبرك بعددها ووعائها ووكائها فأعطها إياه وزاد سفيان في رواية وكيع وإلا فهي كسبيل مالك وفي رواية ابن نمير وإلا فاستمتع بها۔

اسی کا ہے ورنہ پھر تم اس سے نفع حاصل کرو۔

٤٣٩٥ - حدثني أبو الطاهر ويونس بن عبد الأعلى قالا أخبرنا عبد الله بن وهب أخبرني عمرو بن الحارث عن بكير بن عبد الله بن الأشج عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب عن عبد الرحمن بن عثمان التيمي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن لقطة الحاج۔

حضرت عبد الرحمان بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔

٤٣٩٦ - وحدثني أبو الطاهر ويونس بن عبد الأعلى قالا حدثنا عبد الله بن وهب قال أخبرني عمرو بن الحارث عن بكر بن سوادة عن أبي سالم الجيشاني عن زيد بن خالد الجهني عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال من آوى ضالة فهو ضال ما لم يعرفها۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی گم شدہ چیز کو رکھ لیا تو وہ شخص گمراہ ہے جب تک کہ وہ اس کا اعلان نہ کرے۔

لقطہ کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ لُقَطَہ بروزن ہُمَزَہ ہے اور لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو راستہ میں پڑی مل جائے اور لُقَطَہ اس شخص کو کہتے ہیں جو گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہو، اور راستہ میں کوئی بچہ پڑا ہوا مل جائے تو اس کو لقیط کہتے ہیں۔ [1]

لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ لقطہ کا نہ اٹھانا افضل ہے، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت جابر، ابن زید، ربیع بن خثیم اور عطاء کا بھی یہی نظریہ ہے، قاضی شریح نے ایک درہم گرا ہوا دیکھا اور اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ امام شافعی اور ابو الخطاب کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ایسی جگہ پڑی ہے جہاں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور اس شخص کو اپنے اوپر یہ اطمینان حاصل ہو کہ وہ اس چیز میں خیانت نہیں کرے گا تو اس شخص کے لیے اس چیز کو اٹھانا افضل ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص پر اٹھانا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض (توبہ: ۷۱) "مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے ولی ہیں" اور جب مسلمان ایک دوسرے کے ولی ہیں تو ان پر ایک دوسرے کی چیزوں کی حفاظت واجب ہے۔ سعید بن مسیب، حسن بن صالح اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی لقطہ کو اٹھانا واجب ہے (امام ابو حنیفہ کے نزدیک لقطہ کو اٹھانا واجب نہیں مستحب ہے۔ سعیدی غفرلہ)، حضرت ابی بن کعب اور حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہما نے لقطہ کو اٹھایا تھا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اہم اور قیمتی چیز ہو تو اس کو اٹھانا مستحب ہے اور وہ اٹھا کر اس کا اعلان کرے، کیونکہ اس میں مسلمان کے مال کی حفاظت ہے اور یہ اس کو ضائع کرنے سے بہتر ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور صحابہ میں سے کسی نے ان کے قول کی مخالفت نہیں کی، نیز لقطہ کو اٹھا کر اپنے آپ کو حرام کھانے اور اعلان نہ کر کے ترک واجب کے خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اس لیے زیادہ محفوظ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ لقطہ کو نہ اٹھایا جائے، جس طرح یتیم کے مال کا ولی نہ بننا بہتر ہے، اور یہ خیال کہ لقطہ نہ اٹھانے سے ایک مسلمان کے مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس لیے سودمند نہیں ہے کہ جیسے بیچنے، ارث وغیرہ کو بھی لے جانا جائز نہیں ہے، حالانکہ مال ضائع ہونے کا خطرہ اس میں بھی ہے۔ [2]

لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں فقہاء احناف کا موقف

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: لقطہ کو اٹھانے کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، بعض متقشف علماء یہ کہتے ہیں کہ لقطہ کو اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ بلا اجازت غیر کے مال کو اٹھانا ہے اس لیے اس پر ہاتھ بڑھانا جائز نہیں ہے، اور بعض متقدمین ائمہ تابعین نے یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ لقطہ کو اٹھانا جائز ہے لیکن اس کو نہ اٹھانا افضل ہے، کیونکہ جس شخص کی چیز گری ہے وہ اس کو اسی جگہ ڈھونڈے گا جس جگہ وہ چیز گری تھی اور جب اس چیز کو اٹھایا نہیں جائے گا تو اس کا مالک اسی جگہ سے اپنی چیز اٹھا لے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ چیز اٹھانے کے بعد یہ خطرہ موجود ہے

۱۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۵ ص ۲۲۴، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

۲۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۵ ص ۲۱۱-۲۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

کو اٹھانے والے کی نیت بدل جائے اس لیے لقطہ کو اٹھانا اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے لقطہ کو نہ اٹھانا افضل ہے۔

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں: ہمارے فقہاء رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ لقطہ کو اٹھانا اس کے نہ اٹھانے سے افضل ہے، کیونکہ اگر وہ اس کو نہیں اٹھائے گا تو اس کا خطرہ ہے کہ کوئی شخص اس کو اٹھا کر مالک سے چھپائے گا، اور جب وہ اس کو اٹھائے گا تو اس کا اعلان کرکے اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچا دے گا، نیز وہ اس لقطہ کو اٹھا کر امانت کی طرح اس کی حفاظت کرے گا اور امانت کی ادائیگی کا التزام کرنا فرض ہے اور اس کو اس میں وہی ثواب ملے گا جو امانت کو ادا کرنے کا ملتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا. (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچا دو) اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنا ثواب کا موجب ہے۔ [1]

لقطہ کی اقسام اور ان کے احکام

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: لقطہ کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کے بارے میں یہ علم ہوتا ہے کہ اس چیز کا مالک اس چیز کو طلب نہیں کرے گا، جیسے گٹھلیاں، اناروں کے چھلکے (روٹی کا ٹکڑا، خالی ڈبے، خالی بوتلیں اور ردی کپڑے وغیرہ) دوسری قسم وہ ہے جس کے بارے میں علم ہوتا ہے کہ اس کا مالک اس کو طلب کرے گا (جیسے قیمتی اشیاء)۔

قسم اول کا حکم یہ ہے کہ اس کا اٹھانا اور اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر اس چیز کے مالک نے اس چیز کو اٹھانے والے کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو وہ اس سے لے سکتا ہے کیونکہ مالک کا اس چیز کو پھینک دینا اٹھانے والے کے لیے نفع حاصل کرنے کی اباحت کا سبب تھا اس کی طرف سے تملیک نہیں تھی، کیونکہ مجہول کو مالک بنانا صحیح نہیں ہوتا۔ اور اباحت کے بعد بھی مالک کی ملکیت اس چیز سے منقطع نہیں ہوتی، البتہ جس شخص کو مباح چیز ملتی ہے وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن مالک کی ملکیت اس چیز کے ساتھ قائم رہتی ہے اور وہ جب چاہے اس چیز کو لے سکتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے مال کو بعینہ پالیا وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ امام ابو یوسف سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک مردار بکری پھینک دی اور کسی شخص نے اس کا اون اتار لیا تو وہ اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر بکری کے مالک نے اس کے ہاتھ میں اون دیکھ لیا تو وہ اس کو لے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے اس بکری کی کھال اتار کر اس کو رنگ لیا تو اب بھی اس کا مالک اس کھال کو لے سکتا ہے لیکن اس کو رنگنے کے پیسے دینے پڑیں گے۔

لقطہ کی دوسری قسم جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ اس کا مالک اس کو طلب کرے گا، اس کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس چیز کو اٹھائے اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے اور اس پر اس کا اعلان کرنا لازم ہے تاکہ وہ اس چیز کو اس کے مالک تک پہنچا سکے۔ امام محمد نے ابراہیم سے روایت کیا کہ لقطہ کا ایک سال تک اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو فبہا ورنہ اس چیز کو صدقہ کر دے، صدقہ کے بعد اگر اس کا مالک آگیا تو اس کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو وہ لقطہ اٹھانے والے کو اس صدقہ کا تاوان کر دے۔ امام محمد نے ابراہیم نخعی کے اس قول کو بطور

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ٤٨٣ھ، المبسوط ج ١١ ص ٢، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ١٣٩٨ھ

دلیل سے ذکر نہیں کیا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعین کی تقلید نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے ھم رجال ونحن رجال وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان ہیں، لیکن اصل سبب یہ ہے کہ ابراہیم نخعی اپنے فتاویٰ میں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اقوال پر اعتماد کرتے تھے اور اہل کوفہ کی فقہ کا مدار انہی حضرات پر تھا، ابراہیم نخعی باقی فقہاء کی بہ نسبت حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے اقوال کو زیادہ جاننے والے تھے، یہی وجہ ہے کہ امام محمد کی کتاب ابراہیم نخعی کے اقوال سے بھری ہوئی ہے۔ بہرحال اس حدیث میں ہے کہ اٹھانے والا لقطہ کا اعلان کرے اور ہر چیز میں ایک سال کی مدت لازم نہیں ہے، چیز کا اٹھانے والا خود اندازہ کرے کہ اس کا مالک کتنی مدت تک اس چیز کو ڈھونڈتا رہے گا، اتنی مدت تک وہ اس چیز کا اعلان کرتا رہے اور اس کا اندازہ اس چیز کی قیمت اور حیثیت سے ہوگا حتیٰ کہ فقہاء کہتے ہیں کہ دس درہم بھی اہم اور قیمتی ہیں، کیونکہ دس درہم کی چوری کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور اگر لقطہ دس درہم سے کم ہو تو تین درہم تک ایک ماہ اعلان کرے اور اگر تین درہم سے کم ہو تو ایک درہم تک ایک ہفتہ اعلان کرے اور ایک درہم سے کم میں ایک دن اعلان کرے اور اگر ایک پیسہ کی چیز ہو تو دائیں بائیں مالک کو دیکھے اور پھر وہ چیز کسی فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ ان مدتوں میں سے کوئی مدت بھی لازم نہیں ہے کیونکہ شریعت سے کسی مدت کو معین نہیں کیا جا سکتا، لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اعلان اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ اس چیز کا مالک اس چیز کو طلب کرے گا اور ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ اس چیز کا مالک اس کو کب تک طلب کرتا رہے گا؟ اس لیے کسی چیز کے بارے میں ملتقط اپنی غالب رائے سے فیصلہ کرے، یعنی وہ یہ سوچے کہ اگر میری چیز گم ہو جائے تو اس کا مالک کتنی مدت تک اس چیز کو تلاش کرتا رہے گا اور جتنی مدت پر اس کا غلبہ ظن ہو اتنی مدت تک اعلان کرتا رہے۔[1]

لقطہ کا اعلان کرنے کے مقامات اور طریقہ کار

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ لقطہ کا اعلان بازاروں میں، عام مساجد کے دروازوں اور جامع مسجدوں کے دروازوں پر ان اوقات میں کیا جائے جن اوقات میں لوگ بکثرت جمع ہوتے ہیں، اسی طرح جن مجالس میں لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں بھی اعلان کیا جائے، کیونکہ مقصود اس چیز کا اظہار ہے کہ فلاں چیز گم ہو گئی ہے تاکہ اس کے مالک کو پتا چل جائے اس لیے لوگوں کے جمع ہونے کی مجالس کو تلاش کرنا چاہیے۔ یہ اعلان مساجد میں نہ کیا جائے کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنا اس کو چاہیے کہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو واپس نہ کرے، کیونکہ مساجد اس لیے نہیں بنائی گئیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لقطہ اٹھانے والے شخص سے فرمایا اس کا مسجد کے دروازہ پر اعلان کرو۔

لقطہ اٹھانے والا خود بھی لقطہ کا اعلان کر سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس کے لیے کسی اور شخص کو مقرر کر دے، اگر کوئی شخص از خود ملتقط کی طرف سے اعلان کرے تو نیابۃً وہ ملتقط خود اعلان کرے، کیونکہ اصل میں اعلان کرنا لقطہ اٹھانے والے پر واجب ہے۔ اور اگر وہ اجرت دے کر کسی سے اعلان کرائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس میں امام احمد، امام شافعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۱ ص ۳-۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثالثہ ۱۳۹۸ھ

اعلان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صرف لقطہ کی جنس کا ذکر کرے مثلاً یوں کہے کہ کسی شخص کا سامان گم ہو گیا ہے، یا چاندی یا درہم یا دینار علیٰ ہذا القیاس۔ اس چیز کی صفات اور علامات نہ بتلائے تاکہ کوئی غیر شخص اس کو حاصل کرنے کی جرأت نہ کرے۔ [1]

لقطہ کے اعلان کی مدت میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ لقطہ کے اعلان کی مدت ایک سال ہے، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی روایت ہے۔ ابن مسیب، شعبی، امام مالک، امام شافعی اور اصحاب رائے کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عمر سے دوسری روایت یہ ہے کہ تین ماہ تک اعلان کرے اور ایک اور روایت ہے کہ تین سال تک اعلان کرے، کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین سال تک ایک سو دینار کے اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن خالد کو ایک سال اعلان کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت ابی بن کعب کی روایت کا جواب یہ ہے کہ راوی نے کہا مجھے پتا نہیں کہ تین سال کہا تھا یا ایک سال، امام ابوداؤد نے کہا کہ راوی کو اس میں شک ہے۔ [2]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں، لقطہ کا بازاروں میں اور مساجد کے دروازوں وغیرہ پر ایک سال تک اعلان کرے، پہلے ہفتہ ہر دن صبح و شام اعلان کرے، پھر ہر دن میں ایک مرتبہ، پھر ہر ہفتہ میں پھر ہر مہینہ میں، اور صحیح یہ ہے کہ جو چیز حقیر ہو اس کا اعلان ایک سال نہ کیا جائے بلکہ اتنی مدت تک اعلان کیا جائے جتنی مدت میں یہ گمان ہو جائے کہ اب مالک نے اس سے اعراض کر لیا ہوگا۔ [3]

قاضی ابوالولید مالکی لکھتے ہیں کہ جو چیز قیمتی ہو اس کا اعلان ایک سال تک کیا جائے بشرطیکہ وہ مال غنیمت سے نہ ہو۔ [4]

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں، امام ابوحنیفہ سے یہ روایت ہے کہ اگر لقطہ دو سو درہم (۶۱۲ء۳۶ گرام چاندی) یا اس سے زیادہ کی مالیت ہو تو ایک سال اعلان کیا جائے اور اگر دو سو درہم سے کم مالیت ہو تو دس درہم (۳۰ء۶۱۸ گرام چاندی) تک ایک ماہ اعلان کیا جائے اور اگر دس درہم سے کم مالیت کی چیز ہو تو جتنی مدت مناسب سمجھے اعلان کرے، اور ایک روایت یہ ہے کہ تین درہم (۹ء۱۸۵۴ گرام چاندی) سے لے کر دس درہم (۳۰ء۶۱۸ گرام چاندی) تک دس دن اعلان کرے، اور ایک درہم (۳ء۰۶۱۸ گرام چاندی) سے لے کر تین درہم (۹ء۱۸۵۴ گرام چاندی) تک تین دن اعلان کرے، اور اگر ایک دانق یعنی درہم کا چھٹا حصہ (۰ء۵۱۰۳ گرام چاندی) یا اس سے زیادہ ہو تو ایک درہم تک ایک دن اعلان کرے اور اگر ایک دانق سے کم ہو تو دائیں بائیں دیکھ کر کسی فقیر کے ہاتھ پر رکھ دے۔ علامہ سرخسی نے کہا ہے کہ یہ نصاب لازم نہیں ہے بلکہ ملتقط اپنی صوابدید کے مطابق اعلان کرے۔ علامہ سرخسی نے گویا امام اعظم کی پہلی روایت کو

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۶ ص ۵-۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] المغنی ج ۶ ص ۴

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۲-۴۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[4] قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت

یہ ہے۔ اور ظاہر الروایہ جس کو امام محمد نے کتب الاصل میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ قلیل اور کثیر میں فرق کیے بغیر ایک سال اعلان کرے اور یہی امام مالک، امام شافعی (اور امام احمد) کا قول ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی تفصیل اور فرق کے بیان فرمایا: من التقط شيئا فليعرف سنة۔ "جس کو کوئی چیز ملی ہو وہ اس کا ایک سال اعلان کرے" اور حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ سے جو پہلی روایت ہے کہ دو سو درہم یا زیادہ سے لے کر دس درہم تک ایک سال اعلان کرے اور دس درہم سے کم میں جتنی مدت تک مناسب سمجھے اعلان کرے اس کی دلیل یہ ہے کہ جن روایات میں ایک سال اعلان کرنے کا ذکر ہے وہ اس لقطہ کے بارے میں ہیں جو ایک سو دینار تھا جو ایک ہزار درہم کے مساوی ہے اور دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کی وجہ یہ ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار نصاب سرقہ یعنی دس درہم ہے، یعنی دس درہم شرعاً قیمتی مال ہے، کیونکہ اس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور فرج حلال ہو جاتی ہے اس لیے دس درہم کی مالیت کے حکم کو بھی ایک ہزار درہم کے حکم کے ساتھ لاحق کر دیا اور دس درہم سے کم کا چونکہ یہ مرتبہ نہیں ہے اس لیے اس کے اعلان کی مدت ایک سال نہیں رکھی بلکہ اس کو اعلان کرنے والے کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ [1]

آج کل کے دور میں لقطہ کے اعلان کا طریقہ کار

ہر چند کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابوحنیفہ سے ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ دس درہم یا اس سے زیادہ کی مالیت کا ایک سال اعلان کرنا چاہیے لیکن چونکہ اس پر عمل کرنا دشوار ہے اس لیے امام ابوحنیفہ کی اس روایت پر عمل کرنا چاہیے جس کو علامہ ابن ہمام نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ایک دانق سے ایک درہم تک ایک دن اور ایک درہم سے تین درہم تک تین دن اور تین درہم سے لے کر دس درہم تک دس دن اعلان کرے اور دس درہم سے دو سو درہم تک ایک ماہ اعلان کرے اور دو سو درہم یا اس سے زائد ہو تو ایک سال اعلان کرے اور اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ایک ہزار درہم کی مالیت کے لقطہ کے بارے میں ایک سال اعلان کا حکم ہے اور دو سو درہم چونکہ نصاب زکوٰۃ ہے اس لیے دو سو درہم کی مالیت کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا ہے اور دو سو درہم سے کم مالیت کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا اور اس کی اپنے اجتہاد سے مدت مقرر کی ہے نیز طبرانی میں کم چیز کے لیے تین دن اور چھ دن تک اعلان کا بھی ذکر ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۹)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں وہاں اعلان کیا جائے اور آج کل لوگ بازاروں میں مارکیٹوں میں اور تفریح گاہوں میں زیادہ جمع ہوتے ہیں، اور جب فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا تھا اس وقت بہت چھوٹے چھوٹے شہر تھے اور زندگی اس قدر مصروف نہیں تھی اور اب کراچی ایسے شہر میں جو کئی ہزار مربع کلو میٹر رقبہ پر محیط ہے اور تقریباً ایک کروڑ انسانوں کی آبادی پر مشتمل ہے، ایک آدمی کے لیے بہت مشکل ہے کہ وہ ایک سال یا ایک ماہ یا ایک ہفتہ تک روزانہ مارکیٹوں اور بازاروں میں جا کر کسی گم شدہ چیز کا اعلان کرتا پھرے۔

آج کل کے دور میں لقطہ کے اعلان اور تشہیر کی آسان اور قابل عمل صورت یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز ملی ہو وہ اس کا اعلان اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی میں کرا دے اور یہ ابلاغ عام کا بہت مؤثر ذریعہ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو کسی راستہ میں کوئی

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۵۱-۳۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

قیمتی پین یا قیمتی گھڑی پڑی ملی ہے تو وہ یہ اعلان کرادے کہ مجھے فلاں دن فلاں جگہ اتنے وقت پر ایک پارکر، شیفر یا کراس کا پین پڑا ہوا ملا ہے جس شخص کا وہ پین ہو وہ اس کی علامات اور نشانیاں بتا کر مجھ سے لے جائے۔ جب میں لاہور میں تھا تو ہمارے مدرسہ کے ایک طالب علم کو مسجد کے پاس ایک پارکر پین پڑا ہوا ملا۔ مجھے علم ہوا تو میں نے فوراً ایک طالب علم کے ذریعہ جنگ اخبار میں اس کا اعلان کروا دیا دوسرے دن اس کا مالک آیا اور نشانیاں بتلا کر اپنا پین لے گیا۔ اگر ایک بار اعلان کے بعد لقطہ کا مالک نہ آئے تو سال میں کئی بار وقفہ وقفہ سے اعلان کرایا جا سکتا ہے یا یوں کرے کہ پہلے شہر میں شائع ہونے والے تمام اخبارات میں ایک ایک کر کے اعلان دے مثلاً پہلے جنگ اخبار میں اعلان دے پھر نوائے وقت میں پھر مشرق میں علیٰ ہذا القیاس۔ اگر اس کا نتیجہ نہ نکلے تو پھر ریڈیو کی سٹی سروس میں اعلان کرائے اور اس کا نتیجہ نہ نکلے تو پھر ٹی۔ وی کی سروس سے اعلان کرائے۔ اور یہ بہت بعید ہے کہ ان تمام ذرائع ابلاغ سے اعلان کے بعد بھی مالک لقطہ کو وصول کرنے کے لیے نہ آئے اور اعلان کرنے والے کو چاہیے کہ ایک سال میں وقفہ وقفہ کے ساتھ ان تمام ذرائع سے اعلان کرائے تاکہ منشاء حدیث صوری اور معنوی دونوں طرح سے پورا ہو جائے اور اس کی حجت تمام ہو جائے اور ایک سال کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو پھر وہ اس کو صدقہ کر دے۔

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ: جب ایک شخص نے ایک سال تک اعلان کیا اور اس کے مالک کا پتہ نہ چلا تو اب وہ لقطہ اس کی ملکیت ہو گیا خواہ وہ شخص فقیر ہو یا غنی، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ سے اسی طرح روایت ہے (رضی اللہ عنہم) حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی نظریہ ہے۔ عطاء، اسحاق، ابن منذر اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، حسن بن صالح، ثوری اور فقہاء حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ وہ لقطہ کو صدقہ کر دے اور جب اس کا مالک آئے تو اس کو یہ اختیار دے کہ وہ چاہے تو اس صدقہ کو برقرار رکھ کر اجر حاصل کرے اور چاہے تو اس صدقہ کا جرمانہ وصول کرے اور ملتقط اس کو لقطہ کا بدل مہیا کرے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک سال تک اعلان کرے اور ایک روایت میں تین سال ہے پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو نہا ورنہ اس چیز کو صدقہ کر دے فاذا جاء مالکہا فخیرہ بالاجر والاغرم مہا؟ اگر اس کا مالک اس صدقہ کے اجر پر راضی ہو تو نہا ورنہ ملتقط وہ اس کا تاوان ادا کرے یعنی مالک کو اس صدقہ کا بدل مہیا کرے۔ اور اس پر عقلی دلیل یہ ہے کہ لقطہ ایک مال معصوم ہے جس کی حفاظت واجب ہے اور اس کی لوٹ مار حرام ہے، اور مالک اس لقطہ سے اپنی ملکیت زائل کرنے پر راضی نہیں ہے اور نہ زوال ملکیت کا کوئی سبب اور مقتضی ہے اس لیے مالک سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہو گی۔ اور ملتقط کے لیے اس کو اپنی ملک میں لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا غریب ہو اور اس کا کوئی رشتہ دار دہ ہو تو پھر وہ اس کو لے سکتا ہے کیونکہ امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو لقطہ ملے وہ اس پر ایک نیک آدمی یا کئی نیک آدمیوں کو گواہ کرے نہ اس کو چھپائے نہ غائب کرے اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کو واپس کر دے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے وہ جس کو چاہے عطا کر دے" اور جس مال کی اللہ کی طرف نسبت ہو اس مال کا صدقہ کا مستحق مالک ہو سکتا ہے۔ بعض فقہاء حنبلیہ نے کہا ہے کہ امام احمد کا یہ بھی ایک قول ہے اور بعض نے اس سے

اعلان کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت ہے جس میں آپ کا ارشاد ہے: فان لم تعرف فاستنفقها۔ "اگر لقطہ کے مالک کا پتا نہ چلے تو اس کو خرچ کرو" اور ایک روایت میں ہے: وہی کسبیل مالک۔ "وہ تمہارے مال کی طرح ہے" اور ایک روایت میں ہے: ثم کلها "پھر تم اس کو کھالو" اور ایک روایت میں ہے: فانتفع بها "اس سے نفع اٹھاؤ" اور ایک روایت میں ہے: فشانک بها۔ "اس کا تم جو چاہو کرو" اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث میں ہے: فاستنفقها "اس کو خرچ کرو" اور ایک روایت میں ہے: فاستمتع بها "اس سے فائدہ حاصل کرو" اور یہ حدیث صحیح ہے اور اس لیے کہ جو شخص مقروض ہو وہ غریب کی طرح لقطہ کا بھی مالک ہو جاتا ہے اور جس شخص کے لیے لقطہ کا اٹھانا جائز ہو وہ اعلان کے بعد فقیر کی طرح اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور فقہاء احناف نے حضرت ابوہریرہ کی جو روایت بیان کی ہے اس کا حدیث کی کسی مستند کتاب میں ثبوت نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ جس چیز کی اللہ کی طرف نسبت ہو وہ مستحقین صدقہ کا حق ہوتی ہے، بلا دلیل ہے بلکہ باطل ہے، کیونکہ تمام اشیاء کی خلقاً اور ملکاً اللہ ہی کی طرف نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وآتوهم من مال الله الذی آتاکم (النور: ۳۳) "اور (بدل مکاتبت ادا کرنے کے لیے) انہیں اللہ کے اس مال سے دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے۔" [1]

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی لکھتے ہیں: جب ملتقط ایک سال تک اعلان کر دے اور اس کا مالک نہ آئے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو اس کے مالک کے لیے ہمیشہ محفوظ رکھے، اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس لقطہ کو اپنی ملکیت میں لے لے خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔ جب ملتقط اس کو اپنی ملکیت میں لینا چاہے تو وہ اس کا کس وقت مالک ہوگا؟ اس میں فقہاء شافعیہ کے کئی قول ہیں، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جب تک وہ یہ نہیں کہے گا کہ میں نے اس کو اپنی ملکیت میں لے لیا اس وقت تک اس چیز کا مالک نہیں ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ جب تک بیع اور خرید کی طرح اس میں مالکانہ تصرف نہیں کرے گا اس کا مالک نہیں ہوگا، تیسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے ملکیت کی نیت کر لینا کافی ہے یہ کہنا ضروری نہیں ہے، چوتھا قول یہ ہے کہ سال گزرتے ہی وہ اس کا مالک ہو جائے گا، نیت کی بھی ضرورت نہیں ہے لہٰذا اگر ملکیت میں لینے کے بعد اس کا مالک آگیا تو مالک متصل زیادتی لے لے گا اور منفصل زیادتی نہیں لے گا (مثلاً بکری کا بچہ تھا اب وہ پورا بکرا بن گیا ہے تو اس کو لے لے گا اور اگر بکری کے بچے ہو گئے ہیں تو وہ بچے نہیں لے گا۔ سعیدی) اور اگر ملکیت میں لینے کے بعد وہ چیز ضائع ہو گئی تو ہمارے اور جمہور کے نزدیک اس کا بدل ادا کرنا لازم ہوگا اور داؤد ظاہری کے نزدیک بدل ادا کرنا لازم نہیں ہے۔ [2]

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۶ ص ۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

قاضی ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: تمام شہروں کے فقہاء، امام مالک، ثوری، اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، ابو عبید اور ابو ثور اس پر متفق ہیں کہ جب مدت پوری ہو جائے تو غریب شخص کے لیے لقطہ کو اپنے مصرف میں لانا جائز ہے اور اگر وہ غنی ہے تو اس کو صدقہ کر دے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو اس صدقہ کو برقرار رکھے اور صدقہ کا ثواب حاصل کرے اور اگر چاہے تو ملتقط سے صدقہ کرنے کے تاوان میں اس چیز کو وصول کرے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ سال پورا ہونے کے بعد آیا غنی بھی اس چیز کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ غنی کے لیے لقطہ کو کھانا یا اس کو صرف میں لانا جائز نہیں ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس لقطہ کو صدقہ کر دے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے، امام اوزاعی یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ مال زیادہ ہے تو اس کو بیت المال میں رکھ دیا جائے۔ امام مالک اور امام شافعی کی دلیل حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں اور اہل ظاہر (غیر مقلدین) کے سوا تمام فقہاء اس پر ______ متفق ہیں کہ اگر ملتقط کے کھانے کے بعد مالک آگیا تو ملتقط اس کا ضامن ہوگا۔[1]

اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کے مصرف میں فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الائمہ علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: اعلان کے بعد مالک آجائے تو ملتقط لقطہ کو اس کے حوالے کر دے کیونکہ اعلان سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا، اور اگر مالک نہ آئے تو اس کو اختیار ہے خواہ لقطہ کو مالک کے انتظار میں محفوظ رکھے، خواہ اس کو صدقہ کر دے کیونکہ اس کو محفوظ رکھنا عزیمت ہے اور ایک سال کے اعلان کے بعد اس کو صدقہ کر دینا رخصت ہے اور ملتقط کو رخصت اور عزیمت میں سے کسی ایک پر عمل کرنے میں اختیار ہے، صدقہ کرنے کے بعد اگر مالک آگیا تو پھر مالک کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کا ثواب مالک کو ہوگا اور اگر چاہے تو صدقہ کے تاوان میں لقطہ کا بدل لے لے اور یہ تاوان چاہے تو ملتقط سے وصول کرے اور چاہے تو اس مسکین سے وصول کرے جس کو صدقہ دیا گیا ہے اور جو بھی ضامن ہوگا وہ دوسرے سے اس کا تاوان وصول نہیں کرے گا (یہ حکم اس وقت ہے جب ملتقط غنی ہو) اور اگر ملتقط غریب ہو تو وہ ایک سال کے اعلان کے بعد اس کو خود خرچ کر سکتا ہے کیونکہ اس کو یہ اختیار تھا کہ وہ اس لقطہ کو کسی غریب پر صدقہ کر دے اور جب کہ وہ خود غریب ہے تو وہ لقطہ کو اپنے نفس پر بھی صدقہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ملتقط غنی ہو تو ہمارے نزدیک وہ اس لقطہ کو اپنے نفس پر خرچ نہیں کر سکتا اور امام شافعی کہتے ہیں کہ امیر بھی مدت گزرنے کے بعد اس کو اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے لیکن یہ اس کے اوپر قرض ہے اگر مالک آگیا تو اس کو وہ چیز دینا ہوگی۔[2]

امام شافعی کے دلائل کے جوابات

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب غنی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر ایک سال اعلان کے بعد

---

1. قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔
2. شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۱ ص ۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

مالک دا آئے تو لقطہ کو خرچ کر لینا اور ان کے غنی ہونے پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لو، اس سے ثابت ہوا کہ وہ مالدار تھے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے ان پر لوگوں کے اس قدر قرض ہوں کہ مالدار ہونے کے باوجود حکماً فقیر ہوں اسی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ حکم دیا کہ وہ لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیں۔ امام طحاوی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غنی ہوئے تھے اور اس سے پہلے وہ فقیر (غریب) تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی زمین صدقہ کرنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا یہ زمین اپنے قریب رشتہ داروں کو دو۔ سو انھوں نے وہ زمین حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب کو دے دی۔ علامہ ماردینی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے باب الوصیۃ للقرابۃ میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ (الجوہر النقی ج ۶ ص ۱۹۲) اس سے واضح ہو گیا کہ جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ حکم دیا کہ وہ لقطہ کو اپنے مال کے ساتھ ملا لیں اس وقت وہ غریب تھے اور ان پر صدقہ جائز تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لقطہ کسی حربی کافر کا مال ہو جس کی حفاظت کی مسلمانوں پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور چونکہ اس مال پر حضرت ابی کے ہاتھ نے سبقت کی تھی اس لیے آپ نے ان کو اس کا زیادہ حقدار قرار دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: رزق ساقہ اللہ الیک "یہ وہ رزق ہے جو اللہ نے تمہاری طرف بھیجا ہے" اور اس کے باوجود آپ نے ایک سال تک اس کے عدد اور تھیلی کے سر بندھن کی پہچان کو یاد رکھنے کا احتیاطاً حکم دیا تا کہ اگر یہ مال معصوم ہو تو وہ اس کو ادا کر سکیں۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ کثرت احادیث اور آثار میں یہ وارد ہے کہ ایک سال اعلان کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دیا جائے۔ (ہم عنقریب ان احادیث اور آثار کو بیان کریں گے۔ سعیدی غفرلہ) نیز اصل مقصود یہ ہے کہ لقطہ کا ثواب اس کے مالک کو پہنچا دیا جائے۔ اگر غنی نے اس مال کو اپنے اوپر خرچ کر لیا تو یہ مقصود حاصل نہیں ہوگا بلکہ جب غنی اس مال کو اپنے اوپر خرچ کرے گا تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ اس لقطہ کو اپنے لیے اٹھانے والا تھا اور اپنے لیے لقطہ کو اٹھانا اس کے لیے شرعاً ناجائز ہے۔ پس جیسا کہ ابتداءً اس پر لازم تھا کہ وہ اس لقطہ میں اپنے تصرف کی نیت نہ کرے اسی طرح انتہاءً بھی اس پر لازم ہے کہ اس میں اپنے تصرف کی نیت نہ رکھے۔

اس مسئلہ میں امام شافعی نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت علی کو ایک دینار پڑا ہوا ملا، انھوں نے اعلان کے بعد اس کا طعام خرید لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم سب نے اس طعام کو کھا لیا۔ اگر لقطہ کو صدقہ کرنا ضروری ہوتا تو ملتقط اس کو اپنے اوپر خرچ نہ کر سکتا تو یہ حضرات اس طعام کو نہ کھاتے کیونکہ ان پر صدقہ حلال نہیں تھا۔ اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو جو دینار پڑا ہوا ملا تھا وہ لقطہ نہیں تھا، اس دینار کو ایک فرشتہ نے اس لیے گرایا تھا کہ حضرت علی اس کو اٹھا لیں، کیونکہ ان حضرات کو کئی دنوں سے کھانا نہیں ملا تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو وحی سے جان لیا تھا، اسی وجہ سے ان سب نے اس کھانے کو کھا لیا تھا ورنہ صدقہ واجبہ تو ان پر حلال نہیں تھا، اسی وجہ سے حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دینار سے طعام خریدنے کی اجازت لی تھی۔ [1]

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۱ ص ۸-۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

لقطہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے بارے میں احادیث

فقہاء احناف کا یہ نظریہ ہے کہ اعلان کی مدت پوری ہونے کے بعد لقطہ کو صدقہ کرنا واجب ہے، اگر ملتقط غریب ہے تو وہ اس کو اپنے اوپر صدقہ کر سکتا ہے لیکن اگر ملتقط امیر ہے تو وہ اس کو اپنے اوپر صرف نہیں کر سکتا اور اس پر لقطہ کو صدقہ کرنا واجب ہے، فقہاء احناف کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

حافظ نور الدین الہیثمی ذکر کرتے ہیں:

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل عن اللقطة فقال تعرف ولا تغیب ولا تکتم فان جاء صاحبها والا فهو مال الله یؤتیه من یشاء رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحیح۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا اس کا اعلان کرو، اس کو غائب کرو اور نہ چھپاؤ، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دو ورنہ یہ اللہ کا مال ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

فقہاء احناف نے "مال اللہ" اللہ کے مال سے استدلال کیا ہے، کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کا مال اس مال کو کہتے ہیں جو فقراء کو دیا جاتا ہے اور صدقہ کیا جاتا ہے، اور اگر کسی جگہ مجازاً اس قاعدہ کے خلاف اطلاق ہو جیسے وآتوهم من مال الله الذی آتاكم (النور: ۳۳) میں ہے تو یہ اس قاعدہ کے خلاف نہیں ہے۔ اس لیے اس قاعدہ پر علامہ ابن قدامہ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

علامہ الہیثمی ذکر کرتے ہیں:

عن یعلی بن مرة عن النبی صلی الله علیه وسلم من التقط لقطة یسیرة ثوبا او شبهه فلیعرفه ثلاثة ایام ومن التقط اکثر من ذلك فلیعرفه ستة ایام فان جاء صاحبها والا فلیتصدق بها فان جاء صاحبها فلیخیره رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه عبد الله بن یعلی وهو ضعیف۔[2]

حضرت یعلیٰ بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی معمولی لقطہ کپڑا یا اس کی مثل کوئی چیز ملی تو اس کا تین دن اعلان کرے اور جس کو اس سے زیادہ کوئی چیز ملی وہ اس کا چھ دن اعلان کرے۔ پھر اگر اس کا مالک آجائے فبہا ورنہ اس کو صدقہ کر دے اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آئے تو وہ مالک کو اختیار دے۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تحل اللقطة من

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقطہ حلال نہیں ہے، جس شخص

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۹

التقط شيئا فليعرفه فان جاء صاحبها فليردها اليه فان لم يأت فليتصدق بها فان جاء فليخيره بين الاجر وبين الذي له رواه الطبراني في الصغير والاوسط وفيه يوسف بن خالد السمتي وهو كذاب[1]

نے کسی چیز کو اٹھایا وہ اس کا اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو واپس کر دے اور اگر نہ آئے تو اس چیز کو صدقہ کرے، پھر اگر اس کا مالک آئے تو اس کو (صدقہ کے) اجر اور اس چیز (کے تاوان لینے) میں اختیار دے۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم صغیر اور معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یوسف بن خالد السمتی راوی کذاب ہے۔

ہر چند کہ یہ دونوں حدیثیں ضعیف السند ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے حسن لغیرہ ہیں اور ان کا مضمون دوسری احادیث سے مؤید ہے، اس لیے ان سے استدلال صحیح ہے۔

عن الجارود قال بينا نحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض اسفاره وفي الظهر قلة اذ تذاكر القوم الظهر فقلت لرسول الله صلى الله عليه وسلم قد علمت ما تكفينا من الظهر قال وما يكفينا قلت ذود نأتي عليه في جرف فنستمتع بظهوره قال لا ضالة المسلم حرق النار فلا يقربنها ضالة المسلم حرق النار فلا يقربنها رواه احمد والطبراني في الكبير باسانيد رجال بعضها رجال الصحيح۔[2]

حضرت جارود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں سواریوں کی قلت تھی لوگوں نے سواریوں کا ذکر کیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، آپ کو معلوم ہے کہ ہم سواریوں کی قلت کا سامنا ہے، آپ نے فرمایا اس کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا ہم جنگل میں پھرنے والے مویشیوں سے کچھ اونٹ لے لیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں، آپ نے فرمایا نہیں، مسلمان کی گم شدہ چیز جہنم کی آگ ہے ہرگز اس کے قریب نہ جانا، مسلمان کی گم شدہ چیز جہنم کی آگ ہے اس کے ہرگز قریب نہ جانا۔ اس حدیث کو امام احمد نے اور امام طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے بعض راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے بھی کئی اسانید سے روایت کیا ہے[3] اور امام ابن ماجہ اور امام نسائی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

حافظ الہیثمی کی ذکر کردہ ان احادیث میں اس کی تصریح ہے کہ ملتقط پر لقطہ حلال نہیں ہے، اس کا کھانا جہنم کی آگ ہے اور اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اور یہی مختار احناف کا موقف ہے۔

لقطہ کو صدقہ کرنے کے وجوب کے بارے میں آثار صحابہ و تابعین

امام محمد روایت کرتے ہیں:

---

[1] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] " " " " ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۶۷

[3] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فی اللقطة: يعرفها حولا فان جاء صاحبها والا تصدق بها او باعها وتصدق بثمنها، خير ان صاحبها بالخيار، ان شاء ضمنه وان شاء تركه قال محمد: وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفة رحمه الله۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لقطہ کے متعلق فرمایا: اس کا ایک سال اعلان کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو فبہا ورنہ اس کو صدقہ کر دے (پھر اگر اس کا مالک آجائے) تو اس کو اختیار ہے چاہے تو وہ صدقہ کرنے والے سے اس کا تاوان لے اور چاہے تو چھوڑ دے، امام محمد نے کہا ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ ایک طویل حدیث میں حضرت علی کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں:

قال: عرفها فان عرفها صاحبها فادفعها اليه، والا فتصدق بها فان جاء صاحبها فاحب ان يكون له الاجر فسبيل ذلك والا غرمتها وكان لك الاجر۔[2]

حضرت علی نے فرمایا اس کا اعلان کرو اگر اس کے مالک نے اس کو پہچان لیا تو اس کو دے دو، ورنہ اس کو صدقہ کر دو، پھر اگر اس کا مالک آیا اور اس نے صدقہ کے اجر کو پسند کیا تو اس کو یہ حق ہے ورنہ تم اس کو تاوان دو اجر تم کو ملے گا۔

نیز امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابی السفر عن رجل من بنی رواس قال: التقطت ثلاث مائة درهم فعرفتها، وانا احب ان لا تعرف فلم يعترفها احد، فاستنفقتها، فاتيت عليا فسألته، فقال تصدق بها فان جاء صاحبها خيرته، فان اختار الاجر كان له، وان اختار المال كان له۔[3]

ابو السفر بیان کرتے ہیں کہ بنو رواس کے ایک شخص نے کہا مجھے تین سو درہم پڑے ہوئے ملے میں نے ان کا اعلان کیا، اور میں یہ چاہتا تھا کہ وہ نہ پہچانے جائیں پھر ان کو کسی نے نہ پہچانا اور میں نے ان کو خرچ کر دیا، پھر میں حضرت علی کے پاس گیا اور ان سے یہ مسئلہ معلوم کیا آپ نے فرمایا ان دراہم کو صدقہ کر دو، اور جب ان کا مالک آئے تو اس کو اختیار دینا، اگر وہ صدقہ کا اجر اختیار کرے تو اس کا حق اور اگر اپنے مال کو اختیار کرے تو اس کی مرضی۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

عن سويد بن غفلة عن عمر بن الخطاب قال فی اللقطة: يعرفها سنة، فان جاء

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے لقطہ کے بارے میں فرمایا: اس کا ایک سال تک اعلان

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۱۹۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ
[2] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹۔۱۴۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ
[3] " " " " " المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹
[4] امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۴۵۲۔۴۵۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

صاحبها، والا تصدق بها، فان جاء صاحبها بعد ما تصدق بها خيره، فان اختار الاجر كان له، وان اختار المال كان له ماله۔ [1]

کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ورنہ اس کو صدقہ کر دے اور اگر صدقہ کرنے کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کو اختیار دیا اگر وہ اجر کو اختیار کرے تو اس کا حق اور اگر وہ مال کو اختیار کرے تو اس کا حق۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

امام عبد الرزاق نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک سال اعلان کے بعد بھی اگر مالک نہ آئے تو لقطہ کو صدقہ کر دیا جائے۔ [3]

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے [4]

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن عبد العزيز بن رفيع قال: حدثني ابي قال: وجدت عشرة دنانير فاتيت ابن عباس فسالته عنها فقال: عرفها على الحجر سنة، فان لم تعرف فتصدق بها فان جاء صاحبها فخيره الاجر او الغرم [5]

عبد العزیز بن رفیع بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے بتایا کہ ان کو دس دینار پڑے ہوئے ملے، میں نے حضرت ابن عباس سے ان کے بارے میں مسئلہ معلوم کیا، انھوں نے فرمایا اس کا حطیم کعبہ میں ایک سال اعلان کرو پھر بھی اگر اس کے مالک کا پتا نہ چلے تو ان کو صدقہ کر دو اور اگر اس کے بعد ان کا مالک آجائے تو اس کو اجر لینے یا تاوان لینے کا اختیار دو۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو کا بھی یہ قول روایت کیا ہے کہ اعلان کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دیا جائے۔ [6]

عن عبد الرحمن بن حرملة قال: سالت سعيد بن المسيب عن اللقطة فقال: عرفها سنة فانشد ذكرها، فان جاء من يعرفها فاعطها اياه والا فتصدق بها فان جاء فخيره

عبد الرحمن بن حرملہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے لقطہ کے متعلق سوال کیا، انھوں نے کہا کہ اس کا ایک سال تک اعلان کرو، اگر اس کا پہچاننے والا آجائے تو اس کو دے دو، ورنہ اس کو صدقہ کر دو، اور اس کے بعد وہ آئے تو اس کو صدقہ کا اجر لینے یا لقطہ (کا بدل)

1۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ
2۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۴۵۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
3۔ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۱۳۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ
4۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۴۵۰-۴۴۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
5۔ " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۴۹، " "
6۔ " " " " المصنف ج ۶ ص ۴۵۱-۴۵۰، " "

بین الاجر واللقطۃ۔ ؎

لینے کا اختیار ہے دو۔

حضرت ابی کی حدیث کی وضاحت اور فقہاء احناف کے جوابات کی تفصیل اور تنقیح

ان تمام احادیث اور آثار سے

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نظریہ کی تائید اور تقویت ہوتی ہے کہ اعلان کے بعد لقطہ کا صدقہ کرنا واجب ہے اور غنی کے لیے اسے اپنے نفس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی بن کعب کی جن روایات سے استدلال کیا ہے: وہ مؤول ہیں اور تاویل یہ ہے کہ حضرت ابی اس وقت خود صدقہ کے مستحق تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لقطہ کو خرچ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر بالفرض حضرت ابی اس وقت امیر ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انھیں خرچ کی اجازت دینا اس پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ لقطہ بطور قرض دیا تھا اور امام کا لقطہ کو بطور قرض دینا جائز ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو یا حضرت ابی کی خصوصیت ہو۔ اور خصوصیت پر محمول کرنے کی دلیل یہ ہے کہ دوسری احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتقط کے لیے لقطہ کے خرچ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ ابن عباس ایسے فقہاء صحابہ نے لقطہ کے صدقہ کرنے کو واجب کہا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ انھوں نے یہ اپنی رائے سے نہیں کہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور آپ کی حدیث کی بنا پر کہا ہے۔

اسی طرح حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے فرمایا: ایک سال کے بعد اگر مالک نہ آئے تو تم اس کو خرچ کر لینا اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ کا مطلب اس وقت ثابت ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ سائل غنی تھا اور یہ ثابت نہیں ہے، اس لیے اس حدیث سے ان کا استدلال ثابت نہیں ہے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی کے غنا کو ثابت کرنے کے لیے اس سے استدلال کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا "اس کو اپنے مال کے ساتھ ملا لو" اس کے جوابات ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک جواب یہ ہے کہ مان لیا کہ حضرت ابی کے پاس مال تھا لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ وہ مال بقدر نصاب تھا جس سے ان کا غنی ہونا ثابت ہو جائے اس لیے حضرت ابی کی روایت سے بھی ان کا غنی ہونا ثابت نہیں ہوتا اور جب تک ان کا غنی ہونا ثابت نہ ہو ائمہ ثلاثہ کا مدعا ثابت نہیں ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ نے حضرت ابی کو لقطہ کے خرچ کرنے کی اجازت سے جو استدلال کیا ہے اس کے جوابات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً تو حضرت ابی کا غنا ثابت نہیں، کیونکہ ان کے پاس مال ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مال بقدر نصاب ہو، ثانیاً حضرت ابی زمانہ نبوی میں غریب اور صدقہ کے مستحق تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابی پر بھی زمین صدقہ کریں، جیسا کہ صحیح بخاری اور سنن بیہقی میں ہے، ثالثاً اگر بالفرض وہ مالدار اور غنی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ اتنے مقروض ہوں کہ خود صدقہ کے مستحق ہوں، رابعاً ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

؎۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۶ ص ۴۵۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

ان کو وہ لقطہ بطور قرض دیا ہو، خاصاً ہو سکتا ہے کہ وہ لقطہ کسی کافر حربی کا مال ہو اس لیے ان کو خرچ کی اجازت دی ہو۔ سادساً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی خصوصیت ہو یا بحیثیت امام آپ کی خصوصیت ہو۔ سابعاً دوسری احادیث اور آثار صحابہ میں غنی پر لقطہ کے خرچ کی ممانعت ہے اور حضرت ابی کی روایت میں اس کی اباحت ہے اور جب تحریم اور اباحت میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح ہوتی ہے۔

اس حدیث کی اس طرح سے جو تشریح کی گئی ہے اور ائمہ ثلاثہ کی دلیل کے جو جوابات ذکر کیے گئے ہیں اس سے فقہ حنفی کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فقہ حنفی کو زیادہ سے زیادہ فروغ عطا فرمائے۔ والحمد للّٰہ رب العالمین۔

اونٹ پکڑ لینے کے متعلق سوال کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کی وجہ

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب سائل نے گم شدہ چیز کا حکم معلوم کر لیا تو پھر سوال کیا اگر بھولا بھٹکا اونٹ مل جائے تو اس سوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے مقدس رخسار مبارک سرخ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب میں آنے کی علماء نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ چونکہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے لینے سے منع فرمایا تھا اور اب اس نے اونٹ کا سوال کیا اس لیے آپ ناراض ہوئے، یا اس لیے کہ سائل نے صحیح قیاس نہیں کیا اور جب لقطہ کا لینا معین ہے اس پر اس کو قیاس کیا جس کا لینا معین نہیں ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ آپ کو سائل کی کم فہمی پر غضب آیا کیونکہ وہ لقطہ اٹھانے کی اصل وجہ کو نہیں سمجھا اور ایک چیز کو اس پر قیاس کیا جو اس کی نظیر نہیں تھی، کیونکہ لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی شخص سے گر جاتی ہے اور یہ پتا نہ چلے کہ اس کا مالک کہاں ہے۔ اور اونٹ اس طرح نہیں ہے کیونکہ وہ اسم اور صفت کے اعتبار سے لقطہ کا مغائر ہے کیونکہ اس میں ایسی صلاحیت ہے کہ وہ از خود مالک تک پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بکثرت سوال کرنے کی وجہ سے ناراض ہوئے ہوں، کیونکہ سائل کسی حقیقی پیش آمدہ مسئلہ کا حل نہیں پوچھ رہا تھا بلکہ محض فرضی صورتوں کا سوال کر رہا تھا۔

ائمہ حجاز نے یہ کہا ہے کہ اونٹ، گائے اور گھوڑے میں افضل یہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنے مالک کے پاس پہنچ جائیں۔ علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ اس زمانے میں ان جانوروں کو لے جانا افضل ہے کیونکہ اب ایسا زمانہ ہے کہ اگر کوئی نیک آدمی ان کو مالک کے پاس پہنچانے کے لیے نہیں لے گیا تو کوئی چور یا چالاک ان کو لے کر چلا جائے گا۔ علامہ سرخسی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو لے جانے کے لیے جو منع فرمایا تھا یہ حکم اس زمانے میں تھا جب عام طور پر لوگ نیک اور امانت دار تھے لیکن اس زمانہ میں یہ اطمینان نہیں ہے کہ وہ اونٹ محفوظ رہے گا اور کوئی خائن شخص اس کو لے کر چلا نہیں جائے گا اس لیے اب اونٹ کو لے جانے میں اس کی حفاظت ہے اور اس کے مالک کے حق کو محفوظ رکھنا ہے۔

حجاج کے لقطہ کو اٹھانے میں مذاہب فقہاء اور ممانعت کی حکمت

حدیث نمبر ۴۳۹۵ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج کی گری پڑی چیزوں کے اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ خطیب شافعی نے لکھا ہے کہ عام لقطہ اور حجاج کے لقطہ میں فرق ہے، عام لقطہ کو کوئی شخص بھی اٹھا سکتا ہے اور حجاج کے لقطہ کو صرف وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو اعلان کے لیے متقرر ہو، اور حجاج کے لقطہ کے لیے صرف ایک سال اعلان کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کا ہمیشہ اعلان کرنا ہوگا ورنہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حرم مکہ مکرمہ مسلمانوں کے لوٹ کر آنے کی جگہ ہے، مسلمان یہاں بار بار آتے رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مکہ کی زیارت سے مشرف فرمائے) اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس چیز کا مالک دوبارہ وہاں آئے اور اپنی گم شدہ چیز کی تلاش کرے یا کسی شخص کو اس چیز کی تلاش میں بھیجے اس لیے ملتقط اس کا ہمیشہ اعلان کرتا رہے۔ [1]

جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ حرم اور غیر حرم میں لقطہ کا حکم واحد ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، ابن مسیب، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ حرم کے لقطہ کو ملکیت کے لیے اٹھانا جائز نہیں ہے، اس کو صرف مالک کے لیے حفاظت کرنا جائز ہے اور اگر اس کو اٹھا لیا ہے تو پھر ہمیشہ اس کا اعلان کرنا ہے، عبدالرحمان بن مہدی، ابو عبید اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے جمہور کے موقف پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لقطہ امانت ہے اور اس کا حکم حرم اور غیر حرم میں مختلف نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ حرم کے لقطہ کا اٹھانا صرف اعلان کرنے والے کے لیے جائز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک سال اعلان کر سکتا ہو وہی شخص حرم کے لقطہ کو اٹھائے اور یہ تخصیص تاکید کے لیے ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کی گم شدہ چیز جہنم کی آگ ہے حالانکہ ذمی کی گم شدہ چیز کا بھی یہی حکم ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی تخصیص تاکیداً فرمائی ہے۔ [2]

علامہ مرغینانی نے جمہور کے موقف پر دیگر احادیث کے عموم اور اطلاق سے استدلال کیا ہے اور حرم مکہ کی تخصیص کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ مکہ کا لقطہ وہی شخص اٹھائے جو اس کے اعلان کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور حرم کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ حرم میں مسافر بکثرت آتے ہیں اس لیے وہاں اعلان ضرور کرنا چاہیے۔ علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ آپ نے حرم کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ کسی شخص کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ چونکہ حرم میں مسافر بکثرت آتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ جس کی چیز ہو وہ شخص جا چکا ہو اس لیے وہاں اعلان کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ اس لیے آپ نے اس پر تنبیہ کی کہ حرم ہو یا غیر حرم ہر جگہ لقطہ کا اعلان کرنا ضروری ہے۔ بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس حدیث سے ایک سال اعلان کرنے کی تاکید مراد ہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حرم مکہ میں صرف ایام حج میں اعلان کرنا کافی ہے۔ [3]

---

[1] علامہ محمد شربینی الخطیب، مغنی المحتاج ج ۲ ص ۴۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۶ ص ۱۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۵۰، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

علامہ ابن قیم نے یہ لکھا ہے کہ حرم اور غیر حرم کے لقطہ میں یہ فرق ہے کہ مکہ سے لوگ روانہ ہوتے رہتے ہیں اس لیے وہاں ایک سال تک لقطہ کا اعلان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے مکہ میں صرف اس شخص کے لیے لقطہ اٹھانا جائز ہے جو لوگوں کے روانہ ہونے سے پہلے اس کا فوراً اعلان کر دے، جبکہ دوسرے شہروں میں لقطہ اٹھانے کے لیے یہ شرط نہیں ہے۔

مکہ اور دوسری جگہ کے لقطہ میں فرق کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ مکہ میں حجاج صرف اپنی ضرورت کا سامان لے جاتے ہیں لہٰذا اگر ان کی کوئی چیز گم ہو گئی تو وہ فوراً اس جگہ جائیں گے جہاں وہ چیز گم ہوئی تھی اور اگر وہ چیز پڑی ہوگی تو اس کو اٹھا لیں گے۔ اس وجہ سے آپ نے حجاج کے لقطہ کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ حجاج کو ایک جگہ تو قرار نہیں ہوتا، حجاج کہیں پھر رہے ہوں گے اور ملتقط کہیں اعلان کر رہا ہوگا۔ اس لیے حجاج کی چیز وہاں کی وہاں رہنے دیا جائے تاکہ وہ اپنی چیز کو خود آکر اٹھا لیں، البتہ یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ چیز پڑی رہی تو ضائع ہو جائے گی ایسی صورت میں اس کو ایسا شخص اٹھائے جو ایک سال تک اس کا اعلان کر سکتا ہو۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ حجاج کا لقطہ اٹھانے سے آپ نے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اگر حجاج کی چیز اپنی جگہ پڑی رہی تو حجاج کو آسانی سے مل جائے گی لیکن اگر آج کل وہ چیز پڑی رہی تو لوگ کب کے اس کو گھر میں چھپایا کرنا شروع کر دیں گے، اس لیے اس فساد سے بچنے کے لیے لقطہ کو اٹھا لینا چاہیے، کیونکہ جو احکام کسی شرط کے اعتبار سے مشروع ہوں پھر یہ پتا چلے کہ اس شرط کی وجہ سے اس میں کوئی فساد لازم آتا ہے تو پھر وہ حکم منقطع ہو جاتا ہے اس کے برخلاف جو احکام کسی سبب پر مبنی ہوں وہ احکام برقرار رہتے ہیں جیسا کہ طواف میں رمل کرنا اظہار قوت کے سبب سے مشروع ہے تو یہ حکم باقی رہے گا۔

علامہ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جن احادیث میں لقطہ کو اٹھا کر ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم ہے وہ احادیث عام ہیں اور صحیح مسلم کی جس حدیث میں حجاج کے لقطہ کو اٹھانے سے منع فرمایا ہے یہ حدیث خاص ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے اس لیے دوسری احادیث کو اس پر ترجیح ہوگی۔[1]

مصنف کی رائے یہ ہے کہ مکہ کے لقطہ کے بارے میں دو حدیثیں ہیں ایک یہ کہ حجاج کے لقطہ کو نہ اٹھایا جائے اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ مکہ کے لقطہ کو صرف اعلان کرنے والا ہی اٹھائے۔ ان دونوں حدیثوں کو بغور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مکہ کے لقطہ کو بالکل نہ اٹھایا جائے بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے کہ ہر شخص حجاج کا لقطہ اٹھانے میں سبقت نہ کرے کیونکہ حجاج اپنی ضرورت کا محدود سامان لے جاتے ہیں اگر ان کو بروقت چیز نہ ملی تو وہ پریشان ہوں گے، اب مثلاً کسی شخص نے اس اطمینان سے حجاج کا لقطہ اٹھایا کہ اعلان کی مدت تو سال بھر ہے میں کسی وقت بھی اعلان کر دوں گا اور اس نے اس وجہ سے فی الفور اعلان نہ کیا تو حجاج کو پریشانی کا سامنا ہوگا کیونکہ سفر میں ان کو ان کی ضرورت کی چیز آسانی سے نہیں مل سکتی اس لیے حجاج کے لقطہ کو صرف وہی شخص اٹھائے گا جو پوری ذمہ داری سے ایک سال اعلان کرنے کا عزم رکھتا ہو اور علی الفور اس کا اعلان کرنا شروع کر دے تاکہ حجاج کو بروقت اپنا گم شدہ چیز مل جائے۔

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ فتح القدیر ج ۵ ص ۳۵۰-۳۵۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

بَابُ ۵۴۲ تَحْرِيمِ حَلْبِ الْمَاشِيَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَالِكِهَا

۴۳۹۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ إِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَتَهُمْ فَلَا يَحْلُبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ.

۴۳۹۸ - وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ جَمِيعًا عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنِي أَبِي كِلَاهُمَا عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ جَمِيعًا عَنْ أَيُّوبَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ وَابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ مُوسَى كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمْ جَمِيعًا فَيُنْتَقَلَ إِلَّا اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ فَإِنَّ فِي حَدِيثِهِ فَيُنْتَقَلَ

مالک کی اجازت کے بغیر دودھ دوہنے کی ممانعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے کیا تم میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی کوٹھڑی میں گھسا جائے اس کا خزانہ توڑا جائے اور اس کا غلہ نکال لیا جائے وجہ یہ ہے کہ جانوروں کے تھنوں میں ان کا طعام ذخیرہ کیا جاتا ہے پس کوئی شخص کسی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کی سات سندیں ذکر کی ہیں لیث بن سعد کی روایت کے سوا تمام روایتوں میں فینتقل کا لفظ ہے اور ان کی روایت میں فینتقل طعامہ کا لفظ ہے۔

طَعَامَهُ كَرِوَايَةِ مَالِكٍ۔

پرائے جانور کا دودھ دوہنے کے متعلق دو متعارض حدیثوں میں تطبیق

اس باب کی احادیث میں ہے: "کوئی شخص کسی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے" اور صحاح کی بعض شروحات میں ہے کہ "کوئی شخص اپنے بھائی کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے" اس دوسری روایت کی بناء پر بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس باب میں مسلمان اور ذمی کے درمیان فرق ہے۔ مسلمان کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر دوہنا جائز نہیں ہے اور ذمی کے جانور کا دودھ دوہنے کے لیے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ذمیوں سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ان کو مسلمانوں کی ضیافت کرنی ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ امر سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ ابن وہب نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک فرماتے تھے کہ اگر کوئی مسافر کسی ذمی کے اں ٹھہرے تو اس کی اجازت کے بغیر اس کی کوئی چیز نہ لے۔ امام مالک سے کہا گیا کہ ذمیوں پر تو مسلمانوں کی ضیافت لازم ہے، امام مالک نے فرمایا پہلے اس مسئلہ میں تخفیف کی جاتی تھی اب نہیں ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ابتداء کے زمانہ میں ہونے سے پہلے ذمیوں پر مسلمانوں کی ضیافت واجب تھی اور ذمی لگانے کے نازل ہونے کے بعد ضیافت کا یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تھنوں میں جمع شدہ دودھ کو گھر کے خزانہ میں جمع شدہ طعام کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ کسی شخص کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کسی چیز کو لینا جائز نہیں ہے خواہ وہ دودھ ہو یا کوئی اور چیز ہو۔[1]

بلا اجازت پرائی چیز لینے کے جواز میں امام احمد کا نظریہ اور ان کے دلائل

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ علامہ ابو عمر نے کہا ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ کسی چیز کے لینے سے کوئی شخص ناخوش ہو وہ چیز اس کی اجازت کے بغیر نہ لی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے"۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہاری جانیں، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں"۔ اس حدیث میں دودھ کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ لوگ دودھ کے معاملہ میں بہت تساہل کرتے ہیں، ورنہ اس باب میں دودھ اور کھجور وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ کسی شخص کی مرضی کے بغیر اس کے جانور کا دودھ یا کھجور وغیرہ کو لینا جائز نہیں ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو کسی شخص کی مرضی اور اجازت کے بغیر بھی لینا جائز ہے، کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص جب کسی مویشی کے پاس جائے تو اگر اس کا مالک وہاں موجود ہو تو اس سے (دودھ دوہنے کی) اجازت لے لے۔ اور اگر مالک موجود نہ ہو تو تین بار آواز دے اگر وہ جواب دے تو اس سے اجازت لے لے اگر وہ اجازت دے دے تو ٹھیک ورنہ اس کا دودھ دوہ کر پی لے لیکن دودھ ساتھ لے کر نہ جائے"۔

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۸۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت سمرہ کی یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، بعض اہل علم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے اور علی بن مدینی نے کہا ہے کہ حسن کا حضرت سمرہ سے سماع صحیح ہے (اس حدیث کو حضرت سمرہ سے حسن نے روایت کیا ہے) اور بعض ائمہ حدیث نے حضرت سمرہ سے حسن کی روایت پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ حسن حضرت سمرہ کے صحیفہ سے روایت کرتے تھے۔ ان علماء نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: امام ابن ماجہ سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی چرواہے (کے مویشی) کے پاس جاؤ تو اس کو تین مرتبہ آواز دو، اگر وہ تم کو جواب دے دے تو فبہا ورنہ اس کا دودھ پی لو لیکن ضائع نہ کرنا اور جب تم کسی شخص کے باغ میں جاؤ تو اس کو تین بار آواز دینا اگر وہ جواب دے تو فبہا ورنہ (اس باغ کے پھل) کھا لینا لیکن ضائع نہ کرنا" ان علماء نے جامع ترمذی کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اگر ان کھجوروں کو کسی ضرورت مند نے کھایا اور وہ ان کو کپڑے میں باندھ کر نہیں لے گیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔" ان علماء نے ہجرت کی رات کے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہے کی بکری سے دودھ دوہ کر پیا۔ سو ان احادیث کے پیش نظر امام احمد، اسحٰق اور بعض علماء کا یہ مسلک ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو کسی شخص کی اجازت اور اس کی مرضی کے بغیر بھی لینا جائز ہے۔[1]

بلا اجازت پرائی چیز لینے کے عدم جواز میں جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ اور فقہاء حنبلیہ کے دلائل کے جوابات

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، دیگر شہروں کے فقہاء اور جمہور علماء کا یہ موقف ہے کہ کسی شخص کے باغ سے اس کی اجازت کے بغیر پھل توڑ کر کھانا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی شخص کی اجازت کے بغیر اس کے جانور سے دودھ دوہنا جائز نہیں ہے اور امام احمد اور اسحٰق وغیرہ نے جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور سنن ابن ماجہ کی جن روایات سے استدلال کیا ہے ان کے جمہور فقہاء اسلام نے حسب ذیل جوابات دیئے ہیں:

(۱)۔ جن احادیث میں مسلمان کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر کھانے کی ممانعت ہے وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث ہیں اور جن میں بلا اجازت مسلمان کا مال کھانے کی اجازت ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور بخاری اور مسلم کی روایات ان سے زیادہ صحیح ہیں اس لیے ممانعت کی احادیث کو ترجیح حاصل ہے اور ان پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۲)۔ قرآن مجید، احادیث صحیحہ مشہورہ اور متواترہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ مسلمان کا مال بلا اجازت کھانا جائز نہیں ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے: لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (بقرہ: ۱۸۸) "آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ" اور جواز اور اباحت کی احادیث اخبار احاد ہیں اور جب دلائل قطعیہ اور ظنیہ میں تعارض ہو تو دلائل قطعیہ کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۳)۔ جن آیات اور احادیث میں مال غیر کھانے کی ممانعت ہے وہ عام ہیں اور اباحت کی احادیث خاص ہیں اور عام کو

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۰۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

خاص پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۳)۔ جو آیات اور احادیث ممانعت پر دلالت کرتی ہیں وہ محرم ہیں اور اباحت کی احادیث مبیح ہیں اور اصول میں یہ مقرر ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔

بعض علماء ان حدیثوں میں تطبیق دے کر جواب دیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱)۔ اباحت اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب کھانے والے کو یہ علم ہو کہ اس کے کھانے سے مالک ناخوش نہیں ہوگا اور ممانعت اس وقت ہے جب یہ علم نہ ہو۔

(۲)۔ بلا اجازت کھانے کی اباحت ان کے لیے ہے جو مسافر ہوں، یا حالت اضطرار میں ہوں یا ان کو سخت بھوک لگی ہو۔

(۳) علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ بلا اجازت کھانے کی یہ اباحت صرف زمانہ رسالت کے ساتھ مخصوص تھی۔

(۴)۔ جن احادیث میں ممانعت ہے وہ اس صورت کے ساتھ خاص ہیں جب مالک راہ گیروں سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج ہو کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اچانک ہم نے چند اونٹنیاں دیکھیں جن کے تھن باندھے ہوئے تھے، ہم دوڑ کر ان کے پاس پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ان مسلمانوں کی اونٹنیاں ہیں جن کی غذا کا مدار انہی اونٹنیوں پر ہے، کیا تم کو یہ پسند ہے کہ جب تم اپنے گھر واپس جاؤ تو تم کو اپنے توشہ دان خالی ملیں! ہم نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا یہ بھی اسی طرح ہے (مسند احمد و ابن ماجہ)۔ اس وجہ سے ممانعت کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جب مالک محتاج ہو اور اباحت کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جب مالک غنی ہو۔

(۵) بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اباحت اس وقت ہے جب کہ تھن باندھے ہوئے نہ ہوں اور جب تھن باندھے ہوئے ہوں تو اس صورت میں ممانعت ہے جیسا کہ مسند احمد کی اس حدیث کا تقاضا ہے۔ لیکن امام احمد کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ "اگر تم کو سخت ضرورت ہو تو دودھ پی لو لیکن لے کر نہ جاؤ" اور یہ قید نہایت ضروری ہے۔

(۶) یہ اجازت صرف مجاہدین کے لیے ہے اور غیر مجاہدین کے لیے ممانعت ہے۔

(۷) اہل ذمہ کے مویشیوں سے دودھ دوہنے کی اجازت ہے اور مسلمانوں کے جانوروں سے دودھ دوہنے کی ممانعت ہے۔

(۸) یہ اجازت فرضیت زکوٰۃ سے پہلے تھی فرضیت زکوٰۃ کے بعد یہ اجازت منسوخ ہو گئی۔

(۹) جس باغ کے گرد چار دیواری ہو اس میں کھانے کی ممانعت ہے اور جس کے گرد چار دیواری نہ ہو اس میں اجازت ہے۔

(۱۰) امام طحاوی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافرین کی ضیافت کرنے کو واجب کیا تھا یہ حکم اس وقت کے ساتھ مخصوص ہے بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا۔

بہرحال ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک بلا اجازت مسلمان کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہجرت کی رات بکری کا دودھ پیا تھا اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ ان بکریوں کے مالک کی طرف سے چرواہے کو یہ اجازت تھی کہ وہ راہ گیروں کو دودھ پلا دیں، اور آپ جانتے تھے کہ یہ آپ کے لیے جائز ہے یا یہ کافر حربی کا مال تھا جس کی اسلام میں کوئی حفاظت نہیں ہے اور علامہ داؤدی نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت ابوبکر مسافر تھے اور مسافروں کے لیے بوقت ضرورت دودھ پینا جائز ہے۔

ضرورت کے لیے پس انداز کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ طعام کو ذخیرہ کرنا اور اس کو ضرورت کے لیے پس انداز کرنا جائز ہے، اس کے برخلاف غالی قسم کے زہاد مطلقاً جمع کرنے سے منع کرتے ہیں۔[۱] علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی علامہ قرطبی مالکی کے حوالے سے یہی لکھا ہے۔[۲] ہم نے آجکل تصوف کے مدعی زہاد وں سے سنا ہے کہ جمع کرنا توکل کے خلاف ہے اور توکل کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان صبح کھائے اور شام کے لیے نہ رکھے حالانکہ مستقبل کی فکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے خلاف ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا جاتے تھے تو کئی کئی دن کا زادِ راہ لے جاتے تھے، اور امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی نصف پیداوار دی جاتی تھی جو پھلوں اور زرعی فصلوں پر مشتمل ہوتی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے ہر سال ازواج مطہرات کو ایک سو وسق دیتے تھے، اسی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو زمین اور پانی لے لیں اور کاشت کرائیں اور چاہیں تو حسب دستور غلہ لے لیں، پھر بعض ازواج نے حسب دستور غلہ کو پسند کیا اور بعض نے زمین اور پانی کو پسند کیا۔[۳]

قیاس سے استدلال کی دلیل

اس حدیث کے بقیہ فوائد بیان کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تھنوں میں جمع شدہ دودھ کو جمع شدہ طعام پر قیاس کیا ہے اور یہ قیاس کی دلیل ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحت قیاس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ فرع بالکلیہ اصل کے مساوی ہو بلکہ اصل اور فرع کا اصل صفت میں مشترک ہونا کافی ہے خواہ اصل میں کوئی زیادتی ہو جو فرع میں نہ ہو کیونکہ تھنوں میں جو دودھ ہوتا ہے اس پر قفل نہیں لگایا جاتا اس کے برخلاف خزانہ میں جو مال جمع ہوتا ہے اس پر قفل لگایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود شارع علیہ السلام نے خزانہ کا حکم تھنوں پر جاری کیا اور ہر ایک کا بلا اجازت استعمال حرام قرار دیا نیز اس حدیث میں افہام و تفہیم کے لیے مثال دینے کا بھی ثبوت ہے۔[۴]

دودھ دینے والے جانور کو دودھ کے عوض فروخت کرنے میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں کہ دودھ دینے والی بکری کو دودھ اور طعام کے عوض فروخت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اگر دودھ دینے والی بکری کے تھنوں میں دودھ ہو تو اس کو دودھ کے عوض فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ نقد

۱۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۰۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

۲۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۹۰، مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۳۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۴۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۰۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

فروخت کیا جائے اور اگر اس کے تھنوں میں دودھ ہے تو پھر اس کو دودھ کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اگر بکری دودھ دینے والی نہیں ہے تو اس کو نقد اور ادھار ہر طرح فروخت کرنا جائز ہے۔ اور امام شافعی اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ دودھ دینے والی بکری کو طعام کے عوض ادھار فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک دودھ دینے والی بکری کے تھنوں میں اگر دودھ ہے تو اس کو دودھ کے عوض نقد اور ادھار کسی طرح فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

بَابُ الضِّيَافَةِ

مہمان نوازی کا بیان

۴۳۹۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ سَمِعَتْ أُذُنَايَ وَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ قَالُوا وَمَا جَائِزَتُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ۔

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور اس کی خاطر داری کرے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس کی خاطر داری کب تک کرے؟ آپ نے فرمایا ایک دن اور ایک رات تک اور تین دن تک اس کی ضیافت کرے، اس کے بعد بھی اگر کرے تو وہ اس پر صدقہ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش رہے۔

۴۴۰۰ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَجَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَلَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يُقِيمَ عِنْدَ أَخِيهِ حَتَّى يُؤْثِمَهُ قَالُوا

حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مہمانی تین دن تک ہے اور خاطر و مدارات ایک دن ایک رات تک ہے اور کسی مسلمان شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرے کہ اس کو گناہ گار کر دے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ اس کو کیسے گناہگار کرے گا؟ آپ نے فرمایا ایک شخص کسی کے ہاں (اتنی دیر) ٹھہرے کہ اس کے پاس مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ رہے۔

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۰۹ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يُؤْثِمُهُ قَالَ يُقِيمُ عِنْدَهُ وَلَا شَيْءَ لَهُ يَقْرِيهِ بِهِ۔

۴۴۰۱۔ وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ يَعْنِي الْحَنَفِيَّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيَّ يَقُولُ سَمِعَتْ أُذُنَايَ وَبَصُرَ عَيْنِي وَوَعَاهُ قَلْبِي حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ اللَّيْثِ وَذَكَرَ فِيهِ وَلَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يُقِيمَ عِنْدَ أَخِيهِ حَتَّى يُؤْثِمَهُ بِمِثْلِ مَا فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ۔

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے دل نے یاد رکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ تم میں سے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے پاس اتنی دیر ٹھہرے کہ اس کو گنہگار کر دے، جیسا کہ وکیع کی روایت میں ہے۔

۴۴۰۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّهُ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلَا يَقْرُونَنَا فَمَا تَرَى فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں کہیں بھیجتے ہیں پھر ہم کسی قوم کے پاس جا کر ٹھہرتے ہیں اور وہ لوگ ہماری ضیافت نہیں کرتے، سو اس سلسلے میں آپ کا کیا حکم ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا جب تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو اور وہ تمہاری ایسی ضیافت کریں جیسے ایک مہمان کی ضیافت کی جاتی ہے تو اس کو قبول کرو، اور اگر وہ تمہاری ایسی ضیافت نہ کریں تو ان سے اس قدر ضیافت کا سامان وصول کرو جتنا ان پر ایک مہمان کا حق ہے۔

ف: یہ حکم حالت اضطرار میں ہے اور اگر اضطرار نہ ہو تو یہ منسوخ ہے۔

مہمان کی ضیافت کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا اسلام میں ایک امر مؤکد ہے، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے کہا ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا سنت مؤکدہ ہے

واجب نہیں ہے اور لیث نے کہا ہے کہ ایک دن اور ایک رات مہمانی کرنا واجب ہے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ ایک دن اور ایک رات مہمانی کرنا صرف اصحاب دیہات والوں پر واجب ہے اور جمہور فقہاء اسلام نے ان احادیث اور ان کی امثال کو استحباب اور مکارم اخلاق پر محمول کیا ہے اور مہمان کے حق کی تاکید ثابت کی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے "ہر بالغ پر جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے" یعنی بالغ پر اس کا استحباب مؤکد ہے۔ اور علامہ خطابی نے ان احادیث کی تاویل میں یہ کہا ہے کہ جو مہمان حالت اضطرار میں ہو اس کی مہمان داری کرنا واجب ہے۔

مہمان کی ضیافت اور خاطر و مدارات کی تفصیل

اس حدیث میں ہے کہ ایک دن اور ایک رات مہمان کی خاطر و مدارات کرے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ فقہاء نے اس کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ ایک دن اور ایک رات اس کی مہمان داری میں خاص اہتمام کرے اور اچھے اچھے تحائف وغیرہ پیش کرے، اور دوسرے اور تیسرے دن جو کھانا اس کو میسر ہو وہ اس کو کھلائے اور اپنے معمول اور عادت کے خلاف زیادہ خرچ نہ کرے، اور تین دن کے بعد اس پر خرچ کرنا محض نیکی اور صدقہ ہے، خواہ خرچ کرے یا نہ کرے۔ [۱]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، امام مالک سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا، امام مالک نے کہا ایک دن اس کی عزت کرے اور اس کو تحفے وغیرہ پیش کرے اور تین دن اس کی مہمانی کرے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ آیا وہ ایک دن ان تین دنوں میں شمار ہے یا نہیں؟ ابو عبید نے کہا ہے کہ پہلے دن خاطر و مدارات میں تکلف کرے، اور دوسرے اور تیسرے دن اس کے پاس جو کھانا حاضر ہو وہ پیش کر دے اور اپنی عادت سے زیادہ خرچ نہ کرے، علامہ خطابی کہتے ہیں کہ جب تین دن گذر گئے تو اس نے میزبانی کا حق ادا کر دیا اب اس کے بعد اس کو وہ جو کچھ پیش کرے گا وہ صدقہ ہے، اور صحیح مسلم میں جو حضرت ابی شریح سے روایت ہے کہ تین دن مہمانی ہے اور ایک دن خاطر و مدارات ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک دن تین دنوں سے الگ ہے۔ [۲]

اس میں اختلاف ہے کہ آیا مہمان کو کھلانا پلانا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا ہے کہ چونکہ تین دن سے زیادہ میزبانی کرنا صدقہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک میزبانی کرنا واجب ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ مہمان کی پہلے دن ضیافت کے لیے جائزہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور جائزہ اس انعام و اکرام کو کہتے ہیں جو وفود اور شاعروں کو پیش کیا جاتا ہے اور یہ انعام و اکرام اور عطیہ پیش کرنا واجب نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کو کھلانا پلانا واجب نہیں ہے۔ لیکن اس دلیل پر یہ اعتراض ہے کہ انعام و اکرام اور خاطر مدارات تو صرف ایک دن کی جاتی ہے اور اصل ضیافت تو تین دن ہے جس کے لیے جائزہ کا لفظ نہیں ہے اور اس کے بعد مہمان داری کو آپ نے صدقہ فرمایا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک ضیافت سنت مؤکدہ ہے [۳] اور یہ اقرب

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۰ ص ۵۳۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ
۳۔ " " " " " " " ، فتح الباری ج ۵ ص ۱۰۶،

الی الصواب ہے، کیونکہ تین دن کے بعد مہمان پر خرچ کرنا صدقہ اور مستحب ہے، اس لیے تین دن تک مہمان داری کرنا مستحب سے قوی ہونا چاہیے اور جب کہ اس کا وجوب صراحت سے ثابت نہیں ہے تو وجوب اور استحباب کے درمیان سنت مؤکدہ ہی متوسط حکم ہے۔

مہمان کے زیادہ دیر ٹھہرنے کا حکم

حدیث نمبر ۴۴۰۰ میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرے کہ اس کو گنہگار کر دے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ اس کو گنہگار کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا ایک شخص کسی کے ہاں اتنی دیر تک ٹھہرے کہ اس کے پاس مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ رہے۔

علامہ نووی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: مہمان کے لیے کسی شخص کے پاس تین دن سے زیادہ ٹھہرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے زیادہ قیام کی وجہ سے میزبان اس کی غیبت کرنے لگے یا اس کے معمولات میں حرج واقع ہو جس سے مہمان کو تکلیف ہو یا میزبان، مہمان کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم (حجرات: ۱۲) "زیادہ گمان کرنے سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں" سو مہمان کے لمبے قیام کی وجہ سے میزبان کے گناہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب خود میزبان مہمان سے زیادہ قیام کے لیے نہ کہے اور جب میزبان خود مہمان سے زیادہ قیام کی خواہش کرے یا مہمان کو کسی قوی قرینہ سے اس کا علم ہو یا گمان ہو تو پھر اس کا تین دن سے زیادہ ٹھہرنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ ممانعت اس وجہ سے تھی کہ اس کے زیادہ قیام کی وجہ سے میزبان تنگ ہوگا اور جب میزبان اس کے زیادہ قیام پر خوش ہو تو پھر اس کا زیادہ قیام کرنا جائز ہے، اور اگر مہمان کو شک ہو کہ پتا نہیں میزبان اس کے زیادہ قیام پر خوش ہے یا نہیں؟ تو اس ظاہر حدیث کے مطابق اس کا زیادہ قیام کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر میزبان ضیافت نہ کرے تو کیا مہمان اس سے بقدر ضیافت پکڑ و لے سکتا ہے؟

حدیث نمبر ۴۴۰۲ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی قوم کے پاس ٹھہرو اور وہ تمہاری ایسی ضیافت کریں جو ایک مہمان کی کی جاتی ہے تو اس کو قبول کر لو، اور اگر وہ تمہاری ایسی ضیافت نہ کریں تو ان سے اس قدر ضیافت کا سامان وصول کر لو جتنا ایک مہمان کا حق ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کی مہمان داری کرنا میزبان پر واجب ہے، امام احمد اور فقیہ لیث نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے، جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک ضیافت سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں ہے انہوں نے اس حدیث کے حسب ذیل جوابات دیے ہیں:

(۱) یہ حدیث ان لوگوں کے حق میں ہے جو حالت اضطرار میں ہوں، ان کی ضیافت کرنا واجب ہے اگر لوگ ان کی ضیافت نہ کریں تو ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ان کے مال سے بقدر ضرورت لے لیں۔

(۲) اگر کوئی شخص کسی مہمان کی ضیافت نہ کرے تو مہمان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی مذمت کرے اور اس کا بخل بیان کرے۔

(۳) حدیث کا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا جب ایک دوسرے کی غمگساری واجب تھی جب اسلام میں وسعت ہوگئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ تاویل ضعیف ہے۔

(۴) پہلے اہل ذمہ پر واجب تھا کہ ان کے علاقہ سے جو مسلمان گزریں وہ ان کی ضیافت کریں، اس حدیث سے یہی مراد ہے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ جواب بھی ضعیف ہے کیونکہ یہ حضرت عمر کے زمانہ کا معمول تھا۔[1]

(۵) یہ حکم ان عمال کے ساتھ مخصوص ہے جن کو امام صدقات کے وصول کرنے کے لیے بھیجتا ہے، اور جن لوگوں کے پاس امام کسی عامل کو بھیجے ان لوگوں پر اس عامل کی ضیافت کرنا واجب ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمانوں کا بیت المال نہیں تھا اور اب جب کہ مسلمانوں کا بیت المال موجود ہے تو عامل کا خرچ بیت المال سے واجب ہے۔

اگر حقدار کو اپنا حق حاصل کرنے کا موقع ملے تو وہ عدالت کے بغیر بھی اپنا حق لے سکتا ہے

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اس حدیث سے "مسئلہ ظفر" پر استدلال کیا گیا ہے، امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عدالت کے ذریعہ اپنا حق لینے پر قادر نہ ہو، مثلاً مقروض منکر ہو اور قرض خواہ کے پاس کوئی گواہ یا کوئی دلیل نہ ہو تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ اپنے حق کے برابر مالیت اس شخص کے مال سے لے لے اور اس میں ظلم اور زیادتی نہ کرے، اور اگر عدالت کے ذریعہ لینا ممکن ہو تو فقہاء شافعیہ کے نزدیک پھر بھی اس کا لینا جائز ہے، اور فقہاء مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے، اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ مثلی اشیاء کو لینا جائز ہے اور جن چیزوں کی مثل نہ ہو ان کو لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ خطرہ ہے کہ کہیں قیمت لگانے میں زیادتی نہ ہو جائے (مثلاً کسی شخص کا پانچ مکعب فٹ کا پیڈسٹل کا فریج کوئی شخص لے گیا اور وہ واپس نہیں دے رہا۔ بعد میں اس کے ہاں اسی سائز اور اسی کمپنی کا کوئی اور سیٹ لگ گیا تو اس شخص کو اگر اس سیٹ کے لینے پر قدرت ہو تو لے سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص بکرا یا گائے لے گیا تھا اور اب اس کے ہاں وہ بکرا یا گائے نہیں ہے کوئی اور بکرا یا گائے ہے تو وہ اس کو نہیں لے سکتا کیونکہ جانور ایک دوسرے کی مثل نہیں ہیں اور قیمت لگانے میں کمی اور زیادتی کا احتمال ہے۔ سعیدی)، اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ قدرت کے وقت اپنی چیز یا اس کی مثل لینے کا جواز اموال میں ہے عقوبات وغیرہ میں نہیں ہے۔ (یعنی اگر کسی شخص نے کسی کا دانت توڑ دیا ہے اور عدالت کے ذریعہ وہ اپنا بدلہ لینے پر قادر نہیں ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود جا کر دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دے) اور اموال میں بھی اپنے مال کے بدلہ میں کوئی چیز لینا اس وقت جائز ہے جب اس کو یہ اطمینان ہو کہ اس پر چوری کی تہمت نہیں لگے گی۔[2]

یہاں ہم نے "مسئلہ ظفر" کا اجمالی ذکر کیا ہے کیونکہ اس کی تفصیل اور تحقیق ہم (باب: ۵۰۷ میں) بیان کر چکے ہیں۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج۲ ص ۸۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج۵ ص ۱۰۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

بَابُ اسْتِحْبَابِ الْمُوَاسَاةِ بِفُضُولِ الْمَالِ

زائد مال کو مسلمانوں کی خیر خواہی میں خرچ کرنے کا استحباب

۴۴۰۳ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ قَالَ نَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ لَهُ قَالَ فَجَعَلَ يَصْرِفُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے، ناگاہ ایک شخص اونٹنی پر سوار ہو کر آیا اور دائیں بائیں گھومنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس فالتو سواری ہو وہ فالتو سواری اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس شخص کے پاس فالتو زادِ راہ ہے وہ اس شخص کو زادِ راہ دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی اقسام اتنی تفصیل سے بیان کیں کہ ہمیں لگتا تھا کہ ہم میں سے کسی کا اپنی فالتو چیز میں حق نہیں ہے۔

گھوڑے پر سوار سائل کو خیرات دینا

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: اس حدیث میں صدقہ پر برانگیختہ کرنے، سخاوت کرنے، لوگوں کے ساتھ غمگساری اور خیر خواہی کرنے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ جو شخص قوم کا امیر ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو کسی ضرورت مند کی خیر خواہی اور غمگساری کی تلقین کرے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت مند کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عطا کے لیے پیش کر دے اور سوال نہ کرے جیسا کہ اس حدیث میں ہے وہ سوار دائیں بائیں گھومنے لگا، اور اس کا دائیں بائیں کا جائزہ لینا اس قصد سے تھا کہ ان میں سے کوئی اس کی مدد کرنے والا ہے یا نہیں؟۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت مند مسافر کی مدد اور اس کی خیر خواہی کرنا چاہیے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو اور اچھا لباس پہنے ہوئے ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے اپنے وطن میں اس کے پاس پیسے ہوں اور وہ مالدار ہو اور یہاں سفر میں اس کو کسی افتاد کی وجہ سے ضرورت کا سامنا ہو، اسی وجہ سے مسافر کو زکوٰۃ بھی دی جاتی ہے اور غالباً اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے تم پر سائل کا حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو۔ ۱؎ ... (حاشیہ اگلا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)...

سائل کو بھیک دینے میں مستحق اور غیر مستحق کا فرق نہیں کرنا چاہیے

جب کسی سائل کا ظاہر حال امیرانہ ہو مثلاً وہ عمدہ پوشش ہو اور صاحب مکان ہو تو یہ خیال کر کے اس کی مدد سے ہاتھ نہیں روکنا چاہیے کہ یہ تو امیر آدمی ہے اس کو سوال کی کیا ضرورت ہے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مکان کرایہ کا ہو یا قرض میں گروی رکھا ہوا ہو یا وہ کسی کے مکان میں عارضی طور پر رہتا ہو۔ اور ہر حال میں مسلمانوں سے حسن ظن رکھنا چاہیے اور یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ شخص یقیناً سوال کا مستحق ہے جبھی تو سوال کر رہا ہے۔

ایک بار ایک سائل نے آ کر سوال کیا میں نے اس کے ہاتھ پر کچھ پیسے رکھ دیئے، میرے ساتھ ایک دوست کھڑے تھے انہوں نے کہا آپ کو پتا ہے یہ لوگ بھیک مانگ کر ہیروئن اور چرس پیتے ہیں اس لیے ان پیشہ ور بھکاریوں کے سوال پر نہیں دینا چاہیے اس کے بجائے آپ کے علم میں کوئی سفید پوش غریب آدمی ہو تو اس کی حسب مقدور مدد کر دینی چاہیے۔ اس لیے آپ ہر سائل کو نہیں جو مستحق ہوں اور غیر مستحق کو منع کر دیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ ہم کو اَن گنت قسم کی نعمتیں عطا فرماتا ہے، ہم کب ان نعمتوں کے مستحق ہیں، ہم دن رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں اور ہم کب ان دعاؤں کے مستجاب ہونے کے مستحق ہیں، سو اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو تم اس کے بندوں کے ساتھ سلوک کرتے ہو، اگر کسی سائل کے بارے میں تم کو یقینی دلیل سے معلوم ہے کہ وہ ان پیسوں کی جا کر روٹی نہیں کھائے گا بلکہ چرس یا ہیروئن پیئے گا تو بے شک اس کو خیرات مت دو لیکن کسی سائل کی پیشانی پر یہ نہیں لکھا ہوتا کہ وہ اس خیرات کا کیا کرے گا اس لیے تم مستحق اور غیر مستحق کی تحقیق اور تفتیش مت کرو اور اگر دے سکتے ہو تو جو سائل بھی سوال کرے اس کو دے دو کیونکہ اگر تم نے تفتیش اور تحقیق کر کے غیر مستحقین کے سوال کو رد کرنا شروع کر دیا تو جس سائل کو تم نے رد کر دیا ہے وہ تمہارے علاوہ کسی اور شخص کے دروازے سے جا کر بھیک لے لے گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں غیر مستحق قرار دے کر رد کر دیا تو تم کس کے دروازہ سے بھیک لو گے!

بَابُ اسْتِحْبَابِ خَلْطِ الْاَزْوَادِ اِذَا قَلَّتْ وَالْمُوَاسَاةِ فِيْهَا

جب کمی ہو تو سب کے زاد راہ کو ملا دینے اور آپس میں غم گساری کرنے کا استحباب۔

۲۳۰۲۔ حَدَّثَنِىْ اَحْمَدُ بْنُ يُوْسُفَ الْاَزْدِيُّ قَالَ نَا النَّضْرُ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ الْيَمَامِيَّ قَالَ نَا عِكْرِمَةُ وَهُوَ ابْنُ عَمَّارٍ قَالَ نَا اِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

ایاس بن سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں گئے وہاں ہم کو تنگی کی شکایت ہوئی حتیٰ کہ ہم نے اپنی بعض سواریوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہم اپنے اپنے زاد راہ کو جمع کریں، پھر ایک چمڑے کا دستر خوان بچھایا

(حاشیہ صفحہ سابقہ) لہ علامہ یحیٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃٍ فَاَصَابَنَا جَهْدٌ حَتّٰی هَمَمْنَا اَنْ نَّنْحَرَ بَعْضَ ظَهْرِنَا فَاَمَرَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَمَعْنَا مَزَاوِدَنَا فَبَسَطْنَا لَهٗ نِطَعًا فَاجْتَمَعَ زَادُ الْقَوْمِ عَلَی النِّطَعِ قَالَ فَتَطَاوَلْتُ لِاَحْزُرَهٗ کَمْ هُوَ فَحَزَرْتُهٗ کَرُبْضَةِ الْعَنْزِ وَنَحْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً قَالَ فَاَکَلْنَا حَتّٰی شَبِعْنَا جَمِیْعًا ثُمَّ حَشَوْنَا جُرُبَنَا فَقَالَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مِنْ وَضُوْءٍ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ بِاِدَاوَةٍ لَهٗ فِیْهَا نُطْفَةٌ فَاَفْرَغَهَا فِیْ قَدَحٍ فَتَوَضَّاْنَا کُلُّنَا نُدَغْفِقُهٗ دَغْفَقَةً اَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً قَالَ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذٰلِکَ ثَمَانِیَةٌ فَقَالُوْا هَلْ مِنْ طَهُوْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَرَغَ الْوَضُوْءُ۔

گیا جس پر سب کے زاد راہ جمع کیے گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں اس چمڑے کے ٹکڑے کا اندازہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو میرے اندازے کے مطابق وہ ایک بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر تھا، اس وقت لشکر میں ہم چودہ سو تھے، ہم سب نے اس کھانے کو کھایا حتیٰ کہ ہم سیر ہو گئے، پھر ہم نے اپنے اپنے کھانے کے تھیلوں کو بھر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وضو کا پانی ہے؟ ایک شخص برتن میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا، آپ نے اس پانی کو ایک پیالے میں ڈال دیا اور ہم سب نے اس سے اچھی طرح وضو کیا اور چودہ سو آدمیوں نے خوب اچھی طرح پانی بہایا، پھر اس کے بعد آٹھ آدمی آئے اور پوچھا کیا وضو کا پانی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو سے فراغت ہو چکی ہے۔

تھوڑے طعام کا زیادہ کرنا معجزہ ہے اور طعام ابتداءً معدوم ہو تو اس کا موجود کرنا معجزہ کیوں نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے ظاہر ہوئے ایک طعام کا زیادہ ہونا اور دوسرا پانی کا زیادہ ہونا، علامہ مازری نے اس معجزے کی تفصیل میں لکھا ہے کہ جب بھی طعام کا ایک جز کھایا جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک اور جز پیدا کر دیتا اسی طرح جب پانی کا ایک گھونٹ پیا جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک اور گھونٹ پیدا کر دیتا۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے اور پینے کی اشیاء میں جب بھی برکت کا ظہور ہوا ہے اس کی یہی صورت تھی کہ پہلے کچھ کھانے اور پینے کی چیزیں لائی گئیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دعا کی یا اس میں سے کچھ تناول فرمایا

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

یا ان کے گرد چکر لگایا تو اس میں اضافہ ہو گیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی چیز پہلے سے معدوم ہو اور پھر وہ آپ کی برکت سے موجود ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو عدم سے موجود کرنا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے معجزات میں کسی تھوڑی چیز کے زیادہ ہو جانے کی تو مثالیں ہیں لیکن کسی معدوم چیز کے موجود ہونے کی مثال نہیں ہے۔

معجزات کے ثبوت کے طریقے

علامہ نووی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی دو قسمیں ہیں ایک قسم قرآن مجید ہے جو تواتر سے منقول ہے دوسری قسم یہ ہے کہ مثلاً کھانے پینے کی چیزوں کو زیادہ کر دینا، اور اس کا ثبوت دو طریقوں سے ہے ایک تو یہ معجزات تواتر سے منقول ہیں، جیسے حاتم کی سخاوت اور احنف بن قیس کا حلم تواتر سے منقول ہے، اسی طرح خرق عادت کے یہ واقعات بھی تواتر سے منقول ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب ایک صحابی نے اس قسم کا عجیب واقعہ تمام صحابہ کے سامنے بیان کیا اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا تو یہ ان سب کی طرف سے تصدیق ہو گئی جو اس کی روایت کے سچا ہونے کا علم یقینی ہے۔

مل جل کر کھانے کی برکت

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کھانے پینے کی چیزیں کم ہوں تو ان سب کو جمع کر لینا چاہیے اور ہر شخص اپنے طعام کو اپنے ساتھیوں کے لیے مباح کر دے اور یہ خیال نہ کرے کہ اس نے دوسروں سے کم کھایا ہے یا زیادہ، خصوصاً طعام کی قلت کے موقع پر ایثار اور قربانی سے کام لینا چاہیے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب کے مل کر کھانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ برکت نازل فرمائے۔

الحمد للہ علی احسانہ آج ۱۹ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ / ۲۲ اگست ۱۹۹۹ء بروز منگل کتاب اللقطہ ختم ہو گئی ہے، الٰہ العالمین! مجھے صحیح مسلم کی باقی کتب اور ابواب کی شرح مکمل کرنے کی سعادت بھی عطا فرما۔ میری تمام کوتاہیوں، لغزشوں اور گناہوں کو معاف فرما، میرے والدین، اساتذہ، اور مشائخ کی مغفرت فرما، اس کتاب کو قبول دوام عطا فرما اور اس کتاب کو میرے لیے تا قیامت صدقہ جاریہ اور توشہ آخرت کر دے۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ

جہاد کا لغوی معنی علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں جَهْد اور جُهْد کا معنی طاقت، وسعت اور کسی کام میں مبالغہ کرنا ہے اور جُهْد کا معنی مشقت ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے کہا ہے کہ حدیث میں جَهْد اور جُهْد کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے، جَهْد کا معنی مشقت اور جُهْد کا معنی وسعت ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ وسعت اور طاقت کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، لیکن مشقت کے معنی میں صرف جَهْد ہی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: والذین لا یجدون الا جُهْدَهم (التوبہ: ۷۹) "وہ لوگ جو صرف اپنی محنت سے کمائی حاصل کرتے ہیں" فراء نے کہا ہے کہ اس آیت میں جُهْد طاقت کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے کہ ھذا جُهْدی "یہ میری طاقت ہے"۔[1]

جہاد دشمن سے قتال کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وجاهدوا فی اللہ حق جهاده (الحج: ۷۸) "اللہ کی راہ میں دشمنوں سے اس طرح قتال کرو جو قتال کا حق ہے" کہا جاتا ہے "جاهد العدو" اس نے دشمن سے قتال کیا، اور حدیث میں ہے لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد و نية "فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے" اور جہاد کا معنی ہے دشمنوں سے جنگ کرنے میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا اور نیت اللہ کے لیے اخلاص عمل کو کہتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے: جہاد کی حقیقت یہ ہے کہ خواہش کے خلاف اپنی طاقت اور وسعت کو خرچ کیا جائے، اور اس کی تین قسمیں ہیں، ظاہری دشمن سے جہاد کرنا، شیطان سے جہاد کرنا اور نفس سے جہاد کرنا اور یہ تینوں قسمیں اس آیت میں داخل ہیں وجاهدوا فی اللہ حق جهاده (الحج: ۷۸)[1]

جہاد کا شرعی معنی علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: جہاد کا شرعی معنی ہے: اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے (یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے) کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا اور جہاد بالنفس کا معنی ہے: احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لیے نفس کو تھکانا اور اتباع شہوات اور میلان لذات میں نفس کی مخالفت کرنا۔[2]

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جہاد کا شرعی معنی ہے: اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے جان، مال اور زبان کو انتہائی وسعت اور طاقت سے خرچ کرنا۔[3]

---

[1] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۷۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] ملک العلماء ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۷، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

علامہ بابرتی حنفی لکھتے ہیں: دین حق کی طرف دعوت دینا اور جو اس دعوت کو قبول نہ کرے اس کے ساتھ جان اور مال کے ساتھ جنگ کرنا جہاد ہے۔ [1]

علامہ ابن ہمام حنفی نے بھی جہاد کی یہی تعریف کی ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: کفار سے جنگ کرنے میں اپنی طاقت اور وسعت کو صرف کرنا شرعاً جہاد ہے، اور نفس، شیطان اور فاسقوں سے مجاہدہ کرنے کو بھی جہاد کہتے ہیں، احکام دین کا علم حاصل کرنا پھر اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیم دینا مجاہدہ نفس ہے، شیطان کے شبہات کو دور کرنا اور اس کی مزین کردہ چیزوں سے بچنا مجاہدہ شیطان ہے۔ جان، مال، زبان اور دل سے کفار کے ساتھ جنگ کرنا مجاہدہ کفار ہے۔ اور ہاتھ سے، زبان سے اور دل سے فاسقوں کی مخالفت کرنا مجاہدہ فساق ہے۔ [3]

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں: دین کی سربلندی کے لیے مسلمان کا کافر غیر ذمی سے جنگ کرنا یا میدان جنگ میں حاضر ہونا یا ارض کفار میں داخل ہونا جہاد ہے۔ جو شخص جنگ کرنے کے لیے میدان جنگ یا ارض کفار میں جائے اور اس کو جنگ کا موقع نہ ملے وہ بھی مجاہد ہے۔ [4]

علامہ بہوتی حنبلی لکھتے ہیں: بالخصوص کفار سے قتال کرنے کو جہاد کہتے ہیں، مسلمان باغیوں اور ڈاکوؤں سے قتال کو جہاد نہیں کہتے۔ [5]

فرضیت جہاد کے تدریجی مراحل

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: مشرکین کو دین اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور جو مشرکین اس دعوت کو قبول نہ کریں، ان سے قتال کرنا واجب ہے کیونکہ تمام آسمانی کتابوں میں اس امت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ یہ امت نیکی کی دعوت دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے، اسی بناء پر اس امت کو خیر الامم قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر. (آل عمران: ۱۱۰)

جو اُمتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئیں ہیں تم ان میں سب سے بہترین امت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

اور سب سے بڑی نیکی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اس لیے ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ نیکی کی دعوت دے اور نیکی کا حکم دے اور سب سے بڑی برائی شرک ہے صرف وہ لوگ جو منافاً شرک کرتے ہوں، اس لیے ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ حسب استطاعت لوگوں کو شرک سے روکے۔

---

[1] علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ مع حاشیہ فتح القدیر ج ۵ ص ۱۸۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۸۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ
[4] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
[5] علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی، کشاف القناع ج ۳ ص ۳۲، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداءً مشرکین سے اعراض کرنے اور ان سے درگذر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
فاصفح الصفح الجمیل (حجر: ۸۵) "آپ حسن و خوبی کے ساتھ ان سے درگذر کیجیے" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
واعرض عن المشرکین (حجر: ۹۴) "اور آپ مشرکین سے اعراض کیجیے" پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ آپ حکمت کے ساتھ نصیحت کرکے لوگوں کو دین کی طرف بلائیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔ (نحل: ۱۲۵)
حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی طرف بلائیے اور ان پر احسن طریقہ سے حجت تمام کیجیے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اگر مشرکین جنگ کی ابتداء کریں تو ان سے مدافعانہ جنگ کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فان قاتلوکم فاقتلوھم۔ (بقرہ: ۱۹۱)
اگر کفار تم سے جنگ کریں تو تم بھی ان سے جنگ کرو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ (انفال: ۶۱)
اگر وہ (کافر) صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ صلح کی طرف مائل ہو جائیے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور ارشاد فرمایا:

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ۔ (بقرہ: ۱۹۳)
اور ان (کفار) سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (کا زور) ختم ہو جائے اور صرف اللہ کے دین (کا نظام قائم) ہو جائے۔

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (توبہ: ۵) سو تم جہاں بھی مشرکین کو پاؤ ان کو قتل کر دو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جب تک لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں میں ان سے جنگ کرتا رہوں، اور جب وہ اقرار کرلیں گے تو وہ اپنی جان اور مال کو مجھ سے محفوظ کرلیں گے البتہ جو ان پر حق ہوگا وہ وصول کیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ اس کے بعد مشرکین سے جہاد کی فرضیت برقرار رہی اور قیامت تک کے لیے جہاد فرض ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس وقت سے لے کر جب تک میری امت دجال سے جنگ کرے گی جہاد جاری رہے گا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قیامت تک کے لیے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور میرا رزق نیزوں کے سائے میں ہے اور جو شخص میری مخالفت کرے گا اس کے لیے ذلت اور خواری ہے، اور جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا اسی قوم میں شمار ہوگا۔ سفیان بن عیینہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ ایک وہ تلوار ہے جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا، ایک وہ تلوار ہے جس کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ جہاد کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تقاتلونھم او یسلمون (فتح: ۱۶) "تم ان سے جنگ کرتے رہو گے حتیٰ کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے" تیسری وہ تلوار ہے جس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس اور

اہل کتاب کے ساتھ جنگ کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ (توبہ: ۲۹) "ان لوگوں سے جہاد کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لائے" چوتھی وہ تلوار ہے جس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں، مسلمانوں کے قتل کرنے والوں اور حق کی مخالفت کرنے والوں سے جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓ الی امر اللہ (حجرات: ۹) "جو قوم باغی ہو اس سے اس وقت تک جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس آ جائے۔"[1]

جہاد کی اقسام میں فقہاء احناف کا نظریہ

ائمہ احناف کے نزدیک جہاد کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے پہلے کافروں کو اسلام کی دعوت دینا اور اگر وہ اسلام کو نہ قبول کریں تو پھر ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ کریں تو اس شہر کے مسلمانوں پر اپنے شہر کے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرض عین ہے اور اگر اس شہر کے مسلمان اپنا دفاع نہ کر سکیں تو اس کے قریب کے شہر والوں پر جہاد کرنا فرض عین ہو جائے گا علیٰ ہٰذا القیاس اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر اس ملک کے دفاع کے لیے جہاد کرنا فرض عین ہوگا۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: پھر فریضہ جہاد کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم فرض عین ہے جب کفار پر حملہ کرنے کا عام حکم ہو تو ہر شخص پر اپنی قوت اور طاقت کے اعتبار سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انفروا خفافا و ثقالا (توبہ: ۴۱)

نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل۔

یایھا الذین اٰمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاٰخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا قلیل۔ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما۔ (توبہ: ۳۹-۳۸)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا؟ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چپٹ کر رہ گئے، کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کا متاع تو بہت قلیل ہے، اگر تم (راہ خدا میں) نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ تم کو دردناک عذاب دے گا۔

اور دوسری قسم فرض کفایہ ہے، جس میں بعض مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی بعض مسلمانوں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے، کیونکہ جہاد کی وجہ سے مشرکین کی شوکت ٹوٹ جاتی ہے اور دین کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور جہاد سے یہی مقصود ہے۔ نیز اس لیے کہ اگر جہاد کو ہر وقت ہر شخص پر فرض کیا جاتا تو اس سے حرج واقع ہوتا کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ مسلمان دین اور دنیا کی اچھائیوں کو آزادی اور بے خوفی سے حاصل کر سکیں اور اگر ہر شخص جہاد میں مشغول ہوگا تو دنیا کے دیگر اصلاحی اور تعمیری کام انجام نہیں پا سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جہاد میں بنفس نفیس تشریف لے جاتے تھے اور کبھی دوسروں کو بھیجتے تھے حتیٰ کہ آپ نے فرمایا: "میری یہ خواہش ہے کہ اگر کوئی جنگی قافلہ یا لشکر روانہ کیا جائے تو میں بھی اس میں شریک ہوں، لیکن میرے پاس سب کے لیے سواریاں نہیں ہیں اور میرے بغیر یہ خوش نہیں ہوں گے، اور میری بڑی تمنا یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتا رہوں حتیٰ کہ میں شہید کر دیا جاؤں اور میں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید کیا جاؤں۔" اس

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۳-۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ

حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جہاد اور مرتبہ شہادت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتبہ رسالت پر فائز ہونے کے باوجود شہادت کی تمنا کی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھے اور رات قیام، رکوع اور سجود میں گزارے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا یا شام گزارنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے جہاد کے بارے میں بکثرت احادیث اور آثار ہیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو دین کا کوہان فرمایا ہے اور مسلمانوں کے امیر پر یہ لازم ہے کہ وہ جہاد کے لیے کوشش کرتا رہے یا خود جہاد کے لیے نکلے یا کسی لشکر کو روانہ کرے[1]

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: اگر جہاد کے لیے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو جہاد فرض عین ہے اور اگر عام حکم نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے اور بعض مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی مسلمانوں سے جہاد کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فضل الله المجاهدين باموالهم وانفسهم على القاعدين درجة ؕ وكلا وعد الله الحسنى ؕ وفضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما ۔ (نساء: ۹۵)

جو لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے والوں (یعنی جہاد میں نہ جانے والوں) پر فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم کی فضیلت دی ہے۔

اگر ہر مسلمان پر جہاد فرض ہوتا تو جہاد کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ اچھی عاقبت کا وعدہ فرماتا اور جہاد کے موقع پر بیٹھے رہنا حرام ہوتا۔ نیز جہاد اس لیے فرض کیا گیا ہے کہ اسلام کی دعوت دی جائے اور دین حق کو سربلند کیا جائے اور کفار کے شر اور ان کے قہر کو دفع کیا جائے اور یہ مقصد بعض مسلمانوں کو جہاد کے لیے روانہ کرنے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لشکر روانہ کر دیتے اور خود تشریف نہیں لے جاتے تھے اگر جہاد فرض عین ہوتا تو آپ لشکر کو روانہ کرنے کے بعد بھی خود بیٹھے نہ رہتے اور نہ کسی مسلمان کو جہاد چھوڑ کر بیٹھے رہنے کی اجازت دیتے۔

اور جب کہ جہاد فرض کفایہ ہے تو مسلمانوں کے امیر پر لازم ہے کہ وہ کفار سے جہاد کرنے کے لیے تمام اسلامی سرحدوں پر مجاہدین کو روانہ کرے اور جب یہ مجاہدین کفار سے جہاد کریں گے تو باقی مسلمانوں سے جہاد ساقط ہو جائے گا اور جب کسی سرحد پر مجاہدین کمزور پڑ جائیں اور ان پر دشمن کے غلبہ کا خطرہ ہو تو اس شہر کے مسلمانوں پر ان کی مدد کے لیے روانہ ہونا واجب ہے اور ہتھیاروں، اسلحہ اور مال سے ان کی مدد کرنا واجب ہے۔

نیز علامہ کاسانی فرماتے ہیں: جب جہاد کے لیے روانہ ہونے کا عام حکم دیا جائے بایں طور کہ دشمن کسی شہر پر حملہ کر دے تو پھر جہاد فرض عین ہے اور افراد مسلمین میں سے ہر مسلمان پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔ بشرطیکہ وہ جہاد پر قادر ہو، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

ما كان لاهل المدينة ومن حولهم من

مدینہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو یہ نہیں

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ ذلک بانھم لا یصیبھم ظمأ ولا نصب ولا مخمصۃ فی سبیل اللہ (توبہ: ۱۲۰)

چاہیے تھا کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جاتے اور نہ یہ کہ وہ رسول کی جان سے زیادہ اپنی جان سے رغبت کرتے، کیونکہ انہیں اللہ کی راہ میں بھوک، پیاس اور مشقت نہ پہنچے۔

سو اس صورت میں نماز روزے کی طرح ہر مسلمان پر جہاد کرنا فرض عین ہوگا۔ [1]

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں "ذخیرہ" میں لکھا ہوا ہے کہ جب جہاد کے لیے روانہ ہونے کا بگل بجا دیا جائے تو جو لوگ دشمن کے قریب ہوں اور جہاد کرنے کی طاقت رکھتے ہوں ان پر جہاد کے لیے روانہ ہونا فرض عین ہے اور جو لوگ دور ہوں ان پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے حتی کہ اگر ان کی ضرورت نہ پڑے تو ان کا جہاد نہ کرنا جائز ہے لیکن اگر ان کی ضرورت پڑ جائے بایں طور کہ قریب والے مسلمان دشمن سے مقابلہ میں کمزور پڑ جائیں یا وہ سستی کی وجہ سے جہاد نہ کریں تو پھر جو مسلمان ان مسلمانوں کے قریب ہوں ان پر نماز اور روزے کی طرح جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ [2]

علامہ بابرتی حنفی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور بہت سے صحابہ کو مدینہ میں چھوڑ جاتے تھے اس سے یہ معلوم ہوا کہ جہاد صرف اسی وقت فرض عین ہوتا ہے جب جہاد کے لیے روانہ ہونے کا عام حکم دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ۔ (نساء: ۹۵)

بلا عذر (جہاد سے) بیٹھے رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ (کافروں سے) جہاد کرنے والے مسلمان برابر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے والے مسلمانوں کو بیٹھنے والے مسلمانوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جہاد نہ کرنے والوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے اور اگر جہاد فرض عین ہوتا تو جہاد نہ کرنے والے اچھی عاقبت کے وعدہ کے بجائے عذاب کی وعید کے مستحق ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ البتہ جس وقت جہاد پر روانہ ہونے کا عام حکم ہو جائے تو جو مسلمان دشمن کے قریب ہوں اور جہاد پر قادر ہوں ان پر جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے اور جو مسلمان دشمن سے دور ہوں ان پر جہاد فرض عین نہیں ہوتا، ہاں اگر قریب والے مسلمانوں کو کسی وجہ سے ان کی ضرورت پڑے تو پھر ان پر بھی جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور اگر ان کو بھی ضرورت پڑے تو پھر ان کے قریب مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہوگا وعلیٰ ہذا القیاس حتیٰ کہ تمام اہل اسلام پر جہاد فرض عین

[1] ملک العلماء ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۹۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ
[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۱۹۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

ہو جائے گا۔ [1]

جہاد کی اقسام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں: علامہ ابن قطان وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جو شخص جہاد پر قادر ہو اس پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور علامہ مازری مالکی نے کتاب کبیر میں لکھا ہے کہ جہاد فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی ہے۔ جو مسلمان دشمن اسلام کے قریب اور جہاد پر قادر ہوں ان پر جہاد کرنا فرض عین ہے اور جو مسلمان دور ہوں ان پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی علاقہ کے مسلمانوں پر کفار حملہ کریں تو ان پر جہاد کرنا فرض عین ہے اور جن پر حملہ نہ کریں ان پر فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی علاقہ کے مسلمانوں پر دشمن حملہ کرے اور وہ اس سے دفاع کی طاقت نہ رکھتے ہوں پھر بھی ان پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔ [2]

جہاد کی اقسام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں کہ عہد رسالت میں جہاد صرف فرض کفایہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لا یستوی القاعدون الآیۃ (نساء: ۹۵) (علامہ بابرتی کے حوالے سے اس آیت سے استدلال کا بیان گزر چکا ہے۔) لیکن اب جہاد کی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ کفار اپنے شہروں میں ہوں اس وقت ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اگر کوئی مسلمان بھی ان سے جہاد نہ کرے تو تمام مسلمان گناہ گار ہوں گے جن کو جہاد کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے۔ [3]

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: جہاد کی دوسری قسم فرض عین ہے اور یہ اس وقت ہے جب کفار مسلمانوں کے شہروں کا ارادہ کئے ہوں، یا مسلمانوں پر حملہ کرنے کے قصد سے مسلمانوں کے شہروں کی سرحدوں پر جمع ہو جائیں اس وقت ان سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔ [4]

جہاد کی اقسام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: عام حالات میں جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور حسب ذیل صورتوں میں جہاد کرنا فرض عین ہے۔

(۱) جب جنگ ہو رہی ہو اور دونوں طرف سے فوجیں صف آرا ہوں تو پھر مسلمانوں کا میدان جنگ سے بھاگنا اور پیٹھ دکھانا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ (انفال: ۴۵)	اے ایمان والو! جب تمہارا دشمن کی فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو۔
یایھا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ومن	اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص

---

[1] علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۵ ص ۱۹۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۴۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۲۰۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

[4] " " " " روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۲۱۴،

یولهم یومئذ دبره الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئة فقد باء بغضب من الله ومأواه جهنم وبئس المصیر۔ (انفال: ۱۶،۱۵)	جنگی چال کے سوا یا فوج کے کسی دستہ سے لاحق ہونے کے قصد کے بغیر اس دن کافروں سے پیٹھ پھیرے گا تو بلاشبہ وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

۲۔ جب مسلمانوں کے کسی شہر پر کفار حملہ آور ہوں تو اس شہر کے مسلمانوں پر ان سے جنگ کرنا اور ان کو بھگانا فرض عین ہے۔

۳۔ جب امام یا امیر مملکت کسی قوم کو جہاد کے لیے بلائے تو ان پر جہاد کے لیے جانا فرض عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایها الذین امنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوة الدنیا من الاخرة۔ (توبہ: ۳۸)	اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا! جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے! کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اذا استنفرتم فانفروا" "جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو فوراً چلے آؤ"۔ [1]

کن حالتوں میں جہاد فرض عین رہتا ہے اور کن حالتوں میں فرض کفایہ

فقہاء احناف، فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک

جن صورتوں میں کفار سے جہاد کرنا فرض عین ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ جب جہاد کے لیے روانہ ہونے کا عام حکم دیا جائے یعنی جب کسی مسلمان ملک کا امیر ملک کے ہر شہری کو جہاد کے لیے روانہ ہونے کا حکم دے خواہ وہ شہری فوجی ہو یا غیر فوجی! اس وقت اس ملک کے ہر مسلمان پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔ اسی طرح اگر کسی شہر کا مسلمان امیر حکم دے کہ تمام شہر کے لوگ جہاد کے لیے روانہ ہوں تو اس شہر کے ہر مسلمان پر جہاد کے لیے روانہ ہونا فرض عین ہے البتہ جو لوگ جہاد کرنے سے معذور ہوں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

۲۔ جس علاقہ کے لوگ دشمن اسلام سے قریب ہوں اور اس سے جہاد کرنے پر قادر ہوں ان پر اس سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے جس شہر کی سرحدوں پر کفار حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہو جائیں اس شہر کے مسلمانوں پر ان کفار سے جہاد کرنا فرض عین ہے اور اگر ان کو اپنے دفاع میں دوسرے شہر کے مسلمانوں کی ضرورت ہو تو پھر ان پر بھی جہاد فرض عین ہے۔

۴۔ جب (العیاذ باللہ) کافر مسلمانوں کے کسی شہر کو روند رہے ہوں تو اس شہر کے مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض عین ہے اور جب انہیں دوسرے مسلمانوں کی مدد کی ضرورت ہو تو ان پر بھی جہاد فرض عین ہے۔

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ، المغنی ج ۹ ص ۱۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ ھ

ان صورتوں کے علاوہ عام حالات میں جب کافر اپنے اپنے ملکوں میں ہوں تو جو مسلمان ان سے جہاد کرنے پر قادر ہوں ان پر تبلیغ دین اور اسلام کا سر بلند کرنے کے لیے کافروں سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی ملک کے مسلمان بھی کافروں سے جہاد نہ کریں تو پھر دنیا کے تمام مسلمان گنہ گار ہوں گے۔

جب تک دنیا میں مسلم اقوام تبلیغ دین اور اعلاء کلمۃ الحق کے لیے کفر اور باطل قوتوں سے جہاد کرتی رہیں وہ دنیا میں عزت اور سربلندی کے ساتھ زندہ رہیں اور جب انہوں نے جہاد چھوڑ دیا اور عیش و طرب کی زندگی اختیار کر لی، مسلمان مشقت، جانفشانی اور جفاکشی کی جگہ سہولت، آرام اور تن آسانی کی زندگی بسر کرنے لگے تو ذلت اور غلامی ان کا مقدر ہو گئی اسپین میں مسلمانوں کا عروج اور زوال، ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کی سربلندی اور پستی اور عربوں کی اسرائیلیوں سے فتح اور شکست کا راز اسی ایک نکتہ میں مضمر ہے۔

آج پاکستان کی قوم بھی تہذیب اور کلچر کے نام پر سینما اور وی۔ سی۔ آر پر پاکستانی اور ہندوستانی فلموں کے دیکھنے کے ذوق و شوق میں مبتلا ہے اور ہیوٹک کے شعبہ میں تنزل ہو رہی ہے اور فلموں میں جو فحاشی اور نیم عریاں تہذیب دکھائی جاتی ہے اس کو عملی زندگی میں آرٹ اور فیشن کے نام پر فروغ دیا جا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر لٹے ہزار فوجیوں نے ہتھیار ڈال کر مسلمانوں کی عسکری تاریخ کی بدترین مثال قائم کی۔

جہاد کے مباح ہونے کی شرائط

جہاد کے مباح ہونے کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ دشمن دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دے اور مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ نہ ہو۔

(۲)۔ مسلمانوں کو یہ توقع اور امید ہو کہ جنگ میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ حاصل ہو گا اگر مسلمانوں کو یہ توقع اور امید نہ ہو تو پھر ان کے لیے کفار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جب مسلمانوں کو جنگ کی قوت اور سامان حرب میں برتری حاصل نہ ہو تو پھر ان کا کفار سے جنگ کرنا خود کشی کے مترادف ہے۔ [1]

جہاد کے وجوب کی شرائط

جہاد کے واجب ہونے کی سات شرطیں ہیں: ۱۔ اسلام۔ ۲۔ بلوغ۔ ۳۔ عقل۔ ۴۔ آزاد ہونا۔ ۵۔ مرد ہونا۔ ۶۔ تندرست ہونا۔ ۷۔ ضروریات کا خرچ موجود ہونا۔

اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ کافر پر جنگ میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا، عقل کی شرط اس لیے ہے کہ مجنون جہاد نہیں کر سکتا اور بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ کمزور ہوتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میری عمر چودہ سال تھی تو میں نے اپنے آپ کو جنگ احد کے لیے پیش کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آزاد شخص سے اسلام اور جہاد کی بیعت لیتے تھے اور غلام سے صرف اسلام کی بیعت لیتے تھے جہاد کی بیعت نہیں لیتے تھے اور مرد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا ان پر ایسا جہاد فرض ہے جس میں جنگ نہیں ہے اور وہ حج اور عمرہ ہے۔ تندرست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ

---

[1] علامہ نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۸۸، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

شخص اندھا، لنگڑا اور بیمار نہ ہو اور یہ اس لیے شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج (فتح: ۱۷) "جہاد نہ کرنے کی وجہ سے اندھے پر کوئی گناہ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے"۔ اور خرچ موجود ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ۔ (توبہ: ۹۱)

(جہاد نہ کرنے کی وجہ سے) ضعیفوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو (راہ خدا میں) خرچ نہیں پاتے جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے ہوں

اگر جہاد مسافت قصر سے کم پر ہو تو مدت جہاد میں اہل و عیال کا خرچ ضروری ہے اور ہتھیاروں کا ہونا بھی ضروری ہے اور اگر جہاد مسافت قصر پر ہو تو اس کے ساتھ ساتھ سواری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا واعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون۔ (توبہ: ۹۲)

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے کہ آپ انھیں (جہاد کے لیے) سواری دیں تو آپ نے ان سے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو وہ اس حال میں واپس چلے گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کیونکہ ان کو یہ رنج تھا کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

یہ شرائط علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بیان کی ہیں۔ [1]

کتنی مدت کے بعد مسلمانوں پر جہاد کرنا واجب ہے

تبلیغ دین کے لیے سال میں ایک مرتبہ مسلمانوں پر جہاد کرنا واجب ہے، الا یہ کہ مسلمانوں کی عددی قلت ہو یا ان کے پاس سامان حرب کی کمی ہو یا جہاد کے راستہ میں کوئی رکاوٹ ہو یا مسلمانوں کو یہ توقع ہو کہ اگر کفار سے جنگ میں تاخیر کی تو شاید وہ اسلام قبول کر لیں۔ [2]

بَابُ جَوَازِ الْإِغَارَةِ عَلَى الْكُفَّارِ الَّذِينَ بَلَغَتْهُمْ دَعْوَةُ الْإِسْلَامِ مِنْ غَيْرِ تَقَدُّمِ إِعْلَامٍ بِالْإِغَارَةِ

جن کفار کو دعوت اسلام دی جا چکی ہو ان کو دوبارہ دعوت دیے بغیر جنگ کرنے کا جواز

۴۴۰۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ میں نے نافع کو لکھ کر

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۱۶۳-۱۶۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] " " " " " ، المغنی ج ۹ ص ۱۶۴، " " " "

حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى نَافِعٍ أَسْأَلُهُ عَنِ الدُّعَاءِ قَبْلَ الْقِتَالِ قَالَ فَكَتَبَ إِلَيَّ إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ قَدْ أَغَارَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ وَأَنْعَامُهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبَى سَبْيَهُمْ وَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يَحْيَى أَحْسِبُهُ قَالَ جُوَيْرِيَةَ أَوْ قَالَ الْبَتَّةَ ابْنَةَ الْحَارِثِ وَحَدَّثَنِي هٰذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَكَانَ فِي ذَاكَ الْجَيْشِ.

جنگ سے پہلے کفار کو دین کی دعوت دینے کے متعلق سوال کیا، نافع نے لکھا یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر بے خبری میں حملہ کیا درآں حالیکہ ان کے مویشی پانی پی رہے تھے، آپ نے ان کے جنگجو مردوں کو قتل کر دیا اور باقی کو قید کر لیا اور اسی دن حضرت جویریہ آپ کے ہاتھ لگیں، راوی کہتا ہے یا حارث کی بیٹی، یہ حدیث مجھ کو حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کی اور وہ اس لشکر میں تھے۔

۴۳۰۶ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَقَالَ جُوَيْرِيَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ وَلَمْ يَشُكَّ.

یہ حدیث ایک اور سند سے منقول ہے اور اس میں بغیر کسی شک کے جویریہ بنت الحارث کا لفظ ہے۔

جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینے میں مذاہب فقہاء

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن کفار کو پہلے اسلام کی دعوت دی جا چکی ہے ان پر بغیر اعلانِ جنگ اور بغیر دعوتِ اسلام کے حملہ کرنا جائز ہے۔

علامہ مازری اور قاضی نے اس مسئلہ میں تین مذاہب بیان کیے ہیں:

۱۔ امام مالک وغیرہ نے کہا ہے کہ جنگ سے پہلے دعوتِ اسلام دینا مطلقاً واجب ہے لیکن یہ مذہب ضعیف ہے

۲۔ جنگ سے پہلے دعوتِ اسلام دینا اصلاً واجب نہیں ہے یہ مذہب باطل ہے۔

۳۔ امام مالک کا صحیح مذہب امام شافعی کا قول جدید، امام ابو حنیفہ، امام اوزاعی اور جمہور فقہاء اسلام کا مذہب یہ ہے کہ اگر کفار کو پہلے اسلام کی دعوت نہیں دی تو ان کو جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا واجب ہے، اور اگر ان کو پہلے اسلام کی دعوت دی جا چکی ہے تو جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے۔ بکثرت احادیث صحیحہ اس مذہب کی مؤید ہیں، کعب بن اشرف اور ابو الحقیق کو قتل کرنے کی حدیثوں میں بھی اس کی تائید ہے اور اس باب کی حدیث بھی اسی کی مؤید ہے۔ [1]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوت اسلام دینے میں فقہاء حنبلیہ کے مذہب کی تفصیل!!

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: دعوت اسلام کو پہنچا دیا گیا ہے اور وہ تمام دنیا میں شائع ہو چکی ہے، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ رومیوں اور ترکوں کے ماوراء کوئی ایسی قوم ہو جس کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو، سو ایسی قوم سے دعوت اسلام دیئے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اور اس کے باقی ساتھیوں کو بالعموم اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیتے اور فرماتے جب تمہارا مشرکین سے مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کی طرف دعوت دینا، وہ ان تین میں سے جس کو بھی مان لیں تو تم قبول کر لینا، اور جنگ سے رک جانا، ان کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسلام سے آئیں تو ان کا اسلام قبول کرنا اور ان سے جنگ نہ کرنا، اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت دینا اگر وہ جزیہ دینے پر تیار ہوں تو ان کی یہ پیش کش قبول کرنا اور ان سے جنگ نہ کرنا اور اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان کے خلاف جہاد شروع کر دینا، (مسلم و ابو داؤد)۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام کا ہو جب دعوت اسلام شائع نہیں ہوئی تھی اور دین اسلام کا ظہور نہیں ہوا تھا، لیکن اب دعوت اسلام شائع ہو چکی ہے اس لیے اب جنگ کے وقت کسی کو دعوت اسلام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ شروع کرنے سے پہلے اسلام کی دعوت دیتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو ظاہر کر دیا اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا، اور میں نہیں جانتا کہ آج کوئی شخص کسی کو اسلام کی دعوت دیتا ہو، کیونکہ ہر شخص کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، رومیوں کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ان سے کس چیز کا مطالبہ ہے، اسلام کی دعوت دینا صرف ابتداء اسلام میں ضروری تھا اور اگر اب بھی دعوت دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کی بے خبری میں ان پر حملہ کیا، درآں حالیکہ ان کے اونٹ پانی پی رہے تھے، آپ نے ان کے لڑنے والے افراد کو قتل کر دیا اور بچوں کو گرفتار کر لیا، (بخاری و مسلم) اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو امیر بنایا پھر ہم نے مشرکین کے ایک گروہ سے جنگ کی اور ان پر شب خون مارا۔ (ابو داؤد) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت بریدہ کی حدیث میں جو جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کا حکم ہے وہ استحباب پر محمول ہو اور بلاشبہ یہ دعوت ہر حال میں مستحب ہے، کیونکہ امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا اور ان کو اہل خیبر سے جنگ کے لیے بھیجا تو ان کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم دیا حالانکہ اہل خیبر کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی (صحیح بخاری) اور جب طلیحہ اسدی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت خالد بن ولید نے اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے یہ دعوت قبول نہ کی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد کو اس پر غالب کر دیا۔ اور حضرت سلمان نے اہل فارس کو اسلام کی دعوت دی۔

اس وضاحت کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اگر اہل کتاب یا مجوسیوں سے جہاد کرنا ہو تو پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی جائے، اگر وہ انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت دی جائے اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کی

جائے، اور اگر ان کے قریب سے جنگ ہو تو ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور اگر وہ انکار کریں تو پھر ان سے جنگ کی جائے اور جو دعوتِ اسلام سے پہلے قتل کر دیا گیا اس کے خون کی کوئی ضمانت نہیں ہے، کیونکہ اس سے کوئی معاہدہ ہے نہ اس کو امان ہے۔ [۱]

جہاد کرنے سے پہلے کفار کو دعوتِ اسلام دینے میں فقہاء احناف کے مذہب کی تفصیل!

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: اگر کفار کو پہلے دعوتِ اسلام نہ پہنچی ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ پہلے زبانی اسلام کی دعوت دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلہم بالتی ہی احسن۔ (نحل: ۱۲۵)

حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی طرف دعوت دیجئے اور ان پر اچھی طرح حجت قائم کیجئے۔

اور دعوتِ اسلام سے پہلے ان لوگوں سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ دعوتِ اسلام سے پہلے صرف عقل کی وجہ سے اگرچہ ان پر ایمان لانا واجب ہو چکا تھا اور وہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے قتل کے مستحق تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی طرف رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے اور ان کو تبلیغ کرنے سے پہلے ان سے قتال حرام کر دیا ہے، اور یہ ان پر محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے تاکہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے، ہر چند کہ حقیقت میں ان کا کوئی عذر نہیں ہے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی ذات پر ایسے دلائل عقلیہ قائم کر دیے ہیں کہ اگر وہ ان دلائل پر صحیح طریقہ سے غور کریں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور احسان سے رسولوں کو بھیجا (صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین) تاکہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولو انا اہلکناہم بعذاب من قبلہ لقالوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک من قبل ان نذل ونخزی۔ (طٰہٰ: ۱۳۲)

اور اگر ہم رسول کے آنے سے پہلے انہیں کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل و خوار ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی اتباع کر لیتے۔

جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاد بحیثیتِ جہاد فرض نہیں ہے بلکہ جہاد دعوتِ اسلام کی وجہ سے فرض ہے اور جنگ کی بہ نسبت بیان اور تبلیغ سے اسلام کی دعوت دینا زیادہ سہل اور آسان ہے، اس لیے جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب پہلے انہیں اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور اگر ان کو اس سے پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے تو تجدیدِ دعوت کے بغیر بھی ان سے جنگ کرنا جائز ہے لیکن اس کے باوجود جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا افضل اور مستحب ہے، کیونکہ ان کے اسلام قبول کرنے کی امید بہرحال قائم ہے اور روایت ہے کہ جن لوگوں کو کئی مرتبہ اسلام کی دعوت دی جا چکی ہوتی ان سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام دینے کے بعد جنگ کرتے تھے۔

---

[۱] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۱۷۳-۱۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

اگر کفار نے دعوت اسلام کے بعد دین اسلام قبول کر لیا تو ان سے جنگ نہ کی جائے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ لیں اور جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں تو ان کی جان اور مال مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے ماسوا اس چیز کے جس پر کسی کا کوئی حق ہو۔ اور اگر وہ اسلام نہ قبول کریں تو مشرکین عرب اور مرتدین کے سوا باقی لوگوں پر جزیہ پیش کریں اگر وہ جزیہ قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کریں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اگر یہ لوگ ذمیوں کا عہد قبول کر لیں تو ان کے لیے مسلمانوں کے حقوق ہوں گے اور ان پر مسلمانوں کی سزائیں ہوں گی۔ اور اگر وہ جزیہ کا انکار کریں تو اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیں اور جب مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں، آپس میں اختلاف نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو فتح اور نصرت سے ہمکنار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یاایها الذین امنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون۔ واطیعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم واصبروا ان الله مع الصابرین۔

(انفال، ۴۶-۴۵)

اے ایمان والو! جب تمہارا دشمن کی فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور مسلمانوں کے لیے دعوت اسلام دیے بغیر بھی کفار پر حملہ کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم (توبہ، ۵)

مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔

مشرکین سے ہر وقت جہاد کرنا جائز ہے خواہ اشہر حرم (حرمت والے مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب) ہوں یا دوسرے ہوں کیونکہ ان مہینوں میں جہاد کرنے کی ممانعت اس آیت اور جہاد کی دوسری آیات سے منسوخ ہو چکی ہے۔

جہاد میں کافر کی جان اور مال محترم نہیں ہے

جہاد میں کفار کو قتل و غارت کرنے، لوٹ مار کرنے اور شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ان کے درخت کاٹنا بھی جائز ہیں خواہ وہ درخت پھلدار ہوں یا دوسرے ہوں اور ان کے کھیتوں کو ملیامیٹ کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ما قطعتم من لینة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن الله ولیخزی الفاسقین۔

(حشر، ۵)

تم لوگوں نے کھجوروں کے جو درخت کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، یہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ذلیل و خوار کرے۔

کفار کے قلعوں کو جلانا اور پانی سے غرق کرنا ان کے قلعوں کو گرانا اور ان پر منجنیق نصب کرنا یہ سب جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یخربون بیوتهم بایدیهم وایدی

وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں

المومنین (حشر: ۲) کے ہاتھوں سے ویران کر رہے تھے۔

یہ تمام امور اس لیے جائز ہیں کیونکہ یہ سب امور جنگ کے لوازم ہیں، نیز مال کی حرمت جان کی حرمت کے تابع ہے اور جب کفار کی جان محترم نہیں ہے تو ان کا مال کیسے محترم ہوگا۔

اگر جہاد میں کافر مسلمانوں کو اپنی ڈھال بنالیں تو ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے

کفار پر تیر اندازی کرنا بھی جائز ہے خواہ وہ مسلمان قیدیوں یا تاجروں کو اپنی ڈھال بنالیں اور یہ بھی جنگی ضرورت کی بناء پر ہے کیونکہ کفار کے قلعوں میں کہیں نہ کہیں مسلمان بھی ہوتے ہیں، لیکن مسلمان مجاہدین اس صورت میں اپنے حملوں سے کافروں کو قتل کرنے کا قصد کریں اسی طرح اگر کافر مسلمان بچوں کو اپنی ڈھال بنالیں تو ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ اس کے بغیر فریضہ جہاد ادا نہیں ہوتا لیکن مسلمان اس حملے سے کافروں کو قتل کرنے ہی کا قصد کریں۔ [1]

بَابُ تَأْمِيْرِ الْإِمَامِ الْأُمَرَاءَ عَلَى الْبُعُوْثِ وَوَصِيَّتِهِ إِيَّاهُمْ بِآدَابِ الْغَزْوِ

کسی شخص کو جہاد کا امیر بنانا اور اس کو آداب جہاد کی تعلیم دینا

۴۴۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ سُفْيَانَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ أَمْلَاهُ عَلَيْنَا إِمْلَاءً ح وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّرَ أَمِيْرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْصَاهُ فِيْ خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَّعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ

سلیمان بن بریدہ اپنے والد (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے، پھر آپ فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو، جب تمہارا اپنے مشرکین دشمنوں کے ساتھ مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا۔ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے

[1] ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۰۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا وإذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم إلى ثلاث خصال أو خلال فأيتهن ما أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم ثم ادعهم إلى الإسلام فإن أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم ثم ادعهم إلى التحول من دارهم إلى دار المهاجرين وأخبرهم أنهم إن فعلوا ذلك فلهم ما للمهاجرين وعليهم ما على المهاجرين فإن أبوا أن يتحولوا منها فأخبرهم أنهم يكونون كأعراب المسلمين يجري عليهم حكم الله الذي يجري على المؤمنين ولا يكون لهم في الغنيمة والفيء شيء إلا أن يجاهدوا مع المسلمين فإن هم أبوا فسلهم الجزية فإن هم أجابوك فاقبل منهم وكف عنهم فإن هم أبوا فاستعن بالله وقاتلهم وإذا حاصرت أهل حصن فأرادوك أن تجعل لهم ذمة الله وذمة نبيه فلا تجعل لهم ذمة الله ولا ذمة نبيه ولكن اجعل لهم ذمتك وذمة أصحابك فإنكم أن تخفروا ذممكم وذمم أصحابكم أهون من أن تخفروا ذمة الله وذمة رسوله وإذا حاصرت أهل حصن فأرادوك أن تنزلهم على حكم الله فلا تنزلهم على حكم الله ولكن أنزلهم على حكمك فإنك لا تدري أتصيب حكم الله فيهم أم لا قال عبد الرحمن هذا

شہر میں آجائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو ان کو وہ سہولتیں ملیں گی جو مہاجرین کو ملتی ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کریں تو ان کو یہ بتاؤ کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا، ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے لیکن ان کو مال غنیمت اور مال فے سے جہاد کے بغیر کوئی حصہ نہیں ملے گا، اگر وہ لوگ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو، اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو تم اس کو قبول کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے رک جاؤ اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دو، اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے اللہ اور اس کے رسول کو (کسی عہد پر) ضامن بنانا چاہیں تو تم اللہ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بنانا، بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ضامن بنانا، کیونکہ تمہارے لیے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے عہد سے پھر جانا اس سے آسان ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑو، اور جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کرو، اور ان کا یہ ارادہ ہو کہ تم ان کو اللہ کے حکم کے مطابق قلعہ سے نکالو تو تم ان کو اللہ کے حکم کے بموجب نہ نکالو بلکہ ان کو اپنے حکم کے مطابق نکالو کیونکہ تم اس بات کو نہیں جانتے کہ تمہاری رائے اور اجتہاد اللہ کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں، عبدالرحمن نے کہا یہ اس کی مثل ہے، اور اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ یحییٰ نے اس حدیث کو مقاتل بن حیان سے ذکر کیا، انہوں نے کہا مجھ سے مسلم بن ہیصم نے نعمان بن مقرن کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

أَوْ نَحْوَهُ وَزَادَ إِسْحٰقُ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ قَالَ فَذَكَرْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ لِمُقَاتِلِ بْنِ حَيَّانَ قَالَ يَحْيَى يَعْنِي أَنَّ عَلْقَمَةَ يَقُولُهُ لِابْنِ حَيَّانَ فَقَالَ حَدَّثَنِي مُسْلِمُ بْنُ هَيْصَمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

۴۳۰۸ - وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ بُرَيْدَةَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَمِيرًا أَوْ سَرِيَّةً دَعَاهُ فَأَوْصَاهُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ سُفْيَانَ -

حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب امیر یا کسی لشکر کو بھیجتے تو اس کو وصیت کرتے۔

۴۳۰۹ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ الْفَرَّاءُ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ الْوَلِيدِ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۳۱۰ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ قَالَ بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَيَسِّرُوا

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ میں سے کسی شخص کو کسی مہم پر روانہ کرتے تو آپ یہ ارشاد فرماتے لوگوں کو خوش کرو، ان کو متنفر مت کرو اور فرماتے آسان احکام بیان کرو مشکل احکام مت بیان کرو۔

وَلَا تُعَسِّرُوْا۔

۴۲۱۱ - حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَهٗ وَمُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا۔

حضرت ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا اور فرمایا تم دونوں لوگوں کے لیے آسانی کرنا اور انھیں مشکل میں نہ ڈالنا، ان کو خوش کرنا اور متنفر مت کرنا اور آپس میں اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔

۴۲۱۲ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ أَبِيْ خَلَفٍ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ عَدِيٍّ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِيْ أُنَيْسَةَ كِلَاهُمَا عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيْثِ شُعْبَةَ وَلَيْسَ فِيْ حَدِيْثِ زَيْدِ بْنِ أَبِيْ أُنَيْسَةَ وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا۔

امام مسلم نے ایک اور سند سے حضرت ابوموسیٰ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شعبہ کی طرح روایت بیان کی اس حدیث میں تطاوعا ولا تختلفا کے الفاظ نہیں ہیں۔

۴۲۱۳ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِيْ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَسَكِّنُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر آسانی کرو اور ان کو مشکل میں نہ ڈالو، لوگوں کو آرام پہنچاؤ اور ان کو متنفر مت کرو۔

سریہ کا معنی اس حدیث میں جیش اور سریہ کے الفاظ ہیں جیش لشکر کو کہتے ہیں اور سریہ لشکر کے ایک حصہ کو کہتے ہیں علامہ نووی لکھتے ہیں، ابراہیم حربی نے بیان کیا ہے کہ چار سو گھوڑوں کے دستہ کو سریہ کہتے ہیں اس

کو مغرب اس لیے کہتے ہیں کہ یہ رات میں چلتا ہے اور تعریس کا معنی رات میں سفر کرنا ہے۔ [1]

قتال کی کیفیت اور ان کافروں کا بیان جن کو قتل کرنا جائز نہیں ہے

اس حدیث میں مثلہ کرنے (اعضاء کاٹ کر شکل بگاڑنے) اور بچوں کو قتل نہ کرنے کا ذکر ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ عہد شکنی نہ کریں، نہ خیانت کریں اور نہ مثلہ کریں (ہاں) کسی عورت، بچے اور مجنون کو قتل نہ کریں، اور نہ کسی شیخ فانی (بہت بوڑھا شخص) کو قتل کریں اور نہ کسی اندھے اور لنگڑے کو، ہاں اگر ان میں سے کوئی شخص جنگی تدابیر کا ماہر ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے یا اگر عورت سردار یا ملکہ ہو تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے اسی طرح اگر کافروں کا سردار کوئی چھوٹا بچہ ہو تو اس کو قتل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، (محیط وغیرہ) اگر کوئی عورت مالدار ہو اور وہ اپنے مال سے لوگوں کو جنگ پر ابھار رہی ہو تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔ (محیط) اسی طرح جن کا استثناء کیا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی جنگ کرے تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے۔ (ہدایہ)۔

جس شخص کے ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کٹے ہوئے ہوں اس کو بھی نہ قتل کیا جائے، اور جس شخص کا داہنا ہاتھ کٹا ہوا ہو اس کو بھی نہ قتل کیا جائے، جس کا ہاتھ سوکھا ہوا ہو اس کو بھی نہ قتل کیا جائے، اور اگر یہ جنگ کر رہے ہوں تو ان کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، (قاضی خاں) اگر کسی مسلمان شخص کے رشتہ دار کافر ہوں تو وہ ان کو قتل کر سکتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے والد، والدہ اور دادا، دادی کو قتل نہ کرے البتہ ناگزیر صورت میں ان کو قتل کرنا جائز ہے (محیط)۔ کسی راہب کو اس کے گرجے میں نہ قتل کیا جائے اور اگر وہ لوگوں میں مل جل کر رہتا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے (قاضی خاں) [2]

فقہاء احناف نے جہاد میں جن کافروں کے قتل سے منع کیا ہے ان کی اصل حسب ذیل احادیث ہیں۔

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن ابن کعب بن مالک عن عمه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حین بعثه الی ابن ابی الحقیق بخیبر نهی عن قتل النساء والصبیان رواه احمد ورجاله رجال الصحیح۔ [3]

ابن کعب بن مالک اپنے چچا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ابن ابی الحقیق کی طرف بھیجا تو انہیں عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

عن ایوب قال سمعت رجلا منا یحدث عن ابیه قال بعث رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم سریة کنت فیها فنهانا

ایوب کہتے ہیں میں نے اپنے ایک شخص سے سنا وہ اپنے والد سے یہ حدیث بیان کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک لشکر میں بھیجا اور ہمیں عورتوں اور

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

[2] ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۹۴، مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

[3] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۱۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

ان نقتل العسفاء والوصفاء. رواہ احمد وفیہ رجل لم یسم۔ [1]

غلاموں کے قتل کرنے سے منع کیا اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک شخص مجہول ہے۔

عن عوف بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقتلوا النساء رواہ البزار وفیہ محمد بن عبد اللہ بن شمران وھو ضعیف [2]

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو مت قتل کرو۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں محمد بن عبد اللہ بن شمران ضعیف راوی ہے۔

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث جیوشہ قال اخرجوا بسم اللہ تقاتلون فی سبیل اللہ من کفر باللہ لا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا الولدان ولا اصحاب الصوامع وفی روایۃ ولا امراۃ ولا شیخا رواہ احمد وابو یعلی والبزار والطبرانی فی الکبیر والاوسط وفی رجال البزار ابراھیم بن اسماعیل بن ابی حبیبۃ وثقہ احمد وضعفہ الجمھور۔ [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو روانہ کرتے تو فرماتے بسم اللہ پڑھ کر نکلو اور کافروں سے قتال کرو، عہد شکنی نہ کرنا، خیانت نہ کرنا اور کسی کا مثلہ نہ کرنا اور بچوں کو قتل کرنا اور نہ گرجے کے راہبوں کو قتل کرنا اور ایک روایت میں ہے اور نہ کسی عورت اور بوڑھے کو قتل کرنا۔ اس حدیث کو امام احمد، امام ابو یعلیٰ، امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے، بزار کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ ایک راوی ہے اس کی امام احمد نے توثیق کی ہے اور جمہور نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ذمہ کا لغوی معنی

اس حدیث میں جزیہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اور جزیہ ذمیوں پر لگایا جاتا ہے، اس لیے ہم یہاں پر اختصار کے ساتھ ذمہ کا لغوی معنی اور اصطلاحی معنی اور ارکان شرائط اور جزیہ کی مقدار کو بیان کریں گے۔

فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

ذمہ کا لغوی معنی ہے امان، ضمان اور کفالت علامہ زبیدی لکھتے ہیں رجل ذمی یعنی جس شخص کا معاہدہ ہو، جوہری نے کہا اہل ذمہ اہل عقد ہیں، یہ وہ مشرکین ہیں جو جزیہ ادا کرتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ جزیہ کا معنی امان ہے اور ذمی کو ذمی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی امان میں داخل ہوتا ہے اور ذمی کا معنی کفالت اور ضمانت بھی ہے کیونکہ ذمیوں سے جزیہ لینے کے بعد مسلمان ان کی جان اور مال کے ضامن ہو جاتے ہیں۔ [4]

---

[1] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۱۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] " " " " ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۱۶، " " "

[3] " " " " ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۱۶-۳۱۷، " " "

[4] سید محمد مرتضیٰ زبیدی حسینی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۸ ص ۳۰۱، مطبوعہ مطبعہ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

ذمہ کا اصطلاحی معنی

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے ذمہ کی تعریف میں لکھا ہے: جزیہ کے بدلہ میں کفار کو مسلمانوں کے ملک میں رکھنے کا التزام کرنا، ان کی حفاظت کرنا اور ان کی طرف سے مدافعت کرنا اور ان کا مسلمانوں کی اطاعت کرنا۔ ذمہ کا منعقد مسلمانوں کا امیر یا ان کا نائب کر سکتا ہے، کیونکہ ذمہ میں وہ سیاسی مصلحتیں ہوتی ہیں جن کو صرف امام یا اس کا نائب ہی غور و فکر سے حاصل کر سکتا ہے[1] علامہ بہوتی حنبلی[2] اور علامہ شربینی شافعی[3] نے بھی ذمہ کی یہی تعریف کی ہے۔

عقد ذمہ کا رکن

ذمہ کا عقد کرتے وقت صراحۃً عہد کا لفظ ذکر کرنا چاہیے یا کوئی ایسا فعل ہو جو عقد پر دلالت کرے مثلاً کوئی حربی دار الاسلام میں داخل ہو تو امام کو چاہیے کہ اپنی صوابدید سے اس کے قیام کے لیے ایک مدت معینہ مقرر کر دے اور اس سے کہے کہ اگر تم اس مدت سے زیادہ ٹھہرے تو تم ذمی ہو جاؤ گے اور جب وہ اس مدت معینہ سے زیادہ قیام کرے گا تو ذمی ہو جائے گا۔

عقد ذمہ کی شرائط

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے عقد ذمہ (کافروں کو اپنی پناہ میں لینے کا معاہدہ) کی حسب ذیل شرائط بیان کی ہیں[4]:

پہلی شرط: مشرکین عرب سے عقد ذمہ نہیں ہو سکتا، ان سے صرف اسلام قبول کیا جائے گا یا پھر ان کے ساتھ تلوار سے جہاد ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزكوة فخلوا سبيلهم (توبہ: ۵)

سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو، اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کو قتل کرنے اور گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے ان کو اس وقت تک نہ چھوڑو جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کر لیں، اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب کو جزیہ لے کر چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اور اہل کتاب کے ساتھ عقد ذمہ جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الاخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون۔ (توبہ: ۲۹)

ان اہل کتاب سے جنگ کرو جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے اور جو اللہ اور اس کے رسول کے حرام کیے ہوئے کو حرام نہیں قرار دیتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے (ان سے اس وقت تک جنگ کرو) جہاں تک کہ وہ رسوائی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے اہل کتاب سے جزیہ لینا جائز ہے خواہ وہ عرب ہوں یا عجم کیونکہ قرآن مجید کی یہ

---

[1] ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۶ ص ۴۴۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی، کشاف القناع ج ۳ ص ۹۲، مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔

[3] علامہ محمد شربینی الخطیب، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۲۴۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[4] ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۰، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

آیت عام ہے، اور مجوسیوں سے جزیہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ مجوسی اہل کتاب کے ساتھ لاحق ہیں کیونکہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کی طرح سلوک کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا تھا، انھوں نے عراق کے مجوسیوں پر جزیہ مقرر کیا اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کیا۔

مشرکین عرب اور باقی مشرکین اور اہل کتاب میں فرق یہ ہے کہ باقی مشرکین اور اہل کتاب سے اس لیے جزیہ لیا جاتا کہ مسلمانوں کو ان کے پیسوں کی ضرورت ہے بلکہ جزیہ کے ذریعہ ان سے عقد ذمہ کرتے ہیں ان کا اسلام مطمح نظر ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں گے اور شریعت اسلام اور اس کے محاسن پر غور کریں گے تو پھر ان کو اسلام لانے میں رغبت ہوگی اور وہ دین اسلام قبول کریں گے اور اگر مشرکین عرب سے عقد ذمہ کیا جاتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا کیونکہ وہ از خود غور و فکر کرکے زمانہ جاہلیت کی عادات اور اپنے آباؤ و اجداد کی تقلید کو نہیں چھوڑ سکتے تھے اس لیے ان کے لیے صرف دو چیزیں ہیں تلوار یا اسلام، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہیں فرمایا، اور مشرکین عجم کو اس حدیث کی بنا پر اہل کتاب کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ [1]

علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ عجم کے بت پرست بھی اہل کتاب کے ساتھ لاحق ہیں یعنی ان سے بھی جزیہ لینا جائز ہے اس کے برخلاف امام شافعی کے نزدیک ان سے قتال کرنا واجب ہے۔ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب سے از روئے قرآن جزیہ لینا جائز ہے اور مجوسیوں سے از روئے حدیث جزیہ لینا جائز ہے اس کے بعد باقی لوگ بچے ان کو اصل پر محمول کر دیا۔ [2]

دوسری شرط: مرتدسے عقد ذمہ (کافروں کو اپنی پناہ میں لینے کا معاہدہ) کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مرتدین سے اسلام یا تلوار کے سوا اور کوئی چیز قبول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونهم او یسلمون۔ (فتح ۱۶) — تمہیں عنقریب ایک ایسی قوم (مرتدین اہل یمامہ) کی طرف بلایا جائے گا جو نہایت سخت لڑنے والی ہوگی تم ان سے جنگ کرتے رہوگے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ آیت بنو حنیفہ کے مرتدین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا ہے کہ مرتدین اسلام قبول کریں ورنہ ان سے جنگ کی جائے گی کوئی تیسری شکل نہیں ہے نیز عقد ذمہ کو اسلام کی امید کی بنا پر مشروع کیا گیا ہے اور عقد ذمہ مرتد کے اسلام کا وسیلہ نہیں بن سکتا کیونکہ جو شخص اسلام کے محاسن اور اس کے احکام شرعیہ کی حکمتوں کو جان چکا ہو پھر وہ دین اسلام کو ترک کر دے تو یہ اس کی طبعی شقاوت اور اس کی کج فکری ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اس لیے اس کی فلاح کی کوئی امید نہیں رہی، اس لیے اس کے حق میں عقد ذمہ اور جزیہ کو قبول کرنا اسلام کا وسیلہ نہیں بن سکتا۔

اب رہے صابئین (ستارہ پرست) تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان سے بھی عقد ذمہ کرنا جائز ہے، صابئین کی تفسیر میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ اہل کتاب کا ایک گروہ ہے جو زبور کی تلاوت کرتا ہے اور امام ابو یوسف

---

[1] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۱۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵-۵۸۶، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

اور امام محمد کے نزدیک یہ ستارہ پرست ہیں اس لیے یہ بت پرستوں کے حکم میں ہیں اور اگر یہ غیر عرب ہوں تو ان سے فدیہ لینا جائز ہے۔ [1]

تیسری شرط: عقد ذمہ (کافروں کو اپنی پناہ میں لینے کا معاہدہ) مؤبد اور دائمی ہونا چاہیے کیونکہ عقد ذمہ کی بنا پر جان اور مال کی اسی طرح حفاظت کی جاتی ہے جس طرح اسلام قبول کرنے کے بعد جان اور مال کی حفاظت کی جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عقد ذمہ اسلام کا نائب اور خلیفہ ہے اور جس طرح عقد اسلام عارضی اور مؤقت نہیں ہو سکتا اسی طرح عقد ذمہ بھی عارضی اور مؤقت نہیں ہو سکتا۔ [2]

عقد ذمہ کے احکام

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی عقد ذمہ کے احکام کے بیان میں لکھتے ہیں: کافروں سے عقد ذمہ کر لینے کے بعد ان کی جان محفوظ ہو جاتی ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ جب تک یہ جزیہ نہ دیں اس وقت تک ان سے جنگ کرتے رہو۔ (توبہ: ۲۹ ملخصاً) اور یہ آیت اس کو مستلزم ہے کہ جزیہ ادا کرنے کے بعد مسلمان ان سے جنگ نہیں کریں گے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ان کی جان کی حفاظت کریں گے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ عقد ذمہ کے بعد کافروں کا مال بھی محفوظ ہوگا کیونکہ مال جان کے تابع ہے اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عقد ذمہ کو صرف اس لیے قبول کیا ہے کہ ان کی جانیں ہماری جانوں کی طرح اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح محفوظ ہو جائیں۔ [3]

عقد ذمہ کے وجوب کی شرائط

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں، عقد ذمہ کے وجوب کی شرائط یہ ہیں:

۱۔ عقل

۲۔ بلوغ

۳۔ مرد ہونا۔ اس لیے عورتوں، بچوں اور مجنونوں پر عقد ذمہ واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جزیہ ان لوگوں پر واجب کیا ہے جو اہل قتال ہوں (توبہ: ۲۹) اور عورتیں، بچے اور مجنون اہل قتال نہیں ہیں اس لیے ان پر جزیہ واجب نہیں ہے۔

۴۔ چوتھی شرط صحت ہے کیونکہ جو شخص سارا سال بیمار رہے وہ لڑنے کا اہل نہیں ہے اور جزیہ اسی پر واجب ہے جو لڑنے کا اہل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب تک یہ جزیہ نہ دیں اس وقت تک ان سے جنگ کرتے رہو (توبہ: ۲۹ ملخصاً) اور جو شخص سال کے اکثر حصہ میں بیمار رہے وہ بھی پورا سال بیمار رہنے والے کے حکم میں ہے۔

۵۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ لنگڑا، لولا، اندھا اور بہت بوڑھا نہ ہو پس جو لوگ لنگڑے، لولے، اندھے اور بہت بوڑھے ہوں ان پر جزیہ واجب نہیں ہے۔

۶۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مالدار ہو یا مال کمانے پر قادر ہو لہٰذا جو شخص فقیر ہو یا جو کمانے پر قادر نہ ہو اس

---

[1] علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۱۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

[2] ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۱۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

[3] بدائع الصنائع ج ۷، ص ۱۱۱

پر جزیہ واجب نہیں ہے، البتہ گرجے کے پادریوں پر جزیہ واجب ہے، کیونکہ وہ کمانے پر قادر ہیں۔

۷۔ ساتویں شرط حریت ہے، اس لیے غلام پر جزیہ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مالدار ہونے کا اہل نہیں ہے۔ [1]

جزیہ کی مقدار میں مذاہب فقہاء

جزیہ ہر سال کے شروع میں واجب ہوتا ہے اور ایک سال کے لیے ان کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے جن پر جزیہ واجب ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ امیر آدمی سے ۴۸ درہم ۹۶۶ء۱۴۶ گرام چاندی جزیہ لیا جائے گا اور متوسط سے چوبیس درہم ۴۸۳ء۷۳ گرام چاندی جزیہ لیا جائے گا اور فقیر سے بارہ درہم ۷۴۱ء۳۶ گرام چاندی جزیہ لیا جائے گا۔ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور امام مالک کہتے ہیں کہ غنی سے چالیس درہم ۴۷۲ء۱۲۲ گرام چاندی لیے جائیں گے اور فقیر سے دس درہم ۶۱۸ء۳۰ گرام چاندی لی جائے گی۔ حضرت عمر سے بھی یہی ایک روایت ہے۔ اور امام شافعی کہتے ہیں کہ ہر شخص پر ایک دینار ۳۷۴ء۴ گرام سونا واجب ہے، کیونکہ سنن ابو داؤد میں روایت ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہر بالغ کافر سے ایک دینار لیا جائے، البتہ مستحب یہ ہے کہ کافروں کے تین طبقات کرنے چاہئیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تاکہ اختلاف سے نکل جائے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کرنا اولیٰ بالاتباع ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ہماری دلیل حضرت عمر کی حدیث ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور صحابہ کرام میں مشہور ہے اس کی صحت اور شہرت میں کوئی شک نہیں ہے اور کسی شخص نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ اس کی مخالفت کی ہے اور حضرت عمر کے بعد کے خلفاء نے اس پر عمل کیا ہے اس لیے اس پر اجماع ہو گیا اور یہ ایسا اجماع ہے جس میں خطاء نہیں ہے اور خود امام شافعی بھی اس پر عمل کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔ حضرت معاذ کی روایت کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ یمن پر غلبہ فقر کی وجہ سے ہے جیسا کہ حضرت مجاہد نے کہا یہ ان پر آسانی کی وجہ سے ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جزیہ کو معین کرنا واجب نہیں ہے بلکہ یہ امیر کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے کیونکہ جزیہ بطور سزا واجب ہوا ہے یا بطور تحقیر اور سزا لوگوں کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، بعض کو قتل کیا جاتا ہے اور بعض کو غلام بنا لیا جاتا ہے۔ [2]

امام شافعی نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، مستدرک اور مصنف عبدالرزاق میں ہے، اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا تو انہیں حکم دیا کہ ہر بالغ مرد اور عورت سے ایک دینار وصول کریں۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ علامہ ابو عبید نے کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، کیونکہ ابتداء اسلام میں مشرک عورتوں اور بچوں کو بھی مردوں کے ساتھ قتل کر دیا جاتا تھا اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس وقت عورتوں سے بھی جزیہ لیا جاتا ہو اور جب عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہو گئی تو عورتوں سے جزیہ لینے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ [3]

---

[1] ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۴۰۰ھ

[2] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۹ ص ۲۶۸-۲۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۹۰-۲۸۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں کہ جزیہ کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کی مقدار صلح کے بعد باہمی رضامندی سے مقرر کی جاتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران سے ایک ہزار دو سو حلّوں پر صلح کی اور دوسری قسم وہ ہے جس کو امیر اپنی صوابدید سے جزیہ دینے والوں پر مقرر کرتا ہے اس میں ان کی مرضی کا دخل نہیں ہوتا، بایں طور کہ مسلمانوں کا امیر کفار کے کسی ملک پر غلبہ حاصل کرے اور اس کے لوگوں کو ان کی املاک پر برقرار رکھے اور ان لوگوں کو اہل ذمہ قرار دے۔

جزیہ کی دوسری قسم کے تین مراتب ہیں، کیونکہ اہل ذمہ تین قسم کے ہیں، غنی، متوسط اور فقیر، غنی پر ایک سال میں اڑتالیس درہم سالانہ ہیں اور متوسط پر چوبیس درہم سالانہ ہیں اور کام کاج کرنے والے غریب لوگوں پر بارہ درہم سالانہ ہیں، کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف کو سواد عراق میں بھیجا تو اسی طرح حکم دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم بحضرت مہاجرین اور انصار صحابہ کی موجودگی میں دیا تھا اور کسی صحابی نے اس سے اختلاف نہیں کیا تو گویا کہ سب کا اس پر اجماع ہو گیا۔ نیز حضرت عمر جزیہ کی اس رقم کا تعین اپنی رائے سے نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اعداد و شمار کا تعین توقیفی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر موقوف ہے اس کو محض عقل اور قیاس سے نہیں جانا جا سکتا، پس گویا کہ انہوں نے اس عدد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔

غنی، متوسط اور فقیر کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ جو شخص دو سو درہم (۶۱۲ء۳۶ گرام چاندی) کا مالک نہ ہو وہ فقیر ہے اور جو دو سو درہم چاندی کا مالک ہو وہ متوسط ہے اور جو چار ہزار درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو وہ غنی ہے، کیونکہ حضرت سیدنا علی اور حضرت عبد اللہ بن سیدنا عمر رضی اللہ عنہم نے فرمایا چار ہزار درہم یا اس سے کم نفقہ ہے اور اس سے زیادہ خزانہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو دو سو درہم سے کر چار ہزار درہم تک کا مالک ہو وہ متوسط ہے اور جو دس ہزار درہم سے زیادہ کا مالک ہو وہ غنی ہے اور جو دو سو درہم سے کم کا مالک ہو وہ فقیر ہے۔ [1]

ہجرت کی تحقیق

حدیث نمبر ۴۳۰۰ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو، اور ان سے جنگ نہ کرو، اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آ جائیں۔

شمس الائمہ سرخسی اس کی شرح میں لکھتے ہیں، یہ حکم فتح مکہ سے پہلے تھا جب ہجرت فرض تھی، اس وقت ہر مسلمان پر ہجرت کر کے مدینہ جانا فرض تھا تاکہ وہ دین کے احکام سیکھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لیے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی ان سے تمہاری ولایت (ریاست کا عوام کے حقوق کی حفاظت کرنا) کا اس وقت تک کوئی تعلق نہیں ہے	والذین آمنوا ولم یہاجروا ما لکم من ولایتہم من شیء حتی یہاجروا۔ (الانفال: ۷۲)

[1] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں (یعنی ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہ آجائیں)

اس کے بعد ہجرت کی فرضیت کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔[1]

ہجرت کے متعلق مختلف احادیث ہیں بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو گئی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت صرف گناہوں کو ترک کرنا ہے، اس لیے پہلے ہم ہجرت کے بارے میں ان مختلف احادیث کا ذکر کریں گے اور اس کے بعد یہ بیان کریں گے کہ فقہاء اسلام کے نزدیک ہجرت کا کیا حکم ہے اور ہجرت کی کتنی اقسام ہیں پھر یہ بیان کریں گے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کے ملک غیر میں رہنے کا کیا حکم ہے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

قیامت تک ہجرت باقی رہنے کے بارے میں احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن معاوية قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة.[2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک توبہ منقطع نہیں ہو گی اس وقت تک ہجرت منقطع نہیں ہو گی۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

عن ابن السعدي ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لا تنقطع الهجرة ما دام العدو يقاتل.[3]

حضرت ابن السعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تک دشمن سے مقابلہ ہوتا رہے گا ہجرت منقطع نہیں ہو گی۔

عن عمرو بن العاص ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ان الهجرة خصلتان احدهما ان تهجر السيئات والاخرى ان تهاجر الى الله ورسوله ولا تنقطع الهجرة ما تقبلت التوبة ولا تزال التوبة مقبولة حتى تطلع الشمس من المغرب فاذا طلعت طبع على كل قلب بما فيه.

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم گناہوں سے ہجرت کرنا (یعنی ان کو ترک کرنا) ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرو، اور جب تک توبہ قبول کی جائے گی ہجرت منقطع نہیں ہو گی اور توبہ قبول ہوتی رہے گی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا، اور جب سورج مغرب

---

[1] علامہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

سے ملوث ہو گا تو ہر دل پر مہر لگا دی جائے گی۔

حافظ نور الدین الہیثمی نے اس حدیث کو مسند احمد کے علاوہ مسند بزار اور معجم طبرانی کی سند سے بھی بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ [۲]

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن جنادة بن ابي امية ان رجالا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بعضهم الهجرة قد انقطعت فاختلفوا في ذلك فانطلقت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله ان اناسا يقولون ان الهجرة قد انقطعت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الهجرة لا تنقطع ما كان الجهاد رواه احمد ورجاله رجال الصحيح۔ [۳]

حضرت جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہجرت کے بارے میں بحث کر رہے تھے، بعض صحابہ نے کہا ہجرت منقطع ہو چکی ہے پھر ان کا اس میں اختلاف ہو گیا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہجرت منقطع ہو گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک جہاد ہے، ہجرت منقطع نہیں ہو گی، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

ہجرت منقطع ہونے کے بارے میں احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال النبي صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية واذا استنفرتم فانفروا۔ [۴]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت (فرض) نہیں ہے، البتہ جہاد اور نیت ہے، اور جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے آؤ۔

عن مجاشع بن مسعود قال جاء مجاشع باخيه مجالد بن مسعود الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال هذا مجالد يبايعك على الهجرة فقال لا هجرة بعد فتح مكة ولكن ابايعه على الاسلام۔ [۵]

حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے بھائی حضرت مجالد کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ مجالد ہیں جو آپ سے ہجرت پر بیعت کریں گے، آپ نے فرمایا فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن میں اس کو اسلام پر

[۱] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۱۹۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[۲] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[۳] " " " مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۱ " " "

[۴] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[۵] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

من قومكما اعرابي جاف جريء فقال يا رسول الله اين الهجرة اليك حيثما كنت ام الى ارض معلومة ام لقوم خاصة ام اذا مت انقطعت الهجرة قال فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال اين السائل عن الهجرة قال ها انا ذا يا رسول الله قال اذا اقمت الصلوة واتيت الزكوة فانت مهاجر وان مت بالحضرمة قال يعني ارضا باليمامة وفي رواية الهجرة ان تهجر الفواحش ما ظهر منها وما بطن وتقيم الصلوة وتؤتي الزكوة فانت مهاجر۔[1]

کی قوم میں سے ایک بے باک اور بے جھجک دیہاتی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ کی طرف ہجرت کرنے کی کون سی جگہ ہے؟ آیا آپ جہاں کہیں ہوں یا کسی خاص جگہ پر؟ یا کسی خاص قوم پر ہجرت مخصوص ہے؟ یا جب آپ رحلت فرما جائیں گے تو ہجرت منقطع ہو جائے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساعت خاموش رہے، پھر آپ نے فرمایا وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو تم مہاجر ہو خواہ تم ارض یمامہ میں فوت ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ ہجرت یہ ہے کہ تم ظاہر اور باطن میں بے حیائی کے کام ترک کر دو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو تو پھر تم مہاجر ہو۔

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد کے علاوہ امام بزار نے بھی روایت کیا ہے اور امام احمد کی دو سندوں میں سے ایک سند حسن ہے اور اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

دار الکفر میں رہنے یا نہ رہنے کے بارے میں احادیث

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن خالد بن الوليد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انا بريء من كل مسلم اقام مع المشركين الحديث رواه الطبراني ورجاله ثقات۔[3]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے ساتھ (ان کے ملک میں یا شہر میں) اقامت کرے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

یہ حدیث سنن ابو داؤد میں بھی ہے، نیز حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن الزبير بن العوام قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الارض ارض الله والعباد عباد الله فحيث وجد احدكم خيرا فليتق الله وليقم رواه الطبراني وفيه من لم اعرفهم ــــــــــ

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ زمین اللہ کی زمین ہے، اور یہ لوگ اللہ کے بندے ہیں لہٰذا جس جگہ تم کو نیکی ملے، وہاں اللہ سے ڈرو اور وہاں رہو۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ
[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۳ - ۲۵۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
[3] " " " " مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۳

ــــــــ ۱؎ ایک روایت ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

گناہوں سے ہجرت کرنے کے بارے میں احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبداللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المہاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ہجرت کرے۔ (یعنی چھوڑ دے)۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد[3] امام نسائی[4] اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔[5]

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عَنْ عبداللہ بن حبشی الخثعمی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای الاعمال افضل قال طول القیام قیل فای الصدقۃ افضل قال جھد المقل قیل فای الھجرۃ افضل قال من ھجر ما حرم اللہ علیہ الحدیث۔[6]

حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا نماز میں لمبا قیام کرنا، پھر کہا گیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ فرمایا غریب آدمی کا مشقت اٹھا کر صدقہ کرنا، پھر سوال کیا گیا کہ کون سی ہجرت سب سے افضل ہے؟ فرمایا جو شخص ان کاموں سے ہجرت کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عَنْ انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المہاجر من ھجر السوء۔[7]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجر وہ شخص ہے جو برائی ترک کر دے۔

عن فضالۃ بن عبید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمہاجر من ھجر الخطایا والذنوب۔[8]

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور مہاجر وہ شخص ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو ترک کر دے۔

۱؎ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

۲؎ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۳؎ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور، ۱۴۰۵ھ

۴؎ امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۵؎ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۵، ۱۹۳، ۱۶۳، ۲۲۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۶؎ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۳، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۷؎ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۸؎ ، ، ، مسند احمد ج ۶ ص ۲۱، ۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ہجرت کی متعارض احادیث کے جوابات

ہجرت سے متعلق جن احادیث کا ہم نے ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض احادیث میں یہ صراحت ہے کہ ہجرت کبھی منقطع نہیں ہوگی اور بعض میں یہ وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہو جائے گی، بعض احادیث میں ہے کہ مسلمان زمین پر کہیں بھی قیام کر سکتا ہے اور بعض میں مشرکین کے ساتھ قیام کی ممانعت ہے اور بعض احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ہجرت تو صرف گناہوں کو ترک کرنا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی نے ان متعارض احادیث کے حسب ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:

۱۔ جن احادیث میں فتح مکہ کے بعد ہجرت منقطع ہونے کا بیان ہے وہ صحاح کی احادیث ہیں اور جن احادیث میں قیامت تک ہجرت باقی رہنے کا ذکر ہے وہ سنن کی روایات ہیں اور صحاح کی احادیث کو سنن کی روایات پر ترجیح ہے۔

۲۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرض تھی، اب یہ فرضیت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت قیامت تک باقی رہے گی وہ مستحب ہے۔

۳۔ علامہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ ایک شخص اپنے وطن، اہل و عیال اور مال سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جاتا اور پھر کبھی ان چیزوں کی طرف واپس نہ لوٹتا اس ہجرت پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی، ہجرت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کر کے مسلمانوں کے علاقہ میں آ جائے اور اس میں ہجرت کی پہلی قسم کی طرح فضیلت نہیں ہے۔

۴۔ کفار کے علاقہ سے مسلمانوں کے علاقہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور جو ہجرت باقی ہے وہ گناہوں سے ہجرت کرنا اور ان کو ترک کرنا ہے۔

۵۔ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ رہنے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رہنے سے مسلمانوں کو اپنے دین، جان، مال اور عزت و آبرو کی بربادی کا خطرہ ہو، جہاں اسلامی شعائر، فرائض اور واجبات کی ادائیگی سے ممانعت ہو یا جہاں کا ماحول، کلچر اور سوسائٹی کے برے اثرات سے مسلمانوں کے عقائد اور معمولات محفوظ نہ رہ سکتے ہوں، لیکن جس جگہ میں مسلمانوں کے عقائد کو خطرہ نہ ہو اور کافروں کے ساتھ وہاں اپنی عبادات کو انجام دے سکیں وہاں مسلمانوں کے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

فتح مکہ کے بعد ہجرت کے منسوخ ہونے کی وجوہات

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا کیونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور انہیں جمعیت کی ضرورت تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مکہ کو فتح کر دیا اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور تبلیغ اسلام اور دشمن سے مدافعت کے لیے جہاد کی فرضیت باقی رہی۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابتداء میں مدینہ منورہ ہجرت کر جانا اس لیے بھی فرض تھا کہ جو شخص اسلام قبول کرتا تھا اس کو کفار

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۲۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

ایذاء دیتے تھے اور اس وقت تک اس پر ظلم کرتے رہتے تھے جب تک کہ وہ العیاذ باللہ دین اسلام کو چھوڑ نہیں دیتا اور انہی لوگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

ان الذین توفٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا فاولٰئک ماوٰھم جھنم وساءت مصیرا ○ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا ○ فاولٰئک عسی اللہ ان یعفو عنھم وکان اللہ عفوا غفورا ○

(نساء: ۹۹-۱۰۰)

بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو فرشتے ان سے کہتے ہیں تم کیا کرتے رہے؟ وہ کہتے ہیں ہم زمین میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے، ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے، البتہ وہ مرد، عورتیں اور بچے جو (واقعی) بے بس (اور مجبور) ہیں، جو کسی تدبیر کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ کہیں کا راستہ جانتے ہیں، تو قریب ہے کہ اللہ ان لوگوں سے درگزر فرمائے اور اللہ بہت معاف فرمانے والا اور بے حد بخشنے والا ہے۔

جو شخص دار الکفر میں اسلام لائے اور اس ملک سے نکلنے پر قادر ہو اس کے حق میں ہجرت اب بھی باقی ہے کیونکہ سنن نسائی میں حضرت معاویہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ مشرک کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کسی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ مشرکین سے علیحدہ نہ ہو جائے" اور سنن ابو داؤد میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے" یہ حدیث ان لوگوں پر محمول ہے جن کے متعلق یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ دار الکفر میں رہے تو ان کا دین خطرہ میں پڑ جائے گا۔[1]

دار الکفر میں مسلمانوں کی سکونت کا حکم

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "لا ہجرۃ بعد الفتح" فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے، کا ایک معنی یہ کیا ہے کہ مطلقاً فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے خواہ مکہ مکرمہ فتح ہو یا کوئی اور شہر، لہٰذا اب اگر مسلمان کسی شہر کو فتح کر لیں تو ان پر ہجرت واجب نہیں ہے، لیکن اگر کسی شہر کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) پہلا قول جو شخص دار الکفر میں دین کا اظہار نہ کر سکتا ہو اور فرائض اور واجبات کو ادا نہ کر سکتا ہو اور وہ دار الکفر سے نکلنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر ہجرت کرنا واجب ہے۔

(۲) دوسرا قول مسلمان دار الکفر میں فرائض اور واجبات کو آزادی سے ادا کر سکتے ہوں اور ہجرت کرنے کی بھی استطاعت رکھتے ہوں پھر بھی ان کے لیے دار الکفر سے ہجرت کرنا مستحب ہے تاکہ دار الاسلام میں مسلمانوں کی کثرت اور جمعیت ہو اور وہ بوقت ضرورت مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں اور دار الکفر میں کفار کی بد عہدی

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

اور کفر سے محفوظ رہیں اور کافروں کی تہذیب اور ثقافت اور ان کے معاشرے کی بے راہ روی، بد چلنی اور فحاشی کے برے اثرات سے مامون رہیں اور کفار اپنے دین کی اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کرنے کی جو کوششیں کرتے ہیں ان کے خطرات سے مسلمان محفوظ رہیں۔

(۳) تیسرا قول

جو مسلمان قید، مرض یا کسی اور عذر کی بنا پر دار الکفر سے ہجرت نہ کر سکتا ہو اس کے لیے دار الکفر میں رہنا جائز ہے، اس کے باوجود اگر وہ تکلیف اور مشقت اٹھا کر ہجرت کرے تو اجر ہوگا۔[1]

ہجرت کی اقسام

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام ذکر کی ہیں:

(۱) دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہجرت، جیسا کہ مسلمانوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، یا اب ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے تنگ آ کر انگلینڈ، امریکہ یا عرب یا جرمنی کی طرف ہجرت کر جائیں۔

(۲) دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا، جیسا کہ فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، یا اب بھارت سے پاکستان کی طرف ہجرت کرنا، اسی طرح جو شخص دار الکفر میں اظہار دین پر قادر نہ ہو اس کا دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا۔

(۳) قرب قیامت میں فتنوں کے ظہور کے وقت مسلمانوں کا شام کی طرف ہجرت کرنا، چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی اور روئے زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم کی ہجرت کی جگہ (شام) میں چلے جائیں گے اور باقی زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے۔

(۴) برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرنا۔[2]

ایک اور قسم کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے:

(۵) ماسوا اللہ کو ترک کر کے اللہ کی طرف ہجرت کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہے۔ (بخاری)

ہجرت الی اللہ کی توضیح

اللہ کی طرف ہجرت کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو رضائے الٰہی میں اس طرح ڈھال لے کہ اس کے ظاہر میں ہر کام کا محرک اور داعی اللہ کا حکم ہو، اور طبعی تقاضے شرعی تقاضوں کے مظہر ہو جائیں حتی کہ وہ اس منزل پر آ جائے کہ اس کا کھانا پینا بھی اس نیت سے ہو کہ چونکہ اللہ نے کھانے پینے کا حکم دیا ہے اس لیے وہ کھاتا پیتا ہے ورنہ اس کو اگر بھوک اور پیاس لگتی تو وہ کھانے پینے کی طرف التفات نہ کرتا، اس مقام کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کے ہر کام کی نیت اور غرض یہ ہو کہ چونکہ یہ اللہ کا حکم ہے اس لیے وہ اس کام کو کر رہا ہے اور اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو خواہ کچھ ہوتا وہ اس کام کو نہ کرتا۔ اسی مرتبہ کو اللہ تعالیٰ نے صبغۃ اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقام کی طرف اس حدیث میں ہدایت دی ہے۔

(اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ) اقبال نے اسی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ؎

در دشت جنون من جبریل زبون صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۳۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۲، مطبوعہ مطبع عامرہ استنبول، ۱۳۰۸ھ

یعنی انسان کے لیے کوئی صفات اپنا سکتا کہ مظہر جبرائیل ہو یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کا مقام تو یہ ہے وہ الٰہی صفات اپنا کر اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگ لے اور مظہر رب جبرائیل ہو جائے۔ چنانچہ بندہ اگر کسی پر رحم کرے تو اس لیے کہ اس کا رب رحیم ہے اور اگر کسی پر غضب ناک ہو تو اس لیے کہ اس کا رب قہار ہے اور جن پر رحم کرنے کا بندہ اس کا رب رحم کرنا چاہتا ہے اور جن پر غضب ناک ہوتے ہیں پر اس کا رب ان سے غضب ناک ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح ہجرت الی الرسول کا مطلب بھی یہ ہے کہ اپنی سیرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تابع کرے اور چونکہ اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور حکم الگ الگ ہوں مغائر نہیں ہیں اس لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنا ہی اللہ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

مال غنیمت اور مال فے

اس باب کی حدیث میں ہے کہ اگر اعراب ایسا کریں (یعنی ہجرت کی دعوت قبول کرلیں) تو ان سے قبول کرلیں اور ان سے جنگ نہ کریں اور اگر انہوں نے ہجرت کی دعوت قبول نہیں کی تو ان کو یہ خبر دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا، ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے، لیکن ان کو مال فے اور مال غنیمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں یہ حکم اس وقت تھا جب ہجرت فرض تھی، اس لیے آپ نے یہ حکم دیا کہ ان کو یہ بتلایا جائے کہ چونکہ انہوں نے دین حق کی اطاعت اور التزام کر لیا ہے، اسی لیے ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام جاری ہوں گے، لیکن جب تک وہ جہاد اور دین کی نصرت نہیں کریں گے اور احکام دین کو سیکھنے میں مشغول نہیں ہوں گے ان کو مال فے اور مال غنیمت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مال فے اور مال غنیمت سے ان مسلمانوں کو حصہ ملتا ہے جو جہاد کریں یا احکام دین کو تعلیم حاصل کریں۔ [1]

اللہ کے نام کو سربلند اور دین کے غلبہ کے لیے کی جانے والی جنگ سے جو مال حاصل ہو اس کو مال غنیمت کہتے ہیں اور جو مال کفار سے جنگ کے بغیر حاصل ہو اس کو فے کہتے ہیں جیسے جزیہ اور خراج۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔
(حشر: ۷-۶)

اور جو مال اللہ نے ان (کفار) سے (نکال کر) اپنے رسول پر لوٹا دیا ہے تم نے تو ان پر گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو غلبہ فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اموال ان بستیوں والوں سے (نکال کر) اپنے رسول پر لوٹائے ہیں تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں، تاکہ یہ اموال تمہارے مالدار

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۷، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

لوگوں کے درمیان گردش کرتے رہیں ۔ لہ

مشرکین سے محاصرہ اٹھانے کے لیے مسلمان ان سے اللہ کی طرف سے معاہدہ کیوں نہ کریں؟

اس باب کی حدیث میں ہے: "اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی دعوت دو۔" یہ حکم عام ہے لیکن اس عام میں تخصیص کی گئی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اہل کتاب، مجوس اور عجم کے بت پرستوں سے جزیہ قبول کرو، کیونکہ عرب کے بت پرستوں اور مرتدوں سے جزیہ نہیں قبول کیا جاتا اس لیے وہ جب تک اسلام نہ لائیں ان سے جنگ کی جاتی رہے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تقاتلونهم او يسلمون "تم ان سے لڑتے رہو حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئیں"۔ پس اگر کفار ان لوگوں میں سے ہوں جن سے جزیہ قبول کیا جاتا ہے اور وہ ایمان نہ لائیں تو ان پر جزیہ پیش کرنا واجب ہے کیونکہ جنگ ختم کرنے کی یہی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حتى يعطوا الجزية عن يد "حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں" جزیہ ادا کرنے کے بعد وہ ہمارے ملک کے باشندے قرار پائیں گے اور ریاست کے عام قوانین میں ہماری اطاعت کو قبول کر لیں گے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر وہ جزیہ ادا کرنا مان لیں تو تم ان کی طرف سے قبول کر لو، اور جنگ سے اجتناب کرو، اور جب تم کسی قلعہ والوں کا یا کسی شہر کا محاصرہ کرو اور وہ یہ چاہیں کہ تم اللہ کے حکم کے مطابق یہ محاصرہ ختم کرو تو تم اس شرط پر محاصرہ ختم نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے ان کے متعلق اللہ کا کیا حکم ہے۔

امام محمد اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم پر محاصرہ ختم کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ وحی نازل ہو رہی تھی اور احکام بدلتے رہتے تھے، اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ بعد میں اللہ کے کیا احکام نازل ہوئے ہیں، لیکن اب تمام احکام نازل ہو چکے ہیں اور شریعت مکمل ہو چکی ہے اب کوئی اور حکم نازل نہیں ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ مشرکین سے جہاد کرنے کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور جب وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو پھر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة فخلوا سبيلهم ۔ (التوبہ: ۵)

تم مشرکوں کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو، ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، اور اگر وہ توبہ کر لیں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو پھر ان کا راستہ چھوڑ دو۔

لہٰذا اگر وہ قبول اسلام سے انکار کریں تو ان کو جزیہ قبول کرنے کی دعوت دی جائے اور اگر وہ اس کا بھی انکار کریں تو پھر ان کے جنگجو لوگوں کو قتل کیا جائے اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔

لہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۶-۷، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ

اور امام محمد کہتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق اللہ کے حکم پر ان کا محاصرہ ختم کیا جائے، اور امام ابو یوسف نے جو حکم بیان کیا ہے وہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے، لیکن جو لوگ قلعوں میں محصور ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے قلعہ سے نکلنا چاہتے ہیں تو ہمیں کسی کو معلوم نہیں ہے کہ ان کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے؟ آیا محاصرہ ختم کر کے انہیں نکلنے دیا جائے یا نہیں؟

اس حدیث میں اہل سنت و جماعت کی یہ دلیل ہے کہ مجتہد کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی صواب کو پہنچتا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے کہ محصورین کے متعلق اللہ کا کیا حکم ہے، اور اگر ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہوتا تو وہ لامحالہ جان لیتا کہ ان کے متعلق اللہ کا حکم کیا ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "تم اپنے حکم سے مشرکین کو قلعہ سے باہر نکال کر اپنی رائے کے مطابق مشرکین کے متعلق فیصلہ کرو" اگر مجتہد کا اجتہاد برحق نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محصورین کے نکلنے کو ہمارے اجتہاد پر موقوف نہ کرتے کیونکہ آپ خطا پر مبنی فیصلہ کو جاری کرنے کا حکم نہیں دے سکتے بلکہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ صحیح فیصلہ کو جاری کرنے کا حکم دیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ مجتہد کا فیصلہ لامحالہ غلط ہوتا ہے، بلکہ مجتہد صحیح حکم حاصل کرنے کی توقع پر اجتہاد کرتا ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق صحیح حکم معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس وجہ سے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ محصورین کو قلعہ سے نکالنے یا نہ نکالنے کے بارے میں ہم اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کریں۔

نیز اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی قلعہ والوں کا یا شہر والوں کا محاصرہ کرو اور وہ یہ کہیں کہ تم انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دو تو تم ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ مت دو، کیونکہ اگر تم نے اپنے عہد اور ذمہ کو پورا نہ کیا تو معاملہ آسان ہے" اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کو مشرکوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ بعض اوقات ان کو اپنا عہد توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوئے عہد کو توڑنا جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے آپ نے فرمایا تم ان سے اپنا معاہدہ کرو۔ [۱]

بَابُ تَحْرِيمِ الْغَدْرِ

عہد شکنی کی حرمت

۴۴۱۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وَأَبُو أُسَامَةَ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ يَعْنِي أَبَا قُدَامَةَ السَّرَخْسِيَّ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ح وَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو جمع فرمائے گا تو ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔

---

[۱] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۸-۷، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۸ھ

حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير واللفظ له حدثنا أبي حدثنا عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جمع الله الأولين والآخرين يوم القيامة يرفع لكل غادر لواء فقيل هذه غدرة فلان بن فلان۔

۴۲۱۵۔ **حدثنا** أبو الربيع العتكي حدثنا حماد حدثنا أيوب ح و حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي حدثنا عفان حدثنا صخر بن جويرية كلاهما عن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم بهذا الحديث۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث روایت کی ہے۔

۴۲۱۶۔ **وحدثنا** يحيى بن أيوب و قتيبة وابن حجر عن إسماعيل بن جعفر عن عبد الله بن دينار أنه سمع عبد الله بن عمر يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الغادر ينصب الله له لواء يوم القيامة فيقال ألا هذه غدرة فلان۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں شخص کی عہد شکنی ہے۔

۴۲۱۷۔ **حدثني** حرملة بن يحيى أخبرنا ابن وهب أخبرني يونس عن ابن شهاب عن حمزة وسالم ابني عبد الله أن عبد الله بن عمر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لكل غادر لواء يوم القيامة۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا۔

۴۳۱۸ - وحدثنا محمد بن المثنى وابن بشار قالا حدثنا ابن أبي عدي ح وحدثني بشر بن خالد أخبرنا محمد يعني ابن جعفر كلاهما عن شعبة عن سليمان عن أبي وائل عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لكل غادر لواء يوم القيامة يقال هذه غدرة فلان.

حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا اور یہ کہا جائے گا کہ یہ فلاں شخص کی عہد شکنی ہے۔

۴۳۱۹ - وحدثناه إسحاق بن إبراهيم أخبرنا النضر بن شميل ح وحدثني عبيد الله بن سعيد حدثنا عبد الرحمن جميعا عن شعبة في هذا الإسناد وليس في حديث عبد الرحمن يقال هذه غدرة فلان.

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں بیان کیں اور کہا کہ عبدالرحمن کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ "یقال ھذہ غدرۃ فلان"۔

۴۳۲۰ - وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا يحيى بن آدم عن يزيد بن عبد العزيز عن الأعمش عن شقيق عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل غادر لواء يوم القيامة يعرف به يقال هذه غدرة فلان.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

۴۳۲۱ - حدثنا محمد بن المثنى وعبيد الله بن سعيد قالا حدثنا عبد الرحمن بن مهدي عن شعبة عن ثابت عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل غادر لواء يوم القيامة يعرف به.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ اور یہ کہا جائے گا یہ فلاں شخص کی عہد شکنی ہے۔

۴۳۲۲ - حدثنا محمد بن المثنى وعبيد الله بن سعيد قالا حدثنا عبد الرحمن حدثنا شعبة عن خليد عن أبي

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ہر عہد شکن کا سرین (مقعد) کے پاس ایک جھنڈا ہوگا۔

نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اسْتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

۴۴۲۳ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا الْمُسْتَمِرُّ بْنُ الرَّيَّانِ حَدَّثَنَا أَبُو نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لَهُ بِقَدْرِ غَدْرِهِ أَلَا وَلَا غَادِرَ أَعْظَمُ غَدْرًا مِنْ أَمِيرِ عَامَّةٍ.

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا جس کو اس کی عہد شکنی کے بقدر بلند کیا جائے گا، یاد رکھو امیر مملکت سے بڑھ کر کسی شخص کی عہد شکنی نہیں ہے۔

عہد کی اقسام اور عہد شکنی کی ممانعت کی حکمت

علامہ نووی لکھتے ہیں: لواء اس بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں جو سپہ سالار کے پاس ہوتا ہے، "ہر عہد شکن کا ایک جھنڈا ہوگا" اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ہر عہد شکن کی ایک علامت ہوگی جس سے وہ لوگوں میں مشہور ہوگا، اور اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ عہد شکن کی عہد شکنی مشتہر کرنے کے لیے گلیوں اور بازاروں میں جھنڈے نصب کر دیتے تھے۔

غادر (عہد شکن) اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی چیز کا وعدہ کرے اور اس کو پورا نہ کرے، ان احادیث میں عہد شکنی کی مذمت بیان کی گئی ہے، خصوصاً امیر لشکر یا امیر مملکت کی عہد شکنی کی مذمت زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کی عہد شکنی سے بکثرت لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے، نیز اس لیے کہ امیر بوجہ طاقت کے بہ نسبت دیگر لوگوں کے عہد پورا کرنے پر زیادہ قادر ہوتا ہے اس لیے اس کی عہد شکنی کی مذمت زیادہ سنگین ہوگی۔

مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث امام کی عہد شکنی کی مذمت میں وارد ہے قاضی عیاض نے دو احتمال ذکر کیے ہیں ایک یہ ہے کہ اس حدیث میں امیر مملکت کو عوام مسلمین یا کفار کے ساتھ عہد شکنی کرنے سے منع فرمایا ہے اس کو عوام مسلمین کی امانتوں میں خیانت کرنے سے منع کیا ہے اور اس پر لازم کیا ہے کہ وہ عوام کے حقوق کی حفاظت کرے، اور جب وہ یہ حقوق ادا نہیں کرے گا یا ان کے معاملات کا تحفظ نہیں کرے گا یا ان کے ساتھ نرمی نہیں کرے گا تو وہ عوام کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑنے کا مرتکب ہوگا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس حدیث میں عوام کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے امیر سے غداری نہ کریں اور اس کے خلاف بغاوت کر کے مسلمانوں کی جمعیت اور وحدت نہ توڑیں، لیکن پہلا احتمال صحیح ہے۔ [1] .... (حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)....

علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ عہد کی تین قسمیں ہیں (۱) بندہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد (۲) بندے کا اپنے نفس کے ساتھ عہد جیسے کسی کام کی نذر ماننا۔ (۳) ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ کسی بات کا عہد۔ عہد کی ان مختلف قسموں کو پورا کرنا واجب ہے ماسوا اس صورت کے کہ کوئی شخص معصیت کا عہد کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ (مائدہ: ۱)[1] اے ایمان والو (اپنے) عہد پورے کرو۔

انسان کا اللہ سے عہد

عہد کی ان تین قسموں کی پھر دو قسمیں ہیں عقلی اور شرعی۔ اللہ سے عقلی عہد وہ ہے جس کا موجب عقل ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کی عقل میں اپنی معرفت پیدا کی ہے اور انسان ہدایت عقل سے اللہ کی طرف واصل ہوتا ہے یا اس کائنات میں جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں ان میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اس عہد کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ ہے:

واذ اخذ ربک من بنی ادم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلی شھدنا ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ھذا غفلین۔ (اعراف: ۱۷۲)

اور آپ یاد کیجئے جب آپ کے رب نے آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں خود ان پر گواہ بنایا (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں! ہم (تیرے رب ہونے پر) گواہی دیتے ہیں (یہ اس لیے) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو ۔۔ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔

اللہ تعالیٰ سے شرعی عہد وہ ہے جس کو شریعت واجب کرتی ہے۔ یعنی انسان جب کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرے گا اور اس کے سوا کسی کو حاکم نہیں مانے گا اور عبادات اور معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرے گا، قرآن اور سنت کے تمام احکام اسی عہد کی تفصیل ہے، اس عہد کو پورا کرنا فرض ہے یہ وہ عہد ہے جس کو پورا کرنا بندہ پر ابتداءً لازم ہوتا ہے اس میں بندے کے التزام کا دخل نہیں ہے اور اس پر حسب ذیل آیات دلالت کرتی ہیں:

ولقد کانوا عاھدوا اللہ من قبل لا یولون الادبار وکان عھد اللہ مسئولا۔ (الاحزاب: ۱۵)

اور بے شک اس سے پہلے وہ اللہ سے یہ عہد کر چکے تھے کہ جنگ میں پیٹھ پھیر کر نہیں جائیں گے اور اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد (ضرور) پوچھا جائے گا۔

الذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق ــــــ اولئک لھم عقبی الدار۔ (رعد: ۲۰ ۔ ۲۲)

جو لوگ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پکے عہد کو نہیں توڑتے ــــــ انہی کے لیے آخرت کا اچھا گھر ہے۔

واوفوا بعھد اللہ اذا عاھدتم۔ (نحل: ۹۱)

اور جب تم اللہ سے عہد کرو تو اس عہد کو پورا کرو۔

---

[1] (حاشیہ صفحہ سابق)۔ علامہ یحیی بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

انسان کا اپنے نفس سے عہد

انسان اپنے نفس سے جو عہد کرتا ہے یعنی کسی ایسے کام کرنے کا التزام کر لیتا ہے جس کو شریعت نے اس پر لازم نہیں کیا اس کی چار قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو انسان عبادات کی نذر مانتا ہے مثلاً کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں روزہ رکھوں گا اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولیوفوا نذورہم۔ (حج: ۲۹) اور اپنی نذروں کو پورا کریں۔

دوسری قسم وہ ہے جو انسان کسی مباح کام کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے اس عہد کو پورا کرنا اولیٰ اور مستحب ہے (بعض علماء نے اس کو مستحب لکھا ہے) اگر قسم کھا کر توڑ دی تو اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدہا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلا۔ (نحل: ۹۱) اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد مت توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنے اوپر نگہبان بنا چکے ہو۔

تیسری قسم یہ ہے کہ کسی مستحب کام کو ترک کرنے کی قسم کھائے اس قسم اور اس عہد کو توڑنا مستحب ہے مثلاً یہ قسم کھائے کہ میں دوستوں کی دعوت نہیں کیا کروں گا یا صدقہ اور خیرات نہیں کروں گا، اس کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف علی یمین فرای غیرہا خیرا منہا فلیات الذی ہو خیر ولیکفر عن یمینہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی چیز کی قسم کھائے پھر اس کے خلاف کرنے کو بہتر پائے وہ اس بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

اپنے نفس سے کیے ہوئے عہد کی چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان کسی حرام کام کو کرنے کی قسم کھائے مثلاً یہ کہے میں فلاں مسلمان شخص کو قتل کروں گا ایسی قسم کو پورا کرنا حرام ہے اور اس عہد کو توڑنا فرض ہے۔

اپنے نفس سے کیے ہوئے عہد کی چار قسمیں شرعی ہیں اسی طرح اس عہد کی یہ چار قسمیں عقلی بھی ہیں۔

ایک انسان کا دوسرے انسان سے عہد

عہد کی دوسری قسم بھی باعتبار احترام ہے یعنی ایک انسان کسی دوسرے انسان سے کام کرنے کا عہد کرے اس عہد کا پورا کرنا بھی لازم ہے بشرطیکہ وہ عہد کسی معصیت اور گناہ کا نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الا الذین عاہدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاہروا علیکم احدا فاتموا الیہم عہدہم الی مدتہم ان اللہ یحب المتقین۔ (توبہ: ۴)

ماسوا ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا اور انہوں نے تمہارے ساتھ (عہد پورا کرنے میں) کچھ کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی پشت پناہی نہیں کی تو ان سے ان کا عہد ان کی مدت (معینہ) تک پورا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔

واوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا۔ (اسراء: ۳۴)

اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

والذین ھم لامٰنٰتھم و عھدھم راعون۔ (المؤمنون: ٨)
اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

عہد کی اس تیسری قسم میں بھی چار قسموں (وجوب، استحباب، کراہت اور تحریم) کا اعتبار ہو سکتا ہے اگر کسی شخص نے مثلاً بیوی کو نان نفقہ دینے کا یا قرض خواہ کو اس کا قرض واپس کرنے کا عہد کیا تو اس عہد کا پورا کرنا فرض ہے اور اگر مہمان سے خاطر مدارات یا ملازم سے تنخواہ بڑھانے کا عہد کیا تو اس کا پورا کرنا مستحب ہے اور اگر کسی شخص سے اس کو رشوت دینے کا عہد کیا تو اس کا پورا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کسی شخص کے ساتھ شراب پینے یا جوا کھیلنے کا عہد کیا تو اس کا پورا کرنا حرام ہے۔

عہد کی دوسری قسم (جو انسان اپنے نفس سے عہد کرے) اور تیسری قسم (جو انسان کسی دوسرے شخص سے عہد کرے) کی شرعاً بھی یہ چار قسمیں ہیں اور عقلاً بھی چار قسمیں ہیں۔ اس اعتبار سے عہد کی سولہ اقسام ہو گئیں۔

علامہ آلوسی کی بیان کردہ عہد کی اقسام پر بحث و نظر

علامہ آلوسی نے عہد کی مذکور الصدر قسموں یعنی وجوب، استحباب، کراہت اور تحریم کو عہد کی تینوں قسموں (اللہ سے عہد، اپنے نفس سے عہد اور دوسرے انسان سے عہد) میں ضرب دی اور ہر تینوں کی عقلی اور شرعی اعتبار سے کل چوبیس قسمیں کی ہیں[1] علامہ آلوسی کی اس تقسیم پر یہ اعتراض ہوتا ہے۔

اللہ سے عہد کے علاوہ اپنے نفس اور دوسرے شخص سے کیے ہوئے عہد میں تو وجوب، استحباب، کراہت اور تحریم کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کا پورا کرنا ہر حال میں فرض ہے، اس میں استحباب، کراہت اور تحریم کا تصور نہیں ہے، کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے جو اس کی عبادت اور اطاعت کا عہد کیا ہے، اس عہد کا پورا کرنا ہر حال میں فرض ہے اس کو مستحب نہیں کہہ سکتے اور اس کو مکروہ یا حرام کہنے کا تو کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہم نے اللہ سے اس کی اطاعت کا جو عہد کیا ہے اس کی تکمیل یہ ہے کہ ہم فرائض اور واجبات کو ضرور ادا کریں گے اور حرامات اور مکروہات تحریمیہ سے ضرور اجتناب کریں گے اور مستحبات کو اچھا سمجھتے ہوئے کریں گے اور مکروہات کو برا سمجھتے ہوئے ترک کریں گے، اور ان کا فعل اور ترک فرض کے فعل اور حرام کے ترک کی طرح لازم نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ سے کیا ہوا عہد بھی مکروہ یا حرام ہو سکتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ التزام کرے کہ وہ اللہ کے لیے حرام کام کرے گا تو اس عہد کا پورا کرنا حرام ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قسم ثانی ہے۔ یعنی بندے کا اپنے نفس سے عہد کرنا اور کسی کام کے کرنے کا التزام کرنا۔ اللہ سے کیا ہوا عہد وہ ہے جس کی تفصیل قرآن اور سنت میں ہے، علامہ آلوسی نے بھی اللہ سے کیے ہوئے عہد کی یہی تفسیر کی ہے کہ یہ وہ عہد ہے جس کو شریعت نے واجب کیا ہے اور جس کی تفصیل قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ یعنی تمام احکام شرعیہ کا التزام کرنا اور قرآن اور حدیث میں اللہ کے کسی ایسے عہد کا بیان نہیں ہے جس کا پورا کرنا مکروہ یا حرام ہو۔

[1] علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ، روح المعانی ج ٢ ص ٩٩، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

علامہ آلوسی کی طرف سے اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ سے کیا ہوا عہد بھی بہ اعتبار التزام مکروہ یا حرام ہو سکتا ہے مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرے کہ وہ اس کے لیے مکروہ یا حرام کام کرے گا تو اس عہد کو پورا کرنا مکروہ یا حرام ہے اور بندہ اپنے نفس سے جو عہد کرتا ہے اس میں وہ اپنے نفس سے یہ عہد کرتا ہے کہ وہ فلاں مکروہ یا حرام کام کرے گا اس اعتبار سے ان دونوں قسموں میں اعتباری فرق ہوگا، اس لحاظ سے عہد اللہ کی تفسیر یہ ہوگی کہ بندہ اللہ سے عہد کرے کہ وہ فرائض ادا کرے گا تو اس کا پورا کرنا فرض ہے اور یہ عہد کرے کہ وہ مستحبات ادا کرے گا تو اس کا پورا کرنا مستحب ہے اور مکروہ یا حرام کا عہد کرے تو اس کا پورا کرنا مکروہ یا حرام ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بہ اعتبار التزام کے عہد اللہ کی چار قسمیں ہیں وجوب، استحباب، کراہت اور تحریم اور یہ عقل کی ہیں اور شرع کی بھی اس طرح آٹھ قسمیں ہو گئیں اور اسی طرح اپنے نفس سے عہد کی آٹھ قسمیں ہیں اور اسی طرح دوسرے سے عہد کی بھی آٹھ قسمیں ہیں تو کل چوبیس قسمیں ہو گئیں اور اللہ کا جو عہد ابتداءً لازم ہے وہ اتباع شریعت ہے اس کا پورا کرنا فرض ہے، قرآن اور حدیث سے یہی عہد ظاہر ہے۔

بَابُ جَوَازِ الْخِدَاعِ فِي الْحَرْبِ

جنگ میں دشمن کو دھوکہ دینے کا جواز

۴۴۲۴ - وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لِعَلِيٍّ وَزُهَيْرٍ قَالَ عَلِيٌّ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعَ عَمْرٌو جَابِرًا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ دھوکا ہے۔

۴۴۲۵ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ سَهْمٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَرْبُ خُدْعَةٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ دھوکا ہے۔

حالت جنگ میں دشمن کو دھوکا دینے اور جھوٹ بولنے کا جواز

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ میں جس طرح بھی کفار کو دھوکا دینا ممکن ہو ان کو دھوکا دینا جائز ہے البتہ اس طرح دھوکا دینا جائز نہیں ہے جس میں ان سے کیا ہوا عہد توڑنا یا امان کو دی ہوئی امان کے خلاف کرنا لازم آئے۔ اور حدیث صحیح میں ہے کہ تین مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے، ان مواقع میں سے ایک جنگ کا موقع ہے، علامہ طبری نے کہا ہے کہ جنگ میں حقیقۃً جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے، جنگ میں دھوکا دینے کے لیے توریہ اور تعریض سے کام لینا چاہیے (توریہ اور تعریض کا مطلب یہ ہے کہ ایک

لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب اور ایک بعید، متکلم معنی بعید مراد لے اور مخاطب کو معنی قریب کے وہم میں مبتلا کرے) علامہ طبری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، ظاہر یہ ہے کہ جنگ میں حقیقتاً جھوٹ بولنا بھی جائز ہے لیکن توریہ اور تعریض پر اقتصار کرنا زیادہ افضل ہے۔ [1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: جنگ میں حیلوں اور چالوں سے بکثرت کام لیا جاتا ہے گویا جنگ بعینہٖ حیلہ اور چال ہے اسی لیے آپ نے فرمایا: الحرب خدعة "جنگ دھوکا ہے" یہ جو کہا کہ آپ نے فرمایا: الحرب خدعة "جنگ فریب ہے" خدعہ کا معنی ہے "باطن کے خلاف کسی چیز کو ظاہر کرنا"۔ [2]

کذب بالاجماع حرام ہے، البتہ جنگ میں اللہ اور اس کے رسول نے کذب کی اجازت دی ہے اور بعض صحابہ نے منافقین سے جنگ میں اسی رخصت سے فائدہ اٹھایا ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، پھر حضرت محمد بن مسلمہ، کعب بن اشرف کے پاس آئے اور کہا: اس شخص (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم کو بہت تھکا دیا ہے اور ہم سے صدقہ کا سوال کیا ہے، کعب نے کہا ابھی تو تم کو اور تھکائیں گے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا ہم نے ان کی اتباع کی ہے اور اب ان کو چھوڑنے کو ناپسند کرتے ہیں تاوقتیکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ ان کا انجام کار کیا ہوتا ہے، پھر حضرت محمد بن مسلمہ اس سے مسلسل باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس پر قابو پاکر اس کو قتل کر دیا۔ [3]

کن کن صورتوں میں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے

جیسا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کذب حرام ہے لیکن حلال اور حرام کرنے کے احکام شارع کے اختیار میں ہیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جس چیز کو چاہے حرام کر دے، اللہ اور اس کے رسول نے کذب کو حرام قرار دیا ہے لیکن بعض مواقع پر اللہ اور اس کے رسول نے کذب کی اجازت دی ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن اسماء بنت يزيد قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل الكذب الا فى ثلاث يحدث الرجل امرأته ليرضيها والكذب فى الحرب والكذب ليصلح بين الناس۔ [4]

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین صورتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ (۱) ایک شخص اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے جھوٹ بولے۔ (۲) جنگ میں جھوٹ بولنا (۳) لوگوں میں صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولنا۔

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۶۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ
[3] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
[4] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۸۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت علامہ شامی احیاء العلوم کے حوالے سے لکھتے ہیں: ہر وہ نیک مقصد جس کو صدق اور کذب دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جا سکتا ہو اور وہ مقصد مباح ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے اور اگر کسی نیک مقصد کو صرف جھوٹ بولنے سے حاصل کیا جا سکتا ہو اور وہ مقصد واجب ہو تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے مثلاً کسی شخص نے دیکھا کہ ایک ظالم کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر رہا ہے یا ایذاء پہنچا رہا ہے اور وہ جھوٹ بول کر اس کو بچا سکتا ہے تو اس صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے، اسی طرح اگر ظالم اس سے کسی مسلمان کی امانت چھیننا چاہتا ہے تو اس کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے، اسی طرح لڑائی میں صلح کرانے کے لیے اور کسی مظلوم کی دلجوئی کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے چھپ کر زنا کیا یا شراب پی یا حاکم اس کے متعلق سوال کرے تو اس کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا، کیونکہ یہ کام ہر چند کہ بے حیائی ہے لیکن اس کا اظہار کرنا ایک اور بے حیائی ہے، اسی طرح اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کا راز بتانے سے انکار کرے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ جھوٹ بولنے پر جو خرابی مرتب ہو رہی ہے آیا وہ سچ پر مرتب ہونے والی خرابی سے زیادہ ہے یا نہیں اگر جھوٹ بولنے سے زیادہ خرابی مرتب ہو تو جھوٹ نہ بولے ورنہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنے سے انسان کا اپنا حق ضائع ہوتا ہے تو عزیمت یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے اور اگر دوسرے مسلمان کا حق ضائع ہوتا ہے تو پھر اس پر واجب ہے کہ وہ جھوٹ بولے اور دوسرے مسلمان کے حق کی حفاظت کرے۔[1] خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کو اپنی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے اور دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔

شعر اور مبالغہ میں جھوٹ کا جواز کسی بات میں مبالغہ کرنا جھوٹ نہیں ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے میں تمہارے پاس ہزار بار گیا ہوں، یعنی بار بار گیا ہوں، مبالغہ کے جواز پر اس حدیث سے بھی دلیل ہے اما ابو جھم فلا یضع عصاہ عن عاتقہ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۳، مطبوعہ اصح المطابع کراچی) "لیکن ابو جہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں" یعنی وہ بیوی کو بہت مارتا ہے اسی طرح شعر میں بھی جھوٹ جائز ہے جبکہ اس کو مبالغہ پر محمول کیا جا سکے، جیسا کہ یہ شعر ہے:

انا ادعوك ليلا ونهارا ولا اخلى مجلسا من شكرك

میں دن رات تمہارے لیے دعا کرتا ہوں، اور ہر مجلس میں تمہارا شکر ادا کرتا ہوں۔

علامہ رافعی اور علامہ نووی نے ان دونوں صورتوں کو جائز لکھا ہے۔[2]

ہر چند کہ علامہ شامی نے علامہ رافعی اور علامہ نووی کے حوالے سے شعر میں بغیر مبالغہ کے بھی جھوٹ بولنا جائز لکھا ہے لیکن ہمارے نزدیک اگر مبالغہ نہ ہو تو پھر شعر میں جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مبالغہ کے لیے تو حضرت ابو جہم کا

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2] ،، ،، ،، ،، رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۲، ،، ،، ،،

حدیث اصل ہے اور شریعت میں جھوٹ کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تعریض اور توریہ میں جھوٹ بولنے کا جواز

جمہور فقہاء اسلام نے تعریض اور توریہ کے طور پر جھوٹ بولنا جائز لکھا ہے بلکہ بعض فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ تعریض اور توریہ میں اس قدر وسعت ہے کہ اگر تعریض اور توریہ سے کام لیا جائے تو پھر حقیقۃً جھوٹ بولنے کی کبھی ضرورت نہیں ہو گی، اس پر دلائل دینے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ تعریض اور توریہ کی تعریفات ذکر کر دیں تاکہ عام قارئین اس بحث سے مستفید ہو سکیں۔

تعریض کا لغوی معنی ہے "دوسرے پر ڈھال کر بات کرنا" (المنجد)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: تعریض تصریح نہ کرنے کو کہتے ہیں اور معاریض کا معنی ایک چیز کا دوسری چیز سے توریہ (کنایہ) کرنا ہے، حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاریض میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا معاریض مسلمان کو جھوٹ سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مجھے معاریض سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہیں۔ اگر کسی عورت کو اس کی عدت میں نکاح کا پیغام دینا ہو تو اس کی تصریح نہ کرے اور تعریضاً کہے "تم بہت خوبصورت ہو" یا کہے "مجھے نکاح کی ضرورت ہے" حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ان وسادك لعريض "تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے" یہ حدیث کیسے ان کی نیند کا ارادہ کیا یعنی تم بہت سوتے ہو، حدیث میں ہے:

من عرّض عرّضنا له ومن مشى على الكلاء القيناه في النهر۔

جو شخص تعریض کرے گا تو ہم بھی اس کے ساتھ تعریض کریں گے اور جو شخص دریا کے کنارے سے چلے گا ہم اس کو دریا میں ڈال دیں گے۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان پر تعریضاً تہمت لگائے گا تو ہم اس کو تعریضاً سزا دیں گے یعنی ایسی سزا دیں گے جو حد سے کم ہو گی اور جو شخص کسی پر صراحۃً تہمت لگائے گا اور تہمت کی کشتی پر سوار ہو کر دریا میں چلے گا ہم اس پر حد جاری کریں گے اور اس کو حد کے دریا میں ڈبو دیں گے۔[1]

علامہ تفتازانی تعریض کی تعریف میں لکھتے ہیں: کلام کو ایک ایسی جانب کی طرف پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے تعریض ہے، یعنی جب اشارہ ایک جانب کیا جائے اور مراد دوسری جانب ہو تو یہ تعریض ہے۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ جب کلام میں صراحۃً ایک شخص کی طرف کسی فعل کا اسناد ہو اور اشارہ اور مراد کوئی دوسرا شخص ہو تو یہ تعریض ہے مثلاً کوئی بڑا افسر دیر سے دفتر میں آتا ہو جس سے لوگوں کے کاموں میں دشواری آتی ہو اور اس کو صراحۃً تنبیہ کرنا اس کے وقار اور مرتبہ کے خلاف ہو تو کوئی شخص اس سے کہے کہ دفتر کا سٹاف یا کلرک وغیرہ دیر سے دفتر آتے ہیں اور اس سے بڑا حرج ہوتا ہے۔

۱۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۷ ص ۱۸۴۔۱۸۳، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

۲۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ، مختصر المعانی ص ۴۲۱۔۴۲۰، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی

توریہ کا معنی چھپانا اور کنایہ کرنا ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں: "ورّی الخبر توریۃ" کا مطلب ہے اصل خبر کو چھپا کر کچھ اور ظاہر کیا، حدیث میں ہے کہ کان اذا اراد السفر ورّی بغیرہ یعنی جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تو سفر کو چھپا کر یہ وہم ڈالتے کہ آپ کسی اور چیز کا ارادہ کر رہے ہیں۔[1]

علامہ تفتازانی توریہ کی تعریف میں لکھتے ہیں توریہ کو ایہام بھی کہتے ہیں اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں قریب اور بعید اور بولنے والا کسی خفی قرینہ کی بناء پر اس لفظ کا بعید معنی مراد لے اور مخاطب اس سے قریب سمجھے۔[2]

قرآن مجید اور احادیث میں توریہ اور تعریض کی مثالیں بھی ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فقال انی سقیم۔ (صفت: ٨٩)
حضرت ابراہیم نے کہا میں بیمار ہوں۔

سقیم کا قریب معنی ہے جسمانی بیمار اور بعید معنی ہے روحانی بیمار، حضرت ابراہیم جسمانی بیمار نہ تھے انہوں نے اس لفظ سے توریہ کر کے روحانی بیماری مراد لی، یعنی قوم کی بت پرستی کی وجہ سے ان کی روح بیمار تھی یا مستقبل میں بیمار ہونا مراد لیا۔

قالوا ءانت فعلت ھذا بالھتنا یا ابراھیم۔ قال بل فعلہ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون۔ (الانبیاء: ٦٢-٦٣)
انہوں نے کہا اے ابراہیم کیا آپ نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے؟ ابراہیم نے کہا بلکہ ان کے اس بڑے (بت) نے یہ کام کیا ہے، اگر یہ بولتے ہیں تو تم ان سے پوچھو۔

اس آیت میں کبیرھم ھذا کا قریب معنی ہے "اس بڑے بت نے" اور اس کا بعید معنی ہے قوم کے اس بڑے شخص نے، لوگ اس سے یہی سمجھا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ اس بڑے بت نے باقی بتوں کو توڑا ہے حالانکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ قوم کے اس بڑے شخص یعنی خود حضرت ابراہیم نے ان بتوں کو توڑا ہے اور آپ نے اس بڑے بت کی طرف اسناد کا ابہام اس لیے کیا ہے کہ ان کی قوم خود سمجھ لے کہ یہ بت تو بول بھی نہیں سکتے بتوں کو کس طرح توڑ سکتے ہیں اور ان کے خلاف حجت قائم ہو جائے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال بینا ھو ذات یوم وسارۃ اذ اتی علی جبار من الجبابرۃ فقیل لہ ان ھھنا رجلا معہ امرأۃ من احسن الناس فارسل الیہ فسالہ عنھا قال من ھذہ قال اختی الحدیث۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے، اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ اس ملک میں ایک شخص آیا ہے اس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت ہے، بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو

١۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ١٢٠٥ھ، تاج العروس ج ١٠ ص ٣٨٩، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ، مصر، ١٣٠٦ھ
٢۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ٧٩٢ھ، مختصر المعانی ص ٢٥٠-٢٥١، مطبوعہ میر محمد، کتب خانہ کراچی

بلایا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے کہا: یہ میری بہن ہے۔[1]

لغت کے دو معنی ہیں قریب معنی ہے نسبی بہن اور بعید معنی ہے دینی بہن، بادشاہ نے اس لفظ سے نسبی بہن سمجھا اور حضرت ابراہیم نے دینی بہن کا ارادہ کیا اور یہی توریہ ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستحمله فقال انا حاملك علی ولد ناقة قال یا رسول اللہ! وما اصنع بولد ناقة؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھل تلد الابل الا النوق۔[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر ایک شخص نے سواری طلب کی آپ نے فرمایا: میں تم کو اونٹ کے بچہ پر سوار کروں گا، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ میں اونٹ کے بچے کا کیا کروں گا، آپ نے فرمایا جو اونٹ پیدا ہوتا ہے وہ اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد[3] اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس مات ابن لابی طلحة فقال کیف الغلام قالت ام سلیم ھدأ نفسه وارجو ان یکون قد استراح وظن انھا صادقة۔[5]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہو گیا، انہوں نے (بیوی سے) کہا لڑکے کی طبیعت کیسی ہے؟ حضرت ام سلیم نے کہا وہ پرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو آرام مل گیا ہے اور حضرت ابو طلحہ نے ان کی بات کو سچ سمجھا۔

حضرت ام سلیم نے جو کہا کہ بچہ پرسکون ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کو راحت مل گئی ہے اس کا قریب معنی یہ تھا کہ اس کو بیماری سے شفاء مل گئی ہے اور بعید معنی یہ تھا کہ وہ فوت ہو گیا اور اس کو ابدی راحت مل گئی، حضرت ام سلیم نے اسی معنی کا ارادہ کیا تھا کیونکہ حضرت ابو طلحہ اسی وقت سفر سے آئے تھے اور وہ ان کو آتے ہی کوئی تکلیف دہ بات سنانا نہیں چاہتی تھیں۔

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ ھ

[2] " " " ، الادب المفرد ص ۱۰۰، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

[3] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ ھ

[4] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ، جامع ترمذی ص ۲۹۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ ھ

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال قالوا یا رسول اللہ انک تداعبنا قال انی لا اقول الا حقا۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

توریہ کے سلسلے میں فقہاء کی رائے

علامہ شامی لکھتے ہیں غرض صحیح کے لیے توریہ اور تعریض جائز ہے مثلاً مزاح میں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی" (یعنی بڑھیا بحیثیت بڑھیا نہیں جائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی) نیز فرمایا "تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے" نیز فرمایا "ہم کو اونٹ کے بچہ پر سوار کریں گے" (کیونکہ ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہوتا ہے)۔[3]

خلاصۂ بحث

قرآن مجید کی آیات، احادیث، آثار صحابہ اور فقہاء کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس جگہ کسی مصلحت سے جھوٹ بولنا پڑے تو صراحۃً جھوٹ بولنے کے بجائے توریہ اور تعریض سے کام لینا چاہیے تاہم بعض مواقع پر صراحۃً جھوٹ بولنے کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ ہم نے امام غزالی اور علامہ شامی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ مسلمان کے لیے اپنی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن یہ رخصت ہے اور عزیمت اس کے برعکس ہے اور دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے اور ان مواقع پر بھی توریہ مستحسن ہے۔

فقہاء کرام نے اپنی جان اور دوسرے مسلمان کی جان بچانے کے سلسلے میں جو جواز اور وجوب کا فرق کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے معاملہ میں تو رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کر سکتا ہے لیکن دوسرے شخص کے معاملہ میں اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔

بَابُ ۵۸۲ كَرَاهَةِ تَمَنِّي لِقَاءِ الْعَدُوِّ وَالْأَمْرِ بِالصَّبْرِ عِنْدَ اللِّقَاءِ

دشمن سے مقابلہ کی تمنا کرنے کی ممانعت اور مقابلے کے وقت ثابت قدمی کا حکم

۴۴۲۶ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دشمن سے مقابلہ کی

---

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۹۳ - ۲۹۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد ص ۷۷، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۴، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

الْعَقَدِيُّ عَنِ الْمُغِيرَةِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِزَامِيُّ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا۔

تمنا مت کرو اور جب ان سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔

۴۴۲۷۔ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ كِتَابِ رَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى فَكَتَبَ إِلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ حِينَ سَارَ إِلَى الْحَرُورِيَّةِ يُخْبِرُهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِي لَقِيَ فِيهَا الْعَدُوَّ يَنْتَظِرُ حَتَّى إِذَا مَالَتِ الشَّمْسُ قَامَ فِيهِمْ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عمر بن عبید اللہ مقام حروریہ میں گئے تو انہوں نے مڑ کر خط لکھ کر یہ حدیث بیان کی کہ جن دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں سے مقابلہ ہوا تو آپ نے انتظار کیا حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا، پھر آپ نے ان صحابہ میں کھڑے ہو کر فرمایا اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو، اور جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو، اور یاد رکھو جنت تلواروں کے سائے میں ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دعا کی اے اللہ! اے کتاب کے نازل فرمانے والے، اے بادلوں کو چلانے والے، اے لشکروں کو شکست دینے والے! ان کو شکست دے اور ہم کو ان پر غالب کر دے۔

دشمن سے مقابلہ کی تمنا کرنے کی ممانعت کی حکمت

حدیث نمبر ۴۴۲۶ میں ہے، دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو، علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن سے مقابلہ کرنے کی تمنا کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس تمنا میں اپنے نفس پر اعتماد، اپنی طاقت پر بھروسہ اور صورۃً تکبر ہے اور یہ بھی بناوٹ کی ایک قسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے باغیوں کے خلاف نصرت کی ضمانت دی ہے، اور جو شخص یہ تمنا کرے گا وہ دشمن کو حقیر سمجھے گا اور اس سے جنگ کی زیادہ تیاری نہیں کرے گا، اور یہ حزم اور احتیاط کے خلاف ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو ایک خاص صورت پر محمول کیا ہے یعنی دشمن سے مقابلہ کرنے کی تمنا اس وقت ممنوع ہے جب دشمن سے مقابلہ میں ضرر کا خطرہ ہو اور اس

سے جنگ کرنا مصلحت کے خلاف ہو، ورنہ کافروں سے جنگ کرنا ہر صورت میں فضیلت کا باعث اور عبادت ہے لیکن صحیح پہلی تشریح ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا: اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عافیت کی دعا کرنے کا حکم دیا ہے، عافیت کی دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بدن، روح، ظاہری اور باطنی حالات، دین، دنیا اور آخرت میں عافیت کی دعا کرے اور یوں دعا کرے: اے اللہ! مجھے، میرے دوستوں کو اور تمام مسلمانوں کو دین اور دنیا کے تمام امور میں عافیت عطا فرما۔ [1]

آداب جہاد اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے، اور جہاد میں ثابت قدم رہنا جہاد کے اہم ارکان میں سے ایک رکن ہے، اللہ تعالیٰ آداب جہاد بیان کرتا ہوا فرماتا ہے:

یا ایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۝ واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۝ ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرا ورئاء الناس ویصدون عن سبیل اللہ واللہ بما یعملون محیط۔
(الانفال: ۴۷ - ۴۵)

اے ایمان والو! جب تمہارا دشمن کی فوج سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو اپنے (کارنامے) دکھاتے ہوئے نکلے اور وہ اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اللہ ان کے سب کاموں کو اپنے علم کے ساتھ محیط ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں ثابت قدم رہنے، اللہ کا ذکر کرنے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے اور اختلاف کرنے، بزدلی کرنے، اترانے، ریا کرنے اور اللہ کے راستے سے روکنے سے منع کیا ہے۔

دشمن سے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کی مشقتوں اور مصیبتوں کو خوشدلی سے برداشت کیا جائے۔

اللہ کا بکثرت ذکر کرنے کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ دل سے اللہ کو یاد کریں اور زبان سے اللہ کا ذکر کریں، حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ شدید سے شدید مصائب میں بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہیں۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ مسلمان کے دل اور زبان کو کسی وقت بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں رہنا چاہیے اور اگر کوئی شخص مشرق سے مغرب تک سخاوت کرتا ہوا چلا جائے اور کوئی شخص مغرب سے مشرق تک تلوار سے جہاد کرتا ہوا پہنچ جائے تب بھی اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے والا مسلمان ان سے بڑھ کر ہوگا۔

بکثرت ذکر کرنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد اور فتح کی دعا بکثرت کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

مدد کے بغیر فتح اور نصرت حاصل نہیں ہو سکتی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لعلکم تفلحون "تاکہ تم کو کامیابی حاصل ہو" کیونکہ کفار سے جنگ اگر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اور اس کی رضا جوئی کے لیے ہے تو یہی عبودیت کا سب سے عظیم مقام ہے، اگر اس جنگ میں مسلمان دشمن پر غالب آگئے تو دنیا میں مال غنیمت اور آخرت میں ثواب حاصل ہوگا اور اگر مغلوب ہو گئے تو شہادت حاصل ہوگی، اور اگر یہ جنگ شہرت اور نام آوری کے لیے اور طلب غنیمت کے لیے ہو تو پھر یہ کامیابی اور فلاح کا ذریعہ نہیں ہوگی۔

اس آیت میں اترانے سے منع کیا ہے، اس کی تحقیق یہ ہے کہ جب کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ نعمتیں حاصل ہوں تو اگر وہ انسان ان نعمتوں کو ان کے محل اور مصرف میں خرچ کرے اور یہ سمجھے کہ اس پر یہ نعمتیں محض اللہ کا فضل اور انعام ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اگر ان نعمتوں سے اپنے معاصرین اور احباب پر فخر کرے تو یہ بطر یعنی اترانا ہے۔
اس آیت میں ریاکاری سے بھی منع کیا ہے ریاکاری کا معنی ہے نیکیوں کا اظہار کرنا حالانکہ باطن برائی ہو اور نفاق کا معنی اظہار ایمان اور باطن کفر، اور ریا میں اطاعت کا اظہار اور باطن میں معصیت ہے۔

قرآن مجید کی از اول تا آخر دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان علائق دنیویہ سے منقطع ہو کر قرب الٰہی کے لیے کوشش کرے، راہ حق کی صعوبتوں کو خوشی دل سے برداشت کرے، اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھے، اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے اور اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرے اس آیت میں بھی یہی پیغام دیا گیا ہے کہ جہاد کی مہمّوں میں اللہ سے دعا کرے اور فتح و کامرانی کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، جہاد کی تکالیف کو دیکھ کر جنگ سے منہ نہ موڑے بلکہ پورے استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ دشمن سے مقابلہ جاری رکھے اور آخری فتح کے لیے جدوجہد کرتا رہے۔

بَابُ اسْتِحْبَابِ الدُّعَاءِ بِالنَّصْرِ عِنْدَ لِقَاءِ الْعَدُوِّ

دشمن سے مقابلہ کے وقت فتح کی دعا کرنے کا استحباب

۴۴۳۸ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْأَحْزَابِ فَقَالَ اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (کفار کے گروہوں) کے خلاف دعا ضرر کی "اے اللہ! اے کتاب کے نازل کرنے والے، اے بسرعت حساب لینے والے! احزاب کو شکست دے، اے اللہ! ان کو شکست دے اور ان کو متزلزل کر۔"

۴۴۳۹ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ دَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے (احزاب کے خلاف) دعا ضرر کی، یہ حدیث مثل سابق ہے البتہ اس میں "اے احزاب کو شکست دینے والے" ہے اور اللّٰھم نہیں ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ خَالِدٍ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ هَازِمَ الْأَحْزَابِ وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَهُ اللّٰهُمَّ

۴۴۳۰ - وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ أَبِيْ عُمَرَ جَمِيْعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ إِسْمٰعِيْلَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ ابْنُ أَبِيْ عُمَرَ فِيْ رِوَايَتِهِ مُجْرِيَ السَّحَابِ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی اس میں "بادلوں کے چلانے والے" کا اضافہ ہے۔

۴۴۳۱ - وَحَدَّثَنِيْ حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ يَوْمَ أُحُدٍ اللّٰهُمَّ إِنَّكَ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے دن فرما رہے تھے "اے اللہ! اگر تو چاہے تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔"

مسجع کلام کے ساتھ دعا کی وضاحت

اس باب کی احادیث میں مشرکین کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ضرر کا بیان ہے، آپ نے دعا فرمائی اے اللہ کفار کی فوجوں کو شکست سے اور ان کو متزلزل کر دے یعنی ان کو سکون اور قرار نہ ہو اور ثابت قدم نہ رہ سکیں، علامہ داؤدی نے کہا ہے یعنی ان کی عقلیں طیش میں آئیں اور مقابلہ کے وقت ان کے قدم اکھڑ جائیں۔

اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلمات استعمال فرمائے وہ سب ہم وزن اور ہم قافیہ ہیں یعنی منزل الکتاب، سریع الحساب، ہازم الاحزاب، اس کو عربی میں مسجع کلام کہتے ہیں اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں مسجع کلام استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہاں آپ نے خود مسجع کلمات استعمال فرمائے، علامہ بدر الدین عینی حنفی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ کے ان کلمات کا ہم وزن اور ہم قافیہ ہونا اتفاقی امر تھا اور آپ نے جو منع فرمایا ہے وہ دعا میں قصد اور اختیار سے مسجع کلمات کہنا ہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو بددعا کہنے کا عدم جواز

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں کفار کے خلاف بددعا کرنے کی دلیل ہے[2] واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احزاب کی شکست اور ان کے قدم اکھڑنے کی دعا فرمائی ہے اس کو بددعا کہنا جائز نہیں ہے اور ایسا کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل "بد" نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

---

[1] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۰۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۱۰۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ بے شک اللہ کے رسول میں تمہارے لیے حسین نمونہ ہے۔ (احزاب: ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کو حسین فرمایا ہے اور کوئی شخص آپ کا امتی ہو کر آپ کے کسی فعل کو "بد" کہے یہ نہایت بے ادبی اور سخت توہین ہے، جس شخص نے بھی آپ کی کسی دعا کو بددعا کہا اس کو توبہ کرنی چاہیے۔ اس قسم کی دعاؤں کے لیے بالعموم دعائے ضرر کہنا چاہیے یا بالخصوص ترجمہ کیا جائے مثلاً آپ نے دعا فرمائی اللّٰھم علیک بابی جھل تو یوں ترجمہ کیا جائے آپ نے دعا فرمائی اے اللہ! ابو جہل کو پکڑ یا آپ نے ابو جہل کی گرفت کے لیے دعا فرمائی اسی طرح یہاں یہ ترجمہ کیا جائے کہ آپ نے مشرکین کی جماعتوں کی شکست کی دعا کی۔ عام طور پر مترجمین اس قسم کے کلمات کا ترجمہ "بددعا" کرتے ہیں بعض معاصرین نے بھی اس قسم کے کلمات کا ترجمہ بددعا کیا ہے، العیاذ باللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور فعل بد ہونے سے پاک اور بری ہے۔ بعض معاصرین لکھتے ہیں:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لیے بددعا فرمائی [1]

نیز لکھتے ہیں:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے روز مشرکوں کے لیے بددعا کی۔ [2]

اور لکھتے ہیں:

ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کے لیے بددعا کی [3]

بعض معاصرین اور ایسے تمام مترجمین پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال حسنہ کو بد کہنے سے توبہ کریں اور اپنی تصانیف سے ان کلمات کو نکال دیں۔

رہا یہ اعتراض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین ہیں پھر آپ کا کفار کے لیے دعائے ضرر کرنا کس طرح آپ کی رحمۃ للعالمین کے مناسب ہوگا سو اس کا جواب ہم نے شرح صحیح مسلم کی جلد ثانی، باب ۲۲۱ اور ۲۲۲ میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، شائقین اس کا مزید مطالعہ کریں۔

دو مختلف حدیثوں میں تطبیق اس باب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ اگر تو چاہے تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی" علامہ نووی لکھتے ہیں: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم کرنے کا بیان ہے اور غالی قسم کے منکرین تقدیر کا رد ہے جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شر اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ فتح اور نصرت کے لیے مسلمان کو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی دعا کرنی چاہیے۔

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن یہ کلمات فرمائے تھے، اور اس کے بعد کے باب میں یہ ہے کہ آپ نے یہ کلمات جنگ بدر کے دن فرمائے تھے اور سیر اور مغازی کی کتابوں میں یہی مشہور ہے

[1] مولانا غلام رسول رضوی، تفہیم البخاری ج ۵ ص ۲۰۱، مطبوعہ ملک ریاض حسین

[2] ، ، ، تفہیم البخاری ج ۴ ص ۲۰۴-۲۰۲، مطبوعہ ملک ریاض حسین

[3] ، ، ، تفہیم البخاری ج ۴ ص ۲۰۳، مطبوعہ ملک ریاض حسین

لیکن اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے دونوں دن یہ کلمات فرمائے ہوں۔ [1]

بَابُ تَحْرِيمِ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ فِي الْحَرْبِ — جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت

۴۴۳۲ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَا أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ امْرَأَةً وُجِدَتْ فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقْتُولَةً فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی جہاد میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو برا گردانا۔

۴۴۳۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ وَأَبُو أُسَامَةَ قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ تِلْكَ الْمَغَازِي فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کسی جہاد میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرما دیا۔

جہاد میں بچوں، عورتوں اور دیگر معذوروں کے قتل کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: اس حدیث پر تمام فقہاء اسلام کا اجماع ہے اور سب کے نزدیک جنگ میں عورتوں اور بچوں کا قتل حرام ہے بشرطیکہ وہ جنگ نہ کر رہے ہوں۔ اور اگر وہ جنگ کر رہے ہوں تو جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک ان کو قتل کر دیا جائے گا اور بوڑھے کو اگر جنگ کی مہارت اور تجربہ رکھتے ہوں تو ان کو بھی قتل کر دیا جائے گا، راہبوں میں اختلاف ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور امام شافعی کا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ [2]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] " " " " شرح مسلم ج ۲ ص ۸۴ " " " " "

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: چھوٹے بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ جنگ نہیں کرتے، اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، نیز حدیث میں ہے کہ بڈھے مشرکوں کو قتل کر دو اور ان کے اتباع یعنی عورتوں اور بچوں کو زندہ رہنے دو، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان کو یہ وصیت کی کہ شیخ فانی اور اس چھوٹے بچے کو قتل نہ کرنا جو جنگ نہ کرتا ہو۔ [1]

علامہ شمس الدین مقدسی حنبلی لکھتے ہیں: بچہ اور عورت کو قتل کرنا حرام ہے۔ راہب کو قتل کرنا بھی حرام ہے، ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جو راہب لوگوں سے میل جول کرتا رہتا ہو اس کو قتل کرنا حرام ہے۔ شیخ فانی، اپاہج، لنجے اپاہج جس کے اعضاء شل ہوں یا بعض اعضاء نہ ہوں اور اندھے کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔ "مغنی" میں ہے غلام اور کاشتکار کو قتل کرنا حرام ہے۔ "ارشاد" میں ہے عالم کو قتل کرنا بھی حرام ہے الا یہ کہ وہ جنگ کا تجربہ رکھتا ہو اور جنگ پر ابھارتا ہو۔ مغنی میں ہے اگر عورت مسلمانوں کے سامنے آتی تھی اور ان کو گالیاں دے تو اس پر تیر مارے جائیں لیکن مذہب حنبلی کی ظاہر نصوص اس کے خلاف ہیں۔ مروزی نے نقل کیا ہے کہ مذکور لوگوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، ہاں اگر کفار ان کو اپنے لیے ڈھال بنائیں تو پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر جنگ کے وقت کفار مسلمانوں کو اپنے لیے ڈھال بنائیں تو ان کو کفار کو قتل کرنے کے قصد سے قتل کر دیا جائے گا بشرطیکہ ان کو قتل نہ کرنے سے مسلمانوں کو اپنی جان کا خطرہ ہو اور جنگ نہ ہو تو پھر مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے اور جب مسلمان کا قتل حرام نہ ہو اور اس کو قتل کر دیا جائے تو کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا، اور اس کی دیت نہیں ہے۔ [2]

علامہ حطاب مالکی لکھتے ہیں: اگر کفار کی عورتیں مسلمانوں کو ایذاء دیں اور اپنے گھروں کے اندر ہی ہوں تو ان کو قتل کرنا اتفاقاً حرام ہے اور اگر وہ کافروں کو جنگ پر ابھاریں اور ہتھیاروں سے مسلح ہوں تو پھر ان کو قتل کرنا جائز ہے۔ [3]

علامہ ابوالقاسم العبدری مالکی لکھتے ہیں: بہت بوڑھے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، علامہ ابن قاسم نے کہا عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، امام مالک نے کہا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر بہت بوڑھے، عورت اور راہب کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر بہت بوڑھا شخص جنگ کا تجربہ رکھتا ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے، لنجے، اپاہج، اندھے، لنگڑے اور جس کے اعضاء شل ہوں ان کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا اسی طرح ناتجربہ کار کو بھی نہیں قتل کیا جائے گا۔ [4]

بَابُ جَوَازِ قَتْلِ النِّسَآءِ وَالصِّبْيَانِ فِي الْبَيَاتِ مِنْ غَيْرِ تَعَمُّدٍ

شبخون میں بلاقصد عورتوں اور بچوں کے مارے جانے کا جواز

۴۴۳۳۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت صعب بن جثامہ

---

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۶۰، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن مفلح مقدسی حنبلی متوفی ۷۶۳ھ، کتاب الفروع ج ۶ ص ۲۰۸-۲۱۰، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض، ۱۴۰۴ھ

[3] علامہ ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمان مغربی المعروف بالحطاب مالکی متوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل ج ۳ ص ۳۵۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] علامہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف العبدری مالکی متوفی ۸۹۷ھ، التاج والاکلیل ج ۳ ص ۳۵۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

وَسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الذَّرَارِيِّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ يُبَيَّتُونَ فَيُصِيبُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ فَقَالَ هُمْ مِنْهُمْ.

رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اگر شب خون مارتے وقت مشرکوں کے بچے اور عورتیں مارے جائیں (تو کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا وہ بھی انہی میں سے ہیں۔

۴۴۳۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نُصِيبُ فِي الْبَيَاتِ مِنْ ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِينَ قَالَ هُمْ مِنْهُمْ.

حضرت صعب بن جثامہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شب خون مارتے وقت ہمارے ہاتھوں مشرکین کے بچے بھی مارے جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ بھی انہی میں سے ہیں۔

۴۴۳۶ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ لَهُ لَوْ أَنَّ خَيْلًا أَغَارَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَأَصَابَتْ مِنْ أَبْنَاءِ الْمُشْرِكِينَ قَالَ هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ.

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا اگر رات کو کوئی دستہ شب خون مارے اور مشرکین کے بچے بھی مارے جائیں تو؟ آپ نے فرمایا وہ بھی اپنے آباء (یعنی مشرکین) ہی سے ہیں۔

کافروں پر شب خون مارنے کے تفصیلی احکام

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ شب خون میں اگر مشرکین کے بچے اور عورتیں ماری جائیں تو ان کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے آباء سے ہیں یعنی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مشرکین کی اولاد پر میراث، نکاح، قصاص اور دیات وغیرہ میں مشرکین کا حکم جاری ہوتا ہے۔ رہا یہ کہ اس سے پہلے باب کی حدیث میں مشرکین کے

بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلا ضرورت اور قصد اور اختیار سے مشرکین کے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا ممنوع ہے اور ضرورت کی بناء پر بلا قصد اور بلا اختیار ان کو قتل کرنا جائز ہے۔

امام شافعی، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ جب رات کو کافروں پر حملہ کیا جائے اور رات کے اندھیرے میں مردوں، عورتوں اور بچوں میں امتیاز نہ ہو سکے اور وہ اچانک حملے کے دوران مارے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن مشرکوں کو دعوت اسلام پہنچ چکی ہو ان پر بے خبری میں حملہ کرنا جائز ہے اور یہ کہ دنیاوی معاملات میں مشرکین کی اولاد اپنے آباء کے حکم میں ہے لیکن آخرت میں جب اولاد مشرکین بلوغت سے پہلے فوت ہو جائے تو ان میں تین مذہب ہیں پہلا یہ ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ ان میں سے کسی چیز پر یقین نہیں ہے لیکن ان کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔ [1]

آخرت میں اولاد مشرکین کے حکم کی تفصیل ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

جن مسلمانوں کو کفار ڈھال بنالیں ان کو قتل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: جب کسی قلعہ میں مشرکین کے بچے یا مسلمان قیدی ہوں تو اس قلعہ پر منجنیق سے پتھر برسانے (اور اسی طرح اس پر توپ سے گولہ باری کرنے) میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا ہے کہ جس قلعہ میں مشرکین کے بچے یا مسلمان قیدی ہوں اس پر تیر اندازی نہ کی جائے اسی طرح جس بحری جہاز میں مسلمان قیدی ہوں اس کو نہ ڈبویا جائے اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ جب کفار مسلمان بچوں کو ڈھال بنالیں تو ان پر تیر اندازی نہ کی جائے اور جس جہاز میں مسلمان قیدی ہوں اس کو نہ جلایا جائے اور امام ثوری، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق نے یہ کہا ہے کہ اگر بچوں اور عورتوں کو قتل کیے بغیر مشرکوں کو قتل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر ان کو بھی قتل کرنا جائز ہے۔ علامہ عینی نے کہا امام ابو حنیفہ ان کے اصحاب اور ثوری یہ کہتے ہیں کہ اگر مشرکین کے قلعوں میں مسلمان قیدی ان کے بچے اور مشرکوں کے بچے ہوں تو ان کے قلعوں پر تیر اندازی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر کسی جہاز میں مسلمان قیدی یا اطفال مشرکین ہوں تو مشرکین کو ہلاک کرنے کے قصد سے اس جہاز کو جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس حملہ سے مسلمان ہلاک ہو جائیں تو اس میں دیت ہے نہ کفارہ اور ثوری نے کہا کہ اس میں کفارہ ہے لیکن دیت نہیں ہے۔ [2]

آخرت میں اطفال مشرکین کے ٹھکانے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

اس باب کی احادیث میں اطفال مشرکین کا دنیاوی حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان کو جہاد میں قتل نہیں کیا جائے گا، اس مناسبت سے ہم یہاں ان کا اخروی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، علامہ بدر الدین عینی حنفی اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علماء کا شروع سے اختلاف رہا ہے اور اس میں

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۸۵-۸۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۶۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

علماء کے متعدد اقوال ہیں، ان اقوال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ حماد بن سلمہ، حماد بن زید، عبداللہ بن مبارک اور اسحاق کا مسلک یہ ہے کہ اطفال مشرکین کا حشر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور مشیت پر موقوف ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے: اللّٰہ اعلم بما کانوا عاملین۔ "اللہ ہی جاننے والا ہے کہ اطفال مشرکین کیا عمل کرنے والے تھے" امام بیہقی نے اس مسلک کو امام شافعی سے بھی نقل کیا ہے

۲۔ ازارقہ (خوارج کا ایک فرقہ) کا یہ نظریہ ہے کہ آخرت میں تمام اطفال اپنے آباء کے تابع ہوں گے اس لیے مسلمانوں کی اولاد جنت میں ہوگی اور مشرکین کی اولاد جہنم میں ہوگی، ان کا استدلال اس آیت سے ہے:
حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ۰ انک ان تذرھم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا ۰ (نوح: ۲۶-۲۷)

اور نوح نے دعا کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ، بے شک تو نے اگر ان کو چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد صرف بدکار اور شدید کافر ہوگی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کی اولاد کافر ہی ہوتی ہے اس وجہ سے اطفال مشرکین جہنم میں ہوں گے لیکن یہ استدلال مردود ہے کیونکہ یہ حکم حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ خاص تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کو یہ اس لیے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ وحی کی تھی: انہ لن یؤمن من قومک الا من قد آمن۔ "تمہاری قوم سے صرف وہی لوگ ایمان لائیں گے جو ایمان لا چکے ہیں" اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھم من آبائھم "یہ اپنے آباء ہی سے ہیں" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حالت جنگ پر محمول ہے جیسا کہ تفصیل سے ہم بیان کر چکے ہیں اگر یہ سوال ہو کہ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جنت میں ہوگی اور اولاد مشرکین کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جہنم میں ہوگی اور اگر تم چاہو تو میں تم کو ان کے جہنم میں چلانے کی آوازیں سنوا دوں۔" میں کہتا ہوں یہ حدیث بہت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں بہیہ کا مولیٰ ابو عقیل ہے اور وہ متروک راوی ہے۔

۳۔ بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اطفال کفار جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے کوئی نیکی نہیں کی جس کی وجہ سے وہ جنت میں جا سکیں اور نہ انہوں نے کوئی گناہ کیا جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہوں۔

۴۔ بعض علماء کا یہ مسلک ہے کہ وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے کیونکہ سنن ابوداؤد طیالسی، مسند بزار اور مسند ابو یعلیٰ میں حضرت سمرہ سے مرفوعاً ایک حدیث ضعیف مروی ہے "مشرکین کی اولاد اہل جنت کی خادم ہوگی"۔

۵۔ بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اطفال مشرکین کا آخرت میں امتحان لیا جائے گا بایں طور کہ ان کو آگ دکھائی جائے گی جو اس میں داخل ہوگا اس پر وہ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈک ہو جائے گی اور جو اس میں داخل ہونے سے انکار کرے گا اس کو عذاب دیا جائے گا امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا گمان ہے کہ جو شخص ایام فترت میں فوت ہو گیا اس کو، پاگل کو اور چھوٹے بچے کو لایا جائے گا، فترت میں مرنے والا کہے گا میرے پاس کوئی کتاب آئی نہ کوئی رسول آیا، اور پاگل کہے گا:

اے میرے رب اگر تو نے مجھے عقل مند بنایا ہوتا تو میں خیر اور شر کا ادراک کرتا، اور جو بچپن میں مر گیا تھا وہ کہے گا میں نے عمل کرنے کا زمانہ نہیں پایا، پھر ان کے لیے آگ بلند کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا اس میں داخل ہو جاؤ، پھر جو اللہ کے علم میں نیک ہوگا یا نیک عمل کرنے والا ہوگا وہ اس آگ میں داخل ہو جائے گا اور جو اللہ کے علم میں عمل کا زمانہ پانے کے بعد بُرا کرنے والا ہوگا وہ رک جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم تو میری نافرمانی کر رہے ہو، میرے رسولوں کی نافرمانی کیسے نہ کرتے۔ امام بزار نے کہا کہ ہم حضرت ابو سعید کی اس حدیث کو صرف فضیل سے پہچانتے ہیں، امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ فترت میں مرنے والے اور مجنون کا امتحان اسناد صحیحہ سے ثابت ہے، امام بزار نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن چار شخصوں کو لایا جائے گا، بچہ، مجنون اور ایام فترت میں مرنے والا اور شیخ فانی اور ان میں سے ہر شخص اپنی حجت پیش کرے گا پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے فرمائے گا ظاہر ہو، اور ان سے فرمائے گا میں نے اپنی طرف سے تمہارے پاس رسول بھیجے اور اب میں خود تمہاری طرف اپنا رسول ہوں، اس جہنم میں داخل ہو جاؤ، پس جس شخص کی تقدیر میں شقاوت ہوگی وہ کہے گا کیا تو ہمیں جہنم میں داخل کر رہا ہے حالانکہ ہم اس سے بھاگتے تھے اور جس شخص کی تقدیر میں سعادت ہوگی وہ دوڑ کر جہنم میں داخل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا تم نے میری نافرمانی کی ہے تو تم میرے رسولوں کی تو اس سے زیادہ تکذیب اور نافرمانی کرتے، پھر ان کو دھکیل کر جہنم میں داخل ہونے والوں کو جنت میں داخل کرے گا اور ان کو جو جہنم میں داخل نہیں ہوئے تھے، جہنم میں داخل کر دے گا۔ حضرت اسود بن سریع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بہرے کو پیش کیا جائے گا جس کو بالکل سنائی نہ دیتا ہو اور ایک بے وقوف کو، ایک بوڑھے کو اور ایک اس شخص کو جو ایام فترت میں فوت ہوا ہو، بہرا کہے گا اے میرے رب! اسلام آیا لیکن میں کچھ نہیں سن سکتا تھا، احمق کہے گا اسلام آیا لیکن میں کچھ نہیں سمجھ سکتا تھا اور فترت میں فوت ہونے والا کہے گا، اے میرے رب میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان سے پختہ عہد لے گا پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک پیغام بھیجے گا اور وہ کہے گا جہنم میں داخل ہو جاؤ، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے اگر وہ جہنم میں داخل ہوں گے تو جہنم ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔ امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں یہ نقل کیا ہے کہ مجنون اور ایام فترت میں مرنے والوں کے لیے امتحان منعقد ہونا مذہب حق ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ آخرت دار تکلیف نہیں ہے اس لیے وہاں کوئی عمل ہے نہ امتحان۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دخول اور استقرار کے بعد کوئی آزمائش نہیں ہوگی لیکن میدان قیامت میں امتحان اور آزمائش سے کوئی مانع نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يوم يكشف عن ساق ويدعون الى السجود فلا يستطيعون ۝ خاشعة ابصارهم ترهقهم ذلة ۝ وقد كانوا يدعون الى السجود وهم سالمون ۝ (قلم: ۴۲-۴۳)

جس دن ساق کی تجلی ظاہر کی جائے گی اور وہ (کفار) سجدہ کے لیے بلائے جائیں گے تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ (مارے خوف کے) ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی اور بے شک (اس سے پہلے دنیا میں) وہ سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے اور وہ صحیح سالم ہونے کے باوجود سجدہ سے انکار کرتے تھے)

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ لوگوں کو سجدہ کا حکم دیا جائے گا تو منافق کی پشت طباق کی طرح سیدھی (بغیر لچک) ہو جائے گی اور وہ سجدہ نہیں کر سکے گا۔

۶۔ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ اطفال مشرکین مٹی ہو جائیں گے، یہ ثمامہ بن اشرس سے مروی ہے۔

۷۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے اور شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ امام احمد کا مسلک نہیں ہے بلکہ ان کے بعض اصحاب کا مسلک ہے۔

۸۔ بعض علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کرنا چاہیے۔

۹۔ بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اس مسئلہ میں امساک کرنا چاہیے اور ان دونوں نظریوں میں بہت باریک فرق ہے۔

۱۰۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ مذہب صحیح اور مختار جس پر تمام محققین کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ اطفال مشرکین جنت میں ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ (الاسراء: ۱۵)

جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں۔

اور جب صاحب عقل کو اس وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا کہ اس تک دعوت نہیں پہنچی تو غیر عاقل کو بطریق اولیٰ عذاب نہیں دیا جائے گا۔

اور حدیث صحیح بھی اس پر دلیل ہے کیونکہ امام بخاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس کے آخر میں ہے:

واما الرجل الطويل الذي في الروضة فانه ابراهيم عليه السلام واما الولدان الذين حوله فكل مولود مات على الفطرة قال فقال بعض المسلمين يا رسول الله واولاد المشركين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم واولاد المشركين (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۳)

وہ طویل القامت شخص جو باغ میں تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے گرد جو بچے تھے یہ وہ بچے تھے جو فطرت پر فوت ہو گئے، بعض مسلمانوں نے پوچھا یا رسول اللہ مشرکین کی اولاد بھی (اس باغ میں ہوگی؟) فرمایا ہاں مشرکین کی اولاد بھی!

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطفال مشرکین کو بھی آخرت کے حکم میں اولاد مسلمین کے ساتھ لاحق کر دیا، اور جس حدیث میں ہے "وہ اپنے آباء کے ساتھ لاحق ہیں" وہ دنیا میں حالت جنگ کے حکم پر محمول ہے۔

باقی رہا یہ کہ صحیح بخاری میں ہے: اللہ اعلم بما کانوا عاملین "اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا کرنے والے تھے" اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اطفال مشرکین کے جہنمی ہونے کی تصریح نہیں ہے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس خواب دیکھنے سے پہلے فرمائی ہو کیونکہ آپ کا علم تدریجی ہے۔ قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ ثواب اور عذاب کا مدار اعمال پر نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ مسلمانوں کے بچے نہ جنت میں ہوں نہ دوزخ میں، بلکہ جنت کا موجب لطف ربانی ہے اور جہنم کا موجب اس لطف سے محرومی ہے اسی لیے اس مسئلہ میں توقف واجب ہے پس جس کی تقدیر میں جنتی ہونا ہے وہ جنتی ہوگا اور جس کی تقدیر میں جہنم ہے وہ جہنمی

ہوگا۔ [1]

قاضی بیضاوی کا اطفال مشرکین کی نجات میں توقف کرنا خلاف تحقیق ہے اور قرآن مجید کی نص صریح اور صحیح بخاری کی اس صریح حدیث کے خلاف ہے۔

بَابُ جَوَازِ قَطْعِ أَشْجَارِ الْكُفَّارِ وَتَحْرِيقِهَا

کفار کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا جواز

۴۴۳۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَ مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ قَالَا أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ زَادَ قُتَيْبَةُ وَابْنُ رُمْحٍ فِي حَدِيثِهِمَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نخلستان بویرہ میں بنو نضیر کے درخت جلا دیئے کٹوا دیئے، قتیبہ اور ابن رمح کی روایت میں یہ زیادہ ہے پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) "جن درختوں کو تم نے کاٹا یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا ہوا چھوڑ دیا یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو رسوا کرے"

۴۴۳۸ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَحَرَّقَ وَلَهَا يَقُولُ حَسَّانُ [2]

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے درخت کٹوا کر جلا دیئے، حضرت حسان نے اس موقع پر ایک شعر کہا: (ترجمہ) بنی لؤی کے سرداروں کے نزدیک بویرہ میں آگ لگا دینا معمولی بات ہے اور اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) جن درختوں کو تم نے کاٹا یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا ہوا چھوڑ دیا سو وہ اللہ کی اجازت سے تھا۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۱۳-۲۱۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] ایضاً - علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۶-۲۴۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ
حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ
وَفِيْ ذٰلِكَ نَزَلَتْ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا الْاٰيَةَ۔

۴۴۳۹ - وَحَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ عُثْمَانَ اَخْبَرَنِيْ عُقْبَةُ بْنُ خَالِدِ السَّكُوْنِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ حَرَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيْرِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے درخت جلوا دیے۔

مدینہ منورہ میں اقامت کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے طرزِ عمل کی اقسام

ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کی تین قسمیں تھیں، (۱) یہود کے تین گروہوں بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع نے آپ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمن کی مدد کریں گے، (۲) کفار قریش نے آپ سے جنگ کی اور آپ کے خلاف دشمن کا محاذ کھول دیا، (۳) اور تیسری قسم میں عرب کے باقی قبائل تھے یہ قبائل خاموش اور منتظر تھے یہ لوگ ہوا کا رخ دیکھ رہے تھے، بنو خزاعہ دل میں آپ کا ظہور اور غلبہ چاہتے تھے اور بنو بکر آپ سے عداوت رکھتے تھے اور آپ کی ہزیمت کے منتظر تھے اور منافقین بظاہر آپ کے رفیق اور حلیف تھے اور بباطن آپ سے عداوت رکھتے تھے۔

سب سے پہلے یہود میں بنو قینقاع نے معاہدہ توڑ دیا اور واقعہ بدر کے بعد شوال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وہ قلعہ سے نکل آئے آپ نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، عبد اللہ بن ابی نے ان کی جان بخشی طلب کی کیونکہ وہ اس کے حلیف تھے پھر آپ نے ان کو مدینہ سے نکال دیا اور ان کو شام کے علاقہ اذرعات میں جلاوطن کر دیا۔ [1]

بنو قینقاع کے خلاف جنگ کا پس منظر

بنو قینقاع کے خلاف جنگ کی تفصیل علامہ زرقانی نے اس طرح لکھی ہے کہ ایک انصاری کی بیوی مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں (نقاب پہنے ہوئے) آگئی، یہودیوں نے اس کی بے حرمتی کی (اس کی نقاب اتار پھینکی) ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے قابو ہو گیا اور اس نے یہودی کو قتل کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو آپ یہودیوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تم پر اہل بدر کی طرح عذاب آ جائے یہودیوں نے کہا ہم قریش نہیں ہیں جب ہم سے جنگ ہو گی تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی کس چیز کا نام ہے۔ چونکہ بنو قینقاع کی

---

[1] علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

طرف سے نقض عہد اور اعلانِ جنگ ہو گیا تھا اس لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کیا جنگ کی خبر قینقاع قلعہ بند ہو گئے اور پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا بالآخر وہ اس پر راضی ہو گئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے وہ ان کو منظور ہو گا، عبد اللہ بن ابی ان کا حلیف تھا اس نے درخواست کی کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے چنانچہ ان کو شام کے علاقہ اذرعات میں جلا وطن کر دیا گیا، شوال ۲ ہجری میں یہ غزوہ برپا ہوا۔ [۱]

بنو نضیر کے خلاف جنگ کا پس منظر

حافظ ابن حجر عسقلانی نے غزوہ بنو نضیر کا پس منظر اس طرح لکھا ہے کہ عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دیے تھے ان کا خون بہا اب تک واجب الادا تھا۔ اس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود بنو نضیر پر واجب الادا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مطالبہ کے لیے بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے بظاہر یہ مطالبہ منظور کر لیا لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانہ پر چڑھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا دے، کیونکہ اس وقت آپ اتفاق سے بالاخانہ کی دیوار کے سائے تلے کھڑے تھے۔ عمرو بن جحاش نام کا ایک یہودی اس ارادے سے کوٹھے پر چڑھا کہ آپ پر پتھر گرا دے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر ان کے دل کا حال منکشف کر دیا اور آپ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔ [۲]

اس واقعہ کو علامہ زرقانی نے بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ [۳]

علامہ زرقانی لکھتے ہیں: پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی واپسی میں دیر ہو گئی تو یہود آپ کو ڈھونڈنے لگے، انہوں نے کہا ہم تو ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطالبہ پورا کرنا چاہتے تھے اور ان کی ضیافت کرنا چاہتے تھے، اور یہود اپنے کیے پر پشیمان ہوئے، کنانہ بن صویرا نے کہا، کیا تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اٹھ کر چلے گئے؟ یہودیوں نے کہا بخدا ہم جانتے ہیں نہ تم جانتے ہو، کنانہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہاری عہد شکنی پر مطلع کر دیا تم خود فریبی میں نہ رہو، بخدا وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ (مائدہ: ۱۱)

اے ایمان والو! تم پر جو اللہ کا احسان ہے اس کو یاد کرو، جب ایک قوم نے تم کو ضرر پہنچانے کے قصد سے تمہاری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تم سے ان کا ہاتھ روک لیا، اور اللہ سے ڈرو، اور مومن اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

بنو نضیر کی شکست اور جلاوطنی

علامہ زرقانی غزوہ بنو نضیر کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام عبد الرزاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جنگ بدر سے پہلے

---

[۱] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۱۔۳۳۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[۲] علامہ محمد عبد الباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۷۸۔۸۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۳ھ

[۳] علامہ محمد عبد الباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۳ھ

کفار قریش اور دیگر بت پرستوں نے عبد اللہ بن ابی کو خط لکھا اور اس کو اس بات پر دھمکایا کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں کیوں پناہ دی ہے اور اس سے یہ وعدہ کیا کہ اگر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تو سب عرب اس کا ساتھ دیں گے، پھر عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کا ارادہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا جس طرح قریش نے تم کو دھوکا دیا ہے اس طرح تو کوئی دھوکا نہیں کھاتا انھوں نے اپنی جنگ تم پر مسلط کر دی ہے، جب یہودیوں نے یہ سنا تو انھوں نے حق پہچان لیا اور متفرق ہو گئے، جنگ بدر کے بعد کفار قریش نے ان کو پھر دھمکیاں دیں تب بنو نضیر عہد شکنی پر آمادہ ہو گئے اور آپ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ آپ اپنے تین اصحاب کے ساتھ آئیں، ہم بھی اپنے تین علماء کو بلاتے ہیں۔ یہود نے اپنے تین آدمیوں کے ساتھ تین خنجر رکھ لیے۔ بنو نضیر کی ایک عورت نے اس بات کی اطلاع اپنے ایک انصاری بھائی کو بھجوا دی جو مسلمان تھا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے سے پہلے آپ کو اس کی اطلاع دے دی، پھر صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کے ساتھ بنو نضیر پر حملہ کر دیا وہ قلعہ بند ہو گئے اور آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ دوسرے دن بھی آپ نے بنو نضیر کا محاصرہ جاری رکھا انھوں نے آپ سے معاہدہ کر لیا آپ پھر بنو نضیر کی طرف لوٹے اور ان سے جنگ کی حتیٰ کہ وہ جلا وطنی کے وعدہ پر قلعہ سے نکل آئے اور کہ وہ اپنے ساتھ صرف اتنا سامان لے جا سکیں گے جتنا سامان ان کے اونٹ اٹھا سکیں پھر بنو نضیر اپنے ساتھ گھروں کے دروازے تک اکھاڑ کر لے گئے، انھوں نے اپنے گھروں کو منہدم کر دیا اور تمام کاٹھ کباڑ اٹھا کر لے گئے۔ جنگ بدر کے چھ ماہ بعد یہ غزوہ واقع ہوا۔ [1]

بنو نضیر کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کی حکمت

علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ جب بنو نضیر قلعہ بند ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو لیلیٰ المازنی اور حضرت عبد اللہ بن سلام کو درخت کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو لیلیٰ نے عجوہ (ایک قسم کی کھجور) کے درخت کاٹے اور حضرت ابن سلام نے لینہ کے درخت کاٹے۔ جب بنو نضیر کی عورتوں نے یہ درخت کٹتے ہوئے دیکھے تو انھوں نے فرط غم سے اپنے کپڑے پھاڑ لیے اور منہ پر تھپڑ مارے اور چیخ و پکار کرنے لگیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض درختوں کو جلوا دیا اس وقت یہودیوں نے چلا کر کہا اے محمد! آپ تو فساد سے منع کرتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں پھر آپ نے یہ درخت کیوں کاٹے اور کیوں جلائے، اس وقت بعض مسلمانوں کے دل میں بھی آپ کے اس فعل کے خلاف شبہ پیدا ہو گیا تب یہ آیت نازل ہوئی: [2]

مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ ۔ (الحشر: ۵)

جن درختوں کو تم نے کاٹا یا ان کو ان کی جڑوں پر چھوڑ دیا تو یہ اللہ کی اجازت سے تھا تاکہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو رسوا کرے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ درختوں کے کاٹنے میں ان کی رسوائی اس وجہ سے تھی کہ وہ درخت ان کے ہاتھوں سے

---

[1] علامہ محمد عبد الباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۸۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۳ھ

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ، شرح المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۸۲

نکل کر ان کے دشمنوں یعنی مسلمانوں کے قبضہ میں جا رہے تھے اور جو درخت باقی رکھے گئے انہیں دیکھ کر وہ حسرت میں رہ جاتے کہ اب وہ ان درختوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے بلکہ ان کے دشمن ان درختوں سے فائدہ اٹھائیں گے جلد اور میں کہتا ہوں کہ درختوں کا جلانا بھی ان کی ذلت اور رسوائی کا سبب تھا کیونکہ وہ اپنی محنت اور مشقت سے لگائے ہوئے درختوں کو تباہ و برباد ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔[1]

بعض علماء نے درخت کاٹنے اور جلانے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ ان درختوں کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جا سکتا تھا اور آپ نے وہ درخت اس لیے صاف کرا دیے تاکہ محاصرہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔

دشمن کے درختوں کے کاٹنے اور جلانے میں مذاہب فقہاء

امام ترمذی فرماتے ہیں بعض علماء کا قول اس حدیث کے مطابق ہے وہ دشمن کے درختوں کو کاٹنے اور ان کے قلعوں کو منہدم کرنے میں کوئی حرج نہیں رکھتے، امام اوزاعی نے اس کو مکروہ کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے کسی پھلدار درخت کے کاٹنے اور کسی عمارت کو منہدم کرنے سے منع کیا ہے اور آپ کے بعد کے مسلمانوں نے آپ کے قول پر عمل کیا ہے، امام شافعی نے کہا ہے کہ دشمن کی سرزمین پر آگ لگانے اور درختوں اور پھلوں کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بعض اوقات جنگی مصلحتوں کے پیش نظر دشمن کی زمین میں آگ لگانے یا درخت کاٹنے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہوتا البتہ تمثیل اور مثلہ کے طور پر آگ نہیں لگانی چاہیے۔ فقیہ اسحاق نے کہا ہے کہ اگر دشمن کی زمین پر آگ لگانے سے دشمن پر غلبہ حاصل ہو تو پھر آگ لگانا سنت ہے۔[2]

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں، بعض اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جلانے کے لیے درخت کٹوا دیے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ولیخزی الفاسقین (تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو رسوا کرے) پس گویا کہ درختوں کو کاٹنا اور جلانا ان کی رسوائی تھا، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ جنگی حکمت کے پیش نظر ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک دشمن کے درختوں کو کاٹنا اور جلانا جائز ہے۔ علامہ بطال نے لکھا ہے جب فتح کی امید ہو اور یہ گمان ہو کہ یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے گا تو پھر درختوں کا باقی رکھنا بھی جائز ہے۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بیری کے درخت کو کاٹا اللہ تعالیٰ اس کا سر جہنم میں جھکا دے گا اور عروہ سے بھی یہ حدیث الفاظ مختلف سے مروی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عروہ خود اپنی زمین سے بیری کے درختوں کو کاٹتے تھے اور جب راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو وہ اس روایت کے مطعون یا منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو پھر اس سے مکہ مکرمہ کے درخت مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مدینہ منورہ کے درخت مراد ہیں کیونکہ وہاں کے درخت لوگوں اور زائرین کے لیے انس اور سائے کا سبب ہیں، اسی وجہ سے عروہ اپنی زمین سے درخت کاٹ دیتے تھے اور ان جگہوں سے درختوں کو نہیں کاٹتے تھے جہاں لوگ درختوں سے انس اور مسافر سایہ حاصل کرتے تھے اور جانور ان کی

---

[1] علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۸ ص ۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۴۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

بچا کر اس سے آرام کرتے تھے۔[1]

بَابُ تَحْلِيلِ الْغَنَائِمِ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ خَاصَّةً

مال غنیمت حلال ہونے کی اس اُمت کے ساتھ خصوصیت

۴۴۴۰ - وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاللَّفْظُ لَهٗ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَحَادِيْثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهٖ لَا يَتْبَعْنِيْ رَجُلٌ قَدْ مَلَكَ بُضْعَ امْرَاَةٍ وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَّبْنِيَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ وَلَا اٰخَرُ قَدْ بَنٰى بُنْيَانًا وَلَمَّا يَرْفَعْ سُقُفَهَا وَلَا اٰخَرُ قَدِ اشْتَرٰى غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ مُنْتَظِرٌ وِلَادَهَا قَالَ فَغَزَا فَاَدْنٰى لِلْقَرْيَةِ حِيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ اَنْتِ مَاْمُوْرَةٌ وَاَنَا مَاْمُوْرٌ اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيَّ شَيْئًا فَحُبِسَتْ عَلَيْهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَ فَجَمَعُوْا مَا غَنِمُوْا فَاَقْبَلَتِ النَّارُ لِتَاْكُلَهٗ فَاَبَتْ اَنْ تَطْعَمَهٗ فَقَالَ فِيْكُمْ غُلُوْلٌ فَلْيُبَايِعْنِيْ مِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء سابقین (علیہم السلام) میں سے ایک نبی نے جہاد کیا، اور اپنی قوم سے کہا کہ جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور اس نے ابھی تک شب زفاف نہ گزاری ہو اور وہ یہ عمل کرنا چاہتا ہو وہ میرے ساتھ نہ جائے، اور نہ وہ شخص جائے جس نے مکان بنایا ہو اور اس نے ابھی تک چھت بلند نہ کی ہو اور نہ وہ شخص جائے جس نے بکریاں اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ دینے کا منتظر ہو، پھر اس نبی (علیہ السلام) نے جہاد کیا اور عصر کی نماز کے وقت یا اس کے قریب وہ ایک دیہات میں پہنچے تو انہوں نے سورج سے کہا تم بھی حکم الٰہی کے ماتحت ہو اور میں بھی حکم الٰہی کے تابع ہوں۔ "اے اللہ اس سورج کو تھوڑی دیر میری خاطر روک دے" پھر سورج روک دیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا کی آپ نے فرمایا پھر انہوں نے مال غنیمت جمع کیا پھر اس مال کو کھانے کے لیے ایک آگ آئی لیکن اس نے مال کو نہ کھایا، اس نبی نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے خیانت کی ہے، سو ہر قبیلہ کا ایک شخص مجھ سے بیعت کرے، پھر سب نے بیعت کی اور ایک شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ نبی نے فرمایا خیانت کرنے والا تمہارے قبیلہ میں سے ہے لہٰذا تمہارا پورا قبیلہ میری بیعت کرے، انہوں نے بیعت کی آپ نے فرمایا پھر دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ پیغمبر کے ہاتھ سے چمٹ گیا، نبی نے فرمایا تمہارے اندر خیانت ہے بالآخر وہ گائے

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۲۱۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ فَبَايَعُوهُ فَلَصِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ فَقَالَ فِيكُمُ الْغُلُولُ فَلْتُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ فَبَايَعَتْهُ قَالَ فَلَصِقَتْ بِيَدِ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ فَقَالَ فِيكُمُ الْغُلُولُ أَنْتُمْ غَلَلْتُمْ قَالَ فَأَخْرَجُوا لَهُ مِثْلَ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ فَوَضَعُوهُ فِي الْمَالِ وَهُوَ بِالصَّعِيدِ فَأَقْبَلَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهُ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا.

کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے، نبی نے فرمایا اس کو مال غنیمت میں اونچی جگہ پر رکھ دو پھر آگ نے آکر اس مال کو کھا لیا (آپ نے فرمایا) ہم سے پہلے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ہمارا ضعف اور عجز دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے لیے ردِ شمس کے واقعات کی تفصیل اور تحقیق

اس باب کی حدیث نمبر ۴۴۲۰ میں انبیاء سابقین میں سے جس نبی علیہ السلام کی دعا سے سورج کے ٹھہرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے متعلق لکھتے ہیں اس سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جیسا کہ امام حاکم نیشاپوری نے کعب احبار سے روایت کیا ہے، اور اس کی اصل ایک حدیث صحیح ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج کو یوشع بن نون کے سوا کسی بشر کے لیے نہیں ٹھہرایا گیا اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک قوم نے حضرت یوشع سے سوال کیا کہ وہ انھیں لوگوں کے پیدا ہونے اور مرنے کے اوقات سے مطلع کر دیں، حضرت یوشع علیہ السلام نے ان کو بارش کے پانی میں دو ستارے دکھا دیے، سو ان میں سے ہر شخص کو یہ علم تھا کہ وہ کب مرے گا اور وہ اسی کیفیت پر قائم رہے یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کے کفر کی بنا پر ان سے جہاد کیا تو ان لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے لڑنے کے لیے ان لوگوں کو بھیجا جن کی موت ابھی نہیں آئی تھی سو اس جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھی تو قتل ہو جاتے تھے اور وہ لوگ قتل نہیں ہوتے تھے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سورج کے ٹھہرانے کی دعا کی اور سورج ٹھہرا دیا گیا اور دن بہت بڑا ہو گیا اور پھر ان پر دن اور رات کا حساب مشتبہ ہو گیا کیونکہ دن اور رات غیر متوازن ہو گئے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے بھی ٹھہرایا گیا تھا اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون کے سوا کسی بشر کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خطیب کی اس روایت کی سند بہت ضعیف ہے اور امام احمد نے جو حضرت ابو ہریرہ سے حضرت یوشع بن نون کے متعلق حدیث روایت کی ہے وہ اس سے اولیٰ ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی وہ ہیں جن سے صحاح میں بھی روایات ہیں، اس لیے صحیح اور معتمد یہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون کے سوا اور کسی شخص کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا، البتہ اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت

موسیٰ کو یہ حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ جا کر حضرت یوسف کا تابوت لائیں ـــــــــــــــــــــــــــــ
تو حضرت موسیٰ اس تابوت کو تلاش کرتے رہے حتیٰ کہ طلوع فجر کا وقت قریب آ گیا اور انھوں نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ طلوع فجر ہوتے ہی اس تابوت کو لے آئیں گے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ وہ طلوع فجر کو مؤخر کر دے حتیٰ کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ سے فارغ ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہو گیا" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کے لیے بھی سورج کو ٹھہرایا گیا تھا پھر حضرت یوشع کے حق میں یہ حصر کس طرح صحیح ہوگا کہ صرف ان کے لیے سورج کو ٹھہرایا گیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے تو فی نفسہٖ سورج کو ٹھہرایا گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طلوع فجر کو مؤخر کیا گیا تھا اور یہ اس حصر کے منافی نہیں ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے لیے بھی سورج کو ٹھہرایا گیا ہے، چنانچہ ثعلبی اور بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کیا تم نے قرآن مجید میں حضرت سلیمان کا قول نہیں پڑھا ردوھا علی (ص ۳۸/۳۳) "ان گھوڑوں کو میرے پاس واپس لاؤ" میں نے کہا مجھ سے کعب نے بیان کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو وہ گھوڑے پیش کیے گئے تھے اور ان کی نماز عصر سے پہلے سورج غروب ہو گیا تھا انھوں نے گھوڑوں کو واپس کرنے کا حکم دیا اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر تلواروں سے وار کر کے ان کو ہلاک کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے چودہ دن ان کی حکومت واپس لے لی کیونکہ انھوں نے گھوڑوں کو قتل کر کے ان پر ظلم کیا تھا، حضرت علی نے فرمایا کعب نے جھوٹ بولا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے دشمن سے جہاد کا ارادہ کیا، ان پر گھوڑے پیش کیے گئے تو وہ ان کے معائنہ میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور عصر کی نماز چلی گئی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان فرشتوں سے کہا جو اللہ کے اذن سے سورج پر موکل ہیں کہ "سورج کو میرے لیے لوٹا دو" ان فرشتوں نے سورج کو لوٹا دیا حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز اپنے وقت میں پڑھ لی، انبیاء علیہم السلام خود کسی پر ظلم کرتے ہیں اور نہ کسی پر ظلم کا حکم دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس اثر کا مدار اس پر ہے کہ "ردوھا علی" میں ھا ضمیر سورج کی طرف لوٹے اور اس کا معنی یہ ہو کہ "سورج کو مجھ پر لوٹا دو" لیکن جو مفسرین صحابہ اور بعد کے بزرگوں کی روایات کے عالم ہیں ان میں سے کسی نے اس ضمیر کو سورج کی طرف نہیں لوٹایا بلکہ گھوڑوں کی طرف لوٹایا ہے اور اس روایت کو اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے لیکن اس کی صحت پر بحث نہیں کی یہ روایت حضرت ابن عباس سے ثابت ہے نہ کسی اور سے۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے رد شمس کا واقعہ ثابت نہیں ہے اور انبیاء سابقین میں سورج کو روکنے کا واقعہ صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے واقع ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کی تلاش میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طلوع فجر کو مؤخر کیا گیا۔
ردوھا کی ضمیر کو شمس کی طرف لوٹا کر حضرت سلیمان کے لیے رد شمس کو ثابت کرنے کا اکثر مفسرین نے بھی رد کیا ہے

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۱-۲۲۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

ہم پہلے قرآن مجید کی اس مکمل آیت کو بیان کرتے ہیں اس کے بعد مفسرین کرام کے دلائل کو پیش کریں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے رد شمس کا واقعہ ثابت نہ ہونے پر دلائل

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اذ عرض علیہ بالعشی الصفنٰت الجیاد ۝ فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ۝ ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق ۝

(ص: ۳۱-۳۳)

جب (حضرت) سلیمان پر پچھلے پہر (عصر کے وقت) نہایت اصیل اور تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا بے شک میں نے صرف اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اس مال سے محبت کی ہے یہاں تک کہ وہ گھوڑے نگاہ سے پردہ میں چھپ گئے (پھر حکم دیا) انہیں میرے پاس واپس لاؤ پھر ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

علامہ رازی لکھتے ہیں جو علماء حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے رد شمس کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ "توارت" اور "ردوھا" کی ضمیر شمس کی طرف راجع ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے: حتیٰ کہ سورج پردہ کی اوٹ میں غروب ہو گیا اور انہوں نے کہا سورج کو لوٹاؤ، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب گھوڑوں میں مشغول ہو گئے تو سورج غروب ہو گیا اور ان کی عصر کی نماز فوت ہو گئی پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سورج کو لوٹانے کا سوال کیا اس لیے ان کا قول "ردوھا" سورج کو لوٹانے کا سوال ہے، میرے نزدیک یہ قول بعید ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

پہلی وجہ قرآن مجید کی اس آیت میں صافنات (گھوڑوں) کا صراحۃً ذکر ہے اور شمس کا ذکر نہیں ہے اور مذکور کو چھوڑ کر غیر مذکور کی طرف ضمیر لوٹانا بعید ہے۔

دوسری وجہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گھوڑوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز قضا ہو گئی تھی تو ان کا یہ کہنا بے معنی ہو گا "انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی" بے شک میں نے صرف اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اس مال سے محبت کی ہے، کیونکہ اس محبت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ نماز کو قضا نہ ہونے دیتے۔

تیسری وجہ اگر حضرت سلیمان گھوڑوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز عصر ترک کر دیتے تو آپ اس فعل پر نادم ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے اور روتے اور گڑگڑاتے نہ کہ اللہ رب العالمین سے بہ جبل عظمت یہ کہتے کہ "سورج مجھ پر لوٹاؤ" اس قسم کا فعل تو کسی عام آدمی سے بھی متصور نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسے اولوالعزم نبی سے اس کا صدور ہو۔

چوتھی وجہ افلاک اور کواکب کو متحرک کرنے پر صرف اللہ عزوجل قادر ہے تو حضرت سلیمان کو واحد کے صیغہ کے ساتھ "ردھا علی" کہنا چاہیے تھا نہ کہ جمع کے صیغہ کے ساتھ "ردوھا علی" کہتے اگر یہ کہا جائے کہ جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے لائے ہیں تو ہم کہیں گے کہ "سورج کو مجھ پر واپس لاؤ" میں تو انتہائی اہانت کا اظہار ہے، اس لفظ سے تعظیم کیسے متصور ہو گی۔

پانچویں وجہ اگر سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ لوٹایا جاتا تو اس کو تمام دنیا والے مشاہدہ کرتے اور اگر ایسا ہوتا تو

اس واقعہ کے نقل کے دواعی بہت کثیر ہوتے اور تواتر کے ساتھ یہ خبر ہم تک پہنچتی اور جب کسی ایک شخص نے بھی یہ خبر نہیں دی تو معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔ [1]

امام رازی کے بیان کردہ ان دلائل سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ردِ شمس کا اثبات انتہائی ضعیف اور رکیک ہے اور ثعلبی اور بغوی نے اس سلسلے میں جو حدیث بیان کی ہے اس کی سند بھی نہایت درجہ کمزور ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ردِ شمس کا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی محدثین نے ردِ شمس کا معجزہ بیان کیا ہے، چنانچہ امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری اور امام احمد بن حسین بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عصر کی نماز قضا ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو سورج لوٹ آیا، حضرت علی نے نماز عصر پڑھی تو پھر سورج غروب ہو گیا۔ [2]

اس حدیث پر امام احمد کی اس روایت سے اعتراض کیا جاتا ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشمس لم تحبس علی بشر الا لیوشع لیالی سار الی بیت المقدس۔ [3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت یوشع کے سوا کسی بشر کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا، جن راتوں میں حضرت یوشع بن نون نے بیت المقدس کی طرف سفر کیا تھا۔

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں سورج کو روکنے کا حصر بیان کیا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو روکا یا ٹھہرایا نہیں گیا تھا بلکہ سورج کو پلٹایا گیا تھا اور سورج کو پلٹانا اور رد کرنا سورج کو روکنے اور ٹھہرانے کی نفی کے منافی نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حصر انبیاء سابقین کے اعتبار سے ہے یعنی انبیاء سابقین میں حضرت یوشع کے سوا اور کسی نبی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ردِ شمس کا ثبوت اس حدیث کے حصر کے منافی نہیں ہے۔

حدیث ردِ شمس پر علامہ ابن جوزی اور شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات کے جوابات !!

علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں، جو لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ردِ شمس کے قائل ہیں وہ اسی طرح حضرت یوشع اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ردِ شمس کے قائل ہیں، جب معراج سے واپسی کے بعد قافلہ میں تاخیر

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۹ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۲-۲۲۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ

کے موقع پر سورج کو روک دیا گیا اور جب یوم خندق کو نماز عصر قضاء ہو گئی اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور سورج کو لوٹایا گیا کیونکہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی دراں حالیکہ آپ کا سر اقدس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا اور حضرت علی نماز نہ پڑھ سکے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! تم نے نماز پڑھ لی؟ انہوں نے کہا نہیں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا اس پر سورج کو لوٹا دے، حضرت اسماء کہتی ہیں میں نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا اور پھر سورج کو غروب کے بعد طلوع ہوتے دیکھا، یہ واقعہ جنگ خیبر میں صہباء کے موقع پر ہوا۔ (علامہ آلوسی کہتے ہیں) اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور قطعیت کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس حدیث کی سند میں ایک راوی احمد بن داؤد ہے امام دارقطنی نے اس کے متعلق کہا کہ یہ متروک الحدیث اور کذاب ہے اور امام ابن حبان نے کہا یہ حدیثیں گھڑتا تھا، علامہ ابن جوزی نے کہا یہ حدیث باطل ہے جس شخص نے اس کے موضوع ہونے کی طرف توجہ نہیں کی اس نے صرف اس کی ظاہر فضیلت کو دیکھا اور یہ نہیں دیکھا کہ اس حدیث کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ سورج غروب ہونے کے بعد نماز قضا ہو گئی اور سورج کے لوٹانے سے وہ ادا نہیں ہو گی۔

شیخ ابن تیمیہ نے روافض کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اس رسالہ میں اس حدیث کی تمام اسانید اور راویوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، امام احمد نے کہا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، امام طبرانی نے معجم کبیر میں اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، اسی طرح شیخ الاسلام ابن العراقی نے شرح التقریب میں اس کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ تھوڑے مختلف ہیں اور ابن مردویہ نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور احمد بن صالح یہ کہتے تھے کہ جو شخص علم بالحدیث حاصل کرنا چاہتا ہو وہ حضرت اسماء کی حدیث سے غافل نہ رہے کیونکہ یہ نبوت کی علامات میں سے ہے، اسی طرح یوم خندق کے موقع پر رد شمس کی حدیث میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ موضوع ہے، علامہ ابن حجر مکی نے اس کی صحت کا دعویٰ کیا ہے اسی طرح شب معراج کے موقع پر سورج کے ٹھہرنے کی بھی انھوں نے صحت کا دعویٰ کیا ہے۔ (علامہ آلوسی کہتے ہیں) میرا گمان یہ ہے کہ قافلہ کی حدیث کی صحت کے متعلق اختلاف ہے اور یہ صراحۃً مردود نہیں ہے، ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی اور آپ نے قوم کو اس کی خبر دی اور قافلہ کی علامات بتائیں تو لوگوں نے پوچھا قافلہ کب آئے گا تو آپ نے فرمایا بدھ کو قافلہ آئے گا اس دن کفار قریش   قافلے   کا انتظار کر رہے تھے، دن چھپنے لگا اور قافلہ نہ آیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو دن کا کچھ وقت بڑھا دیا گیا اور سورج کو ٹھہرا دیا گیا اور سورج کو ٹھہرانا اور بات ہے اور اس کو پلٹانا اور چیز ہے لہٰذا اگر اس موقع پر سورج پلٹایا جاتا تو قریش اس وقت بھی یہی کہتے جو انہوں نے چاند شق ہونے کے موقع پر کہا تھا کہ جادو ہے ان کا ایسا قول منقول نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ زمانہ میں برکت تھی جس کو صوفیاء نشر زمان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اگرچہ اکثر لوگ اس کو نہیں سمجھتے، حضرت یوشع علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی طرح تھا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت یوشع بن نون کے لیے سورج کو ٹھہرا دیا گیا تھا اور یہ قصہ مشہور

ہے اور یہ حدیث سب کے نزدیک صحیح ہے اور رد شمس کے باقی واقعات کے معارض ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو سورج ٹھہرائے یا لوٹائے جانے کے واقعات ہیں ان پر جو حضرت یوشع کی حدیث سے اعتراض ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوشع کی حدیث کی تاویل یہ ہے کہ میرے علاوہ کسی نبی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا ماسوا حضرت یوشع علیہ السلام کے، یا یہ جواب دیا جائے گا کہ متکلم عموم کلام میں داخل نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تو رد شمس ثابت نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ فی نفسہ ممتنع ہے جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور قرآن مجید کی آیت کو رد شمس پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام رازی نے دلائل سے واضح کیا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی نے تحفہ میں لکھا ہے کہ اگر غروب کے بعد سورج لوٹ آئے گا تو وقت بھی لوٹ آئے گا جیسا کہ علامہ ابن العماد نے ذکر کیا ہے، علامہ زرکشی نے اس سے اختلاف کیا ہے لیکن بہترین توجیہ علامہ ابن العماد کی ہے اور وقت کا لوٹ آنا معجزہ کے منافی نہیں ہے، کیونکہ سورج کا لوٹ آنا ہی آپ کا معجزہ ہے اور سورج کے لوٹ آنے سے وقت کا باقی رہنا حکم شرعی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کر کے پڑھی بلکہ سورج کو لوٹایا ہی اس لیے گیا تھا کہ آپ کی یہ نماز ادا ہو جائے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف کے نزدیک وقت کے لوٹ آنے سے نماز ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ مجھے اس وقت مستحضر نہیں ہے البتہ میں نے علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی کی تفسیر میں یہ دیکھا ہے کہ وقت لوٹ آنے سے نماز ادا ہوتی ہے اور وہ فقہاء احناف کے بہت بڑے عالم ہیں، وقت لوٹنے کے بعد نماز ادا ہوتی ہے یا قضا؟ اس میں فقہاء نے بہت بحث کی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ [1]

معجزہ رد شمس کے متعلق مفسرین کی آراء

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

قصہ معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کے واپس لائے جانے کا ذکر ہے، غزوہ خندق کے موقع پر بھی حضور کے لیے وہ واپس لایا گیا، اور حضرت علی کے لیے بھی، جبکہ حضور ان کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہے تھے اور ان کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی، حضور نے سورج کی واپسی کے لیے دعا فرمائی تھی اور وہ پلٹ آیا تھا، لیکن ان روایات سے استدلال اس تفسیر سے بھی زیادہ کمزور ہے جس کی تائید کے لیے انہیں پیش کیا گیا ہے، حضرت علی کے متعلق جو روایات بیان کی جاتی ہے اس کے تمام طرق اور رجال پر بحث کر کے ابن تیمیہ نے اس کو موضوع ثابت کیا ہے اور ابن جوزی کہتے ہیں کہ بلاشک وہ موضوع ہے۔ غزوہ خندق کے موقع پر سورج کی واپسی والی روایت بھی بعض محدثین کے نزدیک ضعیف اور بعض کے نزدیک موضوع ہے۔ [2]

معجزہ رد شمس کو رد کرنے کے لیے سید ابوالاعلیٰ مودودی نے وہی دلائل ذکر کیے ہیں جن کو علامہ آلوسی نقل کر کے اس کا جواب لکھ چکے ہیں، ہم اس مسئلہ کی مکمل وضاحت کے لیے علامہ قرطبی کی رائے نقل کر رہے ہیں:

۱۔ علامہ شہاب الدین السید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۹۲-۱۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۳۲، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، مارچ ۱۹۸۳ء

علامہ قرطبی لکھتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی رد شمس کا واقعہ پیش آیا ہے، امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں دو سندوں کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ کا سر حضرت علی کی گود میں تھا، حضرت علی نے نماز عصر نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ انھوں نے کہا نہیں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: "اے اللہ! یہ تیری اور تیرے رسول کی طاعت میں تھا اس پر سورج لوٹا دے" حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا تھا پھر میں نے دیکھا کہ سورج پہاڑوں اور زمین پر طلوع ہوا، یہ واقعہ خیبر میں مقام صہبا پر پیش آیا، امام طحاوی نے کہا یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان کے راوی ثقہ ہیں۔ [1]

میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی کی توثیق کے بعد علامہ ابن جوزی اور شیخ ابن تیمیہ کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

معجزۂ رد شمس کے متعلق محدثین کی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج کی صبح کو جب کفار قریش کو یہ خبر دی کہ آپ نے ان کا قافلہ دیکھا ہے اور وہ طلوع آفتاب کے ساتھ آ جائے گا پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حتیٰ کہ قافلہ آنے تک سورج ٹھہرا رہا، یہ حدیث منقطع ہے لیکن امام طبرانی کی اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا تو وہ دیر سے غروب ہوا، اس حدیث کی سند حسن ہے اور مسند احمد میں جو روایت ہے کہ حضرت یوشع کے سوا اور کسی کے لیے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اور کسی کے لیے سورج نہیں ٹھہرایا گیا اور اس حدیث میں اس بات کی نفی نہیں ہے کہ حضرت یوشع کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج ٹھہرایا گیا ہو اور امام طحاوی، امام طبرانی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی کے زانو پر سر رکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور حضرت علی کی نماز عصر فوت ہو گئی تو سورج لوٹا دیا گیا حتیٰ کہ حضرت علی نے نماز پڑھ لی اور اس کے بعد سورج غروب ہو گیا اور یہ آپ کا بہت عظیم معجزہ ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دینے میں خطا کی ہے واللہ اعلم۔ البتہ قاضی عیاض نے جو یہ نقل کیا ہے کہ یوم خندق کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا حتیٰ کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی تو اگر یہ ثابت ہو تو پھر یہ آپ کے لیے رد شمس کا تیسرا واقعہ ہے۔ [2]

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قافلہ آنے کی خبر دی تو سورج کو ٹھہرایا گیا، اور قاضی عیاض نے یوم خندق کو بھی رد شمس کا واقعہ نقل کیا ہے اور امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی رد شمس کا واقعہ اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں لکھا ہے کہ احمد بن صالح

[1] علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۱۹۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۲-۲۲۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

کہتے تھے کہ اہل علم کو حضرت اسماء کی اس روایت کے حفظ سے غافل نہیں رہنا چاہیے کیونکہ یہ عظیم علامت نبوت ہے اور یہ حدیث متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن جوزی نے جو اس حدیث پر تنقید کی ہے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔[1]

علامہ ابو عبداللہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں کہ روایت ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو مرتبہ سورج کو ٹھہرا دیا گیا ایک مرتبہ جب یوم خندق کو کفار سے جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے نماز عصر فوت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے سورج کو لوٹا دیا حتی کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی اس واقعہ کو امام طحاوی نے نقل کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں دوسری مرتبہ معراج سے واپسی کے موقع پر جب آپ نے فرمایا تھا کہ سورج نکلنے کے ساتھ قافلہ آ جائے گا۔[2]

علامہ ابن جوزی، شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم وغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ رد شمس کا انکار کیا ہے اور علامہ کاری اور علامہ قرطبی وغیرہ نے اس کو ثابت مانا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی وغیرہ نے ابن تیمیہ اور ابن جوزی کا رد کیا ہے اور یہی حق اور صواب ہے، کیونکہ معجزہ رد شمس خلاف عادت ہے محال عقلی نہیں ہے اور جب کہ یہ معجزہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور محققین نے اس کی سند کو صحیح تسلیم کیا ہے تو اس کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس امت کے لیے مال غنیمت حلال ہونے کی تحقیق

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مال غنیمت کا حلال ہونا اس امت کی خصوصیت ہے، اور اس کی ابتداء غزوہ بدر سے ہوئی اور اسی کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا۔ (الانفال: ۶۹)

جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کو کھاؤ درآں حالیکہ وہ حلال اور طیب ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے اور یہ حدیث صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے۔ نیز امام بخاری نے یہ روایت بیان کی ہے کہ غزوہ بدر سے دو ماہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو لشکر روانہ کیا گیا تھا اس سے جو مال غنیمت حاصل کیا گیا تھا اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کے مال غنیمت کی تقسیم کو مؤخر کر دیا تھا اور غزوہ بدر سے واپسی کے بعد آپ نے غزوہ بدر کے مال غنیمت کے ساتھ اس کو تقسیم کیا تھا۔

اس باب کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پچھلی امتوں میں مسلمان جہاد کرتے تھے اور مال غنیمت کو حاصل کرتے تھے لیکن وہ اس میں تصرف نہیں کرتے تھے اور اس کو ایک جگہ جمع کر کے رکھ دیتے تھے اور ان کے جہاد کی

---

[1] - علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۴۳ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ

[2] - علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اس مال غنیمت کو کھا لیتی تھی اور آگ کا نازل نہ ہونا اس جہاد کی عدم مقبولیت کی علامت تھی، اور عدم مقبولیت کی ایک وجہ اس مال غنیمت میں خیانت کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنا فضل اور احسان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس امت پر مال غنیمت حلال کر دیا، اور اب اگر کوئی شخص مال غنیمت میں خیانت کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر فرماتا ہے اور اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور آسمانی آگ کی وجہ سے اس کی شرمندگی اور رسوائی نہیں ہوتی سو ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثناء ہے۔

مال غنیمت میں قیدی بھی شامل ہوتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگ ان کو بھی کھا جاتی تھی لیکن یہ بات بعید ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آگ بچوں اور جنگ نہ کرنے والی عورتوں کو بھی کھا جاتی، ہو سکتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مستثنیٰ ہوں اور اس عقدہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کے لونڈی اور غلام ہوتے تھے اگر جنگ میں ان کے قیدی نہ ہوتے تو لونڈی اور غلام کیسے ہو سکتے تھے البتہ اس پر یہ اشکال ہے کہ ان کی شریعت میں چور کو بھی غلام بنایا جاتا تھا اس لیے لونڈیوں اور غلاموں کا ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ قیدیوں کو باقی رکھا جاتا ہو۔[1] علامہ عینی نے لکھا ہے کہ سابقہ امتوں میں مال غنیمت کو آگ اس لیے کھا لیتی تھی تا کہ ان کا جہاد مال غنیمت کے لیے نہ ہو بلکہ خالص اللہ کے لیے ہو اور اس امت پر مال غنیمت اس لیے حلال کیا ہے کہ اس امت میں خلوص غالب ہے۔[2]

اس باب کی حدیث کے دیگر فوائد

اس حدیث میں اس کا بھی ثبوت ہے کہ بعض نادانوں کے فعل سے پوری جماعت کو سزا ملتی ہے اور یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعض احکام امر باطن پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے کیونکہ مال غنیمت سے چوری کرنے والے کے خلاف کوئی ظاہری شہادت اور ثبوت نہیں تھا اور کبھی انبیاء علیہم السلام کے احکام ظاہری حجت پر مبنی ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو الحدیث۔ علامہ ابن بطال نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مشرکین کے اموال کو جلانا جائز ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حکم شریعت سابقہ میں تھا اور اس امت کے لیے مال غنیمت حلال ہونے کے حکم سے یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات علامہ ابن بطال پر بھی مخفی نہیں تھی ان کے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جب مال غنیمت کو آگ کھا سکتی ہے تو جب ان کے مال کو حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو اس کو جلانا جائز ہے اور اس کے منسوخ ہونے پر کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ اموال بہ طور تعزیر جلانے میں اس کی تائید ہے۔[3]

علامہ وشتانی ابی مالکی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امور مہمہ ان لوگوں کے سپرد کرنے چاہئیں جو دنیاوی معاملات میں مشغول نہ ہوں اور ان کا دل و دماغ گھریلو ذمہ داریوں اور دوسرے معاملات میں الجھا ہوا نہ ہو۔[4]

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[2] حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۴۴-۴۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[4] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

بَابُ الْأَنْفَالِ

غنیمت کا بیان

۴۴۴۱ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَخَذَ أَبِي مِنَ الْخُمُسِ سَيْفًا فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَبْ لِي هَذَا فَأَبَى فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ.

مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مال خمس میں سے ایک تلوار نکالی اور اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا مجھے یہ تلوار ہبہ کر دیجئے، آپ نے اس سے انکار فرمایا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) آپ سے یہ لوگ انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہیے انفال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

۴۴۴۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَزَلَتْ فِيَّ أَرْبَعُ آيَاتٍ أَصَبْتُ سَيْفًا فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ نَفِّلْنِيهِ فَقَالَ ضَعْهُ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْهُ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ نَفِّلْنِيهِ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ ضَعْهُ فَقَامَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ نَفِّلْنِيهِ أَأُجْعَلُ كَمَنْ لَا غَنَاءَ لَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْهُ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُ قَالَ فَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ.

مصعب بن سعد کے والد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے متعلق چار آیات نازل ہوئیں، ایک مرتبہ میں نے ایک تلوار پائی میں اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ! یہ تلوار مجھے عنایت فرما دیں، آپ نے فرمایا اس کو رکھ دو، پھر جب میں کھڑا ہوا تو آپ نے فرمایا اس کو وہیں رکھ دو جہاں سے اٹھائی تھی، پھر میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تلوار مجھے دے دیجئے، آپ نے فرمایا اس کو رکھ دو، میں نے پھر کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! یہ مجھے دے دیجئے، کیا میں ان لوگوں کی طرح کیا جاؤں گا جن کو اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس تلوار کو وہیں رکھ دو جہاں سے اس کو اٹھایا تھا، پھر یہ آیت نازل ہوئی: یہ لوگ آپ سے انفال کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے انفال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

۴۴۴۳ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَأَنَا فِيهِمْ قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب ایک سریہ (چھوٹا لشکر) بھیجا جس میں میں بھی تھا، انھیں وہاں مال غنیمت میں بہت سے اونٹ ملے، ہر ایک کے حصہ میں بارہ، بارہ یا گیارہ،

إبلا كثيرة فكانت سهمانهم اثني عشر بعيرا أو أحد عشر بعيرا ونفلوا بعيرا بعيرا۔

گیارہ اونٹ آئے اور ایک ایک اونٹ زائد ملا۔

۴۴۲۴ - وحدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا ليث ح وحدثنا محمد بن رمح أخبرنا الليث عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث سرية قبل نجد وفيهم ابن عمر وأن سهمانهم بلغت اثني عشر بعيرا ونفلوا سوى ذلك بعيرا فلم يغيره رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب ایک سریہ روانہ کیا اس میں ابن عمر بھی تھے، اس میں ان کے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ آئے اور اس کے علاوہ ایک اونٹ زائد ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقسیم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا۔

۴۴۲۵ - وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا علي بن مسهر وعبد الرحيم بن سليمان عن عبيد الله ابن عمر عن نافع عن ابن عمر قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم سرية إلى نجد فخرجت فيها فأصبنا إبلا وغنما فبلغت سهماننا اثني عشر بعيرا اثني عشر بعيرا ونفلنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعيرا بعيرا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک سریہ روانہ کیا، میں بھی اس کے ساتھ گیا، وہاں ہم کو بہت سے اونٹ اور بکریاں ملیں، ہمارے حصے میں بارہ بارہ اونٹ آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک ایک اونٹ زائد دیا۔

۴۴۲۶ - وحدثنا زهير بن حرب ومحمد بن المثنى قالا حدثنا يحيى وهو القطان عن عبيد الله بهذا الإسناد۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۴۲۷ - وحدثناه أبو الربيع وأبو كامل قالا حدثنا حماد عن أيوب ح وحدثنا ابن المثنى حدثنا ابن أبي عدي عن ابن عون قال كتبت إلى نافع أسأله عن النفل فكتب

امام مسلم نے اس حدیث کی تین اور سندیں بیان کیں۔

إِلَيَّ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ فِي سَرِيَّةٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى ح وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

٤٣٤٨ - وَحَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُونُسَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَاللَّفْظُ لِسُرَيْجٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَفَّلَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَلًا سِوَى نَصِيبِنَا مِنَ الْخُمُسِ فَأَصَابَنِي شَارِفٌ وَالشَّارِفُ الْمُسِنُّ الْكَبِيرُ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مال غنیمت کے خمس میں سے جو ہمارا حصہ نکلتا تھا، اس کے علاوہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مال عطا فرمایا میرے حصہ میں ایک "شارف" آیا اور شارف بڑی عمر کا اونٹ ہوتا ہے۔

٤٣٤٩ - وَحَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ ح وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ كِلَاهُمَا عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ بَلَغَنِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَفَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً بِنَحْوِ حَدِيثِ ابْنِ رَجَاءٍ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کو مال غنیمت دیا باقی حدیث ابن رجاء کی روایت کی طرح ہے۔

٤٣٥٠ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ ابْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً سِوَى قَسْمِ عَامَّةِ الْجَيْشِ وَالْخُمُسُ فِي ذَلِكَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریہ کے بعض مجاہدین کو مال غنیمت میں سے ان کے حصہ کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ بھی کچھ عنایت فرماتے تھے اور پورے لشکر کے لیے خمس واجب تھا۔

وَاحِبَّ كُلِّمِ۔

اس باب کی احادیث میں نفل اور غنیمت کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے ہم غنیمت اور نفل کی تفصیل اور تحقیق بیان کر رہے ہیں۔

نفل کا لغوی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں: احادیث میں نفل اور انفال کا ذکر بکثرت آیا ہے، اس کا معنی زیادتی ہے، نفلی عبادات کو نوافل اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ فرائض پر زائد ہوتی ہیں حدیث میں ہے لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل "بندہ نوافل کے ساتھ ہمیشہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے" اور تراویح کی حدیث میں ہے لو نفلتنا بقیۃ لیلتنا ھذہ "کاش آپ رات کے باقی حصہ میں ہم کو نفل نماز پڑھاتے" ایک اور حدیث میں ہے:

ان الغنائم کانت محرمۃ علی الامم قبلنا فنفلھا اللہ تعالی ھذہ الامۃ۔ ہم سے پہلی امتوں پر مال غنیمت حرام تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مال غنیمت کی زیادتی عطا فرمائی ہے۔

نَفْل (فا کے سکون کے ساتھ) کا معنی زیادتی ہے اور کبھی نَفَل (فا کی زبر) کا معنی بھی زیادتی ہوتا ہے اور نفل کا معنی مال غنیمت ہے۔ [۱]

نفل کا اصطلاحی معنی

بعض مجاہدین کو مال غنیمت سے بالخصوص کچھ زیادہ مال (بطور عطیہ یا انعام) دینا نفل ہے مثلاً لشکر کا امیر کہے جس نے فلاں چیز کو حاصل کر لیا اس کو اس چیز کا چوتھا حصہ یا تیسرا حصہ ملے گا یا وہ چیز اس کو مل جائے گی یا جس نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس سے چھینا ہوا مال اس کو مل جائے گا یا کسی لشکر سے کہے جو مال تم نے حاصل کیا وہ تمہارا ہے، یہ نفل ہے اس کو نفل اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حصہ مال غنیمت پر زائد ہوتا ہے۔ [۲]

تنفیل میں مذاہب فقہاء

تنفیل کے جواز پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

یایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال (انفال: ۶۵)

اے نبی! ایمان والوں کو (کافروں سے) قتال پر برانگیختہ کیجئے

تمام اموال میں تنفیل جائز ہے خواہ سونا چاندی ہو یا سلب ہو، مقتول کا مال، مثلاً اس کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری بالاتفاق سلب ہیں اور اگر دوسری سواری پر مقتول کا غلام ہو یا دوسری سواری پر اس کے ساتھ اور مال ہو تو فقہاء حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ مال غنیمت ہے، فقہاء مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک سلب حاصل کرنے کے لیے امام کی اجازت ضروری ہے اور فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قاتل مقتول کے مال کو ہر حال میں حاصل کرے گا کیونکہ حدیث میں ہے: امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

۱۔ علامہ مجد الدین ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۵ ص ۹۱، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعات ایران، ۱۳۶۴ھ

۲۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۸ ص ۵۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ

اللہ علیہ وسلم من قتل قتیلا لہ علیہ بینۃ فلہ سلبہ۔ [1]

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی (کافر) کو قتل کیا اور اس کے پاس اس پر شہادت ہو تو اس کا سلب اس کو ملے گا۔

ان دونوں فریقوں میں اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے "جو شخص کسی (کافر) کو قتل کرے اس کو اس کا سلب ملے گا" آیا آپ نے یہ حکم بحیثیت امیر دیا تھا یا یہ آپ نے ایک شرعی حکم بیان کیا ہے؟۔

فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ قاتلوں کو مقتولین کا سلب صرف یوم حنین کو دیا گیا تھا اس لیے بعض مجاہدین کی سلب کے ساتھ خصوصیت امام کے اجتہاد پر موقوف ہے، اور یہ صرف امیر کی سیاست کی جہت سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت امیر کے جو تصرفات کیے ہیں اس قسم کے تصرفات میں ہر زمانہ کے امیر کی اجازت ضروری ہے۔

فقہاء شافعیہ اور حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کو جو بطور انعام دیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شرعی حکم بیان کیا ہے اور بحیثیت امیر یہ حکم نہیں دیا اور ہر وہ حکم جس کو آپ نے بطریق فتویٰ اور تبلیغ بیان کیا ہو اس میں قاتل کی قضاء اسلام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے: "جس شخص نے کسی غیر آباد زمین کو کاشت کیا وہ اس کا مالک ہے" اس میں بھی یہی اختلاف ہے فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک کوئی شخص امیر کی اجازت کے بغیر اس زمین کا مالک نہیں ہوگا اور فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک محض کاشت کرنے سے وہ شخص اس زمین کا مالک ہو جائے گا۔

تنفیل کی شرائط

فقہاء احناف اور مالکیہ کے نزدیک تنفیل اس قتل میں جاری ہوتی ہے جو مباح ہو اس لیے اگر کوئی شخص غیر جنگجو افراد مثلاً بچہ، عورت، مجنون وغیرہ کو قتل کر دے تو وہ نفل کا مستحق نہیں ہوگا۔

تنفیل کے جواز کی یہ شرط ہے کہ مجاہدین کے ہاتھوں میں مال غنیمت پہنچنے سے پہلے ان کو نفل (انعام) دیا جائے اور اگر مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا تو اب صرف خمس سے ان کو انعام دیا جا سکتا ہے۔

تنفیل کا حکم

تنفیل کا حکم یہ ہے کہ قتل کرنے والا مجاہد اس حق یا انعام کے ساتھ خاص کر دیا جاتا ہے اور باقی مجاہدین اس میں شریک نہیں رہتے لیکن امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جب مال دار اسلام میں پہنچ جائے تب اس پر ملکیت مکمل ہوتی ہے اور امام محمد کے نزدیک دار اسلام میں مال پہنچنے سے پہلے بھی ملکیت مکمل ہو جاتی ہے۔ [2]

تنفیل میں فقہاء احناف کا نظریہ

ملک العلماء علاء کاسانی حنفی لکھتے ہیں: تنفیل یہ ہے کہ امام یہ کہے کہ جس شخص یا سریہ نے فلاں چیز کو حاصل کر لیا تو اس کو

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۵، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

اس چیز کا چوتھائی دے دیا جاتا۔ ملے گا یا وہ چیز مل جائے گی یا یہ کہ جس نے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کا سلب اس کو ملے گا، یہ اس لیے جائز ہے کہ قتال پر برانگیختہ کرنے کی تحریص ہے اور یہ شریعت میں مستحب ہے، اللہ عز شانہٗ فرماتا ہے: یاایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال "اے نبی! مسلمانوں کو جنگ پر برانگیختہ کیجئے" البتہ امام کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ جنگ سے حاصل شدہ تمام مال کو بطور انعام (تنفیل) دینے کا اعلان کر دے کیونکہ اس میں دوسرے مجاہدین کا حق متعلق ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی وقت یہ جنگی مصلحت کا تقاضا ہو تو پھر جائز ہے۔

تنفیل کے دو حکم ہیں ایک یہ کہ نفل صاحب نفل کے ساتھ متعلق ہوتا ہے یعنی جس مجاہد کو کسی کارنامہ کی وجہ سے انعام دیا گیا ہے اس انعام میں دوسرے افراد شریک نہیں ہوتے، دوسرا حکم یہ ہے کہ نفل میں خمس واجب نہیں ہوتا کیونکہ خمس اس مال غنیمت میں واجب ہوتا ہے جو تمام مجاہدین میں مشترک ہوتا ہے اور نفل کو امام کسی ایک شخص کے ساتھ متعلق کرتا ہے۔ [1]

فئے کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں فئے کا معنی ہے رجوع اور پلٹنا، اور اصطلاح شرع میں اس کا معنی ہے اموال کفار میں سے جو مال مسلمانوں کو بغیر جنگ اور جہاد کے حاصل ہوا ہو۔ [2]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: فئے وہ مال ہے جو حربیوں سے بغیر جنگ کے حاصل ہو، جو مال صلح سے حاصل ہو جیسے جزیہ اور خراج وہ بھی مال فئے ہے۔ مال فئے میں تصرف کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء ۝ والله على كل شيء قدير ۝ ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتمى والمسكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الاغنياء منكم ۝

(حشر: ۷-۶)

اور جو اموال اللہ تعالیٰ نے ان (کافروں) سے (نکال کر) اپنے رسول پر پلٹا دیے تم نے تو ان پر اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے غلبہ عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو چاہے اس پر قادر ہے، اللہ تعالیٰ نے جو (اموال) ان بستیوں والوں سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہیں تاکہ وہ اموال تمہارے مالداروں کے درمیان گردش کرتے نہ رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فئے عطا فرمائے تھے، اور وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے، آپ ان اموال میں سے اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کا خرچ دیتے تھے اور باقی مال کو جنگی سواریوں کے لیے خرچ کرتے تھے۔ [3]

---

[1] ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۵، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

[2] علامہ مجد الدین ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۳ ص ۴۸۲، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ

[3] ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص ۴۵۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ

فئے کے حکم میں فقہاء احناف کا نظریہ

ملک العلماء علاء الدین کاسانی حنفی لکھتے ہیں: فئے اس مال کو کہتے ہیں جس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے جنگ نہ کی ہو، مثلاً جو اموال مسلمانوں کے امیر کی طرف سفارت کے ذریعے بھیجے جاتے ہیں یا وہ اموال جو اہل حرب سے کسی عہد کی بناء پر لیے جاتے ہوں۔ اس مال سے خمس نہیں لیا جاتا، کیونکہ خمس اس مال سے لیا جاتا ہے جو کفار سے بذریعہ جنگ حاصل کیا گیا ہو۔

مال فئے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات کے ساتھ خاص ہے خواہ آپ اپنے اوپر خرچ کریں یا جن لوگوں پر آپ خرچ کرنا چاہیں ان کے اوپر خرچ کر دیں۔ اسی وجہ سے اموال فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھے کیونکہ ان کے حصول کے لیے صحابہ نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے، کیونکہ روایت ہے کہ جب اہل فدک کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خیبر سے جلاوطن کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاہدہ پر صلح کر لی کہ وہ وہاں کی زمینوں پر کاشت کاری کریں گے اور پیداوار کا نصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے حکام میں یہ فرق ہے کہ یہ اموال فئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کے لیے ہوتے تھے اور بعد کے حکام کے پاس جو اموال فئے آتے ہیں وہ عام مسلمانوں پر خرچ کے لیے ہوتے ہیں، کیونکہ یہ فتوحات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے تھیں جیسا کہ آپ نے فرمایا میری اس چیز سے مدد کی گئی ہے کہ ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب طاری کر دیا گیا ہے۔

مذکور الصدر قاعدہ کی بناء پر یہ متفرع ہے کہ اگر کوئی حربی دار الحرب سے بغیر امان کے دار الاسلام میں داخل ہو جائے اور اس کو کوئی مسلمان پکڑ لے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے حاصل شدہ مال جماعت مسلمین کے لیے ہوگا اور اس کو پکڑنے والے کے ساتھ خاص نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ مال پکڑنے والے کے ساتھ مختص ہوگا۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اس مال کی ملکیت کا سبب اس حربی کو پکڑنے والے کے ساتھ خاص ہے۔ اس لیے اس سے حاصل شدہ مال بھی اسی کے ساتھ خاص ہونا چاہیے اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی ملکیت کے ثبوت کا ایک سبب اس جگہ متحقق ہو گیا جو ملکیت کا مقتضی ہو سکتا ہے اور وہ محل مباح ہے لہٰذا حربی کا یہ مال تمام مسلمانوں کی ملکیت ہوگا، جیسا کہ ایک جماعت مل کر کسی شکار کو پکڑ لے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ حربی دار الاسلام میں داخل ہوا تو اس پر تمام اہل اسلام کا غلبہ ثابت ہو گیا کیونکہ دار اسلام ان سب کے قبضہ میں ہے اور جو چیز دار اسلام میں آ جائے اس پر ان سب کا قبضہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جب تک اموال کفار دار الحرب میں ہوں اس وقت تک ان پر غانمین کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی تاوقتیکہ ان اموال کو دار اسلام میں منتقل نہ کر دیا جائے۔ اس مسئلہ کی تمام تفصیل، تحقیق اور بیان مذاہب باب نمبر ۵۹۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔[1]

مال غنیمت کا لغوی معنی اور شرعی تعریف

غنیمت کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا بغیر محنت اور مشقت کے حاصل ہونا۔ علامہ ابن اثیر الجزری لکھتے ہیں: مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر حربیوں کا جو مال حاصل کیا ہو اس کو مال غنیمت کہتے ہیں۔[2]

---

[1] ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۶، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

[2] علامہ مجد الدین ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۳ ص ۳۸۹، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: اہل حرب کا جو مال جنگ سے حاصل کیا جائے وہ مال غنیمت ہے۔ [1]

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جو سامان اہل حرب کو مغلوب کر کے حاصل کیا جائے وہ سامان ہمارے نزدیک مال غنیمت ہے، اور یہ قہر اور غلبہ صرف قوت جنگ سے متحقق ہوتا ہے، یا تو حقیقۃً قوت جنگ ہو یا حکماً ہو اور وہ امیر کی اجازت ہے، امام شافعی کے نزدیک اہل حرب سے جس طرح بھی مال حاصل کر لیا جائے وہ مال غنیمت ہے، ان کے نزدیک اس میں لشکر کی طاقت اور قوت جنگ کا ہونا شرط نہیں ہے۔ مثلاً ایک جماعت اسلحہ کے ساتھ دار الحرب میں داخل ہوئی اور انہوں نے حربیوں کا مال حاصل کر لیا تو اس مال میں سے مال غنیمت کر اجا (خمس) نکالا جائے گا خواہ وہ امام کی اجازت سے داخل ہوئے ہوں یا امام کی اجازت کے بغیر کیونکہ انہوں نے اسلحہ کے بل پر غالب آ کر مال حاصل کیا ہے اور اسلحہ حقیقۃً فوج کے قائم مقام ہے اور ظاہر الروایہ کے مطابق کم از کم فوج کی تعداد چار ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین اصحاب چار ہیں اور امام ابو یوسف سے نو کی روایت ہے۔ اور اگر کوئی شخص بغیر ہتھیاروں کے امام کی اجازت سے دار الحرب میں داخل ہوا تو اس کا حاصل کیا ہوا مال ظاہر الروایہ کے مطابق مال غنیمت ہوگا۔ کیونکہ امام کی اجازت لشکری طاقت اور فوجی قوت کے قائم مقام ہے، اور اگر کوئی شخص امام کی اجازت اور اسلحہ کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوا تو اس کا حاصل کیا ہوا مال، مال غنیمت نہیں ہوگا کیونکہ اس کے پاس قوت جنگ اور غالب آنے کی طاقت اصلاً نہیں ہے، اس کے پاس اسلحہ ہے نہ اس کو امیر کی اجازت اور تائید و حمایت حاصل ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک یہ مال بھی مال غنیمت ہے، لیکن ہمارا قول صحیح ہے کیونکہ غنیمت کا معنی ہے وہ مال جس کو اہل حرب سے حاصل کیا جائے اور اس مال کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں قرآن مجید کی اشارۃ النص سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ما افآء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب (حشر: ۶)

اور جو مال اللہ تعالیٰ نے ان (کافروں) سے (نکال کر) اپنے رسول پر لوٹا دیے تم نے تو ان پر اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ جب تک مسلمان کسی مال کے حصول کے لیے گھوڑے اور اونٹ نہ دوڑائیں اس وقت تک یہ مال، مال غنیمت نہیں ہوگا، اور اہل حرب کے مال کو گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر حاصل کرنا صرف جنگی اور دفاعی قوت کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور جب دفاعی قوت حقیقۃً ہو نہ حکماً تو پھر کسی مال کو قہر اور غلبہ سے حاصل کرنا ممکن نہیں ہے اور اس کے بغیر حاصل کیا ہوا مال، شکار کی طرح مال مباح ہوگا۔ [2]

مفتوحہ علاقہ کی زمینوں اور ساز و سامان کا حکم

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جب مسلمانوں کا امیر اہل حرب کے کسی ملک پر فتح حاصل کرے تو مفتوحہ علاقہ میں تین چیزیں ہیں ساز و سامان، زمین اور جنگی قیدی۔ ساز و سامان میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالا جائے

---

[1] ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۶ ص ۴۵۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ

[2] ملک العلماء علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۸ - ۱۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۸ھ

گا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں گے اور ان میں امیر کا کوئی اختیار نہیں ہے، اور زمین میں امیر کا اختیار ہے اگر وہ چاہے تو زمین کا خمس نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دے اور چاہے تو ان زمینوں کو خراج کے عوض ان کے مالکوں کے پاس رہنے دے اور زمین کے مالکوں کو ذمی بنا دے (بشرطیکہ وہ اہل ذمہ بھی بن سکیں یعنی وہ اہل کتاب ہوں یا عجم کے مشرکین ہوں) اور ان لوگوں پر شخصی طور پر جزیہ عائد کرے اور ان کی زمینوں سے خراج وصول کرے، یہ ہمارا اور امام شافعی کا مذہب ہے اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ زمین کو خراج پر دینا جائز نہیں ہے بلکہ مجاہدوں پر تقسیم کرنا واجب ہے۔

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اس زمین کو مجاہدین نے غلبہ سے حاصل کیا ہے اور زمین کے مالکوں کو زمین دینے سے مجاہدین کی حق تلفی ہوتی ہے پس جس طرح امیر کو منقولہ سامان پر اختیار نہیں ہے اسی طرح امیر کو مفتوحہ زمینوں پر بھی اختیار نہیں ہے۔ (علامہ کاسانی نے امام مالک کا یہ قول صحیح نقل نہیں کیا۔ صحیح یہ ہے کہ امام مالک کے نزدیک ان اراضی کو مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔)

ہماری دلیل یہ ہے کہ زمین کو خراج کے عوض دینے پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ نے جب سواد عراق (عراق کے دیہات اور بستیاں) کو فتح کیا تو آپ نے ان زمینوں کو ان کے سابقہ مالکوں کی ملک میں رہنے دیا اور ان لوگوں پر جزیہ مقرر کیا اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کیا آپ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں یہ فیصلہ کیا اور کسی صحابی نے اس سے اختلاف نہیں کیا سو اس فیصلہ پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

جنگی قیدیوں کے حکم کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

جنگی قیدیوں کے بارے میں امیر کو تین اختیار ہیں ان میں سے کسی ایک کا اختیار ہے اگر امیر چاہے تو جنگی قیدیوں کو قتل کر دے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کیا تھا نیز ان کو قتل کرنے میں مادہ فساد کو جڑ سے اکھاڑنا ہے، اور اگر امیر چاہے تو ان کو غلام بنا لے کیونکہ اس سے ان کا شر دفع ہو گا اور اہل اسلام کو نفع حاصل ہو گا، اور اگر چاہے تو مشرکین عرب اور مرتدین کے ماسوا کو آزاد رہنے دے اور ان سے جزیہ وصول کرے۔ ان قیدیوں کو واپس دار الحرب میں بھیجنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس اقدام سے کفار کو مسلمانوں کے خلاف قوت حاصل ہو گی، اور اگر قیدی مسلمان ہو جائیں تو پھر ان کو قتل نہ کرے البتہ ان کو غلام بنانا جائز ہے کیونکہ غلامی اسلام کے منافی نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قیدیوں کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے، امام ابویوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ مسلمان قیدیوں کو بطور فدیہ دے کر جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ اس اقدام سے مسلمانوں کو کافروں کی قید سے رہائی دلانا ہے اور یہ کافر کو قتل کرنے اور اس کو غلام بنانے یا جزیہ لینے سے بہتر ہے، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ تبادلہ کی وجہ سے جنگجو کفار دار الحرب میں چلے جائیں گے اور دوبارہ مسلمانوں سے لڑیں گے اور جنگ کے شر کو دفع کرنا مسلمان قیدی کے چھڑانے سے بہتر ہے، نیز جب مسلمان قیدی ان کی قید میں ہو گا تو یہ صرف اس کے حق میں ابتلاء ہے اور دوسرے مسلمانوں کو اس سے خطرہ نہیں ہے اور جنگی قیدیوں کے تبادلہ کے بعد کافر جنگی قیدی دوسرے مسلمانوں کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مال کے بدلہ میں بھی جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز نہیں ہے اور سیر کبیر میں ہے کہ اگر مسلمانوں کو پیسوں کی ضرورت ہو تو پھر مال کے بدلہ میں جنگی

قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے، جس طرح جنگ بدر میں قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تھا، اور اگر کوئی قیدی مسلمان ہو جائے تو پھر اس کا مسلمان قیدی سے تبادلہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، ہاں اگر وہ شخص تبادلہ پر راضی ہو اور اس کے اسلام کو خطرہ نہ ہو تو پھر جائز ہے۔ جنگی قیدیوں پر احسان کر کے ان کو چھوڑ دینا بھی جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں بعض قیدیوں پر احسان کر کے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم "مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" نیز ان کو قید میں رکھنے سے ان کو غلام بنانے کا حق حاصل ہوتا ہے اور کسی منفعت اور عوض کے بغیر اس حق کو ساقط کرنا جائز نہیں ہے اور جو حدیث انہوں نے بیان کی ہے وہ منسوخ ہے۔ [1]

جنگی قیدیوں کو مال یا مسلمان جنگی قیدیوں کے بدلہ میں رہا کرنے کی تحقیق

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں، امام ابوحنیفہ سے ایک روایت تو یہی ہے کہ جنگی قیدیوں کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ جائز نہیں ہے، علامہ قدوری اور صاحب ہدایہ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے جیسا کہ امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا قول ہے، کیونکہ ان سب کے نزدیک عورتوں کے علاوہ جنگی قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں چھوڑنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو چھوڑا ہے، امام ابوحنیفہ سے یہ روایت سیر کبیر میں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی یہی روایت زیادہ ظاہر ہے، امام ابو یوسف یہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے جنگی قیدیوں کا تبادلہ جائز ہے اور تقسیم کے بعد جائز نہیں ہے، امام محمد کے نزدیک تقسیم سے پہلے اور بعد ہر صورت میں یہ تبادلہ جائز ہے۔ [2]

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مسلمان جنگی قیدیوں کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اس لیے ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کی اسی روایت پر عمل کرنا چاہیے اور جنگی قیدیوں کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر لینا چاہیے۔

جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ احسانًا اور احسانًا رہا کرنے کی تحقیق

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ محض احسانًا چھوڑنا جائز نہیں ہے، اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر امیر کے نزدیک اس میں مصلحت ہو تو پھر جائز ہے، امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۲۶۔ ۵۲۷، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[2] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب ط حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق لا فاما منا بعد واما فداء ۔ (محمد : ۴)

سو جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو، حتی کہ جب تم ان کا خوب خون بہا چکو تو ان (جنگی قیدیوں) کو مضبوطی سے باندھو پھر خواہ محض احسان کر کے انہیں چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے کئی قیدیوں کو احساناً چھوڑ دیا ان میں سے ایک قیدی ابوالعاص بن ابی الربیع تھے، چنانچہ امام ابن اسحاق اور امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابوالعاص کو چھڑانے کے لیے فدیہ بھیجا اور اس فدیہ میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو جہیز میں رخصتی کے وقت دیا تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا اگر تم مناسب خیال کرو تو اپنے قیدی کو زینب کی خاطر چھوڑ دو اور زینب کا دیا ہوا فدیہ واپس کر دو، اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ وہ حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیں سو انہوں نے حضرت زینب کو آپ کے پاس روانہ کر دیا، اور ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلب بن حنطب کو بھی بلا عوض احسان کر کے چھوڑ دیا، مطلب بن حنطب کو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا آپ نے اس کو رہا کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص کی کئی بیٹیاں تھیں اور وہ محتاج تھا آپ نے اس کو بھی بلا عوض چھوڑ دیا اس کا نام ابوعزۃ الجمحی تھا آپ نے اس سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت میں کئی اشعار کہے پھر وہ جنگ احد میں مشرکین کے ساتھ گرفتار ہوا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بدبودار (بدر کے قیدیوں) کی رہائی کے لیے سفارش کرتا تو میں ان کو چھوڑ دیتا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۳۰ ، مطبوعہ کراچی) سو اگر جنگی قیدیوں کو چھوڑنا جائز نہ ہوتا تو آپ اس طرح نہ فرماتے، مصنف ہدایہ صاحب ہدایہ نے یہ کہا ہے کہ ان تمام واقعات کا حکم سورۂ توبہ کی آیت اقتلوا المشرکین "مشرکین کو قتل کر دو" سے منسوخ ہے یہ ٹھیک ہے کہ بدر کے یہ واقعات سورۂ توبہ نازل ہونے سے پہلے کے ہیں لیکن مصنف کا یہ جواب اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اقتلوا المشرکین "مشرکین کو قتل کر دو" کا یہ حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا کے لیے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانا بالاجماع جائز ہے اگر ان کو قتل کرنا ضروری ہوتا تو ان کو غلام بنانا جائز نہ ہوتا اس سے واضح ہو گیا کہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے ماسوا میں ہے اور جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر اور بلا معاوضہ احساناً چھوڑنے کے تمام واقعات غیر منسوخ ہیں اسی طرح قرآن مجید کی آیت فاما منا بعد واما فداء "جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو" بھی غیر منسوخ اور محکم ہے۔ [1]

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۳۱ ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

علامہ ابن ہمام نے جو محققانہ بحث کی ہے اس سے واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے عوض میں یا مال کے فدیہ میں رہا کرنا جائز ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کی بھی یہی روایت مختار ہے اور اگر امیر مناسب سمجھے تو جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ احسانا اور امتنانا چھوڑنا بھی جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید کی نص صریح اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

کیا موجودہ دور میں بھی جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے؟

اس بحث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا لازمی اور حتمی حکم نہیں ہے بلکہ امیر کی رائے اور صواب دید پر موقوف ہے اور اس کی اجازت اس لیے دی گئی تھی کہ پہلے دنیا میں عام جنگی چلن یہی تھا کہ فاتح قوم مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا لیتی تھی اس لیے اسلام نے بھی یہ اجازت دی کہ اگر کوئی قوم مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بناتی ہے تو مسلمان بھی اس قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا لیں، کیونکہ:

وجزاء سيئة سيئة مثلها. (الشورٰی: ۴۰) اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے۔

لیکن اب جبکہ دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہو چکی ہے اور کوئی قوم دوسری قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام نہیں بناتی تو اب کسی مفتوح قوم کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لیے اب جنگی قیدیوں کو "فاما منا بعد واما فداء" کے حکم پر عمل کرتے ہوئے فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ کے احسانا اور امتنانا چھوڑ دینا چاہیے اور چونکہ اسلام انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا داعی ہے اور عدل و احسان کا نقیب ہے اور حسن عمل اور کار خیر میں کافروں سے آگے ہے اس لیے یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ جب فریق مخالف جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا روا نہیں رکھتا تو مسلمانوں کے لیے بدرجہ اولیٰ ان کے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں پہلے سے بنائے ہوئے لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق احکام تو بیان کیے گئے ہیں لیکن جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی کہیں ہدایت نہیں دی، اس کے برخلاف ان کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنے کی ہدایت دی ہے اور ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے جنگی چلن کے مطابق جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بھی بنایا تھا لیکن آپ نے بدر کے تمام جنگی قیدیوں کو رہا کر کے حسن عمل کی مثال قائم کی بعض کو فدیہ لے کر رہا کیا اور بعض کو بلا فدیہ رہا کیا اور "فاما منا بعد واما فداء" پر پورا پورا عمل کیا بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا رخصت پر عمل ہے اور انہیں فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کر دینا عزیمت پر عمل ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:

وجزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفا واصلح فاجره على الله. (شورٰی: ۴۰)

اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے، پھر جو شخص معاف کر دے اور (برائی کی) اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ (کرم پر) ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا کر وجزاء سيئة سيئة مثلها پر عمل کیا اور انہیں آزاد کر کے فمن عفا واصلح پر عمل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداءً جنگی قیدیوں کو رہا کرنے سے اختلاف کیا تھا اور بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن بالآخر فکر رسالت ان پر غالب آ گیا اور سواد عراق کے

جنگی قیدیوں کو انھوں نے قتل کیا نہ لونڈی اور غلام بنایا بلکہ ان سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ قرار دیا اور اس واقعہ سے فقہاء اسلام نے یہ استدلال کیا ہے کہ جنگی قیدیوں سے جزیہ لے کر ان کو اہل ذمہ بنانا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

وان شاء ترکھم احرارا ذمۃ للمسلمین لما بیناہ من ان عمر فعل ذٰلک فی اھل السواد۔ [1]

اور اگر مسلمانوں کا امیر چاہے تو جنگی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دے اور انھیں ذمی بنا دے جیسا کہ حضرت عمر نے سواد عراق کے جنگی قیدیوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

علامہ بابرتی نے بھی یہی لکھا ہے۔ [2]

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی لکھتے ہیں: اس میں حضرت عمر کے اس عمل کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے سواد عراق والوں سے کیا تھا، اگر اس پر یہ اعتراض ہو کہ قتل کو ترک کرنے کا اختیار ثابت نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ یہ اختیار اس آیت کے خلاف ہے واقتلوھم حیث وجدتموھم "تم ان کافروں کو جہاں بھی پاؤ قتل کر دو" اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے عموم سے بعض افراد مستثنیٰ ہیں چنانچہ مستامن اہل ذمہ اور عورتوں وغیرہ کو قتل نہیں کیا جاتا لہٰذا استثناء منع نہیں۔ رہے جنگی قیدی تو حضرت عمر کے اس عمل کے سبب اس آیت کے اس عموم سے خارج ہو جائیں گے۔ [3]

ان دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ ابتداء اسلام میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانا اس زمانہ کے مخصوص حالات کی بناء پر معمول تھا لہٰذا بعد میں اس کو ترک کر دیا گیا اور اب جبکہ تمام دنیا میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا طریقہ متروک ہو چکا ہے بلکہ سرے سے غلامی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور انسان کو انسان کا غلام بنانا اب معیوب سمجھا جاتا ہے تو اب جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کے جواز کو اسلام کے ساتھ متعلق کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اسلام نے جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا کہیں حکم نہیں دیا اس کے جواز کو فقہاء نے بعض جزوی واقعات سے مستنبط کیا ہے اور یہ واقعات اخبار آحاد سے ثابت ہیں جو زیادہ سے زیادہ ظنیت کا فائدہ دیتے ہیں اس کے برخلاف جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کرنا قرآن مجید کا حکم قطعی ہے اور بعض جزوی اور ظنی واقعات کی بناء پر قرآن مجید کی نص قطعی کو ترک کر کے اس پر عمل نہ کرنا عقل اور اصول کے خلاف ہے، بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ رہا کیا ہے تو انہی احادیث پر عمل کرنا چاہیے جو قرآن مجید کے صریح حکم کے مطابق ہیں اور جو احادیث اس حکم کے خلاف ہیں ان کی توجیہ ہم بیان کر چکے ہیں اور اب جبکہ جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی وجہ باقی نہیں رہی اس لیے اب اس کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید میں جنگی قیدیوں کے بارے میں صرف ایک ہی حکم ہے اور وہ ہے:

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[2] علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی حنفی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۵ ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[3] علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۲۱۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا ذلک ولو یشاء اللہ لانتصر منھم ولکن لیبلوا بعضکم ببعض۔

(محمد : ۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو (تمہارا پہلا کام) ان کی گردنیں مارنا ہے، حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھو، (اس کے بعد تمہیں اختیار ہے) خواہ محض ان پر احسان کر کے انہیں رہا کرو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کرو، تاآنکہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے، یہی اللہ کا حکم ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی کافروں سے بدلہ لے لیتا لیکن (اس طریقہ کا حکم یہ ہے کہ) وہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائے۔

بدر کے جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے پر اعتراضات کے جوابات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے جنگی قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا تھا اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور بطور عتاب کے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ لولا کتب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔ فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا واتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم۔

(انفال : ۶۷ - ۶۹)

کسی نبی کے شایان شان اس وقت تک قیدی (رکھنا) نہیں ہے جب تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح (کافروں کا) خون نہ بہا دے، (اے مسلمانو!) تم (اپنے لیے) دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے اور اللہ بڑا غالب اور بہت حکمت والا ہے۔ اگر پہلے سے (معافی کا) حکم اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے جو (مال) لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔ سو اب اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے حاصل کیا ہے درآں حالیکہ وہ حلال و طیب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس اعتراض کی وضاحت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے جنگ بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے کی پوری تفصیل بیان کی جائے۔

بدر کے جنگی قیدیوں کی رہائی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: امام احمد اور امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ امام طبرانی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن جب قیدیوں کو لایا گیا (جن میں عباس بھی تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان قیدیوں کے بارے

میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم اور آپ کے خاندان کے لوگ ہیں، ان کو زندہ رہنے دیں، شاید کہ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، آپ کو ہجرت پر مجبور کیا اور آپ سے جنگ کی، آگے بڑھیے اور ان کی گردنیں اڑا دیجئے! حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: یا رسول اللہ! دیکھئے یہ گھنی لکڑیوں کی وادی ہے اس کو آگ لگا دیجئے! عباس نے یہ سن کر کہا: تم نے رحم کے رشتے توڑ دیے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور آپ نے کوئی جواب نہیں دیا، بعض صحابہ نے کہا: آپ نے حضرت ابوبکر کا مشورہ قبول کیا ہے اور بعض نے کہا آپ نے حضرت عمر کی رائے قبول کر لی ہے اور بعض نے کہا آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا قول پسند کیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو نرم کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ دودھ سے زیادہ رقیق ہو جاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو سخت کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا تھا: فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفور رحيم "جو میری پیروی کرے وہ میرے طریقہ پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے" اور تمہاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے فرمایا: ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم "اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب اور حکمت والا ہے" اور اے عمر! تمہاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا: ربنا اطمس على اموالهم واشدد على قلوبهم فلا يؤمنوا حتى يروا العذاب الاليم۔ "اے ہمارے رب! ان کے اموال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تاکہ یہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں" اور اے عمر! تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی طرح ہے جنہوں نے کہا تھا: رب لا تذر على الارض من الكافرين ديارا "اے میرے رب کافروں میں سے زمین پر کوئی بسنے والا نہ چھوڑ" تم لوگ فقیر ہو، ہر کسی شخص کو گردن مارے بغیر یا فدیہ لیے بغیر نہ چھوڑنا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! سہیل بن بیضاء کو چھوڑ دیں کیونکہ میں نے اس کو اسلام کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے اس دن سے زیادہ کبھی اپنے آپ کو خوف زدہ نہیں محسوس کیا، مجھے ڈر تھا کہ اس دن آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سہیل بن بیضاء کے سوا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی رائے پر عمل کرنے کا قصد کیا اور میری رائے پر عمل کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا اور قیدیوں سے فدیہ لے لیا، دوسرے دن میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ آپ اور آپ کے صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی روؤں گا ورنہ آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی کوشش کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اصحاب کے فدیہ لینے کی وجہ سے رو رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک

درخت تھا آپ نے فرمایا اس درخت کے قریب مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا تھا!

ابن جریر نے محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: لولا کتب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔ "اگر پہلے سے معافی کا حکم اللہ کی طرف سے لکھا نہ ہوتا تو تم نے (کافروں سے) جو (فدیہ کا مال) لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا"۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر آسمان سے عذاب نازل ہوتا تو عمر بن الخطاب اور سعد بن معاذ کے سوا (لوگوں میں سے) کوئی عذاب سے نہ بچتا کیونکہ انھوں نے کفار کے خون بہانے کو زیادہ پسند کیا تھا۔ [1]

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ جنگ کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کرنا کوئی ناپسندیدہ امر نہ تھا ورنہ اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا: ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض۔ "کسی نبی کے شایان شان اس وقت تک قیدی بنانا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ زمین پر اچھی طرح کافروں کا خون نہ بہا لے"۔ میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے فرمایا جنگ بدر میں ستر کافروں کا خون بہایا گیا تھا اور ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد باقی ماندہ کو قیدی بنایا گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کو گرفتار کیا تھا، دوسرا یہ کہ قریش میں سے جو نامور قریش کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے، ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج کفار قریش کی اصل طاقت تھے اور ریڑھ کی ہڈی تھے۔ ان لوگوں کے مارے جانے سے کفار قریش کی کمر ٹوٹ چکی تھی، لہٰذا کفار قریش کے نامور سپہ سالار کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو قیدی بنانا قرآن مجید کی اس آیت کے عین مطابق تھا، پھر یہ عمل اس وقت ناپسندیدہ اور اس آیت کے خلاف ہوتا جب جنگ میں کسی کافر کا خون بہائے بغیر کافروں کو گرفتار کر لیا جاتا اور جب ستر کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر کافروں کو گرفتار کیا گیا تو پھر آپ کا یہ عمل ناپسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ (الانفال: ۶۷) "(اے مسلمانو!) تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔"

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن حقیقۃً یہ خطاب ان تمام صحابہ کرام کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا روئے سخن ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے، جنھوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا اور مال دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی خواہش کی تھی، ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مال دنیا کی طمع سے بری ہیں ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو، سو حضرت ابوبکر نے جو فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ آخرت ہی کی بنا پر تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول فرمایا تھا، لہٰذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں ہے۔

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر قیدیوں کو رہا کرنا جائز اور صحیح تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا:

لولا کتب من اللہ سبق لمسکم فیما "اگر پہلے سے (معافی کا حکم) اللہ کی طرف سے

حوالہ جات

[1] علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۱۰ ص ۳۵-۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی

اخذتم عذاب عظیم۔ (انفال: ۸/۶۸)

لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے، کیونکہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے ممانعت نہیں کی گئی تھی پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب کیسے ہو سکتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مال غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب مسلمانوں نے بلا اجازت کافروں کا مال غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی،

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لم تحل الغنائم لاحد سود الرؤس من قبلکم کانت تنزل نار من السماء فتأکلها قال سلیمان الاعمش فمن یقول هذا الا ابو هریرة الآن فلما کان یوم بدر وقعوا فی الغنائم قبل ان تحل لهم فانزل الله لولا کتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم هذا حدیث حسن صحیح۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا، آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی اور مال غنیمت کو کھا لیتی، سلیمان اعمش نے کہا اس بات کو اب ابوہریرہ کے سوا کون بیان کر سکتا ہے اور جب جنگ بدر ہوئی تو مال غنیمت کی حلت کے حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اگر پہلے سے معافی کا حکم اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا (کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے جب تک آپ ان میں ہیں ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا) تو تم نے جو مال لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت کا تعلق فدیہ لینے سے نہیں ہے بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لوٹنے سے ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس سے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت لینے کی عام اجازت دے دی چنانچہ ارشاد ہے:

فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً۔ (انفال: ۶۹)

سو اب اس مال غنیمت کو کھاؤ جو تم نے حاصل کیا ہے درآں حالیکہ وہ حلال، طیب ہے۔

اس تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سورۂ انفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ بلا اجازت مال غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے اور اگر بالفرض ان آیات کا ربط قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے سے ہی جوڑا جائے تو اس ملامت کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں کفار کی بیخ کنی ہی مطلوب تھی، اس وجہ سے کفار کو قتل نہ کرنے اور گرفتار کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو پھر یہ حکم نازل ہوا کہ میدان جنگ میں کافروں کی گردنیں اڑا دو پھر ان کو

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۴۳۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

گرفتار کرو اور گرفتار کرنے کے بعد یا ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا بلا فدیہ رہا کر دو چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

امر بالاثخان و نهى عن اخذ الفدية حيث كان الاسلام غضا وشوكة اعدائه قوية وخير بينه و بين المن بقوله تعالى: فاما منا بعد و اما فداء لما تحولت الحال واستغلظ زرع الاسلام واستقام على سوقه. ۱؎

جب اسلام ایک کمزور شاخ کی مانند تھا اور دشمنان اسلام بہت قوی تھے تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خون بہانے کا حکم دیا اور فدیہ لینے سے منع کیا (فی الواقع اللہ تعالیٰ نے فدیہ لینے سے منع نہیں کیا۔ سعیدی) اور جب مسلمانوں کی حالت سنبھل گئی اور شجر اسلام اپنے تنے پر مضبوطی سے قائم ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیں اور اگر چاہیں تو بغیر فدیہ کے اتماماً احساناً قیدیوں کو رہا کر دیں اور فرمایا فاما منا بعد و اما فداء۔

بدر کے قیدیوں کو آزاد کرنے پر امام رازی اور مصنف کے جوابات

سورۂ انفال کی ان آیات سے جو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح خون بہائے بغیر کفار کو قید کر لیا، اور فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کیا اور ان افعال پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نازل فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے یہ حکم نازل فرما چکا تھا کہ:

فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم كل بنان. (الانفال: ۱۲)

سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔

امام رازی نے ان نکات پر بڑی نفیس بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ: ما کان لنبی ان یکون له اسری۔ ”کافروں کا اچھی طرح خون بہائے بغیر ان کو قید کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں ہے“ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یوم بدر کو صحابہ کرام نے کافروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کیا تھا اور یہ ہی اچھی طرح خون بہانا ہے کیونکہ یہ شرط نہیں ہے کہ تمام لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور قتل کرنے اور خون بہانے کے بعد صحابہ نے کافروں کو قید کیا تھا اور اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کرنا جائز ہے اور جب صحابہ کرام نے ایک جائز کام کیا تھا تو اس آیت سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ انہوں نے یا معاذ اللہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی گناہ یا معصیت کی تھی، خاص طور پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں خود اس فعل کا حکم دے کر اس کے جواز کو مؤکد کر دیا، چنانچہ فرمایا:

فاذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتى اذا اثخنتموهم فشدوا

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو تمہارا پہلا کام ان کی گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح

۱؎ علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۱۰ ص ۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

الوثاق فاما منا بعد واما فداء۔ (محمد: ۴)

ان کو باندھ کر قید کر لو پھر ان کو جکڑ لو پھر اس کے بعد یا تو ان پر احسان کر کے انہیں رہا کر دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

باقی رہا یہ کہ جب یہ ایک جائز کام تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے عتاب کیوں نازل فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین پر اچھی طرح خونریزی کرنے کی کوئی حد اور مقدار نہیں ہے اور اس کا تعین اور انضباط نہیں ہے بلکہ اس سے یہ مقصود ہے کہ اس قدر کثرت سے کافروں کو قتل کیا جائے کہ کفار کے دلوں پر رعب پڑ جائے اور ہیبت چھا جائے تاکہ وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کی جرأت نہ کریں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مدتک کافروں کو قتل کرنا اجتہاد پر موقوف ہے اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گمان فرمایا ہو کہ جس قدر کافروں کو قتل کیا جا چکا ہے اس سے یہ مقدار حاصل ہو گئی ہے اور فی الواقع وہ مقدار حاصل نہ ہوئی ہو تو یہ آپ کی اجتہادی خطا ہے کیونکہ اس معاملہ کے سلسلہ میں کوئی نص نازل نہیں ہوئی تھی اور ہر چند کہ اجتہادی خطا بھی موجب اجر و ثواب ہوتی ہے اور اس پر مؤاخذہ یا ملامت نہیں ہوتی، لیکن مقربین قرب الٰہی کے اس درجہ پر فائز ہوتے ہیں کہ نیک کاموں کی نیکیاں بھی ان کے اس مقام کے حکم میں ہوتی ہیں اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے انداز لطف و محبت بطور تعریض فرمایا: کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اچھی طرح خونریزی کیے بغیر کفار کو قیدی بنائے صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ان کو قیدی بنانا نہیں چاہیے تھا یا تمہارا یہ اقدام غلط تھا بلکہ تعریض اور کنایہ سے کام لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی عظمت اور قرب کی رفعت کو ظاہر فرمایا! کیونکہ ایسے مواقع پر صراحت کو چھوڑ کر انہیں کے لیے تعریض اور کنایہ سے کام لیا جاتا ہے جن کا مرتبہ بلند اور پایہ اونچا ہو!

ایک سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں سرکوبی کے متعلق ہے: فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منہم کل بنان (انفال: ۱۲) "سو کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ!" اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کافروں کو قتل نہیں کیا اور ستر کافروں کو قید کر لیا تو اس حکم کی مخالفت ہوئی، اس کا امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بعینہ کفار کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا، یہ خطاب صحابہ کو تھا اور جب اکثر نے سب کافروں کو قتل کرنے کی بجائے بعض کافروں کو گرفتار کر لیا تو یہ حکم عدولی ان صحابہ سے ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گرفتار کیا تھا نہ گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا اور آپ کو شروع میں اس کا علم ہوا، جب صحابہ نے ان کو گرفتار کر لیا تب آپ کو علم ہوا اگر یہ کہا جائے کہ جب آپ کو علم ہو گیا تھا تو پھر آپ کو چاہیے تھا کہ آپ کافروں کے قتل کا حکم دیتے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم حالت جنگ کا ہے یعنی حالت جنگ میں کفار کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ، یہی وجہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ لیا کہ ان کو قتل کیا جائے یا رہا کیا جائے اگر حالت جنگ کے بعد بھی ان کو قتل کرنے کا حکم ہوتا تو آپ اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ نہ لیتے۔[1]

مصنف کے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ حکم منسوخ کر دیا گیا تھا یا

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

مسلمانوں (صحابہ) کو۔ قرآن مجید کے سیاق و سباق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم فرشتوں کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اذ یوحی ربك الی الملائكة انی معكم فثبتوا الذین اٰمنوا سالقی فی قلوب الذین كفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم كل بنان۔ (انفال: ۱۲)

(اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں کو یہ وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دوں گا سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔

اور جب یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا تو پھر کفار کے قید کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اعتراض ہے نہ صحابہ کرام پر، اس سوال کا دوسرا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ سو تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ یہ نہیں فرمایا کہ تمام کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو، لہٰذا جب صحابہ کرام نے ستر کافروں کو قتل کر دیا تو اس آیت کے حکم پر عمل ہو گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کافروں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور گرفتار کرنے سے منع نہیں کیا تھا اس لیے اگر صحابہ نے بعض کافروں کو گرفتار کر کے قید کر لیا تو اس میں انہوں نے کوئی حکم عدولی اور گناہ نہیں کیا اور جب کہ بعد میں وہ کافر اسلام لے آئے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ محمد میں خود جنگ کے بعد کافروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا یہ اقدام بھی منشاء الٰہی کے مطابق تھا وللہ الحمد علی ذلك۔

مشرکین کو قتل کرنے کے عمومی حکم سے جنگی قیدیوں کو مستثنیٰ کرنے پر دلائل

جنگی قیدیوں کو زندگی

اور غلام بنانے کے سلسلے میں ہم نے جو جنگی قیدیوں کا آزاد کرنے کی تفصیل اور اس پر اعتراضات اور جوابات کو بیان کیا اس سے ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ اسلام میں جنگی قیدیوں کو زندگی اور غلام بنانا حتماً اور لازماً نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا بلا فدیہ آزاد کر دینا ہے اور قرآن مجید کی بھی یہی ہدایت ہے جیسا کہ سورۂ محمد کی آیت "فاما منا بعد واما فداء" سے واضح ہے اور بعض فقہاء کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ آیت، "فاقتلوا المشركین حیث وجدتموهم (توبہ: ۵)" "سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" سے منسوخ ہے کیونکہ مشرکین کو قتل کرنے کا حکم حالت جنگ پر محمول ہے یعنی حالت جنگ میں مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، اگر یہ حکم عام ہوتا یعنی جنگ ہو یا امن ہر حال میں مشرکین کو قتل کر دو تو مستامن اور اہل ذمہ کو بھی قتل کرنا واجب اور ضروری ہوتا، حالانکہ تمام فقہاء نے مستامن اور ذمیوں کو اس آیت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ مستامنوں کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

وان احد من المشركین استجارك فاجره حتی یسمع كلام الله ثم ابلغه مامنه ذلك بانهم قوم لا یعلمون۔ (توبہ: ۶)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر آپ اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو پناہ اور امن حاصل کر کے دارالاسلام

...ں داخل ہوں، اور اہل ذمہ کے استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔

(توبہ: ۲۹)

اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول نے جو حرام کیا ہے اس کو حرام نہیں قرار دیتے اور دین حق کو نہیں اپناتے ان سے اس وقت تک جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر ذمی مسلمانوں کے تابع بن کر رہیں۔

اس آیت سے مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جو جزیہ ادا کریں اور مسلمانوں کی حکومت تسلیم کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے تحت زندگی گزاریں۔

جس طرح مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے قرآن مجید نے مستامنوں اور ذمیوں کو مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح اس حکم سے جنگی قیدیوں کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اور اس استثناء پر یہ آیت دلیل ہے:

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا۔

(محمد: ۴)

سو جب تم کافروں سے مقابلہ کرو تو (ان کی) گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھ لو، اس کے بعد تمہیں اختیار ہے خواہ محض ان پر احسان کر کے ان کو رہا کرو، یا ان سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دو، تا آنکہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اس آیت کی رو سے جنگی قیدی، مشرکین کو قتل کرنے کے عام حکم سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (توبہ: ۵/۹) "سو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو" اور واقتلوھم حیث ثقفتموھم (نساء: ۹۰) "تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو" حرب اور جنگ کی حالت پر محمول ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، اور امام ابن جریر نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کے بدلے میں دو مسلمانوں کا فدیہ لیا، (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۹، مطبوعہ کراچی) نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت میں ایک لشکر جنگ کے لیے گیا، حضرت ابوبکر نے حضرت سلمہ کو ایک مشرک لڑکی بطور باندی انعام میں دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لڑکی حضرت سلمہ سے واپس منگوا لی اور اس کو فدیہ میں دے کر ان مسلمانوں کو چھڑا لیا جو مکہ میں کفار کی قید میں تھے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۹، مطبوعہ نور محمد کراچی) ان حدیثوں میں جنگی قیدیوں کے تبادلہ کی دلیل ہے۔ (سعیدی)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ مشرکین کو بالعموم قتل کرنے کا حکم جنگی قیدیوں کے ما سوا میں ہے کیونکہ ان کو غلام بنانا بھی جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ جنگی قیدی قتل کرنے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں لیکن علامہ ابن ہمام کی مفصل عبارت

لہ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۶ ص ۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی نصوص صریحہ سے یہ واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کو یا تو بطور احسان بغیر کسی عوض کے چھوڑ دینا چاہیے یا مسلمان جنگی قیدیوں سے ان کا تبادلہ کر لینا چاہیے یا مال کے بدلہ میں جنگی قیدیوں کو رہا کر دینا چاہیے۔ اور اب چونکہ دنیا میں جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا رواج نہیں رہا اور وہ وجہ باقی نہیں رہی جس وجہ سے جنگی قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا اس لیے اب جنگی قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ انسان مخدوم کائنات ہے اور انسان کو انسان کا غلام بنانا انسان کے شرف اور اس کی فضیلت کے خلاف ہے اور اب تمام دنیا میں اس فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور انسانیت کے شرف اور اس کی اعلیٰ اقدار کا سب سے بڑا حامی اور علمبردار دین اسلام ہے اس لیے اب اسلام میں اس مکروہ فعل کا جواز نکالنا اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اب جنگی قیدیوں کو غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد رابع کتاب العتاق میں بھی مفصل گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر تمام پہلوؤں سے سمجھنے کے لیے کتاب العتاق کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔

مال غنیمت کی تقسیم

علامہ ابو الحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: امیر لشکر مال غنیمت کو تقسیم کرے گا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے لشکر میں تقسیم کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فان للہ خمسہ "مال غنیمت کا خمس اللہ کے لیے ہے" اور باقی چار حصے لشکر میں تقسیم کرنے کی اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے تھے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے سوار کو دو حصے دیے جائیں اور پیدل کو ایک حصہ دیا جائے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ گھوڑے سوار کو تین حصے دیے جائیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سوار کو تین حصے دیے اور پیدل کو ایک حصہ دیا (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ) اور امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سوار کو دو حصے دیے اور پیدل کو ایک حصہ دیا (حضرت ابن عباس سے یہ روایت نہیں ہے، سنن ابو داؤد میں مجمع بن جاریہ انصاری سے طبرانی میں مقداد بن عمرو سے اور سنن ابن مردویہ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے۔ نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۱۴-۴۱۹۔ سعیدی غفرلہ) کی حدیث متعارض ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یہ ہے کہ للفارس سھمان وللراجل سھم۔ گھوڑے سوار کے دو حصے ہیں اور پیدل کا ایک حصہ ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے گھوڑے سوار کو دو حصے دینے کی بھی روایت ہے اور جب ان کی روایت میں خود بھی تعارض ہے تو ان کی اس روایت پر عمل کیا جائے گا جو دوسرے صحابہ کی روایات کے مطابق ہے۔ [1]

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: غلام، عورت، بچے اور ذمی کو مال غنیمت سے پورا حصہ نہیں دیا جائے گا البتہ ان کو تھوڑا سا حصہ دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں، بچوں اور غلاموں کے لیے مال غنیمت کا حصہ نہیں نکالتے تھے اور ان کو تھوڑا سا مال دیتے تھے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں سے یہودیوں کے خلاف مدد حاصل کرتے تو ان کو مال غنیمت سے کچھ حصہ نہیں دیتے تھے، نیز جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کے اہل نہیں ہیں، اور بچے اور عورتیں

---

[1] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۵۲-۵۵۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

جہاد کرنے سے عاجز ہیں اسی وجہ سے ان پر جہاد فرض بھی نہیں ہے اور غلام مولیٰ کے تابع ہے اس کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں کر سکتا البتہ ان کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے تھوڑا سا مال دیا جائے گا۔ [1]

خمس کی تعریف

خمس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل۔ (الانفال: ۴۱)

اور اے مسلمانو!) جان لو کہ تم مال غنیمت سے جو کچھ حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول، رسول کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کا ذکر افتتاح کلام کے لیے تبرکاً ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حصہ کو خانہ کعبہ اور دیگر جامع مسجدوں میں خرچ کیا جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مال غنیمت سے آپ کا حصہ ساقط ہو گیا، جیسا کہ آپ کے دیگر خصوصی اخراجات ساقط ہو گئے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ خلیفہ پر خرچ کیا جائے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا حصہ وہ تھا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ اعتبار نصرت کے ان پر خرچ کرتے تھے کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر مٹھی بند کر کے فرمایا یہ ہمیشہ میرے ساتھ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں اسی طرح ساتھ رہے ہیں اور آپ کے وصال کے بعد اگر آپ کے قرابت دار اغنیاء ہیں تو غنا کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط ہے اور اگر فقراء ہیں تو پھر ان کا حصہ فقراء میں داخل ہو جائے گا، لہٰذا اب اس آیت میں صرف تین اقسام بچی ہیں، یتامیٰ، مساکین اور مسافرین۔

علامہ ابوالحسن مرغینانی لکھتے ہیں خمس کے تین حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ یتیموں کے لیے ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافروں کے لیے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غریب قرابت دار فقراء میں داخل ہیں اور آپ کے قرابت داروں میں جو غنی ہوں ان کو خمس میں سے حصہ نہیں ملے گا، امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو خمس کا پانچواں حصہ ملے گا اس میں غنی اور فقیر دونوں برابر ہیں، اس کی تقسیم ان میں اس طرح ہوگی کہ مردوں کو عورتوں سے دوگنا ملے گا، قرابت داروں میں بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، ان کے علاوہ (بنو عبد شمس اور بنو نوفل وغیرہ) کو نہیں دیا جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے مال خمس کے تین حصے کیے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور ہمارے لیے ان کی اقتداء کافی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو ہاشم اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لوگوں کے مال کا میل و دھوون ناپسند کیا ہے اور اس کے عوض تم کو خمس کا پانچواں حصہ دیا ہے اور عوض اس کے لیے ہوتا ہے جس کے لیے معوض ہو اور جب معوض یعنی زکوٰۃ بنو ہاشم اور اغنیاء کے لیے ثابت نہیں ہے بلکہ فقراء کے لیے ہے تو اس کا عوض بھی بنو ہاشم اور اغنیاء کے لیے نہیں ہو سکتا، اور اگر یہ اعتراض ہو کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس کا پانچواں حصہ کیوں دیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ان کو یہ حصہ بطور خمس کے نہیں دیا بلکہ بطور نصرت کے دیا تھا۔ [2]

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۵۵، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[2] " " " " " ، ہدایہ اولین ص ۵۵۶، " "

باب۵۸۹ استحقاق القاتل سلب القتيل

مقتول کے سلب پر قاتل کا استحقاق

۴۳۵۱- حدثنا يحيى بن يحيى التميمي أخبرنا هشيم عن يحيى بن سعيد عن عمر بن كثير بن أفلح عن أبي محمد الأنصاري وكان جليسا لأبي قتادة قال قال أبو قتادة واقتص الحديث.

ابو محمد انصاری جو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے انھوں نے کہا کہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور حدیث بیان کی۔

۴۳۵۲- وحدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا ليث عن يحيى بن سعيد عن عمر بن كثير عن أبي محمد مولى أبي قتادة أن أبا قتادة قال وساق الحديث.

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی۔

۴۳۵۳- وحدثنا أبو الطاهر وحرملة واللفظ له أخبرنا عبد الله بن وهب قال سمعت مالك بن أنس يقول حدثني يحيى بن سعيد عن عمر بن كثير بن أفلح عن أبي محمد مولى أبي قتادة عن أبي قتادة قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام حنين فلما التقينا كانت للمسلمين جولة قال فرأيت رجلا من المشركين قد علا رجلا من المسلمين فاستدرت إليه حتى أتيته من ورائه فضربته على حبل عاتقه وأقبل علي فضمني ضمة وجدت منها ريح الموت ثم أدركه الموت فأرسلني فلحقت عمر بن الخطاب فقال ما للناس فقلت أمر الله ثم إن الناس رجعوا وجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال من قتل قتيلا له عليه بينة فله سلبه قال فقمت فقلت من

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئے، جب مقابلہ ہوا تو مسلمانوں نے ایک بار بھاگنے کے بعد پھر حملہ کیا، میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر چھایا ہوا ہے، میں گھوم کر اس کے پیچھے گیا اور اس کے شانہ پر تلوار ماری (جو زرہ کاٹ کر اندر پہنچ گئی) وہ میری طرف مڑا اور مجھ کو پکڑ کر اس طرح دبایا کہ مجھے موت نظر آنے لگی پھر اس کو موت نے آلیا اور اس نے مجھ کو چھوڑ دیا، میں حضرت عمر بن الخطاب کے پاس گیا انھوں نے کہا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا اللہ کا حکم، پھر لوگ پلٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا جس نے کسی شخص کو قتل کیا اور اس پر کوئی گواہ ہو تو اس مقتول سے چھینا ہوا مال اس قاتل کو ملے گا، حضرت ابو قتادہ کہتے ہیں میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا میرا کون گواہ ہے؟ پھر آپ نے اسی طرح فرمایا، میں نے پھر کھڑے ہو کر کہا میرا کون گواہ ہے؟ پھر میں بیٹھ گیا، آپ نے پھر تیسری بار فرمایا، میں پھر کھڑا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو قتادہ کیا بات ہے؟ میں نے آپ سے واقعہ بیان کیا، قوم میں سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! یہ سچ کہہ رہا ہے اس مقتول کا سامان میرے پاس ہے آپ اس کو راضی کر

يَشْهَدُ لِي ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِي ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ الثَّالِثَةَ فَقُمْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ صَدَقَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ سَلَبُ ذٰلِكَ الْقَتِيلِ عِنْدِي فَأَرْضِهِ مِنْ حَقِّهِ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ لَا هَا اللّٰهِ إِذًا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أُسُدِ اللّٰهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَعَنْ رَسُولِهِ فَيُعْطِيكَ سَلَبَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَأَعْطِهِ إِيَّاهُ فَأَعْطَانِي قَالَ فَبِعْتُ الدِّرْعَ فَابْتَعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلِمَةَ فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْإِسْلَامِ وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ كَلَّا لَا يُعْطِيهِ أُضَيْبِعَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَدَعُ أَسَدًا مِنْ أُسُدِ اللّٰهِ وَفِي حَدِيثِ اللَّيْثِ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ۔

دیں کیونکہ یہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: نہیں! خدا کی قسم! ہرگز نہیں! ایک اللہ کا شیر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑے اور وہ اپنا سلب (چھینا ہوا مال) تمہیں دے دے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر نے سچ کہا، تم وہ مال ان کو دے دو، سو اس نے وہ مال مجھے دے دیا میں نے وہ زرہ فروخت کر دی اور اس کی قیمت سے بنو سلمہ کے محلہ میں ایک باغ خرید لیا، یہ وہ سب سے پہلا مال تھا جس کو میں نے اسلام میں حاصل کیا، لیث کی روایت میں ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا یہ نہیں ہو گا کہ حضور قریش کی ایک لومڑی کو یہ مال دیں اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو چھوڑ دیں اور لیث کی روایت میں یہ بھی ہے، یہ پہلا مال تھا جس کو میں نے حاصل کیا۔

۴۳۵۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ أَخْبَرَنَا يُوسُفُ بْنُ الْمَاجِشُونِ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ قَالَ بَيْنَا أَنَا وَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ نَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَشِمَالِي فَإِذَا أَنَا بَيْنَ غُلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ حَدِيثَةٍ أَسْنَانُهُمَا تَمَنَّيْتُ لَوْ كُنْتُ بَيْنَ أَضْلَعَ مِنْهُمَا فَغَمَزَنِي أَحَدُهُمَا فَقَالَ يَا عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن میں صف میں کھڑا ہوا تھا، میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا، کیا دیکھتا ہوں کہ انصار کے دو کم سن لڑکے کھڑے ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ کاش میں طاقتور آدمیوں کے درمیان ہوتا، اتنے میں ان میں سے ایک لڑکے نے مجھے اشارہ کر کے کہا اے چچا کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ پتا چلا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری

قَالَ قُلْتُ نَعَمْ وَمَا حَاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا ابْنَ أَخِي قَالَ أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتّٰى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا قَالَ فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ فَغَمَزَنِي الْآخَرُ فَقَالَ مِثْلَهَا قَالَ فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ نَظَرْتُ إِلٰى أَبِي جَهْلٍ يَزُولُ فِي النَّاسِ فَقُلْتُ أَلَا تَرَيَانِ هٰذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِي تَسْأَلَانِ عَنْهُ قَالَ فَابْتَدَرَاهُ فَضَرَبَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا حَتّٰى قَتَلَاهُ ثُمَّ انْصَرَفَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَاهُ فَقَالَ أَيُّكُمَا قَتَلَهُ فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنَا قَتَلْتُ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا قَالَا لَا فَنَظَرَ فِي السَّيْفَيْنِ فَقَالَ كِلَاكُمَا قَتَلَهُ وَقَضٰى بِسَلَبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ وَالرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ وَمُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ.

۴۳۵۵ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ حِمْيَرَ رَجُلًا مِنَ الْعَدُوِّ فَأَرَادَ سَلَبَهُ فَمَنَعَهُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ وَكَانَ وَالِيًا عَلَيْهِمْ فَأَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ لِخَالِدٍ مَا مَنَعَكَ

جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میں اس سے اس وقت تک جدا نہیں ہوں گا جب تک ہم میں سے وہ نہ مر جائے جس کی موت پہلے مقدر ہو چکی ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں مجھے اس کی باتوں پر تعجب ہوا، پھر دوسرے نے بھی اسی طرح کہا، ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میری ابوجہل پر نظر پڑی جو لوگوں میں گشت کر رہا تھا، میں نے کہا کیا تم دیکھ نہیں رہے، یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے، حضرت عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں یہ سنتے ہی وہ اس پر جھپٹے، اور اپنی تلواروں سے اس پر وار کیا حتیٰ کہ ان دونوں نے اس کو قتل کر دیا، پھر ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے فرمایا: تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ ان میں سے ہر ایک نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم نے اپنی تلوار سے خون پونچھ دیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ نے ان کی تلواروں کی طرف دیکھا اور فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے؟ اور یہ حکم دیا کہ اس کا سلب (چھینا ہوا سامان) معاذ بن عمرو بن جموح کو دیا جائے اور وہ دونوں معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء تھے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ حمیر کے ایک شخص نے دشمنوں کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور اس کے سلب (چھینے ہوئے سامان) کو لینے کا ارادہ کیا، حضرت خالد بن ولید نے اس کو منع کیا کیونکہ وہ اس لشکر کے امیر تھے، حضرت عوف بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر ان کی شکایت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد سے فرمایا تم نے اس کو سلب کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اس سلب کو بہت سمجھا! آپ نے فرمایا وہ سلب اس کو دے دو، پھر حضرت خالد

أَنْ تُعْطِيَهُ سَلَبَهُ قَالَ اسْتَكْثَرْتُهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ ادْفَعْهُ إِلَيْهِ فَمَرَّ خَالِدٌ بِعَوْفٍ فَجَرَّ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قَالَ هَلْ أَنْجَزْتُ لَكَ مَا ذَكَرْتُ لَكَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتُغْضِبَ فَقَالَ لَا تُعْطِهِ يَا خَالِدُ لَا تُعْطِهِ يَا خَالِدُ هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُونَ لِي أُمَرَائِي إِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُهُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتُرْعِيَ إِبِلًا أَوْ غَنَمًا فَرَعَاهَا ثُمَّ تَحَيَّنَ سَقْيَهَا فَأَوْرَدَهَا حَوْضًا فَشَرَعَتْ فِيهِ فَشَرِبَتْ صَفْوَهُ وَتَرَكَتْ كَدْرَهُ فَصَفْوُهُ لَكُمْ وَكَدْرُهُ عَلَيْهِمْ۔

حضرت عوف کے پاس سے گزرے تو انہوں نے حضرت خالد کی چادر کھینچی اور کہا میں نے آپ سے جو کچھ کہا تھا کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ پورا نہیں کرا لیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن لیا، آپ ناراض ہوئے اور فرمایا: اے خالد (اب) اس کو مت دینا! اے خالد اب اس کو مت دینا کیا تم میرے مقرر کردہ امیروں (کی اطاعت) کو چھوڑنے والے ہو؟ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اونٹ اور بکریاں چرانے کے لیے لیں پھر ان کو چرایا پھر ان کو پانی پلانے کا وقت آیا وہ ان کو حوض پر لے گیا، انہوں نے صاف صاف پانی پی لیا اور تلچھٹ چھوڑ دیا تو گویا صاف چیزیں تمہارے لیے ہیں اور تلچھٹ امیروں کے لیے ہیں!۔

۴۴۵۶- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ مَنْ خَرَجَ مَعَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فِي غَزْوَةِ مُؤْتَةَ وَرَافَقَنِي مَدَدِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْحَدِيثِ قَالَ عَوْفٌ فَقُلْتُ يَا خَالِدُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالسَّلَبِ لِلْقَاتِلِ قَالَ بَلَى وَلٰكِنِّي اسْتَكْثَرْتُهُ۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جو لوگ حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ غزوہ موتہ میں گئے تھے ان کے ساتھ میں بھی گیا تھا اور یمن سے ایک مجاہد کمک پہنچی اس کے بعد حسب سابق حدیث بیان کی البتہ اس حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عوف نے کہا: اے خالد! تم کو علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو (مقتول کا) سلب دلایا ہے؟ حضرت خالد نے کہا کیوں نہیں! لیکن میرے خیال میں یہ زیادہ ہے۔

۴۴۵۷- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنِي أَبِي سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرَ فَأَنَاخَهُ ثُمَّ انْتَزَعَ طَلَقًا مِنْ حَقَبِهِ فَقَيَّدَ بِهِ الْجَمَلَ ثُمَّ تَقَدَّمَ يَتَغَدَّى مَعَ الْقَوْمِ وَجَعَلَ يَنْظُرُ وَفِينَا ضَعْفَةٌ وَرِقَّةٌ فِي الظَّهْرِ وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ إِذْ خَرَجَ يَشْتَدُّ فَأَتَى جَمَلَهُ فَأَطْلَقَ قَيْدَهُ ثُمَّ أَنَاخَهُ وَقَعَدَ عَلَيْهِ فَأَثَارَهُ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ عَلَى نَاقَةٍ وَرْقَاءَ قَالَ سَلَمَةُ وَخَرَجْتُ أَشْتَدُّ فَكُنْتُ عِنْدَ وَرِكِ النَّاقَةِ ثُمَّ تَقَدَّمْتُ حَتَّى كُنْتُ عِنْدَ وَرِكِ الْجَمَلِ ثُمَّ تَقَدَّمْتُ حَتَّى أَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَأَنَخْتُهُ فَلَمَّا وَضَعَ رُكْبَتَهُ فِي الْأَرْضِ اخْتَرَطْتُ سَيْفِي فَضَرَبْتُ رَأْسَ الرَّجُلِ فَنَدَرَ ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ أَقُودُهُ عَلَيْهِ رَحْلُهُ وَسِلَاحُهُ فَاسْتَقْبَلَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ قَالُوا ابْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ لَهُ سَلَبُهُ أَجْمَعُ۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قبیلہ ہوازن کے خلاف جہاد کرنے گئے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کا ناشتہ کر رہے تھے، اس اثناء میں سرخ اونٹ پر سوار ایک شخص آیا اس نے اونٹ کو بٹھایا پھر اس نے اپنی کمر سے ایک تسمہ نکال کر اس کے ساتھ اونٹ کو باندھ دیا، اور لوگوں کے ساتھ ناشتہ کرنے لگا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا، ہم میں کچھ لوگ کمزور تھے، کچھ سواریوں سے خالی تھے اور کچھ پیدل تھے اتنے میں وہ تیزی سے دوڑا اور اپنے اونٹ کے پاس آیا اس کا تسمہ کھول کر اس کو بٹھایا اور اس پر سوار ہو گیا، اس نے اونٹ کو دوڑایا اور اونٹ اس کو لے کر دوڑا، ایک شخص نے خاکی رنگ کی اونٹنی پر اس کا تعاقب کیا، سلمہ کہتے ہیں میں بھی اس کے پیچھے دوڑتا ہوا گیا، پہلے میں اونٹنی کی سرین کے پاس تھا پھر میں اور آگے بڑھا حتی کہ اونٹ کی سرین کے پاس پہنچ گیا، پھر میں نے آگے بڑھ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ میں نے اس اونٹ کو بٹھایا، جونہی اس اونٹ نے اپنا گھٹنا زمین پر ٹیکا میں نے تلوار سے آدمی کے سر پر ایک وار کیا وہ آدمی گر پڑا پھر میں اس اونٹ کو مع ہتھیار اور کجاوے سمیت اس اونٹ کو لے آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مجھے سامنے سے آتے ہوئے ملے۔ آپ نے فرمایا اس شخص کو کس نے قتل کیا ہے؟ لوگوں نے کہا سلمہ بن اکوع نے، آپ نے فرمایا اس کا سارا سلب ابن اکوع کا ہے۔

۴۳۵۸۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنِي

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ کے ساتھ جہاد کیا، اس جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہمارا

أَبِي قَالَ غَزَوْنَا فَزَارَةَ وَعَلَيْنَا أَبُو بَكْرٍ أَمَّرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا فَلَمَّا كَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمَاءِ سَاعَةٌ أَمَرَنَا أَبُو بَكْرٍ فَعَرَّسْنَا ثُمَّ شَنَّ الْغَارَةَ فَوَرَدَ الْمَاءَ فَقَتَلَ مَنْ قَتَلَ عَلَيْهِ وَسَبَى وَأَنْظُرُ إِلَى عُنُقٍ مِنَ النَّاسِ فِيهِمُ الذَّرَارِيُّ فَخَشِيتُ أَنْ يَسْبِقُونِي إِلَى الْجَبَلِ فَرَمَيْتُ بِسَهْمٍ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْجَبَلِ فَلَمَّا رَأَوُا السَّهْمَ وَقَفُوا فَجِئْتُ بِهِمْ أَسُوقُهُمْ وَفِيهِمُ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ عَلَيْهَا قَشْعٌ مِنْ أَدَمٍ قَالَ الْقَشْعُ النِّطَعُ مَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا مِنْ أَحْسَنِ الْعَرَبِ فَسُقْتُهُمْ حَتَّى أَتَيْتُ بِهِمْ أَبَا بَكْرٍ فَنَفَّلَنِي أَبُو بَكْرٍ ابْنَتَهَا فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ وَمَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا فَلَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوقِ فَقَالَ يَا سَلَمَةُ هَبْ لِي الْمَرْأَةَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ لَقَدْ أَعْجَبَتْنِي وَمَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا ثُمَّ لَقِيَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَدِ فِي السُّوقِ فَقَالَ لِي يَا سَلَمَةُ هَبْ لِي الْمَرْأَةَ لِلّٰهِ أَبُوكَ فَقُلْتُ هِيَ لَكَ يَا رَسُولَ اللهِ فَوَاللهِ مَا كَشَفْتُ لَهَا ثَوْبًا فَبَعَثَ بِهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ فَفَدَى بِهَا نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا أُسِرُوا بِمَكَّةَ۔

امیر بنایا تھا جب ہمارے اور پانی کے درمیان ایک ... دیر کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں حکم دیا، ہم رات کے آخری حصہ میں اترے پھر ہم پر انہوں نے حملہ کا حکم دیا، اور وہ (ان کے) پانی پر پہنچے اور اس جگہ جس کو قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا، میں کفار کے ایک گروہ کو دیکھ رہا تھا جس میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں مجھے یہ خطرہ ہوا کہ وہ کہیں مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں۔ میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر مارا جب انہوں نے تیر کو دیکھا تو وہ سب ٹھہر گئے، میں ان سب کو گھیر کر لے آیا، ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی جس نے چمڑے کی کھال کا شعار رکھا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین دوشیزہ تھی، میں ان سب کو پکڑ کر حضرت ابو بکر کے پاس لے آیا، حضرت ابو بکر نے وہ لڑکی بطور انعام مجھے دے دی، ہم مدینہ پہنچے ابھی میں نے اس لڑکی کے کپڑے اتارے بھی نہ تھے کہ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بازار میں ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے سلمہ! یہ لڑکی مجھے ہبہ کر دو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے، اور میں نے ابھی تک اس کا لباس نہیں اتارا ہے، اگلے دن میری پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، آپ نے مجھ سے فرمایا: اے سلمہ! یہ لڑکی مجھے ہبہ کر دو، تمہارا باپ بہت اچھا تھا، میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کی ہے، خدا کی قسم! ——— میں نے اس کا لباس ابھی تک نہیں اتارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لڑکی اہل مکہ کو بھیج دی اور اس کے بدلہ میں مکہ کے کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔

غزوہ حنین کا مختصر بیان غزوہ حنین ۸ھ ہجری میں واقع ہوا، حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے یہ مکہ سے تین میل پر واقع ہے۔

فتح مکہ کے بعد بعض قبائل نے اسلام لانے میں پیش قدمی کی تھی لیکن ہوازن اور ثقیف پر فتح مکہ سے الٹا اثر ہوا یہ فنون جنگ کے ماہر اور نہایت جنگجو قبیلے تھے، اسلام کے غلبہ سے انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اب ان کی ریاست اور اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا اس بنا پر ہوازن اور ثقیف کے سرداروں نے مل کر طے کیا کہ مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے معاملات کی چھان بین کے لیے حضرت عبد اللہ ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک وہاں رہ کر حالات کی تحقیق کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کی تیاری کی۔ شوال ۸ھ ہجری میں بارہ ہزار مسلمان فوجیں اس قدر ساز و سامان کے ساتھ بڑھیں کہ بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکل گئے کہ "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے" اس وجہ سے یہ آیات نازل ہوئیں:

لقد نصركم الله في مواطن كثيرة ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين ○ ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المؤمنين وانزل جنودا لم تروها وعذب الذين كفروا وذلك جزاء الكافرين۔

(توبہ: ۲۶-۲۵)

اس سے پہلے بہت سے موقعوں پر اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے اور یوم حنین میں بھی (تم اس کی مدد کا تجربہ کر چکے ہو) جب تم اپنی کثرت تعداد پر مغرور ہو گئے تھے لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور باوجود اپنی وسعت کے زمین تم پر تنگ ہو گئی، اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی "سکینہ" (طمانیت قلب) نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

اس جنگ میں قبیلہ ہوازن کے تیر اندازوں نے مسلمانوں کا منہ پھیر دیا اور لشکر اسلام بڑی حد تک تتر بتر ہو کر پسپا ہوا اس وقت حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مٹھی بھر جانباز تھے جن کے قدم اپنی جگہ پر جمے رہے اور انہی کی ثابت قدمی کا نتیجہ تھا کہ دوبارہ فوج کی ترتیب قائم ہو گئی اور بالآخر فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی ورنہ فتح مکہ سے جو کچھ حاصل ہوا تھا اس سے بہت زیادہ حنین میں کھو دینا پڑتا۔

شکست کے مختلف اسباب تھے مقدمۃ الجیش میں زیادہ تر نو مسلم نوجوان تھے جو جوانی کے نشہ میں نہتے ہی کر چلے آئے تھے۔ فوج میں دو ہزار طلقاء بھی تھے (یعنی ابھی اسلام نہیں لائے تھے) دوسری طرف ہوازن تیر اندازی کے اندر تمام عرب میں مشہور تھے، میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا، کفار نے میدان جنگ میں پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، اور پہاڑوں کی گھاٹیوں، کمین گاہوں اور خندقوں میں جگہ جگہ اپنے تیر انداز دستے بٹھا دیے تھے، اسلامی فوج نے منہ اندھیرے حملہ کیا تھا، میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں نہیں جم پاتے تھے، مسلمانوں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں نکل آئیں اور کمین گاہوں سے تیروں کی بارش ہونے لگی، مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، تیروں کا مینہ برس رہا تھا بارہ ہزار فوج تتر بتر ہو گئی تھی لیکن ایک پیکر ثبات

تھا جو تیر و تفنگ کے اس طوفان میں چٹان کی طرح ڈٹا ہوا تھا فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسك "اے آپ اللہ کی راہ میں جنگ کیجئے آپ اپنی ذات کے سوا اور کسی کے جواب دہ نہیں ہیں" (نساء: ۸۴) کی شان کا نزول ہو رہا تھا، اس وقت آپ کی ذات تنہا ایک فوج تھی، ایک اقلیم تھی بلکہ مجموعۂ کائنات تھی، آپ بار بار یہ فرماتے تھے: انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب - "میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔"

آپ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، حضرت عباس نے پکارا یا معشر الانصار یا اصحاب الشجرۃ، یہ پر اثر آواز کانوں میں گیا پڑی کہ تمام فوج ایک دم پلٹ پڑی اور دفعۃً جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، کفار بھاگ نکلے اور جو باقی بچے وہ گرفتار ہو گئے، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا سالار بھی مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔

اس حدیث (۴۴۵۲) میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اسی غزوہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ جب اس جنگ میں لوگ بھاگ نکلے تو میں نے دیکھا کہ ایک کافر ایک مسلمان کے سینہ پر چڑھا ہے، میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی، اس نے پلٹ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا: "جس شخص نے کسی کو قتل کیا تو اس کا سلب (چھینا ہوا سامان) اس کو ملے گا بشرطیکہ اس کے پاس گواہ ہو" تو مجھ کو اس شخص کا سلب لینے کا خیال آیا لیکن میں نے کہا، میرا گواہ کون ہے؟ ــــ الحدیث

سلب کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں: سلب مقتول کے معنی میں ہے یعنی مسلوب، یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کو جنگ میں ایک شخص دوسرے شخص کے پاس سے چھین کر حاصل کرتا ہے، یہ چیزیں یا اس کا لباس، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری ہے۔ ہر وہ چیز جو کسی انسان کے پاس ہو وہ سلب ہے اور انسان مال غنیمت میں سے جو چیز چھین کر حاصل کرتا ہے وہ بھی سلب ہے، حدیث میں ہے من قتل قتیلا فلہ سلبہ "جو شخص کسی کو قتل کرے وہ اس کے سلب کا حقدار ہے" اس کی جمع اسلاب ہے۔ [1]

سلب کی تفسیر میں مذاہب فقہاء

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں: سلب کی تفسیر میں اختلاف ہے اوزاعی اور ابن حبیب کہتے ہیں کہ گھوڑا اور اس کی زین سلب میں داخل ہے خواہ زین میں سونا، چاندی اور جواہرات ہوں، اور مقتول کے اوپر جو لباس، ہتھیار اور زیورات ہوں، اور اس کا گھوڑا اور پٹکا اور کنگن اور انگوٹھی اور طوق اور تاج وغیرہ یہ سب سلب ہیں، امام شافعی کا بھی ایسا ہی قول ہے البتہ کنگن اور جو زیورات جنگ میں نہیں پہنے جاتے ان میں امام شافعی کو تردد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا گھوڑا اور ہتھیار سلب ہیں، یہی امام مالک کا مذہب ہے۔ امام سحنون مالکی نے امام شافعی کی طرح کہا ہے کہ گھوڑا، ہتھیار اور زیورات والے ہتھیار سلب ہیں، امام احمد کمر کے پٹکے (منطق و الزام) میں داخل کرتے ہیں اور تلواروں میں اکثر نے توقف کیا ہے، اور یہ قول شاذ ہے، اور ابن حبیب نے کہا ہے کہ اگر منطقہ میں سونا اور چاندی ہو تو وہ سلب ہے۔ دشمن کے لشکر میں مقتول کے جو اموال پائے جائیں ان کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں۔ [2]

---

[1] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱ ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبعہ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۴۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: جمہور کے نزدیک قتل کرنے والے کے پاس جو گھوڑا وغیرہ پایا جائے وہ سلب ہے امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس میں سواری داخل نہیں ہے اور امام شافعی سے ایک روایت ہے کہ یہ آلات جنگ کے ساتھ مخصوص ہے۔ [1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

مقتول جو چیزیں پہنے ہوئے ہو وہ سب سلب ہے۔ مثلاً کپڑے، عمامہ، ٹوپی، منطقہ، زرہ، خود، تاج، کنگن اور موزے وغیرہ اور ان چیزوں میں جو زیورات ہوں وہ بھی سلب ہیں، کیونکہ سلب سے جو لباس کا معنی سمجھ میں آتا ہے، اسی طرح تلوار، نیزہ اور چھری وغیرہ بھی سلب ہیں، کیونکہ ان سے جنگ میں مدد حاصل کی جاتی ہے اس لیے یہ سلب میں بطریق اولیٰ داخل ہیں، اسی طرح سواری سے بھی جنگ میں مدد حاصل ہوتی ہے اس لیے وہ بھی سلب میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سواری والا مجاہد مال غنیمت سے زیادہ حصے کا حقدار ہوتا ہے۔ اس لیے سواری کا ہتھیاروں سے زیادہ جنگ میں دخل ہے البتہ جو مال مقتول کے تھیلے میں ہو وہ سلب نہیں ہے کیونکہ وہ ملبوس میں شامل ہے نہ اس سے لڑنے میں مدد ملتی ہے، اسی طرح اس کا کجاوہ اور اس کا سامان اور جو مال اس کی ملکیت میں نہیں ہے وہ سلب نہیں ہے امام اوزاعی، مکحول اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے لیکن امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جن چیزوں کی جنگ میں ضرورت نہیں پڑتی وہ سلب نہیں ہیں جیسا کہ تاج، کنگن اور طوق وغیرہ اور ہمیان بھی جس میں خرچ کے لیے مال ہو۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے مرزبان سے مبارزت کی (یعنی اس کو مقابلہ) اور اس کو قتل کر دیا، اس کے کنگن اور منطقہ کی قیمت تیس ہزار تھی اور حضرت عمر نے وہ کنگن اور منطقہ حضرت براء کو دے دیے اور حضرت عمرو بن معدی کرب نے ایک شخص پر حملہ کیا اور اس کی پیٹھ میں نیزہ مار کر اس کو گرا دیا پھر اتر کر اس کے ہاتھ کاٹ دیے اور اس کے کنگن اتار لیے اور اس کی تلوار اور منطقہ بھی اتار کر لے گئیں، نیز یہ چیزیں جو مقتول نے پہنی ہوئی ہوتی ہیں اس لیے یہ چیزیں ملبوس میں شامل ہیں اور لفظ سلب کے عموم میں داخل ہیں، سواری کے متعلق امام احمد سے مختلف روایات ہیں ایک روایت یہ ہے کہ یہ سلب میں داخل نہیں ہے اور عمرو بن معدی کرب کی حدیث میں کنگن اور منطقہ لینے کا ذکر ہے اور سواری کے لینے کا ذکر نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عوف بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے غزوہ موتہ میں ایک رومی گھوڑے سوار کو قتل کر دیا اور حضرت خالد بن ولید نے اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں کو سلب میں دے دیا، اور بشر بن علقمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بھی گھوڑے کو سلب میں لیا تھا اور امام احمد کا اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ گھوڑے سے بھی جنگ میں مدد حاصل کی جاتی ہے اس لیے وہ ہتھیاروں کے مشابہ ہے اور جب سواری کا سلب ہونا ثابت ہو گیا تو سواری پر جو زین اور لگام ہے وہ بھی سلب ہے اور زین میں جو زیورات ہوں وہ بھی سلب ہیں اور سواری کے باقی آلات بھی سلب ہیں۔ سواری سلب اس وقت ہوگی جب مقتول اس پر سوار ہو اور جو سواری اس کے گھر میں ہو یا کسی اور کے پاس ہو وہ سلب نہیں ہے اسی طرح ہتھیاروں کا حکم ہے۔ [2]

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[2] علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی مع الشرح ج ۱۰ ص ۴۲۳-۴۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ

علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: مقتول کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور اس کی سواری سلب ہے، اسی طرح اس کی سواری پر جو زین اور دیگر آلات ہوں وہ بھی سلب ہیں، اسی طرح اس کی سواری میں جو مال ہو یا اس کی ہمیانی (کمر سے بندھی ہوئی تھیلی) میں جو مال ہو وہ بھی سلب ہے، اور ان کے علاوہ جو چیز ہو وہ سلب نہیں ہے، اسی طرح اگر دوسری سواری پر اس کا غلام ہو تو وہ بھی سلب نہیں ہے۔ [1]

سلب کے احکام اور شرائط میں فقہاء کے نظریات

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اس میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ قاتل مقتول کے سلب کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ جو شخص کسی کو قتل کرے گا اس مقتول کا سلب قاتل کو ملے گا۔ (دیکھئے بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد)

سلب ہر قاتل کے لیے ہے خواہ وہ مال غنیمت میں سے حصہ کا مستحق ہو یا معمولی چیز کا۔ جس شخص کو مال غنیمت سے حصہ نہیں ملتا اس کے متعلق امام شافعی کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ سلب کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ مال غنیمت کا حصہ زیادہ مؤکد ہے اور جب وہ اس کو نہیں ملے گا تو وہ سلب کا بطریق اولیٰ مستحق نہیں ہوگا کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غلام جب اپنے مولیٰ کی اجازت سے مبارزت کرے اور کسی کو قتل کر دے تو وہ سلب کا مستحق نہیں ہے البتہ اس کو معمولی چیز دی جائے گی، اور غلام، عورت، بچے اور مشرک مال غنیمت سے حصہ کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ ان کو معمولی کوئی چیز دی جاتی ہے اس لیے وہ سلب کے بھی مستحق نہیں ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ احادیث میں بالعموم حکم ہے جس نے کسی کو قتل کیا وہ سلب کا مستحق ہے نیز اس لیے کہ لشکر کا امام امیر اگر کسی ایسے کام پر جس میں مسلمانوں کا نفع ہو کسی شخص کے لیے انعام مقرر کرے تو وہ اس انعام کا مستحق ہوتا ہے تو کسی شخص کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انعام مقرر کریں وہ بطریق اولیٰ اس انعام کا مستحق ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: سلب کے استحقاق کی چار شرطیں ہیں:

(١)۔ مقتول ان لڑنے والوں میں سے ہو جن کا قتل کرنا جائز ہے، اگر کسی شخص نے عورت، بچے، شیخ فانی یا ضعیف کمزور شخص کو قتل کر دیا اسی طرح جو لوگ جنگ نہیں کرتے ان کو قتل کر دے سلب کا مستحق نہیں ہوگا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، ہاں اگر ان میں سے کوئی جنگ کر رہا ہو تو پھر اس کو قتل کرنے سے سلب کا مستحق ہوگا۔

(٢)۔ اگر ایک شخص نے مقتول کے اعضاء کاٹ کر اس کو بے بس کر دیا اور دوسرے شخص نے اس کو قتل کر دیا تو سلب کا مستحق اعضاء کاٹنے والا ہے کیونکہ اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ کرنے والا وہی ہے، حضرت معاذ بن عمرو بن جموح نے تلوار مار کر ابوجہل کو گرا دیا اور حضرت ابن مسعود نے اس کا سر کاٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سلب کا فیصلہ حضرت معاذ کے لیے کیا اور حضرت ابن مسعود کو اس کی سلب سے کچھ نہیں دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ٥٩٣ھ، ہدایہ اولین ص ٥٥٩، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۳)۔ اگر ایک شخص کسی کو زخمی کر دے اور اس کا بھی طرح خون بہا دے تو زخمی ہی کا مقتول ہے، امام احمد کہتے ہیں کہ سلب صرف قاتل کے لیے ہے اگر کوئی شخص کسی کو قید کر لے تو وہ اس کی سلب کا مستحق نہیں ہوگا خواہ اس کو امام قتل کرے یا آزاد کرے، کیونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں نے کافروں کو قید کر لیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں میں سے عقبہ اور نضر بن حارث کو قتل کر دیا اور قید کرنے والوں کو ان کی سلب نہیں دی۔

(۴)۔ قتل کرنے والا اس قتل میں مستقل اور منفرد ہو اگر اس نے مسلمانوں کی صفوں میں سے کسی کو تیر مارا اور وہ مر گیا تو سلب کا مستحق نہیں ہے، امام احمد نے کہا ہے کہ قاتل کے لیے سلب اس وقت ہوگی جب وہ مبارزت (مقابلہ) کرے، اسی طرح اگر مسلمانوں کی ایک جماعت نے مل کر کسی کو قتل کیا تو وہ بھی اس کی سلب کے مستحق نہیں ہوں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: سلب میں سے خمس نہیں لیا جائے گا، حضرت سعد بن ابی وقاص، ابن منذر اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس میں سے خمس لیا جائے گا امام اوزاعی اور مکحول کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ (الانفال: ۴۱) "اور جو کچھ تم نے مال غنیمت میں سے جو کچھ حاصل کیا ہے اس میں سے اللہ کے لیے پانچواں حصہ ہے" ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عوف بن مالک اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کے لیے سلب کا فیصلہ کیا اور اس میں سے خمس نہیں نکالا۔ (سنن ابوداؤد) اور حضرت عمر کا قول بھی ہماری دلیل ہے انھوں نے فرمایا "ہم سلب میں سے خمس نہیں نکالتے تھے" ابن سیرین نے روایت کیا ہے کہ براء بن مالک نے بحرین میں مرزبان سے مبارزت کی اور نیزہ مار کر اس کو قتل کر دیا اور اس کے کنگن اور کمربند لے لیے جب حضرت عمر تک یہ خبر پہنچی تو انھوں نے فرمایا ہم پہلے سلب میں سے خمس نہیں نکالتے تھے لیکن براء کی سلب مال کثیر تک پہنچتی ہے لہٰذا میں اس میں سے خمس نکالوں گا، اسلام میں سب سے پہلے براء کی سلب سے خمس نکالا گیا اور براء کی سلب تیس ہزار تک پہنچتی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے دور خلافت اور حضرت عمر کے ابتدائی ایام میں یہ معمول تھا کہ سلب میں سے خمس نہیں نکالا جاتا تھا اور آپ کی اتباع اولیٰ ہے، جوزجانی نے کہا جس چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے کوئی ہدایت آچکی ہے اس چیز میں آپ کی ہدایت کے سوا اور کسی کی اتباع جائز نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی بناء پر قرآن مجید کی آیت (الانفال: ۸/۴۱) کے عموم میں تخصیص کی جائے گی کیونکہ آپ قرآن مجید کے شارح ہیں اور قرآن مجید کی مراد کو آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں، امام نے سلب لینے کے لیے کہا ہو یا نہیں ہر حال میں قاتل سلب کا مستحق ہوگا۔ امام اوزاعی، لیث، امام شافعی، اسحاق، ابوعبید اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ قاتل سلب کا اس وقت مستحق ہوگا جب امام یا امیر لشکر قاتل کے لیے سلب کی شرط لگائے گا، امام مالک نے کہا ہے کہ امیر لشکر کہے گا تو قاتل سلب کا مستحق ہوگا، امام احمد سے بھی ایک قول ان کے قول کی طرح منقول ہے کیونکہ امام مسلم اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عوف بن مالک نے ایک کافر کو قتل کر دیا حضرت خالد نے اس کی سلب زیادہ جان کر وہ حضرت عوف کو نہیں دی، جب حضرت عوف نے اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو پہلے آپ نے حضرت عوف کے حق میں فیصلہ کیا لیکن جب حضرت عوف نے اس فیصلہ کی وجہ سے حضرت خالد کی

تخفیف کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے خالد! اس کو سلب مت دو" نیز حضرت عمر نے حضرت براء کی سلب سے خمس لے لیا اگر سلب مال کا حق ہوتا تو وہ اس سے خمس نہ لیتے!

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من قتل قتیلا فله سلبه "جس شخص نے کسی کو قتل کیا اس کی سلب کا وہی حقدار ہے" یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور فیصلہ ہے جس پر خلفائے راشدین نے عمل کیا ہے، حضرت عمر کا یہ کہنا کہ "ہم سلب میں سے خمس نہیں لیتے تھے" اس پر دلیل ہے کہ یہ حکم ہر قاتل کے لیے عام اور مستحب ہے اور اس پر ہر غزوہ میں عمل ہوتا رہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عوف کو جو سلب نہیں دی تھی وہ اس کی سزا تھی کہ انہوں نے حضرت خالد کی تخفیف کی تھی اور امام احمد کے نزدیک ترجیح یہ ہے کہ سلب لینے کے لیے امام کی اجازت حاصل کرنا مستحب ہے۔ [1]

سلب کے حکم میں فقہاء احناف کے نظریات اور دلائل

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ سلب لشکر کے مال غنیمت سے ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو مال غنیمت کا ہے (یعنی اس سے خمس نکالا جائے گا) البتہ اگر امام نے یہ کہہ دیا کہ "جس شخص نے کسی کو قتل کیا تو اس کی سلب اس کو ملے گی" اس صورت میں سلب کا صرف قاتل مستحق ہوگا (اور اس سے خمس نہیں نکالا جائے گا)۔ [2]

علامہ ابو الحسن المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: جب سلب قاتل کو نہیں دی جائے گی تو اس کا شمار مال غنیمت سے ہوگا، اس میں قاتل اور غیر قاتل دونوں برابر ہیں، امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ جب قاتل غنیمت لینے کا اہل ہو تو صرف وہی سلب لینے کا مستحق ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من قتل قتیلا فله سلبه "جس نے کسی شخص کو قتل کیا تو اس کے لیے مقتول کی سلب ہے" اور بظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شرعی حکم بیان کیا ہے کیونکہ آپ شرعی احکام بیان کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور قاتل نے اس کو قتل کرنے میں زیادہ مشقت اٹھائی ہے اس لیے وہ اس کی سلب کے ساتھ مختص ہوگا تاکہ اس میں اور دوسروں میں فرق واضح ہو۔

علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: "قاتل نے مقتول کو لشکر کی قوت سے قتل کیا ہے اس لیے اس سے چھینا ہوا سلب مال غنیمت میں شمار ہوگا اور مال غنیمت کی طرح اس کی تقسیم کی جائے گی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیب بن ابی مسلمہ (مسلمہ سعیدی غفرلہ) سے فرمایا لیس لك من سلب قتيلك الا ما طابت به نفس امامك "مقتول کی سلب سے تم کو وہی چیز ملے گی جس کو امام تمہیں خوشی سے دے گا" اور امام شافعی نے جو حدیث بیان کی ہے "جس شخص نے کسی کو قتل کیا تو اس کے لیے مقتول کی سلب ہے" اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرعی حکم بیان کیا ہو جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مذہب ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بطور نفل اور انعام کے فرمایا ہو اور ہم اس کو حبیب بن ابی مسلمہ کی روایت کی بناء پر نفل اور انعام پر محمول

---

[1] علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ، المغنی مع الشرح الکبیر ج ١٠ ص ٤٢٠-٤٢١، مطبوعہ دار الفکر بیروت ١٤٠٤ھ

[2] علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ، عمدۃ القاری ج ١٥ ص ٦٥، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ١٣٤٨ھ

کرتے ہیں اور کسی کی زیادہ مشقت اس کے لیے زیادہ غنیمت کا مستحق نہیں ہے۔ [1]

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: علامہ مرغینانی نے جو حبیب بن ابی سلمہ کی روایت سے استدلال کیا ہے یہ بہت خوب ہے بشرطیکہ یہ حدیث صحیح یا حسن ہو لیکن اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط اور معجم کبیر میں روایت کیا ہے کہ حبیب بن مسلمہ کو یہ خبر پہنچی کہ قبرص کا امیر آذر بائیجان کے راستہ سے جا رہا ہے اور اس کے ساتھ زمرد، یاقوت اور موتی وغیرہ ہیں، انہوں نے جا کر اس پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا اور اس کا تمام مال لے آئے حضرت ابو عبیدہ نے اس مال سے خمس نکالنا چاہا تو حبیب بن مسلمہ نے کہا، اللہ تعالیٰ نے جو مجھے مال دیا ہے تم مجھ کو اس سے محروم نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کو قاتل کا حق قرار دیا ہے، اس پر حضرت معاذ نے کہا اے حبیب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے، انسان کا حق اسی چیز پر ہے جو اس کا امام اس کو خوشی سے دے؛ اس حدیث عمرو بن واقد کی وجہ سے مجہول ہے۔

اس حدیث کو اسحاق بن راہویہ نے بقیہ بن ولید سے، انہوں نے ایک شخص سے، انہوں نے جنادہ بن امیہ سے روایت کیا کہ حبیب بن مسلمہ پانچ گھوڑوں پر ریشم، یاقوت اور زمرد لاد کر لائے، حبیب نے یہ تمام مال لینا چاہا اور حضرت ابو عبیدہ ان کو اس میں سے بعض دینا چاہتے تھے، حبیب نے حضرت ابو عبیدہ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس شخص نے کسی کو قتل کیا اس کے لیے مقتول کی سلب ہے" حضرت ابو عبیدہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے یہ قانون نہیں بنایا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی یہ گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے حبیب سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے اس چیز کو لیتے ہو جس کو دینے پر تمہارا امام راضی نہیں ہے، تم اسی چیز کو لے سکتے ہو جو تم کو امام خوشی سے دے، اور حضرت معاذ نے اس بارے میں ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی پھر ان کا اس پر اتفاق ہو گیا اور خمس نکالنے کے بعد مال حبیب کو دے دیا گیا اور حبیب نے اس مال کو ایک ہزار میں فروخت کر دیا۔ اس حدیث کی سند مجہول ہے کیونکہ بقیہ بن ولید اور جنادہ بن امیہ کے درمیان ایک مجہول راوی ہے۔

علامہ المرغینانی (صاحب ہدایہ) نے کہا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبیب بن ابی سلمہ سے فرمایا "مقتول کی سلب سے تم کو وہی چیز ملے گی جو تم کو امام خوشی سے دے گا" حالانکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں بلکہ حضرت معاذ کا حبیب سے خطاب ہے، نیز علامہ مرغینانی نے ان کا نام حبیب بن سلمہ لکھا ہے حالانکہ ان کا نام حبیب بن مسلمہ ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں، ہرچند کہ یہ حدیث ضعیف ہے (ایک سند معلول ہے اور دوسری مجہول) لیکن اس کا ضعف ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تائید ہے جنگ بدر میں ابوجہل کے متعلق حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہما کی تلواروں کو دیکھنے کے بعد دونوں سے فرمایا: تم دونوں نے اس کو

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ٥٩٣ھ، ہدایہ اولین ص ٥٥٩، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

قتل کیا ہے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کی سلب فقط حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی اگر قاتل سلب کا مستحق ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو اس کی سلب عطا فرماتے۔

امام بیہقی نے اس دلیل کا یہ جواب دیا ہے کہ نص کتاب سے ثابت ہے کہ بدر کا مال غنیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک تھا آپ جس کو چاہیں عنایت فرما دیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان صحابہ کو مال غنیمت سے حصہ دیا جو اس معرکہ میں حاضر نہیں تھے، پھر معرکہ بدر کے بعد مال غنیمت کے متعلق آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کو قاتل کے ساتھ خاص کر دیا اور پھر یہی قاعدہ مقرر رہا۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ جنگ بدر میں بھی سلب قاتل کے لیے تھا کیونکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن فرمایا من قتل قتیلا فلہ سلبہ ۔ "جس نے کسی شخص کو قتل کیا اس کی سلب قاتل کے لیے ہے" یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جنگ بدر میں بھی سلب قاتل کے لیے تھی۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ متعدد احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا ہمیشہ کے لیے قاعدہ نہیں ہے اور ہر چند کہ یہ احادیث ضعیف السند ہیں لیکن تعدد طرق روایت سے یہ درجہ حسن کو پہنچتی ہیں اور صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عوف بن مالک کی سلب میں جب ان کا اور حضرت خالد بن ولید کا مناقشہ ہوا تو پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عوف کے حق میں فیصلہ کیا لیکن جب حضرت عوف نے حضرت خالد کی تخفیف کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے اور حضرت خالد سے فرمایا: اے خالد! ان کو سلب واپس نہ کرنا، کیا تم میرے امراء (کی اطاعت) کو ترک کرنے والے ہو؟ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا کوئی لازمی اور ابدی قانون نہیں ہے اور علامہ خطابی کا یہ جواب دینا بجا نہیں ہے کہ چونکہ حضرت عوف نے حضرت خالد کی تخفیف کی تھی اس لیے آپ نے ان کو سلب نہیں دی تاکہ کوئی شخص امیر کے فیصلہ کے خلاف جرأت نہ کرے یہ جواب اس لیے غلط ہے کہ اگر سلب قاتل کا حق ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب کی بناء پر ان کو ان کے حق سے محروم نہ کرتے اس سے ثابت ہوا کہ سلب کا قاتل کے لیے ہونا کوئی ابدی قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ امام کی مرضی پر موقوف ہے خواہ وہ قاتل کو دے یا نہ دے اور جب یہ قاتل کا حق نہیں ہے تو پھر یہ مال غنیمت ہے اور اس سے خمس نکالا جائے گا یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔[1]

جنگ بدر میں حضرت معاذ بن عمرو کو سلب کے ساتھ خاص کرنے کا سبب

حدیث نمبر ۴۴۵۴ میں ابوجہل کو قتل کرنے کا واقعہ ہے، حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ دونوں نے ابوجہل پر تلواروں سے وار کر کے اس کا خون بہایا تھا لیکن کاری اور مہلک وار حضرت معاذ بن عمرو نے کیا تھا جس کے بعد اس کا ہلاک ہو جانا یقینی ہو گیا تھا اسی وجہ سے اس کی سلب اس کو دی گئی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کیا تھا یہ تینوں صحابہ اس کے قتل میں شریک تھے لیکن فیصلہ کن وار حضرت معاذ بن عمرو بن جموح

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۵۲-۲۵۱، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

نے کیا تھا۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: امام طحاوی نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سلب پر قاتل کا حق نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن عمرو اور حضرت معاذ بن عفراء دونوں سے فرمایا: تم دونوں نے ابوجہل کو قتل کیا ہے لیکن سلب صرف حضرت معاذ بن عمرو کو دی، اس سے معلوم ہوا کہ سلب پر قاتل کا حق نہیں ہے ورنہ دونوں کو سلب دیتے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ متصور نہیں ہے کہ آپ ایک کا حق چھین کر دوسرے کو دے دیں کیونکہ اگر امام یہ اعلان کرے کہ جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کو مقتول کی سلب ملے گی اور دو شخص مل کر کسی ایک آدمی کو قتل کریں تو امام اس کی سلب ان دونوں میں تقسیم کرے گا اور امام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک کو محروم کر کے دوسرے کو مکمل سلب دے دے۔ اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک یہ نہیں فرمایا تھا کہ قتل کرنے والے کو مقتول کی سلب ملے گی اس لیے آپ نے وہ سلب دو میں سے ایک کو دے دی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت معاذ بن عمرو بن جموح کا حملہ سے وار کرنا زیادہ قوی تھا اس وجہ سے آپ نے تنہا ان کو سلب دی۔ [1]

اس باب کی آخری حدیث میں جنگی قیدیوں کو فدیہ میں دے کر مسلمان قیدیوں کے چھڑانے کا ذکر ہے، ہم اس پر بحث اس سے پہلے والے باب میں (یعنی باب ۵۸) کر چکے ہیں اور اس پر مفصل گفتگو اور مکمل تحقیق ان شاء اللہ العزیز باب نمبر ۵۹۲ میں کریں گے۔

بَابُ ٥٩ حُكْمِ الْفَيْءِ

فے کا حکم

۴۴۵۹- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوهَا وَأَقَمْتُمْ فِيهَا فَسَهْمُكُمْ فِيهَا وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ خُمُسَهَا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس بستی میں جاؤ اور وہاں قیام کرو تو تمہارا حصہ اس بستی میں ہوگا۔ جو بستی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے (یعنی اس نے مسلمانوں سے جنگ کی) تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور باقی تمہارا ہے۔

۴۴۶۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر

[1] علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۶۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ إِسْحٰقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهِ مِمَّا لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً فَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَةٍ وَمَا بَقِيَ يَجْعَلُهُ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔

کے اموال ان اموال میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر لوٹا دیے تھے، مسلمانوں نے ان کے حصول کے لیے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، یہ اموال بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے، آپ ان اموال میں سے اپنے اہل کے لیے ایک سال کا خرچ نکال لیتے تھے اور جو مال باقی بچتا اس کو جہاد کی سواریوں اور ہتھیاروں کی تیاری پر خرچ کیا کرتے تھے۔

۴۴۶۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۴۶۲ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ مَالِكَ بْنَ أَوْسٍ حَدَّثَهُ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَجِئْتُهُ حِينَ تَعَالَى النَّهَارُ قَالَ فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِهِ جَالِسًا عَلٰى سَرِيرٍ مُفْضِيًا إِلٰى رِمَالِهِ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ فَقَالَ لِي يَا مَالُ إِنَّهُ قَدْ دَفَّ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْ قَوْمِكَ وَقَدْ أَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضْخٍ فَخُذْهُ فَاقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ قَالَ قُلْتُ لَوْ أَمَرْتَ بِهٰذَا غَيْرِي قَالَ خُذْهُ يَا مَالُ قَالَ فَجَاءَ يَرْفَا فَقَالَ هَلْ لَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ فَقَالَ

حضرت اوس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا، میں دن چڑھنے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ وہ گھر میں خالی تخت پر چمڑے کے ایک تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، فرمانے لگے: اے مالک! تمہاری قوم کے کچھ لوگ جلدی جلدی آگئے تھے، میں نے انہیں تھوڑی سی چیزیں دینے کا حکم دے دیا ہے، تم وہ چیزیں لے کر ان کے درمیان تقسیم کردو، میں نے کہا آپ میرے علاوہ کسی اور کے ذمے یہ کام لگا دیتے تو اچھا تھا، حضرت عمر نے فرمایا: اے مالک! تم یہ چیزیں لے لو، اتنے میں (ان کا غلام) یرفا اندر آیا اور کہنے لگا: حضرت عثمان، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد کے متعلق کیا حکم ہے؟ (یعنی وہ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں) حضرت عمر نے کہا، اچھا اور

عُمَرُ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا ثُمَّ جَاءَ
فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عَبَّاسٍ وَعَلِيٍّ قَالَ نَعَمْ
فَأَذِنَ لَهُمَا فَقَالَ عَبَّاسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا الْكَاذِبِ الْآثِمِ
الْغَادِرِ الْخَائِنِ فَقَالَ الْقَوْمُ أَجَلْ يَا أَمِيرَ
الْمُؤْمِنِينَ فَاقْضِ بَيْنَهُمْ وَأَرِحْهُمْ فَقَالَ
مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ يُخَيَّلُ إِلَيَّ أَنَّهُمْ قَدْ كَانُوا
قَدَّمُوهُمْ لِذٰلِكَ فَقَالَ عُمَرُ اتَّئِدَا أَنْشُدُكُمْ
بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ
أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ
قَالُوا نَعَمْ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ وَعَلِيٍّ
فَقَالَ أَنْشُدُكُمَا بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ
السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا
تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ قَالَا نَعَمْ فَقَالَ عُمَرُ
إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ كَانَ خَصَّ رَسُولَهُ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَاصَّةٍ لَمْ يُخَصِّصْ
بِهَا أَحَدًا غَيْرَهُ قَالَ مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى
رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ
مَا أَدْرِي هَلْ قَرَأَ الْآيَةَ الَّتِي قَبْلَهَا أَمْ لَا
قَالَ فَقَسَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَيْنَكُمْ أَمْوَالَ بَنِي النَّضِيرِ فَوَاللّٰهِ مَا اسْتَأْثَرَ
عَلَيْكُمْ وَلَا أَخَذَهَا دُونَكُمْ حَتّٰى بَقِيَ هٰذَا
الْمَالُ فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْهُ نَفَقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ يَجْعَلُ
مَا بَقِيَ أُسْوَةَ الْمَالِ ثُمَّ قَالَ أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ
الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ
أَتَعْلَمُونَ ذٰلِكَ قَالُوا نَعَمْ ثُمَّ نَشَدَ عَبَّاسًا

انھیں اندر آنے کی اجازت دے دی! وہ اندر آگئے پھر یرفا آئے
اور کہا حضرت علی اور حضرت عباس کے بارے میں کیا حکم
ہے؟ حضرت عمر نے کہا اچھا! اور ان کو بھی اجازت دے
دی، حضرت عباس نے کہا: اے امیر المؤمنین میرے اور اس
جھوٹے، خطا کار، عہد شکن اور خائن کے درمیان فیصلہ کر
دیجیے! باقی صحابہ نے بھی کہا: ہاں اے امیر المؤمنین ان
کے درمیان فیصلہ کر دیجیے اور ان کو راحت دلائیے!
حضرت مالک بن اوس نے کہا میرا خیال تھا کہ ان دونوں
نے ان صحابہ کرام کو اسی لیے پہلے بھیجا تھا، حضرت عمر نے کہا ٹھہرو!
میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے اذن سے آسمان اور
زمین قائم ہیں، کیا تمہیں علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تھا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو
کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، انھوں نے کہا ہاں! پھر
حضرت عمر حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے
اور فرمایا میں تم دونوں کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے
اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم دونوں یہ جانتے
ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ہمارا وارث
نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے
ان دونوں نے کہا ہاں! حضرت عمر نے کہا بے شک اللہ
تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چیز کے ساتھ
خاص کیا تھا جس کے ساتھ کسی اور کو خاص نہیں کیا تھا، یہ
بستیوں کے وہ اموال ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم پر لوٹا دیے تھے یہ اموال اللہ اور اس کے
رسول کے لیے ہیں (یعنی اموال فے) راوی کہتے ہیں مجھے علم
نہیں کہ انھوں نے اس سے پہلے والی آیت پڑھی تھی یا نہیں!
پھر حضرت عمر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
تمہارے درمیان بنو نضیر کے اموال تقسیم کر دیے، بخدا!
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو اپنے ساتھ
خاص نہیں کیا، اور نہ تمہیں چھوڑ کر ان اموال کو خود رکھا،

وعلینا بمثل ما نشدت به القوم أتعلمان
ذلك قالا نعم قال فلما توفي رسول
الله صلى الله عليه وسلم قال أبو بكر
أنا ولي رسول الله صلى الله عليه وسلم
فجئتما تطلب ميراثك من ابن أخيك
ويطلب هذا ميراث امرأته من أبيها
فقال أبو بكر قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم ما نورث ما تركنا صدقة
فرأيتماه كاذبا آثما غادرا خائنا والله
يعلم إنه لصادق بار راشد تابع
للحق ثم توفي أبو بكر وأنا ولي رسول
الله صلى الله عليه وسلم وولي أبي
بكر فرأيتماني كاذبا آثما غادرا خائنا
والله يعلم إني لصادق بار راشد تابع
للحق فوليتها ثم جئتني أنت وهذا
وأنتما جميع وأمركما واحد فقلتما
ادفعها إلينا فقلت إن شئتم دفعتها
إليكما على أن عليكما عهد الله أن
تعملا فيها بالذي كان يعمل رسول الله
صلى الله عليه وسلم فأخذتماها
بذلك قال أكذلك قالا نعم قال ثم
جئتماني لأقضي بينكما ولا والله
لا أقضي بينكما بغير ذلك حتى
تقوم الساعة فإن عجزتما عنها
فرداها إلي۔

حتیٰ کہ یہ مال باقی رہ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے
ایک سال کا خرچ لے لیتے تھے، باقی جو بچتا وہ بیت المال
میں رکھ لیتے، حضرت عمر نے پھر فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا
ہوں جس کے اذن سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم کو اس
کا علم ہے؟ سب لوگوں نے کہا ہاں! پھر حضرت عمر نے حضرت عباس اور حضرت علی
کو بھی وہی قسم دی جو باقی صحابہ کو دی تھی، اور کہا کیا تم کو اس
کا علم ہے؟ دونوں نے کہا ہاں! حضرت عمر نے کہا جب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے کہا
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں، پھر تم دونوں
آئے، تم اپنے بھتیجے کی میراث سے طلب کرتے تھے اور
یہ اپنی اہلیہ کے لیے ان کے والد کی میراث سے طلب کرتے
تھے تو حضرت ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا
ہے وہ صدقہ ہے، سو تم دونوں نے حضرت ابوبکر کو جھوٹا،
گنہگار، عہد شکن اور خائن گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا
تھا کہ حضرت ابوبکر سچے، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کی
پیروی کرنے والے ہیں، پھر حضرت ابوبکر فوت ہو گئے
اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا خلیفہ
بنایا گیا، پس تم دونوں نے مجھے بھی جھوٹا، گنہگار، عہد شکن
اور خائن گمان کیا (یعنی میرے ساتھ وہ سلوک کیا جو جھوٹے
اور خائن کے ساتھ کرتے ہیں) اور اللہ خوب جانتا ہے کہ
میں سچا، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کی پیروی کرنے والا
ہوں پھر میں ان اموال کا ولی بنایا گیا پھر تم اور یہ میرے پاس
آئے درآں حالیکہ تم دونوں کی رائے متفق تھی تم دونوں نے
کہا ان اموال کی نگہداشت ہمارے سپرد کر دیجئے، میں نے
کہا اگر تم چاہو تو میں یہ اموال اس شرط کے ساتھ تمہارے
سپرد کر دیتا ہوں کہ تم ان اموال میں اسی طرح تصرف کرو گے
جس طرح ان اموال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے
تھے، تو تم دونوں نے اس کا اقرار کیا، حضرت عمر نے کہا کیا ایسی

طرح معاہدہ ہوا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں! حضرت عمر نے کہا اب پھر تم دونوں میرے پاس آئے ہو کہ میں تم دونوں کے درمیان فیصلہ کروں، نہیں! خدا کی قسم! قیامت تک میں تمہارے درمیان اس کے سوا کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا اگر تم ان اموال کا انتظام کرنے سے عاجز ہو گئے ہو تو پھر یہ مجھے واپس کر دو۔

۴۴۶۳ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْ قَوْمِكَ بِنَحْوِ حَدِيثِ مَالِكٍ غَيْرَ أَنَّ فِيهِ فَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ مِنْهُ سَنَةً وَرُبَّمَا قَالَ مَعْمَرٌ يَحْبِسُ قُوتَ أَهْلِهِ مِنْهُ سَنَةً ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ مِنْهُ مَجْعَلَ مَالِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور فرمایا تمہاری قوم کے کچھ لوگ میرے پاس آئے تھے اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا خرچ نکالتے تھے اور معمر کی روایت میں ہے کہ ان اموال میں سے اپنے اہل کے لیے ایک سال کی خوراک روکتے تھے۔ اور باقی مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کے لیے رکھ لیتے تھے۔

۴۴۶۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَدْنَ أَنْ يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَيَسْأَلْنَهُ مِيرَاثَهُنَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ عَائِشَةُ لَهُنَّ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر کے پاس بھیج کر ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں سے اپنا حصہ طلب کریں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ان کے لیے یہ سوال جائز نہیں ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا۔ ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

۴۴۶۵ - حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ أَخْبَرَنَا حُجَيْنٌ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ تَسْأَلُهُ مِيْرَاثَهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِالْمَدِيْنَةِ وَفَدَكَ وَمَا بَقِيَ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْمَالِ وَإِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِهَا الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهَا فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَأَعْمَلَنَّ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبٰى أَبُوْ بَكْرٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى فَاطِمَةَ شَيْئًا فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلَى أَبِيْ بَكْرٍ فِيْ ذٰلِكَ قَالَ فَهَجَرَتْهُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ دَفَنَهَا زَوْجُهَا عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ لَيْلًا وَلَمْ يُؤْذِنْ بِهَا أَبَا بَكْرٍ وَصَلّٰى عَلَيْهَا عَلِيٌّ وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وِجْهَةٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ اسْتَنْكَرَ عَلِيٌّ وُجُوْهَ النَّاسِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کو بھیج کر یہ سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ اور فدک میں جو مال فے دیا ہے اور خیبر کے خمس میں سے جو مال بچا ہے اس کی میراث میں سے میرا حصہ دیں، حضرت ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اس مال سے کھاتی رہے گی اور میں خدا کی قسم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جس طرح وہ مال خرچ ہوتا تھا اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا۔ اور میں ان اموال میں اسی طرح تصرف کرتا رہوں گا جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان میں تصرف کرتے تھے، سو حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کو (بطور میراث) کچھ دینے سے انکار کر دیا، حضرت فاطمہ کو اس وجہ سے حضرت ابوبکر پر غصہ آیا اور انھوں نے حضرت ابوبکر سے (ملنا جلنا) چھوڑ دیا وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں اور تادم مرگ حضرت ابوبکر سے بات نہیں کی۔ جب حضرت فاطمہ فوت ہو گئیں تو حضرت علی بن ابی طالب نے رات میں ان کو دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر کو اس کی خبر نہیں دی، حضرت فاطمہ کی زندگی میں لوگوں کا حضرت علی کی طرف کچھ میلان تھا، حضرت فاطمہ کے فوت ہونے کے بعد حضرت علی نے لوگوں کے رویہ میں کچھ تبدیلی محسوس کی، تو انھوں نے حضرت ابوبکر سے صلح اور بیعت کرنا چاہی اس عرصہ میں انھوں نے حضرت ابوبکر سے بیعت نہیں کی تھی، انھوں نے حضرت ابوبکر کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ہمارے پاس آئیں

فَالْتَمَسَ مُصَالَحَةَ أَبِي بَكْرٍ وَمُبَايَعَتَهُ
وَلَمْ يَكُنْ بَايَعَ تِلْكَ الأَشْهُرَ فَأَرْسَلَ إِلَى
أَبِي بَكْرٍ أَنِ ائْتِنَا وَلَا يَأْتِنَا مَعَكَ أَحَدٌ
كَرَاهِيَةَ مَحْضَرِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ
عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ وَاللَّهِ لَا تَدْخُلْ عَلَيْهِمْ
وَحْدَكَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَمَا عَسَاهُمْ أَنْ
يَفْعَلُوا بِي إِنِّي وَاللَّهِ لَآتِيَنَّهُمْ فَدَخَلَ
عَلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ فَتَشَهَّدَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ
ثُمَّ قَالَ إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ
فَضِيلَتَكَ وَمَا أَعْطَاكَ اللَّهُ وَلَمْ نَنْفَسْ
عَلَيْكَ خَيْرًا سَاقَهُ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَكِنَّكَ
اسْتَبْدَدْتَ عَلَيْنَا بِالْأَمْرِ وَكُنَّا نَحْنُ
نَرَى لَنَا حَقًّا لِقَرَابَتِنَا مِنْ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَزَلْ
يُكَلِّمُ أَبَا بَكْرٍ حَتَّى فَاضَتْ عَيْنَا أَبِي بَكْرٍ فَلَمَّا
تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ
لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي
وَأَمَّا الَّذِي شَجَرَ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنْ
هَذِهِ الْأَمْوَالِ فَإِنِّي لَمْ آلُ فِيهَا عَنِ
الْحَقِّ وَلَمْ أَتْرُكْ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ
فِيهَا إِلَّا صَنَعْتُهُ فَقَالَ عَلِيٌّ لِأَبِي بَكْرٍ
مَوْعِدُكَ الْعَشِيَّةُ لِلْبَيْعَةِ فَلَمَّا صَلَّى
أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الظُّهْرِ رَقِيَ عَلَى الْمِنْبَرِ
فَتَشَهَّدَ وَذَكَرَ شَأْنَ عَلِيٍّ وَتَخَلُّفَهُ
عَنِ الْبَيْعَةِ وَعُذْرَهُ بِالَّذِي اعْتَذَرَ
إِلَيْهِ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَتَشَهَّدَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي
طَالِبٍ فَعَظَّمَ حَقَّ أَبِي بَكْرٍ وَأَنَّهُ لَمْ

اور آپ کے ساتھ چلا ہے اہل اللہ کوئی نہ آئے کیونکہ
وہ حضرت عمر بن الخطاب کو آنا ناپسند کرتے تھے، حضرت
عمر نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا، بخدا! آپ ان کے ہاں
تنہا نہ جائیں، حضرت ابوبکر نے یہ کہا مجھے یہ ڈر نہیں ہے
کہ وہ میرے ساتھ کوئی ناگوار سلوک کریں گے، خدا کی قسم! میں
ان کے ہاں ضرور جاؤں گا، حضرت ابوبکر ان کے ہاں گئے،
حضرت علی بن ابی طالب نے کلمۂ شہادت پڑھا اور کہا اے
ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت کو پہچانتے ہیں اور اللہ نے
جو آپ کو مرتبہ عطا کیا ہے اس سے واقف ہیں، اور
جو خلافت اللہ نے آپ کو دی ہے اس کو آپ سے
چھیننے میں رغبت نہیں رکھتے لیکن آپ نے خود ہی یہ
حکومت حاصل کر لی (یعنی ہم سے مشورہ نہیں لیا) حالانکہ
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بناء پر اس
(مشورہ) میں اپنا حق سمجھتے تھے، پھر وہ اس مسئلہ میں حضرت
ابوبکر سے مسلسل گفتگو کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر
کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے، پھر حضرت ابوبکر نے کہا:
خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں
سے حسن سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں سے
زیادہ عزیز ہے، اور جن اموال کی وجہ سے میرے اور
تمہارے درمیان اختلاف ہوا ہے میں نے ان میں کسی
حق کو ترک نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال
کو جہاں جہاں صرف کرتے تھے میں نے ان میں کوئی کمی
نہیں کی، حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے کہا آج سہ پہر
کے وقت ہم آپ سے بیعت کر لیں گے اور جب حضرت
ابوبکر ظہر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابوبکر منبر پر
چڑھے، کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت علی کا معاملہ بیان کیا اور
بیعت میں ان کی تاخیر کرنے کا عذر بیان کیا جو حضرت علی
نے بیان کیا تھا پھر استغفار کیا (اور منبر سے اتر آئے)
پھر حضرت علی نے کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت ابوبکر کے

يَحْمِلُهُ عَلَى الَّذِي صَنَعَ نَفَاسَةً عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَلَا إِنْكَارًا لِلَّذِي فَضَّلَهُ اللّٰهُ بِهِ وَلٰكِنَّا كُنَّا نَرَى لَنَا فِي الْأَمْرِ نَصِيبًا فَاسْتُبِدَّ عَلَيْنَا بِهِ فَوَجَدْنَا فِي أَنْفُسِنَا فَسُرَّ بِذٰلِكَ الْمُسْلِمُونَ وَقَالُوا أَصَبْتَ فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ إِلَى عَلِيٍّ قَرِيبًا حِينَ رَاجَعَ الْأَمْرَ الْمَعْرُوفَ۔

حق کی عظمت کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ انہوں نے جو تاخیر کی اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حضرت ابو بکر کے خلاف خلافت میں کچھ رغبت رکھتے تھے اور نہ وہ حضرت ابو بکر کی خداداد فضیلت کا انکار کرتے تھے لیکن ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس حکومت (کے مشورہ) میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے اور ہم سے مشورہ لیے بغیر یہ حکومت بنالی گئی اس وجہ سے ہمارے دلوں کو رنج پہنچا۔ مسلمان اس بیان سے خوش ہوئے اور کہا آپ نے ٹھیک فرمایا، اور جب حضرت علی نے اس معروف راستہ کو اختیار کر لیا تو لوگ ان کی طرف پھر مائل ہوگئے۔

۴۴۶۶۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسَ أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ يَلْتَمِسَانِ مِيرَاثَهُمَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمَا حِينَئِذٍ يَطْلُبَانِ أَرْضَهُ مِنْ فَدَكٍ وَسَهْمَهُ مِنْ خَيْبَرَ فَقَالَ لَهُمَا أَبُو بَكْرٍ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ مَعْنَى حَدِيثِ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ ثُمَّ قَامَ عَلِيٌّ فَعَظَّمَ مِنْ حَقِّ أَبِي بَكْرٍ وَذَكَرَ فَضِيلَتَهُ وَسَابِقَتَهُ ثُمَّ مَضٰى إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَبَايَعَهُ فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَى عَلِيٍّ فَقَالُوا أَصَبْتَ وَأَحْسَنْتَ فَكَانَ النَّاسُ قَرِيبًا إِلَى عَلِيٍّ حِينَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے اپنا حصہ طلب کرنے لگے وہ دونوں فدک کی زمین اور خیبر کے حصہ میں سے مطالبہ کر رہے تھے، حضرت ابو بکر نے ان سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے اس کے بعد حسب سابق حدیث بیان کی البتہ اس میں یہ ہے کہ پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت ابو بکر کے حق کی عظمت ان کی فضیلت اور دین میں ان کی سبقت بیان کی پھر حضرت ابو بکر کے پاس جا کر ان کی بیعت کی پھر مسلمان حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا آپ نے صحیح اور مناسب کام کیا، اور جب حضرت علی نے اس نیک کام کو اپنا لیا تو لوگ ان کے قریب ہو گئے۔

قَائِمٌ بِالْأَمْرِ الْمَعْرُوفِ.

۴۴۶۷ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَتْ أَبَا بَكْرٍ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقْسِمَ لَهَا مِيرَاثَهَا مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهَا أَبُو بَكْرٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ قَالَ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَسْأَلُ أَبَا بَكْرٍ نَصِيبَهَا مِمَّا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْبَرَ وَفَدَكَ وَصَدَقَتِهِ بِالْمَدِينَةِ فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ عَلَيْهَا ذَلِكَ وَقَالَ لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمِلْتُ بِهِ إِنِّي أَخْشَى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ أَنْ أَزِيغَ فَأَمَّا صَدَقَتُهُ بِالْمَدِينَةِ فَدَفَعَهَا عُمَرُ إِلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَغَلَبَهُ عَلَيْهَا عَلِيٌّ وَأَمَّا خَيْبَرُ وَفَدَكُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ترکہ سے جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے بطور فئی دیا تھا ان کی میراث تقسیم کریں، حضرت ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہمارا تمام ترکہ صدقہ ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ چھ ماہ زندہ رہیں اور حضرت فاطمہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ترکہ سے اپنے حصے کا سوال کرتی رہیں جو آپ کو فدک، خیبر اور مدینہ کے صدقات سے حاصل تھا، حضرت ابوبکر نے ان کو دینے سے انکار کیا اور کہا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کیے ہوئے کاموں میں سے کسی کو ترک نہیں کروں گا، مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیے ہوئے کسی کام کو ترک کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا، رہے مدینہ کے صدقات تو حضرت عمر نے وہ حضرت علی اور حضرت عباس کی تولیت میں دے دیئے سو ان پر حضرت علی غالب آگئے، رہے خیبر اور فدک تو حضرت عمر نے اپنی تولیت میں رکھا اور کہا کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقات ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حقوق اور پیش آمدہ ضروریات میں خرچ کیا کرتے تھے اور یہ اس شخص کی تولیت (زیر انتظام) میں رہیں گے جو مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا سو آج تک ان کے ساتھ یہی معمول ہے۔

فَأَمْسَكَهُمَا عُمَرُ وَقَالَ هُمَا صَدَقَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتَا لِحُقُوقِهِ الَّتِي تَعْرُوهُ وَنَوَائِبِهِ وَأَمْرُهُمَا إِلَى مَنْ وَلِيَ الْأَمْرَ قَالَ فَهُمَا عَلَى ذٰلِكَ إِلَى الْيَوْمِ ۔

۴۴۶۸ ۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَئُونَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ترکہ میں سے میرے وارث ایک دینار بھی نہیں خرچ کر سکتے، میری ازواج اور میرے عامل کے خرچ کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ صدقہ ہے

۴۴۶۹ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۴۷۰ ۔ وَحَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي خَلَفٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

فئے کا لغوی معنی اور اس کی شرعی تفسیر

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: فئے کا معنی ہے حالت محمودہ کی طرف رجوع، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حتی تفیء الی امر اللہ۔ "حتیٰ کہ باغی جماعت اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے" بعض اس مال غنیمت کو بھی فئے کہتے ہیں جس کو دشمن سے حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے کوئی مشقت نہ اٹھائی ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ما افاء اللہ علی رسولہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف جو اموال پلٹا دیے"۔[1]

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: اہل شرک کے جو اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں وہ فئے ہے، لہٰذا غنیمت بھی

[1] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۳۸۹، مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

اور خراج یہ سب فئے ہیں، کیونکہ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کفار کی ملکیت سے نکال کر مسلمانوں کی ملکیت میں داخل کر دیں، ہر چند کہ غنیمت بھی فئے ہے لیکن وہ بعض خصوصیات کی وجہ سے فئے سے الگ ہو گئی، کہ جو اموال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہوں ان کو غنیمت کہتے ہیں، اور ان اموال میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالنے کے بعد ان کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور جو مال فئے ہوں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر انتظام رہتے ہیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صوابدید سے اپنے اقرباء، فقراء، مساکین، مسافروں اور عام مسلمانوں کی فلاح اور بہبود پر خرچ کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کا مصرف فقراء، مساکین، مسافر اور عام مسلمانوں کی ضروریات ہیں، کیونکہ حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو نضیر کے اموال فئے تھے ان اموال کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹا دیا ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے، یہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے آپ ان اموال میں سے اپنے اہل عیال کے لیے ایک سال کا خرچ نکالتے تھے، اور باقی اموال کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سواریوں اور ہتھیاروں میں خرچ کرتے تھے۔ علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: یہ وہ اموال فئے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے تھے، ان اموال میں کسی کا حق نہیں ہے ماسوا اس کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں سے کسی کو کچھ عطا فرما دیں، ان اموال میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل پر خرچ کرتے تھے اور باقی اموال کو سواریوں اور ہتھیاروں پر خرچ کرتے تھے، کیونکہ ان اموال کو مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ صلح کے ذریعہ حاصل کیا تھا، فدک اور عرینہ کے اموال کا بھی یہی حکم ہے۔ قرآن مجید میں فئے کے متعلق سورۂ حشر کی جو آیات ہیں ان میں یہ دلیل ہے کہ کفار کے جو اموال بغیر جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوئے ہوں ان کو مسلمانوں کے بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان کو ان مصارف میں خرچ کیا جائے گا جن مصارف میں خراج اور جزیہ کے اموال کو خرچ کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اموال بنو نضیر کے اموال کے حکم میں ہیں کیونکہ ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے کوئی جنگ کی ہے نہ کوئی مشقت اٹھائی ہے۔[1]

مال غنیمت اور مال فئے کو کفار کی ملکیت سے نکال کر مسلمانوں کو دینے کی وجہ

کفار سے جس زمانہ کے بھی اموال حاصل ہوتے ہیں ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ کفار کے باغی ہو جانے کی وجہ سے یعنی سرکار ضبط ہونے کے بعد وہ اموال ان کی ملکیت سے نکل جاتے ہیں اور مالک حقیقی (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اس لیے اموال کے اللہ کی طرف پلٹ آنے کو افاءہ اور فیئی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جن اموال کے حصول میں مسلمانوں کی جنگ اور جہاد کا دخل ہوتا ہے اس مال کو اللہ تعالیٰ نے لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا ارشاد ہوا: و (اعلموا انما غنمتم من شیء) (الآیۃ) "جان لو کہ جو مال تم نے بطور غنیمت حاصل کیا ہے" اور کفار کے جس مال کے حصول میں جنگ اور جہاد کی ضرورت نہیں پڑی اللہ تعالیٰ نے اسے لفظ فئے سے تعبیر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا

---

[1] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۰۔ ۴۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری۔ یعنی بنو نضیر اور بنو قریظہ کے جو اموال اللہ تعالیٰ نے بغیر جنگ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹا دیے۔

سورۂ حشر کی ابتدائی آیات میں بنو نضیر کی ان جائیدادوں اور املاک کا ذکر ہو رہا ہے جو پہلے بنو نضیر کی ملک تھیں اور ان کی جلاوطنی کے بعد وہ اسلامی حکومت کے قبضہ میں آگئیں۔ ان آیات میں ان متروکہ جائیدادوں کے انتظام اور ان کے اموال میں تصرف کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ ایک علاقہ کے فتح ہونے کے بعد اس کے اسلامی مقبوضات میں شامل ہونے کا پہلا موقع تھا اور اس کے بعد ہی اسی قسم کے بہت سے علاقے فتح ہونے والے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی میں اراضی مفتوحہ کا قانون بیان فرما دیا۔ اس آیت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دیا" ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زمین اور یہاں کی ساری چیزیں اللہ کے باغیوں کا حق نہیں ہیں، اگر وہ ان چیزوں پر متصرف ہیں تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے ڈاکو اور باغی حکومت کے اموال پر قبضہ کر کے اس میں تصرف کرنے لگیں، درحقیقت تمام اموال کا اصل یہ ہے کہ ان اموال کو ان کے حقیقی مالک اللہ رب العالمین کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں خرچ کیا جائے اور ان اموال میں اس طرح کا خرچ صرف صالحین مومنین ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے جو اموال بھی ایک جائز اور برحق جنگ کے نتیجے میں کفار کے قبضہ سے نکل کر اہل ایمان کے قبضہ میں آجائیں ان کی حقیقی حیثیت یہ ہے کہ ان کا مالک انھیں اپنے خائن ملازموں کے قبضہ سے نکال کر اپنے فرمانبردار ملازموں کی طرف پلٹاتا ہے۔ اس لیے ان املاک کو اسلامی قانون کی اصطلاح میں فئے (پلٹا کر لائے ہوئے اموال) کہا جاتا ہے۔

مال غنیمت اور مال فئے کا فرق

مال غنیمت وہ مال ہے جس کو مسلمان فوج دشمن سے جنگ کر کے اور مقابلہ میں فتحیاب ہو کر دشمن سے حاصل کرتی ہے لیکن فوج میں اس مال کو تقسیم کرنے کی صرف یہ وجہ نہیں ہے کہ چونکہ اس فوج نے لڑ کر یہ مال جیتا ہے اس وجہ سے یہ مال اس کا حق ہے، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو اس جنگ میں فتح عطا کی ہے اور درحقیقت یہ اس اسلامی نظام کی فتح ہے جس کو قائم کرنے کے لیے مسلمانوں نے جنگ کی تھی اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس نظام کے عنوان سے ان کو جو مال دیا جائے اس مال کو وہ اللہ کے احکام اور اس کی اطاعت اور عبادت میں صرف کریں تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ جب کفار کے ہاتھ میں پیسہ ہوتا ہے تو وہ اس کو کس طرح خرچ کرتے ہیں اور جب مسلمانوں کے ہاتھ میں پیسہ آئے تو وہ اس کو کس طرح صرف کرتے ہیں۔

مال غنیمت کے برخلاف مال فئے کی یہ نوعیت نہیں ہے کہ اس مال کو اسلامی فوج نے میدان جنگ میں لڑ کر جیتا ہے اور اس بناء پر اس مال کو اسلامی فوج میں تقسیم کر دیا جائے۔ بلکہ مال فئے کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اپنے رسول اور مسلمانوں کو کفار پر غالب کر دیا اور اسلام کے رعب اور ہیبت سے کفار اپنے اموال کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور بغیر کسی جنگ کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں کفار کے اموال آگئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے: فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب۔ "یہ ایسے اموال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے ہوں" اس وجہ سے اموال فئے میں فوج کا حق نہیں ہے کہ مال غنیمت کی طرح مال فئے کو بھی ان میں تقسیم کر دیا جائے

اسلام میں غنیمت اور فئے کا حکم الگ الگ مقرر کیا ہے، غنیمت کا حکم سورۂ انفال کی آیت نمبر ۴۱ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں، چار حصے لڑنے والی فوج میں تقسیم کر دیے جائیں اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کر کے اس کو یتامیٰ، مساکین، مسافروں اور مسلمانوں کے عام رفاہی امور میں خرچ کیا جائے (اس کی تفصیل باب نمبر ۵۵۵ میں بیان کی جا چکی ہے) اور فئے کا حکم سورۂ حشر کی آیت نمبر ۶ تا ۱۰ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اموال فئے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے قرابت داروں، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں پر خرچ کیا جائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا، امام شافعی کے نزدیک یہ حصہ اب امام اور خلیفہ پر خرچ کیا جائے گا، اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ فقراء اور مساکین کی طرف آ گیا اور یہ تقسیم کی وہی صورت ہے جو خمس میں بیان کی گئی ہے۔ غنیمت اور فئے کا یہ ایک اجمالی فرق ہے اس کی تفصیل آئندہ سطور میں ہم فقہاء اسلام کے مذاہب کے ذکر میں بیان کریں گے اس سے پہلے کہ فئے اور غنیمت کی مزید وضاحت کریں پہلے سورۂ حشر کی ان آیات کو بیان کرتے ہیں جو فئے کے احکام کا اصل ماخذ ہیں۔

قرآن مجید سے اموال فئے کے وقف ہونے پر دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما افاء الله علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علی من یشاء ط والله علی کل شیء قدیر ما افاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول و لذی القربی و الیتمی والمسکین وابن السبیل ؕ کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم ط

(حشر: ۶-۷)

اور جو مال اللہ نے کفار کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول کی طرف لوٹا دیے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس چیز پر چاہتا ہے غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اور جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں کے لوگوں (بنو نضیر) سے اپنے رسول کی طرف لوٹایا وہ اللہ، رسول، (رسول کے) رشتہ داروں، یتامیٰ، مساکین، اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا نہ رہے۔

اس کے بعد فرمایا:

والذین جاءو من بعدهم

(حشر: ۱۰)

اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان کے بعد آئے ہیں۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ مال خمس اور مال فئے کے مصارف ایک جیسے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال کسی شخص کی شخصی ملکیت میں نہیں دیے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان اموال کا شخصی مالک نہیں بنایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ اموال آپ کی تولیت اور انتظام میں کر دیے اور ان کے مصارف متعین کر دیے تاکہ آپ ان اموال کو اپنی ضروریات میں خرچ کریں، اپنے قرابت داروں میں صرف کریں اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کریں چنانچہ اس باب کی احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال کو اسی طرح خرچ کرتے تھے، نیز اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ

ان اموال کے یہ مصارف اس لیے مقرر کیے ہیں تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش کرتا نہ رہے، اس سے واضح ہو گیا کہ مال فئی کا کوئی شخص مالک نہیں ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے نیز ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین جاءو من بعدھم۔ (اور یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان کے بعد آئے ہیں" اس آیت سے بھی یہ واضح ہو گیا کہ اموال فئی کسی شخص کی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ یہ مسلمانوں کے مفاد عامہ اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے قیامت تک وقف ہوتے ہیں اور اموال فئی کے وقف ہونے پر سورۂ حشر کی یہ نصوص قطعیہ ناطق اور شاہد ہیں۔

احادیث آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے اموال فئی کے وقف ہونے پر دلائل

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں

عن عبد الرزاق عن الثوری قال: الفیء و الغنیمة مختلفان اما الغنیمة فما اخذ المسلمون فصار فی ایدیھم من الکفار والخمس فی ذلك الی الامیر یضعه حیث امر الله والاربعة الاخماس الباقیة للذین غنموا الغنیمة، والفیء ما وقع من صلح بین الامام والکفار، فی اعناقھم، و ارضیھم و زرعھم، وفیما صولحوا علیه مما لم یأخذه المسلمون عنوة، ولم یحوزوه ولم یقتسموه علیه حتی وقع فیه بینھم صلح، قال: فذلك الصلح الی الامام، یضعه حیث امر الله۔[1]

امام عبد الرزاق بیان کرتے ہیں کہ امام ثوری نے کہا کہ فئی اور غنیمت دو مختلف چیزیں ہیں، غنیمت وہ مال ہے جس کو مسلمان میدان جنگ میں کفار کے قبضہ سے حاصل کرتے ہیں، اس مال کا پانچواں حصہ نکال کر امیر کو دیا جاتا ہے اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق خرچ کرتا ہے، اور باقی چار حصے (۴/۵) مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں، اور فئی مال وہ ہے جو مسلمانوں کے امیر اور کفار کے درمیان معاہدہ صلح سے حاصل ہوتا ہے، یہ مال کفار کی گردنوں، ان کی زمینوں، ان کی کھیتیوں اور دیگر ان چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے جن پر صلح ہو جائے اور یہ وہ اموال ہیں جن کو مسلمانوں نے بذریعہ جنگ حاصل نہ کیا ہو، حتیٰ کہ ان کی ان اموال پر صلح ہو گئی ہو، یہ صلح امام کی رائے پر موقوف ہے اور وہ ان اموال کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق خرچ کرے گا۔

اس حدیث میں اموال غنیمت اور اموال فئی کا وہی فرق بیان کیا ہے جو ہم اس سے پیشتر سورۂ انفال کی آیت نمبر ۴۱ اور سورۂ حشر کی آیت نمبر ۱۰۔۶ کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔

جب مسلمان، کفار کے کسی علاقے کو جنگ سے فتح کریں تو اس علاقہ کے مکان اور زمین لازمی طور پر مال غنیمت میں شمار نہیں ہوں گی، بلکہ مسلمانوں کے امیر کو یہ اختیار ہے کہ اس علاقہ کی زمینیں، مکانات اور دیگر اموال کو مسلمانوں کا امیر فئی کے احکام کے مطابق خرچ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کرنے کے بعد اس علاقے کی زمینوں

[1] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۵ ص ۳۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

کہ یہودیوں کے ہاتھوں بٹائی پر دے دیا اور اس کی آمدنی کو آپ خود اپنے احکام کے مطابق خرچ کرتے تھے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن نافع ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عامل اہل خیبر بشطر ما یخرج منہا من زرع او تمر وکان یعطی ازواجہ مائۃ وسق ثمانون وسق تمر وعشرون وسق شعیر وقسم عمر فخیر ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقطع لہن من الماء والارض او یمضی لہن فمنہن من اختار الارض ومنہن من اختار الوسق وکانت عائشۃ اختارت الارض۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ خیبر کے کھیتوں اور باغات کی نصف آمدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آمدنی میں سے سو وسق (ایک وسق ۲۴۰ کلوگرام کے برابر ہے) ازواج مطہرات کو دیتے تھے، اسی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو، حضرت عمر نے بھی اس تقسیم کو قائم رکھا اور ازواج کو اختیار دیا کہ وہ زمین لیں کھیتی باڑی کا انتظام خود سنبھال لیں اور چاہیں تو حسب دستور غلہ لیتی رہیں بعض ازواج نے غلہ لینا پسند کیا اور بعض نے زمین میں کاشتکاری کرانے کو پسند کیا، حضرت عائشہ ان ازواج میں سے تھیں جنہوں نے زمین میں کاشتکاری کرانے کو پسند کیا تھا۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[2]

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مفتوحہ علاقہ کی زمینوں کو بطور مال غنیمت قرار نہیں دیا جاتا اور اس کو اسلامی فوج پر تقسیم نہیں کیا جاتا اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ وقف ہوتا ہے کیونکہ خیبر کی جن زمینوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو مالک نہیں بنایا بلکہ اس کی آمدنی کو خود اپنے احکام کے مطابق خرچ کرتے رہے اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن مالک بن اوس بن الحدثان قال کان فیما احتج بہ عمر انہ قال کانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث صفایا بنو النضیر وخیبر وفدک، فاما بنو النضیر فکانت لنوائبہ واما فدک فکانت حبسا

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مفتوحہ علاقے کی زمینوں کے فئی ہونے پر اس سے استدلال کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین زمینیں مخصوص تھیں، بنو نضیر، خیبر اور فدک، بنو نضیر کی زمینوں کی آمدنی کو آپ اپنی ضروریات

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
[2] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

لابناء السبيل واما خيبر فجزاها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة اجزاء جزئين بين المسلمين وجزء لنفقة اهله فما فضل عن نفقة اهله جعله بين الفقراء المهاجرين۔[1]

پر خرچ کرتے تھے اور فدک کی زمینوں کو آپ نے مسافروں کے لیے وقف کر دیا تھا اور خیبر کی زمینوں کی آمدنی کے آپ نے تین حصے کر دیے تھے دو حصے آپ نے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیے تھے اور ایک حصہ آپ نے ازواج مطہرات کے لیے وقف کیا تھا اور ازواج کے نفقہ سے بچ جاتی اس کو آپ فقراء مہاجرین پر خرچ کرتے تھے

عن سهل بن ابي حثمة قال قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر نصفين نصفا لنوائبه وحاجته ونصفا بين المسلمين قسمها بينهم على ثمانية عشر سهما۔[2]

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال خیبر کے دو حصے کیے آدھا حصہ اپنی ضروریات کے لیے رکھا اور باقی آدھے حصہ کو مسلمانوں کے درمیان اٹھارہ حصوں پر تقسیم کر دیا۔

عن بشير بن يسار قال لما افاء الله على نبيه صلى الله عليه وسلم خيبر قسمها على ستة وثلاثين سهما جمع كل سهم مائة سهم فعزل نصفها لنوائبه وما ينزل به الوطيحة والكتيبة وما اجيز معهما وعزل نصف الأخر فقسمه بين المسلمين الشق والنطاة وما اجيز معهما وكان سهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما اجيز معهما۔[3]

حضرت بشیر بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خیبر کو پلٹا دیا (یعنی خیبر کی زمین بطور فئی عطا کی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چھتیس حصے کیے اور ہر حصے کے سو حصے کیے، ان میں سے نصف حصہ (یعنی اٹھارہ حصوں کو) اپنی ضروریات کے لیے رکھ دیا، یہ وہ زمین تھی جو وطیحہ، کتیبہ اور ان دونوں سے ملحق تھی، اور باقی نصف کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا، یہ وہ زمین تھی جو شق، نطاۃ اور ان دونوں سے ملحق تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بھی ان دونوں زمینوں سے ملحق تھا۔

عن بشير بن يسار مولى الانصار عن رجال من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ظهر على خيبر قسمها على ستة وثلاثين سهما فكان لرسول الله صلى الله عليه

بشیر بن یسار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کیا تو آپ نے اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرما دیا ______ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے اس میں سے نصف تھا اور

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۵۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور پاکستان، ۱۴۰۶ھ

[2] " " " ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۹ " "

[3] " " " ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۹ " "

وسلم وللمسلمين النصف من ذلك وعزل النصف الباقي لمن نزل به من الوفود والأمور ونوائب الناس۔ ۱؎

باقی نصف کو آپ نے وفود کے اخراجات، دیگر ضروری امور اور عام مسلمانوں کی ضروریات کے لیے الگ کر دیا۔

امام ابوداؤد نے ان کے علاوہ اور بھی کئی اسانید سے احادیث ذکر کی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ خیبر کی مفتوحہ زمینیں فئی تھیں اور ان کی آمدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ضروریات کے لیے وقف تھی۔

جس طرح خیبر کی بعض زمینیں وقف تھیں اسی طرح بنو نضیر، فدک اور دوسری زمینیں جو بطور فئی حاصل ہوئی تھیں وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ضروریات کے لیے وقف تھیں جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن مالك بن اوس بن حدثان عن عمر قال كانت اموال بني النضير مما افاء الله على رسوله مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب كانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خالصا ينفق على اهل بيته قال ابن عبدة ينفق على اهله قوت سنة فما بقي جعل في الكراع وعدة في سبيل الله قال ابن عبدة في الكراع والسلاح۔ ۲؎

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بنو نضیر کے اموال کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوٹا دیا تھا مسلمانوں نے ان پر اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ۔ یہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھے آپ ان اموال کو اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتے تھے۔ ابن عبدہ نے کہا آپ اپنے اہل خانہ کو ان اموال میں سے ایک سال کا خرچ دیتے تھے۔ اور جو مال باقی بچتا اس کو جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور سواریوں پر خرچ کرتے تھے، ابن عبدہ نے کہا یعنی سواریوں اور ہتھیاروں میں خرچ کرتے تھے۔

عن الزهري في قوله فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب قال صالح النبي صلى الله عليه وسلم اهل فدك وقرى قد سماها لا احفظها وهو محاصر قوما آخرين فارسلوا اليه بالصلح قال فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب يقول بغير قتال قال الزهري وكانت بنو النضير للنبي صلى الله عليه وسلم خالصا لم يفتحوها

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "تم نے (ان اموال پر) گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ" کی تفسیر میں امام زہری نے کہا یہ اموال فدک اور دوسری بستیاں تھیں، امام زہری نے ان بستیوں کا نام بھی لیا تھا لیکن مجھ کو یاد نہیں رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری بستیوں کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو اہل فدک اور ان بستیوں والوں نے آپ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم نے ان پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے، امام زہری

۱؎ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۷۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۲؎ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۷۰

عنوۃ افتتحوھا علی عھد فقسمھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المھاجرین لم یعط الانصار منھا شیئا الا رجلین کانت بھما حاجۃ۔ لہ

کہتے ہیں کہ بنو نضیر کی زمینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھیں ان کو مسلمانوں نے جنگ سے نہیں فتح کیا تھا بلکہ صلح سے فتح کیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مہاجرین پر تقسیم فرمایا اور سوا دو ضرورت مند انصاریوں کے اور کسی انصاری کو ان میں سے کچھ نہیں دیا۔

عن الزھری وعبد اللہ بن ابی بکر وبعض ولد محمد بن مسلمۃ قالوا بقیت بقیۃ من اھل خیبر فتحصنوا فسألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحقن دماءھم ویسیرھم ففعل فسمع بذلک اھل فدک فنزلوا علی مثل ذلک فکانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ لانہ لم یوجف علیھا بخیل ولا رکاب۔ لہ

امام زہری حضرت عبد اللہ بن ابی بکر اور حضرت محمد بن مسلمہ کے بعض لڑکوں نے بیان کیا کہ اہل خیبر سے جو لوگ بچ گئے وہ قلعہ میں محصور ہو گئے پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کو یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور کر لیا۔ جب اہل فدک نے یہ سنا تو انہوں نے بھی اس شرط پر اپنا قلعہ کھول دیا سو فدک اور خیبر کی یہ زمینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھیں کیونکہ ان پر گھوڑے دوڑا کے گئے تھے نہ اونٹ۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بنو نضیر، خیبر کے بعض علاقے اور فدک کی زمینیں فئی تھیں اور ان کی آمدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ضروریات اور مفاد عامہ کے لیے وقف تھی اور ان زمینوں کو مال غنیمت میں شمار کیا گیا تھا نہ کسی کی میراث تھیں۔ ان احادیث کو بیان کرنے کے بعد اب ہم عراق کی مفتوحہ زمینوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف بیان کریں گے۔

سواد عراق اور دیگر مفتوحہ زمینوں کو وقف کرنے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

قرآن اور سنت کی تصریحات کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب مسلمانوں کا لشکر کسی علاقے کو فتح کرے تو میدان جنگ میں جو سواریاں، سامان حرب اور مال ومتاع مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ مال غنیمت ہے لہٰذا اس میں سے خمس نکالنے کے بعد وہ مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس علاقہ کی زمینیں اور عمارتیں وغیرہ مال فئی ہیں ان زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان زمینوں کو ان کے اصلی مالکوں کے قبضہ میں رہنے دیا جائے گا اور

لہ۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۵۹ - ۶۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

لہ۔ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۰

ان پر خراج مقرر کر کے ان کی آمدنی کو بیت المال میں داخل کیا جائے گا تاکہ اس مال کو عام مسلمانوں کی ضروریات، جہاد کے ساز و سامان، رفاہ عامہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی فلاح اور بہبود پر خرچ کیا جا سکے۔ بعض صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے اختلاف کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن اور حدیث سے ٹھوس دلائل فراہم کر کے انہیں مطمئن کر دیا حتیٰ کہ تمام صحابہ کا اس فیصلہ پر اجماع ہو گیا، حسب ذیل احادیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موقف اور ان کے دلائل کا بیان ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن یزید بن ابی حبیب قال کتب عمر الی سعد رضی اللہ عنہما حین افتتح العراق اما بعد فقد بلغنی کتابک تذکر ان الناس سالوک ان تقسم بینہم مغانمہم وما افاء اللہ علیہم فاذا جاءک کتابی ھذا فانظر ما اجلب الناس علیک الی العسکر من کراع او مال فاقسمہ بین من حضر من المسلمین واترک الارضین والانہار لعمالہا فیکون ذلک فی اعطیات المسلمین فانک ان قسمتہا بین من حضر لم یکن لمن بقی بعدہم شیء۔[1]

یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عراق فتح کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے خط کے جواب میں لکھا: حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ مجھے تمہارا خط ملا جس میں تم نے یہ لکھا کہ لوگ تم سے مال غنیمت اور مال فیٔ کی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں سو جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو مال غنیمت یعنی سواریوں اور دیگر اموال کو لشکر اسلام میں تقسیم کر دو اور زمینوں اور نہروں کو ان کے کاشتکاروں کے پاس رہنے دو تاکہ ان کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کیا جا سکے، اگر تم نے اس کو بھی لشکر میں تقسیم کر دیا تو بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔

عن حارثۃ بن مضرب عن عمر رضی اللہ عنہ انہ اراد ان یقسم اہل السواد بین المسلمین وامر بہم ان یحصوا فوجدوا الرجل المسلم یصیبہ ثلاثۃ من الفلاحین یعنی العلوج فشاور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فقال علی رضی اللہ عنہ دعہم یکونون مادۃ للمسلمین فبعث عثمان بن حنیف فوضع علیہم ثمانیۃ واربعین واربعۃ وعشرین و

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ مفتوحہ زمینوں کے کاشتکاروں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیں سو آپ نے ان کو گننے کا حکم دیا تو ہر مسلمان (مجاہد) کے حصہ میں تین کسان آ رہے تھے، حضرت عمر نے اس معاملہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے مشورہ کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ ان کو مسلمانوں کے بیت المال کے لیے رہنے دیجئے، پھر حضرت عمر نے عثمان بن حنیف کو بھیجا اور ان کسانوں پر حسب حیثیت اڑتالیس، چوبیس اور بارہ

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۹ ص ۱۳۴، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

اثنی عشر۔ ۱

درہم مقرر کر دیے۔

عن زید بن اسلم عن ابیہ قال: قال عمر: اجتمعوا لهذا الفئ حتی ننظر فیہ۔ فانی قرأت آیات من کتاب اللہ استغنیت بھا قال اللہ: ما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل الی قولہ واللہ شدید العقاب واللہ ما ھو لھولاء وحدھم، ثم قرأ للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم الی قولہ ھم الصادقون واللہ ما ھو لھولاء وحدھم، ثم قرأ والذین جاءو من بعدھم الی آخر الآیۃ۔ ۲

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آؤ جمع ہو کر فئی کے معاملہ میں غور کریں، مجھے تو قرآن مجید کی چند آیات سے اس کا حکم معلوم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جن بستیوں (بنو نضیر، خیبر اور فدک وغیرہ) کا مال بطور فئی دیا ہے وہ اللہ کے لیے ہے اس کے رسول کے لیے ہے اور رسول کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ (اس کے بعد واللہ شدید العقاب تک یہ آیت پڑھی) لہٰذا یہ اموال صرف لشکر اسلام کے لیے نہیں ہیں پھر پڑھا یہ اموال ان فقراء مہاجرین کے لیے ہیں جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکال دیے گئے (اور ھم الصادقون تک یہ آیت پڑھی) پھر پڑھا یہ اموال ان مسلمانوں کے لیے بھی ہیں جو بعد میں آئیں گے۔

اس سے پہلے ہم سنن ابو داؤد (ج ۲ ص ۵۰) کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر اس سے بھی استدلال فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر، خیبر کی بعض زمینوں اور فدک کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے ان زمینوں کو وقف قرار دیا تھا اور اس کی آمدنی کو اپنے اہل و عیال اور فقراء و مہاجرین پر خرچ کرتے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ قرآن اور سنت کی حجت پر مبنی تھا۔

اس سلسلہ میں بعض احادیث سے خبر ہو سکتا ہے کیونکہ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن زید عن ابیہ انہ سمع عمر بن الخطاب یقول اما والذی نفسی بیدہ لولا ان اترک اخر الناس ببانا لیس لھم شیء ما فتحت قریۃ الا قسمتھا کما قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر

زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ سنا "سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر مجھے بعد میں لوگوں کے فقر اور احتیاج کا خوف نہ ہوتا تو ہر علاقہ جو فتح ہوتا میں اس کو (مجاہدین) میں اسی

۱۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۲۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۲۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۲ ص ۳۵۲-۳۵۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

ولکنی اترکھا خزانۃ لھم یقسمونھا۔[1]

طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تھا لیکن میں اس علاقہ کو وقف کر رہا ہوں تاکہ وہ اس کی آمدنی کو تقسیم کرسکیں۔

عن زید بن اسلم عن ابیہ عن عمر قال لولا اٰخر المسلمین ما فتحت علیھم قریۃ الا قسمتھا کما قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر۔[2]

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو جو علاقہ بھی فتح ہوتا میں اس کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا۔

ان حدیثوں سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا، حالانکہ ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم نہیں کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی ان اراضی کو تقسیم کیا تھا جو جنگ کے بعد فتح ہوئی تھیں اور خیبر کی جو اراضی صلح سے حاصل ہوئی تھیں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا" امام طحاوی نے کہا ہے اس سے حضرت عمر کی مراد یہ تھی کہ آپ نے خیبر کے بعض علاقہ کو تقسیم کیا تھا کیونکہ حضرت بشیر بن یسار سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تو آپ نے اس کے نصف حصہ کو اپنی ضروریات اور بعض دیگر امور کے لیے الگ کر دیا تھا اور باقی نصف حصہ کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا تھا، اور چونکہ مسلمانوں کے پاس کاشتکاری کے لیے آدمی نہیں تھے اس لیے آپ نے یہودیوں کو وہ زمین نصف پیداوار کے عوض بٹائی پر دے دی۔ (الحدیث) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت بشیر بن یسار کی مراد یہ ہے کہ جو نصف علاقہ جنگ سے فتح ہوا تھا اس کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا اور جو نصف علاقہ صلح سے فتح ہوا تھا اس کو آپ نے اپنی ضروریات اور مفاد عامہ کے لیے وقف کر دیا۔[3]

حافظ بدرالدین عینی نے اس بحث کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی تمام اراضی کو تقسیم نہیں کیا تھا، خیبر کے بعض علاقوں کو تقسیم کیا اور بعض علاقوں کو تقسیم نہیں کیا، "شق" اور "نطاۃ" کو تقسیم کیا تھا اور باقی تمام اراضی کو وقف کر دیا تھا، سو امام کے لیے جائز ہے کہ مفتوحہ زمینوں میں جو مناسب سمجھے کرے۔

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] ۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۸-۶۰۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۲۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ زمینوں کو تقسیم نہ کرنے پر سورۂ حشر کی آیات سے استدلال کیا آپ کا یہ استدلال صحیح تھا اس سے عتاب اور اموال فئی ان لوگوں کے لیے بھی ہیں جو بعد میں آئیں گے حضرت عمر نے فرمایا اس آیت نے تمام مسلمانوں کا احاطہ کر لیا اور اس مال (فئی) میں ہر مسلمان کا حق ہے حتی کہ میرے بعد آنے والے چرواہوں کا بھی اس مال میں حق ہوگا۔

عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کو وقف کرنے کے متعلق حضرت عمر اور بعض صحابہ کا مباحثہ

حضرت بلال اور بعض دوسرے صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے اختلاف کیا تھا، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس بحث کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت بلال اور ان کے اصحاب نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عراق اور شام کے اموال فئی کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ان زمینوں کو بھی ہمارے درمیان اسی طرح تقسیم کر دو جس طرح لشکر کے مال غنیمت کو تقسیم کیا جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مطالبہ کو نہیں مانا اور ان کے سامنے سورۂ حشر کی آیات تلاوت کیں اور خاص طور پر اس آیت سے استدلال کیا "اموال فئی میں بعد میں آنے والے مسلمانوں کا بھی حصہ ہے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کو بھی اس فئی میں شریک کر دیا اگر میں نے ان زمینوں کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیا تو تمہارے بعد میں آنے والوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا، اور اگر میں زندہ رہا تو صنعاء کا چرواہا بھی اس فئی میں سے اپنا حصہ لے گا۔

امام ابو یوسف لکھتے ہیں کہ متعدد اسانید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق اور شام کے فئی (مفتوحہ زمینوں) کے متعلق صحابہ اور فقہاء تابعین سے مشورہ کیا، بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمینوں کو لشکر اسلام میں تقسیم کر دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر آنے والے مسلمانوں کے لیے کیا بچے گا؟ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ زمین اور کسان مجاہدین کا حق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف پلٹا دیے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر عراق اور شام کی زمینیں کسانوں سمیت لشکر پر تقسیم کر دی گئیں تو سرحدوں کی حفاظت کا کیا ذریعہ ہوگا؟ اور شام، عراق اور اس شہر کی بیواؤں اور بچوں کی کفالت کا کیا ذریعہ ہوگا؟ ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے مطالبہ پر اصرار کیا اور کہا کیا آپ یہ فئی ان لوگوں کو دیں گے جو ہمارے ساتھ جہاد میں شریک نہ تھے نہ شہید ہوئے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میری رائے یہی ہے، انہوں نے کہا آپ اس معاملہ میں مشورہ کر لیں، حضرت عمر نے مہاجرین اولین سے مشورہ کیا تو حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تو رائے یہی تھی کہ عراق کی مفتوحہ زمینوں کو لشکر میں تقسیم کر دیا جائے، اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی رائے حضرت عمر کے موافق تھی، پھر حضرت عمر نے انصار سے مشورہ کیا اور اوس اور خزرج سے پانچ پانچ بزرگ صحابہ کو بلایا جب یہ سب جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لیے زحمت دی ہے کہ آپ ان امانتوں کی ادائیگی میں میرے شریک ہوں جو میرے سپرد کی گئی ہیں، کیونکہ میں آپ ہی کی طرح ایک شخص ہوں اور آپ لوگ اس زمانہ میں حق و صداقت کی علامت ہیں۔ اس مسئلہ میں بعض لوگوں نے میری موافقت

۱۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۴۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

کہ اور بعض نے میری مخالفت کی، میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری رائے کی حمایت کریں، آپ کے سامنے اللہ کی کتاب ہے جس میں حق بات کو بیان کیا گیا ہے اور میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے میرا ارادہ صرف حق بات کا اظہار ہے، انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ اپنا موقف بیان کیجیے، حضرت عمر نے فرمایا: یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں (!) حالانکہ میں کسی کی حق تلفی کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، البتہ میرا یہ خیال ہے کہ کسریٰ کی فتح کے بعد اور کوئی علاقہ اتنی فتح نہیں رہے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال، ان کی زمینیں اور ان کے کسان ہم کو بطور غنیمت عطا فرمائے ہیں، میں نے مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد اس کو فوج میں تقسیم کر دیا اور میری رائے یہ ہے کہ میں مفتوحہ زمینوں اور کسانوں کو وقف کر دوں اور ان زمینوں پر خراج مقرر کر دوں اور اہل ذمہ پر جزیہ مقرر کر دوں، تاکہ یہ آمدنی تمام مسلمانوں، افواج اسلام اور یتیموں پر خرچ کرنے کا ذریعہ ہو اور آئندہ نسلوں میں اس کا شمار ہو، کیا آپ کے خیال میں سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوج کا انتظام کرنا ضروری نہیں ہے؟ اور کیا شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ اور مصر ایسے اہم علاقوں کی حفاظت کے لیے افواج کی ضرورت نہیں ہے؟ اگر بیت المال کی آمدنی کے وسائل کاشت نہ کیے جائیں اور ان زمینوں اور کسانوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا جائے تو ان افواج کو تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی؟

حضرت عمر کی یہ تقریر سن کر تمام صحابہ نے یک زبان کہا آپ کی رائے درست ہے اور آپ کا فیصلہ صحیح ہے! اگر اسلامی شہروں اور سرحدوں کا تحفظ نہ کیا گیا تو کفار ان شہروں پر قبضہ کر لیں گے۔

امام ابو یوسف حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کی یہ خواہش تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی زمینوں کو ان میں تقسیم کر دیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں خیبر کی زمینوں کو تقسیم کر دیا تھا، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت بلال بن ابی رباح رضی اللہ عنہما بڑی شدت سے یہ مطالبہ کر رہے تھے، حضرت عمر نے فرمایا اگر ایسا ہوا تو بعد کے مسلمانوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا! پھر آپ نے دعا کی اے اللہ! بلال اور اس کے ساتھیوں سے میرا پیچھا چھڑا دے۔

امام ابو یوسف زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہوئے سورۂ حشر کی آیت ۶-۱۰ سے استدلال کیا (ہم اس بحث کے شروع میں ان آیات کو مع ان کے ترجمہ کے بیان کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف کتاب اللہ کے مطابق تھا اور اسی میں تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی اور اگر مفتوحہ زمینوں کی آمدنی کو مسلمانوں کے لیے وقف نہ کیا جاتا تو سرحدوں کا تحفظ نہ ہوتا اور جہاد کے لیے لشکر اسلام کی قوت کا سامان نہ ہوتا اور اسلامی مقبوضات کفار کے حملوں سے محفوظ نہ رہتے۔ [1]

سواد عراق کو وقف کرنے کے متعلق حضرت علی اور حضرت معاذ کی رائے

امام ابو عبید حارثہ بن مضرب سے

[1] امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الخراج ص ۲۴-۲۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے سواد عراق (کی مفتوحہ زمینوں) کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے مردم شماری کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ ہر کسی کے حصے میں تین کسان آتے ہیں، پھر انھوں نے اس مسئلہ میں مشورہ کیا تو حضرت علی نے یہ رائے دی کہ ان زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ان کو مسلمانوں کی مجموعی دولت قرار دیا جائے۔ لہٰذا حضرت عمر نے ان زمینوں کو تقسیم نہیں کیا اور عثمان بن حنیف کو ان زمینوں کا والی بنا کر بھیج دیا۔ انھوں نے ان مفتوحہ کسانوں پر حسب حیثیت اڑتالیس، چوبیس اور بارہ درہم جزیہ مقرر کیا۔

امام ابو عبید حضرت عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر جابیہ آئے تو انھوں نے مسلمانوں میں زمینوں کو تقسیم کرنے کا ارادہ کیا، اس موقع پر حضرت معاذ نے ان سے کہا: بخدا! اگر ایسا کیا گیا تو اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے، اگر آپ نے یہ زمینیں تقسیم کر دیں تو لوگوں کے ہاتھ بے تحاشا دولت آ جائے گی، پھر ان کے مرنے کے بعد ممکن ہے یہ دولت کسی ایک مرد یا عورت کو مل جائے اور ان کے بعد جو لوگ اسلام کی حفاظت میں حصہ لیں ان کو کچھ نہ مل سکے، اس لیے کوئی ایسی تدبیر کیجئے جس سے اس زمانے کے لوگوں اور بعد کے مسلمانوں دونوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

امام ابو عبید، عبداللہ بن ابی قیس سے ایک روایت ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عمر سے زمینوں کو تقسیم کرنے کے بارے میں سنا تھا لیکن حضرت معاذ کا یہ مشورہ سننے کے بعد حضرت عمر کی رائے حضرت معاذ کے موافق ہو گئی۔ [1]

اموال فئ کے متعلق امام ابو عبید کا نظریہ

امام ابو عبید، زید بن اسلم کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے یہ سنا کہ اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر مفتوحہ علاقہ اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر تقسیم کر دیا تھا۔ [2]

امام ابو عبید، قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ قادسیہ میں قبیلہ بجیلہ کی تعداد تمام فوج کی چوتھائی تھی اس وجہ سے حضرت عمر نے ان کو سواد عراق کا چوتھائی حصہ دے دیا، اس پر وہ دو تین سال تک قابض رہے، اس کے بعد عمار بن یاسر، جریر بن عبداللہ کے ساتھ حضرت عمر کے پاس آئے تو حضرت عمر نے جریر بن عبداللہ سے کہا: اے جریر! اگر میں تقسیم کرنے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ نہ ہوتا تو میں اس علاقے کو تمہارے قبضہ ہی میں رہنے دیتا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آبادی فزوں تر ہو گئی ہے اور میری رائے یہ ہے کہ تم وہ علاقہ ان لوگوں (اہل قادسیہ) کو واپس دے دو، جریر نے حضرت عمر کی اس رائے پر عمل کیا اس پر حضرت عمر نے ان کو اسی دینار انعام میں دیے۔ [3]

ان تمام روایات کو بیان کرنے کے بعد امام ابو عبید لکھتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ صحیح بات وہی ہے جس کو سفیان نے بیان کیا ہے جس علاقہ پر فوجی طاقت کے ذریعہ قبضہ کیا جائے اس کا فیصلہ مسلمانوں کے امیر کی صوابدید پر ہے، وہ چاہے تو عامۃ المسلمین کی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھتے ہوئے اس علاقہ کو غنیمت میں شمار کر کے اس

---

[1] امام ابو عبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ، کتاب الاموال (مترجم) ج ۱ ص ۱۹۲، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

[2] ″ ″ ″ ، کتاب الاموال (مترجم) ج ۱ ص ۱۸۹، ″ ″

[3] ″ ″ ″ ، کتاب الاموال (مترجم) ج ۱ ص ۱۹۰، ″ ″

وہ چاہے تو اس کو فئی قرار دے، اس چیز کی وضاحت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریق کار سے ہو رہی ہے کیونکہ ایک طرف تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کر رہے ہیں کہ آپ نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا اور دوسری طرف وہ خود ہی یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اگر مجھے بعد میں آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر مفتوحہ علاقہ کو (مسلمان فاتحین میں) اسی طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تھا۔

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جو زمینیں غلبہ اور فوجی طاقت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں ان میں مسلمانوں کے امیر کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی ایک طریقہ پر عمل کرے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عمر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے دانستہ تجاوز نہ کرتے۔ [1]

مسلمانوں کی مفتوحہ اراضی مطلقاً فئی ہیں خواہ ان پر جنگ سے قبضہ ہوا ہو یا صلح سے

خیبر کا بعض علاقہ جنگ سے فتح ہوا تھا اس وجہ سے خیبر کی ساری زمین فئے نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے تین حصے کیے تھے دو حصے مسلمانوں میں تقسیم کر دیے اور ایک حصہ اپنی ازواج کے خرچ کے لیے مقرر کیا اور ازواج کے خرچ سے جو بچ جاتا اس کو آپ فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دیتے (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۷۰)۔ امام ابوعبید کا مطلقاً یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کے ساتھ کلیۃً غنیمت کا معاملہ کیا نہ کلیۃً مال فئی کا معاملہ کیا بلکہ اپنے صوابدیدی اختیارات سے خیبر کی زمینوں میں تصرف کیا، البتہ بنو نضیر اور فدک کی زمینیں جنگ سے حاصل نہیں ہوئی تھیں اس لیے وہ ساری زمینیں وقف تھیں، اور ان میں صرف وہی تصرف جائز تھے جو تصرف فئی میں جائز ہیں۔

جو اسلامی مفتوحات جنگ سے حاصل ہوئے ہیں ان میں اجماع صحابہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ میدان جنگ میں جو منقولہ اشیاء قبضہ میں آئیں وہ مال غنیمت ہیں مثلاً سامان حرب اور سواریاں، اور خمس نکالنے کے بعد ان کو اسلامی لشکر میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور جو اشیاء غیر منقولہ ہیں مثلاً قابل کاشت اراضی اور باغات وغیرہ وہ فئی ہیں اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو فئی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور جب مہاجرین اور انصار تمام صحابہ نے اس پر اجماع کر لیا کہ جنگ سے حاصل ہونے والی مفتوحہ زمینیں بھی فئی ہیں تو اب بعد کے لوگوں کو اس میں رد و بدل کرنے کا اختیار نہیں رہا کیونکہ اجماع صحابہ بھی حجت شرعیہ ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ کفار کے جو علاقے بغیر جنگ کے حاصل ہوتے ہیں وہ تو سورہ حشر کی آیات قطعیہ کی بموجب فئی ہیں اور ان کی آمدنی یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سامان حرب اور مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف ہو گی جیسے بنو نضیر اور فدک کی زمینیں وقف تھیں اور کفار کے جو علاقے جنگ سے حاصل ہوئے ہوں جیسے عراق اور شام وغیرہ ان مفتوحہ علاقوں کی زمینیں اجماع صحابہ سے فئی ہو گئیں اور ان کی آمدنی بھی مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف ہو گی۔

[1] امام ابوعبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ ھ، کتاب الاموال (مترجم) ج ۱ ص ۱۹۱، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

سوادِ عراق کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظریہ پر دلائل

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظریہ کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو علاقے جنگ سے فتح ہوئے تھے ان میں سے کسی علاقہ کی زمینوں اور باشندوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کا معاملہ نہیں کیا یعنی خمس نکالنے کے بعد ان زمینوں اور وہاں کے باشندوں کو فوج میں تقسیم کر دیا ہو، آپ کے زمانہ کی دو نمایاں ترین مثالیں فتح مکہ اور فتح خیبر ہیں ان میں سے مکہ کی مثال تو بالکل واضح ہے، کیونکہ مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے مکہ جوں کا توں وہاں کے باشندوں کے حوالہ کر دیا اور خیبر کے بارے میں سنن ابو داؤد کے حوالہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ نے خیبر کے ۳۶ حصے کیے ان میں سے ۱۸ حصے اجتماعی ضروریات کے لیے وقف کر کے باقی ۱۸ حصے فوج میں تقسیم فرما دیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے یہ بات واضح ہو گئی جو مفتوحہ زمین جنگ سے حاصل ہوئی ہوں ان کا حکم غنیمت کا نہیں ہے ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کو بالکلیہ اہل مکہ کے حوالہ کر دیتے اور خیبر سے صرف خمس نکالنے کے بجائے اس کا پورا نصف حصہ اجتماعی ضروریات کے لیے بیت المال کی تحویل میں دے کر وقف فرما دیتے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو ممالک جنگ سے فتح ہوں ان کے بارے میں مسلمانوں کے امیر کو یہ اختیار ہے کہ وہ ان کے متعلق حالات کے لحاظ سے اپنی صواب دید کے مطابق فیصلہ کرے، وہ ان علاقوں کو فوج میں تقسیم بھی کر سکتا ہے، اور ان علاقوں کے باشندوں پر احسان کر کے انہیں وہ علاقے واپس بھی دے سکتا ہے اور ان علاقوں کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی خاطر وقف بھی کر سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چونکہ بڑے بڑے ممالک فتح نہیں ہوئے تھے، اس لیے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بڑے بڑے ممالک فتح ہوئے تو صحابہ کرام کو یہ الجھن ہوئی کہ جنگ سے فتح ہونے والے ممالک پر غنیمت کا حکم لاگو ہو گا یا فئی کا؟ مصر کی فتح کے بعد حضرت زبیر نے حضرت عمرو بن العاص سے یہ مطالبہ کیا کہ اس پورے علاقہ کو اس طرح تقسیم کر دیجئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا تھا۔[1] شام اور عراق کے مفتوحہ علاقوں کے متعلق حضرت بلال بن ابی رباح نے یہ مطالبہ کیا کہ ان زمینوں کو ان کے فاتحین کے درمیان اسی طرح تقسیم کر دیجئے جس طرح مال غنیمت کو لشکر میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔[2] دوسری طرف حضرت علی کی رائے یہ تھی کہ ان زمینوں کو ان کے کاشتکاروں کے پاس رہنے دیجئے تاکہ یہ مسلمانوں کی آمدنی کا ذریعہ بنی رہیں۔[3] اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بھی یہ رائے تھی کہ اگر سواد عراق کو تقسیم کیا گیا تو اس کے نتائج بہت برے ہوں گے۔[4] حضرت عثمان کی بھی یہی رائے تھی بالآخر تمام مہاجرین اور انصار صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا کہ سواد عراق کو افواج پر تقسیم نہ کیا جائے تاکہ عراق کی زمینوں سے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات پوری ہوتی رہیں اور رفاہ کا انتظام ہو سکے۔

---

[1] امام ابو عبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ ھ، کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

[2] امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ ھ، کتاب الخراج ص ۲۴-۲۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

[3] امام ابو عبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ ھ کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۸۵، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

[4] " " " " " " " کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۸۶، ۱۸۵

میں کہتا ہوں کہ جنگ سے فتح ہونے والے ممالک کی زمینوں کے متعلق صحابہ کرام کے اس اجماع کی نظیر یہ ہے، جیسے شراب کی حد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کوئی معین سزا نہیں تھی، جس دفعہ شراب پینے والے کو چند کوڑے لگائے جاتے اور بعض دفعہ اس کو چند جوتے مارے جاتے لیکن بعد میں صحابہ کرام نے غور و خوض اور کافی بحث اور تمحیص کے بعد اس پر اتفاق کر لیا کہ شرابی کی حد اسی کوڑے ہوگی سو اب اس پر اجماع ہو گیا اور اب شراب کی حد میں اسی کوڑوں سے کم مارنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جنگ سے فتح ہونے والے علاقوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تین احکام تھے بعض علاقوں کو فوج پر تقسیم کیا گیا جیسا کہ خیبر کے بعض علاقے دیے گئے، بعض علاقے وہاں کے باشندوں کو بخش دیے گئے جیسے مکہ مکرمہ اہل مکہ کو دے دیا گیا اور بعض علاقوں کی زمینوں کو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی خاطر وقف کیا گیا جس طرح خیبر کے نصف علاقہ کو مسلمانوں کی ضروریات کی خاطر وقف کر دیا گیا اور جب بعد میں صحابہ کرام کا ایک طویل بحث اور کافی غور و فکر کے بعد اس پر اجماع ہو گیا کہ عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا جائے تو اب یہی شکل معین ہو گئی اور اب ان زمینوں کو لشکر اسلام پر تقسیم کر دینا جائز نہیں ہے، امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اور باقی ائمہ ثلاثہ اس معاملہ کو مسلمانوں کے امیر کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں۔

مفتوحہ علاقہ کی زمینوں کے متعلق فقہاء کی آراء

علامہ بہوتی حنبلی لکھتے ہیں: کفار کی زمینوں کی تین قسمیں ہیں:

اول: جس علاقہ کو مسلمانوں نے جنگ سے فتح کیا ہو اس میں مسلمانوں کے امیر کو اختیار ہے خواہ اس زمین کو لشکر اسلام میں تقسیم کر دے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے نصف حصہ کو لشکر میں تقسیم فرما دیا تھا اور باقی نصف کو وقف کر دیا تھا (سنن ابوداؤد) اور اگر امیر مناسب سمجھے تو اس تمام زمین کو مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف کر دے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر، عراق، شام اور تمام مفتوحہ ممالک کی زمینوں کی آمدنی کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

ثانی: جس علاقہ کے کفار مسلمانوں کے خوف سے بھاگ گئے ہوں اور اس علاقہ پر مسلمان قابض ہو گئے ہوں اس علاقہ کی زمینیں وقف ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ فئے میں داخل ہیں۔

ثالث: جس علاقہ کے کفار سے مسلمانوں کے امیر نے اس شرط پر صلح کی ہو کہ وہ زمین مسلمانوں کی ملکیت ہوگی اور اگر کفار ان زمینوں پر کاشت کاری کریں گے تو ان کو خراج ادا کرنا ہوگا تو یہ زمین بھی وقف ہوگی کیونکہ یہ بھی فئے میں داخل ہے، اور اگر امام نے اس شرط پر صلح کی ہے کہ وہ زمینیں کفار کی ملکیت میں رہیں گی اور وہ کاشت کاری کر کے خراج ادا کریں گے تو یہ صلح کی ہے اور زمینیں ان کی ملکیت میں رہیں گی اور ان کا خراج وہ جزیہ کی طرح ادا کریں گے اور اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ [۱]

علامہ شربینی شافعی لکھتے ہیں: اس زمانہ میں اگر مسلمانوں کے امیر کے نزدیک مصلحت یہ ہو کہ جنگ سے فتح شدہ علاقہ

---

[۱] علامہ منصور بن یونس بن منصور بن ادریس بہوتی متوفی ۱۰۵۱ھ، کشاف القناع ج ۳ ص ۹۶-۹۴، مطبوعہ عالم الکتب بیروت۔

کی زمینوں کو وقف کیا جائے تو وہ وقف کر سکتا ہے بلکہ وہ منقول اشیاء کو بھی وقف کر سکتا ہے، بشرطیکہ لشکر اسلام اس پر راضی ہو جائے اور اس کی دلیل سواد عراق کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریق کار ہے۔ [1]

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے لکھا ہے کہ امام طحاوی نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے یہ ہے کہ جنگ سے فتح ہونے والی زمینوں کا معاملہ مسلمانوں کے امیر کے اجتہاد پر موقوف ہے خواہ وہ ان میں سے خمس نکال کر باقی کو مجاہدین پر تقسیم کر دے خواہ ساری زمین کو وقف کر دے، امام ابو عبید اور ثوری کی بھی یہی رائے ہے۔ [2]

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں: کفار کی قابل کاشت اراضی پر جب مسلمان جنگ کے بعد قابض ہو جائیں تو وہ از خود مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے وقف ہو جاتی ہیں، اس میں امیر کے فیصلہ کرنے کا دخل نہیں ہے اور نہ اس مسئلہ میں مجاہدین کو راضی کرنے کی ضرورت ہے۔ [3]

غالباً فقہاء مالکیہ نے اپنے اس قول کی بنیاد اجماع صحابہ پر رکھی ہے اور اجماع صحابہ ایک قوی حجت ہے، ہمارے نزدیک بھی قول صحیح ہے یہاں تک جو ہم نے بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے جو علاقے جنگ سے فتح ہوں ان کی زمینوں کے بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، لیکن کفار کے جو علاقے صلح سے حاصل ہوئے ہوں جیسے خیبر کے بعض علاقے، بنو نضیر کی اراضی اور فدک وغیرہ ان کے بارے میں تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ یہ اراضی مسلمانوں کے مفاد عامہ، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے وقف ہیں، ان زمینوں کا کوئی شخص مالک نہیں ہے، ان کو بیچا جا سکتا ہے نہ خریدا جا سکتا ہے اور نہ ان میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔

مسئلہ فدک

اس باب کی حدیث نمبر ۴۴۷۲ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی سے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت ابو بکر خلیفہ منتخب ہو گئے تو تم دونوں حضرت ابو بکر کے پاس گئے، تم اپنے بھتیجے کی وراثت طلب کرتے تھے اور یہ اپنی زوجہ (حضرت فاطمہ) کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث طلب کرتے تھے، حضرت ابو بکر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، سو تم دونوں نے حضرت ابو بکر کو جھوٹا، گنہ گار، خائن اور عہد شکن گمان کیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ حضرت ابو بکر سچے، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کی پیروی کرنے والے ہیں۔ الحدیث۔

علماء اہل سنت اور علماء شیعہ کے درمیان یہ ایک بہت معرکہ آراء مسئلہ ہے، علماء شیعہ کہتے ہیں کہ فدک کا علاقہ حضرت فاطمہ کا حق تھا جو حضرت ابو بکر نے ان کو نہیں دیا، اس کی تفصیل میں کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ فدک کا علاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث میں حضرت فاطمہ کو ملنا تھا لیکن حضرت ابو بکر نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] علامہ محمد شربینی الخطیب من قرن العاشر، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۲۳۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۳۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

[3] علامہ ابو البرکات سید احمد دردیر مالکی متوفی ۱۲۰۱ھ، الشرح الکبیر علی حاشیۃ الدسوقی ج ۲ ص ۱۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت

علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا، حضرت فاطمہ نے اس ہبہ کے ثبوت میں حضرت علی اور ام ایمن کو بطور گواہ پیش کیا لیکن حضرت ابوبکر نے اس گواہی کو تسلیم نہیں کیا اور ان کو فدک نہیں دیا، علماء اہل سنت کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ نے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا البتہ حضرت فاطمہ نے وراثت کی مد سے اپنا حصہ مانگا تھا کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ اہل بیت کی ضروریات کے بعد جو حضور کا ترکہ باقی بچے گا اس میں وراثت جاری ہوگی، وہ اس حدیث میں تخصیص کی قائل تھیں، اس کے برخلاف حضرت ابوبکر اس حدیث کو عموم پر رکھتے تھے، ابتداء میں حضرت فاطمہ نے اس سے اختلاف کیا لیکن جب حضرت ابوبکر نے یقین دلایا کہ وہ فدک کی آمدنی کو اہل بیت کی ضروریات پر خرچ کرتے رہیں گے تو حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں۔

اس مسئلہ کی تحقیق میں پہلے ہم فدک کا جغرافیائی محل وقوع اور اس کی لغوی تحقیق بیان کریں گے، اس کے بعد قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور معتبر کتب شیعہ کے حوالوں سے یہ بیان کریں گے کہ فدک از قبیل فئی تھا اور فئی وقف ہوتا ہے اور جو چیز وقف ہو وہ کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتی، وہ کسی کو ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ اس میں میراث جاری ہو سکتی ہے، پھر معتبر کتب شیعہ سے یہ بیان کریں گے کہ انبیاء علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی لہٰذا فدک کے بطور وراثت ملنے کی بنیاد نہ رہی، علماء شیعہ نے اہل سنت کی جن کتابوں سے یہ دلیل پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا اس کا جواب بیان کریں گے اور اس سلسلہ میں تمام شبہات کا ازالہ کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس جملہ کی وضاحت کریں گے "سو تم دونوں (یعنی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جھوٹا، گنہ گار، خائن اور عہد شکن گمان کیا! فنقول و باللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

فدک کا لغوی معنی، جغرافیائی محل وقوع اور تاریخ

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

(فدک محرکۃ بخیبر) فیھا نخل وعین افاءہ اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

فدک خیبر کا ایک علاقہ ہے اس میں کھجور کے باغات اور چشمے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ علاقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فئی عطا کیا تھا۔

عام طور پر اس علاقہ کو فِدک پڑھا جاتا ہے یہ صحیح نہیں ہے، صحیح لفظ فَدَک ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

فدک قریۃ بخیبر وقیل بناحیۃ الحجاز فیھا عین ونخل افاءھا اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم[2]

فدک خیبر کی ایک بستی ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ حجاز کی سمت میں ہے، اس میں چشمے اور باغات ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ بستی اپنے نبی کو بطور فئی عطا فرمائی تھی

[1] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۷ ص ۱۶۶، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۰ ص ۴۷۳، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

علامہ اسماعیل جوہری لکھتے ہیں:

فَدَكُ: اسم قرية بخيبر[1] فدک خیبر کی ایک بستی کا نام ہے۔

علامہ شہاب الدین حموی لکھتے ہیں:

فدک کا معنی روئی دھنکنا ہے روئی دھنکنے کو اہل عرب فَدَّكْتُ القطن کہتے ہیں، فدک حجاز کی ایک بستی ہے اور یہ مدینہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے ایک قول یہ ہے کہ یہ مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سات ہجری میں فدک صلح سے بطور فئی عطا فرمایا تھا، اور اس کا قصہ یوں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں پہنچے اور تین قلعوں کے سوا تمام قلعوں کو فتح کر لیا اور ان تین قلعوں کا محاصرہ کیا تو ان قلعہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ انہیں یہاں سے جلاوطن ہونے دیں تو وہ قلعہ کے دروازے کھول دیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اتفاق کر لیا، جب اہل فدک کو یہ خبر آئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ فدک کے پھلوں اور دیگر اموال کا نصف دے کر صلح پر تیار ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ فدک کا علاقہ ان علاقوں میں سے تھا جس کو فتح کرنے کے لیے مسلمان مجاہدین کو اپنے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑانے پڑے تھے، اس میں کثرت سے کھجور کے درخت اور بہتے ہوئے چشمے تھے، اور یہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھا۔

علامہ حموی لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فدک میں کافی اختلاف ہوا اور اس مسئلہ میں مختلف روایات ہیں بہرحال میرے نزدیک جو چیز صحت کے ساتھ ثابت ہے وہ یہ ہے جس کو بلاذری نے کتاب الفتوح میں ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے لوٹے تو آپ نے محیصہ بن مسعود کو فدک بھیجا اس وقت فدک کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، فدک والے خیبر کی خبر سن کر پہلے ہی مرعوب ہو چکے تھے انہوں نے فدک کی آدھی زمین دینے پر صلح کر لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور وہ زمین خاص آپ کے تصرف میں رہی کیونکہ اس کو جنگ سے حاصل نہیں کیا گیا تھا، آپ اس زمین کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے۔ فدک والے اس جگہ رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر نے ان کو جلاوطن کر دیا اور باقی نصف کی قیمت یہودیوں کو ادا کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فدک ہبہ کر دیا تھا اور اس پر حضرت علی بن ابی طالب اور ام ایمن کی گواہی پیش کی، حضرت ابوبکر نے کہا: اے بنت رسول اللہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سوا گواہی مقبول نہیں ہوتی تو وہ واپس چلی گئیں اور ام ہانی سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا تمہارا کون وارث ہوگا؟ حضرت ابوبکر نے کہا میری بیوی اور میری اولاد! حضرت فاطمہ نے کہا کیا وجہ ہے کہ تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہو اور ہم نہ ہوں؟ حضرت ابوبکر نے کہا: اے بنت رسول اللہ! میں سونے چاندی یا فلاں فلاں چیز کا وارث نہیں ہوں، حضرت فاطمہ نے کہا خیبر میں جو ہمارا

[1] علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح ج ۴ ص ۱۶۰۲، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ

حصہ ہے اور فدک میں جو ہمارے صدقات ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا اے بنت رسول اللہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے میری زندگی میں مجھے عطا کی ہیں اور میرے بعد یہ مسلمانوں پر صدقہ ہیں، اور عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ سے اپنی میراث کا سوال کیا حضرت ابوبکر نے یہ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں بنایا جاتا۔ ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے، اور یہ مال آل محمد کی ضروریات اور ان کے مہمانوں کے لیے ہے اور جب میں فوت ہو جاؤں گا تو اس کا متولی وہ شخص ہوگا جو میرے بعد مسلمانوں کا والی ہوگا۔ اس حدیث کو سننے کے بعد ازواج مطہرات میراث کے سوال سے باز رہیں۔

جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انھوں نے خطبہ دیا اور کہا کہ فدک خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اس کی آمدنی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات پر خرچ کرتے تھے اور جو مال بچ جاتا اس کو مسافروں پر خرچ کرتے تھے اور یہ بیان کیا کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ ان کو فدک ہبہ کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا اور فرمایا تمہارے لیے فدک کو ہبہ کرنے کا سوال کرنا جائز ہے اور نہ میرے لیے اس کو دینا جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی فدک کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کرتے رہے، جب حضرت معاویہ حاکم ہوئے تو انھوں نے فدک مروان بن الحکم کو دے دیا اور جب مروان حاکم ہوا تو اس نے عبد العزیز کو فدک ہبہ کر دیا اور عبد الملک نے اپنے بیٹوں کو دے دیا پھر سلیمان اور ولید کو مل گیا اور جب ولید حاکم ہوا تو میں نے اس سے اس کا حصہ مانگ لیا اس نے بھی مجھ کو اپنا حصہ دے دیا سو میں نے فدک کے تمام حصوں کو جمع کر لیا اور میرے نزدیک فدک سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی مال نہیں ہے اور میں تم تمام لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے پھر فدک کو اسی طرح لوٹا دیا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں فدک پر عمل ہوتا تھا (یعنی اس کو اپنی ملکیت سے نکال کر وقف کر دیا۔ سعیدی غفرلہ) پھر عمر بن عبد العزیز کے بعد خلفاء اس کی آمدنی سے مسافروں پر خرچ کرتے تھے (یعنی اس کو بدستور وقف برقرار رکھا۔)

پھر ۲۱۰ھ میں مامون رشید نے حکم دیا کہ فدک حضرت فاطمہ کی اولاد کو دے دیا جائے اور مدینہ کے گورنر قثم بن جعفر کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو فدک دے دیا تھا اور ان پر فدک کو صدقہ کر دیا تھا اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں مشہور اور معروف تھی، پھر حضرت فاطمہ اس کا خلیفہ سے مطالبہ کرتی رہیں، مامون کی رائے یہ تھی کہ حضرت فاطمہ کے وارثوں میں سے محمد بن یحییٰ بن الحسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اور محمد بن عبد اللہ بن الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کے حوالے فدک کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی آمدنی کو اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔

پھر جب جعفر متوکل خلیفہ ہوئے تو انھوں نے فدک کو پھر اسی طرح لوٹا دیا جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عمر بن عبد العزیز اور ان کے بعد خلفاء کے زمانہ میں تھا، (یعنی حضرت فاطمہ کی اولاد کی ملکیت سے نکال کر اس کو پھر وقف کر دیا)

علامہ حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مدینہ کے حاکم کو یہ لکھا کہ وہ اولاد فاطمہ کو فدک واپس کر دیں، سو عمر بن عبد العزیز کے ایام خلافت میں فدک اولاد فاطمہ کے تصرف میں رہا، پھر جب یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو اس نے فدک پر قبضہ کر لیا اور پھر یہ بنو امیہ کے خلفاء میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ ابو العباس سفاح خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو دے دیا اور وہ اس کے متولی رہے اور حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد میں اس کی آمدنی تقسیم کرتے تھے اور جب منصور خلیفہ ہوا تو اس کے خلاف حضرت حسن کی اولاد نے خروج کیا تو پھر منصور نے فدک اولاد علی سے لے لیا پھر اس کے بعد موسیٰ ہادی نے اس پر قبضہ کیا اور پھر یہ اس کے بعد کے حکمرانوں کے قبضہ میں رہا حتیٰ کہ مامون رشید خلیفہ ہوا اس کے پاس اولاد علی بن ابی طالب کا نمائندہ آیا اور اس نے فدک کا مطالبہ کیا تو مامون نے یہ حکم دیا کہ فدک حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد کے حوالے کر دیا جائے۔

علامہ حموی نے اخیر میں یہ لکھا ہے کہ جب جعفر متوکل خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فدک کو پھر اسی طرح لوٹا دیا جس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عمر بن عبد العزیز اور ان کے بعد کے خلفاء کے عہد میں تھا یعنی اس کو پھر وقف کر دیا۔ [1]

علامہ حموی نے فدک کی تاریخ بیان کرنے کے لیے وہ تمام روایات بیان کر دیں جو ان کو اس سلسلہ میں دستیاب ہوئیں، وہ کوئی حدیث کے ماہر نہیں تھے جو روایات کی چھان پھٹک کرتے اسی وجہ سے انہوں نے متعارض اور باہم متصادم روایات بیان کر دیں مثلاً انہوں نے یہ بیان کیا کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے میراث کا مطالبہ کیا اور میراث کا مطالبہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کسی کو ہبہ نہ کیا ہو اور بوقت وصال تک آپ کی ملکیت ہو، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کسی کو ہبہ نہیں کیا تھا اس کے بعد علامہ حموی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک ان کو ہبہ کر دیا تھا اور فدک پر ہبہ کا دعویٰ کرنا مطالبہ میراث کے بالکل مخالف اور متصادم ہے پھر علامہ حموی نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ ان کو فدک ہبہ کر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ "تمہارے لیے اس کو مانگنا جائز ہے اور نہ میرے لیے اس کو دینا جائز ہے" اور اس کی وجہ یہی ہے کہ فدک از قبیل فئی تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فئی کے مصارف متعین کر دیے ہیں کہ فئی کی آمدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور بعد میں آنے والے مسلمانوں پر خرچ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے ان مصارف کی یہ علت بیان کی ہے تاکہ یہ آمدنی تمہارے مالداروں کے درمیان گردش کرنے والی دولت نہ بن جائے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فئی کو وقف قرار دیا ہے اور اس کو کسی کی شخصی ملکیت میں نہیں دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] شیخ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی متوفی ۶۲۶ھ معجم البلدان ج ۴ ص ۲۴۰۔۲۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ

علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عمر بن عبد العزیز اور ان کے بعد کے خلفاء نے فدک کے ساتھ وقف کاری معاملہ کیا ہے، اس لیے یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ نے فدک پر ہبہ کا دعویٰ کیا تھا اور عنقریب ہم اس پر قوی دلائل قائم کریں گے اور مضبوط شواہد پیش کریں گے، علامہ حموی نے مؤرخین کے عام اسلوب کے مطابق فدک کے سلسلہ میں تمام روایات کو جمع کر دیا، اللہ تعالیٰ علامہ حموی کی مغفرت فرمائے حضرت فاطمہ کا دامن اس سے پاک ہے کہ انہوں نے فدک پر ہبہ کا دعویٰ کیا ہو پھر اس کے ثبوت میں اپنے شوہر اور ایک عورت کی شہادت پیش کی ہو، حضرت فاطمہ بتول اور زاہدہ تھیں دنیا اور اس کی متاع سے مستغنی تھیں ان کا مقام اس سے بہت بلند تھا کہ وہ متاع دنیا کے حصول کے لیے اس قدر سعی اور جد و جہد کرتیں اور دنیا کا مال نہ ملنے پر خلیفہ رسول سے ترک تعلق کر لیتیں[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنے کو حرام کر دیا ہے اور حضرت فاطمہ مال دنیا نہ ملنے کے غم اور غصہ میں چھ ماہ تک حضرت ابوبکر سے بات نہ کریں اور تادم مرگ یہ مقاطعہ جاری رکھیں یہ ان کی سیرت حمیدہ اور اسوۂ جمیلہ پر ایک ناروا تہمت اور بدنما داغ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غلاموں اور خادموں کے زمرہ میں قائم رکھے اور انہی کے گروہ میں ہمارا حشر کرے۔ (آمین)۔

ایں اللہ وشیر لکھتے ہیں:

فدک: شمالی حجاز میں خیبر کے قریب ایک قدیم قصبہ جو یاقوت کے بیان کے مطابق مدینہ منورہ سے دو یا تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ بظاہر اس نام کی کوئی بستی اب موجود نہیں ہے البتہ حافظ وہبہ نے بیان کیا ہے کہ الحویط کا گاؤں جو کہ حرۃ خیبر کے آخری سرے پر واقع ہے، فدک ہی کی پرانی بستی کی جگہ آباد ہوا ہے، خیبر کی طرح فدک بھی یہودی کاشتکاروں کی ایک آبادی تھی، یہاں پانی کے چشمے تھے اور کھجور اور اناج کی پیداوار ہوتی تھی یہ قصبہ دستکاری کے لیے بھی مشہور تھا اور یہاں کمبل بننے کا کام کیا جاتا تھا۔[1]

شیعہ عالم مرتضیٰ حسین فاضل لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ نے فدک کا دعویٰ کیا تھا تو اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوگا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں گے، وہ صدقہ ہوگا، حضرت فاطمۃ الزہراء نے گواہوں اور تقریر کے ذریعہ اپنے حق پر روشنی ڈالی (الاحتجاج، ص ۵۹ دلائل الامامۃ، ص ۳۱ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ، ۴: ۷۹)، لیکن حضرت ابوبکر نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کو کرتے تھے میں اس کو اسی طرح کروں گا۔ حضرت فاطمہ یہ سن کر کبیدہ خاطر

۱؎۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵ ص ۲۰۰، مطبوعہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول ۱۳۹۵ھ

۲؎۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت فاطمہ غضب ناک ہو گئیں اور حضرت ابوبکر سے قطع تعلق کر لیا۔ اس سے مراد ترک موالات نہیں جو شرعاً مذموم ہے کہ سلام و کلام بھی نہ کیا، بلکہ آپ گوشہ نشین ہو گئی تھیں، امام بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ بیمار ہو گئیں تو حضرت ابوبکر آپ کی عیادت کے لیے آئے اور کہا میرا تمام مال، اور میری تمام اولاد سب اللہ، اس کے رسول اور اے اہل بیت آپ کی رضا کے لیے وقف ہے یہ سن کر حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں، امام بیہقی کہتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے (سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۱)۔ باقر مجلسی نے بھی حضرت ابوبکر کی عیادت کرنے کا ذکر کیا ہے۔ (جلاء العیون مترجم ج ۱ ص ۲۴۳)

واپس چلی آئیں اور حضرت ابوبکر سے ناراض رہیں (البخاری: جامع الصحیح مطبوعہ دہلی ۲: ۹۹۶، کتاب المغازی، ۷: ۲۱۰)۔ حضرت عمر نے اجتہاد فرمایا اور فدک کی تولیت حضرت علی اور عباس کو دے دی (یاقوت معجم البلدان، ۳: ۸۵۵ تا ۸۵۸)۔ حضرت علی کے عہد میں بھی فدک مسلمانوں کے لیے صدقہ رہا (البخاری: جامع الصحیح، مطبوعہ دہلی ۱: ۴۳۱)۔ امیر معاویہ نے اپنے عہد میں یہ جاگیر مروان بن الحکم کو دے دی۔ مروان نے اپنے فرزند عبدالعزیز کو دے دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ہوتے ہی یہ علاقہ حسن بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب یا امام زین العابدین کو واپس کر دیا لیکن یزید بن عبدالملک نے پھر اسے واپس لے لیا (یاقوت حوالہ مذکور)۔

بنو عباس کے پہلے حکمران ابوالعباس السفاح نے فدک اہل بیت کے وارثوں کو دے دیا، لیکن المنصور نے ضبط کر لیا المہدی نے پھر واپس کر دیا (عمدۃ الاخبار ص ۳۹۵)۔ جب المامون خلیفہ ہوا تو اس نے فدک بنو ہاشم کو دے دیا (ابن ابی الحدید ۴: ۸۱)۔ ۲۳۲ھ میں المتوکل تخت نشین ہوا تو اس نے فدک پر قبضہ کر کے عبداللہ بن البازیار کو جاگیر میں دے دیا۔ اس کے بعد فدک ویران ہو گیا۔ [1]

شیعوں کے مشہور امام ابوجعفر کلینی لکھتے ہیں:

فقال له المهدی، یا ابا الحسن حدها لی، فقال حد منها جبل احد وحد منها عریش مصر، وحد منها سیف البحر وحد منها دومة الجندل، فقال له، کل هذا؟ قال، نعم یا امیر المؤمنین هذا کله مما لم یوجف علی اهله رسول الله صلی الله علیه وسلم بخیل ولا رکاب فقال کثیر وانظر فیه۔ [2]

خلیفہ مہدی نے امام ابوالحسن سے کہا: اے ابوالحسن، فدک کی حدود بیان کیجئے، امام ابوالحسن نے کہا اس کی ایک حد احد پہاڑ ہے، اور ایک حد عریش مصر ہے اور ایک حد سمندر کا کنارہ ہے اور ایک حد دومۃ الجندل ہے، مہدی نے کہا کیا یہ سب فدک ہے، امام ابوالحسن نے کہا ہاں! اے امیر المؤمنین! یہ تمام وہ علاقے ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ مہدی نے کہا یہ تو بہت ہے میں اس پر غور کروں گا۔

یہ ہے فدک کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فدک خیبر سے دو یا تین دن کی مسافت پر ایک دیہات تھا جس میں بکثرت باغات اور چشمے تھے، ۲۳۲ھ کے بعد فدک ویران ہو گیا اور اب اس نام کی وہاں کوئی بستی نہیں ہے البتہ حافظ وہبہ کے بیان کے مطابق حرۃ خیبر کے آخری سرے پر الحویط نامی ایک گاؤں ہے اور یہ اسی جگہ پر واقع ہے جہاں کسی زمانہ میں فدک تھا۔

علماء شیعہ نے فدک کی تحدید میں ناقابل فہم مبالغہ کیا ہے، اصول کافی کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ امام ابوالحسن نے بتایا کہ احد سے لے کر مصر تک فدک ہے اور ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ امام موسیٰ کاظم نے ہارون رشید سے کہا کہ فدک

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۵، ص ۲۱۲-۲۱۳، مطبوعہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب، لاہور طبع اول ۱۳۹۵ھ

[2] شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی ج ۱، ص ۵۴۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران طبع رابع ۱۳۹۵ھ

کی ایک حد عدن ہے، دوسری سمر قند ہے تیسری حد افریقہ ہے اور چوتھی حد سندھ کا وہ کنارہ ہے جو آرمینیہ سے ملا ہوا ہے (کتاب الحق بحث فدک، بحار الانوار)۔ شیعہ حضرات کے دیگر غلط واقع دعاوی کی طرح یہ بھی ایک افسانوی دعویٰ ہے جس کا تاریخ اور جغرافیہ سے کوئی تعلق نہیں۔

علماء شیعہ کا یہ دعویٰ کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے فدک کا مطالبہ کیا

فدک کے متعلق علماء شیعہ دو متضاد اور متقادم دعوے کرتے ہیں جو ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں، ایک دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے حضرت فاطمہ نے اپنا حصہ مانگا اور فرمایا مجھے اپنے والد کی وراثت سے حصہ میں فدک دو، اور وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جس کی زندگی میں کسی کو ہبہ نہ کیا گیا ہو لہٰذا اس دعویٰ میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو اپنی زندگی میں فدک نہیں دیا تھا کیونکہ اگر زندگی میں فدک ہبہ کر دیا تھا تو بعد از وصال اس کی وراثت سے مطالبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن اس کے برخلاف علماء شیعہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا اور جو چیز کسی کو زندگی میں دے دی گئی ہو اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی کیونکہ وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جس کو زندگی میں ہبہ نہ کیا ہو، لہٰذا اگر مطالبہ میراث کا دعویٰ صحیح ہے تو ہبہ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور اگر ہبہ کا دعویٰ صحیح ہے تو مطالبہ میراث کا دعویٰ صحیح نہیں ہے یہ دونوں دعوے ایک دوسرے کی ضد ہیں یہ ایک صاف اور سیدھی بات ہے جس کو ہر صاحب عقل اور صاحب انصاف درست قرار دے گا۔

پہلے ہم علماء شیعہ کی معتبر تصانیف سے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر سے فدک کا مطالبہ بطور میراث کیا تھا۔

شیخ ابو منصور طبرسی لکھتے ہیں:

روی عبد اللہ بن الحسن باسنادہ عن آبائہ علیہم السلام انہ لما اجمع ابو بکر وعمر علی منع فاطمۃ علیہا السلام فدکا وبلغھا ذلک ....

عبد اللہ بن الحسن اپنی سند کے ساتھ اپنے آباء علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو فدک نہ دینے پر اتفاق کر لیا اور حضرت فاطمہ کو یہ خبر پہنچی....

اس روایت میں ذکر ہے کہ حضرت فاطمہ دوپٹہ اوڑھ کر حضرت ابوبکر کے پاس گئیں درآں حالیکہ حضرت ابوبکر کے پاس مہاجرین اور انصار بیٹھے ہوئے تھے، حضرت فاطمہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور ایک بہت طویل اور فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں اپنے فضائل اور مناقب بیان کیے اور اخیر میں فرمایا:

ایھا المسلمون اغلب علی ارثی یا ابن ابی قحافۃ افی کتاب اللہ ترث اباک ولا

اے مسلمانو! کیا میں اپنی میراث پر مغلوب کی جاؤں گی؟ اے ابو قحافہ کے بیٹے کیا کتاب اللہ میں

ارث ابی؟ لقد جئت شیئاً فریاً أفعلی
عمد ترکتم کتاب اللہ ونبذتموہ وراء
ظہورکم؟ إذ یقول وورث سلیمان داؤد
وقال: فیما اقتص من خبر یحیی بن زکریا
إذ قال: فہب لی من لدنک ولیاً یرثنی
ویرث من آل یعقوب وقال أولوا الارحام
بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ وقال
یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل
حظ الانثیین وقال ان ترک خیر
الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف
حقاً علی المتقین وزعمتم ان لا حظوۃ
لی ولا ارث من ابی ولا رحم
بیننا، افخصکم اللہ بآیۃ اخرج
ابی منہا ام ہل تقولون ان اہل
ملتین لا یتوارثان او لست انا
وابی من اہل ملۃ واحدۃ؟ ام
انتم اعلم بخصوص القرآن
وعمومہ من ابی وابن
عمی؟ فدونکہا مخطومۃ
مرحولۃ تلقاک یوم حشرک
فنعم الحکم اللہ والزعیم
محمد والموعد القیامۃ وعند
الساعۃ یخسر المبطلون
ولکل نبأ مستقر وسوف تعلمون
من یأتیہ عذاب یخزیہ ویحل

یہ لکھا ہے کہ تم تو اپنے باپ کے وارث ہو گے اور میں اپنے
باپ کی وارث نہیں ہوں گی؟ یہ تو تم نے اپنے خدا پر بہتان
باندھا ہے! کیا تم نے عمداً کتاب اللہ کو چھوڑ دیا اور
اور اس کے احکام کو پس پشت پھینک دیا؟ کیونکہ اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے سلیمان داؤد کے وارث ہیں، اور اللہ
تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کا یہ قول نقل کیا ہے اے اللہ!
مجھے بیٹا (ولی) عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو؛
اور فرمایا بعض رشتہ داروں کا حق بعض سے زیادہ ہے،
اور فرمایا: اللہ تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے
کہ مرد کو دو لڑکیوں کا حصہ ملے گا اور فرمایا اگر کسی شخص نے
مال چھوڑا تو اس پر لازم ہے کہ وہ والدین اور رشتہ داروں
کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے یہ متقین پر
فرض ہے، اور تم نے یہ گمان کیا ہے کہ میرا اپنے والد
کی میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ہے اور ہمارے درمیان
کوئی رشتہ داری نہیں ہے کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں میراث
کا کوئی خاص حکم بتایا ہے جس کی بناء پر تم نے میرے
والد کو میراث کے احکام سے خارج کر دیا یا تم یہ کہتے ہو
کہ میرا اور میرے والد کا ایک دین نہیں ہے اور جن کے
دین مختلف ہوں وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے!
یا تم میرے والد اور میرے شوہر کی بہ نسبت قرآن کے خاص اور عام
کو زیادہ جانتے ہو، سو آج تم فدک کو بغیر کسی معارض اور
منازع کے لے لو کل حشر کے دن تم سے ملاقات ہوگی،
سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا اللہ ہے اور حق کو طلب
کرنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور تم سے قیامت
کا وعدہ ہے اور اس دن اہل باطل نقصان اٹھائیں گے

سے شیخ احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی متوفی ۶۲۰ھ، احتجاج ج ۱ ص ۱۳۸ (مطبوعہ ایران)، اور ملا باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین ص ۱۹۹ (مطبوعہ ایران) میں حضرت فاطمہ کے خطبہ میں یہ لکھا ہے کہ یحییٰ بن زکریا نے دعا کی حالانکہ یہ دعا
حضرت زکریا نے کی تھی جس کی مقبولیت کے بعد حضرت یحییٰ پیدا ہوئے۔ سعیدی غفرلہٗ

علیہ عذاب مقیم۔[1]

اور ہر چیز کی ایک قرار گاہ ہے اور تم عنقریب جان لوگے کہ رسوائی اور ذلت والا عذاب کون اٹھائے گا۔

ملا باقر مجلسی نے بھی اس طویل خطبہ کو بعینہٖ ذکر کیا ہے اور اس کا آخری حصہ یہ ہے:

پس چوں فاطمہ دید کہ از سخنانش صداقت بجز نیامد، خطاب کرد با ابوبکر کہ بگیر امروز فدک را بے معارضے و منازعے تا روز حشر تو را ملاقات کنم الخ۔[2]

جب (حضرت) فاطمہ نے یہ دیکھا کہ ان کی اس تقریر کو سن کر منافقوں پر کوئی اثر نہیں ہوا اور ان کی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی تو انھوں نے (حضرت) ابوبکر سے متوجہ ہو کر کہا آج تم بغیر کسی معارض اور فریق کے فدک لے لو کل روز حشر تم سے ملاقات ہوگی۔

اس کے علاوہ ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں بھی یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے اپنا حصہ مانگا تھا اور حضرت ابوبکر نے یہ حصہ نہیں دیا اور یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا، ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

ان سب نے لکھ کر باتفاق ایک حدیث وضع کی کہ حضرت رسول نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا۔[3]

اور حیاۃ القلوب میں لکھا ہے کہ: بعد وفات رسول خلیفہ اول و دوم نے یہ فدک غصب کر لیا۔[4]

اور شیخ احمد بن ابی یعقوب اصفہانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ حضرت ابوبکر کے پاس گئیں اور اپنے والد کی میراث میں سے اپنا حصہ مانگا، حضرت ابوبکر نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: ہم گروہ انبیاء کا وارث نہیں بنایا جاتا، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، حضرت فاطمہ نے کہا کیا یہ کتاب اللہ میں ہے کہ تمہارا باپ تو وارث ہوگا اور میرا باپ موروث نہیں ہوگا؟ اور کیا رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرد اپنی اولاد کی رعایت کرتا ہے؟[5]

متاخرین علماء شیعہ میں سے شیخ حسینی لکھتے ہیں:

ایک مخالفت ہائے ابوبکر با صریح قرآن بحسب نقل در تواریخ معتبرہ و اخبار کثیرہ بلکہ متواترہ اہل سنت است۔

(حضرت) ابوبکر نے قرآن مجید کی جن صریح آیات کی مخالفت کی ہے وہ معتبر تواریخ اور اہل سنت کی کتب احادیث سے ثابت ہے اور یہ احادیث درجہ تواتر کو

---

[1] شیخ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی متوفی ۶۲۰ھ، الاحتجاج ص ۱۰۹-۱۳۱، مطبوعہ دار النعمان ایران

[2] ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین ص ۲۰۰، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۲۰ھ

[3] ، ، ، ، جلاء العیون (مترجم) ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ انصاف پریس لاہور

[4] ، ، ، ، حیاۃ القلوب (مترجم) ج ۲ ص ۱۹۱، مطبوعہ حمایت اہل بیت وقف لاہور

[5] شیخ احمد بن ابی یعقوب متوفی ۲۹۲ھ، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۶، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرہنگی ایران، ۱۳۶۲ھ

پہنچی ہوتی ہیں۔

(۱) - در تواریخ معتبره و کتابهای صحیح سنیان نقل شده که فاطمه دختر پیغمبر آمد پیش ابوبکر و مطالبه ارث پدرش کرد ابوبکر گفت پیغمبر گفت انا معشر الانبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة و این کلام ابوبکر که به پیغمبر اسلام نسبت داده مخالف آیات صریحه است که پیغمبران ارث برده‌اند و ما بعض از آنها را ذکر میکنیم۔

(۱) - معتبر تواریخ اور سنیوں کی صحیح کتب حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت فاطمہ دختر پیغمبر (حضرت) ابوبکر کے پاس آئیں اور اپنے والد کی میراث کا مطالبہ کیا، (حضرت) ابوبکر نے کہا پیغمبر نے کہا ہے کہ "ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ بھی ترک کیا وہ صدقہ ہے" (حضرت) ابوبکر نے پیغمبر اسلام کی طرف جو اس حدیث کی نسبت کی ہے یہ قرآن مجید کی آیات صریحہ کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ پیغمبر کے وارث ہوتے ہیں اور ہم ان آیات سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ خمینی نے "ورث سلیمان داؤد" (نمل: ۱۶) اور "فهب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب" (مریم: ۵) کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:

اینک شما بگوئید خدا را تکذیب کنیم یا بگوئیم پیغمبر اسلام برخلاف گفته خدا سخن گفته یا بگوئیم این حدیث از پیغمبر نیست و برای استیصال اولاد پیغمبر پیدا شده [1]

اب یا تو تم یہ کہو کہ ہم خدا کی تکذیب کرتے ہیں (یعنی خدا کہتا ہے پیغمبر کے وارث ہوتے ہیں اور ہم کہتے ہیں نہیں ہوتے) یا یہ کہو کہ پیغمبر خدا نے خدا کی کہی ہوئی بات کے خلاف کہا اور یا یہ کہو کہ یہ حدیث پیغمبر خدا کی کہی ہوئی نہیں ہے بلکہ اولاد پیغمبر کا حق غصب کرنے کے لیے اس حدیث کو وضع کیا گیا ہے۔

علماء اہل سنت قرآن مجید کی ان آیات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان آیات میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ وراثت علم مراد ہے اور سورہ نمل کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے علم کے وارث ہوئے اور سورہ مریم کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت زکریا نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ایسا ولی عطا فرما جو میرے اور آل یعقوب کے علوم کا وارث ہو لہٰذا نہ یہ لازم آیا کہ اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی نہ یہ لازم آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف قرآن کوئی بات کہی اور نہ اس حدیث کا موضوع ہونا لازم آیا۔ بعض علماء شیعہ نے قرآن مجید کی ان آیات میں وراثت کو وراثت علمی پر محمول کرنے کو باطل قرار دیا ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے پر مزید دلائل قائم کیے ہیں اب ہم وہ دلائل پیش کرتے ہیں:

حدیث "لا نورث" کو موضوع اور باطل قرار دینے پر علماء شیعہ کے دلائل

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

[1] شیخ روح اللہ موسوی خمینی متوفی ۱۴۰۹ھ، کشف الاسرار ص ۱۱۵، مطبوعہ انتشارات آزادی قم ایران

(حضرت) ابوبکر نے جو یہ دعویٰ کیا تھا کہ پیغمبروں کی میراث نہیں ہوتی یہ محض جھوٹ اور افترا ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں:

اوّل یہ حدیث قرآن مجید کی اُن آیات کے خلاف ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ انبیاء میراث لیتے تھے حضرت یحییٰ نے زکریا سے میراث لی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس جگہ علم اور پیغمبری کی وراثت مراد ہے تو اس کے متعدد جوابات ہیں:

پہلا جواب لغت اور عرف میں جب میراث کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مال کی وراثت مراد ہوتی ہے خصوصاً اس آیت میں مال کی وراثت پر قرائن ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: واجعله رب رضیا (اے میرے رب اس لڑکے کو پسندیدہ بنا) اس آیت میں یہ دعا کی ہے کہ اس لڑکے کو اچھے اور صالح کردار کا بنا اور یہ بات معلوم ہے کہ پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں (اس لیے اگر وراثت سے وراثت نبوت مراد ہوتی) یہ شرط بے فائدہ ہوگی، نیز حضرت زکریا کو اپنے رشتہ داروں کے بارے میں مال کے شر کی وجہ تو تھی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مال کی وجہ سے وہ فسق اور فساد میں مبتلا ہو جائیں، اسی وجہ سے یہ حدیث اس آیت کے بھی خلاف ہے جس میں ہے کہ حضرت سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اسی طرح یہ حدیث ان آیات کے بھی خلاف ہے جن میں میراث کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبوت رشتہ داروں کو وراثت سے محروم کرنے کا سبب ہو۔

دوسرا جواب (حضرت) ابوبکر کی اس حدیث پر شہادت اس لیے مردود ہے کہ یہ حدیث ان کے حق میں حصول نفع کا سبب ہے اور وہ دو وجہ سے اس حدیث کے سلسلہ میں متہم ہیں۔

پہلی وجہ (حضرت) ابوبکر چاہتے تھے کہ اس مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں جس کو چاہیں اس میں سے مال دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں جیسا کہ جامع الاصول میں ابوالطفیل سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ (رضی) ابوبکر کے پاس گئیں اور اپنے والد کی میراث طلب کی اور ابوبکر نے یہ کہا کہ میں نے پیغمبر سے یہ سنا ہے کہ اللہ نے پیغمبر کو جو طعمہ (خوراک یا غذا) دی ہے وہ ان کے بعد اس کے تصرف میں ہوگی جو ان کے بعد خلیفہ ہوگا۔

دوسری وجہ قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے بلکہ اس پر یقین ہے کہ وہ اہل بیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے کیونکہ مسلمانوں کا اہل بیت کی طرف میلان تھا اور ابوبکر یہ چاہتے تھے کہ اہل بیت کمزور ہو جائیں تاکہ ان کے ساتھ خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں، اور یہی وجہ تہمت کے لیے کافی ہے اور باقی جن دوسرے لوگوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور ابوبکر کی تصدیق کی ہے وہ سب اس صدقہ میں شریک تھے اور اہل بیت کی عداوت میں معروف تھے اور ان لوگوں پر یہ تہمت بالکل ظاہر ہے۔

دوم اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اخبار متواترہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی اس حدیث کو باطل اور موضوع گردانتے تھے کیونکہ صحیح مسلم میں مالک بن اوس سے یہ روایت ہے کہ (حضرت) عمر نے حضرت علی اور حضرت عباس سے یہ کہا کہ حضرت ابوبکر نے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ بھی چھوڑا وہ صدقہ ہے پس تم دونوں نے حضرت ابوبکر کو جھوٹا، مکار، خائن اور گنہگار گمان کیا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر سچے، نیک اور حق کی پیروی

کرنے والے تھے پھر ابوبکر فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوا پھر تم دونوں نے مجھ کو جھوٹا، مکار، خائن اور گنہگار گمان کیا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں سچا، نیک اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں۔ صحیح بخاری میں بھی اسی حدیث کی مثل مروی ہے، اور ابن ابی الحدید نے بھی اس مضمون کو کئی اسانید سے روایت کیا ہے اور احادیث متواترہ میں ہے کہ حضرت علی سے حق الگ نہیں ہوتا، اور آیت تطہیر، اخبار ثقلین اور حدیث سفینہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح حضرت فاطمہ کا بھی اس حدیث کا انکار اس حدیث کے موضوع ہونے پر حجت قاطعہ ہے۔

سوم: اگر یہ حدیث حق ہوتی تو چاہیے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کو اس حدیث کی تعلیم کرتے تاکہ وہ ناحق دعویٰ نہ کرتیں اور حضرت علی کو بھی اس حدیث کی تعلیم کرتے جو آپ کے وصی اور معدن علم تھے اور کوئی صاحب عقل اس کو جائز نہیں کہے گا کہ سیدہ نساء عالمین نے اس حدیث کو اپنے والد سے سنا ہو اور اس کے باوجود مہاجرین اور انصار کے مجمع میں اس قدر شدت سے میراث کا مطالبہ کیا ہو اور مسلمانوں کے امیر پر ظلم اور بے انصافی کی تہمت لگائیں اور لوگوں کو اس کے خلاف قتال پر آمادہ کریں اور اس وجہ سے مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت نے ابوبکر کو ظالم اور غاصب گردانا ہو اور قیامت کے دن تک ابوبکر اور اس کے مددگاروں پر لعنت کریں اور اگر حضرت علی یہ جانتے کہ حضرت فاطمہ حق پر نہیں ہیں اور حق پر ابوبکر ہیں تو وہ کس طرح حضرت فاطمہ کو میراث کے مسئلہ میں ابوبکر کے پاس جانے کی اجازت دیتے۔ کیا کوئی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر دین اور تبلیغ احکام میں اس طرح کا سہو اور تسامح کر سکتے تھے کہ اپنے اہل بیت اور خصوصاً اپنے جزو بدن کو اس قدر ضروری حکم نہ بتلاتے پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض افتراء اور جھوٹ ہے۔

چہارم: اس حدیث کے جھوٹ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جو چیز عرف اور عادت کے خلاف ہو اس کے روایت کرنے والے متعدد افراد ہوتے ہیں اور حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم تک یہ سنت جاری ہے کہ اولاد کو ماں باپ کی وراثت ملتی ہے نیز یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء کے احوال اور ان کی سیرتوں کو اور ان کے خصائص کو منضبط کرنے میں بہت اہتمام کیا جاتا ہے سو اگر عام عرف اور عادت کے خلاف اگر انبیاء کے خصائص میں یہ ہوتا کہ وہ کسی کو وارث نہیں بناتے تو تمام تواریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ امر مذکور ہوتا اور جب صرف ابوبکر اور ان کے منافقوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس خلاف عادت حکم پر مطلع نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث محض افتراء اور جھوٹ ہے۔ اور جیسا کہ صحاح سے ظاہر ہوتا ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ سوائے ابوبکر کے اور کسی نے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ جو ذکر کیا ہے کہ عمر کے زمانہ میں علی اور عباس نے ان کے سامنے منازعہ کیا اور عمر نے ــــــ طلحہ، زبیر، عبداللہ بن عوف (عبدالرحمن بن عوف)، سعید، اور سعد بن ابی وقاص سے اس حدیث پر شہادت طلب کی اور ان سب نے بالاتفاق اس حدیث پر شہادت دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ڈر اور خوف کی وجہ سے اس حدیث پر شہادت دی تھی۔ [1]

سه۔ ہم صحیح مسلم کی اس حدیث کی شرح لکھ رہے ہیں، صحیح بخاری میں یہ حدیث کئی جگہ ہے مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں تم نے ابوبکر کو جھوٹا، مکار، خائن اور گنہگار گمان کیا۔ ۱۲۔ سعیدی غفرلہ

[1] ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین ص ۱۹۹-۲۰۰، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو، ایران، ۱۳۴۷ھ

وراثت کے لفظ سے علم اور نبوت کی وراثت مراد لینا اسلوب قرآن کے مطابق ہے!!

قرآن مجید میں ہے: حضرت زکریا نے دعا کی: فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ علماء شیعہ کہتے ہیں اس آیت میں یہ ثبوت ہے کہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں، علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ علم کی وراثت مراد ہے۔ ملا باقر مجلسی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ لغت اور عرف میں جب مطلقاً وراثت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مال کی وراثت مراد ہوتی ہے لہٰذا قرآن مجید کی اس آیت کو بھی مال کی وراثت پر محمول کیا جائے گا اور اس کو علم کی وراثت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا لغت اور اسلوب قرآن سے بے خبری اور لاعلمی کی وجہ سے ہے لغت میں وراثت کا معنی انتقال اور بقاء ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الارث انتقال قنیۃ الیک من غیر عقد وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام اثبتوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث ابیکم ای اصلہ و بقیتہ۔ [1]

کسی کا مال کا بغیر معقد کے تمہاری طرف منتقل ہونا وراثت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے مشاعر پر ثابت قدم رہو کیونکہ تم اپنے باپ کی وراثت یعنی اس کی اصل اور بقیہ پر ہو۔

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

الوارث الباقی، وفی التنزیل یرثنی و یرث من آل یعقوب ای یبقی بعدی وفی الدعاء النبوی اللھم امتعنی بسمعی و بصری واجعلہ الوارث منی ای ابقہ معی حتی اموت۔ [2]

وارث کا معنی ہے باقی، قرآن مجید میں حضرت یحییٰ کی دعا ہے: مجھے ایسا ولی دے جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث ہو، یعنی اس کو میرے بعد باقی رکھ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ میرے کان اور آنکھوں سے مجھے نفع پہنچا اور اس کو میرا وارث کر یعنی ان کو میرے ساتھ تاحیات باقی رکھ۔

اب ہم قرآن مجید کی ایسی آیات پیش کرتے ہیں جن میں وراثت کا معنی مال کی وراثت کسی حال میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وانا لنحن نحی و نمیت و نحن الوارثون۔ (حجر: ۲۳)

زندگی اور موت ہم ہی دیتے ہیں اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔

وکنا نحن الوارثین۔ (قصص: ۵۸)

اور انجام کار ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔

مذکور الصدر آیات سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں وراثت کا لفظ صرف وراثت با لمال میں ہی استعمال نہیں

---

[1] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۵۱۸، مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

[2] علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱ ص ۶۵۲، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

ہوا بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں وراثت کا لفظ بقاء کے لیے استعمال ہوا ہے اس لیے و ورث سلیمان داؤد اور یرثنی ویرث من آل یعقوب میں علم اور نبوت کی وراثت مراد لینا اسلوب قرآن کے عین مطابق ہے اور یہ دعویٰ غلط ہے کہ عرف اور لغت میں وراثت کا استعمال صرف وراثت بالمال میں ہوتا ہے۔

لفظ وراثت سے وراثت نبوت مراد لینے پر ملا مجلسی کے اعتراض کا جواب

ملا باقر مجلسی نے جس آیت میں وراثت سے وراثت نبوت مراد لینے پر بحث کی ہے وہ یہ ہے: حضرت زکریا دعا کرتے ہیں

فھب لی من لدنک ولیا ہ یرثنی ویرث من آل یعقوب واجعلہ رب رضیا ہ (مریم: ۵-۶)

تو مجھے ایک وارث عطا کر دے جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور اے میرے رب! اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا۔

ملا باقر یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت زکریا کی دعا کا یہ مطلب تھا کہ مجھے ایسا فرزند عطا کر جو نبی ہو تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ واجعلہ رب رضیا۔ "اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا" کیونکہ ہر نبی اللہ کا پسندیدہ ہوتا ہے، اس لیے یہاں وراثت نبوت مراد نہیں ہے بلکہ وراثت مال مراد ہے اور جو شخص مال کا وارث ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ مال کی وجہ سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اس لیے دعا کی اس کو ایک پسندیدہ شخص بنا۔!

الجواب ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا غلط ہے کہ جب حضرت زکریا نے اپنے فرزند کے لیے نبوت کی دعا کی تو پھر اس کے پسندیدہ ہونے کی دعا کی کیا ضرورت تھی کیونکہ نبی تو ہوتا ہی پسندیدہ ہے، اس لیے کہ نبوت کے ذکر کے بعد بھی ان اوصاف کا ذکر تاکید اور توضیح کے لیے کیا جاتا ہے اور اس کی قرآن مجید میں بکثرت مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وبشرنہ باسحق نبیا من الصلحین۔ (الصٰفٰت: ۱۱۲)

اور ہم نے ابراہیم کو اسحق کی بشارت دی، ایک نبی تھے صالحین میں سے۔

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے پھر نبی کے بعد صالحین میں سے کہنے کی کیا ضرورت تھی! فرشتوں نے حضرت زکریا کو ندا کی:

ان اللہ یبشرک بیحیی مصدقا بکلمۃ من اللہ وسیدا وحصورا ونبیا من الصلحین۔ (آل عمران: ۳۹)

اللہ آپ کو یحییٰ کی (ولادت کی) خوشخبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ کے مصدق ہوں گے، سردار ہوں گے، عورتوں سے بچنے والے ہوں گے، نبی ہوں گے صالحین میں سے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ حضرت یحییٰ نبی ہوں گے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ صالحین میں سے ہوں گے؛ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے، قرآن مجید میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں ہم نے صرف دو آیتوں پر اکتفا کی ہے۔ اور جب ملا باقر مجلسی کا یہ اعتراض دور ہو گیا تو یرثنی ویرث من آل یعقوب میں وراثت سے وراثت نبوت مراد لینا بے غبار ہو گیا اور ورث سلیمان داؤد میں بھی وراثت علم اور نبوت مراد لینے پر کوئی اشکال

ورثہا، وللہ الحمد۔

ائمہ اہل بیت کی روایات سے انبیاء کی وراثت علمی کا ثبوت

انبیاء علیہم السلام کسی کے مال کا وارث نہیں بنائے سوا داؤد علیہ السلام کے علم کا وارث

حضرت سلیمان کے علاوہ اسی قیاس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین کے علم کے وارث ہیں اور آپ کی امت کے علماء اور اولیاء کاملین آپ کے علم کے وارث ہیں، علماء اہل سنت یہ بات کہیں تو علماء شیعہ اس کو مجبوراً کہتے ہیں لیکن کریں کیا کہ شیعہ حضرات کے ایک بہت بڑے محدث شیخ کلینی نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ائمہ اہل بیت انبیاء سابقین کے علم کے وارث ہوتے ہیں اس قسم کی بکثرت روایات ذکر کی ہیں، شیخ کلینی نے باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے ان الائمۃ ورثوا علم النبی وجمیع الانبیاء "ائمہ نبی علیہ السلام اور جمیع انبیاء کے علوم کے وارث ہیں"

شیخ کلینی روایت کرتے ہیں

عن عبد اللہ بن جندب انہ کتب الیہ الرضاء علیہ السلام اما بعد فان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم کان امین اللہ فی خلقہ فلما قبض صلی اللہ علیہ وسلم کنا اھل البیت ورثتہ الی قولہ فنحن امناء اللہ فی ارضہ عندنا علم البلایا والمنایا... فقد علمنا وبلغنا علم ما علمنا واستودعنا علمھم نحن ورثۃ اولی العزم[1]

عبد اللہ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ امام رضا علیہ السلام نے ان کو لکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق میں امین تھے اور جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم اہل بیت آپ کے وارث ہوئے، ہمیں علم دیا گیا اور ہم کو جو علم دیا گیا تھا اور جس علم کو ہمارے پاس امانت رکھا گیا تھا ہم نے وہ علم پہنچایا، ہم اولو العزم رسولوں کے وارث ہیں۔

اور اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ اہل بیت اولو العزم رسولوں کے علوم کے وارث ہیں!

عن ابی جعفر علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... ان علی بن ابی طالب کان ھبۃ اللہ لمحمد وورث علم الاوصیاء وعلم من کان قبلہ اما ان محمدا ورث علم من کان قبلہ من الانبیاء والمرسلین۔[2]

ابو جعفر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک علی بن ابی طالب اللہ کی عطا ہیں محمد کو، وہ تمام وصیوں کے علم کے وارث ہیں اور تمام پہلوں کے علم کے وارث ہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سابقین انبیاء اور مرسلین کے علم کے وارث تھے!

اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی تمام سابقین کے علم کے وارث ہیں۔

عن المفضل بن عمر قال، قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان سلیمان ورث داؤد وان محمدا ورث سلیمان وانا ورثنا محمدا۔[3]

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا سلیمان داؤد کے وارث تھے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان کے وارث تھے اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہیں۔

---

[1] شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، الطبعۃ الرابعہ ۱۳۶۵ھ

[2] ، ، ، ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۴، ، ، ، ،

[3] ، ، ، ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۵، ، ، ، ،

لیے امام جعفر صادق نے صاف بیان کر دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد کے علم کے وارث تھے یہ لفظ وراثت کو وراثت علم میں استعمال کرنے کی نص صریح ہے اور ورث سلیمان داؤد کی تفسیر ہے اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے ہم درپے ہیں۔

عن ضریح الکناسی قال کنت عند ابی عبد اللہ علیہ السلام وعندہ ابو بصیر فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان داؤد ورث علم الانبیاء وان سلیمان ورث داؤد وان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ورث سلیمان وانا ورثنا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

ضریح کناسی بیان کرتے ہیں کہ میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کے پاس ابو بصیر بھی تھے، ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا حضرت داؤد علوم انبیاء کے وارث تھے اور حضرت سلیمان داؤد کے وارث تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان کے وارث تھے اور ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔

عن ابراہیم عن ابیہ عن ابی الحسن الاول علیہ السلام قال: قلت لہ جعلت فداک اخبرنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورث النبیین کلہم؟ قال نعم الی قولہ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فنحن الذین اصطفانا اللہ عزوجل واورثنا ھذا الذی فیہ تبیان کل شیء۔[2]

ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو الحسن علیہ السلام سے پوچھا: میں آپ پر قربان جاؤں! یہ بتلائیے کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے وارث ہیں؟ فرمایا ہاں! پس ہم وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا اور ہم کو اس کتاب کا وارث بنا دیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔

اس روایت میں یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے وارث ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ تمام انبیاء کے مال کے وارث نہیں تھے بلکہ ان کے علم کے وارث تھے اور اس سے زیادہ واضح یہ ہے کہ ابو الحسن نے فرمایا کہ ہم اہل بیت قرآن مجید کے وارث ہیں اور یہ علم کی وراثت ہے۔ ان تمام روایات سے یہ واضح ہو گیا کہ وراثت کا لفظ وراثت علمی میں استعمال ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی وراثت، وراثت علمی ہے۔ شیعہ علماء اس کے جواب میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان روایات کو ائمہ شیعہ نے تقیۃً بیان کیا ہے کیونکہ ان روایات کو ائمہ نے اہل بیت کی فضیلت علم ظاہر کرنے کے لیے بیان کیا ہے، یہاں کسی ڈر اور خوف کا معاملہ نہ تھا۔

اس بات کا جواب کہ حضرت ابو بکر نے حضرت فاطمہ کو وراثت نہ دے کر احکام میراث کی مخالفت کی

حضرت ابو بکر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے اور اس روایت کی بناء پر حضرت فاطمہ اور ازواج مطہرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے وراثت نہیں دی، اس پر ملا باقر مجلسی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت ابو بکر کی یہ روایت قرآن مجید کی ان آیات کے خلاف ہے جن میں وراثت کے عام احکام بیان کیے گئے ہیں، سو اس وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔ نیز یہ خبر واحد اور ظنی ہے اور خبر واحد قرآن مجید

---

[1] شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، ۱۳۶۵ھ

[2] الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۲۶

کے احکام کے عموم کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

پہلی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے لیے یہ حدیث خبر واحد اور ظنی نہیں تھی، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست یہ حدیث سنی تھی اور ان کے لیے یہ حدیث اسی طرح قطعی تھی جس طرح احکام میراث کی آیات قطعی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے اس حدیث کی وجہ سے احکام میراث کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس حدیث کی وجہ سے احکام میراث کے عموم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا مخصوص اور مستثنیٰ ہونا بیان کیا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ احکام میراث میں صرف اس حدیث کی وجہ سے تخصیص نہیں ہوئی بلکہ ان آیات کے عموم سے اور بھی کئی چیزیں مستثنیٰ ہو چکی ہیں، دیکھیے کافر کی اولاد، باپ کی وارث نہیں ہوتی، غلام، باپ کا وارث نہیں ہوتا، قاتل، باپ کا وارث نہیں ہوتا ———

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر بفرض محال حضرت ابوبکر نے احکام میراث کی مخالفت کی اور حضرت فاطمہ کو ترکہ نہیں دیا تو حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اس کو کیوں برقرار رکھا؟ اور اولاد فاطمہ کو اس مال کا وارث کیوں نہیں بنایا؟

نبی کے ترکہ کے وارث نہ ہونے کی وجہ

ملا باقر مجلسی نے اعتراض کیا ہے کہ نبوت اپنی اولاد کو میراث سے محروم کرنے کا سبب کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی میراث نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ انھوں نے اپنے رشتہ داروں کے لیے مال جمع کیا ہے اور نبوت کا دعویٰ [illegible] ان کی تمام سعی حصول مال کے لیے تھی، ایک قول یہ ہے کہ کہیں ان کے اقرباء ان کی موت کی تمنا کرنے لگیں اور ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں، اور ایک قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی تمام امت کے لیے بمنزلہ باپ ہوتے ہیں اور ان کی تمام امت ان کے لیے بمنزلہ اولاد ہوتی ہے اس لیے ان کا تمام مال ان کی تمام اولاد کے لیے صدقہ کر دیا جاتا ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے[۵]

کیا حضرت ابوبکر نے ذاتی مفاد اور خلافت کو مستحکم کرنے کے لیے حدیث لا نورث بیان کی تھی؟

زیر بحث حدیث کو موضوع قرار دینے کے لیے ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر اس حدیث کی روایت میں دو وجہوں سے متہم ہیں، اول یہ کہ وہ اس مال میں اپنی مرضی سے تصرف کرنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے یہ حدیث گھڑ لی، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اہل بیت کو کمزور کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ ان سے خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں، یہ دونوں وجہیں باطل ہیں، اول کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ حضرت ابوبکر پر تہمت تب ہوتی جب اس مال میں سے وہ کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرتے یا اپنی ذات یا اپنے اقارب پر اس مال کو خرچ کرتے، حالانکہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر

۵۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

نے اس مال سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھایا نہ بیت المال سے کوئی نفع حاصل کیا جو معمولی وظیفہ لیا تھا موت سے پہلے اس کو بھی بیت المال کو واپس کر دیا اور فدک کے اموال میں حضرت ابوبکر نے اپنی مرضی سے کوئی تصرف نہیں کیا، بلکہ وہی تصرف کیا جو تصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ نیز یہ حدیث صرف حضرت ابوبکر سے مروی نہیں ہے بلکہ حضرت علی سمیت متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب دلائل سے بیان کریں گے۔

دوسری وجہ کا بطلان اس وجہ سے ہے کہ اگر حضرت ابوبکر کا منشاء اپنی خلافت کو مستحکم کرنا ہوتا تو ان کو چاہیے تھا کہ فدک حضرت فاطمہ کے حوالے کر دیتے تاکہ ان کو اہل بیت کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل ہوتا اور ان کے خلاف کوئی محاذ نہ بنتا نہ ان کا کوئی فریق ہوتا اور عام لوگ بھی خوش ہوتے اس کے برخلاف جب کہ عام لوگوں کا میلان اہل بیت کی طرف تھا اور پھر انہوں نے حضرت فاطمہ کا حق ان کو نہیں دیا تو اہل بیت بھی ناراض ہو کر ایک فریق بن گئے اور لوگوں کی ایک جماعت بھی ان سے کٹ گئی، لہٰذا ملا باقر مجلسی کا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر نے اہل بیت کو فدک اس لیے نہیں دیا۔ تاکہ وہ خلافت میں مناقشہ نہ کر سکیں بالکل الٹ اور برعکس ہے کیونکہ خلافت میں مناقشہ سے بچنے کے لیے تو انہیں چاہیے تھا کہ سیاسی رشوت کے طور پر ان کو فدک دے کر اپنے ساتھ ملا لیتے اور فدک کا نہ دینا تو خلافت میں مناقشہ اور ناراضگی کا سبب ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ بے نفس اور نیک لوگ تھے حضرت فاطمہ کا مطالبہ میراث بھی نیک نیتی پر مبنی تھا اور حضرت ابوبکر کا فدک نہ دینا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا اور خلافت کو کمزور یا مستحکم کرنا کسی فریق کا بھی مطمح نظر نہیں تھا۔

کیا حضرت علی نے حدیث لا نورث کی روایت میں حضرت ابوبکر اور عمر کو جھوٹا، عہد شکن خائن اور گنہگار گمان کیا تھا؟

ملا باقر مجلسی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے باطل اور موضوع ہونے پر یہ دلیل ہے کہ صحیح مسلم میں مالک بن اوس سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے حضرت علی اور حضرت عباس سے کہا حضرت ابوبکر نے تم دونوں سے یہ کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم نے جو کچھ ترک کیا ہے وہ صدقہ ہے پس تم دونوں نے ابوبکر کو جھوٹا، عہد شکن خائن اور گنہگار گمان کیا، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ابوبکر سچے، نیک اور حق کی پیروی کرنے والے تھے پھر ابوبکر فوت ہو گئے اور میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوا، پھر تم دونوں نے مجھ کو جھوٹا، عہد شکن، خائن اور گنہگار گمان کیا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں سچا، نیک اور حق کی پیروی کرنے والا ہوں! ملا باقر مجلسی کہتے ہیں کہ صحیح مسلم کی اس روایت سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت علی، حضرت ابوبکر کو اس روایت میں جھوٹا گردانتے تھے اور حضرت علی کا اس روایت کو جھوٹا قرار دینا اس روایت کے باطل اور موضوع ہونے پر واضح دلیل ہے، کیونکہ حضرت علی حق کے سوا کچھ نہیں کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی اس حدیث کی صداقت کے معترف تھے جیسا کہ مالک بن اوس کی اسی روایت میں ہے: حضرت عمر نے حضرت علی اور حضرت عباس سے فرمایا:

ثم اقبل علی العباس وعلی فقال انشدکما باللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض تعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ قالا نعم[1]

پھر حضرت عمر، حضرت عباس اور حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کی اجازت سے زمین اور آسمان قائم ہیں، کیا تم دونوں کو یہ علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، حضرت عباس اور حضرت علی دونوں نے کہا: ہاں! ہمیں علم ہے۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی کو اس حدیث کا علم تھا اور جب انہیں علم تھا تو حضرت فاطمہ کو بھی یقیناً علم ہوگا تو پھر ان حضرات نے حضرت ابوبکر سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا اور پھر دوبارہ حضرت عمر سے میراث کا مطالبہ کیوں کیا؟

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت عباس اس حدیث کے تو معترف تھے لیکن اس حدیث کو عام نہیں سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے کسی چیز کا بھی کوئی وارث نہیں ہوگا، ان کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے بعض چیزوں کا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ اور باقی متروکات میں وراثت جاری ہوگی اور خیبر کی بعض اراضی اور فدک کے متعلق ان کا گمان تھا کہ اس میں وراثت جاری ہوگی اس وجہ سے وہ ان میں وراثت کو طلب کرتے تھے، اس کے برعکس حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دیگر صحابہ اس حدیث کو عموم پر محمول کرتے تھے اور اس حدیث کی تعمیم اور تخصیص میں ان کی آراء اور اجتہاد میں اختلاف ہو گیا، حضرت علی اور حضرت عباس کو اپنے موقف پر اصرار تھا اس وجہ سے پہلے انہوں نے حضرت ابوبکر سے اور پھر حضرت عمر سے میراث کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔[2]

دوسرا اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو حضرت عباس اور حضرت علی سے فرمایا کہ تم دونوں نے پہلے ابوبکر کو اور پھر مجھے جھوٹا، عہد شکن اور خائن گمان کیا اس کا کیا محمل ہے؟ علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں کہ علامہ مازری مالکی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ باب تنزل سے ہے یعنی تم دونوں نے حضرت ابوبکر کے استدلال اور حجت کو تسلیم نہیں کیا اور بار بار میراث کی تقسیم کا مطالبہ کرتے رہے، علاوہ ازیں یہ کہ تم نے سچے شخص کے ساتھ جھوٹے شخص کا معاملہ کیا نہ یہ کہ تم نے ان کو فی الواقع جھوٹا سمجھا۔ علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں کہ یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی، افرایتماہ کاذبا غادرا آثما خائنا ۔ کیا تم نے ابوبکر کو جھوٹا، عہد شکن، خائن اور گنہگار سمجھا تھا؟ اور یہ استفہام انکاری ہے، یعنی جب تم حضرت ابوبکر کو جھوٹا اور عہد شکن نہیں سمجھتے تھے تو پھر کیوں بار بار میراث کی تقسیم کا مطالبہ کرتے تھے؟[3]

---

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۰۴، (ملخصاً) مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[3] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۸۰-۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کہ اگر یہ حدیث واقعۃً ہوتی تو اس کے روایت کرنے والے بکثرت ہوتے حالانکہ ابوبکر اور دو تین منافقوں کے سوا اس حدیث کا اور کوئی راوی نہیں ہے، اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ حدیث مجروح ہے۔

الجواب یہ حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ سے مروی ہے، ہم اختصار کے ساتھ اس حدیث کو مستند کتب حدیث کے حوالہ جات کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ ام المؤمنین اخبرتہ ان فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالت ابا بکر الصدیق بعد وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقسم لہا میراثہا مما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما افاء اللہ علیہ فقال لہا ابوبکر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ الحدیث[1]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر سے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فئی عطا کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں جو کچھ چھوڑا ہے اس میں ان کی میراث کو تقسیم کریں، حضرت ابوبکر نے ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے

اس حدیث کو امام مسلم[2]، امام ترمذی[3]، امام نسائی[4]، امام احمد[5]، امام بیہقی[6]، اور ملا علی متقی[7] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

عن مالک بن اوس بن الحدثان ..... فقال عمر اتئدوا انشدکم باللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض ہل تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن، حضرت زبیر اور حضرت سعد سے) کہا ٹھیرو! میں تم کو اللہ کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں جس کے

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۶-۴۳۵ ج ۲ ص ۹۹۵، ۶۰۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۲-۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۵۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[4] امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۱۰، ۹، ۶، ۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[6] امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۸، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[7] شیخ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۰، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

قال لا نورث ما ترکنا صدقة یرید بذلک نفسه قالوا قد قال ذلک [1]

ان سے آسمان اور زمین قائم ہیں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے؟ انھوں نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

اس حدیث کو امام مسلم [2] امام ابوداؤد [3] امام نسائی [4] امام احمد [5] امام بیہقی [6] اور شیخ علی متقی [7] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد، حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، وہ لکھتے ہیں:

وفی الباب عن عمر، وطلحة والزبیر وعبد الرحمٰن بن عوف وسعد وعائشة وحدیث ابی هریرة حدیث حسن غریب [8]

اس باب میں حضرت عمر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد اور حضرت عائشہ سے بھی روایت ہے اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث حسن غریب ہے۔

امام بخاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عباس اور حضرت علی نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا! امام بخاری روایت کرتے ہیں:

فقال مالک انطلقت حتی ادخل علی عمر اذ اتاه حاجبه یرفأ فقال هل لک فی عثمان وعبد الرحمٰن والزبیر وسعد یستأذنون قال نعم فاذن لهم قال فدخلوا وسلموا فجلسوا ثم لبث

حضرت مالک بن اوس بن حدثان روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اس وقت ان کا دربان یرفا آیا اور کہا حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمان، حضرت زبیر اور حضرت سعد آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں، آپ کا کیا حکم ہے؟ حضرت عمر نے

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۵، ۵۷۹، ۷۰۴، ۸۰۱، ۹۹۴، ۱۰۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۵۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[4] امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، ج ۱ ص ۴۹، ۲۰۸، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۹۲، ۲۰۹، ۴۶۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[6] امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

[7] شیخ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۰، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

[8] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۵۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

یرفا قلیلا فقال لعمر هل لك في علی وعباس قال نعم فاذن لهما فلما دخلا فسلما وجلسا فقال عباس یا امیر المؤمنین اقض بینی وبین هذا فقال الرهط عثمان واصحابه یا امیر المؤمنین اقض بینهما وارح احدهما من الاخر فقال عمر اتئدوا انشدكم بالله الذی باذنه تقوم السماء والارض هل تعلمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا نورث ما تركنا صدقة یرید رسول الله صلی الله علیه وسلم نفسه قال الرهط قد قال ذلك فاقبل عمر علی علی وعباس فقال انشدكما بالله هل تعلمان ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ذلك قالا قد قال ذلك۔[1]

کہا ہاں اور اجازت دی وہ لوگ آ گئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے، حضرت یرفا تھوڑی دیر بیٹھا تھا، پھر آیا اور کہنے لگا حضرت عباس اور حضرت علی کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمر نے کہا ہاں! اور ان کو اجازت دے دی پھر وہ دونوں آ کر سلام کر کے بیٹھ گئے حضرت عباس نے کہا اے امیر المؤمنین! میرے اور اس شخص (حضرت علی) کے درمیان فیصلہ کیجئے، حضرت عثمان اور ان کے اصحاب نے بھی کہا: اے امیر المؤمنین! ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اور ایک کو دوسرے سے راحت دلائیے حضرت عمر نے کہا ٹھہرو! میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں کیا آپ کو یہ علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، (اس سے حضور کی اپنی ذات مراد تھی) اس جماعت نے کہا ہاں آپ نے یہ فرمایا تھا، پھر حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا، حضرت علی اور حضرت عباس نے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔

اس حدیث کو امام مسلم[2]، امام بیہقی[3]، اور امام ابو داؤد[4] نے بھی روایت کیا ہے۔

ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان، حضرت عبد الرحمن، حضرت سعد اور حضرت زبیر نے حضرت عمر کے خوف سے یہ شہادت دی تھی چونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اس لیے مردود ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا نورث ما تركنا ،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارا وارث نہیں بنایا

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۰۶، ۵۷۵، ۹۹۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۲۹۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[4] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۵۶، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

صدقة۔[1] جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

اس حدیث کو امام احمد[2]، امام بیہقی[3] اور شیخ علی متقی[4] نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما تركنا صدقة رواه البزار ورجاله رجال الصحيح۔[5]

حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

اس حدیث کو شیخ علی متقی نے بھی بیان کیا ہے۔[6]

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

عن عائشة ان ازواج النبي صلى الله عليه وسلم حين توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم اردن ان يبعثن عثمان الى ابي بكر يسألنه ميراثهن فقالت عائشة اليس قد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا نورث ما تركنا صدقة۔[7]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے یہ ارادہ کیا کہ حضرت ابوبکر کے پاس کسی کو بھیج کر میراث کا سوال کریں۔ حضرت عائشہ نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم[8]، امام ابو داؤد[9]، امام مالک[10] اور امام احمد[11] نے بھی روایت کیا ہے۔

---

[1] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۰ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۴۶۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[3] امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[4] شیخ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۱۱ ص ۲۰، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ

[5] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۴۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

[6] شیخ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ

[7] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[8] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[9] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۶۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[10] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۷۳۳، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

[11] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ہم نے مستند کتب حدیث کے حوالہ جات سے اس حدیث کی روایت اور تصدیق کرنے والے جن صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت عباس (۵) حضرت علی (۶) حضرت طلحہ (۷) حضرت زبیر (۸) حضرت عبدالرحمان بن عوف (۹) حضرت سعد بن ابی وقاص (۱۰) حضرت ابوہریرہ (۱۱) حضرت حذیفہ (۱۲) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چونکہ تمام مہاجرین، انصار اور اہل بیت کے سامنے یہ حدیث روایت کی تھی اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا تو اس پر تمام صحابہ اور اہل بیت کا اجماع ہوگیا، امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن فضيل بن مرزوق قال قال زيد بن علي بن الحسين بن علي اما انا فلو كنت مكان ابي بكر رضي الله عنه لحكمت بمثل ما حكم به ابو بكر رضي الله عنه في فدك۔[1]

فضیل بن مرزوق کہتے ہیں کہ زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے کہا اگر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو فدک کے بارے میں میں بھی وہی فیصلہ کرتا جو حضرت ابوبکر نے کیا تھا۔

یہ اہل بیت کی شہادت ہے، اور بکثرت کتب احادیث میں حضرت علی کی تصدیق ہے نیز حضرت علی نے اپنی خلافت کے دوران حضرت ابوبکر اور عمر کے طریقہ کو برقرار رکھا سو یہ تمام امور اس مذہب کی صحت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقف کی صداقت پر ٹھوس دلائل اور شواہد ہیں۔ احادیث اہل سنت پیش کرنے کے بعد اب ہم اس حدیث کے ثبوت میں اہل تشیع کی احادیث پیش کر رہے ہیں۔

حدیث لا نورث کا اہل تشیع کی اسانید سے ثبوت

شیخ کلینی روایت کرتے ہیں:

عن ابي البختري عن ابي عبد الله عليه السلام قال: ان العلماء ورثة الانبياء وذاك ان الانبياء لم يورثوا درهما ولا دينارا، وانما اورثوا احاديث من احاديثهم۔[2]

ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کسی کو درہم اور دینار کا وارث نہیں کرتے، انبیاء علیہم السلام صرف اپنی احادیث کا وارث کرتے ہیں۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی صرف ان کے علم میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

عن القداح عن ابي عبد الله عليه السلام قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سلك طريقا يطلب فيه علما

قداح بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر چلے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے

---

[1] امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[2] شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۲، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، ۱۳۶۵ھ

سلك الله به طريقا الى الجنة (الى قوله) وان العلماء ورثة الانبياء ان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر۔[1]

راستہ پر لے جاتا ہے، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی شخص کو درہم اور دینار کا وارث نہیں بناتے البتہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں، پس جس نے علم حاصل کیا اس نے ان کی میراث سے بڑا حصہ حاصل کیا۔

اصول کافی اہل تشیع کی بہت معتبر اور مستند کتاب ہے اور اس کا ان کے ہاں وہی درجہ حاصل ہے جو اہل سنت کے ہاں صحیح بخاری کا مقام ہے۔ شیخ کلینی نے اس کتاب میں موجودہ قرآن کی تحریف اور تنقیص کے متعلق تمام روایات بیان کی ہیں اور یہ روایت درج کی ہے کہ موجودہ قرآن، اصل قرآن کا ایک ثلث (۱/۳) ہے[2] اور اس میں بکثرت تحریف کی گئی ہے اور اس کے متعلق ایک مستقل باب قائم کیا ہے[3]، اور فروع کافی میں یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کی فرج کو غصب کر لیا تھا[4]، اور فدک کو ہبہ کرنے کے متعلق روایت وضع کی ہے گی۔ اس لیے اہل تشیع حضرات اس حدیث سے فرار حاصل کرنے کے لیے یہ نہیں کہہ سکتے کہ شیخ کلینی نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں "تقیۃً" درج کیا ہے کیونکہ اگر انہوں نے اہل سنت کی اس روایت کو تقیۃً درج کیا ہے تو پھر اہل سنت کے خلاف اس سے زیادہ شدید روایات کو اپنی کتاب میں کیوں درج کیا ہے!

یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کا مطالبہ کیا تھا لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا" تو حضرت زہرا خاموش ہو گئیں اور اس حدیث پر شیعہ علماء کے اہم اعتراضات کے جوابات لکھے، اس کے بعد اب ہم اہل سنت کے ان دلائل کا ذکر کرتے ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ فدک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

فدک میں وراثت نہ جاری ہونے پر قرآن مجید سے استدلال

فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر جنگ کے صلح سے حاصل ہوا تھا اور جو علاقہ بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ فیٔ ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ جو علاقہ فیٔ ہو وہ کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وقف ہوتا ہے اور وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی لہٰذا ثابت ہو گیا کہ فدک میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔

رہا یہ کہ فدک فیٔ ہے تو اس پر علماء اہل تشیع کی حسب ذیل تصریحات ہیں:

شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی لکھتے ہیں:

۱۔ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۳۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، ۱۳۶۵ھ

۲۔ " " " الاصول من الکافی ج ۲ ص ۶۳۴-۶۳۳ " " " " " "

۳۔ " " " الاصول من الکافی ج ۵ ص ۳۴۶ " " " " "

" " " الاصول من الکافی ج ۱ ص ۵۴۳ " " " " "

قال ابن عباس نزل قوله ما افاء الله على رسوله من اهل القرى الآية فى اموال كفار اهل القرى وهم قريظة وبنو النضير وهما بالمدينة وفدك وهى من المدينة على ثلاثة اميال وخيبر وقرى عرينة وينبع جعلها الله لرسوله يحكم فيها ما اراد واخبر انها كلها له. [1]

(حضرت) ابن عباس نے فرمایا: قرآن مجید کی آیت "ما افاء الله على رسوله من اهل القرى" کفار کی بستیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ بستیاں قریظہ اور بنو النضیر کی بستیاں ہیں جو مدینہ میں تھیں اور فدک، یہ مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور خیبر ہے اور عرینہ کی بستی اور ینبع ہے، ان سب بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر دیا، آپ ان میں جو چاہتے وہ تصرف فرماتے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ یہ تمام بستیاں آپ کے تصرف میں ہیں۔

شیخ محمد حسین طباطبائی نے بھی حضرت ابن عباس کی اس روایت کو بعینہٖ نقل کیا ہے۔ [2]

نیز شیخ طباطبائی لکھتے ہیں:

وفى التهذيب باسناده عن الحلبى عن ابى عبد الله عليه السلام قال ما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه الآية قال الفئ ما كان من اموال لم يكن فيها هراقة دم او قتل. [3]

تہذیب الاحکام میں اپنی سند کے ساتھ حلبی سے روایت ہے کہ امام ابو عبد اللہ علیہ السلام نے قرآن مجید کی اس آیت (ما افاء الله على رسوله الخ) کی تفسیر میں فرمایا فئی ان اموال کو کہتے ہیں جن کے حصول کے لیے جنگ کی گئی ہو نہ خون بہایا گیا ہو۔

شیخ محمد جواد مغنیہ لکھتے ہیں:

ومعنى الفئ فى اللغة الرجوع وفى اصطلاح الفقهاء ما اخذ من الكفار من غير قتال. [4]

لغت میں فئی کا معنی لوٹانا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اس کا معنی ہے جو چیز کفار سے بغیر جنگ کے حاصل کی گئی ہو۔

علماء شیعہ کی مذکور الصدر تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ فئی اس زمین کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے حاصل ہوئی ہو اور فدک بھی فئی تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا اب دیکھیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فئی کے کیا احکام نازل فرمائے ہیں: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ما افاء الله على رسوله من اهل القرى

اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے

---

[1] شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان ج ۹ ص ۲۶۰، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ تہران، طبع دوم ۱۳۹۸ھ

[2] سید محمد حسین طباطبائی متوفی ۱۴۰۲ھ، المیزان ج ۱۹ ص ۲۰۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران، طبع چہارم، ۱۳۹۲ھ

[3] ،، ،، ،، ،، ،، ،، المیزان ج ۱۹ ص ۲۱۱ ،، ،، ،، ،، ،،

[4] شیخ محمد جواد مغنیہ، فقہ الامام جعفر الصادق ج ۲ ص ۲۶۷، دار العلم بیروت

فلله وللرسول ولذی القربٰی والیتٰمی والمسٰکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (الی قولہ تعالٰی) للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا (الی قولہ تعالٰی) والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم (الی قولہ تعالٰی) والذین جاءو من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔
(حشر: ۵۹/۱۰-۷)

اپنے رسول کی طرف لٹا دے، وہ اللہ، رسول (رسول کے) رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ یہ مال تمہارے دولت مند لوگوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے، اور یہ ان فقراء مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال دیے گئے۔ درآں حالیکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے تھے، اور یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو مہاجرین کے آنے سے پہلے دار ہجرت میں رہتے ہیں اور مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، اور یہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان (پہلوں) کے بعد آئیں گے اور یہ کہیں گے اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہم سے پہلے مسلمانوں کی مغفرت کر۔

سورہ حشر کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ فئی کی آمدنی اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، فقرا مہاجرین، انصار صحابہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں پر خرچ کی جائے گی، اور جب علماء شیعہ کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ فدک بھی فئی ہے تو ازروئے قرآن مجید فدک کی آمدنی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور فقراء مہاجرین، انصار صحابہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں پر خرچ کیا جانا ضروری ہے اور جس جائیداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مہاجرین، انصار اور بعد کے مسلمانوں کا بھی حصہ ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کیسے جاری ہو سکتی ہے!

وراثت اس جائیداد میں جاری ہوتی ہے جو کسی شخص کی شخصی ملکیت ہو اور سورۂ حشر کی ان آ[یات] سے واضح ہو گیا کہ فدک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصی ملکیت نہیں تھا بلکہ اس کی آمدنی عہد رسالت کے مستحق مسلمانوں سے لے کر بعد میں آنے والے مسلمانوں تک کے لیے وقف تھی اور وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اگر اللہ تعالیٰ فدک کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصی ملکیت میں دے دیتا تب اس میں وراثت کا سوال اٹھ سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فدک کو شخصی ملکیت قرار نہیں دیا بلکہ شخصی ملکیت کی یہ فرما کر نفی فرمائی ہے کہ کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ "تاکہ یہ مال تمہارے دولت مند لوگوں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے" اگر علماء شیعہ کے قول کے مطابق فدک وراثت میں اہل بیت کی طرف منتقل کر دیا جاتا تو یہ جائیداد نسل در نسل اہل بیت کے دولت مندوں ہی گردش کرتی رہتی اور یہ قطعاً صریح قرآن کے خلاف ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فدک کو شخصی ملکیت ہی نہیں دیا، بلکہ اللہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قرابت داروں اور اس دور کے اور بعد کے عام مستحق مسلمانوں کی ضروریات کے لیے اس

سه۔ اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خاص اللہ کے راستہ میں خرچ کیا جائے مثلاً مساجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے۔

کے لیے خاص کر دیا، اسی وجہ سے حضرت ابوبکر نے فدک میں آپ کی وراثت نہیں جاری کی اور اس کی آمدنی کو ازواج مطہرات، اہل بیت اور دیگر مستحق مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کیا اور کہا میں اس کی آمدنی کو انہی مقامات پر خرچ کرتا رہوں گا جن مقامات پر اس کی آمدنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے، اور میں اس خرچ میں سے کسی چیز کو کم نہیں کروں گا، اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں نے اس طریق میں سے کسی چیز کو کم کیا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۶) اور حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی نے بھی حضرت ابوبکر کے طریق کار کو برقرار رکھا اور فدک بدستور انہی کی ملکیت میں رہا اور اس کی آمدنی ازواج مطہرات اہل بیت اور دیگر مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہوتی رہی۔

ہمارے اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ فدک فئی تھا اور فئی از روئے قرآن وقف ہوتا ہے لہذا فئی وقف ہوا اور وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی، اس لیے فدک میں وراثت جاری نہیں ہوگی، اخیر میں ہم فدک کے فئی ہونے پر علماء شیعہ کا ایک اور حوالہ پیش کر رہے ہیں:

مؤرخ شہیر مرزا محمد تقی لکھتے ہیں:

و چوں فتح فدک بے لشکر سوار و پیادہ بود اقامت خاص پیغمبر گشت، و ایں آیت مبارکہ مصداق ہمیں معنی آمد بود۔

جب فدک شہسواروں اور پیادہ فوج کے بغیر فتح ہوا تو وہ پیغمبر کے ساتھ خاص ہو گیا، اور اس آیت مبارکہ کا مصداق ہو گیا۔

وما افاء الله على رسوله منهم فما اوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء والله على كل شيء قدير [1]

اور جو مال اللہ تعالیٰ نے کفار کے قبضہ سے نکال کر اپنے رسول کی طرف رد کر دیئے وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تصرف عطا فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

مرزا محمد تقی نے اس عبارت میں یہ تصریح کر دی ہے کہ فدک فئی تھا اور سورۂ حشر کی ان آیات کا مصداق تھا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ سورۂ حشر کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فئی کے یہ مصارف بیان کیے ہیں، اللہ کے لیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قرابت داروں کی ضروریات کے لیے، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مہاجرین، انصار اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی ضروریات کے لیے، اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ جس چیز میں ان مقامات پر خرچ کرنا متعین ہو وہ شخصی ملکیت نہیں ہو سکتی، کیونکہ شخصی ملکیت میں یہ قید نہیں ہوتی کہ اس کو فلاں فلاں مد پر خرچ کیا جائے آدمی جس چیز کا شخصی طور پر مالک ہو وہ چاہے تو اس تمام کو صرف اپنی ذات پر خرچ کرے اور چاہے تو وہ سارا مال اپنے قرابت داروں کو دے دے یا سب راہ خدا میں (جہاد وغیرہ پر) خرچ کر دے یا کسی ایک یتیم کو دے دے علیٰ ہذا القیاس اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی جائیداد کو ان مذکور مصارف پر خرچ کرے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فئی کو ان مصارف پر خرچ کرنا لازم کر دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فئی شخصی ملکیت نہیں ہوتی اور فدک باتفاق فئی ہی ہے تو ثابت ہو گیا کہ

---

[1] مؤرخ شہیر مرزا محمد تقی متوفی ۱۲۹۷ھ، ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۰۰، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ، ۱۳۶۳ھ

فدک کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہے اور جو چیز شخصی ملکیت نہ ہو اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی لہٰذا فدک میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔

سورۂ حشر کی ان آیات سے جس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ فدک کو وراثت میں نہیں دیا جا سکتا اسی طرح ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فدک کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ فدک فئ ہے اور فئ وقف ہوتا ہے اور جو چیز وقف ہو اس کو نہ بیچا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

علماء شیعہ کا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دیا تھا

فدک کے متعلق علماء شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراء کو اپنی حیات مبارکہ میں فدک ہبہ کر دیا تھا۔ ہم پہلے اس سلسلہ میں علماء شیعہ کی تصریحات پیش کریں گے پھر بکثرت دلائل سے یہ واضح کریں گے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ نہیں کیا تھا اور یہ دعویٰ بے بنیاد ہے۔

شیخ کلینی روایت کرتے ہیں:

عن علی بن اسباط قال: لما ورد ابوالحسن موسی علیہ السلام علی المهدی رآہ یرد المظالم فقال یا امیرالمؤمنین ما بال مظلمتنا لا ترد؟ فقال لہ: وما ذاک یا ابا الحسن؟ قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ لما فتح علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک وما والاھا لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب فانزل اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وآت ذا القربی حقہ فلم یدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھم فراجع فی ذلک جبرئیل وجبرئیل علیہ السلام ربہ فاوحی اللہ الیہ ان ادفع فدک الی فاطمۃ علیہا السلام فدعاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہا یا فاطمۃ ان اللہ امرنی ان ادفع الیک فدک فقالت قد

علی بن اسباط بیان کرتے ہیں کہ جب ابوالحسن موسیٰ علیہ السلام (خلیفہ) مہدی کے پاس گئے اور یہ دیکھا کہ وہ لوگوں کے حقوق واپس کر رہا ہے تو ان سے کہا اے امیر المؤمنین کیا وجہ ہے کہ آپ ہمارے حقوق واپس نہیں کرتے؟ مہدی نے کہا آپ کے کون سے حقوق ہیں؟ ابوالحسن نے کہا فدک اور اس کا قرب و جوار جن پر گھوڑے دوڑائے گئے تھے نہ اونٹ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی "قرابت داروں کو ان کا حق دیجئے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پتہ نہ چلا کہ کون سے قرابت دار مراد ہیں، آپ نے جبرئیل سے پوچھا اور جبرئیل نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی نازل کی کہ آپ حضرت فاطمہ کو فدک دے دیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فرمایا: اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم کو فدک دے دوں، حضرت فاطمہ نے کہا یا رسول اللہ!

قبلت یا رسول اللہ من اللہ و منک [1] میں نے اللہ کی طرف سے اور آپ کی طرف سے فدک کو قبول کیا

احمد بن ابو یعقوب لکھتے ہیں:

حضرت حسین کے فرزندوں میں سے ایک فرزند خلیفہ ہارون رشید کے پاس گئے اور یہ شکایت کی کہ پیغمبر نے حضرت فاطمہ کو فدک دے دیا تھا، پیغمبر کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ نے (حضرت) ابوبکر سے مطالبہ کیا کہ فدک ان کے حوالے کر دیں (حضرت) ابوبکر نے حضرت فاطمہ سے کہا کہ اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کریں، انھوں نے گواہی میں حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور ام ایمن کو پیش کیا ——— [2]

شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی لکھتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری قال لما نزل قولہ و اٰت ذا القربی حقہ اعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فدکا [3]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی قرابت داروں کو ان کا حق دیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فدک عطا کر دیا

شیخ علی بن ابراہیم قمی واٰت ذا القربی حقہ ——— کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و انزلت فی فاطمۃ علیہا السلام فجعل لہا فدک۔ [4]

یہ آیت حضرت فاطمہ کے بارے میں نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فدک دے دیا۔

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

ثم ان فاطمۃ علیہا السلام بلغہا ان ابا بکر قبض فدکا فخرجت فی نساء بنی ہاشم حتی دخلت علی ابی بکر فقالت یا ابا بکر تریدان تاخذ منی ارضا جعلہا لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تصدق بہا علی من الوجیف الذی لم یوجف المسلمون علیہ بخیل و لا رکاب۔ [5]

پھر جب حضرت فاطمہ علیہا السلام تک یہ خبر پہنچی کہ (حضرت) ابوبکر نے فدک پر قبضہ کر لیا تو وہ بنو ہاشم کی عورتوں کے ساتھ (حضرت) ابوبکر کے پاس گئیں اور کہا اے ابوبکر! تم مجھ سے وہ زمین لینا چاہتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے کر دی تھی اور مجھ پر صدقہ کر دی تھی، اور یہ وہ زمین ہے جس پر مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ!

---

[1] شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۵۴۳، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامیہ تہران ۱۳۶۵ھ

[2] شیخ احمد بن ابو یعقوب متوفی ۲۹۰ھ، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۴۹۳ - ۴۹۲، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرہنگی ایران ۱۳۶۲ھ

[3] شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان ج ۵ ص ۴۱۱، مطبوعہ کتب فروشی اسلامیہ، طبع دوم، ۱۳۸۰ھ

[4] شیخ ابو الحسن علی بن ابراہیم القمی متوفی ۳۲۹ھ، تفسیر قمی ج ۲ ص ۱۸، مطبوعہ مطبعۃ النجف، ۱۳۸۶ھ

[5] ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، بحار الانوار ج ۲۹ ص ۳۴۷، مطبوعہ المطبعۃ الاسلامیہ طہران، ۱۳۲۹ھ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(فائدہ) بحار الانوار، ملا باقر مجلسی کی ایک بہت ضخیم کتاب ہے جس کی ایک سو جلدیں ہیں، اس کی انتیس [29] سے چونتیس [34]

مورخ شہیر میرزا محمد تقی لکھتے ہیں:

چوں ایں فرمان برسید کہ حق خویشاں را بازدہ پیغمبر فرمود ایں خویشاں کرا اند عرض کرد فاطمہ علیہا السلام است حوائط فدک را با او گذار حق خویش مطلب، چہ خداوند عزیز حق خود با او گذاشت و ایں فدک حصاری بود نزدیک خیبر بود اگرچہ باستواری خیبر حصار نداشت، لکن خواستہ و فراستانہ بیش افزون بود،

جب یہ حکم پہنچا کہ قرابت داروں کا حق انھیں دو تو پیغمبر نے فرمایا کہ وہ قرابت دار کون ہیں؟ تو بتایا کہ وہ فاطمہ علیہا السلام ہیں فدک کے باغات انھیں دے دو اور اپنا حق مت طلب کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنا حق ان کے لیے چھوڑ دیا ہے، فدک خیبر کے نشیبی علاقے میں ایک قلعہ تھا، ہرچند کہ خیبر جیسی اس کی فصیل نہیں تھی لیکن اس کے مال اور اس کے گرد کھجوروں کے باغات بہت زیادہ تھے۔

پس پیغمبر رسول خدا فاطمہ را طلب داشت و ایں آیت را برو قرأت فرمود و اعلان کرد از فدک درست کردہ بود، تسلیم داد و حوائط فدک را برو گذاشت، فاطمہ عرض کرد آنچہ فرمان خدا برہ من گشت، باز گذاشتم، پیغمبر فرمود ایں جملہ از بہر خویشتن و فرزندان خود بدار دانستہ باش کہ بعد از من ایں فدک را از تو بستانند و با تو منازعت و مناجزت آغاز کنند۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور ان کے سامنے یہ آیت تلاوت کی اور فدک سے جو اموال حاصل ہوتے تھے حضرت فاطمہ کے حوالے کر دیے اور فدک کے باغات انھیں دے دیے، حضرت فاطمہ نے کہا اللہ کے حکم سے جو چیز میرے حصہ میں آئی ہے وہ میں آپ کو دیتی ہوں، پیغمبر نے کہا یہ تمام علاقہ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے رکھو اور یاد رکھو کہ میرے بعد یہ فدک تم سے لے لیا جائے گا اور اس کے سلسلہ میں تم سے جھگڑا کیا جائے گا۔

پس وقت بفرمود تا صنادید صحابہ را انجمن کردند و در مجلس ایشاں حوائط فدک را با ہر ملک و ہر مال کہ از آنجا ماخوذ داشت، بہ تسلیم فاطمہ داد و وثیقہ بنگاشت کہ فدک بایں عواید خاص فاطمہ و فرزنداں او حسن و حسین

اس گفتگو کے بعد آپ نے اکابر صحابہ کو جمع کیا اور ان کی مجلس میں فدک کو اس کی ہر ملکیت اور اس کے تمام محاصل سمیت حضرت فاطمہ کو دے دیا اور یہ دستاویز لکھ دی کہ فدک ان تمام محاصل سمیت فاطمہ اور ان کے فرزندان

(گزشتہ سے پیوستہ)
جلد میں کتاب الفتن ہے جس میں منافقین اور مرتدین کے احوال بیان کیے گئے ہیں، فدک پر بھی اسی جلد میں بحث کی گئی ہے لیکن ملا باقر مجلسی نے کتاب الفتن میں صحابہ کرام پر اس قدر شدید اور غلیظ تبرا کیا ہے کہ کتاب الفتن کو اب ایران اور بیروت کا کوئی پبلیشر نہیں چھاپتا اور تمام ناشروں نے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ اس کتاب کی ۲۹ سے کر ۳۲ جلد کو نہیں چھاپا جائے گا، ہمارے پیش نظر اس وقت ایران کا چھپا ہوا نسخہ ہے جس میں ۲۹ سے کر ۳۲ تک کی جلدیں نہیں ہیں۔ ۱۲ سعیدی غفرلہ۔

است، پس دست تصرف فرا داشت، و آں اموال و اشغال بر مسلمین بخش کرد و ہر سال قوت خویش را از فدک برمے گرفت و آنچہ بر زیادات بود بر مسلمین بذل میفرمود، چنانکہ از مستقصی و دیگر کتب مستفاد مے شود و مردم شیعی و بسیار کس از اہل سنت و جماعت بر ایں سخن متفق اند کہ رسول خدا فدک را بفاطمہ بخشید و در روزگار خویش حضرت او بنہاد و عامل فاطمہ ضبط فدک میکرد و بعد از آنکہ رسول خدا ازیں جہاں رحلت بہشت ابوبکر عامل فاطمہ را از فدک معزول داشت و خود متصرف ساخت[1]

حسن اور حسین کا ہے اور آپ نے اس سے اپنا دست تصرف اٹھا لیا اور اس کے اموال اور خزانے مسلمانوں کو بخشش دیئے، آپ ہر سال اپنی خوراک کو فدک کی آمدنی سے لیتے تھے اور اس کی آمدنی سے جو کچھ بچتا اس کو مسلمانوں پر خرچ کرتے تھے، جیسا کہ مستقصی اور دوسری کتابوں میں لکھا ہوا ہے، علماء شیعہ اور سنیوں کی بھی ایک جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول خدا نے فدک حضرت فاطمہ کو عطا کر دیا تھا۔ اور اپنی زندگی میں فدک کو حضرت فاطمہ کے تصرف میں دے دیا تھا، اور حضرت فاطمہ کا مقرر کردہ عامل فدک کا حساب کرتا تھا۔ اور جب رسول خدا نے اس جہان سے پردہ فرمایا تو (حضرت) ابوبکر نے حضرت فاطمہ کے عامل کو فدک سے معزول کر دیا اور فدک کو اپنے قبضہ میں لے لیا

مرزا محمد تقی نے جو یہ تاریخی حقائق بیان کیے ہیں یہ خود متعارض اور متضاد ہیں، ایک طرف انہوں نے یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وآت ذا القربیٰ حقہ کے نازل ہونے کے بعد فدک حضرت فاطمہ کے حوالہ کر دیا تھا، حضرت فاطمہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ ان کے تصرف میں آگیا تھا اور حضرت فاطمہ نے فدک پر اپنا عامل مقرر کر دیا تھا جو فدک کی آمدنی کو حساب سے وصول کرتا تھا اور دوسری طرف یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک سال کے اخراجات فدک کی آمدنی سے لیتے تھے اور جو کچھ باقی بچتا وہ مسلمانوں کو عطا کر دیتے تھے اور اس عبارت کا یہی مطلب ہے کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل اور تصرف میں تھا آپ نے وہ کسی کو ہبہ نہیں کیا تھا اور آپ قرآن مجید کے حکم کے مطابق فدک کی آمدنی کو ان مدات پر خرچ کرتے تھے جن پر خرچ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا۔

فدک کے دعویٰ ہبہ کا قرآن مجید کی روشنی میں ایک جائزہ

ہم ابھی ابھی "فدک میں وراثت کا جاری ہونے پر قرآن مجید سے استدلال" کے زیر عنوان یہ بیان کر چکے ہیں کہ علماء شیعہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ فدک فئی تھا اور سورۂ حشر کی آیات سے ثابت ہے کہ جو چیز فئی ہو وہ کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ وقف ہوتی ہے، لہٰذا فدک وقف قرار پایا اور جو چیز وقف ہو اس کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے فدک کو ہبہ کرنے کا دعویٰ از روئے قرآن باطل قرار پایا۔ دعویٰ ہبہ کے بطلان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء شیعہ نے وآت ذا القربیٰ حقہ، سے فدک کو ہبہ

[1] مورخ شیعہ میرزا محمد تقی متوفی ۱۲۹۷ھ، ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۳۰۲-۳۰۴، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ طبع دوم ۱۳۹۳ھ

کرنے پر استدلال کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کرنے کے لیے فدک حضرت فاطمہ کو دے دیا یہ دلیل اس لیے باطل ہے کہ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ روم میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور مکہ میں فدک تھا کب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حضرت فاطمہ کو دے دیا ہو، مدینہ میں تشریف لانے کے سات سال بعد خیبر فتح ہوا ہے اور اس کے بعد صلح کے نتیجہ میں بغیر جنگ کے فدک حاصل ہوا۔ چنانچہ بعض محققین شیعہ نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اس آیت سے فدک کو ہبہ کرنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

شیخ محمد حسین طباطبائی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وبالآية يظهر ان ايتاء ذى القربى و المسكين وابن السبيل ما شرع قبل الهجرة لانها آية مكية من سورة مكية۔ [1]

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کو دینا ہجرت سے پہلے مشروع ہو چکا تھا کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہ سورۃ مکی کا جز ہے۔

شیخ طباطبائی نے دوسرے مفسروں کی طرح یہ نہیں لکھا کہ اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ حضرت فاطمہ کو فدک دے دو بلکہ اس کے برخلاف یہ لکھا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور مکی سورت کا جز ہے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحم کرنے کا حکم مکہ میں مشروع ہو چکا تھا۔

دعویٰ ہبہ کے بطلان کی اس وجہ سے قرآن تیسری وجہ یہ ہے کہ وآت ذا القربیٰ کا سیاق و سباق اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ اس آیت میں بالخصوص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب نہیں ہے بلکہ عام افراد امت سے خطاب ہے ملاحظہ کیجئے:

وقضى ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا اما يبلغن عندك الكبر احدهما او كلاهما فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما ۝ واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربيني صغيرا ۝ ربكم اعلم بما فى نفوسكم ان تكونوا صالحين فانه كان للاوابين غفورا ۝ وات ذا القربى حقه والمسكين وابن السبيل ولا تبذر تبذيرا ۝ ان المبذرين كانوا اخوان الشيطين وكان الشيطن لربه كفورا ۝ واما تعرضن عنهم ابتغاء رحمة من ربك ترجوها فقل لهم قولا ميسورا ۝ ولا تجعل يدك مغلولة الى

اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اگر تمہارے پاس والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے میں رہیں تو انھیں اُف تک نہ کہو اور ان کے سامنے نرمی اور رحم دلی کے ساتھ جھک کر رہو، اور یہ دعا کرو: اے پروردگار ان پر رحم فرما کیونکہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا، تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے، اگر تم نیک چلن اختیار کرو تو وہ توبہ کرنے اور رجوع کرنے والوں کو معاف فرمانے والا ہے، رشتہ داروں کو ان کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو، فضول خرچی نہ کرو، بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے، اگر تم ان رشتہ داروں

کا جواز نہیں رکھتے اور ان تمام آیات کا مفہوم کلیۃً عام ہے

سورۂ روم میں بھی یہ آیت (وآت ذا القربیٰ حقہ) ہے لیکن شیعہ علماء نے صرف سورۂ اسراء کی آیت کی تفسیر میں فدک ہبہ کرنے کی روایات بیان کی ہیں، جبکہ سورۂ روم بھی مکی ہے اور وہاں بھی سیاق و سباق میں عام احکام بیان کیے گئے ہیں اور ہم چونکہ اختصار کے درپے ہیں اس لیے ہم ان آیات کا ذکر نہیں کر رہے قارئین سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۸ اور اس کے سیاق و سباق کو خود ملاحظہ فرمالیں۔

حاصل بحث یہ ہے کہ سورۂ حشر کی آیات سے واضح ہو گیا کہ فئی وقف ہوتا ہے اور وقف کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا اور چونکہ فدک بھی بالاتفاق فئی ہے لہٰذا اس کو بھی ہبہ نہیں کیا جا سکتا اور وآت ذا القربیٰ حقہ سے فدک کو ہبہ کرنے پر استدلال دو وجہ سے صحیح نہیں ہے اولاً یہ آیت مکی ہے ثانیاً اس میں حکم عام ہے اور ان دونوں چیزوں کا علماء شیعہ نے بھی اعتراف کر لیا ہے۔ وللہ الحمد۔

فدک کو ہبہ کرنے کے دعویٰ کا میراث کے دعویٰ سے بطلان

علماء شیعہ کی طرف سے جو یہ دعویٰ کیا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا یہ اس وجہ سے بھی باطل ہے کہ خود علماء شیعہ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ نے فدک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے لینے کا مطالبہ کیا تھا اور وراثت اسی مال میں جاری ہوتی ہے جو کسی کو ہبہ نہ کیا گیا ہو، لہٰذا مطالبہ میراث سے دعویٰ ہبہ باطل ہو گیا۔

فقیر سید محمد حسن قزوینی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ:

حضرت زہراء اپنے والد کی ملک سے ہبہ اور عطاء کے عنوان سے فدک کو لے سکتی تھیں، اس لیے انھوں نے میراث کا مطالبہ کیا اور صاحب حق کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حق کو ہر جائز طریقہ سے لینے کی جد و جہد کرے[1]

یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی طرف یہ منسوب کرنا کہ جو چیز میراث میں نہیں تھی آپ نے حصول دنیا کے لیے اس پر میراث کا دعویٰ کیا آپ کی طرف جھوٹ اور فریب کو منسوب کرنا ہے۔ العیاذ باللہ!

کیا زمانہ جہاد اور تنگی اور عسرت کے دور میں حضرت فاطمہ کو فدک کی جاگیر کا ہبہ کرنا متصور تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ہجری میں خیبر کو فتح کیا اور اس کے بعد فدک آپ کے قبضہ اور تصرف میں آیا، اس زمانہ میں اشاعت اسلام، مسلمانوں کی حفاظت، ان کو کفار کے حملوں سے محفوظ رکھنے، مجاہدین اور مہاجرین کے ٹھہرانے

۱۔ فقیر سید محمد حسن قزوینی، فدک ص ۲۰۳، مطبوعہ کتب خانہ در مدرسہ چہل ستون مسجد جامع طہران، ۱۳۹۸ھ

اور جہاد کی تیاری کے لیے مال و دولت کی سخت ضرورت تھی، اسلام اور مسلمان سخت تنگی اور افلاس میں مبتلا تھے، خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ کئی کئی روز فاقے سے رہتے اور ضروری حاجات کو پورا کرنے کے لیے بھی پیسہ نہ تھا۔ ان حالات میں عام مسلمانوں کی کفالت، اشاعت اسلام اور جہاد کی تیاری کے لیے مال و دولت کی سخت ضرورت تھی کہا جاتا ہے کہ فدک کی آمدنی چوبیس ہزار یا ستر ہزار دینار سالانہ تھی، ان حالات میں کون ہوش مند یہ باور کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ستر ہزار دینار سالانہ آمدنی کی جاگیر آئے اور آپ وہ تمام جاگیر اپنی ایک بیٹی کو بخش دیں، اور اشاعت اسلام کا خیال کریں نہ جہاد کے سازو سامان لینے کی فکر کریں نہ عام مسلمانوں کی ضروریات کا خیال کریں، سب کو نظر انداز کر کے یہ سارا مال و متاع اپنی بیٹی کو بخش دیں! کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کا کردار ایسا ہی تھا؟

اس کے برعکس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ آپ کے پاس جب مال غنیمت آتا تو آپ دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کو اس مال سے دیتے اور اپنے اہل بیت کو صبر اور ایثار و قربانی کی تلقین کرتے حتیٰ کہ ایک موقع پر سیدہ فاطمہ زہراء نے آپ سے مدد کے لیے ایک کنیز مانگی تو وہ بھی نہیں دی اور ان کو تسبیح کرنے کی تلقین کی، ملا باقر مجلسی بیان کرتے ہیں:

بسند معتبر جناب امیر سے روایت ہے جناب فاطمہ حضرت رسول کو محبوب ترین مردم تھیں اور اس قدر مشکیزے پانی کے اٹھائے کہ سینہ مبارک سے اثر انداز ظاہر ہوا اور اس قدر چکی پیسی کہ ہاتھ مجروح ہو گئے اور اس قدر گھر میں جھاڑو دی کہ کپڑے گرد آلود ہو گئے اور اس قدر کھانے پکائے اور آگ سلگائی کہ کپڑے سیاہ ہو گئے لہذا کثرت کاروبار سے جناب سیدہ کو سخت تکلیف ہوئی۔ میں نے ایک روز کہا کہ اپنے پدر بزرگوار کے پاس جا کر مجھے کام کاج کے لیے ایک کنیز طلب کیجئے۔ جناب فاطمہ رسول خدا کے پاس گئیں لوگوں کا ہجوم دیکھا کہ حضرت سے باتیں کر رہے ہیں، اس وقت حیا مانع ہوئی کہ حضرت سے بات کریں، گھر کو پھر (واپس) آئیں، جناب رسول خدا نے خیال فرمایا اور جانا کہ فاطمہ کسی کام کو آئی تھیں، دوسرے دن صبح کو حضرت ہمارے پاس آئے، اور ہم دونوں ایک لحاف میں تھے، دوسرا کپڑا نہ تھا کہ اسے اوڑھ کر باہر آتے حضرت نے فرمایا السلام علیکم، ہمیں شرم آئی کہ اس حالت میں حضرت کے سلام کا جواب دیں، دوسری مرتبہ حضرت نے سلام کیا اور ہم نے حیا سے جواب نہ دیا، تیسری مرتبہ حضرت نے سلام کیا ہم ڈرے اگر ہم جواب نہ دیں گے تو حضرت پھر جائیں گے اور حضرت کی یہی عادت تھی، میں نے کہا وعلیکم السلام یا رسول اللہ تشریف لائیے۔ پس حضرت تشریف لائے سرہانے بیٹھے اور فرمایا، اے فاطمہ کل میرے پاس کیوں آئی تھیں؟ جب جواب سیدہ نے مارے شرم کے نہ دیا، میں ڈرا اگر جواب نہ دیا تو حضرت اٹھ جائیں گے اس وقت میں نے لحاف سے سر نکالا اور جناب فاطمہ کا مطلب عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارے لیے کنیز سے بہتر ہو، پس فرمایا جب بستر خواب پر جاؤ تو چونتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، اور پھر تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو، اس وقت جناب فاطمہ نے لحاف سے منہ نکال کر تین مرتبہ فرمایا کہ خدا اور رسول سے راضی ہوں۔ [1]

یہ ائمہ شیعہ کی بیان کی ہوئی روایت ہے[2]، اور اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ

---

[1] ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون ج ۱ ص ۱۸۰ - ۱۸۱، (مترجم) مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور

[2] اس سے ملتی جلتی روایت صحیح بخاری ج ۲ ص ... میں بھی مذکور ہے۔ ۱۲ سعیدی غفرلہ

کے لیے مال دنیا کو پسند نہیں کرتے تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب فاطمہ کے لیے کنگن تک نہیں دیے تو کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے تمام مسلمانوں کی ضروریات جہاد اور اشاعت اسلام کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے ستر ہزار سالانہ آمدنی کی جاگیر حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دی ہو!

اب ہم ائمہ شیعہ کی بیان کردہ ایک اور روایت پیش کر رہے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ کے پاس دنیاوی مال دیکھنا سخت ناپسند تھا۔ ملا باقر مجلسی بیان کرتے ہیں:

مکارم اخلاق میں بسند معتبر حضرت امام محمد باقر سے روایت ہے جب جناب رسول خدا سفر کا ارادہ فرماتے تو سب سے آخر میں جناب فاطمہ کو رخصت کرتے اور ان کے گھر سے متوجہ سفر ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے جناب فاطمہ سے ملاقات کرتے۔ جناب امیر نے مال غنیمت میں کوئی چیز لڑائی میں پائی تھی اور وہ جناب سیدہ کو دے دی تھی، جب جناب رسول خدا سفر میں گئے تو جناب فاطمہ نے اس مال غنیمت سے دو چاندی کے کڑے بنوائے، ہاتھ میں پہنے اور کپڑا لے کر دروازہ پر پردہ ڈالا، جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس آئے اور داخل خانہ زہرا ہوئے، جناب فاطمہ غرش خوش استقبال کو آئیں حضرت نے جب کڑے اور پردہ دیکھا پھر واپس آئے اور مسجد میں جا کر بیٹھے، جناب سیدہ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور رو کر فرمانے لگیں اس سے پہلے حضرت نے کبھی ایسا نہیں کیا پس جناب حسن اور امام حسین کو بلایا اور پردہ کھول ڈالا، ایک صاحبزادے کو کڑے اور دوسرے کو پردہ دیا اور فرمایا ان کو میرے پدر بزرگوار کے پاس لے جاؤ اور میرا سلام کہو اور کہو کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے اس کے سوائے اور کوئی کام نہیں کیا جو آپ کے عذر اور غضب کا باعث ہو۔ آپ ان چیزوں کو جو چاہیں فرمائیں، جب دونوں شاہزادوں نے اپنی مادر بزرگوار کا پیغام پہنچایا حضرت نے دونوں فرزندوں کو گود میں لیا اور پیار کیا، دونوں کو اپنے زانوؤں پر بٹھایا پھر حکم دیا کہ ان کڑوں کو توڑ کر اہل صفہ کے ان فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دو جن کے پاس رہنے کے لیے مکان نہیں تھے اور پردہ کو تنگی (رتبت) کے برابر ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جن کے پاس ستر پوشی کے لیے کپڑا نہیں تھا، حضرت نے فرمایا خدا فاطمہ پر رحمت نازل کرے اور اس کو کپڑے کے عوض جامہ ہائے بہشت پہنائے۔ [1]

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے عین مطابق ہے، اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ مزاج شناس رسول تھیں اور جب آپ نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس متاع دنیا دیکھنا پسند نہیں ہے تو چاندی کے ان دونوں کڑوں اور پردے کے اس ٹکڑے کو فوراً فقراء مہاجرین پر صدقہ کر دیا اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ کی خوشحالی کی بہ نسبت فقراء مہاجرین کی ضروریات کا زیادہ احساس تھا، سو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ کے پاس مال دنیا میں چاندی کے دو کڑے اور پردے کی ایک چادر بھی دیکھنا گوارہ نہ تھا اور آپ ان کے پاس یہ مال دیکھ کر غصہ میں آ گئے اور ان سے ملے بغیر واپس چلے گئے تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے مال دنیا میں ستر ہزار دینار سالانہ آمدنی کی اراضی حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دی ہو، اور جس زمانہ میں مسلمانوں کی غربت اور افلاس کا یہ عالم ہو کہ ان کو جہاد کے لیے سواریاں تک میسر نہ ہوں اور وہ نان شبینہ کے محتاج ہوں، اس وقت اللہ نے جو مال فئی آپ کو یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر

[1] ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون ج ۱ ص ۱۸۰-۱۸۱ مطبوعہ شمیم جنرل بک ایجنسی لاہور

خرچ کرنے کے لیے دیا اور آپ اس مال کو بجائے حاجت مندوں اور فقراء پر تقسیم کرنے کے وہ تمام مال اپنی بیٹی کو ہبہ کر دیں! کیا یہ عمل نبی کی سیرت کے مطابق ہے؟ وہ صرف اس نبی کی جس نے عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے کے بجائے سادگی سے زندگی بسر کی ہو اور اسی کی امت کو تلقین کی ہو کیا یہ ممکن ہے کہ جو امت کو یؤثرون علی انفسھم۔ (اپنی ضروریات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں) کا وعظ کرتا ہو وہ عین تنگی اور عسرت کے زمانہ میں جب لوگوں کو جہاد کے لیے سواریاں میسر نہیں تھیں ایسے میں وہ عام مسلمانوں کی ساری ضروریات اور اشاعت دین کے تمام تقاضوں سے صرف نظر کرکے اتنی بڑی جاگیر اپنی بیٹی کو ہبہ کر دے!

آخر دورِ رسالت تک مسلمانوں کی تنگی اور عسرت پر کتب شیعہ سے شواہد

جس زمانہ میں فدک پر قبضہ ہوا ہے اس زمانہ میں مسلمانوں کی تنگی اور عسرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سات ہجری میں فدک کا واقعہ ہے، دس ہجری میں حجۃ الوداع ہوا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج سے واپس آئے تو اس وقت بھی آپ کے پاس غیر ملکی وفود کی ضیافت کے لیے کچھ نہ تھا۔ شیخ کلینی روایت کرتے ہیں:

فلما رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حجۃ الوداع ..... (الی قولہ) فلما قدم المدینۃ اتتہ الانصار فقالوا یا رسول اللہ ان اللہ جل ذکرہ قد احسن الینا و شرفنا بک و بنزولک بین ظہرانینا فقد فرح اللہ صدیقنا وکبت عدونا وقد یاتیک وفود، فلا تجد ما تعطیھم فیشمت بک العدو و نحب ان تاخذ ثلث اموالنا حتی اذا قدم علیک وفد مکۃ وجدت ما تعطیھم، فلم یرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا وکان ینتظر ما یاتیہ من ربہ فنزل جبرئیل علیہ السلام، لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی ولم یقبل اموالھم۔[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے اور مدینہ پہنچے تو آپ کے پاس انصار آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر بھیج کر ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور آپ کی تشریف آوری سے ہم کو مسرور فرمایا۔ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے دوستوں کو خوش کیا اور ہمارے دشمنوں کو ذلیل کیا، آپ کے پاس باہر سے وفود آتے ہیں اور آپ کے پاس اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آپ ان کو کچھ عطا فرمائیں، اس سے آپ کے دشمن ہنستے ہیں، اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا ایک تہائی مال قبول فرمائیں تاکہ جب آپ کے پاس مکہ سے وفود آئیں تو آپ ان پر خرچ کر سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اور آپ اپنے رب کی وحی کا انتظار کرتے رہے، پھر جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔ اور آپ نے ان کے مال کو قبول نہیں فرمایا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں اخیر زمانہ تک عسرت اور تنگی کا دور دورہ تھا حتیٰ کہ آپ کے پاس

---

[1] شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الاصول من الکافی ج ۱ ص ۲۹۵، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران ۱۳۶۵ھ

مہمانوں اور وفود کی خاطر مدارات کے لیے بھی کچھ نہ تھا، پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایسی تنگی اور عسرت کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر ہزار دینار سالانہ آمدنی کی جاگیر اپنی بیٹی کو بخش دی ہو اور تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی ضروریات کا کچھ خیال نہ کیا ہو۔

حضرت فاطمہ کا غزوہ تبوک میں کوئی صدقہ نہ دینا فدک کو ہبہ کرنے کے خلاف ہے

۷ ہجری میں فدک حاصل ہوا اور ۹ ہجری میں غزوہ تبوک ہوا، اس غزوہ میں مسلمان سخت تنگی اور عسرت میں مبتلا تھے حتیٰ کہ جہاد میں شامل ہونے کے لیے مسلمانوں کے پاس سواریاں بھی نہ تھیں، اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد میں مالی امداد فراہم کرنے پر برانگیختہ کیا اور صحابہ کرام نے بڑی فراخدلی سے اس جہاد میں مالی صدقات دیے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ ہجری میں حضرت فاطمہ کو فدک دے دیا تھا تو چاہیے تھا کہ دیگر صحابہ کی طرح حضرت فاطمہ بھی غزوہ تبوک میں بیش بہا امداد کرتیں جب حضرت فاطمہ مال دنیاوی سے چاندی کے دو کڑے اور ایک پردہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتیں تو اس موقع پر تو وہ ستر ہزار دینار سالانہ کی مالک تھیں چاہیے یہ تھا کہ وہ غزوہ تبوک کی امداد کے لیے ہزاروں دینار صدقہ کرتیں لیکن افسوس کہ تاریخ شیعہ میں بھی اس موقع پر حضرات صحابہ کرام کے صدقہ و خیرات کا تو کثرت سے ذکر ہے لیکن حضرت فاطمہ اور حضرت علی کی طرف سے غزوہ تبوک میں ایک دینار تک کے صدقہ کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فدک کو ہبہ کرنے کا دعویٰ محض افسانہ اور داستان سرائی ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ حضرت فاطمہ اتنی بڑی جاگیر کا مالک ہونے کے باوجود غزوہ تبوک کی مالی مہم میں کوئی حصہ نہ لیتیں۔

اب ہم شیعہ مؤرخین کے حوالوں سے پہلے غزوہ تبوک میں مسلمانوں کی تنگی اور عسرت کا ذکر کریں گے اور پھر یہ بیان کریں گے کہ غزوہ تبوک میں پیش بہا مالی مہم میں حصہ لینے والے کون کون مسلمان تھے!

شیخ احمد بن ابی یعقوب لکھتے ہیں:

غزوہ تبوک میں رسول خدا ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ تبوک شام کی طرف روانہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبیلوں کی طرف ان کے سرداروں کو روانہ کیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دلائیں اور مالداروں کو آپ نے مالی صدقات دینے کی ترغیب دی، لوگوں نے بہت صدقات دیے اور ناداروں کو تونگر کر دیا، اور آپ نے فرمایا افضل الصدقة جهد المقل ۔ بہترین صدقہ وہ ہے جس کو نادار مشکلات کے باوجود دیتا ہے۔ کئی مسلمان آپ کے پاس آ کر رونے لگے اور یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان کو جہاد کے لیے سواریاں دیں، ان میں عمرو بن عوف، سالم بن عمیر، عمرو بن حمام، عبدالرحمٰن بن کعب اور عمرو بن سلیمان وغیرہ تھے آپ نے فرمایا لا اجد ما احملکم علیہ ۔ تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس سواریاں نہیں ہیں۔ [1]

ایک اور شیعہ مؤرخ غزوہ تبوک کے بیان میں لکھتے ہیں:

---

[1] شیخ احمد بن ابی یعقوب متوفی ۲۹۰ھ، تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۴۳۰-۴۲۹، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرہنگی ایران، ۱۳۶۲ھ

جب پیغمبر نے جہاد کی تیاری پر برانگیختہ کیا تو مدینہ کے مسلمانوں میں جوش اور جذبہ پیدا ہوا، (حضرت) عثمان بن عفان نے اس وقت دو سو اونٹ اور دو سو اوقیہ (آٹھ ہزار درہم) چاندی شام کی تجارت کے لیے رکھی تھی، انھوں نے وہ تمام مال لا کر رسول اللہ کے سامنے اس لشکر کی تیاری کے لیے رکھ دیا، رسول اللہ نے فرمایا: لا یضر عثمان ما عمل بعد ھذا۔ "اس عمل کے بعد عثمان کو کسی عمل سے ضرر نہیں ہوگا" اور ایک روایت میں ہے کہ تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار مثقال سونے کے دینار پیش کیے، پیغمبر (علیہ السلام) نے فرمایا: اللھم ارض عن عثمان فانی عنہ راض۔ "اے اللہ! عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں بھی اس سے راضی ہوں" اور ایک روایت میں ہے کہ لشکر تبوک میں تیس ہزار افراد تھے جن میں سے بیس ہزار افراد کو (حضرت) عثمان نے جہاد کا سامان فراہم کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: من جھز جیش العسرۃ فلہ الجنۃ فجھزھا عثمان۔ "جس نے تنگ دست لشکر کو ساز و سامان دیا اس کے لیے جنت ہے" پس (حضرت) عثمان نے اس لشکر کو ساز و سامان دیا۔

(حضرت) عمر بن الخطاب کہتے تھے کہ میرے دل میں یہ خیال تھا کہ میں آج ابوبکر پر سبقت لے جاؤں گا اور اپنے تمام مال و متاع کا نصف رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے گئے، اس وقت (حضرت) ابوبکر نے اور اپنا سارا مال و متاع لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے پوچھا کہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا رکھا ہے؟ کہا: ادخرت اللہ و رسولہ۔ "میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو رکھا ہے"، عمر نے کہا: اے ابوبکر! جس جگہ تم ہو گے وہاں میں تم پر سبقت نہیں کر سکتا۔

(حضرت) عبدالرحمن بن عوف نے چالیس اوقیہ سونا پیش کیا، اور ایک روایت میں ہے چار ہزار درہم پیش کیے کہنے لگے میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے نصف اللہ کی راہ میں دے دیے اور نصف اپنے اہل خانہ کے لیے رکھ لیے، خلاصہ یہ ہے عباس بن عبدالمطلب، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن عبادہ، محمد بن مسلمہ ان میں سے ہر ایک نے کچھ متاع پیش کی، عاصم بن عدی انصاری نے لشکر کی تیاری کے لیے ایک سو وسق (یعنی بیس ہزار کلو) کھجوریں پیش کیں، ابو عقیل انصاری ایک صاع (چار کلو) یا نصف صاع (دو کلو) کھجوریں لے کر آئے اور کہا یہ دو صاع اجرت ملی تھی آدھی اپنے اہل و عیال کے لیے رکھ لی اور آدھی لے کر حاضر ہوا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں کو باقی کھجوروں کے اوپر رکھ دیا، منافقوں نے اس صدقہ کے کم ہونے کی وجہ سے اس کی مذمت کی اور کہا یہ صدقہ اس لیے لایا ہے تاکہ صدقات کے مال سے کوئی چیز ملے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین فی الصدقات والذین لا یجدون الا جھدھم فیسخرون منھم سخر اللہ منھم ولھم عذاب الیم۔

(توبہ: ۷۹)

"جو لوگ بہ خوشی خیرات صدقات دینے والے مسلمانوں کے صدقات میں عیب نکالتے ہیں اور ان لوگوں کے صدقات میں عیب نکالتے ہیں جن کے پاس صرف ان کی مزدوری کی اجرت ہوتی ہے، اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں ان کے مذاق اڑانے کی سزا دے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

بہت سی مسلمان عورتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں اپنے زیورات بھیجے تاکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی قیمت کو لشکر کی ضروریات میں صرف کریں، اس وقت سالم بن عمیر، عتبہ بن زید حارثی، ابو لیلیٰ عبدالرحمن بن کعب، عمرو بن حمہ اسلمی، سلمہ بن صخر، عرباض بن ساریہ اسلمی، عبداللہ بن مغفل، مہدی بن عبدالرحمن، عمرو بن الحمام بن الجموح، اور صخر بن خنساء نے کہا، یارسول اللہ! ہمارے پاس سواریاں نہیں ہیں کہ آپ کے ساتھ جہاد کے لیے جا سکیں، آپ ہمیں سواریاں دیں تاکہ ہم آپ کے ساتھ جہاد کے لیے جاسکیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس تمہیں سوار کرنے کے لیے سواریاں نہیں ہیں وہ لوگ واپس چلے گئے درآں حالیکہ جہاد پر نہ جاسکنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی :

ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون۔

(توبہ: ۹۲)

ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں ہے جو آپ کے پاس سواری لینے کے لیے حاضر ہوئے اور آپ نے فرمایا: تمہیں سوار کرنے کے لیے میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے تو وہ لوگ واپس لوٹ گئے درآں حالیکہ اس غم کے سبب سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

علامہ یہ ہے کہ ابن یامین بن عمرو بن کعب نے ابو لیلیٰ اور ابو مغفل کو ایک اونٹ دیا کہ اس پر باری باری بیٹھیں اور عباس بن عبدالمطلب نے دو شخصوں کو اور عثمان بن عفان نے تین شخصوں کو زاد اور سواری دیا، اتفاقاً لوگوں میں سے علبہ بن زید وہ شخص ہے کہ جب لوگ مختلف صدقات لا رہے تھے تو انہوں نے خود کو بطور صدقہ پیش کیا اور کہا یارسول اللہ لوگ صدقات لا رہے ہیں میرے پاس دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے میں اپنے آپ کو تصدق کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کر لیا، اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ بنی اشعر یمن کی ایک جماعت کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جہاد کے لیے سواریاں مانگنے گیا آپ نے فرمایا تمہارا! میں تم کو سوار نہیں کر سکتا وہ غمگین ہو کر واپس لوٹے، بعد میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور ہم میں سے چھ افراد کو سواریاں دیں، الغرض تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر تبوک روانہ ہوا جس میں ایک ہزار سوار تھے اور باقی پیادہ تھے۔ لہ

شیعہ مورخ میرزا محمد تقی نے غزوہ تبوک میں صدقات دینے والوں کا تفصیلاً بیان کیا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان تمام صحابہ کرام کے نام ذکر کیے ہیں جنہوں نے غزوہ تبوک میں صدقات دیے حتیٰ کہ جس نے دو کھجوریں دیں ان کا نام بھی ذکر کیا ہے اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا غزوہ تبوک میں کوئی صدقہ دیتیں اور اس جہاد میں مسلمانوں کی مدد کرتیں تو وہ اس کا بڑے طمطراق سے ذکر کرتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کسی شیعہ مورخ نے غزوہ تبوک میں حضرت فاطمہ کی طرف سے مالی مدد کا ذکر نہیں کیا، اور حضرت فاطمہ ایسی عابدہ، زاہدہ اور راہ خدا میں فیاضی سے خرچ کرنے والی خاتون جنت سے یہ کسی طور متصور نہیں ہے کہ ان کے قبضہ اور تصرف میں دو سال سے فدک کی اتنی بڑی جاگیر ہو جس کی آمدنی

لہ مورخ شہیر میرزا محمد تقی متوفی ۱۲۹۷ھ، ناسخ التواریخ ج ۲ ص ۔۔، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ ایران، طبع دوم، ۱۳۶۳ھ

بقول شیعہ علماء جو بیس یا ستر ہزار دینار سالانہ ہو اور وہ ایسی تنگی اور عسرت کے وقت میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جہاد میں مالی مدد کی بار بار اپیل کر رہے ہوں اور اس تنگ دست لشکر کے تیار کرنے والے کو جنت کی نوید سنا رہے ہوں، وہ اس لشکر کی مدد کے لیے ایک پائی بھی نہ دیں۔ یقیناً سیدتنا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا دامن اس تہمت سے پاک ہے اور فدک کو ہبہ کرنے کا دعویٰ محض داستان سرائی اور افسانہ ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، ورنہ حضرت سیدہ فاطمہ پر ایک بڑی مکروہ تہمت لازم آئے گی جو نصاً قرآن مال دنیا میں سے چاندی کے دو کڑے اور ایک پردہ کا کپڑا بھی اپنے پاس رکھنے کی روادار نہیں ہیں اور اس کو ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے کے لیے دے دیتی ہیں اور یہ کب متصور ہے کہ وہ اس آزمائش کے وقت میں جب ہر شخص پر کچھ نہ کچھ صدقہ دینے کی دھن سوار تھی اگر کسی کے پاس کیا دو کھجوریں تھیں تو وہ بھی لے کر چلا آرہا تھا اور جس کے پاس کچھ نہ تھا وہ خود اپنے آپ کو صدقہ کر رہا تھا صدقات وخیرات کا ایک سیل رواں تھا، ایک طوفان تھا جو امڈا چلا آرہا تھا اور ایسے میں حضرت فاطمہ کے پاس مفت میں ملی ہوئی اتنی بڑی جاگیر ہو اور وہ اس جہاد کے موقعہ میں ایک حبہ بھی نہ دیں، وہ کریمہ بنت کریم ہیں بہرحال یہ ان سے متصور نہیں ہے اور یہ کہنا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک ہبہ کر دیا تھا اور اس کو ان کے قبضہ اور تصرف میں دے دیا تھا اور انہوں نے فدک پر اپنا ایک وکیل مقرر کر دیا تھا محض ایک جھوٹ ہے، دروغ بے فروغ ہے اور حضرت سیدہ فاطمہ کی پاکیزہ سیرت پر ایک بدنما اور ناروا تہمت ہے۔

اہل سنت کی کتابوں سے حضرت فاطمہ کو فدک کے ہبہ کرنے پر علماء شیعہ کا استدلال

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کے ہبہ کرنے پر علماء شیعہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ جب "وآت ذا القربی حقہ" (اسراء ۱۷ / ۲۶) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو فدک دے دیا۔

یہ روایت حافظ نور الدین الہیثمی نے طبرانی کے حوالے سے ذکر کی ہے:

عن ابی سعید قال لما نزلت (وآت ذا القربی حقہ) دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فاعطاها فدک۔ رواه الطبرانی وفیہ عطیۃ العوفی وهو ضعیف متروک۔[1]

ابو سعید بیان کرتے ہیں کہ جب وآت ذا القربی حقہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور ان کو فدک عطا فرمایا۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عطیہ عوفی ضعیف اور متروک ہے۔

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

اس حدیث کو علامہ سیوطی[1] نے اور حافظ الہیثمی نے امام بزار کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔[2]
یہ حدیث کنز العمال اور مدارج النبوۃ میں بھی مذکور ہے۔

علماء شیعہ کے استدلال کا جواب شاہ عبدالعزیز سے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان روایات سے استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

شیعہ علماء کا ایک مکر یہ بھی ہے کہ تفاسیر اور سِیَر میں اہل سنت کی جو کتابیں قلیل الاستعمال ہیں اور چنداں شہرت نہیں رکھتیں اور نہ زیادہ دستیاب ہوتی ہیں ان میں وہ ایسی جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں جن سے شیعہ مذہب کا شہرت ہو اور سنی مذہب کا بطلان ہو۔ چنانچہ فدک کے ہبہ کا قصہ بعض تفاسیر میں شامل کر دیا ہے اور اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "وآت ذا القربی حقہ" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک دے دیا لیکن جھوٹے کا حافظہ کہاں ہوتا ہے ان کو یہ یاد نہ رہا کہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں؟ پھر یہ بھی چاہیے تھا کہ آپ مساکین اور ابن سبیل کو بھی کچھ وقف فرماتے تاکہ تمام آیت پر عمل ہوتا اس کے علاوہ اعطاء فدک سے ہبہ و تملیک ثابت نہیں ہوتی اس کی بجائے وہبہا کا لفظ کہنا چاہیے تھا۔[3]

فدک کو ہبہ کیے جانے کے بارے میں روایت کردہ حدیث کی فنی حیثیت

اس حدیث کو حافظ الہیثمی نے امام بزار کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے ہم اس حدیث کو اس کی پوری سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس کے بعد ہر راوی کی فنی حیثیت پر اسماء رجال کی مستند کتابوں سے بحث کریں گے، حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

حدثنا عباد بن یعقوب ثنا ابو یحیی تیمی ثنا فضیل بن مرزوق عن عطیۃ عن ابی سعید قال: لما نزلت ھذہ الآیۃ (وآت ذا القربی حقہ) دعا رسول اللہ فاطمۃ فاعطاھا فدک۔[4]

امام بزار عباد بن یعقوب سے وہ ابو یحیی تیمی سے وہ فضیل بن مرزوق سے وہ عطیہ سے وہ ابو سعید سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: (وآت ذا القربی حقہ) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک عطا کر دیا۔

اس حدیث کے تمام راوی شیعہ ہیں آخری راوی جن کو ابو سعید لکھا ہے یہ محمد بن سائب کلبی ہے اس شخص نے دجل کے لیے کئی کنیتیں اختیار کی تھیں ان میں سے ایک ابو سعید ہے، شیعہ علماء نے یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ تفسیر مجمع البیان اور دیگر کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، در منثور ج ۴ ص ۱۷۷، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۴ھ
[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۴ھ
[3] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ، تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۶۰-۲۶۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[4] حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار ج ۳ ص ۵۵، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۴ھ
[5] اصل کتاب میں فاعطاک ہے لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے ہم نے صحیح لفظ لکھا ہے۔ سعیدی غفرلہ

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلا کر فدک عطا کر دیا، حالانکہ یہ روایت ابو سعید کلبی کی ہے ابو سعید خدری کی نہیں ہے کیونکہ عطیہ کی حضرت ابو سعید خدری سے کوئی روایت نہیں ہے، اس کی یہ روایت محمد بن سائب ابو سعید کلبی سے ہے، یہ اس سند کے مردود ہونے کا ایک اجمالی بیان ہے اب ہم تفصیل سے ہر ایک راوی پر مفصل گفتگو کرتے ہیں، فاقول باللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

عباد بن یعقوب

اس حدیث کی سند کا پہلا راوی ہے عباد بن یعقوب، شیخ عبدالوہاب اس کے متعلق لکھتے ہیں:

عباد بن یعقوب رواجنی متروک ہے، شیخ بیہقی نے کہا ہے کہ یہ کبار روافض میں سے ہے اور منکر روایت کو بیان کرتا ہے۔ [1]

حافظ ذہبی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

عباد بن یعقوب اسدی رواجنی کوفی، انتہائی غالی شیعہ تھا اور اہل بدعت کا سرغنہ تھا، عبدان اہوازی نے ثقات سے روایت کیا ہے کہ عباد بن یعقوب سلف کو گالیاں دیتا تھا اور صالح جزرہ نے بیان کیا ہے کہ عباد بن یعقوب حضرت عثمان کو گالیاں دیتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں عادل ہے کہ وہ طلحہ اور زبیر کو جنت میں داخل کرے کیونکہ انہوں نے حضرت علی سے بیعت کرنے کے بعد ان سے جنگ کی۔ ابونعیم نے حافظ محمد بن جریر سے روایت کیا ہے کہ میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا جو شخص ہر روز نماز میں اعداء آل محمد سے تبری نہ کرے اس کا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا، ابن حبان نے کہا یہ شخص ۲۵۰ ھ میں فوت ہو گیا، یہ رفض کی دعوت دیتا تھا اس کے باوجود مشاہیر سے منکر احادیث روایت کرتا تھا یہ راوی ترک کیے جانے کا مستحق ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی عباد بن یعقوب کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ شخص سلف کو گالیاں دیتا تھا اور اس میں تشیع تھا، ابن عدی نے کہا عباد غالی شیعہ تھا اس نے فضائل اور مثالب میں منکر روایات بیان کی ہیں، صالح بن محمد نے کہا یہ حضرت عثمان کو گالیاں دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ اس سے کہیں عادل ہے کہ وہ طلحہ اور زبیر کو جنت میں داخل کرے، حالانکہ انہوں نے حضرت علی سے بیعت کرنے کے بعد ان سے جنگ کی۔

قاسم بن زکریا بیان کرتے ہیں کہ میں نے کوفہ کے مشائخ سے احادیث سنیں پھر میں عباد بن یعقوب کے پاس گیا وہاں حالانکہ وہ اپنے شاگردوں سے امتحان لے رہا تھا اس نے مجھ سے پوچھا سمندر کو کس نے کھودا؟ میں نے کہا اللہ نے، اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن اس کو کس نے کھودا؟ میں نے کہا آپ بتائیں، اس نے کہا حضرت علی نے، اس نے پھر پوچھا سمندر کو کس نے جاری کیا؟ میں نے کہا اللہ جو دریاؤں کو جاری کرنے والا ہے، اس نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن کس نے جاری کیا؟ میں نے کہا آپ بتائیں، اس نے کہا حضرت حسین نے سمندر کو جاری کیا۔ اس کے گھر میں ایک تلوار لٹکی ہوئی تھی میں نے پوچھا یہ تلوار کس لیے ہے؟ اس نے کہا میں نے یہ تلوار مہدی کے ساتھ جہاد کے لیے تیار

---

[1] شیخ عبدالوہاب بن محمد غوث مدراسی، کشف الاحوال فی نقد الرجال ص ۷۰، مطبوعہ مطبع عزیزی، ۱۳۴۲ ھ

[2] حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ ھ، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۵، مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۱ ھ

کیا ہے، جب میں واپس جانے لگا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ ممبر کو کس نے کھودا؟ میں نے کہا اس کو حضرت معاویہ نے کھودا اور حضرت عمرو بن العاص نے جاری کیا وہ اچھل پڑا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا اس فاسق اور اللہ کے دشمن کو پکڑو اور قتل کر دو، خطیب نے ذکر کیا ہے کہ ابن خزیمہ نے اس سے آخر میں روایت لینے کو ترک کر دیا تھا، ابن حبان نے کہا کہ یہ رافضی تھا رفض کی دعوت دیتا تھا اور منکر احادیث کی روایت کرتا تھا، اس نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف منسوب کر کے یہ مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو قتل کر دو۔ [1]

ابو یحییٰ تیمی حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، ان کا نام اسماعیل بن ابراہیم الاحول ابو یحییٰ تیمی کوفی ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ ضعیف الحدیث ہیں، ابن نمیر نے کہا یہ بہت ضعیف ہیں، امام بخاری نے کہا اس کو ابن نمیر نے بہت ضعیف قرار دیا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث میں ضعیف ہے، نسائی نے کہا ضعیف ہے۔ ابن مدینی، مسلم اور دار قطنی نے کہا ضعیف ہے، ابن حبان نے کہا یہ خطا کرتا تھا اور اس کی منفرد حدیث لائق استدلال نہیں، حاکم نے کہا یہ قوی نہیں ہے اور ابو حازم نے کہا یہ شیعی ہے۔ [2]

فضیل بن مرزوق حافظ ذہبی لکھتے ہیں: فضیل بن مرزوق کوفی ہے، نسائی نے کہا یہ ضعیف ہے اسی طرح عثمان بن سعید نے اس کو ضعیف قرار دیا اور میں (یعنی حافظ ذہبی) کہتا ہوں کہ یہ تشیع میں مشہور تھا، ابن حبان نے کہا یہ سخت منکر الحدیث تھا اور ثقات کی روایات بیان کرنے میں خطا کرتا تھا اور عطیہ سے موضوع احادیث روایت کرتا تھا، میں (حافظ ذہبی) کہتا ہوں کہ عطیہ اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے، ابن معین نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ [3]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں فضیل بن مرزوق رقاشی کوفی، اس کی کنیت ابو عبد الرحمان ہے یہ بنی عنزہ کا مولیٰ تھا، ابن معین سے روایت ہے کہ یہ حدیث کی صلاحیت رکھتا تھا مگر اس میں بہت شدید تشیع تھا۔ ابن حبان نے کہا یہ ثقات سے روایت کرنے میں خطا کرتا تھا اور عطیہ سے احادیث روایت کرتا تھا [4] (یہ حدیث بھی اس نے عطیہ سے روایت کی ہے)

عطیہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اس کا نام عطیہ بن سعد عوفی کوفی تھا یہ مشہور تابعی تھا، حضرت ابن عباس، ابو سعید اور حضرت ابن عمر سے احادیث روایت کرتا تھا، سالم مرادی نے کہا عطیہ علوی تشیع کرتا تھا، امام احمد نے کہا یہ حدیث میں ضعیف ہے، امام احمد کہتے ہیں کہ یہ (ابو سعید) کلبی کے پاس جاتا اور اس سے تفسیر کی روایات لے لیتا اور اس کو ابو سعید کی روایت سے لکھ لیتا اور کہتا کہ مجھ کو یہ حدیث ابو سعید نے بیان کی ہے اور سننے والوں کو یہ وہم ڈالتا کہ یہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے۔ امام نسائی نے کہا محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف

---

1. حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۰۹، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ
2. 〃 〃 〃 تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۹۱ 〃 〃 〃
3. حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰۲، مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۱ھ
4. حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۹۹، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ

قرار دیا ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ عطیہ بن سعد عوفی جدلی قیسی کوفی ہے، اس کی کنیت ابوالحسن ہے، امام احمد نے عطیہ عوفی کا ذکر کر کے فرمایا یہ ضعیف الحدیث ہے یہ کلبی کے پاس جاتا تھا اور اس سے تفسیر کے بارے میں پوچھتا تھا، اس نے کلبی کی کنیت ابوسعید رکھ دی اور کہتا تھا کہ ابوسعید نے کہا ہے (زیر بحث حدیث کو عطیہ نے ابوسعید یعنی کلبی سے ہی روایت کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ) ہشیم عطیہ کی حدیث کو ضعیف کہتے تھے، امام احمد کہتے تھے کہ مجھ سے ابواحمد زبیری نے سنا وہ کہتے تھے کہ کلبی نے کہا کہ عطیہ نے میری کنیت ابوسعید رکھ دی، ابن عدی نے کہا اس کا شمار کوفہ کے شیعوں میں ہوتا تھا، امام ابن حبان نے کہا کہ اس نے حضرت ابوسعید خدری سے کچھ احادیث سنی تھیں جب وہ فوت ہو گئے تو یہ کلبی کے پاس بیٹھنے لگا اور جب کلبی یہ کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے تو یہ اس کو یاد کر لیتا اس نے کلبی کی کنیت ابوسعید رکھ دی اور ابوسعید کے نام سے روایت کرتا تھا، جب اس سے پوچھا جاتا تم کو یہ حدیث کس نے بیان کی تو یہ کہتا کہ ابوسعید نے لوگوں کو یہ وہم ہوتا کہ اس کی مراد ابوسعید خدری ہے حالانکہ یہ کلبی کو مراد لیتا تھا، اس کی حدیث لکھنا جائز نہیں ہے، ابو خالد نے بیان کیا کہ کلبی نے کہا عطیہ نے مجھ سے کہا میں نے تمہاری کنیت ابوسعید رکھ دی ہے میں کہتا ہوں حدثنا ابوسعید، امام ابوبکر بزار نے کہا اس کا شیعوں میں شمار ہوتا تھا، امام ساجی نے کہا یہ حجت نہیں ہے یہ حضرت علی کو تمام صحابہ پر مقدم رکھتا تھا۔ [2]

ابوسعید | حافظ عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں:

اس کا نام محمد بن سائب کلبی ہے، سفیان ثوری نے کہا کلبی حضرت ابن عباس سے جو تفسیر کی روایات بیان کرتا ہے وہ جھوٹ ہے اس کو روایت نہ کرو، قرۃ بن خالد نے کہا کلبی جھوٹ بولتا ہے، مروان بن محمد نے کہا کلبی کی تفسیر باطل ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا کلبی کی کچھ حیثیت نہیں۔ [3]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

محمد بن سائب کلبی ابوالنضر، یہ مفسر و نسابہ اور مشہور ہے، ابوصالح نے کہا یہ جو احادیث ابن عباس سے روایت کرتا ہے ان کو مت بیان کرو، سفیان کہتے ہیں کہ مجھ سے کلبی نے کہا جب میں ابوصالح سے حدیث روایت کروں تو وہ جھوٹ ہے، یزید بن زریع نے کہا کلبی سبائی تھا (یعنی عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب تھا یہ شخص فرقہ شیعہ کا بانی تھا۔ سعیدی) ابن حبان نے کہا کلبی سبائی تھا اور اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی فوت نہیں ہوئے وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل سے بھر دیں گے، اور جب بادل دیکھتا تو کہتا اس میں امیر المؤمنین ہیں، ابوعوانہ کہتے ہیں کہ کلبی نے کہا کہ جبرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی لکھواتا تھا اور جب حضور بیت الخلاء چلے جاتے تو پھر حضرت علی

---

[1] حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۸۱، مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ ۱۳۰۱ھ

[2] حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۲۶، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ

[3] حافظ عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ، کتاب الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۲۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۲۷۱ھ

کروٹ گھمواتا تھا، امام احمد بن حنبل نے کہا کلبی کی تفسیر کو دیکھنا جائز نہیں ہے، جوزجانی نے کہا کلبی کذاب ہے، امام دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا یہ متروک ہے، امام ابن حبان نے کہا اس کا مذہب دین میں مجروح پھیلاتا ہے، ابوصالح نے کہا اس کی کتابوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

محمد بن سائب بن بشر بن عمرو بن عبدالحارث بن عبدالعزیٰ کلبی ابوالنضر کوفی نسابہ مفسر، معتمر بن سلیمان نے کہا کوفہ میں دو کذاب تھے ان میں سے ایک کلبی ہے، لیث بن ابی سلیم نے کہا کوفہ میں دو کذاب ہیں ان میں سے ایک کلبی اور دوسرا سُدّی ہے، یحییٰ بن معین نے کہا اس کی کوئی حیثیت نہیں، ابوعوانہ کہتے ہیں میں نے کلبی سے ایسی روایات سنی ہیں جن کا کہنا کفر ہے، ابوجزء نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے، یزید بن زریع کہتے ہیں کہ میں نے کلبی سے سنا وہ کہتا تھا میں سبائی ہوں یعنی سبائی ہوں، عقیلی نے کہا سبائی رافضیوں کا ایک فرقہ ہے جو عبداللہ بن سبا کا پیروکار ہے، ابراہیم نے محمد بن سائب سے کہا جب تک تم اس عقیدہ پر ہو ہمارے پاس نہ آنا اور یہ مرجئی تھا، ابوحاتم نے کہا اس کی احادیث کے ترک کرنے پر تمام لوگوں کا اجماع ہے، یہ شخص کوفہ میں ۱۴۶ھ میں فوت ہو گیا، ابوصالح نے کہا اس کی روایات سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، ساجی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے اور چونکہ تشیع میں بہت افراط کرتا تھا اس لیے یہ بہت ضعیف ہے، حاکم ابوعبداللہ کہتے ہیں یہ ابوصالح سے موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔ اور عطیہ کی سوانح میں یہ گزر چکا ہے کہ اس نے کلبی کی کنیت ابوسعید رکھی تھی اور اس کنیت کے ساتھ اس سے احادیث روایت کرتا تھا۔ [2]

اسماء رجال کی ان مستند کتابوں کی تصریحات سے ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث کے پانچوں راوی کوفہ کے کٹر شیعہ اور رافضی تھے، اور مجروح اور موضوع روایات بیان کرنے اور گھڑنے میں مشہور تھے اس لیے یہ روایت مجروح اور موضوع ہے اور امام بزار، امام طبرانی، علامہ سیوطی، علامہ علی متقی اور ملا معین کاشفی نے اپنی کتابوں میں احادیث صحیحہ درج کرنے کا التزام نہیں کیا ہے، ان لوگوں کو جس قسم کی سند سے بھی حدیث مل جائے یہ اپنی کتابوں میں درج کر دیتے ہیں اور حدیث کے مقبول یا مردود ہونے کا معاملہ اس کی سند پر موقوف ہے اس لیے صرف بعض اہل سنت کی کتابوں میں اس روایت کے مندرج ہونے سے اس کا مقبول ہونا لازم نہیں آتا اور شاہ عبدالعزیز کا یہ کہنا بھی بعید نہیں ہے کہ شیعہ علماء نے ان کتابوں میں یہ حدیث درج کر دی ہے نیز اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری کی طرف شیعہ علماء کا منسوب کرنا خالص تلبیس اور مجروح ہے، یہ شخص ابوسعید کلبی ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کے حوالوں سے واضح ہو چکا ہے۔

یہ اس روایت پر سند کے لحاظ سے بحث تھی، اور یہ روایت متن کے لحاظ سے اس لیے مردود ہے کہ حضرت فاطمہ کا میراث میں فدک مانگنا اس پر دلیل ہے کہ وہ آپ کو ہبہ نہیں کیا گیا تھا نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا

[1] حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۵۹-۵۵۶ مطبوعہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ، ۱۳۰۱ھ

[2] حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۱-۱۷۸ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ

حضرت فاطمہ کے لیے مال دنیا کو پسند نہ فرمانا، اور فدک پر قبضہ کے بعد راہ خدا میں امداد کے موقع پر حضرت فاطمہ کا راہ خدا میں کسی چیز کو نہ دینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فدک نہیں دیا تھا جیسا کہ ہم شرح ما میں وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

فدک کے تنازعہ پر حضرت فاطمہ کا حضرت ابوبکر سے ناراض ہونا حضرت ابوبکر کے حق میں کسی عتاب کا موجب نہیں

ملا باقر مجلسی اور دیگر علماء شیعہ نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ میراث پر حضرت ابوبکر نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا" تو حضرت فاطمہ ناراض ہو گئیں اور حضرت ابوبکر سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اس کے بعد آپ چھ ماہ زندہ رہیں اور تادم مرگ حضرت ابوبکر سے بات نہیں کی، اگر فی الواقع یہ حدیث صحیح ہوتی تو حضرت فاطمہ یہ حدیث سن کر حضرت ابوبکر سے ناراض کیوں ہوتیں!

پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اس اعتراض کے جواب میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری میں کئی جگہ ہے اور حضرت فاطمہ کے ناراض ہونے کا ذکر صرف عبدالعزیز کی روایت میں ہے، نیز حضرت فاطمہ نے خود تو نہیں فرمایا کہ میں ابوبکر سے ناراض ہوں اور نہ ہی یہ حضرت عائشہ کا قول ہے بلکہ بعد کے راویوں میں سے کسی راوی نے یہ قیاس آرائی کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس راوی نے حالات کا تجزیہ کرنے میں مغالطہ کھایا ہو۔[1] پیر صاحب کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، یہ حدیث حضرت عائشہ کی روایت سے صحیح بخاری میں ایک جگہ نہیں دو جگہ پر دو مختلف سندوں کے ساتھ ہے اور صحیح مسلم میں بھی ہے ان کے علاوہ یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی ہے اور یہ کسی اور راوی کی قیاس آرائی نہیں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی قول ہے پہلے ہم ان روایات کے اقتباس ذکر کریں گے، جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ پیر صاحب کا جواب صحیح نہیں ہے پھر اس کا صحیح جواب بیان کریں گے:

امام بخاری عبدالعزیز کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں:

فغضبت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فهجرت ابا بكر فلم تزل مهاجرته حتى توفيت۔[2]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ غضب ناک ہوئیں اور حضرت ابوبکر سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور تادم مرگ ان سے نہیں ملیں۔

امام بخاری یحییٰ ابن بکیر کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں:

فوجدت فاطمة على ابي بكر في ذلك فهجرته فلم تكلمه حتى

اس بات پر حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہوئیں، ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور تادم مرگ ان سے

۱۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ماہنامہ ضیاء حرم ص ۳۵۰-۳۵۲ ملخصاً، (مئی جون ۱۹۷۳ء)، صدیق اکبر نمبر، مطبوعہ لاہور

۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

توضیح ۔[1] بات نہیں کی۔

اس حدیث کو انہی الفاظ کے ساتھ امام مسلم نے محمد بن رافع کی سند سے بیان کیا ہے۔[2]

دراصل بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی وجہ سے ناراض نہیں ہوئی تھیں، کیونکہ وہ اس حدیث سے پہلے ہی باخبر تھیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں، حضرت فاطمہ کا خیال یہ تھا کہ یہ حدیث عموم پر نہیں ہے اور فدک کی جاگیر اس کے عموم سے مستثنیٰ ہے، جبکہ حضرت ابوبکر کی رائے یہ تھی کہ حدیث اپنے عموم پر ہے، کیونکہ تخصیص پر کوئی قرینہ اور دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ میں اس حدیث کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ ان کے درمیان رائے اور اجتہاد کا اختلاف تھا، حضرت ابوبکر کے نزدیک یہ حدیث اپنے عموم پر تھی جبکہ حضرت فاطمہ کے نزدیک اس حدیث سے فدک کی جاگیر مستثنیٰ تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا حضرت ابوبکر پر یہ لازم تھا کہ اجتہادی امور میں بھی حضرت فاطمہ کی موافقت کریں تو اس کا جواب واضح ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی موافقت لازم نہیں ہے، دیکھئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان کے قصاص کے معاملہ میں حضرت عائشہ سے اختلاف کیا، نہ صرف اختلاف کیا بلکہ ان سے جنگ کی، حالانکہ جس طرح حضرت فاطمہ کو ناراض کرنا حضور کو ناراض کرنا ہے، اسی طرح حضرت عائشہ کو ایذا دینا بھی حضور کو ایذا دینا ہے کیونکہ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب بعض ازواج مطہرات نے حضرت ام سلمہ سے حضور کے پاس یہ سفارش کرائی کہ لوگ صرف حضرت عائشہ کی باری کے دن حضور کو ہدیے اور تحفے نہ بھیجیں بلکہ حضور جس زوجہ کے ہاں بھی ہوں ہدیے اور تحفے دیں اور حضرت عائشہ کی تخصیص نہ کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا:

لا تؤذینی فی عائشۃ فان الوحی لم یاتنی وانا فی ثوب امراۃ الا عائشۃ۔[3]

مجھے عائشہ کے سلسلہ میں اذیت مت دو کیونکہ کسی زوجہ کے بستر میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی، البتہ عائشہ کے بستر میں مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

دیکھیے اگر لوگوں کو حضرت عائشہ کی تخصیص سے منع کر دیا جاتا تو حضرت عائشہ کو اذیت پہنچتی لیکن آپ نے فرمایا مجھے اذیت مت دو، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کو اذیت دینا حضور کو اذیت دینا ہے۔ اس کے باوجود حضرت علی نے وہی کیا جو ان کی رائے میں حق اور صواب تھا اور حضرت عائشہ کے اجتہاد کی موافقت نہیں کی حالانکہ جب حضرت علی نے حضرت عائشہ کی رائے کے خلاف فوری قصاص نہیں لیا بلکہ ان سے جنگ کی تو اس سے حضرت عائشہ کو اذیت پہنچی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے اختلاف کر سکتا ہے اور اس سلسلہ میں اذیت کا اعتبار نہیں ہے، اور یہ حدیث جو بیان کی جاتی ہے:

عن المسور بن مخرمۃ ان رسول اللہ

حضرت مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

صلی اللہ علیہ وسلم قال فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی۔ [۱]

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرا جزو ہے جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھ کو غضب ناک کیا۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ کو مطلقاً ناراض کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے حضرت فاطمہ کو اذیت دینے اور ایذاء پہنچانے کے قصد سے کوئی کام کیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی اور جس نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کوئی جائز کام کیا اور بہ تقاضائے بشریت حضرت فاطمہ اس سے ناراض ہو گئیں تو یہ ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب نہیں ہے کیونکہ بعض دفعہ اجتہاد اور رائے کے اختلاف سے حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی ناراض ہو گئیں۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن المسور بن مخرمۃ ان علی بن ابی طالب خطب بنت ابی جھل علی فاطمۃ فسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس فی ذلک علی منبرہ ھذا وانا یومئذ لمحتلم فقال ان فاطمۃ منی وانا اتخوف ان تفتن فی دینھا ثم ذکر صھرا لہ من بنی عبد شمس فاثنی علیہ فی مصاھرتہ ایاہ قال حدثنی فصدقنی ووعدنی فوفی لی وانی لست احرم حلالا ولا احل حراما ولکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ و بنت عدو اللہ ابدا۔ [۲]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ پر ابو جہل کی دختر کو نکاح کا پیغام دیا، میں اس وقت بالغ تھا، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر پر فرمایا: فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ وہ کسی دینی آزمائش میں پڑ جائے گی پھر آپ نے بنو عبد شمس سے اپنے داماد کا ذکر کیا (یعنی عاص بن ربیع شوہر زینب) اور بحیثیت داماد اس کی تعریف کی فرمایا اس نے مجھ سے جو کہا اور وعدہ پورا کیا اور میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں لیکن بخدا رسول اللہ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

امام ابو داؤد نے بھی اس حدیث کو متعدد اسانید سے روایت کیا ہے ایک سند سے اس طرح روایت ہے:

عن المسور بن مخرمۃ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر یقول ان بنی ھشام بن المغیرۃ استأذنوا ان ینکحوا ابنتھم من علی بن ابی طالب فلا اذن ثم لا اذن ثم لا اذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتھم فانما ابنتی

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا کہ ہشام بن مغیرہ کی اولاد نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا علی بن ابی طالب سے نکاح کر دیں، سو میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا، ہاں اگر علی بن ابی طالب میری بیٹی

---

[۱] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[۲] " " " " " صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ " " " "

بضعة مني يريبني ما ارابها ويؤذيني ما اذاها۔ [1]

کو طلاق دے دیں تو پھر ان کی بیٹی سے نکاح کر سکتے ہیں کیونکہ میری بیٹی میرے جسم کا حصہ ہے، جو چیز اس کو بے چین کرتی ہے وہ مجھے بے چین کرتی ہے اور جو چیز اس کو ایذا دیتی ہے وہ مجھے ایذا دیتی ہے۔

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کے اوپر دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ کیا جس سے حضرت فاطمہ کو اذیت پہنچی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس اقدام سے حضرت فاطمہ کو اذیت دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اپنی علمی اور اجتہاد سے ایک شرعی اباحت اور گنجائش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ ایک مسلمان بشرط عدل بیک وقت چار عورتوں کو نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ حضرت فاطمہ بہ تقاضائے بشریت اس پر ناراض ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کی دلجوئی کی خاطر ان کو اس ارادہ سے باز رکھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت علی نے کوئی حرام اور ناجائز کام نہیں کیا تھا اس لیے فرمایا میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہوں، اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ شیعہ علماء نے بھی ذکر کیا ہے۔

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

کتاب علل الشرائع و بشارۃ المصطفیٰ وغیر کتب میں بسند ہائے معتبر ابوذر اور ابن عباس سے روایت کی ہے: جب جعفر طیار حبشہ سے آئے ایک کنیز کو بطور تحفہ اپنے بھائی علی بن ابی طالب کے پاس بھیجا وہ کنیز جناب امیر کی خدمت کرتی تھی، ایک دن جناب فاطمہ گھر میں آئیں تو دیکھا کہ جناب امیر کا سر اس کے دامن میں ہے، جب یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو متغیر ہو گئیں اور پوچھا: اس کنیز کے ساتھ کیا آپ نے کوئی تعلق قائم کیا ہے؟ جناب امیر نے فرمایا سوگند بخدا اے دختر محمد! میں نے اس کے ساتھ کوئی تعلق قائم نہیں کیا اب جو کچھ آپ منظور ہو بیان کرو۔ کہا کہ اذن جناب سیدہ نے کہا مجھے میرے پدر بزرگوار کے گھر جانے کی اجازت دو۔ جناب امیر نے فرمایا: میں نے اجازت دے دی، پس جناب فاطمہ نے چادر سر پر اوڑھی اور اپنے باپ کی خدمت میں پہنچیں، جبرائیل از خداوند جلیل نازل ہوئے اور کہا حق تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد کرتا ہے، اس وقت فاطمہ تمہارے پاس علی کی شکایت کرنے آئی ہے تم حق علی میں فاطمہ کی کوئی شکایت قبول نہ کرنا، جب جناب فاطمہ داخل دولت سرائے پدر بزرگوار ہوئیں، حضرت رسول نے فرمایا: فاطمہ علی کی شکایت لے کر آئی ہو؟ فاطمہ نے کہا ہاں برب کعبہ، حضرت رسول نے فرمایا علی کے پاس پھر جاؤ اور کہو میں تم سے راضی ہوں، پس جناب فاطمہ جناب امیر کے پاس آئیں اور تین مرتبہ فرمایا میں تم سے راضی ہوں، جس میں تمہاری رضا ہے، جناب امیر نے فرمایا تم نے میری شکایت میرے دوست، میرے حبیب اور میرے یار رسول خدا سے کی۔ رسول خدا کے سامنے اس شرمندگی پر مجھے افسوس ہے۔ اے فاطمہ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور اس کنیز کو محض برضائے حق تعالیٰ میں نے آزاد کیا۔ [2]

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۳، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون ج ۱ ص ۲۴۳-۲۴۴، مطبوعہ شیعہ بک ایجنسی لاہور

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی نے اپنی رائے اور اجتہاد سے ایک جائز کام کیا اور اپنی کنیز کو خدمت سے مشرف کیا، حضرت فاطمہ اس کام سے بہ تقاضائے بشریت ناراض ہوئیں لیکن ان کی یہ ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی پر منتج نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: علی کے پاس جاؤ اور کہو میں تم سے راضی ہوں، اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت فاطمہ کا مطلقاً ناراض ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت ہے جب کوئی شخص قصداً اور عمداً حضرت فاطمہ کو ناراض کرنے کے لیے کوئی کام کرے، علیٰ ہذا القیاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے پیش نظر ایک جائز اور صحیح کام کیا بلکہ وہ کام کیا جس کا کرنا ان پر بحیثیت خلیفہ فرض تھا اور حضرت فاطمہ اس پر بہ تقاضائے بشریت ناراض ہوئیں تو ان کی یہ ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کو ہرگز مستلزم نہیں ہے۔

اس بحث میں ملا باقر مجلسی نے ایک نہایت عجیب اعتراض کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا (یعنی مسلم) اور حضرت فاطمہ تادم مرگ حضرت ابوبکر سے ناراض رہیں اور گویا ان کو امام نہیں مانا اب یا کہو کہ حضرت فاطمہ جاہلیت کی موت مریں (العیاذ باللہ) اور یا کہو کہ حضرت ابوبکر خلیفہ نہیں تھے۔[۱]

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر کو امیر اور خلیفہ مانتی تھیں، جبھی تو ان کے پاس مطالبہ میراث لے کر گئی تھیں، ناراض تو آپ حضرت علی سے بھی ہوئی تھیں لیکن کیا جس وقت آپ حضرت علی سے ناراض ہوئیں تو کیا اس وقت آپ نے حضرت علی کو امیر نہیں مانا تھا؟ نیز ملا باقر مجلسی اور دیگر شیعہ علماء نے تصریح کی ہے کہ حضرت علی مطالبہ میراث کے وقت بھی حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور امام کا ماننا کیا ہوتا ہے؟

دراصل بات یہ ہے کہ بہ تقاضائے بشریت وقتی طور پر حضرت فاطمہ کو اختلاف رائے کی وجہ سے ملال ہوا تھا، بعد میں آپ بیمار اور گوشہ نشین ہو گئیں اس سے راویوں نے سمجھا کہ آپ نے حضرت ابوبکر سے ترک تعلق کر لیا، حالانکہ سلام، کلام اور ملنا جلنا آپ نے منقطع نہیں کیا تھا، امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن الشعبی قال لما مرضت فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها اتاها ابو بکر الصدیق رضی الله عنه فاستاذن علیها فقال علی رضی الله عنه یا فاطمة هذا ابو بکر یستاذن علیک فقالت تحب ان اذن له قال نعم فاذنت له فدخل علیها یترضاها وقال والله ما ترکت الدار والمال والاهل والعشیرة الا ابتغاء مرضاة الله ومرضاة رسوله ومرضاتکم اهل البیت ثم ترضاها حتی رضیت هذا

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر نے ان سے ملنے کی اجازت طلب کی، حضرت علی نے کہا اے فاطمہ! ابوبکر آپ سے ملنے کی اجازت طلب کرتے ہیں، حضرت فاطمہ نے کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟ حضرت علی نے کہا ہاں! حضرت فاطمہ نے اجازت دی، حضرت ابوبکر نے آکر حضرت فاطمہ کو راضی کیا اور کہا خدا میرے ترک سے میرا مکان، میرا مال، میرے اہل اور میرے رشتہ دار اور جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی رضا کے لیے

[۱] ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، حق الیقین ص ۲۰۵-۲۰۴، مطبوعہ کتابفروشی اسلامیہ تہران، ۱۳۹۰ھ

موصل حسن باسناد صحیح۔ [۱]

ہے اللہ کے لیے رسول کی رضا کے لیے اور اہل بیت آپ کی رضا کے لیے ہے، پھر حضرت فاطمہ کو راضی کیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔ یہ حدیث صحیح السند ہے۔

ہر چند کہ بعض احادیث اور علماء شیعہ کی روایات میں فدک کے معاملہ میں حضرت فاطمہ کی حضرت ابوبکر سے ناراضگی بیان کی گئی ہے لیکن یہ قطعی اور یقینی بات نہیں ہے کیونکہ علماء شیعہ کی بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر کے اس فیصلہ سے راضی ہو گئی تھیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جو آخرت کی طرف توجہ اور دنیا سے بے رغبتی تھی اس کے مطابق بھی یہی روایات ہیں۔

شیخ کمال الدین البحرانی لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کی گفتگو سننے کے بعد حضرت ابوبکر نے کہا:

اے تمام عورتوں سے بہتر! اے خیر الآباء کی دختر! بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے سر مو تجاوز نہیں کیا، میں نے صرف آپ کے حکم پر عمل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی سے اپنی خوراک لیتے تھے اور باقی آمدنی کو مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے باقی آمدنی سے جہاد کے لیے سواریاں مہیا کرتے تھے، اور میں اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر یہ کہتا ہوں کہ میں اس کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کروں گا جس طرح اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خرچ کرتے تھے اس پر حضرت فاطمہ راضی ہو گئیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کا پختہ وعدہ کر لیا۔ [۲]

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کا اس معاملہ میں حضرت ابوبکر سے ناراض ہونا اوّل تو قطعی اور یقینی نہیں ہے کیونکہ آپ کی رضامندی کے بارے میں روایات ہیں اور اگر بالفرض آپ ناراض بھی ہوئی ہوں تو یہ ناراضگی بہ تقاضائے بشریت ہے اور یہ ناراضگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ ہم نے حضرت علی کی مثال سے واضح کر دیا ہے جبکہ آپ بالآخر حضرت ابوبکر سے راضی ہو گئی تھیں جیسا کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے، وللہ الحمد علی ذالک۔

کیا عمر بن عبد العزیز نے آل فاطمہ کو فدک واپس دے دیا تھا

بعض علماء شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے فدک کی جاگیر آل فاطمہ کو واپس کر دی تھی، اس سے ثابت ہوا کہ اس کے بارے میں حضرت ابوبکر کا فیصلہ غلط تھا اور یہ حضرت فاطمہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میراث تھی؟ ایک شیعہ عالم نے مجھ پر یہ اعتراض کیا تو میں نے کہا حیرت ہے کہ تم علی پر عمر بن عبد العزیز کو ترجیح دیتے ہو، اگر فدک آل فاطمہ کا حق تھا تو حضرت علی نے اپنے پانچ سالہ دور خلافت میں حق داروں کو یہ حق کیوں نہیں دیا؟ حضرت فاطمہ کو فدک نہ دینے پر حضرت ابوبکر کو غاصب کہا جاتا ہے جبکہ حضرت علی نے بھی فدک پر خلفاء ثلاثہ کے عمل کو برقرار رکھا، یہ عجیب ناانصافی ہے، اگر حضرت علی کا طریق کار صحیح تھا تو خلفاء ثلاثہ کو غاصب کیوں کہا جاتا ہے؟

۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۱، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۲۔ شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی متوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ ج ۵ ص ۱۰۷، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران ۱۳۸۴ھ

دوسرا جواب یہ ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے درحقیقت فدک آل فاطمہ کو واپس نہیں کیا تھا بلکہ اس کی آمدنی کو اس کے مصارف سابقہ پر لوٹا دیا تھا کیونکہ مروانیوں نے فدک کو ذاتی جاگیر بنا لیا تھا، عمر بن عبد العزیز نے مروانیوں سے فدک کو واپس لے کر اسی طریقہ پر لوٹا دیا جس طریقہ پر یہ خلفاء راشدین کے عہد میں تھا۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن المغيرة جمع عمر بن عبد العزيز بني مروان حين استخلف فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت له فدك فكان ينفق منها ويعود منها على صغير بني هاشم ويزوج منها ايمهم وان فاطمة سألته ان يجعلها لها فابى فكانت كذلك في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى مضى لسبيله فلما ان ولي ابو بكر عمل بما عمل النبي صلى الله عليه وسلم في حياته حتى مضى لسبيله فلما ان ولي عمر عمل فيها بمثل ما عملا حتى مضى لسبيله ثم اقطعها مروان ثم صارت لعمر بن عبد العزيز قال عمر يعني ابن عبد العزيز فرأيت امرا منعه النبي صلى الله عليه وسلم فاطمة ليس لي بحق واني اشهدكم اني قد رددتها على ما كانت يعني في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔[1]

مغیرہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز نے خلیفہ بننے کے بعد بنو مروان کو جمع کیا اور یہ کہا کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھا اور آپ اس کی آمدنی سے خرچ کرتے تھے اور بنو ہاشم کے کم سنوں پر خرچ کرتے تھے اور ان کی بیواؤں کی شادیاں کرتے تھے، اور حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک کا سوال کیا کہ آپ انہیں فدک دے دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسی پر عمل ہوتا رہا، حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا، پھر جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی اپنی زندگی میں اسی پر عمل کیا، حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی حضور اور حضرت ابو بکر کی طرح عمل کیا حتیٰ کہ ان کا انتقال ہو گیا، پھر مروان نے فدک پر قبضہ کر لیا، پھر یہ عمر بن عبد العزیز کے حصے میں آیا، عمر بن عبد العزیز نے کہا میں نے یہ سوچا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو نہیں دیا اس پر میرا حق نہیں ہے اور میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی حال پر لوٹا دیا جس حال پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا (یعنی وقف کر دیا۔)

امام ابو داؤد کی اس روایت سے یہ واضح ہو گیا کہ عمر بن عبد العزیز نے فدک آل فاطمہ کو واپس نہیں کیا تھا بلکہ اس کو عہد رسالت کے مصارف پر لوٹا دیا تھا۔ باقی رہا یہ کہ حضرت علی نے بھی فدک آل فاطمہ کو واپس نہیں کیا تھا بلکہ اس کو خلفاء ثلاثہ کے وضع کے دستور کے مطابق برقرار رکھا اس پر علماء شیعہ کی یہ تحریر دستاویزی حیثیت رکھتی ہے:

شیخ فتیر قزوینی لکھتے ہیں:

---

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۶۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

در طول تاریخ اول کسی که فدک را به اہل بیت پیغمبر (ص) برگردانید عمر بن عبد العزیز بود، ہنگامیکہ بخلافت رسید اعلام کرد ای مردم من فدک را بفرزندان رسول اللہ (ص)، و فرزندان علی بن ابی طالب (ع) رد کردم و ما دامی کہ عمر بن عبد العزیز خلیفہ بود فدک در دست آنہا بود، ابن ابی الحدید از ابابکر جوہری نقل میکند، ہنگامی کہ عمر بن عبد العزیز حکومت رسید اولین داد خواہی کہ انجام داد، حسن بن حسن بن علی (ع) را طلبید و بعضی گفتہ اند علی بن الحسین (ع) را طلبید و فدک را با آنحضرت رد کرد۔ [1]

طویل تاریخ میں اگر کسی شخص نے سب سے پہلے پیغمبر علیہ السلام کے اہل بیت کو فدک واپس کیا تو وہ عمر بن عبد العزیز تھے، جس وقت ان کو خلافت ملی تو انہوں نے یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! میں نے فرزندان رسول اللہ اور فرزندان علی بن ابی طالب کو فدک واپس کر دیا اور جب تک عمر بن عبد العزیز خلیفہ رہے، فدک ان کے (اہل بیت کے) پاس رہا، ابن ابی الحدید، ابوبکر جوہری سے نقل کرتے ہیں کہ جس وقت عمر بن عبد العزیز کو حکومت ملی تو انہوں نے سب سے پہلے یہ انصاف کیا کہ حسن بن حسن بن علی کو طلب کیا اور بعض روایات میں ہے کہ علی زین العابدین کو طلب کیا اور فدک ان کو واپس کر دیا۔

نیز شیخ کمال الدین میثم بن علی میثم البحرانی لکھتے ہیں:

وكان يأخذ غلتها فيدفع اليهم منها ما يكفيهم ثم فعلت الخلفاء بعده كذلك الى ان ولي معاوية فاقطع مروان ثلثها بعد الحسن عليه السلام ثم خلصت له في خلافته وتداولها اولاده الى ان انتهت الى عمر بن عبد العزيز فردها في خلافته على اولاد فاطمة عليها السلام قالت الشيعة فكانت اول ظلامة ردها۔ [2]

حضرت ابوبکر فدک کی آمدنی وصول کرتے اور اس میں سے اہل بیت کو ان کی ضروریات کے مطابق دیتے، بعد میں خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا، حتیٰ کہ حضرت حسن کے بعد جب معاویہ کی حکومت آئی تو مروان نے تہائی فدک کو اپنی ملک کر لیا، اور جب مروان حکمران ہوا تو اس نے پورا فدک لے لیا اور پھر یہ اس کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ جب عمر بن عبد العزیز کی حکومت آئی تو اس نے فدک اولاد فاطمہ کو واپس کر دیا، علماء شیعہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا شخص تھا جس نے اس حق کو واپس کیا۔

شیخ قزوینی اور شیخ میثم کی ان عبارات میں یہ تصریح ہے اور فدک کی اس طویل تاریخ میں سب سے پہلے عمر بن عبد العزیز نے اہل بیت کو فدک لوٹا دیا، اور اس سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اہل بیت کو فدک واپس نہیں کیا تھا اور یہ اس پر قوی دلیل ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کے نزدیک فدک کی جاگیر حضرت فاطمہ کو ہبہ کی گئی تھی اور نہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی میراث تھی، ورنہ حضرت علی بھی عمر بن عبد العزیز کی طرح فدک اولاد فاطمہ کو لوٹا دیتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے دور خلافت میں فدک کو خلفاء ثلاثہ کے طریقہ اور ان کے دور کے دستور پر قائم رکھنا اس بات

[1] شیخ فقیہ سید محمد حسن قزوینی، فدک ص ۲۸۸، مطبوعہ کتاب خانہ و مدرسہ چہل ستون مسجد جامع طہران

[2] شیخ کمال الدین میثم بن علی میثم البحرانی متوفی ۶۷۹ھ، شرح نہج البلاغہ ج ۵ ص ۱۰۷، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران ۱۳۸۴ھ

کی بہت مضبوط شہادت ہے کہ فدک کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نظریہ ہی برحق تھا، وللہ الحمد۔

فدک کی تحقیق کے سلسلہ میں یہ وہ آخری بات تھی کہ ہم بیان کرنا چاہتے تھے، فدک کے متعلق علماء اہل سنت ہمیشہ سے اہل سنت کے موقف کی وضاحت کرتے رہے ہیں، متاخرین میں سے خاص طور پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور محسن الملک سید محمد مہدی علی خان نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اور ہم نے بھی اس مضمون میں ان کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے ہم نے اس مسئلہ کو بہت تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا ہے اور قرآن مجید، علماء شیعہ کی تصانیف اور عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان صفحات کو طالبان حق کے لیے رشد و ہدایت کا سبب بنائے اور مصنف کے لیے اس تحریر کو مغفرت اور والدین کی فلاح کا ذریعہ بنائے اور اس کتاب کو تاقیامت باقی رکھے اور قبول عام عطا فرمائے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

مسئلہ خلافت اس باب کی حدیث نمبر ۴۴۶۵ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اور حضرت فاطمہ کے وصال کے بعد مسجد میں آکر حضرت ابوبکر سے بیعت کی، اس کی تفصیل حضرت عائشہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت علی مسجد میں آئے، کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت ابوبکر کے حق کی عظمت کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ انہوں نے بیعت میں (چھ) ماہ کی جو تاخیر کی اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ حضرت ابوبکر کے خلاف خلافت میں کچھ رغبت رکھتے تھے اور نہ وہ حضرت ابوبکر کی فضیلت کا انکار کرتے تھے، بلکہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس حکومت کے مشوروں میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے اور چونکہ یہ حکومت ہمارے مشورہ کے بغیر بنائی گئی تھی اس وجہ سے ہمارے دل کو رنج پہنچا، مسلمان اس بیان سے خوش ہو گئے اور کہا آپ نے ٹھیک فرمایا اور جب حضرت علی نے اس معروف راستہ کو اختیار کر لیا تو لوگ ان کی طرف پھر مائل ہو گئے۔

شیعہ حضرات، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائل نہیں ہیں، اس لیے ہم اس حدیث کی شرح میں قرآن مجید کی آیات اور عقلی دلائل کی روشنی میں حضرت ابوبکر کی خلافت کا حق ہونا بیان کریں گے اور مسئلہ خلافت میں علماء شیعہ کے اہم شبہات کے جوابات ذکر کریں گے فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق ہونے پر قرآن مجید سے استدلال

(۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین سے پھر جاتا ہے تو (وہ دین سے کر) عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جن سے اللہ محبت کرے گا اور وہ قوم اللہ سے محبت کرے گی، یہ لوگ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر

لا ئم ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله واسع عليم (المائدة: [illegible])

سخت ہوں گے یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے، جسے وہ چاہتا ہے اس کو یہ عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت کا مالک اور علم والا ہے۔

اس آیت میں جس قوم کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کو محبوب ہوگی اور اس کو اللہ محبوب ہوگا، اس قوم سے حضرت ابوبکر اور ان کے موافقین مراد ہیں، کیونکہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے جہاد کیا اور اس سلسلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کی۔

علامہ ذہبی نے بیان کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر اطراف عالم میں پھیلی تو بہت سارے عرب اسلام سے مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے قتال کے لیے تیار ہو گئے، حضرت عمر اور بعض دوسرے صحابہ نے حضرت ابوبکر کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن حضرت ابوبکر نے اس کی طرف التفات نہیں کیا اور فرمایا: بخدا اگر یہ لوگ اس رسی یا اس بکری کے بچے کو دینے سے بھی انکار کریں گے جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دیا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا، اور فرمایا جس شخص نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اس سے قتال کروں گا حتیٰ کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے اتفاق کر لیا۔

حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کو بنی اسد اور غطفان کی طرف روانہ کیا انہوں نے کچھ مرتدین کو قتل کیا اور کچھ کو قید کر لیا اور باقی لوگ دوبارہ مسلمان ہو گئے، پھر حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کو مسیلمہ کذاب سے جہاد کرنے کے لیے یمامہ بھیجا، وہاں کئی روز تک بہت خون ریز جنگ ہوئی حتیٰ کہ حضرت وحشی (قاتل حمزہ) نے مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا، حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو عمان کے مرتدین کی طرف روانہ کیا اور حضرت مہاجر بن ابی امیہ کو مرتدین کے ایک دوسرے گروہ کی طرف روانہ کیا، حضرت زیاد بن لبید انصاری کو مرتدین کے ایک دوسرے گروہ کی طرف روانہ کیا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سات سو سواروں کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا۔

شیعہ مؤرخ شیخ احمد بن ابی یعقوب نے بھی بہت تفصیل سے مرتدین کے خلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جہاد کا ذکر کیا ہے۔[1]

اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے نزدیک یہ امر اتفاقی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور ان کے رفقاء نے مرتدین کے خلاف جہاد کیا، اس لیے اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر اور ان کے متبعین ہیں اور سورۂ مائدہ کی یہ آیت اس مقصد میں نص صریح ہے کہ حضرت ابوبکر اور ان کے متبعین اللہ تعالیٰ کے محبوب اور محب ہیں، مسلمانوں پر نرم اور کفار پر سخت ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور نڈر ہیں اور ان پر اللہ کا فضل ہے، سو اگر حضرت ابوبکر بقول شیعہ ناصب اور ظالم ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں یہ آیت نازل نہ فرماتا۔

جہاد کا اہتمام کرنا، مسلمانوں پر نرمی اور کفار پر سختی کرنا ان صفات سے وہی شخص متصف ہوگا جو شخص صاحب اقتدار

[1] شیخ احمد بن ابی یعقوب متوفی ۲۹۰ھ، تاریخ الیعقوبی ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرہنگی ایران، ۱۳۶۲ھ

ہو کیونکہ سربراہ مملکت اور امیر ریاست کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں ہوتا اس لیے اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ جو قوم مرتدین کے خلاف جہاد کرے گی وہ برسر اقتدار ہو گی اور اس قوم کا برسر اقتدار ہونا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو گا اور چونکہ مرتدین کے خلاف سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے جہاد کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر ہیں اور ان کا برسر اقتدار، اور امیر مملکت ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے وللہ الحمد علی ذلک۔

(۲) اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونهم او یسلمون ۚ فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجرًا حسنًا ۚ وان تتولوا کما تولیتم من قبل یعذبکم عذابا الیما۔ (فتح: ۱۶)

(آپ (غزوہ حدیبیہ میں) پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے کہیے کہ: عنقریب تم کو ایسی قوم (مرتدین اہل یمامہ) سے جنگ کے لیے بلایا جائے گا جو سخت جنگجو اور زور آور ہے، تم ان سے جنگ کرتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے اگر تم نے اس وقت (احکام جہاد کی) اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تم کو بہترین اجر دے گا اور اگر تم نے (اس حکم جہاد سے) روگردانی کی جس طرح تم پہلے روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو دردناک عذاب دے گا۔

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے ان بدوؤں کو جو مانعین زکوٰۃ اور دیگر مرتدین کے خلاف جنگ کے لیے بلایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان بدوؤں پر جہاد کی دعوت دینے والے امیر کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے اور اس کی اطاعت پر ثواب کا وعدہ کیا ہے اور اس کی نافرمانی پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور جس امیر کی اطاعت واجب ہو گی اس کی خلافت واجب ہو گی اور جب ان بدوؤں کو جہاد کے لیے بلانے والے حضرت ابوبکر ہیں تو ان کی خلافت واجب ہو گی۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جنگجو قوم سے فارس اور روم مراد ہیں تب بھی کوئی منافات نہیں کیونکہ فارس اور روم کے خلاف لشکر کو حضرت ابوبکر نے تیار کیا تھا اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے عہد میں علاقے فتح ہوئے اور ان دونوں کی خلافت حضرت ابوبکر کی خلافت کی فرع ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں جس دعوت دینے والے کا ذکر ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کیوں مراد نہیں ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے مراد نہیں ہیں کہ اس سے پہلے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوها ذرونا نتبعكم ۚ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ ۚ قل لن تتبعونا کذٰلکم قال اللہ من قبل

(جب تم اموال غنیمت لینے جاؤ گے تو غزوہ حدیبیہ سے) پیچھے رہ جانے والے بدو عنقریب یہ کہیں گے: "ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو" یہ بدو اللہ کے کلام کو تبدیل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے: تم

(فتح : ۰.) ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی اسی طرح فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے اور آپ نے مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لیے بلایا کیونکہ آپ کو قریش سے جنگ کا بھی احتمال تھا تو اس موقع پر عرب کے وہ بدو جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا جان چرا کر بیٹھ رہے اور آپس میں کہنے لگے بھلا ہم ایسی قوم کی طرف جائیں گے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر (مدینہ) آکر ان کے ساتھیوں کو قتل کر گئی ہے۔ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر حملہ کرنے کا حکم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضور کو خبر دی کہ جو بدو حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے اب وہ مہم خیبر میں آپ کے ساتھ چلنے کے لیے کہیں گے کیونکہ وہاں خطرہ کم اور مال غنیمت ملنے کی توقع زیادہ ہے، آپ ان سے فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ بتلا چکا ہے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے اب اگر تم ہمارے ساتھ جاؤ گے تو گویا اللہ کا کلام تبدیل ہو جائے گا اور یہ تو ہو نہیں سکتا لہٰذا تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں جائیں گے، ان عنقریب ان کو ایک سخت جنگجو قوم سے لڑنے کے لیے بلایا جائے گا اس وقت اگر انہوں نے اطاعت کی تو ان کو اچھا اجر ملے گا!

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ اس سخت جنگجو قوم سے جہاد کرنے کے داعی کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمایا ہے یہ بدو آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے اور اس داعی کا مصداق حضرت علی بھی نہیں ہیں کیونکہ حضرت علی نے اپنی خلافت میں دعوت اسلام کے لیے کوئی جنگ نہیں کی، حضرت علی نے اپنی زندگی میں جتنی لڑائیاں کیں وہ سب اپنی خلافت کی بقاء اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے تھیں اور بعد کے حکمران بالاجماع مراد نہیں ہیں، پس متعین ہو گیا کہ دعوت اسلام کے لیے ایک سخت قوم کے خلاف جس شخص نے بدوؤں کو جہاد کی دعوت دی اور جس داعی کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ نے اجر حسن اور جس کی حکم عدولی پر اللہ تعالیٰ نے عذاب کو واجب کیا وہ خلفاء ثلاثہ میں سے کوئی ایک شخص ہے اور ہر تقدیر پر حضرت ابوبکر کی خلافت کی حقانیت ثابت ہو گی کیونکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت کا حق ہونا حضرت ابوبکر کی خلافت کے حق ہونے کی فرع ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ اس آیت میں حضرت ابوبکر کی خلافت کے حق ہونے کی قوی دلیل ہے۔ وللہ الحمد علی ذالک۔

(۳) نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله و رضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون۔ (حشر: ۸)

(نیز وہ مال) ان فقراء مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکال دیے گئے، یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ صادق ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے صادق ہونے کی خبر دی ہے، اور حضرت ابوبکر کو مہاجرین نے خلیفہ بنایا تھا اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابوبکر کے ہوتے ہوئے اور کوئی شخص خلافت کا مستحق نہیں ہے سو اگر حضرت ابوبکر کو خلیفہ برحق نہ مانا جائے تو مہاجرین جھوٹے قرار پائیں گے کیونکہ تمام مہاجرین نے کہا حضرت ابوبکر خلیفہ برحق ہیں اللہ

مہاجرین کا جھوٹا ہونا خلاف قرآن ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا خلیفہ برحق نہ ہونا بھی خلاف قرآن ہے۔ نیز اس آیت میں بلا تخصیص اور بلا استثناء تمام مہاجرین کو سچا فرمایا ہے اور حضرت ابوبکر بھی مہاجر ہیں بلکہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے عظیم صحابی ہیں ـــــ اور اگر بقول شیعہ آپ خلیفہ برحق نہ ہوں بلکہ ظالم، غاصب اور کاذب ہوں تو تمام مہاجرین صادق نہیں رہیں گے اور یہ قرآن کے خلاف ہے اس لیے از روئے قرآن حضرت ابوبکر کو صادق ماننا واجب ہے اور حضرت ابوبکر کو صادق ماننا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کی خلافت برحق ہو، پس اس آیت سے حضرت ابوبکر کی خلافت کا حق ہونا دو طریقوں سے ثابت ہوگیا۔ والله الحمد

(۲)۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجري تحتها الانهر خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم۔

(توبہ: ۱۰۰)

وہ لوگ جو سب سے پہلے اور بڑھ چڑھ کر ہجرت کرنے والے اور نصرت کرنے والے ہیں، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ابد تک ان میں بیٹھے رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے اپنی رضامندی اور اخروی انعامات کی بشارت دی ہے جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی اور تمام سنی اور شیعہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہجرت اور نصرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے سابق اور اول ہیں (تاریخ الخلفاء کے حوالے سے غزوہ تبوک میں حضرت ابوبکر کی سب سے زیادہ نصرت کا بیان گزر چکا ہے) پس اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ جن سے راضی ہے اور جن کو اللہ نے عظیم کامیابی کی بشارت دی ہے ان میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں، سو اگر بقول شیعہ حضرت ابوبکر ظالم، غاصب اور فاسق یا کافر ہوتے تو وہ ان اخروی انعامات کا مصداق نہ ہوتے، لہٰذا اس آیت سے واضح ہوگیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے تبھی وہ اللہ کی رضامندی اور آخرت کی عظیم کامیابی کے حامل ہوئے۔

اس آیت میں مہاجرین اور انصار صحابہ کے بعد میں آنے والے ان لوگوں کے لیے بھی اللہ کی رضا، جنت اور آخرت کی عظیم کامیابی کی بشارت ہے جو ان سابقین اولین کی نیکی کے ساتھ اتباع کریں یا ان کے حق میں کلمہ خیر کہیں سو جو لوگ اخروی انعامات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ حضرت ابوبکر اور دیگر خلفائے راشدین کے متعلق اچھے کلمات کہیں اور نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کریں اور ان کے متبعین بالاحسان میں شامل رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خلفاء راشدین کے متبعین بالاحسان میں شامل رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ کرے ہم سے راضی ہو جائے اور ہمیں راضی کر دے اور ہمیں وہ دائمی جنات عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور عظیم الشان کامیابی عطا فرمائے (آمین)

حضرت ابوبکر کے خلیفہ برحق ہونے پر عقلی دلائل

تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ خلافت کا مستحق تین شخصوں میں سے کوئی ایک تھا حضرت ابوبکر

حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم، پھر حضرت علی اور حضرت عباس نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے اختلاف نہیں کیا بلکہ ان دونوں حضرات نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی، پس تمام صحابہ کا حضرت ابوبکر کی بیعت پر اجماع ہو گیا۔

نیز اگر حضرت ابوبکر خلیفہ برحق نہ ہوتے تو حضرت علی حضرت ابوبکر سے اسی طرح جنگ کرتے جس طرح انہوں نے حضرت معاویہ سے جنگ کی تھی جبکہ معاویہ بیس سال سے شام میں حکمران تھے اور ان کو فوج اور اسلحہ کی بڑی بھاری طاقت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ طویل عرصہ تک جنگ کرنے کے بعد بھی ان کو زیر نہیں کر سکے، اس کے برخلاف حضرت ابوبکر کو ایسی عسکری قوت حاصل نہیں تھی اور تمام بنو ہاشم حضرت علی کی پشت پر موجود تھے اور حضرت معاویہ کی بہ نسبت حضرت ابوبکر سے جنگ کرنا بہت آسان تھا پس اگر حضرت ابوبکر خلیفہ برحق نہ ہوتے تو حضرت علی بھی ان کی بیعت نہ کرتے جس طرح حضرت حسین نے یزید کی بیعت نہیں کی تھی اور ان سے مزید جنگ کرتے جس طرح حضرت علی نے حضرت معاویہ سے جنگ کی تھی۔

انعقاد بیعت کے وقت انصار نے یہ کہا تھا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں (مہاجرین) سے ہو، حضرت ابوبکر نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الائمۃ من قریش "امام قریش میں سے ہوں گے" انصار نے اس حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی، حضرت علی کے حامی انصار سے زیادہ تھے اور عام مسلمانوں کو بھی خانوادہ نبوت سے محبت اور ہمدردی تھی اگر ان کے پاس اپنی خلافت کے بارے میں کوئی نص ہوتی تو انصار کی بہ نسبت وہ مطالبہ کرنے کے زیادہ حقدار تھے اور ان کے حامی اور مددگار انصار سے بہت زیادہ تھے، اس لیے وہ اس نص کو ضرور پیش کرتے اور ثابت کرتے کہ وہ خلافت کے حقدار ہیں، اور تمام مسلمان ان کا ساتھ دیتے۔

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی؟

امام بخاری نے ابن شہاب زہری کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے حیات فاطمہ میں چھ ماہ تک حضرت ابوبکر سے بیعت نہیں کی، اور حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر سے صلح کر کے بیعت کر لی۔ [1]

امام مسلم نے بھی ابن شہاب زہری کی سند سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ [2]

ہر چند کہ حضرت علی کی بیعت میں تاخیر کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس صحیح یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت عام کے وقت ابتداء ہی میں بیعت کر لی تھی، اور تمام مسلمانوں کے اجتماعی عمل سے الگ نہیں رہے تھے۔ امام بیہقی، امام بخاری اور امام مسلم کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ ھ

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ ھ

قال معمر قلت للزهري كم مكثت فاطمة بعد النبي صلى الله عليه وسلم قال ستة اشهر فقال رجل للزهري فلم يبايعه علي رضي الله عنه حتى ماتت فاطمة رضي الله عنها قال ولا احد من بني هاشم رواه البخاري في الصحيح من وجهين عن معمر ورواه مسلم عن اسحاق بن راهويه وغيره عن عبد الرزاق وقول الزهري في قعوده عن بيعة ابي بكر رضي الله عنه حتى توفيت فاطمة رضي الله عنها منقطع وحديث ابي سعيد الخدري رضي الله عنه في مبايعته اياه حين بويع البيعة العامة بعد السقيفة اصح ولعل الزهري اراد قعوده عنها بعد البيعة ثم نهوضه اليها ثانيا وقيامه بواجباتها والله اعلم[1]

معمر کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ کتنے دن زندہ رہیں؟ زہری نے کہا چھ ماہ، پھر ایک شخص نے زہری سے کہا کیا حضرت فاطمہ کے انتقال تک حضرت علی نے بیعت نہیں کی تھی؟ زہری نے کہا بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی بیعت نہیں کی، اس حدیث کو امام بخاری نے معمر سے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اسحٰق بن راہویہ سے اور دوسروں نے عبد الرزاق سے روایت کیا ہے اور زہری کی یہ روایت منقطع ہے کہ حضرت فاطمہ کے انتقال تک حضرت علی نے بیعت نہیں کی تھی اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صحیح ہے کہ جس وقت عام بیعت ہو رہی تھی حضرت علی نے اسی وقت حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی تھی اور شاید کہ زہری کی یہ مراد ہو کہ حضرت علی بیعت کرنے کے بعد چھ ماہ تک گھر بیٹھے رہے اور اس کے بعد دوبارہ چھ ماہ بعد حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور بیعت کے تقاضوں کو پورا کیا۔

امام بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری روایت کرتے ہیں:

عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه قال لما توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم قام خطباء الانصار فجعل الرجل منهم يقول يا معاشر المهاجرين ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا استعمل رجلا منكم قرن معه رجلا منا فنرى ان يلي هذا الامر رجلان احدهما منكم والآخر منا قال فتتابعت خطباء الانصار على ذلك فقام زيد بن ثابت فقال ان رسول الله

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو انصار کے خطباء کھڑے ہو گئے اور ان میں سے ایک شخص نے کہا: اے جماعت مہاجرین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تم میں سے کسی شخص کو حاکم بناتے اور اس کے ساتھ ہمارے ایک آدمی کو بھی حاکم بناتے، سو ہمارا خیال یہ ہے کہ اس خلافت کے لیے بھی دو شخص مقرر کیے جائیں، ایک ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے، پھر انصار کے سب خطیبوں نے

[1] امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

صلی اللہ علیہ وسلم کان من المہاجرین و ان الامام یکون من المہاجرین ونحن انصارہ کما کنا انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام ابو بکر رضی اللہ عنہ فقال جزاکم اللہ خیرا یا معشر الانصار وثبت قائلکم ثم قال اما لو فعلتم غیر ذلک لما صالحناکم ثم اخذ زید بن ثابت بید ابی بکر فقال ھذا صاحبکم فبایعوہ ثم انطلقوا فلما قعد ابو بکر علی المنبر نظر فی وجوہ القوم فلم یر علیا فسأل عنہ فقام ناس من الانصار فاتوا بہ فقال ابو بکر ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وختنہ اردت ان تشق عصا المسلمین فقال لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعہ ثم لم یر الزبیر بن العوام فسأل عنہ حتی جاءوا بہ فقال ابن عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحواریہ اردت ان تشق عصا المسلمین فقال مثل قولہ لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبایعاہ ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ[۱]

اس طرح کہنا شروع کیا اس وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اور امام بھی مہاجرین میں سے ہونا چاہیے اور ہم اس کی نصرت کریں گے جس طرح ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اے جماعت انصار اللہ تعالیٰ تم کو جزاء خیر دے اور تمہارے قائل کو ثابت قدم رکھے، اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کرتے تو ہم اس کو قبول نہ کرتے، پھر حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ تمہارے صاحب ہیں ان سے بیعت کرو، پھر سب نے بیعت کی، جب حضرت ابوبکر منبر پر بیٹھ گئے تو آپ نے لوگوں کی طرف دیکھا حضرت علی نظر نہیں آئے تو آپ نے ان کے متعلق دریافت کیا، انصار میں سے کچھ لوگ حضرت علی کو بلا کر لائے، حضرت ابوبکر نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد اور آپ کے داماد، کیا آپ مسلمانوں کے اتحاد کو توڑنا چاہتے ہیں، حضرت علی نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ملامت نہ کریں، سو آپ نے بیعت کر لی، پھر آپ نے دیکھا کہ حضرت زبیر بن عوام بھی نہیں ہیں تو ان کے متعلق دریافت کیا، پھر لوگ ان کو لائے، آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور آپ کے مددگار! کیا آپ مسلمانوں کی جمعیت کو توڑنا چاہتے ہیں! حضرت زبیر نے بھی کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ملامت نہ کریں پھر دونوں نے بیعت کی، یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام ابن حبان اور دیگر محدثین نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے ابتداء ہی میں حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی تھی یہ روایت بخاری اور مسلم کی اس روایت سے زیادہ صحیح اور اس پر راجح ہے اور بہ تقدیر تسلیم بخاری اور مسلم کی روایت کا محمل یہ ہے کہ حضرت علی نے دوبارہ آ کر بیعت کی، کیونکہ حضرت فاطمہ کی تیمارداری میں مشغولیت کے باعث وہ حضرت ابوبکر کی مجلس سے غیر حاضر رہے تھے اس لیے لوگوں کے

[۱] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۳ ص ۷۶، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ

اطمینان کی خاطر دوبارہ آکر بیعت کی تجدید کی۔ [1]

حضرت ابو سعید کی روایت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

امام ابن سعد روایت کرتے ہیں:

عن الحسن قال، قال علی لما قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظرنا فی امرنا فوجدنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد قدم ابا بکر فی الصلوٰۃ فرضینا لدنیانا من رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیننا فقدمنا ابا بکر۔ [2]

حسن کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصال کر گئے تو ہم نے خلافت کے متعلق غور کیا پس ہم نے یہ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو نماز میں مقدم کیا تھا، پھر ہم اپنی دنیا کے معاملہ میں اس شخص سے راضی ہو گئے جس شخص پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین کے معاملہ میں راضی تھے۔

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری اور امام ابن سعد کی ان روایات سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کی اسی وقت بیعت کر لی تھی جب بیعت عام منعقد ہوئی تھی اور امام بخاری اور امام مسلم نے زہری کے حوالے سے جو بیعت میں چھ ماہ تاخیر کی روایت بیان کی ہے وہ زہری کا قول ہے اور غیر متصل ہے اس لیے حجت نہیں ہے۔ اور بہرحال اگر یہ روایت صحیح ہو تب بھی کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں حضرت علی کی تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ بیعت کی صحت کے لیے ہر ہر فرد کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ارباب حل و عقد میں سے جو علماء اور رؤساء میسر ہوں ان کا بیعت کرنا صحت بیعت کے لیے کافی ہے۔ البتہ باقی لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام کی اطاعت کریں اور اس کی مخالفت نہ کریں اور جماعت مسلمین سے باہر نہ ہوں، سو حضرت علی نے ایسا ہی کیا ہر چند کہ انہوں نے بیعت عام کے وقت بیعت نہیں کی لیکن انہوں نے اتحاد مسلمین کی لاٹھی کو نہیں توڑا اور نہ حضرت ابوبکر کی مخالفت کی اور جب ان کو حضرت فاطمہ کی تیمارداری سے فرصت ملی تو انہوں نے اطمینان سے آکر شرح صدر سے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے تاخیر بیعت کا خود یہ عذر بیان کیا ہے کہ ہمیں حضرت ابوبکر کی افضلیت اور خلافت میں ان کے استحقاق سے کوئی اختلاف نہیں ہمیں صرف یہ شکایت ہے کہ مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا، حضرت ابوبکر، عمر اور دوسرے صحابہ کی طرف سے اس عذر کا یہ جواب ہے کہ خلافت کا معاملہ بے حد اہم تھا اور اس مسئلہ کو جلد از جلد طے کرنا مقصود تھا، اسی وجہ سے اس قضیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم کیا گیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے اور تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اس بناء پر ان کو مشورہ کے لیے نہیں بلایا جا سکا، بہرحال یہ توجیہات حضرت علی کی بیعت میں تاخیر کی بناء پر ہیں ورنہ حق یہ ہے کہ حضرت علی نے ابتداء میں بیعت عام کے وقت بیعت کر لی تھی، اہل تشیع کی روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ان شاء اللہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۴۹۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ، الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۸۳، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ

حضرت ابوبکر کی خلافت پر حضرت علی کا تبصرہ

حضرت علی کے نزدیک حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی خلافت برحق تھی، اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ان کی خلافت کے خلاف کوئی مناقشہ نہیں کیا، کوئی محاذ آرائی نہیں کی بلکہ خلفاء ثلاثہ کے ساتھ وہ مسلسل تعاون اور ان کی حمایت کرتے رہے، چوبیس سال تک لگاتار خلفاء ثلاثہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں، خلفاء ثلاثہ کی سونپی ہوئی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پورا کیا اور ہمیشہ ایک رفیق اور حلیف کی حیثیت سے ان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن علی انہ قال یوم الجمل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یعہد الینا عہدا ناخذ بہ فی امارۃ ولکنہ شیء رأیناہ من قبل انفسنا ثم استخلف ابوبکر رحمۃ اللہ علی ابی بکر فاقام واستقام ثم استخلف عمر رحمۃ اللہ علی عمر فاقام واستقام حتی ضرب الدین بجرانہ۔[1]

جنگ جمل کے دن حضرت علی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے متعلق ہمیں کوئی وصیت نہیں کی تھی جس پر ہم عمل کرتے، ہم نے خود اپنے اجتہاد سے خلیفہ مقرر کیا، پھر ابوبکر کو خلیفہ بنایا گیا، ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو انہوں نے خلافت کو درستگی کے ساتھ قائم کیا اور خود بھی راہ راست پر رہے پھر عمر کو خلیفہ بنایا گیا، عمر پر اللہ کی رحمت ہو انہوں نے بھی کار خلافت کو صحیح رکھا اور خود بھی راہ استقامت پر گامزن رہے حتیٰ کہ دین کے تمام معاملات درست ہو گئے۔

اہل تشیع کی تصانیف میں حضرت علی کے بیعت کرنے کا نقشہ

یہاں تک ہم نے علماء اہل سنت کی احادیث اور ان کی تصانیف سے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر حضرت علی کے بیعت کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے اب ہم تقابلی جائزہ کے لیے علماء اہل تشیع کی تصانیف سے حضرت علی کے بیعت کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

جب حضرت عمر نے دیکھا کہ جمیع مہاجرین و انصار نے نیز حیدر کرار اور چار نفر خواص اصحاب رسول دین کو دنیا سے فروخت کر ڈالا اور حضرت ابوبکر سے بیعت کی، اس وقت ابوبکر سے کہا علی کو بیعت کے لیے کیوں نہیں بلاتے واللہ جب تک وہ بیعت نہ کریں گے تب تک تم پر خلافت قائم نہ رہے گی کہ وہ خلیفہ برحق رسول خدا ہیں اور عالم تر اور شجاع تر اور فاضل تر اس امت سے ہیں، لوگ ان کی طرف بہت رجوع کرتے ہیں، ابوبکر نے جناب امیر کو بیعت کے لیے بلایا جناب امیر نے فرمایا میں نے قسم کھائی ہے جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گھر سے باہر نہ آؤں اور چادر کندھے پر نہ ڈالوں بعد چند روز کے قرآن ناطق یعنی جناب امیر نے قرآن کو جمع فرمایا اور جز دان میں رکھ کر سر بمہر کر دیا پھر مسجد میں تشریف لا کر مجمع مہاجرین و انصار میں ندا فرمائی کہ اے گروہ مردماں جب سے دفن پیغمبر آخر الزمان سے فارغ ہوا بہ تمام آنحضرت قرآن جمع کرنے میں مشغول

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

ہوا اور جمیع آیات و سورہ ہائے قرآن کو میں نے جمع کیا اور کوئی آیہ آسمان سے نازل نہ ہوا جو حضرت نے مجھے نہ سنایا ہو، اور اس کی تعلیم مجھے نہ کی ہو، چونکہ اس قرآن میں چند آیات کفر و نفاق منافقین و آیات نص خلافت جناب امیر پر تھے اس وجہ سے خلافت لینے اس قرآن سے انکار کر دیا جناب امیر خشمناک اپنے حجرہ طاہرہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا اب اس قرآن کو تم لوگ تا ظہور قائم آل محمد نہ دیکھو گے۔ ؎

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ علماء شیعہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پانچ اصحاب کے سوا باقی تمام صحابہ بے دین تھے، اہل تشیع نے جس ذلت و رسوائی کے ساتھ حضرت علی کو مسجد میں بلوانے اور جبراً بیعت لینے کا واقعہ بیان کیا ہے وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے، اس کے ساتھ ہی حضرت خاتون جنت سیدنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی شدید توہین کی ہے اور حضرت علی کی انتہائی بزدلی بیان کی ہے، حضرت خاتون جنت پر دروازہ گرا کر ان کا حمل ساقط کر دیا اور وہ کچھ نہ کر سکے، کیا یہی تقیہ ہے، حضرت علی کو اپنی جان اتنی پیاری تھی کہ اپنی اور رسول اللہ کی حرمت کو پامال ہوتے ہوئے دیکھتے رہے اور صرف اتنی کمزوری سے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

تقیہ کا جواب

علامہ مجلسی لکھتے ہیں ایک گروہ منافقین نے مشورہ کیا کہ جناب امیر کو قتل کریں اور باہم کہا جب ہماری حکومت مستحکم نہ ہوگی جب تک علی کو قتل نہ کریں۔ جیسا کہ عمر نے ابوبکر سے کہا جب تک علی باقی ہیں ہم کو اطمینان نہیں ہو سکتا تو ثانی نے ایک آدمی کو بھیج کر خالد بن ولید کو بلایا، ان کو ... سے کہا ہم نے ایک امر عظیم کے لیے جو یاد کیا ہے، بلا اجر ... کو منظور ہے اگرچہ قتل علی ہی کیوں نہ ہو، کہا اسی لیے تم کو بلایا ہے، خالد نے پوچھا کس وقت علی کو قتل کروں . . . . نے کہا وقت نماز میں علی کے پہلو میں کھڑا ہو جب میں سلام کہوں تو علی کو قتل کر۔ اسماء بنت عمیس کہ پہلے زن جعفر طیار تھیں اس وقت زوجہ ابوبکر تھیں جب اس نے لوگوں کے اس مشورہ کو سنا اپنی کنیز سے کہا علی اور فاطمہ کے گھر جا اور ان کے گھر میں پھرتی اور یہ آیت پڑھتی جا۔ ان الملأ یأتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من الناصحین۔ جب وہ کنیز آئی اور یہ آیت پڑھی۔ جناب امیر نے فرمایا اپنی بی بی سے کہہ خدا مجھ پر رحمت نازل کرے وہ لوگ یہ قدرت نہیں رکھتے۔ اس لیے کہ اگر وہ مجھے قتل کریں گے تو ناکثین و قاسطین و مارقین سے کون لڑے گا پس جناب امیر نے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے اور مشغول نماز ہوئے۔ خالد بن ولید بھی پہلو میں آ کھڑا ہوا اس وقت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے، اور قصد کہ جناب امیر نے اگر تلوار کھینچ لی تو پہلے میں ہی نہ مارا جاؤں اس خیال سے تشہد کو بہت طول دیا یہاں تک کہ نزدیک ہوا آفتاب طلوع ہو جائے۔ خوف دوسرا یہ بھی تھا اگر سلام کہیں اور خالد بن ولید اپنی حرکت ناپاک کرے فتنہ و فساد برپا ہو جائے، پس قبل سلام ابوبکر نے کہا اے خالد! جس بات کا میں نے تم کو حکم دیا ہے وہ نہ کرنا، اگر کرے گا تو میں تجھے مار ڈالوں گا۔ یہ کہہ کر سلام نماز کیا اس وقت جناب امیر نے خالد سے کہا تجھے ابوبکر نے کیا حکم دیا تھا اس نے کہا تمہارے قتل کا۔ فرمایا کیا تو مجھے قتل کرتا۔ خالد نے کہا ہاں واللہ! اگر ابوبکر منع نہ کرتے تو میں تم کو قتل کر دیتا۔ یہ سن کر جناب امیر نے خالد کو جدا کر کے زمین پر دے مارا اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اور تلوار اٹھائی کہ سر کاٹ لیں عمر نے چلا کر کہا قسم ہے پروردگار محمد کی علی ابن ابیطالب خالد کو مار ڈالتے ہیں، سب مل کر چھڑاؤ۔ یہ سن کر تمام حاضرین مسجد میں جمع ہو گئے مگر جناب امیر کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکتے تھے۔ ؎

؎ ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون مترجم ج ۱ ص ۲۲۶-۲۲۷، مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور

؎ ، ، ، ، ، جلاء العیون مترجم ج ۱ ص ۲۳۰-۲۳۲، ، ، ،

ملا باقر مجلسی کے بیان کردہ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور یہ عذر بیان کرنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت علی نے تقیۃً یہ نمازیں پڑھی ہیں کیونکہ اسی عبارت میں یہ لکھا ہے کہ حضرت علی اتنے زورآور تھے کہ انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو پکڑ لیا تو تمام حاضرین مسجد مل کر بھی ان کو نہیں چھڑا سکتے تھے۔ اور جب حضرت علی کو اپنی جان کا خوف اور خطرہ نہیں تھا کیونکہ بار بار فرماتے تھے کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو تقیہ کی کوئی وجہ نہ تھی اور جب ان کے نزدیک حضرت ابوبکر کافر تھے۔ (العیاذ باللہ) تو پھر کافر کے پیچھے نمازیں پڑھ کر نمازوں کو برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی!

نیز اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن ناتمام اور محرف ہے، اصل قرآن اب تک غائب ہے، حتی کہ حضرت علی نے اس قرآن کو اپنے دور خلافت میں بھی نہیں ظاہر کیا اور تمام امت مسلمہ کو اب تک اس سے محروم رکھا ہے جب قائم آل محمد (یعنی امام مہدی) کا ظہور ہوگا تب اس قرآن کا ظہور ہوگا!

ملا باقر مجلسی حضرت علی کو مسجد میں بلانے کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثانی (حضرت عمر) نے کسی کو مسجد میں بٹھا کر اپنے ساتھیوں سے اور کل منافقین سے نصرت و مددگاری چاہی یعنی کہ منافقین فوج فوج ...... کی نصرت و مددگاری کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انبوہ و ازدحام ہو گیا۔ خالد بن ولید نے شمشیر کھینچ کر جناب امیر پر حملہ کیا۔ جناب امیر نے اس پر حملہ کر کے چاہا کہ قتل کریں مگر لوگوں نے بحق رسول خدا جناب امیر کو قسم دی۔ جناب امیر نے خالد کو چھوڑ دیا سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، بریدہ اسلمی (رضوان اللہ علیہم) جناب امیر کی نصرت و مددگاری کو اٹھ کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ فتنہ عظیم برپا ہو۔ جناب امیر نے ان کو منع کیا اور فرمایا مجھے ان اشقیاء کے ساتھ چھوڑ دو اس لیے کہ خدا نے مجھے حکم نہیں دیا کہ اس وقت ان سے جہاد کروں۔ وہ اشقیائے امت گردن مبارک حضرت میں رسیاں ڈال کر مسجد میں لے گئے۔ در بروایت دیگر۔ جب وہ در خانہ دولت پر پہنچے اور جناب فاطمہ اندر آنے سے مانع ہوئیں اس وقت قنفذ نے بروایت دیگر ثانی نے تازیانہ بازوئے جناب فاطمہ پر مارا کہ بازوئے جناب سیدہ کا مضروب ہو کر ورم آ گیا مگر پھر بھی جناب فاطمہ نے جناب امیر سے ہاتھ نہ اٹھایا اور ان لوگوں کو گھر میں آنے سے منع کیا۔ یہاں تک کہ دروازہ شکم جناب فاطمہ پر گرا دیا جس نے پسلیوں کو شکستہ کر دیا۔ اور اس فرزند کو جو شکم میں تھا حضرت رسول نے جس کا نام محسن رکھا تھا شہید کر دیا اور سیدہ نے بھی اسی صدمہ ضربت سے انتقال کیا۔ در بروایت دیگر مغیرہ بن شعبہ نے بحکم حضرت دوم (حضرت عمر) دروازہ شکم محترم جناب فاطمہ پر گرا دیا۔ اور ان کے فرزند محسن کو ان کے شکم میں شہید کیا۔ پھر جناب امیر کو مسجد میں لے گئے جفا کار و اشقیائے امت پیچھے پیچھے تھے اور کوئی نصرت و مددگاری حضرت کی نہ کرتا تھا۔ سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، بریدہ اسلمی روتے پیٹتے اور کہتے تھے کیا جلد حضرت رسول خدا سے تم لوگوں نے خیانت کی۔ کینہ اپنے سینہ کا ظاہر کیا۔ اور انتقام حضرت کا ان کے اہل بیت سے لیا۔ اس وقت بریدہ اسلمی نے کہا اے ...... سب قریش تیری اصلیت و نسب کو جانتے ہیں اور تجھے پہچانتے ہیں کہ کتنا مرتبہ کے ...... سے تو پیدا ہوا ہے ایسا شخص خانۂ اہلبیت میں آئے اور پیغمبر کی بیٹی کو مجبور کرے اور وصی رسول کو اس رسوائی سے مسجد میں لے جائے جب ابوبکر کی نظر جناب امیر پر پڑی لوگوں سے کہا چھوڑ دو۔ جناب امیر نے فرمایا اے ابوبکر کس حق اور کس میراث اور کس فضیلت پر تو نے خلافت میں تصرف کیا۔ کل بحکم پیغمبر مجھ سے تو نے غدیر میں بیعت کی اور بحکم پیغمبر مجھ پر بامارت کہتا تھا

تو نے سلام کیا۔ یہ سن کر...... شمشیر غلاف سے کھینچ کر بالائے سر جناب امیر کے کھڑا ہو گیا اور کہا ان باتوں کو جانے دو اور بیعت کرو۔ جناب امیر نے فرمایا اگر بیعت نہ کروں کیا کرے گا؟ ثانی نے کہا اگر بیعت نہ کرو گے تو قتل کروں گا۔ جناب امیر نے فرمایا رسول کے بھائی کو قتل کرے گا؟ بخدا سوگند اگر مجھے خیال حکم خدا اور اطاعت رسول نہ ہوتا تو ابھی اسی طرح معلوم ہو جاتا کہ کون زیادہ ضعیف ہے۔ پس بریدہ اسلمی اٹھے اور کہا اے ابوبکر و عمر کیا تم نہیں تھے کہ جناب رسول خدا نے تمہیں اور ہمیں فرمایا کہ جا کر جناب امیر پر بامارت و بادشاہی سلام کریں۔ تم لوگوں نے پوچھا یہ حکم آپ از جانب حق تعالےٰ دیتے ہیں؟ حضرت رسول نے فرمایا ہاں حکم خدا دیتا ہوں اس وقت ہم لوگ گئے اور سلام کیا اور کہا السلام علیکم یا امیر المومنین! عمر نے کہا اے بریدہ تمہیں ان باتوں سے کیا۔ بریدہ نے کہا بخدا سوگند میں اس شہر میں نہ رہوں گا جہاں تم لوگ امیر ہو اور خلیفۂ رسول محکوم ہو۔ اس کلام کے بعد بااجازت حضرت عمر، بریدہ اسلمی کو مار کر مسجد سے نکال دیا۔ بعد ازاں سلمان فارسی اٹھے اور کہا اے ابوبکر خدا سے خوف کر اور جس جگہ بیٹھنے کا سزاوار نہیں وہاں سے اٹھ جا۔ اور حق خلافت اہل بیت کو دے دے اور تمام امت کو جہالت و ضلالت میں تا روز قیامت نہ ڈال۔ یہ سن کر عمر نے کہا اے دی سلمان تم کو ان باتوں سے کیا کام۔ سلمان نے کہا بخدا سوگند اگر میں جانتا اپنی تلوار سے اہل دین کی خدمت کرتا۔ بے شک تلوار کھینچ کر مردانہ وار راہ خدا میں جہاد کرتا تاکہ تم وصی رسول سے ایسا سلوک نہ کر سکتے۔ پس اور لوگوں کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا تم نے کیا کیا نہ کیا اور کیا نہ جانا۔ کیا دین میں آئے اور کیا دین میں سے خارج ہو گئے۔ اب میں تم کو بلاؤں میں مبتلا ہونے اور نعمت خدا سے نا امیدی کی بشارت دیتا ہوں۔ واضح ہو کہ ایک گروہ ستمگار تم پر مسلط ہوگا اور بجور و ستم تم سے سلوک کرے گا۔ کتاب خدا اور اس کے احکام کو بدل ڈالے گا۔ اس کے بعد ابوذر، مقداد و عمار اٹھے اور ہر ایک نے حجت لا کے بالآخر اور دلیل لا کے ان اشقیاء پر تمام کی اور جناب امیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا آپ کیا فرماتے ہیں اگر حکم دیں تو ہم شمشیر سے ان لوگوں کے ساتھ جہاد کریں یہاں تک کہ مارے جائیں۔ جناب امیر نے فرمایا خدا تم پر رحمت کرے۔ ان اشقیاء سے دست بردار ہو اور وصیت رسول خدا یاد کرو۔ ابوبکر منبر پر چپ چاپ بیٹھے تھے...... نے کہا بیٹھا ہے علی زیر منبر مقام جلسہ یہاں سے اور بیعت نہیں کرتے مجھے اجازت دے کہ ان کو قتل کر دوں۔ اس وقت حسنین برابر اپنے پدر بزرگوار کے کھڑے تھے۔ اس کلام سے رونے اور چلانے لگے۔ اور قبر رسول کی طرف منہ کر کے فریاد کرنے لگے۔ یا جداہ یا رسول اللہ ۔ ہم کو آپ اس حالت میں دیکھیں کہ ہم بے یار و مددگار رہ گئے ہیں۔ پس جناب امیر نے حسنین کو اپنے سینے سے لگا کر فرمایا اے جان پدر! نہ رو۔ بخدا سوگند یہ اشقیاء تمہارے باپ کے قتل پر قادر نہیں اور اس سے زیادہ ذلیل و بے مقدار ہیں جو یہ ارادہ کر سکیں۔ پس ام سلمہ زوجۂ رسول خدا اور ام ایمن مربیہ آنحضرت اپنے اپنے مکان سے روتی ہوئی نکلیں اور بولیں اے لوگو اتنی بہت جلد اپنے کینہ ہائے دیرینہ کو بعد رسول ظاہر کیا۔ ثانی نے کہا ان عورتوں کو مسجد سے نکال دو اور ان کے کلام سے کیا کام۔ پس جناب امیر اٹھے اور مہاجرین و انصار سے اپنے فضائل و مناقب ایک ایک بیان کیے اور ان لوگوں سے نصوص رسول خدا بابت اپنی خلافت کے مقدمہ میں گواہی چاہی اور روز غدیر و دیگر مقامات متعددہ انہیں یاد دلاتے اور حجت الٰہی ان پر تمام کی۔ ان لوگوں نے کہا یا حضرت اگر آپ اس سے پہلے فرماتے تو ہم ابوبکر کی بیعت نہ کرتے اس گفتگو سے عمر کو خوف ہوا کہ لوگ ایسا نہ ہو ابوبکر کی خلافت سے منحرف ہو جائیں لہٰذا پھر جناب امیر سے کہا یا علی بیعت کرو ورنہ میں تم کو...... کر دوں گا۔ جناب امیر نے فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے۔ بخدا سوگند میرے اوپر تجھے کیا قدرت نہیں۔

یہ سن کر خالد بن ولید دوڑا اور تلوار غلاف سے کھینچ کر بولا: بخدا سوگند بیعت کرو ورنہ قتل کر دوں گا۔ جناب امیر نے گریبان پکڑ کر دور پھینک دیا اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی بعد اس کے ہر چند کوشش کی مگر جناب امیر نے بیعت نہ کی۔ لوگوں نے جن میں عمر بھی تھے جناب امیر کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اور ابوبکر نے اپنا ہاتھ دراز کر کے حضرت کے ہاتھ تک پہنچایا۔ احادیث معتبرہ میں منقول ہے جب جناب امیر کو مسجد میں لائے آپ نے مرقد مطہر جناب رسول کی طرف منہ کر کے کہا: یا ابن عم ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ اے برادر من! اس قوم نے مجھے ضعیف کیا اور نزدیک تھا کہ مجھے مار ڈالیں پس حضرت رسول کی قبر سے ایک ہاتھ نکلا سب نے کہا پہچان کر۔ یہ حضرت رسول کا ہاتھ ہے اور ایک آواز آئی کہ سب نے پہچانی رسول کی آواز ہے اور وہ آواز یہ تھی: یا ابابکر اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سواک رجلا۔ اے ابوبکر! کافر ہوا اس خدا سے جس نے تجھے خاک سے پیدا کیا۔ [1]

ملا باقر مجلسی نے متعدد بار لکھا ہے کہ حضرت علی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا خیال مانع تھا ورنہ چار کے سوا تمام صحابہ کو مار ڈالتے۔ سوال یہ ہے کہ جب چار کے سوا تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے تو رسول اللہ کا تو یہی حکم ہے کہ مرتد کو قتل کر دو اور قرآن مجید میں بھی یہی حکم ہے کہ کفار اور منافقین کو قتل کر دو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ محض افترا ہے کہ آپ نے کافروں، مرتدوں، ظالموں اور غاصبوں کو قتل کرنے سے منع کیا تھا، اور یہ بھی ایک جھوٹا حیلہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت کی تھی کہ جب تک تمہارے ساتھ ایک جماعت نہ ہو ان سے جنگ نہ کرنا، جب حضرت علی تنہا ان سب پر بھاری تھے تو پھر جماعت کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ بھی غلط ہے کہ آپ کے ساتھ جماعت نہیں تھی تمام بنو ہاشم اور اہل بیت آپ کے ساتھ تھے اور اہل تشیع کے زعم کے مطابق یہ صحابہ کافر تھے تو پھر ان کافروں سے جنگ کرنا واجب تھا خصوصاً اس وقت جب کہ حضرت علی کو یہ یقین تھا کہ یہ ان کو قتل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلا جبر و اکراہ بطیب خاطر عزت و کرامت کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی اور ہمیشہ خلفاء ثلاثہ کے ہم نوا، معاون اور حلیف رہے، ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے اور ان کے احکام پر برضا و رغبت عمل کرتے رہے، حضرت علی کا حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نمازیں پڑھنا جلاء العیون کی اس عبارت سے ثابت ہے اور ہم نے دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ حضرت علی تقیۃً نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔

یہاں تک ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے پر قرآن مجید، احادیث، عقل صریح اور کتب شیعہ سے دلائل پیش کیے ہیں۔ اب ہم حضرت ابوبکر کی خلافت پر اہل تشیع کے اہم اعتراضات کے جوابات ذکر کریں گے فنقول و باللہ التوفیق۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابوبکر میں شجاعت کی کمی تھی

اہل تشیع کا ایک اعتراض یہ ہے کہ خلیفہ کو شجاع اور بہادر ہونا چاہیے اور حضرت ابوبکر شجاع اور بہادر نہیں تھے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر

[1] ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ، جلاء العیون ج ۱ ص ۲۲۳۔۲۲۴، مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور

کو کسی مہم کی ذمہ داری نہیں سونپی۔

الجواب اہل تشیع کا یہ کہنا باطل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو کسی مہم کی قیادت نہیں دی، کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک ہوا اور نو ایسی جہات میں شریک ہوا جن میں سے بعض میں حضرت ابوبکر امیر تھے اور بعض میں حضرت اسامہ بن زید امیر تھے۔ اور ۹ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی یہ اعتراف کرتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر تھے، مسند بزار میں ہے حضرت علی نے لوگوں سے پوچھا بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ ہیں! حضرت علی نے فرمایا میں نے جس کسی سے بھی مقابلہ کیا وقت میں اس سے برابر رہا، لیکن مجھے بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا ہمیں علم نہیں! حضرت علی نے کہا جنگ بدر کے دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھپر بنایا، ہم نے سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے اس چھپر میں کون رہے گا تاکہ کوئی مشرک آپ پر حملہ نہ کر سکے، بخدا! ابوبکر کے سوا ہم میں سے کوئی شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس چھپر میں نہیں گیا، حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے پاس برہنہ تلوار لیے کھڑے رہے، پس ابوبکر ہی صحابہ میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ حضرت علی نے فرمایا میں نے دیکھا کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا اور آپ کو ایذاء پہنچانے لگے، اور کہنے لگے کہ تم ہی وہ شخص ہو جو ہمارے تمام معبودوں کو باطل معبود قرار دیتے ہو، حضرت علی کہتے ہیں کہ بخدا! حضرت ابوبکر کے سوا ہم میں سے کوئی شخص بھی حضور کے قریب نہیں پہنچا، حضرت ابوبکر ان کو مارتے اور ان کو روندتے اور کہتے تمہارا ناس ہو جائے تم اس شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر حضرت علی نے اپنی چادر اٹھائی اور رونے لگے حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھی بھیگ گئی۔ پھر حضرت علی نے سوال کیا کہ آل فرعون کا مومن بہتر ہے یا ابوبکر بہتر ہیں؟ جب لوگ خاموش رہے تو حضرت علی نے فرمایا بخدا ابوبکر کے ساتھ ایک لحظہ گزارنا آل فرعون کے مومن کی مثل سے بہتر ہے، کیونکہ آل فرعون کا مومن ایمان چھپاتا تھا اور ابوبکر نے اپنے ایمان کو مشتہر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوی زندگی میں سب سے مشکل مرحلہ سفر ہجرت تھا اور اس سفر میں آپ نے جس کی شجاعت پر اعتماد کیا وہ حضرت ابوبکر تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ عروہ بن زبیر نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے سوال کیا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ ایذاء کب پہنچائی تھی؟ انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اس حالت میں عقبہ بن ابی معیط نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں چادر ڈال کر زور سے آپ کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا اس وقت حضرت ابوبکر نے آکر اس کو دھکا دیا اور کہا تم اس شخص کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس دلائل لے کر آیا ہے!

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شجاعت میں سے ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب کچھ مرتد ہو گئے اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور دوسری طرف مدعیان نبوت کھڑے ہو گئے تو حضرت ابوبکر نے ان تمام فتنوں کا پامردی سے مقابلہ کیا اور ان تمام داخلی فتنوں کے باوجود حضرت ابوبکر نے حضرت اسامہ کی قیادت

میں شام کی طرف لشکر روانہ کیا، حالانکہ بعض صحابہ کی طرف سے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کی مخالفت کی گئی اور شام میں لشکر بھیجنے کی بھی سب نے مخالفت کی کہ اس وقت حالات سازگار نہیں ہیں لیکن حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تجویز کردہ لشکر کے بھیجنے کو مقدم رکھا اور مصلحت وقت کا خیال نہیں کیا اور یہی حضرت ابوبکر کی بہت بڑی دلیری اور شجاعت ہے۔ حضرت ابوبکر کی شجاعت پر یہ بھی بڑی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پرخطر سفر میں اپنی رفاقت اور حفاظت کے لیے تمام صحابہ میں سے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد رسالت کی فتوحات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا حصہ ہے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب شجر اسلام قوی اور ثمر آور ہو چکا تھا حضرت ابوبکر نے اس وقت اسلام کی خدمت کی ہے جب اسلام ایک چھوٹا سا پودا تھا مخالفین کی کثرت تھی مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی حضرت علی اس وقت کم سن تھے اس وقت کفار اور مخالفین کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر جس قدر حملے کیے جاتے تھے ان کے سامنے صرف حضرت ابوبکر سینہ سپر ہوتے تھے۔ شیعہ حضرات کی مستند کتاب رجال کشی میں لکھا ہے حضرت علی نے فرمایا جس شخص نے مجھ کو ابوبکر اور عمر پر فضیلت دی میں اس کو کذاب اور مفتری کی سزا دوں گا۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کا جواب کہ اعلان برأت کے وقت حضور نے حضرت ابوبکر کو امارت سے معزول کر دیا تھا

اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ ۹ ہجری میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو حج کرائیں پھر ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی عضباء پر سوار کر کے بھیجا۔ تا کہ وہ مشرکین مکہ کو سورۂ براۃ (توبہ) کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنا دیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ حضور نے حضرت ابوبکر کو معزول کر کے حضرت علی کو امیر بنا دیا تھا۔

الجواب حضرت علی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ توڑنے کے اعلان کے لیے بھیجا تھا تا کہ مشرکین پر حجت ہو کیونکہ ان کے نزدیک صاحب معاملہ کے قریبی رشتہ دار کا اعلان ہی حجت اور موثر ہو سکتا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمہ صرف یہ اعلان تھا ورنہ حج کے تمام احکام میں حضرت ابوبکر امیر تھے اور حضرت علی نے بھی حضرت ابوبکر کی امامت اور ان کی متابعت میں فریضہ حج انجام دیا تھا۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث کتاب الحج میں لکھا ہے تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ" سے استدلال کا جواب اہل تشیع کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدیر خم کے مقام پر تمام صحابہ کرام کے مجمع میں فرمایا: کیا میں تمہارے نفسوں سے زیادہ تمہارا اولیٰ نہیں ہوں؟ سب صحابہ نے اس کا اعتراف کیا اور تصدیق کی، پھر آپ نے حضرت علی کے ہاتھ اوپر اٹھا کر فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال — جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں اے اللہ

اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ[1]　　اے اللہ! تو اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔

اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص پر اولیٰ بالتصرف ہیں اس پر حضرت علی اولیٰ بالتصرف ہیں اور جو شخص اولیٰ بالتصرف ہو وہ امام معصوم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے لہٰذا حضرت علی امام معصوم ہیں اور ان کی اطاعت فرض ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو امام قرار دے دیا تو ان کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کی امامت صحیح نہیں ہوتی۔

الجواب یہ حدیث صحیح ہے اس کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بکثرت اسانید سے روایت کیا ہے، لیکن اہل تشیع کا اس حدیث سے حضرت علی کی امامت اور خلافت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اور ان کے اس استدلال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) لفظ مولیٰ ولایت سے ماخوذ ہے اور اہل تشیع کا استدلال اس پر موقوف ہے کہ اس حدیث میں ولی بمعنی اولیٰ ہے، اس لیے ہم پہلے دیکھتے ہیں کہ اس لفظ کے لغت میں کیا معنی ہیں۔ علامہ زبیدی نے قاموس کے حوالے سے ولی کے حسب ذیل معنی ذکر کیے ہیں: (۱) محب (۲) صدیق (دوست) (۳) نصیر (۴) سلطان (۵) مالک (۶) عبد (۷) آزاد کرنے والا (۸) آزاد کیا ہوا (۹) قریب (۱۰) مہمان (۱۱) شریک (۱۲) صہر (۱۳) ابن (۱۴) منعم (۱۵) تابع (۱۶) سسرالی رشتہ دار (۱۷) بھانجا۔[2]

ولی کے یہ تمام حقیقی معانی ہیں اور ولی کا معنی اولیٰ بالتصرف نہیں ہے، اس لیے یہاں مولیٰ کے لفظ کو اولیٰ بالتصرف پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے نیز یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا مولیٰ ہے، یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں شخص فلاں سے مولیٰ ہے، یعنی اولیٰ ہے۔

(۲) بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ یہاں مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اولیٰ بالامامۃ کے معنی میں ہو بلکہ یہ اولیٰ بالاتباع اور اولیٰ بالقرب کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ (آل عمران: ۶۸) ابراہیم سے اولیٰ بالقرب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے۔

(۳) اگر یہ لفظ اولیٰ بالامامۃ کے معنی میں بھی مان لیا جائے تو اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا تھا اس وقت حضرت علی اولیٰ بالامامۃ تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی مآل کے اعتبار سے اولیٰ بالامامۃ ہیں یعنی جس وقت حضرت علی کی خلافت کا موقع ہوگا اس وقت وہی اولیٰ بالامامۃ ہوں گے اور خلفاء ثلاثہ کا ان سے پہلے خلیفہ اور امیر ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

(۴) اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس سے حضرت ابوبکر کی خلافت کے خلاف اپنی خلافت پر استدلال کرتے لیکن حضرت علی اور حضرت عباس میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۳۷۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۹۹-۳۹۸، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ، ۱۳۰۶ھ

(۵) مسند بزار میں ہے حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو میں کسی کو کیسے اپنا خلیفہ بنا سکتا ہوں۔ اگر یہ حدیث حضرت علی کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت علی اس طرح نہ فرماتے۔

(۶) اس حدیث میں مولیٰ دوست محب اور ناصر کے معنی میں ہے جیسا کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: اے اللہ! اس سے دوستی رکھ جو علی سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی سے دشمنی رکھے۔ یہ دعا اس پر قرینہ ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا مطلب ہے میں جس کا دوست یا محب یا ناصر ہوں علی اس کے دوست یا محب یا ناصر ہیں۔

اہل تشیع کے اس اعتراض کے اور بھی متعدد جوابات ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف انہی جوابات پر اکتفاء کیا ہے۔

اس باب کی احادیث کی ہم نے بہت بسیط شرح کی ہے اور خلافت اور فدک پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے اس پر دلائل فراہم کیے ہیں، اس کے بعد مسئلہ فدک اور مسئلہ خلافت پر نہایت سیر حاصل بحث کی ہے ہر چند کہ ان مسائل پر علماء اہل سنت نے کافی کچھ لکھ دیا ہے لیکن اس کی ترتیب اور تدوین ایسی نہیں ہے جس سے آج کا سہل پسند قاری استفادہ کر سکے، ہم نے اس دور کی تحریر کے اسلوب اور تصنیف و تالیف کے جدید تقاضوں کے پیش نظر لکھا ہے اور اہل سنت کے موقف کی وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو دلائل ہمیں القاء کیے ان کو بھی بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے بہت محنت کی ہے، مختلف لائبریریوں میں جا کر چھان پھٹک کر کے کتب شیعہ سے مواد فراہم کیا اور بہت محنت، عرق ریزی اور جانسوزی سے حوالہ جات تلاش کیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو نفع آور بنائے۔ اہل سنت کے لیے اس تحریر کو استقامت اور طمانیت کا سبب بنائے اور شیعہ حضرات کے لیے اس کو موجب رشد و ہدایت بنائے، اللہ تعالیٰ مصنف، ناشر، مصحح، کاتب، جملہ معاونین اور قارئین کو تعظیم صحابہ اور محبت اہل بیت پر قائم رکھے، اسلام پر زندہ اور ایمان پر خاتمہ فرمائے، ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرمائے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے، دنیا اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھے اور اپنے فضل و کرم اور سرکار کے توسل سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین الی یوم الدین۔

باب ۹۱ كَيْفِيَّةِ قِسْمَةِ الْغَنِيمَةِ بَيْنَ الْحَاضِرِينَ

مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم کرنے کا طریقہ

۴۴۷۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو كَامِلٍ فُضَيْلُ بْنُ حُسَيْنٍ كِلَاهُمَا عَنْ سُلَيْمٍ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَخْضَرَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کو مال غنیمت سے دو حصے دیے اور آدمی کو ایک حصہ دیا۔

بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قَسَمَ فِي النَّفَلِ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِلرَّجُلِ سَهْمًا.

۴۴۷۲ - حَدَّثَنَاهُ ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰہِ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مِثْلَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِي النَّفَلِ.

امام مسلم نے ایک اور سند سے اس حدیث کا ذکر کیا ہے اس میں غنیمت کا ذکر نہیں ہے۔

گھوڑے کو دو حصے دینے پر جمہور فقہاء کی احادیث

حافظ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ امام ابو داؤد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی اور اس کے گھوڑے کے لیے تین حصے دیے، ایک حصہ اس کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے، اور امام نسائی نے حضرت زبیر سے روایت کیا ہے کہ فتح خیبر کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو چار حصے دیے، ایک حصہ حضرت زبیر کو، ایک حصہ ذوی القربیٰ میں سے حضرت زبیر کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کو اور دو حصے گھوڑے کے لیے، اور امام احمد نے حضرت علی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کے لیے دو حصے نکالتے تھے اور امام دار قطنی نے حضرت ابی رہم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں اور میرا بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لیے گئے اور ہمارے ساتھ دو گھوڑے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھ حصے عنایت کیے چار حصے ہمارے (دو) گھوڑوں کے لیے اور دو حصے ہمارے لیے۔ امام دار قطنی نے ابو کبشہ انماری، حضرت ابن عباس، حضرت ضباعۃ بنت الزبیر، حضرت مقداد، حضرت جابر، حضرت سہل بن ابی حثمہ اور حضرت ابو ہریرہ سے بھی اس مضمون کی احادیث روایت کی ہیں۔

جمہور فقہاء اسلام امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد نے ان احادیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ مال غنیمت سے گھوڑے سوار کو تین حصے دیے جائیں گے جن میں سے دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے اور ایک حصہ خود اس کے لیے۔

گھوڑے کو ایک حصہ دینے پر امام ابو حنیفہ کی احادیث

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ گھوڑے کو صرف ایک حصہ ملے گا اور ایک حصہ گھوڑے سوار کو ملے گا، امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث سے ہے: امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جنگ بدر کے دن سبحہ نام کے ایک گھوڑے پر سوار تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مال غنیمت سے دو حصے دیے، ایک حصہ ان کے لیے اور ایک حصہ ان کے گھوڑے کے لیے۔

نیز امام واقدی نے مغازی میں اپنی سند کے ساتھ جبیر بن خارجہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بنو قریظہ کے خلاف جنگ میں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حصہ مجھے اور ایک حصہ میرے گھوڑے کو دیا، اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سوار کو دو حصے دیے اور پیادے کو ایک حصہ دیا۔ اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو مصطلق کی عورتیں قید ہو کر ہاتھ آئیں آپ نے ان میں سے خمس نکال کر باقی کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا آپ نے گھوڑے سوار کو دو حصے دیے اور پیادے کو ایک حصہ دیا اور امام دار قطنی نے کتاب المؤتلف والمختلف میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیتے تھے۔

گھوڑے کو ایک حصہ دینے پر امام ابوحنیفہ کے عقلی دلائل

ترجیح میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تمام اگلے پچھلے علماء کی مخالفت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ گھوڑے کو صرف ایک حصہ ملے گا، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ گھوڑے کو دو حصے اور انسان کو ایک حصہ دینے میں انسان پر گھوڑے کی فضیلت ہے اور میں انسان پر جانور کو فضیلت دینا مکروہ سمجھتا ہوں، امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے بھی ان کی مخالفت کی ہے اور تمام فقہاء کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ تنہا رہ گئے، علامہ ابن سحنون نے بھی کہا ہے کہ یہ صرف امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور وہ اس میں منفرد ہیں، علامہ عینی نے بیان کیا ہے کہ اس قول میں امام ابوحنیفہ منفرد نہیں ہیں، بلکہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔

احادیث ابی حنیفہ پر جرح کا جواب

امام ابوحنیفہ نے امام واقدی کی سند سے بھی استدلال کیا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام واقدی کی ثقاہت میں تحمل ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام واقدی پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے، مصعب زبیری سے ان کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا واقدی ثقہ اور مامون ہیں۔ اسی طرح مسیبی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا اور ابو عبید القاسم بن سلام نے بھی کہا کہ واقدی ثقہ ہیں، دراوردی نے کہا کہ واقدی امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔

جمہور فقہاء کی احادیث پر جرح

جمہور فقہاء نے امام ابوداؤد کی جو روایت امام احمد سے بیان کی ہے اس میں ایک راوی مسعودی ہے اس پر جرح کی گئی ہے، اور امام دار قطنی نے جو حدیث ابورہم سے روایت کی ہے اس کی سند میں قیس بن ربیع ہے، تنقیح میں لکھا ہے اس کو بعض ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور ابورہم کی صحابیت میں اختلاف ہے اور امام دار قطنی نے ابی کبشہ انماری سے جو روایت بیان کی ہے اس کی سند میں محمد بن عمران قیسی ہے اس کو امام نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس میں ایک راوی عبداللہ بن بشر ہے، اس کو امام نسائی، یحییٰ القطان، ابوحاتم اور خود امام دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام دار قطنی نے مقداد سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں موسیٰ بن یعقوب ضعیف راوی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے موقف پر علامہ عینی کے دلائل

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر چند کہ جمہور فقہاء کی حدیث بعض اسانید سے ضعیف ہے، لیکن یہ اسانید صحیحہ سے بھی مروی ہے چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے لہٰذا ان اسانید صحیحہ سے یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر حجت ہوگی۔ علامہ بدرالدین عینی نے ان احادیث کے جواب میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ اور جان لو کہ تم نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے

خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل۔ (الانفال: ۴۱)

اس کا پانچواں حصہ اللہ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے لیے ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اس آیت میں تمام مال غنیمت حاصل کرنے والوں کو خطاب ہے اور اس کا یہ تقاضا ہے کہ گھوڑ سوار اور پیادے کے درمیان مساوات ہو اور جن احادیث میں گھوڑے کے لیے دو حصے دینے کا ذکر ہے وہ بطور عطیہ اور انعام پر محمول ہیں۔[1]

علامہ عینی کے اس استدلال پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت کا کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ گھوڑ سوار اور پیادہ کا حصہ مساوی ہو اور بفرض تسلیم یہ امام ابو حنیفہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی گھوڑ سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ دینے کے قائل ہیں۔

علامہ المرغینانی کے دلائل اور خلاصہ بحث

علامہ المرغینانی (صاحب ہدایہ) نے ان احادیث صحیحہ کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ ان احادیث میں گھوڑے کے لیے دو حصے دینے کا ذکر ہے اور امام ابو حنیفہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں گھوڑے کے لیے ایک حصہ دینے کا ذکر ہے اور یہ دونوں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے متعلق ہیں جو آپس میں متعارض ہیں، اس کے برخلاف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کی یہ قولی حدیث روایت کی ہے:

وقد قال علیه الصلوٰة والسلام للفارس سهمان وللراجل سهم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑ سوار کے لیے دو حصے ہیں اور پیادہ کے لیے ایک حصہ ہے۔

علامہ المرغینانی لکھتے ہیں: جب فعلی احادیث متعارض ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر عمل کرنا چاہیے اور وہ یہی ہے کہ گھوڑ سوار کو دو حصے دیے جائیں اور پیادہ کو ایک، اور اس سے امام ابو حنیفہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔[2]

علامہ المرغینانی کی یہ دلیل بہت قوی تھی بشرطیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ قولی حدیث موجود ہوتی، حافظ زیلعی لکھتے ہیں یہ حدیث بہت غریب ہے اور جس نے اس حدیث کی نسبت امام ابن ابی شیبہ کی طرف کی ہے اس نے خطا کی ہے کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑ سوار کو دو حصے دیے اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔[3]

حاصل بحث یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہ نظریہ بہت قوی ہے کیونکہ انہوں نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کی اسانید بلاشبہ ان احادیث کی اسانید سے زیادہ قوی ہیں جن سے امام ابو حنیفہ نے استدلال کیا ہے۔

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۵۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۵۵۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[3] حافظ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۳ ص ۴۱۰، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

باب ۶۹۲ الإمداد بالملائكة في غزوة بدر وإباحة الغنائم

۴۴۷۳- حدثنا هناد بن السري حدثنا ابن المبارك عن عكرمة بن عمار حدثني سماك الحنفي قال سمعت ابن عباس يقول حدثني عمر بن الخطاب قال لما كان يوم بدر ح وحدثنا زهير بن حرب واللفظ له حدثنا عمر بن يونس الحنفي حدثنا عكرمة بن عمار حدثني أبو زميل هو سماك الحنفي حدثني عبد الله بن عباس قال حدثني عمر بن الخطاب قال لما كان يوم بدر نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المشركين وهم ألف وأصحابه ثلاثمائة وتسعة عشر رجلا فاستقبل نبي الله صلى الله عليه وسلم القبلة ثم مد يديه فجعل يهتف بربه اللهم أنجز لي ما وعدتني اللهم آت ما وعدتني اللهم إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض فما زال يهتف بربه مادا يديه مستقبل القبلة حتى سقط رداؤه عن منكبيه فأتاه أبو بكر فأخذ رداءه فألقاه على منكبيه ثم التزمه من ورائه وقال يا نبي الله كفاك مناشدتك ربك فإنه سينجز لك ما وعدك فأنزل الله عز وجل إذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم أني

غزوہ بدر میں فرشتوں کی امداد اور غنیمت کے مباح ہونے کا بیان

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا غزوہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے ساتھ تین سو انیس مرد تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر باآواز بلند اپنے رب سے یہ دعا کی: اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما، اے اللہ! تو نے جس چیز کا مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا فرما، اے اللہ! اہل اسلام کی یہ جماعت اگر ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی، آپ ہاتھ پھیلا کر باآواز بلند مسلسل دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے شانوں سے چادر گر گئی، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور چادر پکڑ کر آپ کے کندھوں پر ڈال دی اور پھر پیچھے سے آپ کے ساتھ لپٹ گئے اور کہنے لگے یا نبی اللہ! اللہ سے آپ کی یہ دعا کافی ہے، آپ کا رب آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو عنقریب پورا فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) "جب تم اپنے رب سے مدد طلب کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی، میں تمہاری لگاتار ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرماؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی مدد فرمائی ——— ابو زمیل نے کہا حضرت ابن عباس نے یہ حدیث بیان کی اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا جو اس سے آگے تھا، اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا "اے حیزوم آگے بڑھو"۔ (حیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک

مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ فَأَمَدَّهُ اللّٰهُ بِالْمَلَائِكَةِ قَالَ أَبُو زُمَيْلٍ فَحَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ يَشْتَدُّ فِي أَثَرِ رَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ أَمَامَهُ إِذْ سَمِعَ ضَرْبَةً بِالسَّوْطِ فَوْقَهُ وَصَوْتَ الْفَارِسِ يَقُولُ أَقْدِمْ حَيْزُومُ فَنَظَرَ إِلَى الْمُشْرِكِ أَمَامَهُ فَخَرَّ مُسْتَلْقِيًا فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ قَدْ خُطِمَ أَنْفُهُ وَشُقَّ وَجْهُهُ كَضَرْبَةِ السَّوْطِ فَاخْضَرَّ ذٰلِكَ أَجْمَعُ فَجَاءَ الْأَنْصَارِيُّ فَحَدَّثَ بِذٰلِكَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقْتَ ذٰلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَقَتَلُوا يَوْمَئِذٍ سَبْعِينَ وَأَسَرُوا سَبْعِينَ قَالَ أَبُو زُمَيْلٍ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا أَسَرُوا الْأُسَارَى قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مَا تَرَوْنَ فِي هٰؤُلَاءِ الْأُسَارَى فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ هُمْ بَنُو الْعَمِّ وَالْعَشِيرَةِ أَرَى أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُمْ فِدْيَةً فَتَكُونُ لَنَا قُوَّةً عَلَى الْكُفَّارِ فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُمْ لِلْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَى يَا ابْنَ الْخَطَّابِ قُلْتُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا أَرَى الَّذِي رَأَى أَبُو بَكْرٍ وَلٰكِنِّي أَرَى أَنْ تُمَكِّنَّا فَنَضْرِبَ أَعْنَاقَهُمْ فَتُمَكِّنَ عَلِيًّا مِنْ عَقِيلٍ فَيَضْرِبَ عُنُقَهُ وَتُمَكِّنِّي مِنْ فُلَانٍ نَسِيبًا لِعُمَرَ فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ أَئِمَّةُ الْكُفْرِ وَصَنَادِيدُهَا فَهَوِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت گر پڑا، اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ اس طرح پھٹ گیا تھا جیسے کوڑا لگا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا، اس انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی، اس دن مسلمانوں نے ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا، ابوزمیل کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا جب مسلمانوں نے قیدیوں کو گرفتار کر لیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے کہا تمہارا ان قیدیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا یا نبی اللہ! یہ ہمارے عم زاد اور ہمارے قبیلہ کے لوگ ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں اس سے ہمیں کفار کے خلاف قوت حاصل ہو گی اور شاید اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی ہدایت دے دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن الخطاب تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا نہیں، بخدا یا رسول اللہ میری وہ رائے نہیں ہے جو حضرت ابوبکر کی رائے ہے، لیکن میری رائے یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کیجئے تاکہ ہم ان کی گردنیں اتار دیں، آپ عقیل کو حضرت علی کے حوالے کیجئے کہ وہ اس کی گردن اتار دیں، اور میرا فلاں رشتہ دار میرے حوالے کریں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ یہ لوگ کافروں کے بڑے اور ان کے سردار ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر کی رائے پسند آئی اور میری رائے پسند نہیں آئی، دوسرے دن جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ آپ اور آپ کا صاحب کس وجہ سے رو رہے ہیں، اگر مجھے بھی رونا آیا تو میں روؤں گا اور اگر مجھے رونا نہ آیا تو میں

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ وَلَمْ یَھْوَ مَا قُلْتُ فَلَمَّا کَانَ مِنَ الْغَدِ جِئْتُ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَبُوْ بَکْرٍ قَاعِدَیْنِ یَبْکِیَانِ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ تَبْکِیْ اَنْتَ وَصَاحِبُکَ فَاِنْ وَجَدْتُّ بُکَآءً بَکَیْتُ وَاِنْ لَّمْ اَجِدْ بُکَآءً تَبَاکَیْتُ لِبُکَآئِکُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبْکِیْ لِلَّذِیْ عَرَضَ عَلَیَّ اَصْحَابُکَ مِنْ اَخْذِھِمُ الْفِدَآءَ لَقَدْ عُرِضَ عَلَیَّ عَذَابُھُمْ اَدْنٰی مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ شَجَرَۃٍ قَرِیْبَۃٍ مِّنْ نَّبِیِّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ اِلٰی قَوْلِہٖ فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا فَاَحَلَّ اللّٰہُ الْغَنِیْمَۃَ لَھُمْ۔

آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونے کی صورت بنا لوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس واقعہ کی وجہ سے رو رہا ہوں جو تمہارے ساتھیوں کے فدیہ لینے کی وجہ سے مجھ پر پیش آیا ہے، بلاشبہ مجھ پر ان لوگوں کا عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت سے بھی زیادہ قریب تھا وہ درخت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: (ترجمہ) کسی نبی کی شان کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ کفار کا زمین پر خون بہانے سے پہلے ان کو قیدی بنائے ______ سو تم کو جو مال غنیمت حاصل ہے اس کو کھاؤ دراں حالیکہ یہ حلال اور طیب ہے پھر اللہ نے مسلمانوں کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔

بدر کا محل وقوع علامہ نووی لکھتے ہیں بدر وہ جگہ ہے جہاں پر ایک بہت عظیم اور مشہور جنگ واقع ہوئی، یہاں پر ایک مشہور پانی کی جگہ اور ایک بستی تھی، یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھی اور مدینہ منورہ سے چار مرحلہ دور تھی، ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ بدر ایک شخص کا کنواں تھا اس شخص کا نام بھی بدر تھا اسی کے نام پر اس کنواں کا نام بدر مشہور ہو گیا، ابوالیقظان نے کہا ہے کہ بنو غفار کے ایک شخص کا یہ کنواں تھا، غزوہ بدر ۱۷ رمضان دو ہجری کو جمعہ کے دن واقع ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن غزوہ بدر ہوا وہ سخت گرم دن تھا۔[1]

جنگ بدر کے دن اللہ تعالیٰ کے وعدہ فتح کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت گریہ وزاری سے دعا کی حکمت

اس باب کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی فتح اور نصرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے انتہائی

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی اس حال میں حضرت ابوبکر نے آپ کو تسلی دی اور کہا یا نبی اللہ آپ کی یہ دعا کافی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر شدت کے ساتھ اس لیے دعا کی تھی تاکہ آپ کے صحابہ آپ کو دعا کرتے ہوئے دیکھ لیں، اور آپ کی دعا کی وجہ سے ان کے دل قوی ہو جائیں، علاوہ ازیں دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگنا عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آپ کو کفار کے لشکر ——— یا کفار کے قافلہ میں سے کسی ایک پر فتح عطا فرمائے گا، اور قافلہ نکل چکا تھا اس لیے اب کفار کے لشکر پر آپ کو فتحیاب کرنا متعین ہو گیا تھا اس کے باوجود آپ نے اس لیے شدت سے دعا کی تاکہ یہ فتح جلد حاصل ہو اور مسلمانوں کو زیادہ ضرر پہنچے بغیر فتح حاصل ہو جائے۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں، علامہ خطابی نے کہا ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ گمان کرنا جائز نہیں ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر اللہ کی نصرت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پُر امید تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قدر گریہ وزاری سے دعا کرنے کی وجہ آپ کی صحابہ پر شفقت اور ان کے دلوں کو تقویت دینا تھی کیونکہ یہ صحابہ کا پہلا جہاد تھا اس لیے آپ نے سخت آہ و زاری سے دعا کی کیونکہ صحابہ کو یہ یقین تھا کہ آپ کی دعا مستجاب ہوتی ہے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف میں تھے اور یہ بندہ کا انتہائی کامل مقام ہے اور آپ کے نزدیک یہ جائز تھا کہ اس دن مدد نہ آئے کیونکہ مدد کا وعدہ مجمل تھا بہرحال یہ وہم کرنا قطعاً باطل ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوبکر کو زیادہ طمانیت حاصل تھی بلکہ حضرت ابوبکر کو یہ یقین تھا کہ حضور نے اس قدر شدت گریہ سے جو دعا کی ہے وہ ضرور بار یاب ہو کر رہے گی۔ [2]

کیا جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا تھا؟

اس باب کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آپ کی مدد فرمائی، اور حضرت ابن عباس نے فرمایا جنگ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اتنے میں اس نے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا "اے حیزوم آگے بڑھ" پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت گر پڑا، اس کی ناک پر چوٹ تھی اور چہرہ پھٹ گیا تھا اور اس پر نیل کا سبز نشان تھا جیسے کوڑا لگا ہو، اس انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا، آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔

علماء اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا تھا یا نہیں؟ صحیح مسلم کی اس صریح حدیث کے پیش نظر زیادہ تر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فرشتوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا اور بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کو تقویت اور بشارت دینے کے لیے تھا کیونکہ قرآن مجید میں فرشتوں کے نازل کرنے کا ذکر سورۂ آل عمران اور سورۂ انفال میں ہے اور دونوں جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: وما جعله الله الا بشری لکم ولتطمئن قلوبکم به "اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے دلوں کو مطمئن کرنے اور تمہیں

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

وشخبری دینے کے لیے فرشتوں کو نازل کیا ہے، لہٰذا اس صریح آیت کے مقابلہ میں ان روایات کو ترک کر دیا جائے گا جن میں فرشتوں کے قتل کرنے اور جنگ کرنے کا ذکر ہے، ہمارے نزدیک یہی تقریر صحیح ہے اس بحث کو پوری طرح واضح کرنے کے لیے پہلے ہم قرآن مجید کی وہ آیات ذکر کریں گے جن میں فرشتوں کے نازل کرنے کا ذکر ہے پھر اس کے بعد مفسرین کی آراء کا ذکر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثة آلاف من الملائکة منزلین ۝ بلیٰ ان تصبروا و تتقوا و یاتوکم من فورهم هذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین ۝ وما جعله الله الا بشریٰ لکم ولتطمئن قلوبکم به وما النصر الا من عند الله العزیز الحکیم ۝

(آل عمران: ۱۲۴-۱۲۶)

جب آپ مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا، کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرو اور وہ اسی وقت یکدم تم پر ٹوٹ پڑیں تو (اس وقت) تمہارا رب تمہاری پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے مدد فرمائے گا اور اللہ نے اس کو تمہارے لیے صرف خوشخبری بنایا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکة مردفین ۝ وما جعله الله الا بشریٰ ولتطمئن به قلوبکم ۚ وما النصر الا من عند الله ۚ ان الله عزیز حکیم ۝

(الانفال: ۹-۱۰)

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا سن لی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرنے والا ہوں اور اس کو اللہ نے صرف خوشخبری بنایا ہے، اور اس لیے کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے بے شک اللہ بہت غالب، (اور) نہایت حکمت والا ہے۔

امام رازی سورہ آل عمران کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں کی نصرت کی کیفیت میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں نے مومنوں کے ساتھ قتال کیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ صرف مسلمانوں کے دلوں کو تقویت دی تھی، اور ان کو یہ خبر دی تھی کہ ان کی نصرت ہوگی اور کافروں کے دلوں پر رعب ڈال دیا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ اگر ضرورت پڑتی تو وہ ملائکہ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے اور ہو سکتا ہے کہ جنگ میں ان کی ضرورت پیش نہ آئی ہو، اور مسلمانوں کے دلوں کی تقویت کے لیے صرف ان کا میدان جنگ میں حاضر ہونا کافی ہو اور زیادہ مشہور یہ زعم ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتال کیا تھا اور کسی جنگ میں قتال نہیں کیا۔ [1]

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

امام رازی سورۂ انفال کی آیات کے تحت لکھتے ہیں:

اس بات میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر کے قتال میں حصہ لیا تھا یا نہیں، ایک قوم نے کہا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ میمنہ پر تھے جس میں حضرت ابوبکر تھے، اور میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ میسرہ پر تھے جس میں حضرت علی بن ابی طالب تھے، یہ فرشتے سفید کپڑے پہنے ہوئے انسانوں کی صورت میں تھے، اور انھوں نے قتال کیا، ایک قول یہ ہے کہ انھوں نے صرف جنگ بدر میں قتال کیا اور جنگ احزاب اور جنگ حنین میں قتال نہیں کیا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود سے ابوجہل نے کہا وہ آواز کہاں سے آرہی تھی جس کو میں سن رہا تھا اور بولنے والا نظر نہیں آرہا تھا، حضرت ابن مسعود نے کہا وہ فرشتوں میں سے تھا۔ ابوجہل نے کہا پھر فرشتوں نے ہم کو شکست دی ہے نہ کہ تم نے! اور ایک روایت ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اچانک اس نے اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی، اس نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو وہ زمین پر چت گر پڑا درآں حالیکہ اس کا چہرہ پلٹ چکا تھا، اس انصاری نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا، یہ آسمان سے مدد آئی تھی۔

دوسری قوم نے یہ کہا کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا وہ صرف لشکر کی تعداد میں اضافے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے آئے تھے ورنہ صرف ایک فرشتہ ہی تمام دنیا کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے، کیونکہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنے صرف ایک پر سے مدائن میں قوم لوط کو ہلاک کر دیا تھا اور قوم صالح اور ثمود کے شہروں کو صرف ایک چیخ سے ہلاک کر دیا تھا، اور اس امداد کی کیفیت کا سورۂ آل عمران میں تفصیلاً ذکر ہے، فرشتے قتال کے لیے نہیں آئے تھے اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وما جعله الله الا بشرى "اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نازل کرنے کو صرف خوشخبری کے لیے بنایا ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے دن ایک چھپر کے نیچے بیٹھ کر دعا کر رہے تھے اور حضرت ابوبکر آپ کی دائیں جانب تھے آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا، اس وقت آپ کو اونگھ آگئی، پھر آپ نے اپنا دایاں ہاتھ حضرت ابوبکر کی ران پر مارا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی مدد کی بشارت سنو، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جبرائیل ایک لشکر کی پیشوائی کر رہے ہیں۔" یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرشتوں کے نازل کرنے سے صرف اسی بشارت کا بھیجنا مقصود تھا، اور یہ حدیث فرشتوں کے قتال کرنے کی نفی کرتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وما النصر الا من عند الله "نصرت صرف اللہ کی جانب سے ہے" اس آیت سے اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ ہر چند کہ فرشتے مسلمانوں کی موافقت کے لیے نازل ہوتے ہیں، لیکن مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ فرشتوں کے نزول پر اعتماد نہ کریں بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت اور اس کی ہدایت کو کافی سمجھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی غالب ہے جو کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور وہی حکیم ہے اور جس جگہ مدد اور نصرت کی ضرورت ہو وہیں مدد پہنچاتا ہے۔[1]

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے وما جعله الله الا بشرى لكم ولتطمئن قلوبكم به وما النصر الا من عند الله۔

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ، تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ ھ

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ مسلمانوں کی نصرت کے لیے فرشتوں کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد کا وعدہ مسلمانوں کو صرف بشارت دینے کے لیے کیا ہے اور ان کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے کیا ہے کیونکہ عام لوگوں کی نظر صرف اسباب کی طرف جاتی ہے اور اس لیے کہ اگر کچھ لوگ جہاد میں ساتھ نہیں شامل ہوئے اور پیچھے رہ گئے ہیں تو اس کی پرواہ نہ کریں ان کے مدد میں فرشتے ان کے ساتھ ہیں۔ [1]

سورۂ انفال کی آیات کی تفسیر میں قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

واختلف فی قتالھم وقد روی اخبار تدل علیھا۔ [2]

فرشتوں کے قتال کرنے میں اختلاف ہے اور ایسی روایات بھی ہیں جو فرشتوں کے قتال کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

علامہ آلوسی سورۂ انفال میں محاجہ ملائکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفی الآیۃ اشعار بان الملائکۃ لم یباشروا قتالا وھو مذھب لبعضھم ویشعر ظاھرھا بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرھم بذلک الامداد وفی الاخبار ما یؤیدہ۔ [3]

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ فرشتوں نے خود جنگ نہیں کی، اور یہ بعض محققین کا مذہب ہے اور ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امداد کی بشارت دی تھی اور بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے نزول کے متعلق مصنف کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی صریح آیات اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتے صرف مسلمانوں کو بشارت دینے اور ان کو تقویت دینے کے لیے نازل ہوئے تھے اور انھوں نے خود جنگ نہیں کی اور اس کے برخلاف بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے خود جنگ کی تھی، لیکن یہ احادیث چونکہ قرآن مجید کی ان صریح آیات سے معارض ہیں اس لیے ان کو ترک کر دیا جائے گا نیز اگر فرشتوں نے یہ لڑائی لڑی ہوتی تو پھر کوئی ایک صحابی بھی اس جنگ میں زخمی یا شہید نہ ہوتا، حالانکہ چودہ صحابی شہید ہوئے اور متعدد زخمی ہوئے، نیز اگر یہ فرشتوں کا کارنامہ تھا تو اصحاب بدر کا کوئی کمال نہ ہوا اور ان کی اس قدر فضیلت نہ ہوتی اور پھر ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟ تمام کافروں کو قتل کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا! علاوہ ازیں یہ کہ مجاہدین صحابہ میں سے ہر ایک کے متعلق معلوم اور ثابت ہے کہ فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا اور فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا پھر فرشتوں کو کس نے قتل کیا؟ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم

تو (اے مسلمانو!) تم نے ان کافروں کو (حقیقۃً)

---

[1] قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل مع حاشیۃ الشہاب ج ۳ ص ۲۱، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۲۸۳ھ

[2] ایضاً، انوار التنزیل مع حاشیۃ الشہاب ج ۳ ص ۲۵۶، " "

[3] علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۹ ص ۱۷۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی ۚ (الانفال: ۱۷)

(اے محبوب) آپ نے (حقیقۃً خاک) نہیں پھینکی جس وقت (بظاہر) آپ نے (خاک) پھینکی تھی، وہ خاک اللہ نے پھینکی۔

بظاہر اصحاب بدر نے کافروں کو قتل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم نے ان کو حقیقۃً قتل نہیں کیا، اللہ نے ان کو قتل کیا ہے، اگر فرشتوں نے بظاہر قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ان کو فرشتوں نے حقیقۃً قتل نہیں کیا اللہ نے قتل کیا ہے اور اگر بظاہر اصحاب بدر نے قتل کیا ہوتا اور حقیقۃً فرشتوں نے قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا اے مسلمانو! تم نے ان کافروں کو حقیقۃً قتل نہیں کیا ان کو تو درحقیقت فرشتوں نے قتل کیا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف قتل کی نسبت ظاہراً کی نہ حقیقۃً، تو معلوم ہوا کہ بدر کے کافروں کو قتل کرنے میں فرشتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ ظاہراً نہ حقیقۃً اور بدر میں حملہ آور کافروں کو قتل کرنا صرف اور صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کارنامہ ہے اور بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت دینے کے لیے تھا اور جو فرشتے بدر میں اترے انہیں دوسرے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی، اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض فرشتوں کو عزت اور فضیلت دینے کے لیے بدر میں فرشتوں کو اتارا ہو!

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن معاذ بن رفاعۃ بن رافع الزرقی عن ابیہ وکان ابوہ من اھل بدر قال جاء جبریل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما تعدون اھل بدر فیکم قال من افضل المسلمین او کلمۃ نحوھا قال وکذلک من شھد بدرا من الملٰئکۃ۔[1]

حضرت معاذ بن رفاعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (ان کے والد اہل بدر سے تھے) کہ حضرت جبرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے! آپ اہل بدر کو کیا شمار کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں یا اس کی مثل کوئی اور کلمہ فرمایا، حضرت جبرائیل نے کہا ہم بھی اسی طرح فرشتوں میں بدری فرشتوں کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔

اس لیے فرشتوں کو بدر میں نازل کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض فرشتوں کو عزت اور فضیلت دی جائے قرآن مجید کی صریح آیات اور بعض احادیث سے ہم نے یہی سمجھا ہے کہ غزوہ بدر میں فرشتوں کا نزول صرف بشارت دینے یا مسلمانوں کی تائید اور تقویت کے لیے ہوا تھا اور فرشتوں نے قتال میں حصہ نہیں لیا، میں نے اس مسئلہ کی بہت چھان بین کی لیکن میں نے دیکھا کہ اکثر مفسرین نے اس مسئلہ کو بیان کرنے سے پہلو تہی کی ہے، اسی طرح شارحین حدیث اور مصنفین سیرت نے بھی اس مسئلہ پر بحث کرنے سے دامن بچایا ہے، قابل ذکر علماء میں سے صرف امام رازی نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، بہرحال میرے نزدیک جو حق تھا وہ میں نے بیان کر دیا، اگر یہ فی الواقع حق ہے تو یہ اللہ کی

[1] امام ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

جانب سے ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میرے فہم کا نقص ہے اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔

اس حدیث کے اخیر میں مال غنیمت کے حلال ہونے کا بھی بیان ہے اس کی مفصل تحقیق ہم ابواب سابقہ میں بیان کر چکے ہیں۔

بَابُ ۵۹۳ رَبْطِ الْأَسِيرِ وَحَبْسِهِ وَجَوَازِ الْمَنِّ عَلَيْهِ

۴۴۷۳ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي يَا مُحَمَّدُ خَيْرٌ إِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَ مِنَ الْغَدِ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ

قیدیوں کو گرفتار کرنا اور ان کو احساناً رہا کرنے کا جواز

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجا، وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے اس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور وہ اہل یمامہ کا سردار تھا انہوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: اے ثمامہ! تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خیر ہے، اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے، اور اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کریں گے، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے، آپ جو مال چاہیں گے آپ کو مل جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھوڑ کر چلے گئے، دوسرے دن پھر آپ نے فرمایا: اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا وہی جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے، اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کیجئے آپ جو مال چاہیں گے، وہ آپ کو مل جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کو چھوڑ کر چلے گئے، حتیٰ کہ اگلے روز پھر آپ نے فرمایا: اے ثمامہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میری وہی رائے ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، اگر آپ احسان کریں گے تو ایک شکر گزار

كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَّجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا إِلَيَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ دِيْنٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَأَصْبَحَ دِيْنُكَ أَحَبَّ الدِّيْنِ كُلِّهٖ إِلَيَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا إِلَيَّ وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِيْ وَأَنَا أُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى فَبَشَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهٗ أَنْ يَّعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهٗ قَائِلٌ أَصَبَوْتَ فَقَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ أَسْلَمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللّٰهِ لَا يَأْتِيْكُمْ مِّنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَأْذَنَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

شخص پر احسان کریں گے، اور اگر آپ قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے، اور اگر آپ مال کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ سوال کریں آپ جو مال چاہیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ثمامہ کو کھول دو، وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا اور غسل کر کے مسجد میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا: اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا پہلے میرے نزدیک روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چہرہ نہیں تھا اور اب آپ کا چہرہ مجھے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہے، بخدا! پہلے میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین ناپسندیدہ نہ تھا، اور اب مجھے آپ کا دین تمام دینوں سے زیادہ محبوب ہے، بخدا پہلے میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر ناپسندیدہ نہ تھا اور اب آپ کا شہر مجھے تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے، آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا درآں حالیکہ میرا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا، اب آپ کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا، جب وہ مکہ پہنچے تو کسی شخص نے ان سے کہا: کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں، لیکن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں، اور سن لو خدا کی قسم! اب تمہارے پاس اس وقت تک یمامہ سے گندم کا کوئی دانہ نہیں پہنچے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دیں۔

۴۴۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيُّ أَنَّهٗ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف گھوڑ سواروں کی ایک جماعت بھیجی، وہ لوگ ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال حنفی تھا جو

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا لَّهُ نَحْوَ أَرْضِ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ يُّقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ الْحَنَفِيُّ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اللَّيْثِ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ إِنْ تَقْتُلْنِيْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ۔

اہل یمامہ کا سردار تھا باقی حدیث حسب سابق ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک طاقتور شخص کو قتل کریں گے۔

اس حدیث میں جنگی قیدیوں کو احساناً آزاد کرنے کا ثبوت ہے۔ ابواب سابقہ میں ہم اس پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں قیدی کو باندھنے اور اس کو قید کرنے کا ثبوت ہے اور اس حدیث میں کافر کو مسجد میں داخل کرنے کے جواز کا بھی ثبوت ہے، امام شافعی کے نزدیک مسلمان کی اجازت سے کافر کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے، خواہ کافر کتابی ہو یا غیر کتابی، امام مالک کے نزدیک جائز نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اہل کتاب کو داخل کرنا جائز ہے اور غیر کتابی کافر کو مسجد میں داخل کرنا جائز نہیں ہے، ہم شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد غسل کرنے کے حکم میں مذاہب فقہاء

اس حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ ثمامہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے غسل کیا، علامہ نووی لکھتے ہیں: جب کوئی کافر اسلام قبول کرنے کا ارادہ کرے تو فوراً اسلام قبول کرے اور غسل کی وجہ سے اس کو مؤخر نہ کرے، اور نہ کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس کو غسل کی اجازت دے بلکہ اس کو فوراً اسلام لانے کا حکم دے، اور اس کے بعد وہ شخص غسل کرے، علامہ نووی کہتے ہیں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر زمانہ کفر میں وہ جنبی تھا تو اس پر غسل واجب ہوگا خواہ اس نے غسل کیا ہو یا نہ، بعض مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ اسلام کی وجہ سے اس سے غسل ساقط ہوگیا جیسا کہ دوسرے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے، اور اگر اسلام سے قبل وہ جنبی نہ ہو تو پھر اس کا غسل کرنا مستحب ہے، یہ ہمارا، امام مالک کا اور دوسرے فقہاء کا مذہب ہے، امام احمد اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر غسل کرنا واجب ہے۔[۱]

تحقیق یہ ہے کہ قبول اسلام سے پہلے تو غسل کر کے اسلام قبول کرنے میں تاخیر جائز نہیں ہے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد غسل کرنا فرض ہے، کیونکہ زمانہ کفر میں جو جنابت لاحق ہوئی ہے وہ ان کے غسل سے نہیں اترتی، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان اور امام بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اسلام لانے کے بعد حضرت ثمامہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کرنے کا حکم دیا، اور امام حاکم نے تاریخ نیشاپور میں لکھا ہے۔ محمد بن عقیل اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا، اور امام ابونعیم نے واثلہ سے روایت کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہوگیا تو نبی صلی

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں بیری کے پتوں کے پانی سے غسل کروں اور فرمایا: زمانہ کفر کے بال کاٹ دو، اور کتاب قرطبی میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غسل کرنے کا حکم دیا۔

طالب اسلام کو کلمہ پڑھانے میں تاخیر کرنا جائز نہیں بلکہ خدشہ کفر ہے

اگر کوئی کافر کسی مسلمان سے یہ کہے کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں تو وہ اس میں تاخیر نہ کرے اور اس کو فوراً کلمہ پڑھا دے، عام طور پر لوگ اس شخص کو کسی عالم دین کے پاس لے جا کر کلمہ پڑھواتے ہیں یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ اس کو کلمہ پڑھانے میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اتنی دیر اس کے کفر پر راضی ہے اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور اگر بالفرض وہ اس وقفہ میں مر گیا تو العیاذ باللہ کفر پر مرے گا۔ اس لیے جو شخص اسلام کا طالب ہو اس کو فوراً کلمہ پڑھا دینا چاہیے اور بعد میں اس کو غسل کرنے کا حکم دیں اور اس کو اسلام کے احکام کی تعلیم دیں۔

بَابُ ۵۹۳ اِجْلَاءِ الْيَهُوْدِ مِنَ الْحِجَازِ

یہودیوں کو سرزمین حجاز سے نکال دینے کا بیان

۴۴۷۶- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ نَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ اِذْ خَرَجَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ انْطَلِقُوْا اِلٰى يَهُوْدَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰى جِئْنَاهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُمْ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ يَهُوْدَ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا فَقَالُوْا قَدْ بَلَّغْتَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ اُرِيْدُ اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا فَقَالُوْا قَدْ بَلَّغْتَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ اُرِيْدُ فَقَالَ لَهُمُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اعْلَمُوْا اَنَّمَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اس اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا یہودیوں کے پاس چلو، ہم آپ کے ساتھ اٹھ کر یہودیوں کے پاس گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ان سے بآواز بلند فرمایا اے یہودیو! مسلمان ہو جاؤ تم سلامت رہو گے، انہوں نے کہا اے ابوالقاسم آپ نے تبلیغ کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا میں یہی چاہتا ہوں (کہ تم اعتراف کر لو) اسلام لاؤ اور سلامت رہو، انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! آپ نے تبلیغ کر دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا: میں یہی چاہتا ہوں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جان لو زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، اور میں یہ چاہتا ہوں کہ تم کو اس زمین سے

لہ۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

الْأَرْضَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ.

نکال دوں۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص اپنے مال کو بیچنا چاہے اس کو بیچ دے ورنہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔

۴۴۷۷- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَإِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ إِسْحَقُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ يَهُودَ بَنِي النَّضِيرِ وَقُرَيْظَةَ حَارَبُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِي النَّضِيرِ وَأَقَرَّ قُرَيْظَةَ وَمَنَّ عَلَيْهِمْ حَتَّى حَارَبَتْ قُرَيْظَةُ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَتَلَ رِجَالَهُمْ وَقَسَمَ نِسَاءَهُمْ وَأَوْلَادَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَنَّ بَعْضَهُمْ لَحِقُوا بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَآمَنَهُمْ وَأَسْلَمُوا وَأَجْلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُودَ الْمَدِينَةِ كُلَّهُمْ بَنِي قَيْنُقَاعَ وَهُمْ قَوْمُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَيَهُودَ بَنِي حَارِثَةَ وَكُلَّ يَهُودِيٍّ كَانَ بِالْمَدِينَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا، اور بنو قریظہ کو برقرار رکھا اور ان پر احسان فرمایا۔ اس کے بعد بنو قریظہ نے جنگ کی آپ نے ان کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اور ان کے اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ البتہ ان میں سے بعض یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملے آپ نے ان کو امن دے دیا اور وہ حضرت باسلام ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو جلا وطن کر دیا، ان میں بنو قینقاع تھا حضرت عبد اللہ بن سلام کی قوم تھی اور بنو حارثہ کے یہودی تھے اور ہر وہ یہودی تھا جو مدینہ میں رہتا تھا۔

۴۴۷۸- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ مُوسَى بِهَذَا الْإِسْنَادِ هَذَا الْحَدِيثَ وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ أَكْثَرُ وَأَتَمُّ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۴۷۹- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا اور سوا مسلمان کے وہاں

أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا۔

کوں اور کوئی نہیں رہنے دوں گا۔

۴۳۸۰ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ ح وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا مَعْقِلٌ وَهُوَ ابْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں اور بیان کی ہیں۔

ذمیوں کی عہد شکنی کی سزا اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جس قوم سے معاہدہ ہو وہ لوگ یا ذمی اگر عہد توڑ دیں تو پھر وہ حربی ہو جاتے ہیں اور ان پر اہل حرب کے احکام جاری ہوتے ہیں اور امام کے لیے جائز ہے کہ ان میں سے جس کو چاہے قید کر لے اور جس پر چاہے احسان کرے' اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر امام نے کسی قوم پر احسان کیا اور اس نے جنگ کی تو اس سے کیا ہوا معاہدہ ٹوٹ جائے گا' بنو قریظہ اسی میں سے تھے پھر انھوں نے عہد شکنی کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں قریش کی مدد کی' ان کے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

وانزل الذين ظاهروهم من اهل الكتاب من صياصيهم وقذف في قلوبهم الرعب فريقا تقتلون وتاسرون فريقا۔

(احزاب: ۲۶)

اور جن اہل کتاب نے ان حملہ آوروں (قریش مکہ) کی مدد کی تھی' اللہ نے انھیں ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) ایسا رعب ڈال دیا کہ تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قید کرتے ہو۔

بَابُ ۵۹۵ جَوَازِ قِتَالِ مَنْ نَقَضَ الْعَهْدَ وَجَوَازِ إِنْزَالِ أَهْلِ الْحِصْنِ عَلَى حُكْمِ حَاكِمٍ عَدْلٍ أَهْلٍ لِلْحُكْمِ

عہد شکنی کرنے والوں کو قتل کرنے کا جواز اور اہل قلعہ کو کسی عادل شخص کے فیصلہ پر قلعہ سے نکالنے کا جواز

۴۳۸۱ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے

وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالَ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ قَالَ نَزَلَ أَهْلُ قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَعْدٍ فَأَتَاهُ عَلَى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَرِيبًا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْأَنْصَارِ قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ أَوْ خَيْرِكُمْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ قَالَ تَقْتُلُ مُقَاتِلَتَهُمْ وَتَسْبِي ذُرِّيَّتَهُمْ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللَّهِ وَرُبَّمَا قَالَ قَضَيْتَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَذْكُرْ ابْنُ الْمُثَنَّى وَرُبَّمَا قَالَ قَضَيْتَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ.

ہیں کہ بنو قریظہ، حضرت سعد بن معاذ کے فیصلے پر قلعوں سے نکل آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلایا، وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر آپ کے پاس آئے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے کہا: اپنے سردار یا اپنے افضل کی طرف کھڑے ہو، پھر فرمایا یہ لوگ تمہارے فیصلہ پر قلعہ سے نکلے ہیں، حضرت سعد بن معاذ نے کہا ان میں سے جو لوگ لڑائی کے قابل ہیں ان کو قتل کر دیجئے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قید کر لیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے، اور کبھی کہا تم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ ابن مثنیٰ نے یہ آخری جملہ ذکر نہیں کیا۔

۴۴۸۲ - وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللَّهِ وَقَالَ مَرَّةً لَقَدْ حَكَمْتَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے اس میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے اور کبھی فرمایا آپ نے بادشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

۴۴۸۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ ابْنِ نُمَيْرٍ قَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ رَمَاهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُقَالُ لَهُ ابْنُ الْعَرِقَةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ خندق کے دن حضرت سعد بن معاذ کو قریش کے ایک شخص نے تیر مارا، اس شخص کا نام ابن عرقہ تھا، یہ تیر آپ کے بازو کی ایک رگ میں لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کے لیے مسجد میں ایک خیمہ لگوا دیا، اور وہیں قریب سے ان کی عیادت کرتے تھے، جب

رَمَاهُ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ يَعُودُهُ مِنْ قَرِيبٍ فَلَمَّا رَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَنْدَقِ وَضَعَ السِّلَاحَ فَاغْتَسَلَ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ وَهُوَ يَنْفُضُ رَأْسَهُ مِنَ الْغُبَارِ فَقَالَ وَضَعْتَ السِّلَاحَ وَاللّٰهِ مَا وَضَعْنَاهُ اخْرُجْ إِلَيْهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَيْنَ فَأَشَارَ إِلَى بَنِي قُرَيْظَةَ فَقَاتَلَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلُوا عَلَى حُكْمِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُكْمَ فِيهِمْ إِلَى سَعْدٍ قَالَ فَإِنِّي أَحْكُمُ فِيهِمْ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَأَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ وَالنِّسَاءُ وَتُقْسَمَ أَمْوَالُهُمْ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق سے واپس لوٹے تو آپ نے ہتھیار اتار کر غسل کیا، اس وقت آپ کے پاس حضرت جبرائیل آئے درآں حالیکہ وہ اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے انہوں نے کہا آپ نے ہتھیار اتار دیے؟ بخدا ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے، ان کی طرف روانہ ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کہاں؟ تو انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر قلعہ سے نکل آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فیصلہ حضرت سعد کی طرف مفوض کر دیا، انہوں نے کہا میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے جنگجو افراد کو قتل کیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا جائے اور ان کے اموال کو تقسیم کر دیا جائے۔

٤٤٨٤ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ قَالَ أَبِي فَأُخْبِرْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت سعد سے) فرمایا: تم نے اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

٤٤٨٥ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ سَعْدًا قَالَ وَتَحَجَّرَ كَلْمُهُ لِلْبُرْءِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنْ لَيْسَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أُجَاهِدَ فِيكَ مِنْ قَوْمٍ كَذَّبُوا رَسُولَكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخْرَجُوهُ اللّٰهُمَّ فَإِنْ كَانَ بَقِيَ مِنْ حَرْبِ قُرَيْشٍ شَيْءٌ فَأَبْقِنِي أُجَاهِدْهُمْ فِيكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت سعد کا زخم بھرنے کے قریب تھا تو انہوں نے یہ دعا کی: اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کو شہر سے نکالا مجھے تیری راہ میں ان کے خلاف جہاد کرنے سے کوئی چیز زیادہ عزیز نہیں ہے، اے اللہ! اگر قریش کے خلاف جنگ ابھی باقی ہو تو مجھے ابھی زندہ رکھ تاکہ میں ان سے جہاد کر سکوں، کیونکہ میرا گمان یہ ہے کہ تو نے ہمارے

اَللّٰهُمَّ فَإِنِّي أَظُنُّ أَنَّكَ قَدْ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَإِنْ كُنْتَ وَضَعْتَ الْحَرْبَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَافْجُرْهَا وَاجْعَلْ مَوْتِي فِيهَا فَانْفَجَرَتْ مِنْ لَبَّتِهِ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِي الْمَسْجِدِ مَعَهُمْ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا وَالدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هٰذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَإِذَا سَعْدٌ جُرْحُهُ يَغِذُّ دَمًا فَمَاتَ مِنْهَا.

اور ان کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے سو اگر تو نے ہمارے اور ان کی جنگ ختم کر دی ہے تو اس زخم کو جاری کر دے اور اس میں میری موت واقع کر دے! پس وہ زخم ہنسلی کے مقام سے بہنے لگا، مسجد میں ان کے ساتھ بنو غفار کا خیمہ تھا وہ خون ان کی طرف بہہ کر آ رہا تھا وہ اس سے خوف زدہ ہو گئے اور کہنے لگے اے خیمہ والو! یہ تمہاری طرف سے ہمارے پاس کیا چیز بہہ کر آ رہی ہے؟ پس دیکھا تو حضرت سعد کا زخم بہہ رہا تھا اور وہ اسی میں فوت ہو گئے۔

۴۴۸۶ - وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَانْفَجَرَ مِنْ لَيْلَتِهِ فَمَا زَالَ يَسِيلُ حَتّٰى مَاتَ وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ قَالَ فَذَاكَ حِينَ يَقُولُ الشَّاعِرُ ؎

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے، اس روایت میں یہ ہے کہ اسی رات سے زخم جاری ہو گیا اور مسلسل وہ خون بہتا رہا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے، اور حدیث میں یہ زیادہ ہے کہ شاعر نے اس موقع پر کہا ہے ؎

أَلَا يَا سَعْدُ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ
فَمَا فَعَلَتْ قُرَيْظَةُ وَالنَّضِيرُ
لَعَمْرُكَ إِنَّ سَعْدَ بَنِي مُعَاذٍ
غَدَاةَ تَحَمَّلُوا لَهُوَ الصَّبُورُ
تَرَكْتُمْ قِدْرَكُمْ لَا شَيْءَ فِيهَا
وَقِدْرُ الْقَوْمِ حَامِيَةٌ تَفُورُ
وَقَدْ قَالَ الْكَرِيمُ أَبُو حُبَابٍ
أَقِيمُوا قَيْنُقَاعُ وَلَا تَسِيرُوا
وَقَدْ كَانُوا بِبَلْدَتِهِمْ ثِقَالًا
كَمَا ثَقُلَتْ بِمَيْطَانَ الصُّخُورُ

سنو اے سعد! سعد بن معاذ، قریظہ اور بنو نضیر نے کیا کیا۔ اے سعد بن معاذ! تمہاری زندگی کی قسم۔ جس دن کہ انہوں نے مصائب برداشت کیے وہ بڑے صبر والے ہے۔ تم نے اپنی ہنڈیا خالی چھوڑ دی ـــــ اور قوم کی ہنڈیا گرم ہے اور ابل رہی ہے ـــــ نیک شخص ابو حباب نے کہا ـــــ اے قینقاع! ٹھہرو، مت جاؤ ـــــ حالانکہ وہ اپنے شہر میں وزن والے تھے ـــــ جیسا کہ میطان پہاڑی کے پتھر وزنی ہیں۔

اوس، بنو قریظہ کے حلیف تھے اور حضرت سعد اوس کے سردار تھے، اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنایا۔
اس حدیث میں مسجد میں سونے کا جواز ہے اور مریض کو مسجد میں ٹھہرانے کا جواز ہے خواہ وہ زخمی ہو، اس حدیث پر

یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ اس میں حضرت سعد بن معاذ کا موت کی تمنا کرنے کا ذکر ہے، حالانکہ موت کی تمنا کرنا منع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دنیاوی آلام اور تکلیفوں سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا منع ہے اور حضرت سعد بن معاذ نے شہادت کے حصول کی وجہ سے موت کی تمنا کی تھی۔

مجلس میں آنے والے شخص کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: قوموا الی سیدکم " اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو " اس حدیث کو امام بخاری نے بھی متعدد اسانید سے روایت کیا ہے [1] امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے [2] اور امام ابو داؤد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ [3]

علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جب معزز لوگ آئیں تو ان کی تعظیم اور اکرام کے لیے قیام کیا جائے، اسی طرح جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے قیام کے استحباب پر استدلال کیا ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، قیام ممنوع یہ ہے کہ ایک شخص بیٹھا ہو اور دوسرے لوگ اس کی تعظیم کے لیے جب تک وہ بیٹھا ہو کھڑے رہیں، (علامہ نووی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اہل فضل کے آنے کے وقت کھڑے ہونا مستحب ہے۔ اس کے متعلق احادیث موجود ہیں۔ اور اس کی ممانعت میں صراحت سے کوئی چیز ثابت نہیں، میں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں مانعین کے تمام شکوک اور شبہات کو زائل کیا ہے۔ [4]

علامہ وشتانی ابی مالکی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ قوم کے رئیس اور اہل خیر اور اہل فضل کی تعظیم کے لیے قیام کرنا چاہیے، کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سے زیادہ افراد کے لیے کھڑے ہوئے اور یہ وہ قیام نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے، قیام ممنوع یہ ہے جیسے کہ بادشاہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور لوگ ان کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں، صحابہ کا اس میں اختلاف تھا کہ آپ نے صرف انصار کو حضرت سعد کے لیے قیام کا حکم دیا تھا یا تمام مہاجرین اور انصار کو یہ حکم دیا تھا۔ [5]

علامہ بدر الدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سلطان یا حاکم مسلمانوں کے سردار کی تعظیم کا حکم دے اور سلطان کی مجلس میں

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۶، ۵۳۵، ج ۲ ص ۹۲۶، ۹۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۲۲، ۷۱، ج ۶ ص ۱۴۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[3] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۵۵، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[4] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[5] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۹۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اہل فضل کی تعظیم کرنا اور ان کی تعظیم کے لیے اٹھنا جائز ہے، اور تمام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے سید کی تعظیم کریں۔

ایک قوم نے قیام تعظیمی سے منع کیا ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگاتے ہوئے آئے، ہم آپ کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہو، علامہ طبری نے کہا یہ حدیث ضعیف اور مضطرب السند ہے اور اس میں ایک راوی مجہول ہے، نیز مانعین کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے جس کو حاکم نے حضرت عبداللہ بن بریدہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد حضرت معاویہ کے پاس گئے اور ان کو یہ حدیث سنائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کو یہ پسند ہو کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں اس کے لیے جہنم واجب ہے۔ علامہ طبری نے کہا یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو قیام سے خوش ہوتا ہے، اس شخص کے لیے یہ وعید نہیں ہے جس کی تعظیم کے لیے قیام کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امام عادل اور شیخ فاضل کے لیے قیام کرنا اور عالم کے لیے متعلم کا قیام کرنا مستحب ہے، ہاں جو شخص امام عادل اور عالم نہ ہو اس کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے، علامہ نووی کے دلائل اور ان پر علامہ ابن الحاج کے اعتراضات ذکر کیے ہیں اور کہیں کہیں محاکمہ کیا ہے، اخیر میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ اگر قیام کا ترک کرنا اہانت کا سبب ہو یا اس سے کوئی خرابی لازم آتی ہو تو قیام واجب ہوگا، علامہ ابن عبدالسلام نے بھی یہی کہا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بعض محققین سے یہ تفصیل نقل کی ہے: اگر قیام کو عادت بنا لیا جائے جیسا کہ عجمیوں کا طریقہ ہے تو یہ مکروہ ہے اور اگر کوئی شخص سفر سے آئے، یا حاکم کے لیے عدالت میں قیام کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کو کوئی نعمت ملی ہو تو اس کو مبارکباد دینے کے لیے قیام کیا جائے یا عاجز کی اعانت کے لیے یا مجلس میں وسعت کرنے کے لیے یا اور کسی جائز مقصد کے لیے قیام کیا جائے تو قیام درست ہے، امام غزالی نے کہا ہے کہ کسی کی تعظیم کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے اور کسی کی عزت افزائی کے لیے قیام کرنا مکروہ نہیں ہے اور یہ بہت اچھی تفصیل ہے۔ [2]

ملا علی قاری حنفی نے بھی اس بحث میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ [3]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اس بحث میں وہی لکھا ہے جو ملا علی قاری نے لکھا ہے۔ [4]

علامہ علاء الدین الحصکفی حنفی لکھتے ہیں:

آنے والے کی تعظیم کے لیے اٹھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ عالم کے سامنے پڑھنے والے کے لیے بھی تعظیماً

1۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۵۰-۲۵۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

2۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

3۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۹ ص ۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

4۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۲۰، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ

کھڑے ہونا مستحب ہے۔ [1]

علامہ ابن عابدین شامی اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں:

یعنی اگر وہ شخص تعظیم کا مستحق ہو تو اس کے آنے پر کھڑے ہونا مستحب ہے، قنیہ میں ہے جو شخص مسجد میں بیٹھا ہو اس کا آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے اسی طرح قرآن مجید پڑھنے والے کا بھی آنے والے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے، البتہ جس شخص کے لیے قیام کیا جائے اس کا قیام کو پسند کرنا مکروہ ہے۔ علامہ ابن وہبان نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں قیام مستحب ہے، کیونکہ قیام نہ کرنے سے کینہ، بغض اور عداوت پیدا ہوتی ہے خاص طور پر جس شخص کے لیے عموماً لوگ قیام کرتے ہوں وہاں قیام کرنا مستحب ہے، باقی قیام پر جو وعید ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں، جیسا کہ ترک اور عجمی کرتے ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عنایہ وغیرہ میں ہے کہ شیخ حکیم ابو القاسم کے پاس جب کوئی غنی آتا تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے اور فقراء اور طلباء کے لیے نہیں کھڑے نہیں ہوتے تھے، جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا غنی مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتا ہے اگر میں اس کی تعظیم نہ کروں تو اس کو تکلیف ہوگی، اور فقراء اور طلباء مجھ سے صرف سلام کے جواب اور علمی مباحث میں گفتگو چاہتے ہیں۔ [2]

ایک شخص مصحف میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھ رہا ہو یا ایک اکیلا شخص پڑھ رہا ہو اور اس کے پاس معزز اور معظم لوگوں میں سے کوئی شخص آئے اور پڑھنے والا اس کی خاطر کھڑا ہو تو فقہاء نے کہا کہ اگر آنے والا عالم دین، اس کا والد یا اس کو علم دین سکھانے والا استاذ ہے تو اس کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ [3]

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اشراف اور معزز لوگوں کے لیے قیام تعظیمی جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور اگر کوئی شخص سفر سے واپس آئے، یا کسی کو مبارکباد دینی ہو یا اور کوئی جائز مقصد ہو تو پھر قیام کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، فقہاء مالکیہ میں سے علامہ ابن الحاج اور فقہاء حنبلیہ میں سے علامہ ابن تیمیہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے لیکن مذکور الذکر صورتوں میں وہ بھی قیام کو جائز کہتے ہیں۔

قوموا الی سیدکم سے قیام تعظیمی کے استدلال پر ایک اشکال کا جواب!!!

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: علامہ توربشتی نے شرح المصابیح میں یہ اعتراض کیا ہے کہ قوموا الی سیدکم کا معنی ہے "سید کی اعانت اور اس کو سواری سے اتارنے کے لیے اس کی طرف کھڑے ہو" کیونکہ حضرت سعد بن معاذ بیمار تھے اور اگر تعظیم مراد ہوتی تو آپ قوموا لسیدکم فرماتے!۔

علامہ طیبی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ علامہ توربشتی نے الی اور لام کا جو فرق بیان کیا ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ اس جگہ الی بمعنی لام سے زیادہ تعظیم ہے اور یہ حدیث اس تاویل میں ہے "قوموا واعطوا الیہ تلقیا و اکراما"۔

---

[1] علامہ علاؤ الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۸، مطبوعہ مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۸، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[3] علامہ حسن بن منصور اوزجندی المعروف بہ قاضی خان، متوفی ۲۹۵ھ، فتاوی قاضی خان ج ۳ ص ۴۲۲، علی هامش الہندیہ مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ

کھڑے ہو اور ان کی تکریم اور ان سے ملاقات کے لیے ان کی طرف جاؤ، اور یہ اس قاعدہ سے ماخوذ ہے کہ مشتق پر حکم کی علت اس کا مبداء اشتقاق ہوتا ہے اور یہاں سید کے لیے قیام کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا اس حکم کی علت سیادت ہے۔

امام بیہقی نے کہا ہے کہ تعظیم اور تکریم کے قصد سے قیام کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب کے لیے قیام کیا تھا۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: علامہ نووی نے کتاب القیام میں لکھا ہے کہ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد نے اس حدیث سے قیام کے جواز پر استدلال کیا ہے، امام مسلم نے فرمایا قیام کے جواز کے لیے میرے علم میں اس سے زیادہ اور کوئی بہتر حدیث نہیں ہے۔ [2]

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ قیام تعظیمی کے جواز اور استحباب پر امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام بیہقی اور جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور ان عظیم ائمہ اور فقہاء کے مقابلہ میں علامہ ابن الحاج اور علامہ تورپشتی کا اختلاف کچھ وقعت نہیں رکھتا، مع ہذا صاحب ان کے اعتراض کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔

قیام تعظیمی کے ثبوت میں دیگر احادیث و آثار

ہم ابھی ابھی امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام احمد کے حوالوں سے حدیث قوموا الی سیدکم کا ذکر کر چکے ہیں، جس سے جمہور فقہاء اسلام نے قیام تعظیمی کے جواز اور استحباب پر استدلال کیا ہے۔ اب ہم اس سلسلہ میں دیگر احادیث پیش کر رہے ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عائشة ام المؤمنين قالت ما رأيت احدا اشبه سمتا ولا هديا برسول الله في قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت وكانت اذا دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم قام اليها فقبلها واجلسها في مجلسه وكان النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبلته واجلسته في مجلسها الحديث۔ [3]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے اور بیٹھنے میں مشابہ نہیں دیکھا، جب حضرت فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتیں تو آپ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے اور ان کو بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس جاتے تو وہ اپنی نشست سے کھڑی ہو جاتیں، آپ کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ [4] نیز امام بخاری نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [5]

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ

[2] فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۱

[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۵۵۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[4] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[5] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد ص ۲۴۴، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

امام بخاری نے قیام الرجل لاخیہ کے تحت قوموا الی سیدکم والی حدیث کریم روایت کیا ہے۔ [1]

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ان عبد اللہ بن کعب قال سمعت کعب بن مالک یحدث حدیثہ حین تخلف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن غزوۃ تبوک فتاب اللہ علیہ واذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتوبۃ اللہ علینا حین صلی صلوٰۃ الفجر فتلقانی الناس فوجا فوجا یھنونی بالتوبۃ یقولون لتھنک توبۃ اللہ علیک حتی دخلت المسجد فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حولہ الناس فقام الی طلحۃ بن عبید اللہ یھرول حتی صافحنی وھنانی واللہ ما قام الی رجل من المھاجرین غیرہ۔ [2]

عبد اللہ بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی تو ہمیں اللہ کے توبہ قبول فرمانے کی خبر دی تھی، اس وقت میرے صحابہ فوج در فوج ملے اور مجھے توبہ قبول ہونے پر مبارکباد دینے لگے، وہ کہتے تھے کہ اللہ کا تمہاری توبہ قبول کرنا مبارک ہو، پھر جب مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی، بخدا مہاجرین میں سے ان کے سوا اور کوئی شخص میرے لیے نہیں کھڑا ہوا۔

امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں بھی روایت کیا ہے۔ [3]

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

عن محمد بن ھلال عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا خرج قمنا لہ حتی یدخل بیتہ رواہ البزار ورجال البزار ثقات [4]

محمد بن ہلال اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لے جاتے تو ہم آپ کے گھر میں داخل ہونے تک آپ کے لیے کھڑے رہتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اس حدیث کو امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ [5]

ان احادیث کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث ہیں جو قیام تعظیمی پر دلالت کرتی ہیں، علامہ نووی نے ان کو کتاب القیام میں بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان کا تفصیلاً ذکر کیا ہے، لیکن ہم نے بغرض اختصار صرف مذکور الصدر

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد ص ۲۴۳، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

[2] " " " " ، الادب المفرد ص ۲۴۳

[3] " " " " ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[4] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۴۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ

[5] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

احادیث کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔ ــــ اب ہم ان احادیث کا ذکر کریں گے جن کو قیام تعظیمی کے مخالفین بیان کرتے ہیں اور ان احادیث کے جوابات کا بیان کریں گے۔

قیام تعظیمی کے خلاف احادیث اور ان کے جوابات

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابی امامۃ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوکئا علی عصی فقمنا الیہ فقال لا تقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم بعضھا بعضا۔[1]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے ہم آپ کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ نے فرمایا عجمیوں کی طرح مت کھڑے ہوا کرو بعض، بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ امام طبرانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، مضطرب السند ہے۔ اور اس کی سند میں مجہول راوی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر صحاح کی حدیث کے معارض ہے جن میں آپ نے قیام کا حکم دیا ہے اور خود بھی قیام کیا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ اس میں مطلقاً قیام سے منع نہیں فرمایا بلکہ عجمیوں کے قیام سے منع فرمایا ہے جس میں ہر وقت بیٹھا رہتا ہے اور لوگ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہتے ہیں، اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن جابر قال اشتکی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلینا وراءہ وھو قاعد وابوبکر یسمع الناس تکبیرہ فالتفت الینا فرآنا قیاما فاشار الینا فقعدنا فصلینا بصلوتہ قعودا فلما سلم قال ان کدتم لتفعلوا فعل فارس والروم یقومون علی ملوکھم وھم قعود فلا تفعلوا۔ الحدیث[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے ہم نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی درآں حالیکہ آپ بیٹھے ہوئے تھے، اور حضرت ابوبکر نماز کی تکبیریں کہہ رہے تھے، آپ نے ہم کو کھڑے ہوئے دیکھ لیا، پھر آپ نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا ہم بیٹھ گئے، جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ تم اہل روم اور فارس کی طرح کام کرنے لگے، جو اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں درآں حالیکہ وہ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں سو ایسا نہ کرو۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۵۳، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد ص ۲۲۴، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

رأوه لم يقوموا لما يعلمون من كراهته لذلك هذا حديث صحيح غريب[1]

نہیں تھا اس کے باوجود وہ حضور کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ آپ قیام کو ناپسند فرماتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی سے اس حدیث کے دو جواب نقل کیے ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا قیام کرنا اس لیے ناپسند تھا کہ آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ تعظیم میں زیادہ افراط نہ کرنے لگیں یہ ایسا کام ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: لا تطروني "میری تعظیم میں زیادہ مبالغہ نہ کرو" اور آپ نے آپس میں صحابہ کا قیام کرنا ناپسند نہیں کیا، کیونکہ بعض صحابہ کے لیے آپ نے خود قیام کیا اور آپ کے سامنے صحابہ دوسروں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا بلکہ اس کو مقرر اور ثابت رکھا اور اس کا حکم دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے آپ کے اور صحابہ کے درمیان اس قدر انس اور محبت تھی جس میں قیام تعظیمی کی گنجائش نہیں تھی، اور جب لوگ کمال محبت کے ساتھ آپس میں گھل مل کر رہنے لگیں تو پھر قیام کے تکلف کی ضرورت نہیں رہتی۔[2]

علامہ ابن حاج نے لکھا ہے، ہر چند کہ قیام، ثنا، اور اکرام وغیرہ محبت کے حقوق میں سے ہیں، لیکن ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور تکلف ہے اور جب جانبین میں مکمل اتحاد ہوتا ہے تو تکلف کا بساط بالکل لپیٹ دیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کا قیام کرنا اور قیام کو ترک کرنا یہ دونوں امر ثابت ہیں اور ان دونوں کا ثبوت ازمنہ، احوال اور اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابي مجلز قال خرج معاوية فقام عبد الله بن الزبير وابن صفوان حين رأوه فقال اجلسا سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار[3]

ابو مجلز بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ آئے تو حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور ابن صفوان ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے حضرت معاویہ نے کہا بیٹھ جاؤ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے جو اس سے خوش ہوتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی سے اس حدیث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے قیام کی محبت کی ممانعت ہے اور اس میں مطلقاً قیام کی ممانعت کا بیان نہیں ہے، جس شخص کے دل میں قیام کی محبت نہ ہو اس کے لیے لوگ قیام کریں یا نہ کریں اس پر کوئی مذمت نہیں ہے اور اگر کسی شخص کے دل میں قیام کی محبت ہو تو وہ حرام کا مرتکب ہو گا خواہ لوگ اس کے لیے قیام کریں یا نہ کریں، لہذا اس حدیث سے ترک قیام پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیام کی وجہ سے کوئی شخص اس بلا میں مبتلا ہو گا جس سے منع کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ محض قیام کی محبت سے قیام کرنا ممنوع نہیں ہے۔[4]

---

1. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
2. حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ
3. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
4. حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

علامہ ابن الحاج اور علامہ ابن قیم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہر حال اس حدیث سے ترک قیام پر استدلال کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاویہ کا اجتہاد ہے جو حجت نہیں ہے اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی کی تصریح کے مطابق یہ حدیث حسن ہے اور جن احادیث میں قیام کا حکم اور قیام کا ثبوت ہے وہ احادیث صحیح ہیں اور حدیث حسن حدیث صحیح سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

نیز علامہ ابن قتیبہ نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے اس حدیث میں اس قیام کی ممانعت پر وعید ہے جو عجمی بادشاہوں کے سامنے قیام کیا جاتا ہے، اس طور کہ جب تک بادشاہ بیٹھا رہے لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ [1]

یہاں تک ہم نے وہ احادیث بیان کی ہیں جن سے قیام کے مانعین استدلال کرتے ہیں اور جمہور کی طرف سے ان کے جوابات بیان کیے، اب اس بحث کے آخر میں ہم قیام کی اقسام بیان کر رہے ہیں:-

قیام تعظیمی کی اقسام

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں قاضی ابوالولید ابن رشد مالکی نے قیام کی چار اقسام بیان کی ہیں:

(۱) جو شخص قیام کرنے والوں کے قیام کی وجہ سے تکبر کرتا ہو اس کے لیے قیام کرنا ممنوع ہے۔

(۲) جو شخص قیام کی وجہ سے تکبر تو نہ کرتا ہو لیکن قرائن سے اس پر تکبر کا خدشہ ہو اس کے لیے قیام کرنا مکروہ ہے۔

(۳) جس شخص پر تکبر کا خدشہ نہ ہو اس کی عزت افزائی کے لیے قیام جائز ہے۔

(۴) جو شخص سفر سے واپس آئے اس کے استقبال کے لیے قیام کرنا مستحب ہے، یا جس شخص کو کوئی نعمت ملی ہو اس کو مبارکباد دینے کے لیے قیام کرنا بھی مستحب ہے، اسی طرح جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچی ہو اس کی تعزیت کے لیے قیام کرنا بھی مستحب ہے۔ [2]

ان چار قسموں کو علامہ بدرالدین عینی حنفی نے بھی بیان کیا ہے۔ [3]

میری تحقیق یہ ہے کہ یہاں تین قسموں کو اور شامل کر لیا جائے اور وہ یہ ہیں:

(۱) مشائخ، اساتذہ، علماء دین، والدین اور منعم اور محسن کی تعظیم کے لیے قیام کرنا مستحب ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص قیام کے لائق نہ ہو لیکن اس کی تعظیم کرنے پر کوئی دینی کام موقوف ہو تو بطور مدارات اس کے لیے قیام کرنا جائز ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص لائق تعظیم نہ ہو لیکن دنیاوی منفعت کی خاطر مداہنت سے اس کے لیے قیام کیا جائے تو یہ قیام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

قیام تعظیمی کے سلسلہ میں یہ آخری بات تھی جس کو ہم لکھنا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور فرمائے اور اس کتاب کو تا قیامت قبول عام عطا فرمائے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] " " " " ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۱-۵۲، " " "

بَابُ ۵۹۶ الْمُبَادَرَةِ بِالْغَزْوِ وَتَقْدِيْمِ أَهَمِّ الْأَمْرَيْنِ الْمُتَعَارِضَيْنِ

جہاد میں سبقت اور اہم کام کی تقدیم کا بیان

۴۳۸۷ - وَحَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ الضُّبَعِيُّ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَادٰى فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ انْصَرَفَ عَنِ الْأَحْزَابِ أَنْ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الظُّهْرَ إِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ فَتَخَوَّفَ نَاسٌ فَوْتَ الْوَقْتِ فَصَلَّوْا دُوْنَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ وَقَالَ آخَرُوْنَ لَا نُصَلِّيْ إِلَّا حَيْثُ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ قَالَ فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِّنَ الْفَرِيْقَيْنِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب ہم غزوہ احزاب سے واپس لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ندا کی کہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے، بعض صحابہ نے وقت ختم ہونے کے خوف سے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز پڑھ لی، اور دوسرے صحابہ نے کہا ہم اسی جگہ نماز پڑھیں گے جہاں نماز پڑھنے کا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے خواہ نماز قضا ہو جائے، حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ملامت نہیں کی۔

بنو قریظہ میں نماز پڑھنے کی ہدایت میں روایات کا تعارض اور ان میں تطبیق

علامہ نووی لکھتے ہیں امام مسلم نے اس واقعہ میں ظہر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنے کی ہدایت کو روایت کیا ہے، اور امام بخاری نے (باب صلوٰۃ الخوف میں) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی اسی واقعہ میں عصر کی نماز کا ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ جب ہم غزوہ احزاب سے لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے بعض صحابہ کو راستہ میں عصر کا وقت آ گیا، بعض نے کہا ہم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر نہیں پڑھیں گے، اور بعض نے کہا نہیں! ہم نماز پڑھیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منشاء نہیں تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا گیا تو آپ نے دونوں فریقوں میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی۔

حضرت ابن عمر کی یہ دونوں روایتیں متعارض ہیں۔ صحیح بخاری میں عصر کی نماز کا ذکر ہے اور صحیح مسلم میں ظہر کی نماز کا ذکر ہے ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ نے بعض سے ظہر کی نماز کا فرمایا اور بعض سے عصر کی نماز کا فرمایا، کیونکہ آپ نے مدینہ میں ظہر کی نماز پڑھوا لی تھی، اور بعض صحابہ نے آپ کے ساتھ ظہر پڑھ لی تھی اور بعض نے نہیں پڑھی تھی۔ جن صحابہ نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی ان کو عصر کے لیے تاکید فرمائی اور جنہوں نے ظہر نہیں پڑھی تھی ان کو یہ حکم دیا کہ اب وہ ظہر بنو قریظہ میں پڑھیں، دوسرا ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ظہر اور عصر دونوں نمازیں بنو قریظہ میں پڑھنے کا حکم دیا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو پہلے روانہ ہو گئے تھے انہیں حکم دیا کہ وہ ظہر بنو قریظہ میں پڑھیں اور جو بعد میں روانہ ہوئے تھے ان کو حکم دیا کہ وہ عصر بنو قریظہ میں پڑھیں۔ واللہ اعلم۔

صحابہ کرام کے اجتہاد کا ثبوت جب راستہ میں نماز کا وقت آ گیا اور وقت تنگ ہونے لگا تو صحابہ کرام میں اس جگہ نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے کا جو اختلاف ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ دلائل متعارض تھے اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد سے کام لیا، کیونکہ شریعت میں یہ حکم ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے اس لیے بعض صحابہ نے یہ اجتہاد کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب نہیں تھا کہ نماز خواہ قضاء ہو جائے پھر بھی بنو قریظہ میں نماز پڑھنا بلکہ آپ کا منشاء یہ تھا کہ سفر جلدی طے کرنا حتیٰ کہ نماز عصر تک بنو قریظہ میں پہنچ جانا اور وہاں نماز پڑھنا لیکن اب چونکہ نماز عصر کا وقت جا رہا ہے تو ہم کو نماز عصر راستہ میں ہی پڑھ لینی چاہیے اس کے برخلاف دوسرے صحابہ نے آپ کے ارشاد کے ظاہری معنی پر عمل کیا کہ نماز بنو قریظہ میں پڑھنی ہے خواہ قضاء ہو جائے۔ گویا ایک فریق نے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا اور دوسرے فریق نے ظاہر حدیث پر عمل کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کو ملامت نہیں کی کیونکہ دونوں مجتہد تھے اور دونوں نے دلیل شرعی پر عمل کیا۔

بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ہر فریق کی تصویب نہیں کی بلکہ کسی کو ملامت نہیں کی، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب مجتہد اپنی پوری صلاحیت صرف کر کے اجتہاد سے کوئی حکم حاصل کرے تو ہر چند کہ وہ حکم خطاء پر ہو اس کو ملامت نہیں کی جاتی۔ [1]

بَابُ ۲۴ رَدِّ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمْ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ حِينَ اسْتَغْنَوْا عَنْهَا بِالْفُتُوحِ

مہاجرین کا غنی ہونے کے بعد انصار کے عطایا کو لوٹانا

۴۴۹۴ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ مِنْ مَكَّةَ الْمَدِينَةَ قَدِمُوا وَلَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ وَكَانَ الْأَنْصَارُ أَهْلَ الْأَرْضِ وَالْعَقَارِ فَقَاسَمَهُمُ الْأَنْصَارُ عَلَى أَنْ أَعْطَوْهُمْ أَنْصَافَ ثِمَارِ أَمْوَالِهِمْ كُلَّ عَامٍ وَيَكْفُونَهُمُ الْعَمَلَ وَالْمَئُونَةَ وَكَانَتْ أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَهِيَ تُدْعَى أُمَّ سُلَيْمٍ وَكَانَتْ أُمَّ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ كَانَ أَخًا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آئے تو ان کے ہاتھ خالی تھے بلکہ انصار کھیتوں اور حویلیوں کے مالک تھے تب انصار نے مہاجرین کو اپنی زمینیں دیں کہ وہ ہر سال پیداوار کا نصف انصار کو دے دیں اور باقی خود رکھ لیں اور زمینوں پر انصار کی جگہ کام کریں۔ حضرت انس بن مالک کی والدہ جن کو ام سلیم کہا جاتا تھا، وہ حضرت عبد اللہ بن ابی طلحہ کی والدہ بھی تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کھجور کا درخت دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ درخت اپنی آزاد کردہ باندی حضرت ام ایمن کو دے دیا جو حضرت اسامہ بن زید کی والدہ تھیں، ابن شہاب نے بری

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

لِأُنَيْسٍ لِأُمِّهٖ وَكَانَتْ أَعْطَتْ أُمُّ أَنَسٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِذَاقًا لَهَا فَأَعْطَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ أَيْمَنَ مَوْلَاتَهٗ أُمَّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قِتَالِ أَهْلِ خَيْبَرَ وَانْصَرَفَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ رَدَّ الْمُهَاجِرُوْنَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمُ الَّتِيْ كَانُوْا مَنَحُوْهُمْ مِنْ ثِمَارِهِمْ قَالَ فَرَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى أُمِّيْ عِذَاقَهَا وَأَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ أَيْمَنَ مَكَانَهُنَّ مِنْ حَائِطِهٖ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَكَانَ مِنْ شَأْنِ أُمِّ أَيْمَنَ أُمِّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهَا كَانَتْ وَصِيْفَةً لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَكَانَتْ مِنَ الْحَبَشَةِ فَلَمَّا وَلَدَتْ آمِنَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا تُوُفِّيَ أَبُوْهُ فَكَانَتْ أُمُّ أَيْمَنَ تَحْضُنُهٗ حَتّٰى كَبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْتَقَهَا ثُمَّ أَنْكَحَهَا زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ ثُمَّ تُوُفِّيَتْ بَعْدَ مَا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسَةِ أَشْهُرٍ.

کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل خیبر سے جہاد کر کے مدینہ واپس لوٹے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے عطایا واپس کر دیے جو انصار نے پھلوں کی شکل میں ان کو دیے تھے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی میری والدہ کو ان کا کھجور کا درخت واپس کر دیا، اور حضرت ام ایمن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے عوض اپنے باغ سے ایک اور درخت دے دیا۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ حضرت ام ایمن جو حضرت اسامہ بن زید کی والدہ تھیں وہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی باندی تھیں، اور حبشہ کی رہنے والی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد حضرت آمنہ کے ہاں پیدا ہوئے تو اسی وقت حضرت ام ایمن آپ کی پرورش کرتی تھیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہوئے تو آپ نے ان کو آزاد کر دیا اور پھر ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ حضرت ام ایمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے پانچ ماہ بعد انتقال کر گئیں۔

۴۳۸۹ - حَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَحَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرَاوِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْقَيْسِيُّ كُلُّهُمْ عَنِ الْمُعْتَمِرِ وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا وَقَالَ حَامِدٌ وَابْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوگ اپنے درخت پیش کرتے تھے حتی کہ جب بنو قریظہ اور بنو نضیر فتح ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے دیے ہوئے درخت واپس کر دیے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میرے گھر والوں نے مجھ سے کہا کہ میں نبی صلی اللہ

أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخَلَاتِ مِنْ أَرْضِهِ حَتَّى فُتِحَتْ عَلَيْهِ قُرَيْظَةُ وَالنَّضِيرُ فَجَعَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ يَرُدُّ عَلَيْهِ مَا كَانَ أَعْطَاهُ قَالَ أَنَسٌ وَإِنَّ أَهْلِي أَمَرُونِي أَنْ آتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ مَا كَانَ أَهْلُهُ أَعْطَوْهُ أَوْ بَعْضَهُ وَكَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَعْطَاهُ أُمَّ أَيْمَنَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيهِنَّ فَجَاءَتْ أُمُّ أَيْمَنَ فَجَعَلَتِ الثَّوْبَ فِي عُنُقِي وَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَا نُعْطِيكَهُنَّ وَقَدْ أَعْطَانِيهِنَّ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أُمَّ أَيْمَنَ اتْرُكِيهِ وَلَكِ كَذَا وَكَذَا وَتَقُولُ كَلَّا وَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَجَعَلَ يَقُولُ كَذَا حَتَّى أَعْطَاهَا عَشَرَةَ أَمْثَالِهِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ عَشَرَةِ أَمْثَالِهِ۔

علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور یہ سوال کروں کہ ہمارے گھر والوں نے آپ کو جو درخت دیے تھے وہ سب یا اس میں سے بعض واپس کر دیں، درآں حالیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ درخت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دے چکے تھے، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے وہ درخت مجھے دے دیے، اتنے میں حضرت ام ایمن آ گئیں انہوں نے میری گردن میں کپڑا ڈال کر کہا بخدا ہم تم کو وہ درخت نہیں دیں گی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دے چکے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ایمن وہ درخت چھوڑ دو، اور تم کو اتنے اور اتنے درخت مل جائیں گے، وہ کہنے لگیں ہرگز نہیں! قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ فرمانے لگے میں تم کو اتنا دوں گا، حتی کہ ان کو تقریباً دس گنے زیادہ درخت عطا فرمائے۔

انصار کا ایثار، مہاجرین کی خود داری اور حضرت ام ایمن کی ناز برداری

علامہ نووی لکھتے ہیں، علماء نے بیان کیا ہے کہ جب مہاجرین مدینہ آئے تو انصار نے بطور ایثار اپنے درخت مہاجرین کو دے دیے، بعض مہاجرین نے ان درختوں کو محض عطیہ کے طور پر قبول کیا اور بعض نے ان درختوں کو بطور مساقاۃ قبول کیا، وہ ان درختوں کو پانی دیتے اور ان کے پھلوں کی نگہداشت کرتے اور آدھے پھل اجرت میں خود رکھتے اور آدھے انصار کو دیتے، اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے ساتھ انصار کے اس حسن سلوک اور ایثار کی تعریف فرمائی ہے، ارشاد باری ہے:

والذين تبوؤا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون۔ (حشر: ۹)

جو لوگ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی دارالہجرت اور دار الایمان (مدینہ) میں مقیم ہو گئے اور وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت رکھتے ہیں اور انہوں نے (مہاجرین کو) جو کچھ دیا اس کے لیے اپنے دل میں طلب نہیں رکھتے اور باوجود شدید ضرورت کے وہ اپنے اوپر ایثار کرتے ہیں، اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے سو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت اور اس حدیث میں انصار صحابہ کی واضح فضیلت ہے، کیونکہ وہ اسلام سے محبت کرتے تھے، اور اہل اسلام کی عزت کرتے تھے اور انھوں نے جو مہاجرین کے لیے ایثار کیا اس سے ان کے اخلاق جمیلہ اور ان کی پاکیزہ فطرت کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت ام سلیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو درخت دیے تھے وہ بطور مساقاۃ نہیں تھے، بلکہ اس کے پھل آپ کو ہبہ کر دیے تھے تاکہ آپ اس میں جو چاہیں تصرف کریں خواہ خود کھائیں، اپنے اہل و عیال کو کھلائیں اپنے مہمانوں کو کھلائیں یا کسی کو ہبہ کر دیں اور اگر ان پھلوں کو صرف آپ کے لیے مباح کیا ہوتا تو آپ حضرت ام ایمن کو یہ درخت عطا نہ فرماتے کیونکہ جو چیز فی نفسہٖ مباح ہو اس کو دوسرے کے لیے مباح نہیں کیا جا سکتا۔

مہاجرین نے انصار کو جو درخت واپس کیے اس میں یہ دلیل ہے کہ ان درختوں کے پھلوں کا کھانا مہاجرین کے لیے مباح کیا گیا تھا اگر انصار نے مہاجرین کو ان درختوں کا مالک بنا دیا ہوتا تو پھر وہ ان کو واپس نہ لیتے، کیونکہ قبضہ کے بعد ہبہ لازم ہو جاتا ہے۔ اور اباحت میں بلا کراہت رجوع کیا جا سکتا ہے، اس کے باوجود انصار نے مہاجرین سے اس وقت تک رجوع نہیں کیا جب تک کہ وہ مرفہ الحال نہیں ہو گئے، فتح خیبر کے بعد جب ان میں وسعت اور خوشحالی آ گئی اور انھوں نے انصار کو ان کے عطیات واپس کیے تو پھر انھوں نے قبول کر لیا۔ اور اس سے مہاجرین کی خود داری اور بے نفسی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ اول تو انکو مہاجرین نے مساقاۃ کا معاہدہ کر کے انصار کی امداد کو قبول کیا اور محض عطیہ نہیں لیا اور جن مہاجرین نے محض عطیات لیے تھے تو انھوں نے بلا ضرورت بار احسان نہیں اٹھایا اور فراغت ملتے ہی انصار کے عطیات واپس کر دیے، اس سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کچھ نیکی کرے تو اس کا بالکل بدلہ لینے کا قصد نہ کیا جائے۔

حضرت ام ایمن نے جو اس درخت کو دینے سے انکار کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ ہبہ ہے اور حضور نے ان کو اس درخت کا مالک بنا دیا ہے جبکہ ان کو اس درخت کے صرف پھل دیے گئے تھے، چونکہ حضرت ام ایمن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی اس لیے آپ نے ان کا مان رکھا اور اس درخت کے عوض میں اضافہ کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔ [1]

بَابُ جَوَازِ الْأَكْلِ مِنْ طَعَامِ الْغَنِيمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ

دار الحرب میں مال غنیمت کے طعام سے کھانے کا جواز

۴۴۹۰۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے دن مجھے چربی کی ایک تھیلی ملی میں نے اس کو رکھ لیا، اور میں نے کہا کہ آج میں اس میں سے کسی کو

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

قَالَ أَصَبْتُ جِرَابًا مِنْ شَحْمٍ يَوْمَ خَيْبَرَ قَالَ فَالْتَزَمْتُهُ فَقُلْتُ لَا أُعْطِي الْيَوْمَ أَحَدًا مِنْ هَذَا شَيْئًا قَالَ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَبَسِّمًا.

(کہ میں جس میں سے کسی کو نہیں دوں گا) میں نے مڑ کر جو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے مسکرا رہے تھے۔

۴۴۹۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مُغَفَّلٍ يَقُولُ رُمِيَ إِلَيْنَا جِرَابٌ فِيهِ طَعَامٌ وَشَحْمٌ يَوْمَ خَيْبَرَ فَوَثَبْتُ لِآخُذَهُ قَالَ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ.

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن کسی نے ہماری طرف ایک تھیلی پھینکی جس میں طعام اور چربی تھی میں اس کو اٹھانے کے لیے دوڑا، مڑ کر جو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، مجھے شرم آئی۔

۴۴۹۲ - وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ جِرَابٌ مِنْ شَحْمٍ وَلَمْ يَذْكُرِ الطَّعَامَ.

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔ اس میں تھیلی کے اندر چربی کا ذکر ہے، طعام کا ذکر نہیں ہے۔

دار الحرب میں حربیوں کا مال کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ نووی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جب تک مسلمان دار الحرب میں رہیں وہ حربیوں کے مال سے بقدر ضرورت کھا سکتے ہیں اور اس کے لیے مسلمانوں کے امیر کی اجازت ضروری نہیں ہے، علامہ زہری کے سوا کسی نے بھی اس کے لیے امام سے اجازت لینے کی شرط نہیں لگائی، جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ اس قسم کی چیز کو دار الاسلام میں لے جانا جائز نہیں ہے، اگر لے گیا تو اس کو واپس کرنا ہوگا، امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اس کو واپس کرنا لازم نہیں ہے، فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس قسم کی چیز کو بیچنا بھی جائز نہیں ہے، دار الحرب میں نہ دار الاسلام میں۔

حالت جنگ میں حربیوں کی سواریوں پر سواری کرنا، ان کے کپڑے پہننا اور ان کے ہتھیاروں کو استعمال کرنا بالاجماع جائز ہے اور اس میں امیر سے اجازت لینا شرط نہیں ہے، امام اوزاعی نے اس میں بھی امام سے اجازت لینے کی شرط عائد کی ہے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ میں مذاہب فقہاء

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ یہودیوں کے ذبیحوں کی چربی حلال ہے، اگرچہ ان پر چربی حرام تھی، امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء کا یہی نظریہ ہے، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس میں کراہت بھی نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک یہ مکروہ ہے، علامہ اشہب مالکی اور علامہ ابن قاسم مالکی اور بعض فقہاء حنابلہ کے نزدیک یہ حرام ہے

امام شافعی اور جمہور فقہاء کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے: وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔ "اہل کتاب کا طعام تمہارے لیے حلال ہے" مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس طعام سے اہل کتاب کا ذبیحہ مراد ہے، اس آیت میں گوشت، چربی یا کسی اور چیز کا کوئی استثناء نہیں ہے، اور اسی آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اور اس میں ماسوا شیعہ کے تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے، ہمارا اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ اس پر بسم اللہ پڑھیں یا نہ پڑھیں (یعنی ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں یا نہ لیں) اور ایک قوم کا نظریہ یہ ہے کہ اگر انہوں نے ذبح کے وقت بسم اللہ کا نام یا قرآن کا ذبیحہ جائز ہے اور اگر انہوں نے ذبح کے وقت مسیح یا گرجے کا نام لیا تو پھر ہمارے نزدیک وہ ذبیحہ جائز نہیں ہے اور جمہور فقہاء اسلام کا بھی یہی نظریہ ہے۔[1]

اہل کتاب کے ذبیحہ میں فقہاء احناف کے نظریات

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: فتاویٰ حامدیہ میں لکھا ہے کہ کیا یہودی کے ذبیحہ کے جواز کے لیے اس کا اسرائیلی ہونا شرط ہے اور نصرانی کے ذبیحہ کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا نہ مانتا ہو، ہدایہ اور دوسری کتب فقہیہ نے جو اس مسئلہ کو مطلقاً لکھا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے، مستصفی میں لکھا ہے کہ عیسائی عورتوں سے نکاح کے جواز کی شرط یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کا اعتقاد نہ رکھتی ہوں، اور مبسوط میں ہے کہ اگر عیسائی حضرت مسیح کو خدا مانتے ہوں اور یہودی حضرت عزیر کی الوہیت کا اعتقاد رکھتے ہوں تو واجب ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کریں، اور شمس الائمہ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ نصاریٰ کا ذبیحہ مطلقاً جائز ہے خواہ وہ تثلیث کے قائل ہوں یا نہیں۔ اور دونوں کا تقاضا بھی مطلقاً جواز ہے، جیسا کہ علامہ تمرتاشی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے ان کا ذبیحہ کھایا جائے نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے، علامہ ابن ہمام کی بھی یہی تحقیق ہے، معراج میں ہے کہ اہل کتاب میں یہ شرط لگانا عام روایات کے خلاف ہے۔[2]

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں: اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے البتہ اگر کوئی شخص ذبح کرنے والے سے ذبح کے وقت مسیح کا نام سن لے تو پھر جائز نہیں ہے۔[3]

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص اس سے ذبح کے وقت اللہ کا نام سنے لیکن وہ حضرت مسیح کو اللہ اعتقاد کرتا ہو تب بھی فقہاء نے کہا ہے کہ اس کا ذبیحہ جائز ہے ہاں اگر وہ یہ کہے کہ میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں جو تین میں سے تیسرا ہے تو پھر اس کا ذبیحہ جائز نہیں ہے (ہندیہ) اس عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس نصرانی کا ذبح کیا ہوا گوشت لایا جائے تو اس کو کھایا جائے گا (عنایہ) جیسا کہ اس کے سامنے صرف اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت کھایا جاتا ہے۔[4]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۵-۱۹۸، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ
[3] علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۹۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ
[4] علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۶ ص ۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں: اگر یہودی اور عیسائی ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً عزیر اور عیسیٰ (علیہما السلام) کا نام لیں تو کیا ان کا ذبیحہ جائز ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے اور یہی ربیعہ کا قول ہے، اور اکثر اہل علم نے کہا یہ جائز ہے اور یہ شعبی اور عطاء کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحوں کو حلال کر دیا حالانکہ اس کو علم تھا کہ وہ ذبح کے وقت کیا کہتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ یہودی یا نصرانی نے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا ہے تو اس ذبیحہ کو مت کھاؤ، اور جب تمہارے سامنے ذبح نہ کیا جائے تو کھا لو، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے۔[1]

اہل کتاب کے ذبیحہ میں مصنف کی تحقیق

مصنف کے نزدیک حسن بصری کا قول صحیح ہے اور شعبی اور عطاء کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے طعام کو حلال فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے: ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ انہ لفسق۔ (انعام: ۱۲۱) "جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو مت کھاؤ کیونکہ وہ فسق ہے۔" نیز فرمایا: انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ (بقرہ: ۱۷۳) "تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کے گوشت اور اس جانور کو حرام کیا ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے" اس لیے اگر اس کے سامنے اہل کتاب ذبح نہ کریں تو وہ طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔ کے پیش نظر ان کا کھانا کھا لے خواہ انہوں نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو، اور اگر اس کے سامنے اہل کتاب غیر اللہ کے نام پر جانور کو ذبح کریں تو ان آیات کے پیش نظر وہ اس ذبیحہ کو نہ کھائے۔

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم اذا اٰتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان۔ (مائدہ: ۵)

اسی طرح تمہارے لیے اہل کتاب کی آزاد اور پاکدامن عورتیں بھی حلال ہیں جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو، درآں حالیکہ تم ان کو نکاح کی قید میں لانے والے ہو نہ ظاہر بدکاری کرنے والے ہو اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والے ہو۔

علامہ آلوسی حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حربی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے، یہ آیت ذمی عورتوں کے ساتھ خاص ہے، حضرت ابن عباس نے اس آیت سے استدلال کیا:

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ۔ (مجادلہ: ۲۲)

جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں، آپ ان لوگوں کو ان سے محبت کرنے والا نہ پائیں گے جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت

[1] علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۶ ص ۶۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

رکھتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ محبت اور مودت رکھنے سے منع فرمایا ہے اور نکاح مودت کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ (الروم: ۲۱)	اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون پاؤ اور اللہ نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس دلیل سے کراہت ثابت ہوتی ہے اور ہمارے اصحاب حربی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ اور شیعہ حضرات حربی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مہاجر عورتوں کے سوا تمام عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسلام کے سوا کسی اور دین کی عورتوں سے نکاح کرنے کو حرام فرمایا ہے۔ اور امام عبدالرزاق اور امام ابن منذر نے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہم نے فتح مکہ کے زمانہ میں جب مسلمان عورتیں کثرت سے دستیاب نہ تھیں، ان سے نکاح کیا اور جب ہم واپس لوٹے تو ان کو طلاق دے دی۔ ابن جریر نے حسن بصری سے روایت کیا ہے: ان سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی شخص اہل کتاب کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا اس کو اہل کتاب سے کیا واسطہ؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتیں بکثرت پیدا کی ہیں، اگر اس نے کتابیہ سے نکاح کرنا ہی ہو تو غیر سافحہ سے نکاح کرے، پوچھا سافحہ کون ہے؟ کہا جس کو مرد آنکھ سے اشارہ کرے تو وہ اس کے ساتھ چل پڑے۔ [1]

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے متعلق مصنف کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ دارالحرب میں حربی عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہے اور دارالاسلام میں بلا ضرورت مکروہ تنزیہی ہے، آج کل انگلینڈ اور امریکہ وغیرہ اس مسئلہ میں دارالحرب کے حکم میں ہیں، اس لیے وہاں حربی عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ دارالاسلام میں کتابیہ کو مسلمان کرنا آسان ہے اور اس سے اسلامی احکام پر عمل کرانا بھی سہل ہے اور اولاد کو اسلام کے تابع کرنا اور مسلمان قرار دینا بھی کوئی مشکل نہیں اس کے برخلاف جہاں عیسائیوں کی حکومت ہو وہاں یہ تمام امور بے حد دشوار اور مشکل ہیں۔

---

[1] علامہ شہاب الدین ابوالفضل سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی ج ۶ ص ۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

بَابُ كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هِرَقْلَ يَدْعُوهُ إِلَى الْإِسْلَامِ

دعوت اسلام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرقل کے نام مکتوب

۴۳۹۳ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ
الْحَنْظَلِيُّ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ
وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ
ابْنُ رَافِعٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا وَقَالَ
الْآخَرَانِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا
مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ
عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ
أَبَا سُفْيَانَ أَخْبَرَهُ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيهِ قَالَ
انْطَلَقْتُ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَتْ بَيْنِي وَ
بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَبَيْنَا أَنَا بِالشَّامِ
إِذْ جِيءَ بِكِتَابٍ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى
هِرَقْلَ يَعْنِي عَظِيمَ الرُّومِ قَالَ وَكَانَ دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ
جَاءَ بِهِ فَدَفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بُصْرَى
إِلَى هِرَقْلَ فَقَالَ هِرَقْلُ هَلْ هٰهُنَا أَحَدٌ
مِنْ قَوْمِ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ
نَبِيٌّ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَدُعِيتُ فِي نَفَرٍ مِنْ
قُرَيْشٍ فَدَخَلْنَا عَلَى هِرَقْلَ فَأَجْلَسَنَا
بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا
مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ
فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ فَقُلْتُ أَنَا فَأَجْلَسُونِي
بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَجْلَسُوا أَصْحَابِي خَلْفِي ثُمَّ دَعَا
بِتَرْجُمَانِهِ فَقَالَ لَهُ قُلْ لَهُمْ إِنِّي سَائِلٌ
هٰذَا عَنِ الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ
فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ قَالَ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ
وَايْمُ اللهِ لَوْلَا مَخَافَةُ أَنْ يُؤْثَرَ عَلَيَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان نے مجھے خود رو برو بیان کیا کہ جس مدت میں میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ تھا، اس دوران میں ملک شام گیا، شام میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بادشاہ روم ہرقل کے نام مکتوب پہنچا، حضرت دحیہ کلبی اس مکتوب کو لے کر گئے اور بصریٰ کے حاکم کو وہ مکتوب پہنچایا، اس نے وہ مکتوب ہرقل تک پہنچایا۔ ہرقل نے کہا کہ یہاں اس شخص کی قوم کا کوئی شخص حاضر ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہیں، لوگوں نے کہا ہاں، حضرت ابوسفیان نے کہا پھر مجھے قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بلایا گیا پھر ہم ہرقل کے پاس گئے، ہرقل نے ہمیں اپنے سامنے بٹھایا اس نے کہا تم میں سے اس شخص کا قریبی رشتہ دار کون ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہیں، حضرت ابوسفیان نے کہا میں ہوں، پھر انہوں نے مجھے ہرقل کے سامنے بٹھایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا پھر اس نے مترجم کو بلایا اور اس نے کہا ان سے کہو میں اس شخص کے بارے میں سوال کر رہا ہوں جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہیں، اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم بتا دینا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، حضرت ابوسفیان نے کہا بخدا اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ یہ لوگ میرا جھوٹ ظاہر کر دیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا، پھر اس نے اپنے مترجم سے کہا ان سے پوچھو کہ ان کا تم میں حسب و نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ ہم میں اچھے حسب والے ہیں اس نے پوچھا کیا ان کے آباء میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟ میں نے کہا نہیں، اس نے پوچھا کیا اس دعویٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ میں نے کہا نہیں، اس نے پوچھا ان کی پیروی اعلیٰ طبقے کے لوگ کرتے ہیں یا نچلے طبقے کے؟ میں نے کہا نچلے طبقے کے،

الْكَذِبَ فَكَذِّبُوهُ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ سَلْهُ كَيْفَ حَسَبُهُ فِيكُمْ قَالَ قُلْتُ هُوَ فِينَا ذُو حَسَبٍ قَالَ فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ وَمَنْ يَتَّبِعُهُ أَشْرَافُ النَّاسِ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ قُلْتُ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ قَالَ أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ قَالَ قُلْتُ لَا بَلْ يَزِيدُونَ قَالَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ سَخْطَةً لَهُ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ قَالَ قُلْتُ تَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالًا يُصِيبُ مِنَّا وَنُصِيبُ مِنْهُ قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ قُلْتُ لَا وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ صَانِعٌ فِيهَا قَالَ فَوَاللَّهِ مَا أَمْكَنَنِي مِنْ كَلِمَةٍ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هَذِهِ قَالَ فَهَلْ قَالَ هَذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ قُلْ لَهُ إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ حَسَبِهِ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو حَسَبٍ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ فِي آبَائِهِ مَلِكٌ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا فَقُلْتُ لَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ آبَائِهِ وَسَأَلْتُكَ عَنْ أَتْبَاعِهِ أَضُعَفَاؤُهُمْ أَمْ أَشْرَافُهُمْ فَقُلْتَ بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا

اس نے پوچھا ان کے پیروکار زیادہ معزز لوگ ہیں یا کمزور؟ میں نے کہا نہیں بلکہ وہ (دولت میں) زیادہ کمزور ہیں، اس نے پوچھا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کیا کوئی ان سے ناراض ہو کر ان کے دین سے پلٹ (مرتد ہو) جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، اس نے پوچھا کیا تم نے کبھی ان سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا ان کا تمہارے ساتھ جنگ میں کیا تجربہ رہا؟ میں نے کہا ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ایک ڈول کی طرح ہے کبھی وہ کھینچ لیتے ہیں اور کبھی ہم! اس نے پوچھا کیا انہوں نے عہد شکنی کی؟ میں نے کہا نہیں، لیکن جس دوران ہم یہاں ہیں ہمیں ان کا حال معلوم نہیں، حضرت ابوسفیان کہتے ہیں بخدا! اس ایک جملہ کے سوا میں اور کسی بات کو اپنی گفتگو میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں ملی، اس نے پوچھا کیا ان سے پہلے کسی اور نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا؟ میں نے کہا نہیں، پھر اس نے اپنے مترجم سے کہا اس کو بتاؤ میں نے تم سے ان کے حسب کے متعلق پوچھا تو تم نے یہ بتایا کہ وہ تم میں اچھے حسب والے ہیں، اور قاعدہ یہی ہے کہ انبیاء اپنی قوم کے سب سے اچھے حسب میں مبعوث ہوتے ہیں، پھر میں نے تم سے پوچھا کیا ان کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے کہا نہیں میں نے سوچا کہ اگر ان کے آباء میں کوئی بادشاہ ہوتا تو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ انہوں نے اپنے آباء کی حکومت حاصل کرنے کے لیے یہ دعویٰ کیا ہے! پھر میں نے پوچھا کہ ان کے پیروکار کمزور لوگ ہیں یا ذی حیثیت؟ تم نے کہا بلکہ وہ پس ماندہ لوگ ہیں، اور رسولوں کے پیروکار عموماً پس ماندہ لوگ ہی ہوتے ہیں، پھر میں نے تم سے پوچھا کیا اس دعویٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تم نے کہا نہیں! اس سے میں نے جان لیا کہ جو شخص بندوں پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ اللہ پر کب جھوٹ باندھے گا! اور میں نے تم سے

قَالَ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا فَقَدْ عَرَفْتُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَدَعَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ يَذْهَبَ فَيَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَهُ سَخْطَةً لَهُ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَ بَشَاشَةَ الْقُلُوبِ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَزِيدُونَ أَوْ يَنْقُصُونَ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ حَتّٰى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَاتَلْتُمُوهُ فَزَعَمْتَ أَنَّكُمْ قَدْ قَاتَلْتُمُوهُ فَتَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ سِجَالًا يَنَالُ مِنْكُمْ وَتَنَالُونَ مِنْهُ وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلٰى ثُمَّ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ لَا يَغْدِرُ وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا فَقُلْتُ لَوْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ قُلْتُ رَجُلٌ ائْتَمَّ بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ قَالَ ثُمَّ قَالَ بِمَ يَأْمُرُكُمْ قُلْتُ يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ قَالَ إِنْ يَكُنْ مَا تَقُولُ فِيهِ حَقًّا فَإِنَّهُ نَبِيٌّ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ وَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّهُ مِنْكُمْ وَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَأَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ وَلَيَبْلُغَنَّ مُلْكُهُ مَا تَحْتَ قَدَمَيَّ قَالَ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

کیا کیا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص ان سے ناراض ہو کر ان کے دین سے مرتد ہو جاتا ہے؟ تم نے کہا نہیں اسی طرح ایمان کے دل میں رچ جانے کے بعد ہوتا ہے، میں نے تم سے سوال کیا ان کے پیروکار زیادہ ہو رہے ہیں یا کم؟ تم نے کہا وہ زیادہ ہو رہے ہیں اور ایمان والوں کا یہی قاعدہ ہے حتیٰ کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کیا کبھی تم نے ان سے جنگ کی ہے؟ تم نے کہا ہاں جنگ کی ہے اور ہماری جنگ ڈول کی طرح ہے کبھی وہ ہم کو کھینچ لیتے ہیں اور کبھی ہم، اور یہی قاعدہ ہے پہلے رسولوں کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہا ہے پھر آخری فتح انہی کی ہوتی ہے، اور میں نے تم سے پوچھا کیا انہوں نے کبھی عہد شکنی کی ہے؟ تو تم نے کہا وہ عہد شکنی نہیں کرتے، اور یہی قاعدہ ہے رسول عہد شکنی نہیں کرتے، اور میں نے تم سے پوچھا کیا ان سے پہلے بھی کسی نے یہ دعویٰ کیا تھا؟ تم نے کہا نہیں، میں نے سوچا اگر ان سے پہلے کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا تو میں یہ کہتا کہ اس شخص نے اس پہلے قول کی اتباع کی ہے پھر ابوسفیان نے کہا کہ پھر ہرقل نے پوچھا وہ تم کو کن باتوں کا حکم دیتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا وہ ہمیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، صلہ رحمی کرنے اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں، اس نے کہا اگر تم نے سچ بیان کیا ہے تو وہ واقعی نبی ہیں اور مجھے علم تھا کہ اس نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ اس کا تم میں ظہور ہوگا، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ جاؤں گا تو میں ان سے ملاقات کو پسند کرتا، اور اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کے مبارک قدموں کو دھوتا، ان کی حکومت یہاں تک ضرور پہنچے گی، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب منگوایا اور اس کو پڑھا اس میں لکھا ہوا تھا بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام ہے جو

أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ " فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ ارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ عِنْدَهُ وَكَثُرَ اللَّغَطُ وَأَمَرَ بِنَا فَأُخْرِجْنَا قَالَ فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ خَرَجْنَا لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ لَيَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ قَالَ فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا بِأَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ.

ہدایت کا پیروکار ہے اس کو سلام ہو، اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ، سلامتی سے رہو گے، اسلام قبول کرو، اللہ تعالیٰ تم کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر تم نے اعراض کیا تو تمہارے پیروکاروں کے اعراض کا گناہ بھی تم پر ہوگا، اے اہل کتاب آؤ اس بات کو قبول کر لو جو ہمارے اور تمہارے درمیان اتفاقی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں بنائے گا، اگر وہ اس سے اعراض کریں تو کہہ دو گواہ رہو ہم مسلمان ہیں، جب ہرقل اس مکتوب کو پڑھ کر فارغ ہوا تو اس کے سامنے شور مچ گیا اور بکثرت آوازیں آنے لگیں، اس نے ہمیں باہر نکلنے کا حکم دیا، اور ہم کو نکال دیا گیا، باہر آنے کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، ابن ابی کبشہ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہمیت اب بہت بڑھ گئی ہے کہ روم کا بادشاہ بھی ان سے بہت ڈرتا ہے، اس کے بعد مجھے ہمیشہ یہ یقین رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنقریب غلبہ حاصل ہوگا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام داخل کر دیا۔

۴۴۹۴۔ وَحَدَّثَنَاهُ حَسَنٌ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ وَهُوَ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ وَكَانَ قَيْصَرُ لَمَّا كَشَفَ اللَّهُ عَنْهُ جُنُودَ فَارِسَ مَشَى مِنْ حِمْصَ إِلَى إِيلِيَاءَ شُكْرًا لِمَا أَبْلَاهُ اللَّهُ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَقَالَ إِثْمَ الْيَرِيسِيِّينَ وَقَالَ بِدَاعِيَةِ الْإِسْلَامِ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بھی ذکر کی ہے، اس میں یہ ہے کہ فارس (ایران) کی افواج کو شکست دینے کے بعد جب قیصر روم حمص سے ایلیا (بیت المقدس) کی طرف روانہ ہوا تاکہ اس امتحان میں سرخروئی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور اس حدیث میں ہے کہ محمد عبداللہ و رسولہ کی جانب سے اور اریسین کی بجائے یریسین کا لفظ ہے اور دعایۃ کی بجائے داعیۃ الاسلام کا لفظ ہے۔

حدیث ہرقل کے مسائل اور مباحث

اس حدیث میں متعدد فوائد ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱)۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہرقل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صادق ہونے کو جانتا تھا، لیکن جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ارادہ کو ظاہر کیا تو اس کے دربار کے تمام اراکین اور سردار اس سے متنفر ہو گئے اور بالآخر اس نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا اور اسلام کی عداوت پر قائم رہا، نیز حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے مقدر میں تھی وہ آپ پر ایمان لے آیا تھا۔

(۲)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بادشاہ کو اسلام کی دعوت دی اس میں یہ دلیل ہے کہ قتال اور جہاد سے پہلے اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور دعوت اسلام سے پہلے ان سے قتال کرنا حرام ہے اور اگر ان کو پہلے دعوت اسلام پہنچ چکی ہو تو پھر دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے۔

(۳)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ پیغام بھیجا اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۴)۔ کافر کی طرف لکھے جانے والے خطوط میں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز ہے، کیونکہ آپ نے اس مکتوب میں بسم اللہ لکھی۔

(۵)۔ بعض روایات میں ہے کہ امر عظیم کو بسم اللہ سے شروع کیا جائے اور بعض میں ہے کہ الحمد للہ سے شروع کیا جائے، اس مکتوب کو آپ نے بسم اللہ سے شروع کیا اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا نام ہے، کیونکہ یہ مکتوب بھی ایک عظیم امر تھا۔

(۶)۔ دوسرے انبیاء اور رسل کی نظر پہلے اپنی طرف اور پھر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور آپ کی نظر پہلے اللہ کی طرف اور پھر اپنی طرف ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا: ان معی ربی "میرے ساتھ میرا رب ہے" آپ نے فرمایا: ان اللہ معنا "اللہ ہمارے ساتھ ہے" حضرت سلیمان نے مکتوب میں لکھا: انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور آپ نے لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی ہرقل عظیم الروم حضرت موسیٰ اور سلیمان نے پہلے اپنا اور پھر اللہ کا نام لیا اور آپ نے پہلے اللہ کا اور پھر اپنا نام لیا۔

(۷)۔ بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے علاقہ میں قرآن مجید لے کر جانے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے ہرقل کی طرف مکتوب بھیجا جس میں قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی تھیں! علامہ نووی نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ دو تین آیات کو لے جانا ممنوع نہیں ہے اور پورے قرآن کو لے کر جانا ممنوع ہے، ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جن کفار سے بالفعل جنگ ہو رہی ہو اور حالت حرب قائم ہو وہاں قرآن کو لے جانا ممنوع ہے اور کفار کے جو علاقے برسر جنگ نہ ہوں وہاں قرآن مجید لے کر جانا جائز ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے دشمن کی سرزمین میں قرآن کو لے کر سفر نہ کیا جائے اور یہ معنی ان علاقوں کے مناسب ہے جہاں حالت جنگ موجود ہو۔

(۸)۔ اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کافر اور بے وضو کا کسی ایسی کتاب کو چھونا جائز ہے جس میں قرآن مجید کی چند آیات لکھی ہوئی ہوں۔

(۹)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو بادشاہ روم نہیں لکھا کیونکہ ملک اور سلطنت اللہ اور اس کے رسول کی ہے یا جس کو اللہ اور رسول ملک اور سلطنت عطا کریں یا جو کسی ملک پر اللہ اور اس کے رسول کی نیابت کرے، اور اس کو عظیم الروم اس لیے لکھا تاکہ اس کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی ہو کیونکہ تبلیغ میں نرمی اور ملاطفت مطلوب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ (نحل ۱۲۵) "اپنے رب کے دین کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے"۔

(۱۰)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اسلم تسلم اس میں نہایت اختصار، جامعیت، بلاغت اور حسن عبارت ہے یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد تم دنیا میں اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لو گے، تمہارا ملک غارت گری سے محفوظ رہے گا اور اخروی عذاب سے مامون اور سلامت رہو گے۔

(۱۱)۔ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جو شخص دوسروں کی گمراہی کا سبب ہو گا، وہ ان کے عذاب کا بھی مستحق ہو گا کیونکہ آپ نے فرمایا اگر تم نے دعوت اسلام سے اعراض کیا تو تم کو اپنے پیروکاروں کے اعراض کا بھی گناہ ہو گا۔ قرآن مجید میں ہے: ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم (عنکبوت: ۲۹) "اور وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور کئی بوجھ بھی اٹھائیں گے"۔ اس آیت سے بھی یہی مراد ہے۔

(۱۲)۔ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اس کو دوہرا اجر ملے گا۔

(۱۳)۔ اس حدیث میں خطبہ کے بعد اما بعد کہنے کا بھی ثبوت ہے۔

(۱۴)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کے لیے لکھا وسلام علی من اتبع الھدی اور سلام علیک نہیں لکھا، اس میں یہ دلیل ہے کہ کافر کو ابتداء سلام نہیں کرنا چاہیے، بعض متقدمین نے کافر کو ابتداءً سلام کرنے کو بھی جائز کہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر کافر ابتداءً سلام کرے تو جواب میں کہے وعلیکم یا علیکم اور اگر فتنہ کا خوف ہو تو فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت سے وعلیک السلام کہنا جائز ہے۔

(۱۵)۔ بنو خزاعہ کا ایک شخص تھا جو شعریٰ (ایک ستارہ) کی عبادت کرتا تھا اور اہل عرب میں سے کوئی اس کے موافق نہیں تھا اس کا نام ابن ابی کبشہ تھا، ابوسفیان نے آپ کو ابن ابی کبشہ کے مشابہ قرار دے کر آپ کو ابن ابی کبشہ کہا کیونکہ اس وقت زیادہ تر عرب آپ کے دین کے مخالف تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ ابوکبشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نانا کا نام تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ابوکبشہ حضرت حلیمہ کے والد کے چچا کا نام تھا اس وجہ سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا۔

(۱۶)۔ ہرقل نے کہا وکذلک الرسل تبعث فی احساب قومھا۔ "اور اسی طرح قاعدہ ہے کہ رسول اپنی قوم کے سب سے اچھے نسب میں مبعوث ہوتے ہیں" ۱۹۵۳ء میں جب پاکستان میں سب سے پہلے قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی اور تمام مکاتب فکر کے علماء اکٹھے ہوئے تو ایک مجلس میں میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے شیخ ادریس کاندھلوی سے کہا آپ نے اپنی کتاب علم الکلام میں لکھا ہے کہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا نسب اپنے زمانہ کے انساب سے افضل اور اعلیٰ ہو یہ صحیح نہیں ہے، شیخ کاندھلوی نے کہا میں نے تو حدیث کا ترجمہ کیا ہے وکذلک الرسل تبعث فی احساب قومھا۔ حضرت نے فرمایا حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ نبی

کا نسب اپنی قوم کے انساب سے افضل ہوتا ہے وہ اپنے زمانہ کے انساب سے افضل ہوتا ہے، شیخ کا دعویٰ ہے کہ ہر زمانہ کے انساب میں کیا اشکال ہے حضرت نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ اصطفی من ولد ابراهیم اسماعیل و اصطفی من ولد اسمعیل بنی کنانة واصطفی من بنی کنانة قریشا واصطفی من قریش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم (جامع ترمذی ص ۵۱۱ مطبوعہ نور محمد کراچی) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کو فضیلت دی اور حضرت اسماعیل کی اولاد سے بنو کنانہ کو فضیلت دی اور بنو کنانہ سے قریش کو فضیلت دی اور قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت دی اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو فضیلت دی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت اسماعیل کا نسب حضرت اسحاق سے افضل تھا اور حضرت اسحاق کی اولاد میں انبیاء ہوئے اور جس وقت یہ انبیاء مبعوث ہوئے اس وقت حضرت اسماعیل کی اولاد بھی موجود تھی اور ان کا نسب ان انبیاء کے نسب سے افضل تھا سو اگر نبی کے لیے یہ ضروری ہو کہ اس کا نسب اپنے زمانہ کے تمام انساب سے افضل ہو تو بنو اسرائیل کے کسی نبی پر نبی کی تعریف صادق نہیں آئے گی کیونکہ ان کا نسب اپنے زمانہ میں موجود اولاد اسماعیل سے افضل نہیں تھا اس لیے نبی کی یہی تعریف ہے کہ اس کا نسب اپنی قوم کے انساب میں سے افضل ہوتا ہے۔ جب حضرت نے یہ اشکال تمام کیا تو شیخ کا دعویٰ سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور تمام حاضرین دم بخود رہ گئے۔

بَابُ كُتُبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مُلُوكِ الْكُفَّارِ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

دعوت اسلام کے لیے کافر بادشاہوں کے نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط

۴۳۹۵ - حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ الْمَعْنِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى وَإِلَى قَيْصَرَ وَإِلَى النَّجَاشِيِّ وَإِلَى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللهِ تَعَالَى وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِي صَلَّى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر کی طرف خط لکھا اور نجاشی کی طرف خط لکھا اور ہر حاکم کی طرف خط لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی، یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

۴۳۹۶ - وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الرُّزِّيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ وَلَمْ يَقُلْ وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِي

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت کی، اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے اس میں بھی یہ جملہ نہیں ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں

صَلّٰی عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وَحَدَّثَنِیْہِ نَصْرُ بْنُ عَلِیٍّ الْجَهْضَمِیُّ أَخْبَرَنَا
أَبِیْ حَدَّثَنِیْ خَالِدُ بْنُ قَیْسٍ عَنْ قَتَادَةَ
عَنْ أَنَسٍ وَلَمْ یَذْکُرْ وَلَیْسَ بِالنَّجَاشِیِّ
الَّذِیْ صَلّٰی عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

مختلف اقوام کے بادشاہوں کے القاب

ہر قوم کے بادشاہ کا ایک مخصوص لقب ہوتا ہے جس سے اس قوم کے بادشاہ کو مراد لیا جاتا ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں: فارس (ایرانیوں) کے بادشاہ کا لقب کسریٰ ہے، روم کے بادشاہ کا لقب قیصر ہے، اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے اور ترک کے بادشاہ کا لقب خاقان ہے اور قبطیوں کے بادشاہ کا لقب فرعون ہے اور مصر کے بادشاہ کا لقب عزیز ہے[1]

اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کے بادشاہ کا لقب راجہ اور مہاراجہ ہے، انگریزوں کے بادشاہ کا لقب بادشاہ اور اوشاہ پرشاہ ہے اور مسلمانوں کے بادشاہ کا لقب سلطان ہے، تمام مسلم ریاستوں کے سربراہ کو خلیفہ کہا جاتا ہے اور کسی ایک مسلم ریاست کے سربراہ کو سلطان کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں حکمرانوں کی طرف خطوط لکھنے کا ثبوت ہے۔ اور یہ ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے تھے اور آپ کا لکھنا آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ امی کا معنی ہے جس نے اپنی ماں سے پیدا ہونے کے بعد کسی دنیاوی استاذ سے لکھنا اور پڑھنا نہ سیکھا ہو، لہٰذا آپ نے دنیا کے کسی شخص سے لکھنا اور پڑھنا نہیں سیکھا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو باقی تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا اسی طرح آپ کو لکھنے اور پڑھنے کا علم بھی عطا فرمایا، اور آپ نے وصال سے پہلے لکھا بھی اور پڑھا بھی اور یہی آپ کا معجزہ ہے۔ اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ان شاء اللہ باب نمبر ۶۰۵ میں بیان کی جائے گی۔

بَابٌ فِیْ غَزْوَةِ حُنَیْنٍ

غزوہ حنین کا بیان

۴۴۹۷ - وَحَدَّثَنِیْ أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ کَثِیْرُ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ عَبَّاسٌ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ حُنَیْنٍ فَلَزِمْتُ أَنَا وَأَبُوْ سُفْیَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ حنین میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، میں اور حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے، اور آپ سے بالکل الگ نہیں ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سفید رنگ کی خچر پر سوار تھے جو آپ کو فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ کی تھی، جب مسلمانوں اور کفار کا مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگے، رسول اللہ

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۲ ص ۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

فَلَمْ نُفَارِقْهُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ بَيْضَاءَ أَهْدَاهَا لَهُ فَرْوَةُ بْنُ نُفَاثَةَ الْجُذَامِيُّ فَلَمَّا الْتَقَى الْمُسْلِمُونَ وَالْكُفَّارُ وَلَّى الْمُسْلِمُونَ مُدْبِرِينَ فَطَفِقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ بَغْلَتَهُ قِبَلَ الْكُفَّارِ قَالَ عَبَّاسٌ وَأَنَا آخِذٌ بِلِجَامِ بَغْلَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكُفُّهَا إِرَادَةَ أَنْ لَا تُسْرِعَ وَأَبُو سُفْيَانَ آخِذٌ بِرِكَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ عَبَّاسُ نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ فَقَالَ عَبَّاسٌ وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتًا فَقُلْتُ بِأَعْلَى صَوْتِي أَيْنَ أَصْحَابُ السَّمُرَةِ قَالَ فَوَاللهِ لَكَأَنَّ عَطْفَتَهُمْ حِينَ سَمِعُوا صَوْتِي عَطْفَةُ الْبَقَرِ عَلَى أَوْلَادِهَا فَقَالُوا يَا لَبَّيْكَ يَا لَبَّيْكَ قَالَ فَاقْتَتَلُوا وَالْكُفَّارَ وَالدَّعْوَةُ فِي الْأَنْصَارِ يَقُولُونَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلَى بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَقَالُوا يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهَا إِلَى قِتَالِهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ قَالَ ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصَيَاتٍ فَرَمَى بِهِنَّ وُجُوهَ الْكُفَّارِ ثُمَّ قَالَ انْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ قَالَ فَذَهَبْتُ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر کفار کی جانب دوڑا رہے تھے، حضرت عباس نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھام کر اس کو تیز جانے سے روک رہا تھا، اور حضرت ابو سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباس! اصحاب سمرہ کو آواز دو، حضرت عباس بلند آواز شخص تھے وہ کہتے ہیں میں نے بآواز بلند پکارا اصحاب سمرہ کہاں ہیں؟ حضرت عباس نے کہا بخدا یہ آواز سنتے ہی وہ اس طرح پلٹے جیسا کہ گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے، وہ یا لبیک، یا لبیک کہتے ہوئے دوڑ کر آئے اور انہوں نے کافروں سے لڑنا شروع کر دیا، اور انہوں نے انصار کو بلایا وہ کہتے تھے اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت! پھر بنو حارث بن خزرج کو بلایا گیا اور کہا اے بنو حارث بن خزرج! اے بنو حارث بن خزرج! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن اٹھا کر ان کی طرف دیکھا درآں حالیکہ آپ خچر پر سوار تھے، آپ ان کی جنگ کا منظر دیکھ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تنور گرم ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں اور کفار کے چہروں کی طرف پھینکیں اور فرمایا رب محمد کی قسم یہ ہار گئے، حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا لڑائی اسی تیزی کے ساتھ جاری تھی میں اسی طرح دیکھ رہا تھا کہ اچانک آپ نے کنکریاں پھینکیں بخدا میں نے دیکھا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

أَنْظُرُ فَإِذَا الْقِتَالُ عَلَى هَيْئَتِهِ فِيمَا أَرَى قَالَ فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَمَاهُمْ بِحَصَيَاتِهِ فَمَا زِلْتُ أَرَى حَدَّهُمْ كَلِيلًا وَأَمْرَهُمْ مُدْبِرًا۔

۴۳۹۸ - وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَرْوَةُ بْنُ نُعَامَةَ الْجُذَامِيُّ وَقَالَ انْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ انْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ حَتّٰى هَزَمَهُمُ اللّٰهُ قَالَ وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ خَلْفَهُمْ عَلٰى بَغْلَتِهِ۔

امام مسلم نے ایک اور سند سے یہ روایت ذکر کی ہے اس میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ ہار گئے، رب کعبہ کی قسم یہ ہار گئے، اور اس حدیث میں یہ اضافہ ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دے دی، گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ آپ ان کے پیچھے اپنا خچر دوڑا رہے ہیں۔

۴۳۹۹ - وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي كَثِيرُ بْنُ الْعَبَّاسِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ غَيْرَ أَنَّ حَدِيثَ يُونُسَ وَحَدِيثَ مَعْمَرٍ أَكْثَرُ مِنْهُ وَأَتَمُّ۔

کثیر بن عباس اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ حنین میں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، اس کے بعد حسب سابق حدیث روایت کی ہے البتہ یونس اور معمر کی روایت زیادہ تام ہے۔

۴۵۰۰ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلْبَرَاءِ يَا أَبَا عُمَارَةَ أَفَرَرْتُمْ يَوْمَ حُنَيْنٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّهُ خَرَجَ شُبَّانُ أَصْحَابِهِ وَأَخِفَّاؤُهُمْ حُسَّرًا لَيْسَ عَلَيْهِمْ سِلَاحٌ أَوْ كَثِيرُ سِلَاحٍ فَلَقُوا قَوْمًا رُمَاةً لَا يَكَادُ يَسْقُطُ لَهُمْ سَهْمٌ جَمْعَ هَوَازِنَ

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء سے کہا اے ابو عمارہ! کیا تم جنگ حنین کے دن بھاگ پڑے تھے، انہوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری تھی، بلکہ اصل واقعہ یہ تھا کہ آپ کے اصحاب میں سے چند جلد باز اور نہتے نوجوان آگے نکلے ان کا مقابلہ ہوازن اور بنو نصر کے تیر اندازوں سے ہوا جن کا کوئی تیر خطا نہیں جاتا تھا، انہوں نے اس طرح تاک تاک کر تیر

وبني نصر فرشقوهم رشقا ما يكادون يخطئون فأقبلوا هناك إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ورسول الله صلى الله عليه وسلم على بغلته البيضاء وأبو سفيان بن الحارث بن عبد المطلب يقوده به فنزل فاستنصر وقال ؎

أنا النبي لا كذب

أنا ابن عبد المطلب

ثم صفهم

چلائے کہ ان کا کوئی تیر خالی نہیں گیا، پھر یہ جوان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف جھپٹے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفید خچر پر سوار تھے، اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اس کے آگے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اترے اور اللہ سے مدد طلب کی اور آپ نے فرمایا: میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، پھر آپ نے ان کی صف بندی کی۔

۴۵۰۱ ۔ حدثنا أحمد بن جناب المصيصي حدثنا عيسى بن يونس عن زكرياء عن أبي إسحق قال جاء رجل إلى البراء فقال أكنتم وليتم يوم حنين يا أبا عمارة قال أشهد على نبي الله صلى الله عليه وسلم ما ولى ولكنه انطلق أخفاء من الناس وحسر إلى هذا الحي من هوازن وهم قوم رماة فرموهم برشق من نبل كأنها رجل من جراد فانكشفوا فأقبل القوم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو سفيان بن الحارث يقود به بغلته فنزل ودعا واستنصر وهو يقول ؎

أنا النبي لا كذب

أنا ابن عبد المطلب

اللهم نزل نصرك قال البراء كنا والله إذا احمر البأس نتقي به وإن الشجاع منا للذي يحاذي به يعني النبي صلى الله عليه وسلم.

ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت براء کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے ابوعمارہ کیا تم جنگ حنین کے دن بھاگ گئے تھے، انہوں نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے پشت نہیں پھیری لیکن چند جلد باز اور نہتے نوجوان ہوازن کی طرف بڑھے وہ لوگ تیر انداز تھے انہوں نے تیروں کی اس طرح بوچھاڑ کی جیسے ٹڈی دل، پھر یہ لوگ ان کے سامنے سے ہٹ گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابوسفیان بن حارث آپ کے خچر کے آگے تھے، آپ خچر سے اترے، دعا کی اور اللہ سے مدد مانگی اور آپ یہ فرما رہے تھے، میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، اے اللہ اپنی مدد نازل فرما۔ حضرت براء نے کہا اللہ کی قسم جب جنگ تیز ہوتی تو ہم خود کو آپ کی پناہ میں بچاتے تھے اور ہم میں بہادر وہ شخص ہوتا تھا جو جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

۴۵۰۲ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ مِنْ قَيْسٍ أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ الْبَرَاءُ وَلٰكِنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَفِرَّ وَكَانَتْ هَوَازِنُ يَوْمَئِذٍ رُمَاةً وَإِنَّا لَمَّا حَمَلْنَا عَلَيْهِمْ انْكَشَفُوا فَأَكْبَبْنَا عَلَى الْغَنَائِمِ فَاسْتَقْبَلُونَا بِالسِّهَامِ وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَإِنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ الْحَارِثِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَهُوَ يَقُولُ ؎

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ

أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ قبیلہ قیس کے ایک شخص نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: کیا تم غزوہ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، حضرت براء نے کہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے سامنے سے نہیں ہٹے، ہوازن کے جوان اس دن تیر اندازی کر رہے تھے ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلے اور جب ہم مال غنیمت لوٹنے لگے تو انہوں نے ہمیں تیروں پر رکھ لیا اور میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور حضرت ابو سفیان بن حارث اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آپ فرما رہے تھے: میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

۴۵۰۳ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ قَالُوا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عُمَارَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَهُوَ أَقَلُّ مِنْ حَدِيثِهِمْ وَهٰؤُلَاءِ أَتَمُّ حَدِيثًا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے کہا اے ابو عمارہ! اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے اس روایت میں الفاظ کم ہیں اور دیگر روایات ان کی بہ نسبت مکمل ہیں۔

۴۵۰۴ - وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَلَمَّا وَاجَهْنَا الْعَدُوَّ تَقَدَّمْتُ فَأَعْلُو ثَنِيَّةً

ایاس بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے والد رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ حنین میں گئے، جب ہمارا دشمن کے ساتھ مقابلہ ہوا تو میں آگے بڑھ کر ایک گھاٹی پر چڑھ گیا، دشمن کا ایک شخص سامنے سے آیا، میں نے اس کے تیر مارا، وہ چھپ گیا اور مجھ کو پتا نہ چل سکا اس نے کیا کیا،

فَاسْتَقْبَلَنِي رَجُلٌ مِنَ الْعَدُوِّ فَأَرْمِيهِ بِسَهْمٍ فَتَوَارَى عَنِّي فَمَا دَرَيْتُ مَا صَنَعَ وَنَظَرْتُ إِلَى الْقَوْمِ فَإِذَا هُمْ قَدْ طَلَعُوا مِنْ ثَنِيَّةٍ أُخْرَى فَالْتَقَوْا هُمْ وَصَحَابَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَلَّى صَحَابَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرْجِعُ مُنْهَزِمًا وَعَلَيَّ بُرْدَتَانِ مُتَّزِرًا بِإِحْدَاهُمَا مُرْتَدِيًا بِالْأُخْرَى فَاسْتَطْلَقَ إِزَارِي فَجَمَعْتُهُمَا جَمِيعًا وَمَرَرْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْهَزِمًا وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَى ابْنُ الْأَكْوَعِ فَزَعًا فَلَمَّا غَشُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ مِنَ الْأَرْضِ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهِ وُجُوهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوهُ فَمَا خَلَقَ اللهُ مِنْهُمْ إِنْسَانًا إِلَّا مَلَأَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ فَهَزَمَهُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ وَقَسَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَائِمَهُمْ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ.

میں نے قوم کی طرف دیکھا تو وہ دوسری گھاٹی سے چڑھ رہے تھے، ان کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مقابلہ ہوا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پشت پھیر کر بھاگے، میں بھی شکست خوردہ لوٹا، درآں حالیکہ مجھ پر دو چادریں تھیں، ایک میں نے باندھی ہوئی تھی اور دوسری اوڑھی ہوئی تھی، میرا تہبند کھل گیا تو میں نے دونوں چادروں کو اکٹھا کر لیا، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکست خوردہ لوٹا، درآں حالیکہ آپ اپنے خچر شہباء پر سوار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن الاکوع خوف زدہ ہو کر دیکھ رہا ہے، جب دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ خچر سے اترے اور زمین سے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر دشمن کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے قبیح ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس مٹھی سے ان کے ہر انسان کی آنکھ میں مٹی بھر دی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے، سو اللہ عزوجل نے ان کو شکست دی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

غزوہ حنین کا اجمالی ذکر

مکہ اور طائف کی درمیانی وادی کا نام حنین ہے، یہ غزوہ شوال آٹھ ہجری میں واقع ہوا، اس کی تفصیل باب غزوہ میں گزر چکی ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لقد نصركم الله فى مواطن كثيرة ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئا وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين ۝ ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المؤمنين وانزل جنودا لم

بے شک اللہ تعالیٰ نے بکثرت مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور غزوہ حنین کے دن تمہاری مدد کی جب تم اپنی کثرت پر اترا رہے تھے، اور یہ کثرت تم سے کسی چیز کو ٹال نہ سکی، اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پشت پھیرتے ہوئے واپس لوٹے

تروها وعذب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین ۔

(توبہ: ۲۶-۲۵)

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر طمانیت قلب نازل فرمائی اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین کا مستقل ماجرا بیان فرمایا ہے، جس کی تفصیل اس باب کی احادیث میں ہے۔

کفار اور مشرکین سے ہدیے قبول کرنے کی تحقیق

اس باب کی حدیث نمبر ۴۴۳۹ میں ہے کہ غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فروہ بن نفاثہ کی ہدیہ کی ہوئی خچر پر سوار تھے، علامہ نووی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس شخص کے اسلام قبول کرنے میں اختلاف ہے، طبری نے کہا ہے کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس نے طویل عمر گزاری، اور دوسرے مورخین نے کہا ہے کہ یہ اسلام نہیں لایا، صحیح بخاری میں ہے کہ ایلہ کے بادشاہ نے آپ کو خچر ہدیہ کی تھی، اور اس کا نام یحنہ بن رؤبہ تھا۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر سے ہدیہ قبول کیا اور دوسری احادیث میں آپ نے عاملوں کو ہدیہ قبول کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ابن اللتبیہ کی حدیث میں ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے مشرکین کے ہدیے واپس کر دیے اور فرمایا ہم مشرکین کی بخشش قبول نہیں کرتے، سو ان احادیث میں تعارض ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ان احادیث ہدیہ قبول کرنے کے لیے ناسخ ہیں، اور جمہور فقہاء نے کہا یہ حدیث منسوخ نہیں ہے کیونکہ آپ کا اس ہدیہ کو قبول کرنا اور قبول نہ کرنا آپ کی خصوصیت ہے عام مسلمان مشرک سے ہدیہ قبول نہیں کر سکتے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مشرک سے ہدیہ قبول کرتے تھے جس کے اسلام کی توقع ہو یا ہدیہ قبول کرنے میں مسلمانوں کے لیے کوئی مصلحت ہو اور بعض کتابیوں کا ہدیہ رد کر دیتے تھے اور جس شخص کے اسلام لانے کی توقع نہ ہوتی یا جس کے ہدیہ قبول کرنے میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت نہ ہوتی اس کا ہدیہ آپ رد کر دیتے تھے کیونکہ ہدیہ محبت اور مودت کو واجب کرتا ہے اور کفار اور مشرکین سے محبت اور مودت ممنوع ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جو عمال اور حکام ہیں ان کا اپنے لیے ہدیہ قبول کرنا جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور اگر انہوں نے قبول کر لیا تو وہ فئی قرار پائے گا، کیونکہ کافر نے ان کو وہ ہدیہ اس لیے دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے امام ہیں، اور جس قوم کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا ہوا ہے اگر ان کے کسی فرد نے ہدیہ دیا تو اس کا شمار مال غنیمت میں ہوگا، امام اوزاعی، امام محمد بن الحسن، ابن القاسم اور ابن حبیب کا یہی قول ہے، اور امام ابو یوسف اور مالکی فقہاء میں سے علامہ اشہب اور امام سحنون کا قول یہ ہے کہ وہ ہدیہ صرف امام کے لیے ہوگا۔

علامہ طبری نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے صرف ان ہدایا کو رد کیا جو انہوں نے آپ کو ذاتی حیثیت سے دیے تھے اور جو ہدیے انہوں نے اس حیثیت سے نہیں دیے تھے ان کو آپ نے مسلمانوں کے مفاد کے لیے قبول کر لیا، اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ مشرکین سے ہدیہ لینے کا جواز منسوخ ہو گیا، اور آپ کے بعد اگر جو ہدیہ دیے جائیں ان کا شمار بہ تقاضائے حال فئی یا غنیمت میں ہوگا۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار اہل کتاب سے ہدیے قبول کیے ہیں مثلاً مقوقس اسکندریہ شام کے بادشاہ وغیرہ جو دین نصرانیت پر تھے اور جن مشرکین کے ہدیے قبول کرنے سے منع فرمایا ہے وہ غیر اہل کتاب

ہیں لہٰذا آپ کے ہدیہ قبول کرنے اور اس سے منع فرمانے میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ہمارے لیے اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے اور بت پرست کافروں اور مشرکوں کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔ [1]

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شعر کہا ہے؟

اس باب کی احادیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب، حالانکہ قرآن مجید میں ہے وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ "ہم نے آپ کو شعر گوئی کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ آپ کے شایان شان ہے"، قاضی عیاض مالکی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ رجز ہے شعر نہیں ہے اور یہی اخفش کا مذہب ہے، لیکن خلیل کا مذہب یہ ہے کہ رجز شعر ہے اس بناء پر جواب یہ ہے کہ جس کلام کو موزوں اور مسجع اور مقفٰی بنانے کا قصد کیا جائے اور قصد اور ارادہ سے اس کلام کو موزوں اور مقفٰی بنایا جائے وہ شعر ہوتا ہے اور جو کلام غیر ارادی طور پر موزوں ہو اس کو شعر نہیں کہا جاتا اور وہ اس متکلم کو شاعر کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بہت سی آیات ایک وزن پر ہیں حالانکہ قرآن مجید شعر کی کتاب نہیں ہے۔ [2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد المطلب کی طرف اپنی نسبت کیوں کی تھی؟

ایک سوال یہ ہے کہ کافر آباء و اجداد کی طرف نسبت کر کے ان پر فخر کرنا عمل جاہلیت سے ہے پھر آپ نے اپنی نسبت عبد المطلب کی طرف کر کے اس کو بطور افتخار کیسے بیان فرمایا؟ اس کا علامہ نووی نے یہ جواب دیا ہے کہ عبد المطلب مکہ والوں کے سردار تھے اور مکہ کی ایک مشہور شخصیت تھے اور آپ کے والد گرامی کا جوانی میں انتقال ہو گیا تھا اس لیے آپ کو عبد المطلب کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ عبد المطلب نے ایک خواب دیکھا تھا جو اس پر دلالت کرتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس خواب کو یاد دلانا تھا اور اس پر متنبہ کرنا تھا کہ آپ کو دشمنان اسلام پر غلبہ حاصل ہوگا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جنگ میں انسان یہ کہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں جیسے حضرت سلمہ نے کہا کہ میں ابن الاکوع ہوں یا جیسے حضرت علی نے کہا کہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ [3]

اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت عبد المطلب کافر نہیں تھے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نسبت کو بطور فخر بیان نہ کرتے، بلکہ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضرت عبد المطلب مومن تھے اور دین ابراہیم پر تھے اور اسی طرح آپ کے نسب میں تمام آباء اور تمام امہات مومن ہیں۔ شرح صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الجنائز میں ہم نے اس مسئلہ پر مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] " " " ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱ " " " " "

[3] " " " ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱ " " " " "

بَابُ غَزْوَةِ الطَّائِفِ

غزوہ طائف کا بیان

۴۵۰۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ الشَّاعِرِ الْأَعْمَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حَاصَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ الطَّائِفِ فَلَمْ يَنَلْ مِنْهُمْ شَيْئًا فَقَالَ إِنَّا قَافِلُونَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ قَالَ أَصْحَابُهُ نَرْجِعُ وَلَمْ نَفْتَتِحْهُ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ فَغَدَوْا عَلَيْهِ فَأَصَابَهُمْ جِرَاحٌ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا قَالَ فَأَعْجَبَهُمْ ذَلِكَ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور وہاں سے کچھ حاصل نہیں کیا تو فرمایا ہم ان شاء اللہ لوٹ جائیں گے، آپ کے اصحاب نے کہا کیا ہم بغیر فتح کے لوٹ جائیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل صبح ان سے جنگ کرنا، صحابہ نے صبح حملہ کیا اور زخمی ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ہم کل صبح واپس چلے جائیں گے، صحابہ اس سے خوش ہو گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔

طائف کا جغرافیائی محل وقوع اور تاریخ

علامہ حموی لکھتے ہیں: طائف کا عرض بلد اکیس درجہ ہے۔ مکہ سے آتے ہوئے یہ ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اور مکہ کی طرف جاتے ہوئے آدھے دن کی مسافت پر ہے۔ اس شہر کو حسین بن سلامہ نے آباد کیا تھا۔ علامہ حموی نے یہ بھی لکھا ہے کہ طائف ثقیف کے شہروں کی ایک وادی ہے اور یہ مکہ سے بارہ فرسخ (چھتیس شرعی میل) دور ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر حملہ کیا اور ۸ ہجری میں اس کو صلح سے فتح کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ ہجری میں جب وادی حنین سے لوٹے تو طائف میں اترے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کر لیا، اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق وغیرہ استعمال کیے گئے، بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے، صحابہ نے عرض کیا کہ آپ ان کی ہلاکت کے لیے دعا کریں، آپ نے یہ دعا کی: "اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو یہ توفیق دے کہ میرے پاس آ جائیں" آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اگلے سال بغیر جنگ کے اہل طائف نے اطاعت کر لی۔ [1]

---

[1] علامہ شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ، معجم البلدان ج ۴ ص ۱۲ - ۸ ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۹ھ

محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

طائف: عرب کا ایک شہر جو مکے کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہاں سے مکے تک جانے والی سڑک چونکہ کئی پیچیدہ گھاٹیوں سے گزرتی ہے، اس لیے موٹر کو تقریباً ستر میل طے کرنا پڑتے ہیں۔ براہ راست مسافت اس سے خاصی کم ہے۔ یہ ایک سطح مرتفع پر واقع ہے، جو سلسلۂ کوہ سراۃ میں سطح سمندر سے تقریباً پانچ ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔ ایک دلچسپ بدوی افسانے کے مطابق جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ کے ساتھ شام سے صحرائے عرب روانہ ہوئے تو خدا نے مرغزار شام کا ایک ٹکڑا ساتھ کر دیا اور یہی طائف ہے۔ سردیوں میں یہاں بعض اوقات پانی جم جاتا ہے۔ قبل اسلام ہی سے طائف اور مکہ توأم شہر رہے ہیں۔ طائف کی پیداوار کی مکے میں نکاسی ہوتی ہے۔ اگر ایک طرف مالدار اہل مکہ، بالخصوص بنو امیہ، طائف میں زمینیں خریدنے اور گرمیاں گزارنے آیا کرتے تھے تو طائف کے مستقل باشندے بھی تجارتی کاروبار کے سلسلے میں مکے میں بود و باش رکھتے تھے۔ قرآن مجید ۴۳ [الزخرف]: ۳۱) میں مکے اور طائف کو ملا کر "قریتین" —— (دو شہر) کہا گیا ہے۔ آغاز اسلام کے وقت یہ شہر عرب کے بڑے شہروں میں سے ایک تھا۔ یہاں کا بت خانہ مکے کا حریف تھا۔ اب سعودی دور میں اس شہر نے گرمائی قیام گاہ کے طور پر بڑی ترقی کر لی ہے۔ یہاں کثرت سے یورپی، امریکی لوگ بھی نظر آیا کرتے ہیں۔ قبل اسلام یہاں سے میووں اور ترکاری کے علاوہ انگور کی شراب، گیہوں اور لکڑی، نیز دباغت شدہ کھالیں برآمد ہوتی تھیں۔ تحریرات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک میں، جو اہل طائف کے نام ہے، جبیاء (مکئی کی شراب) کو بھی حرام سمجھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

جیسا کہ مادۂ ثقیف میں بیان ہوا، طائف میں جسے اکثر وج سے بھی موسوم کرتے ہیں، شروع میں عامر بن الظرب کا قبیلہ عدوان بستا تھا۔ پھر ثقیف اور آباد ہوئے اور بعد ازاں بعض دیگر قبائل، جو احلاف کے نام سے مشہور ہیں۔

خاندان بنو ہاشم کی طائف میں رشتہ داریاں تھیں۔ بنو عبد یا لیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا ہے۔ ابو لہب کی بیٹیوں کی اہل طائف سے شادیاں ہوئی تھیں۔ حضرت عباسؓ کا بھی طائف سے رقمی اور تجارتی کاروبار بہت تھا۔ اسی لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وطن مکہ سے مایوس ہوئے تو انھوں نے اپنے ماموؤں کا رخ کیا، اگرچہ ان سے طائف میں جسمانی اور روحانی تکلیف اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہجرت کے بعد جلد ہی رجب ۲ھ میں سریۂ نخلہ (ما بین مکہ و طائف) پیش آیا، جو اگرچہ خالصتاً اہل مکہ پر معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے تھا، مگر مکے سے تجارت میں رکاوٹ پڑنے پر طائف کا متاثر ہونا ناگزیر تھا۔ اور مدینے کی جنگوں میں طائف ہمیشہ اہل مکہ کی تائید کرتا رہا۔ احد میں بھی چند باشندگان طائف قریش کے جلو میں شریک تھے اور غزوۂ خندق میں تو البلاذری: کتاب الانساب، ۱: ۱۴۵، کی صراحت کے مطابق، ثقیفیوں کا ایک پورا دستہ مدینے کے محاصرے میں شریک تھا۔ اہل طائف کی تجارت یمن اور مکے کے علاوہ غالباً عرب کے شمالی حصے سے بھی اچھی خاصی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابو عبید نے صلح نامہ حدیبیہ [رک بآں] کا جو متن دیا ہے اس میں صراحت ہے کہ جو مسلمان تجارت کے لیے طائف یا یمن جاتے ہوئے مکے سے گزریں انھیں امن و امان حاصل رہے گا

۸ھ میں اہل طائف اور ان کے بدوی رشتہ داروں (بنو ہوازن) نے فتح مکہ پر چراغ پا ہو کر شدید مخالفت دکھائی۔ غالباً انہیں مکے کی مشرکین کے ہاتھ سے نکل جانے کا بھی صدمہ ہوگا۔ اس پر حنین [رک بآں] میں پہلی کشمکش ہوئی۔ پھر اس کا سلسلہ خود طائف میں جاری رہا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ہفتوں تک محصور رکھا۔ کہا جاتا ہے، منجنیق اور دیگر قلعہ شکن آلات کے استعمال کے باوجود قلعے نے کامیاب مدافعت کی۔ عام مؤرخوں کے بیان کے مطابق ایران کے کسی کسریٰ نے ایک طائفی تاجر کے بار بار ملنے سے خوش ہو کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کی اور ایک مہندس اس غرض سے بھیجا کہ اس کی بستی کے اطراف میں ایک فصیل تعمیر کرے (اور یہی طائف تھا) امام سہیلی نے ایک مختلف روایت بیان کی ہے، لیکن بہر کیف بعض یمنی معماروں نے یہ کام انجام دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید محاصرہ جاری رکھنے کے بجائے ثقیف کے بعض حریف قبائل کو، جو مسلمان ہو گئے تھے، اس پر مامور کیا کہ طائف پر معاشی دباؤ ڈالتے رہیں۔ سال بھر بھی نہ گزرا تھا کہ اہل طائف نے پریشان ہو کر اطاعت قبول کر لی بشرطیکہ یہ تو اس کے عوض نہ چاہا کہ نماز پڑھیں، نہ زکوٰۃ دیں، نہ اپنا بت خانہ توڑیں اور نہ شراب و زنا و سود کی حرمت کو مانیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے پر وہ شرائط اسلام پر اکتفاء کی کہ مکے تک آنے والے پیسے میں سابقہ سودی قرض لیا کی ادائی کر کے آئندہ سود سے اجتناب کریں گے، زکوٰۃ و جہاد سے مستثنیٰ رہیں گے اور ان کے شہر کو ایک حرم قرار دیا جائے گا، جہاں چند پرندوں کا شکار اور جنگل کی قطع و برید ممنوع رہے گا، نیز اپنا بت خانہ وہ اپنے ہاتھ سے مسمار نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیرہ بن شعبہ الثقفی اور ابو سفیان کو بھیجا کہ بت خانہ لات کو مسمار کر دیں۔ کہتے ہیں کہ طائف کا موجودہ مرکزی مسجد خانہ اسی بت خانے کی جگہ تعمیر ہوا ہے۔ شہر طائف کی موجودہ فصیل ترکی دور کی ہے۔ لیکن یقیناً اس کا کچھ حصہ قدیم دیوار ہی کی جگہ تعمیر ہوا ہے کیونکہ ابن ہشام کے قول کے مطابق مسجد ابن عباس اسی جگہ تعمیر ہوئی ہے جہاں حصار طائف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈیرہ نصب ہوا تھا۔ یہ مسجد نیز عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محاصرہ طائف کے شہداء کا قبرستان موجودہ فصیل کے باہر واقع ہے۔ کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ بھی اسی میں دفن ہیں۔ ترکی دور میں مسجد ابن عباسؓ کا کتب خانہ ہزاروں مخطوطات پر مشتمل تھا۔ ۱۳۶۳ھ میں جب وہاں بمشکل سو کے قریب مخطوطے نظر آئے اور بتایا گیا کہ باقی مختلف لوگ اٹھا لے گئے ہیں۔

عہد اسلام میں طائف کبھی بڑا سیاسی مرکز نہ رہا لیکن اس کی سرسبزی کا معاشی حیثیت سے ضرور جاری رہا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے (وج سے تین میل کے فاصلے پر) وہط میں ایک بہت بڑا باغستان لگایا اور پھر اسے وقف علی الاولاد کر دیا۔ یہ وقف نامہ ابن مجاور نے (المستبصر، مخطوطہ پیرس، ورق ۱۹۸ ب میں) نقل کیا ہے۔ امیر معاویہؓ نے اس کے علاوہ میں ایک بڑا تالاب تعمیر کیا، جس کا کتبہ مؤرخہ ۵۸ھ عربی زبان کے قدیم ترین کتبوں میں شمار ہوتا ہے (دیکھیے ....

EARLY ISLAMIC GEORGE C MILES JOURNAL (INSCRIPTIONS THE IN THE HIJAZ,
STUDIES NEAR EASTERN OF USA. ج ۷/۴ (اکتوبر ۱۹۴۸ء): ۲۳۶ تا ۲۴۲۔

روایت ہے کہ دور عباسیہ میں نہر زبیدہ کی تعمیر کے بعد اس کی نگہداشت کے لیے ملکہ زبیدہ نے طائف کے بعض رقبے وقف کر دیے تھے۔ مکے سے جبل کرا (ایک چھوٹے کا نام) ہو کر طائف کو جو راستہ جاتا ہے وہ مسلسل غفلت اور بارشوں کی وجہ سے خراب ہو جانے کے باوجود اب بھی گدھوں کے قافلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس قوم کے رہنما نے بتایا کہ وہ عہد عباسی ہی میں تعمیر ہوا تھا۔

چوتھی صدی ہجری اور بعد کے عرب جغرافیہ نگار اسے "بلدۃ صغیرۃ" ایک چھوٹا شہر بتاتے ہیں۔ ترکی دور میں

شریف مکہ اور ترکی گورنر گرمیاں یہاں گزارتے تھے۔ ۱۸۰۲ء میں سعودی نجدیوں نے اس پر قبضہ کیا اور ۱۸۱۳ء میں طوسون پاشا کی سرکردگی میں مصری فوج نے اسے واپس لے لیا۔ ایک سال بعد برکہارٹ Burckhardt نے اس کی سیر کی۔ وہ لکھتا ہے آدھا شہر کھنڈر ہے۔ اس نے وہاں بڑے بڑے انگور کھائے جو نہایت لذیذ اور خوشبودار تھے۔ اس کے علاوہ بہی، انجیر اور انار کھائے، باشندے زیادہ تر قشتی ہیں۔ یہاں بہت سے مالدار اہل مکہ کے مکان ہیں۔ غیر ملکیوں میں بہت سے ہندوستانی مسلمان ہیں۔

ویول Wavell ۱۹۰۸ء میں لکھتا ہے کہ یہاں پانچ ہزار سے زیادہ آبادی نہیں، البتہ گرمیوں میں بیس ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ اپریل ۱۹۲۴ء میں شریف حسین سے جنگ کر کے نجدیوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اب یہ سعودی مملکت کے بہت زیادہ ترقی یافتہ شہروں میں سے ہے۔ ۱۹۳۰ء میں مجھے یہاں پندرہ ہزار آبادی بتائی گئی، اور ۱۹۶۰ء میں چالیس ہزار کے لگ بھگ (موجودہ آبادی پچاس ہزار کے قریب ہے) شہر اب فصیل کے باہر دور دور تک پھیل گیا ہے۔ ٹیلی فون، وائرلیس، ہوائی اسٹیشن، شاندار مکانات اور ہر قسم کی جدید سہولتیں میسر ہیں۔ مکے اور یہاں سے ڈاک کے محکمے نے بس سروس بھی جاری کر رکھی ہے۔ ۱؎

بَابُ غَزْوَةِ بَدْرٍ

غزوہ بدر

۴۵۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِينَ بَلَغَهُ إِقْبَالُ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ عُمَرُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقَالَ إِيَّانَا تُرِيدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيضَهَا الْبَحْرَ لَأَخَضْنَاهَا وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلَى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوا حَتَّى نَزَلُوا بَدْرًا وَوَرَدَتْ عَلَيْهِمْ رَوَايَا قُرَيْشٍ وَفِيهِمْ غُلَامٌ أَسْوَدُ لِبَنِي الْحَجَّاجِ فَأَخَذُوهُ فَكَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے (قافلہ کے) آنے کی خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکر نے کوئی مشورہ دیا، آپ نے ان سے اعراض کیا، پھر حضرت عمر نے کوئی مشورہ دیا، آپ نے ان سے بھی اعراض کیا، پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہو کر کہنے لگے یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں گھوڑے دوڑا دیں گے، اگر آپ ہمیں برک الغماد تک گھوڑے دوڑانے کا حکم دیں تو ہم ایسا کریں گے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا، لوگ گئے اور وادی بدر میں اترے، وہاں قریش کے پانی پلانے والے ملے، ان میں بنی حجاج کا ایک سیاہ فام غلام تھا، صحابہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں

۱؎ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۱ ص ۲۹۱-۲۹۲ مطبوعہ زیر اہتمام پنجاب دانش گاہ، لاہور، طبع اول، ۱۳۹۳ھ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَهُ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ وَأَصْحَابِهِ فَيَقُولُ مَا لِي عِلْمٌ بِأَبِي سُفْيَانَ وَلَكِنْ هٰذَا أَبُو جَهْلٍ وَعُتْبَةُ وَشَيْبَةُ وَأُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ فَإِذَا قَالَ ذٰلِكَ ضَرَبُوهُ فَقَالَ نَعَمْ أَنَا أُخْبِرُكُمْ هٰذَا أَبُو سُفْيَانَ فَإِذَا تَرَكُوهُ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ مَا لِي بِأَبِي سُفْيَانَ عِلْمٌ وَلَكِنْ هٰذَا أَبُو جَهْلٍ وَعُتْبَةُ وَشَيْبَةُ وَأُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ فِي النَّاسِ فَإِذَا قَالَ هٰذَا أَيْضًا ضَرَبُوهُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ انْصَرَفَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَضْرِبُوهُ إِذَا صَدَقَكُمْ وَتَتْرُكُوهُ إِذَا كَذَبَكُمْ. قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ قَالَ وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کے بارے میں سوال کیا، اس نے کہا مجھے ابوسفیان کا کوئی پتا نہیں! لیکن یہاں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف ہیں، جب اس نے یہ بتایا تو صحابہ نے اس کو پیٹنا شروع کیا، اس نے کہا اچھا میں تمہیں ابوسفیان کے متعلق بتاتا ہوں، جب انہوں نے اس کو چھوڑ کر ابوسفیان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا مجھے ابوسفیان کا کوئی پتا نہیں، لیکن یہاں لوگوں میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف ہیں، جب اس نے یہ کہا تو انہوں نے پھر مارنا شروع کر دیا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ نے یہ منظر دیکھا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، جب یہ سچ بولتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور جب یہ جھوٹ بولتا ہے تو تم اس کو چھوڑ دیتے ہو، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے، آپ زمین پر اس جگہ اور اس جگہ ہاتھ رکھتے، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر متجاوز نہیں ہوا۔ (یعنی جس جگہ آپ نے جس شخص کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا وہ کافر اسی جگہ گر کر مرا)۔

بدر کا لغوی معنی، جغرافیائی محل وقوع اور تاریخ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ
(آل عمران: ۱۲۳)

اللہ تعالیٰ نے تم کو بدر میں فتح اور نصرت عطا کی، حالانکہ تم اس وقت کمزور تھے۔

سنہ ۲ھ میں غزوہ بدر واقع ہوا، بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا، بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کی مسافت پر واقع ہے۔ علامہ حموی لکھتے ہیں: بدر کا لغوی معنی ہے بھرنا، چودھویں رات کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ پورا ہوا اور مکمل ہوتا ہے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی میں مشہور کنواں ہے، ایک قول یہ ہے کہ بنو ضمرہ کا ایک شخص رہتا تھا اس کے نام پر اس وادی کا نام پڑ گیا۔ [1]

[1] علامہ شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ، معجم البلدان ج ۱، ص ۵۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ

قریش مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے، اسی اثناء میں حضرمی کے قتل کا واقعہ پیش آگیا جس سے قریش اور مشتعل ہو گئے، انہی دنوں میں مکہ مکرمہ میں یہ جھوٹی خبر پھیل گئی کہ مسلمان قریش کے قافلہ کو لوٹنے آ رہے ہیں اس پر قریش مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا، مہاجرین صحابہ نے بڑی جانثارانہ تقریریں کیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف دیکھ رہے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئیں۔ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے اٹھ کر کہا کیا آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے خدا کی قسم اگر آپ حکم دیں تو ہم سمندر میں گھوڑے اتار دیں گے۔ صحیح مسلم کے اس باب کی حدیث میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

کون کہاں مرے گا اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

اس باب کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں پیشگی فرما دیا تھا کہ فلاں کافر اس جگہ مرے گا اور فلاں کافر اس جگہ مرے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ جس کافر کا نام لے کر اشارہ کیا تھا وہ کافر اسی جگہ مرا اور اس سے سرمو تجاوز نہیں ہوا۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ ہے اور آپ کے علم کی وسعت کا بیان ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دیا تھا کہ کون کہاں مرے گا اور یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ہے وما تدری نفس بای ارض تموت (لقمان: ۳۴) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا۔ کیونکہ اس آیت میں علم ذاتی کی نفی ہے یعنی وہ علم جو از خود ہوتا ہے۔ اور حدیث میں اس علم کا ثبوت ہے جو اللہ کی عطا سے ہے۔

بَابُ فَتْحِ مَكَّةَ

فتح مکہ کا بیان

۴۵۰۷ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَفَدَتْ وُفُودٌ إِلَى مُعَاوِيَةَ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ فَكَانَ يَصْنَعُ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ الطَّعَامَ فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَدْعُوَنَا إِلَى رَحْلِهِ فَقُلْتُ أَلَا أَصْنَعُ طَعَامًا فَأَدْعُوَهُمْ إِلَى رَحْلِي فَأَمَرْتُ بِطَعَامٍ يُصْنَعُ ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ مِنَ الْعَشِيِّ فَقُلْتُ الدَّعْوَةُ عِنْدِي اللَّيْلَةَ فَقَالَ سَبَقْتَنِي قُلْتُ نَعَمْ

عبداللہ بن رباح کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ رمضان میں متعدد جماعتیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں، ہم ایک دوسرے کے لیے کھانا تیار کرتے تھے، حضرت ابوہریرہ ہم کو اپنے ٹھکانے پر بکثرت بلایا کرتے تھے میں نے سوچا کہ میں بھی کھانا تیار کر کے ان حضرات کو اپنے ٹھکانے پر کھانے کی دعوت کیوں نہ دوں! میں نے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا، پھر شام کے وقت میری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا آج رات میرے گھر دعوت ہے، حضرت ابوہریرہ نے فرمایا تم نے مجھ پر سبقت کر لی؟ میں نے کہا ہاں! میں نے ان سب کو بلایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا اے گروہ انصار میں تم کو

فَدَعَوْتُهُمْ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَلَا أُعْلِمُكُمْ بِحَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِكُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ ثُمَّ ذَكَرَ فَتْحَ مَكَّةَ فَقَالَ أَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ فَبَعَثَ الزُّبَيْرَ عَلَى إِحْدَى الْمُجَنِّبَتَيْنِ وَبَعَثَ خَالِدًا عَلَى الْمُجَنِّبَةِ الْأُخْرَى وَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ عَلَى الْحُسَّرِ فَأَخَذُوا بَطْنَ الْوَادِي وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَتِيبَةٍ قَالَ فَنَظَرَ فَرَآنِي فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ لَا يَأْتِينِي إِلَّا أَنْصَارِيٌّ وَزَادَ غَيْرُ شَيْبَانَ فَقَالَ اهْتِفْ لِي بِالْأَنْصَارِ قَالَ فَأَطَافُوا بِهِ وَوَبَّشَتْ قُرَيْشٌ أَوْبَاشًا لَهَا وَأَتْبَاعًا فَقَالُوا نُقَدِّمُ هٰؤُلَاءِ فَإِنْ كَانَ لَهُمْ شَيْءٌ كُنَّا مَعَهُمْ وَإِنْ أُصِيبُوا أَعْطَيْنَا الَّذِي سُئِلْنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَوْنَ إِلَى أَوْبَاشِ قُرَيْشٍ وَأَتْبَاعِهِمْ ثُمَّ قَالَ بِيَدَيْهِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى ثُمَّ قَالَ حَتَّى تُوَافُونِي بِالصَّفَا قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَمَا شَاءَ أَحَدٌ مِنَّا أَنْ يَقْتُلَ أَحَدًا إِلَّا قَتَلَهُ وَمَا أَحَدٌ مِنْهُمْ يُوَجِّهُ إِلَيْنَا شَيْئًا قَالَ فَجَاءَ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُبِيحَتْ خَضْرَاءُ قُرَيْشٍ لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ ثُمَّ قَالَ مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ وَرَأْفَةٌ بِعَشِيرَتِهِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَجَاءَ الْوَحْيُ وَكَانَ إِذَا جَاءَ الْوَحْيُ لَا يَخْفَى عَلَيْنَا فَإِذَا جَاءَ فَلَيْسَ أَحَدٌ يَرْفَعُ طَرْفَهُ إِلَى رَسُولِ

تمہارے بارے میں ایک حدیث کی خبر نہ دوں؟ پھر حضرت ابوہریرہ نے فتح مکہ کا ذکر کیا اور بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ آپ نے ایک جانب حضرت زبیر کو بھیجا اور دوسری جانب حضرت خالد کو روانہ کیا، اور حضرت ابو عبیدہ کو ان کا سردار مقرر کیا جو زرہوں سے خالی تھے۔ وہ بطن الوادی سے گزرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے ایک حصہ میں تھے آپ نے مجھے دیکھا اور فرمایا: ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میرے پاس صرف انصاری آئے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا انصار کو میرے پاس بلاؤ، وہ سب آپ کے گرد جمع ہو گئے، اور قریش نے بھی اپنے مختلف اور تابعدار اکٹھے کر لیے اور کہا ہم ان لوگوں کو آگے بڑھاتے ہیں اگر ان کو کوئی فائدہ پہنچا تو ہم بھی اس میں شریک ہوں گے اور اگر گرفتار ہو گئے تو ہم سے جس چیز کا سوال کیا جائے گا ہم اس کو حوالے کر دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم قریش کی جماعتوں اور ان کے متبعین کو دیکھ رہے ہو پھر آپ نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر اشارہ کیا، (ان کو مارو) پھر فرمایا حتیٰ کہ تم مجھ سے صفا پر ملو۔ پھر ہم روانہ ہوئے اور ہم میں سے جو شخص کسی کو قتل کرنا چاہتا اس کو قتل کر دیتا اور ان کا کوئی شخص ہمارا مقابلہ نہیں کر پاتا تھا، اتنے میں ابوسفیان آئے اور کہا یا رسول اللہ! قریش کی جماعت ختم ہو رہی ہے اور آج کے بعد کوئی قریشی باقی نہیں رہے گا! آپ نے فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امان ہے۔ انصار نے آپس میں کہا حضور پر اپنے وطن اور اپنے قرابت داروں کی محبت غالب آگئی۔ پھر آپ پر وحی آئی اور جب آپ پر وحی آتی تو ہمیں پتا چل جاتا تھا اور جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو کوئی شخص آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يَنْقَضِيَ الْوَحْيُ فَلَمَّا انْقَضَى الْوَحْيُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، قَالُوْا لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ فَأَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِيْ قَرْيَتِهِ قَالُوْا قَدْ كَانَ ذَاكَ قَالَ كَلَّا إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ هَاجَرْتُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَيْكُمْ وَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ فَأَقْبَلُوْا إِلَيْهِ يَبْكُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ وَاللّٰهِ مَا قُلْنَا الَّذِيْ قُلْنَا إِلَّا الضِّنَّ بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ قَالَ فَأَقْبَلَ النَّاسُ إِلَى دَارِ أَبِيْ سُفْيَانَ وَأَغْلَقَ النَّاسُ أَبْوَابَهُمْ قَالَ وَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَقْبَلَ إِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ قَالَ فَأَتَى عَلَى صَنَمٍ إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَهُ قَالَ وَفِيْ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ وَهُوَ آخِذٌ بِسِيَةِ الْقَوْسِ فَلَمَّا أَتَى عَلَى الصَّنَمِ جَعَلَ يَطْعُنُهُ فِيْ عَيْنِهِ وَيَقُوْلُ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ أَتَى الصَّفَا فَعَلَا عَلَيْهِ حَتّٰى نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَحْمَدُ اللّٰهَ وَيَدْعُوْ بِمَا شَاءَ أَنْ يَدْعُوَ۔

۴۵۰۸ - وَحَدَّثَنِيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ هَاشِمٍ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ فِي الْحَدِيْثِ ثُمَّ قَالَ بِيَدَيْهِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى

سکتا تھا حتیٰ کہ وحی منقطع ہو جائے۔ جب وحی منقطع ہو گئی تو آپ نے فرمایا اے جماعت انصار! انھوں نے کہا لبیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم نے کہا تھا کہ اس شخص پر اپنے ہم وطنوں کی محبت غالب آگئی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔ انصار زار و قطار روتے ہوئے آپ کی طرف بڑھے اور کہا بخدا ہم نے جو کچھ کہا وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں کہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں، حضرت ابوہریرہ نے کہا پھر لوگ ابوسفیان کے گھر کی طرف چلے گئے اور لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور حجر اسود کے پاس پہنچے، آپ نے حجر اسود کی تعظیم کی اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا، پھر ایک بت کے پاس گئے جو بیت اللہ کی ایک جانب تھا جس کی قریش پرستش کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ایک کمان تھی جس کا آپ ایک کنارہ پکڑے ہوئے تھے، جب آپ اس بت کے پاس گئے تو آپ اس کی آنکھوں میں وہ کنارہ چبھونے لگے اور فرمانے لگے حق آگیا اور باطل چلا گیا، جب آپ طواف سے فارغ ہوئے تو صفا پر آئے اور اس پر چڑھ کر بیت اللہ پر نظر ڈالی اور دونوں ہاتھ بلند کئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی پھر جو چاہا دعا کرتے رہے۔

امام مسلم نے ایک اور سند سے بھی یہ حدیث روایت کی اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا انھیں کھیتی کی طرح کاٹ دو اور ایک حدیث میں ہے صحابہ نے

احصدوهم حصدا وقال في الحديث قالوا قلنا ذاك يا رسول الله قال فما اسمي إذا كلا إني عبد الله ورسوله.

۴۵۰۹ حدثني عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي حدثنا يحيى بن حسان حدثنا حماد بن سلمة أخبرنا ثابت عن عبد الله بن رباح قال وفدنا إلى معاوية بن أبي سفيان وفينا أبو هريرة فكان كل رجل منا يصنع طعاما يوما لأصحابه فكانت نوبتي فقلت يا أبا هريرة اليوم نوبتي فجاءوا إلى المنزل ولم يدرك طعامنا فقلت يا أبا هريرة لو حدثتنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يدرك طعامنا فقال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح فجعل خالد بن الوليد على المجنبة اليمنى وجعل الزبير على المجنبة اليسرى وجعل أبا عبيدة على البياذقة وبطن الوادي فقال يا أبا هريرة ادع لي الأنصار فدعوتهم فجاءوا يهرولون فقال يا معشر الأنصار هل ترون أوباش قريش قالوا نعم قال انظروا إذا لقيتموهم غدا أن تحصدوهم حصدا وأخفى بيده ووضع يمينه على شماله وقال موعدكم الصفا قال فما أشرف يومئذ لهم أحد إلا أناموه قال وصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم الصفا وجاءت الأنصار فأطافوا بالصفا فجاء أبو سفيان

کہا یا رسول اللہ! ہم نے یہ کہا ہے۔ آپ نے فرمایا میرا (نام) کیا ہے ہرگز نہیں، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

عبداللہ بن رباح بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس گئے، ہم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ہم میں سے ہر شخص ایک دن ساتھیوں کے لیے کھانا پکاتا تھا، جب میری باری آئی تو میں نے کہا اے ابوہریرہ آج میری باری ہے، سب لوگ میرے گھر آ گئے، اور ابھی ہمارا کھانا تیار نہیں ہوا تھا میں نے کہا اے ابوہریرہ! کاش آپ کھانا تیار ہونے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنائیں، حضرت ابوہریرہ نے کہا فتح مکہ کے دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو میمنہ پر، حضرت زبیر کو میسرہ پر اور حضرت ابوعبیدہ کو پیادوں پر مقرر کر کے وادی کے اندر روانہ کیا، پھر آپ نے فرمایا ابوہریرہ، انصار کو بلاؤ، میں نے انصار کو بلایا وہ دوڑتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت کیا تم قریش کے کمینے لوگوں کو دیکھ رہے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا ان کو دیکھو کل جب ان سے مقابلہ ہو تو ان کو (کھیتی کی طرح) کاٹ کر رکھ دینا، اور آپ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر اشارہ کیا۔ اب تم سے صفا پر ملاقات ہو گی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن ان کو جو آدمی بھی دکھائی دیا اس کو انھوں نے سلا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے، انصار آئے اور انھوں نے صفا کو گھیر لیا، پھر ابوسفیان آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! قریش کی جماعت ختم ہو گئی، آج کے بعد کوئی قریش نہیں رہے گا۔ ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُبِيدَتْ خَضْرَاءُ قُرَيْشٍ لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ قَالَ أَبُو سُفْيَانَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ أَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ أَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيرَتِهِ وَرَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ وَنَزَلَ الْوَحْيُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ أَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيرَتِهِ وَرَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ أَلَا فَمَا اسْمِي إِذًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ هَاجَرْتُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَيْكُمْ فَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ قَالُوا وَاللّٰهِ مَا قُلْنَا إِلَّا ضِنًّا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ قَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ.

داخل ہو جائے اس کو امان ہے، جو شخص ہتھیار پھینک دے گا اس کو امان ہے، جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کرے گا اس کو امان ہے، انصار نے کہا حضرت پر اپنے رشتہ داروں کی محبت اور اپنے وطن کی الفت غالب آگئی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی، آپ نے فرمایا تم نے یہ کہا تھا کہ اس شخص پر اپنے رشتہ داروں کی محبت اور اپنے وطن کی الفت غالب آگئی ہے تم جانتے ہو میرا نام کیا ہے؟ آپ نے تین بار فرمایا میں محمد ہوں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ اور میری موت تمہاری موت کے ساتھ ہے، انصار نے کہا بخدا ہم نے یہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں کہا تھا، آپ نے فرمایا اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تم کو معذور قرار دیتے ہیں۔

۴۵۱۰ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَبِي شَيْبَةَ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْكَعْبَةِ ثَلَاثُمِائَةٍ وَسِتُّونَ نُصُبًا فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ كَانَ بِيَدِهِ وَيَقُولُ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ. زَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ يَوْمَ الْفَتْحِ.

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، وہاں کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، آپ کے دست اقدس میں ایک لکڑی تھی، جو آپ بتوں کو چبھوتے تھے اور فرماتے تھے حق آگیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل جانے والی چیز ہے۔ حق آگیا، باطل نہ کسی چیز کو بناتا ہے نہ لوٹاتا ہے۔

۴۵۱۱ - وَحَدَّثَنَاهُ حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر

الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا الثَّوْرِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ إِلَى قَوْلِهِ زَهُوقًا وَلَمْ يَذْكُرِ الْآيَةَ الْأُخْرَى وَقَالَ بَدَلَ نُصُبًا صَنَمًا.

کلہ ہے، اس میں زھوقا کے بعد والی آیت نہیں ہے اور نصب کی جگہ صنم کا لفظ ہے۔

٢٥١٢ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَوَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّاءَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُطِيعٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا يُقْتَلُ قُرَشِيٌّ صَبْرًا بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

عبداللہ بن مطیع اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا آج کے بعد قیامت تک کسی قرشی کو باندھ کر قتل نہیں کیا جائے گا۔

٢٥١٣ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ قَالَ وَلَمْ يَكُنْ أَسْلَمَ أَحَدٌ مِنْ عُصَاةِ قُرَيْشٍ غَيْرُ مُطِيعٍ كَانَ اسْمُهُ الْعَاصِي فَسَمَّاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُطِيعًا.

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں ہے کہ قریش کے جن لوگوں کا نام عاصی تھا ان میں سے عاصی بن اسود کے سوا کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام مطیع رکھا۔

مکہ کے جنگ سے فتح ہونے پر دلائل اور دیگر فوائد

حدیث نمبر ۲۵۰۰ میں ہے "عبداللہ بن رباح بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص سب ساتھیوں کا کھانا پکاتا تھا" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب ساتھیوں کا جمع ہو کر کھانا کھانا مستحب ہے، اور یہ کہ آپس میں مل بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے غزوات اور دیگر احوال کا بیان کرنا اور سننا مستحب ہے اور یہ کہ سفر وغیرہ میں دینی امور میں گفتگو کرنا چاہیے تاکہ فضول باتوں اور ایک دوسرے کی غیبت وغیرہ سے محفوظ رہا جائے۔

اس حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے

اس حدیث سے امام شافعی اور ان کے موافقین نے اس پر استدلال کیا ہے کہ مکہ کے مکانات وغیرہ شخصی ملکیت ہوتے ہیں ان کو بیچنا اور ان کو کرایہ پر دینا جائز ہے، کیونکہ اس حدیث میں مکان کی حضرت ابوسفیان کی طرف اضافت کی ہے، اور آدمی کی طرف جب کسی چیز کی اضافت ہو تو اس کا تقاضا ملکیت ہوتا ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابوسفیان کی دل جوئی اور ان کے شرف اور فضیلت کا بیان ہے۔

اس حدیث میں ہے: انصار نے مکہ والوں کو امن دینے پر یہ کہا کہ حضور پر اپنے وطن اور وطن والوں کی محبت

غالب تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار صحابہ کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں حضور مکہ میں ہی سکونت اختیار نہ کر لیں اور مدینہ منورہ چھوڑ دیں، اس لیے انھوں نے جو کچھ کہا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مغلوب ہو کر کہا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے قول پر مطلع کر دیا اور آپ نے ان کے عذر کو قبول کر لیا اور آخر میں جو فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اس میں رسالت کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جہت رسالت سے آپ کو بذریعہ وحی مطلع کیا اور عبدیت کا ذکر اس لیے کیا کہ میں نے جو تم کو غیب کی خبر دی ہے اس سے تم کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جانا اور میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرنا جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا، میں ان تمام کمالات کے باوجود خدا نہیں ہوں، خدا کا بندہ ہوں۔

اس حدیث میں ہے: آپ نے کفار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "ان کو کھیتی کی طرح کاٹ دو" اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ مکہ مکرمہ جنگ سے فتح ہوا ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، جمہور فقہاء اور اہل سیرت نے یہ کہا ہے کہ مکہ جنگ سے فتح ہوا ہے، اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا ہے، اور امام مازری نے یہ کہا ہے کہ امام شافعی اس قول میں منفرد ہیں، اور جمہور فقہاء کا استدلال اس حدیث سے ہے، نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہتھیار پھینک دیے اس کو امان ہے، اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اس کو امان ہے، اگر مکہ صلح سے فتح ہوا ہوتا اور جنگ نہیں ہوئی تھی تو پھر کسی کو امان دینے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ام ہانی نے دو ایسے شخصوں کو امان دی جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ قتل کرنا چاہتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو تم نے امان دی اس کو ہم نے امان دی، اگر سب کو امان ہوتی اور مکہ صلح سے فتح ہوا ہوتا تو حضرت علی ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیوں کرتے! اور عام امان کے حصول کے بعد ان کو حضرت ام ہانی کی امان کی کیا ضرورت پیش آئی؟

امام شافعی نے ان احادیث کی تاویلات کی ہیں کہ مکہ کے جن کفار نے لڑائی کی ان کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور حضرت ام ہانی نے مزید حفاظت کے لیے امان حاصل کی، لیکن یہ تاویلات ضعیف ہیں، اگر کسی حدیث میں عام صلح کا ذکر ہوتا تو ان تاویلات کی گنجائش تھی، اس کے برخلاف صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو حرم قرار دیا اور فرمایا اس شہر میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگ کی تھی اس سے استدلال نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ نے اپنے رسول کو ایک ساعت کے لیے جنگ کی اجازت دی تھی اور تمہیں مکہ میں جنگ کی اجازت نہیں دی۔ [1]

برا نام بدل دینا

اس حدیث میں ہے: قریش میں سے جن لوگوں کا نام عاص تھا ان میں سے عاص بن اسود کے سوا اور کوئی مسلمان نہیں ہوا، قاضی عیاض نے کہا ہے یہ عاص کا سلسلہ اسلام میں ہے، یعنی جن لوگوں کا نام عاص تھا جیسے عاص بن وائل سہمی، عاص بن ہشام ابوالبختری، عاص بن سعید بن عاص بن امیہ، عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی اور عاص بن منبہ بن حجاج وغیرہ ان میں سے کسی نے اسلام نہیں قبول کیا۔ البتہ عاص بن اسود عدوی نے اسلام

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

قبول کر لیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام تبدیل کر کے مطیع رکھا۔ راوی نے ابوجندل بن سہیل بن عمرو کا ذکر کر کے وہاں ان کا نام بھی عاصی تھا اور العاص نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن ان کے نام پر ان کی کنیت کا غلبہ تھا اس وجہ سے راوی نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عاصی نام نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ اس کا معنی ہے نافرمانی کرنے والا، اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصی بن اسود کا نام تبدیل کر کے مطیع رکھا، مطیع کا معنی ہے اطاعت کرنے والا۔ اسی طرح پرویز نام نہیں رکھنا چاہیے پرویز وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک چاک کر دیا تھا، پھر چودہویں صدی میں غلام احمد پرویز نام کا شخص گزرا یہ بھی پرویز کے لقب سے مشہور تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حجیت کا انکار کیا۔ الغرض جس نام میں کوئی شرعی قبح ہو وہ نام نہیں رکھنا چاہیے۔ کتاب الادب میں ان شاء اللہ اس کی زیادہ تفصیل آئے گی۔

بَابُ صُلْحِ الْحُدَيْبِيَةِ

صلح حدیبیہ کا بیان

۴۵۱۴۔ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ كَتَبَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ الصُّلْحَ بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ فَكَتَبَ هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ فَقَالُوا لَا تَكْتُبْ رَسُولُ اللهِ فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ لَمْ نُقَاتِلْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ امْحُهُ فَقَالَ مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ قَالَ وَكَانَ فِيمَا اشْتَرَطُوا أَنْ يَدْخُلُوا مَكَّةَ فَيُقِيمُوا بِهَا ثَلَاثًا وَلَا يَدْخُلَهَا بِسِلَاحٍ إِلَّا جُلُبَّانَ السِّلَاحِ قُلْتُ لِأَبِي إِسْحٰقَ وَمَا جُلُبَّانُ السِّلَاحِ قَالَ الْقِرَابُ وَمَا فِيهِ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن حضرت علی بن ابی طالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح نامہ لکھا، انہوں نے لکھا: یہ وہ معاہدہ ہے جس کو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لکھا، قریش نے کہا رسول اللہ مت لکھو، اگر ہم کو علم (یقین) ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے جنگ نہ کرتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس لفظ کو مٹا دو، انہوں نے کہا میں اس لفظ کو مٹانے والا نہیں ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے اس لفظ کو مٹا دیا۔ حضرت براء کہتے ہیں قریش نے جو شرطیں عائد کی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان مکہ میں داخل ہو کر صرف تین دن ٹھہریں اور ہتھیار لے کر نہ آئیں، البتہ ہتھیاروں کو غلاف میں بند کر کے لا سکتے ہیں۔

۴۵۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے

ابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ لَمَّا صَالَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ الْحُدَيْبِيَةِ كَتَبَ عَلِيٌّ كِتَابًا بَيْنَهُمْ قَالَ فَكَتَبَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ ثُمَّ ذَكَرَ بِنَحْوِ حَدِيثِ مُعَاذٍ غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ فِي الْحَدِيثِ هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ.

ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حدیبیہ سے صلح کی تو حضرت علی نے صلح نامہ لکھا، اور لکھا محمد رسول اللہ، یہ بھی حسب سابق حدیث ہے لیکن اس میں هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ کے الفاظ نہیں ہیں۔

۴۵۱۶ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ جَنَابٍ الْمِصِّيصِيُّ جَمِيعًا عَنْ عِيسَى بْنِ يُونُسَ وَاللَّفْظُ لِإِسْحٰقَ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ أَخْبَرَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا أُحْصِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْبَيْتِ صَالَحَهُ أَهْلُ مَكَّةَ عَلَى أَنْ يَدْخُلَهَا فَيُقِيمَ بِهَا ثَلَاثًا وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ السَّيْفِ وَقِرَابِهِ وَلَا يَخْرُجَ بِأَحَدٍ مَعَهُ مِنْ أَهْلِهَا وَلَا يَمْنَعَ أَحَدًا يَمْكُثُ بِهَا مِمَّنْ كَانَ مَعَهُ قَالَ لِعَلِيٍّ اكْتُبِ الشَّرْطَ بَيْنَنَا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ هٰذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ الْمُشْرِكُونَ لَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ تَابَعْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَأَمَرَ عَلِيًّا أَنْ يَمْحَاهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَا وَاللّٰهِ لَا أَمْحَاهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرِنِي مَكَانَهَا فَأَرَاهُ مَكَانَهَا فَمَحَاهَا وَكَتَبَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ فَأَقَامَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ قَالُوا لِعَلِيٍّ هٰذَا آخِرُ يَوْمٍ مِنْ شَرْطِ صَاحِبِكَ فَأْمُرْهُ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہونے سے روک دیے گئے تو اہل مکہ نے آپ سے اس شرط پر صلح کی کہ آپ مکہ میں صرف تین دن ٹھہریں اور مکہ میں ہتھیار لے کر نہ داخل ہوں، البتہ تلواریں غلاف کے ساتھ میانوں میں رکھ کر جا سکتے ہیں اور اہل مکہ میں سے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے کر نہ جائیں، اور جو شخص آپ کے ساتھ ہو اور مکہ میں رہنا چاہے، آپ اس کو مکہ میں رہنے سے منع نہ کریں، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہمارے درمیان یہ شرائط لکھو، بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ کیا، اس پر مشرکین نے آپ سے کہا، اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی پیروی کر لیتے! البتہ آپ محمد بن عبد اللہ لکھیے، آپ نے حضرت علی کو اس لفظ کے مٹانے کا حکم دیا، حضرت علی نے کہا، نہیں خدا کی قسم میں اس لفظ کو نہیں مٹاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس لفظ کی جگہ دکھاؤ حضرت علی نے وہ جگہ دکھائی، آپ نے وہ لفظ مٹا دیا اور ابن عبد اللہ لکھ دیا، پھر آپ نے مکہ میں تین دن قیام کیا، جب تیسرا دن ہوا تو قریش نے حضرت علی سے کہا یہ تمہارے صاحب (نبی) کی شرط کا آخری دن ہے ان کو روانگی کے لیے کہو، حضرت علی نے آپ کو یہ پیغام پہنچایا، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اور روانہ ہو

فَلْيَخْرُجْ فَأَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ فَخَرَجَ وَقَالَ ابْنُ جَنَابٍ فِي رِوَايَتِهِ مَكَانَ تَابَعْنَاكَ بَايَعْنَاكَ۔

گئے ایک روایت میں تابعناک کی جگہ بایعناک کا لفظ ہے۔

۴۵۱۷ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ سُهَيْلُ ابْنُ عَمْرٍو فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ اكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ قَالَ سُهَيْلٌ أَمَّا بِاسْمِ اللّٰهِ فَمَا نَدْرِي مَا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَلٰكِنِ اكْتُبْ مَا نَعْرِفُ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ فَقَالَ اكْتُبْ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ قَالُوا لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ لَاتَّبَعْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبِ اسْمَكَ وَاسْمَ أَبِيكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اكْتُبْ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ فَاشْتَرَطُوا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مَنْ جَاءَ مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكُمْ وَمَنْ جَاءَكُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوهُ عَلَيْنَا فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَكْتُبُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم، سہیل نے اعتراض کیا بسم اللہ کو تو ہم نہیں جانتے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کیا ہے، البتہ ہمارے ہاں باسمک اللہم معروف ہے وہ لکھو، آپ نے فرمایا لکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے، کفار قریش نے کہا اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی ضرور پیروی کر لیتے، لیکن آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو محمد بن عبد اللہ کی جانب سے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط طے کی، جو شخص تمہارے پاس سے آئے گا ہم اس کو تمہیں واپس نہیں کریں گے، اور ہمارا جو شخص تمہارے پاس جائے گا وہ تم کو ہمیں واپس کرنا ہوگا، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس شرط کو لکھیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ہم میں سے جو شخص ان کے پاس جائے گا، اللہ اس کو ہم سے دور کر چکا ہے، اور ان کا جو شخص ہمارے پاس آئے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے لیے فراخی اور کشادگی پیدا کر دے گا۔

۴۵۱۸ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ وَتَقَارَبَا فِي اللَّفْظِ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ سِيَاهٍ حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَامَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ يَوْمَ صِفِّينَ فَقَالَ

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ جنگ صفین کے دن حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے: اے لوگو! اپنے آپ کو قصور وار قرار دو، ہم حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اگر ہم جنگ کرنا چاہتے تو ضرور جنگ کرتے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان صلح کا

أَيُّهَا النَّاسُ اتَّهِمُوا أَنْفُسَكُمْ لَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَلَوْ نَرَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا وَذٰلِكَ فِي الصُّلْحِ الَّذِي كَانَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَأَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَسْنَا عَلَى حَقٍّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ قَالَ بَلَى قَالَ أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ قَالَ بَلَى قَالَ فَفِيمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا وَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمِ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنِّي رَسُولُ اللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللهُ أَبَدًا قَالَ فَانْطَلَقَ عُمَرُ فَلَمْ يَصْبِرْ مُتَغَيِّظًا فَأَتَى أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَسْنَا عَلَى حَقٍّ وَهُمْ عَلَى بَاطِلٍ قَالَ بَلَى قَالَ أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ قَالَ بَلَى قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا وَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمِ اللهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنَّهُ رَسُولُ اللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللهُ أَبَدًا قَالَ فَنَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْفَتْحِ فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ فَأَقْرَأَهُ إِيَّاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَوَفَتْحٌ هُوَ قَالَ نَعَمْ فَطَابَتْ نَفْسُهُ وَرَجَعَ۔

ذکر ہے، حضرت عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! کیا ہم حق پر اور یہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، کہا کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں! کہا پھر ہم اپنے دین میں جھکنا کیوں قبول کریں؟ اور واپس لوٹ جائیں، حالانکہ ابھی تک اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی حکم صادر نہیں فرمایا، آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ یہ سن کر حضرت عمر چلے گئے، اور ان سے غم و غصہ ضبط نہیں ہو سکا، وہ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے ابوبکر! کیا ہم حق پر اور یہ باطل پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! کہا کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہیں؟ کہا کیوں نہیں! کہا پھر ہم اپنے دین میں جھکنا کیوں قبول کریں؟ (یعنی دب کر صلح کیوں مانیں) اور ابھی تک اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان کوئی حکم صادر نہیں فرمایا، حضرت ابوبکر نے فرمایا: اے ابن الخطاب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کی سورۂ فتح کی آیات نازل ہوئیں، پھر آپ نے حضرت عمر کو بلایا اور ان کو یہ سورت پڑھائی۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا ہاں! پھر وہ خوش ہو کر لوٹ آئے۔

۴۵۱۹ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَقُولُ بِصِفِّينَ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ وَاللهِ

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے دن کہہ رہے تھے، اے لوگو! اپنی رائے کی غلطی مان لو! بخدا اگر تم مجھے ابو جندل کے دن دیکھتے (یعنی جس دن حضور نے معاہدہ کی رو سے ابو جندل کو مشرکین کی طرف لوٹا دیا تھا حالانکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جانا چاہتے

لَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَنِّي أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَرَدَدْتُهُ وَاللَّهِ مَا وَضَعْنَا سُيُوفَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا إِلَى أَمْرٍ قَطُّ إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ إِلَّا أَمْرَكُمْ هَذَا لَمْ يَذْكُرِ ابْنُ نُمَيْرٍ إِلَى أَمْرٍ قَطُّ۔

تھے) اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مسترد کرنے کی استطاعت رکھتا تو اس دن آپ کا حکم مسترد کر دیتا۔ ہم نے اپنی تلواریں اس وقت اٹھائی ہیں جب ان سے کوئی امر درست مقصود تھا، البتہ تم نے جو آپس میں جنگ شروع کر رکھی ہے.....

۴۵۲۰- وَحَدَّثَنَاهُ عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ جَمِيعًا عَنْ جَرِيرٍ ح وَحَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِهِمَا إِلَى أَمْرٍ يُفْظِعُنَا۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں ہے الی امر یفظعنا۔

۴۵۲۱- وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ بِصِفِّينَ يَقُولُ اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَتَحْنَا مِنْهُ فِي خُصْمٍ إِلَّا انْفَجَرَ عَلَيْنَا مِنْهُ خُصْمٌ۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے دن فرمایا: اے لوگو تم اس دینی مسئلہ میں اپنی خطا تسلیم کر لو کیونکہ میں نے ابو جندل کے دن دیکھا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مسترد کر سکتا تو اس دن رد کر دیتا تمہاری رائے ایسی ہے کہ جب ہم اس کا ایک کونہ کھولتے ہیں تو اس کا دوسرا کونہ خود بخود کھل جاتا ہے۔

۴۵۲۲- وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ إِلَى قَوْلِهِ فَوْزًا عَظِيمًا مَرْجِعَهُ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ وَهُمْ يُخَالِطُهُمُ الْحُزْنُ وَالْكَآبَةُ وَقَدْ نَحَرَ الْهَدْيَ بِالْحُدَيْبِيَةِ فَقَالَ لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آيَةٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی انا فتحنا لك فتحا مبينا ليغفر لك الله۔
اس وقت آپ حدیبیہ سے لوٹ کر آ رہے تھے، اور صحابہ کرام کو بہت حزن و ملال تھا، آپ نے حدیبیہ میں ایک اونٹ ذبح کیا اور فرمایا مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔

هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا.

۴۵۲۳ ـ وَحَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضْرِ التَّيْمِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ جَمِيعًا عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ.

امام مسلم نے ایک اور سند کے ساتھ اس حدیث کو حضرت انس سے روایت کیا ہے۔

حدیبیہ کا جغرافیائی محل وقوع اور تاریخ

علامہ حموی لکھتے ہیں: حدیبیہ میں دال پر تشدید بھی ہے اور تخفیف بھی، امام شافعی سے منقول ہے کہ حدیبیہ میں دال پر تشدید ہے اور جعرانہ میں راء پر تخفیف ہے، اور جس نے حدیبیہ کو دال کی تخفیف سے پڑھا اس نے خطا کی، ایک قول یہ ہے کہ دونوں طرح صحیح ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اہل مدینہ دال پر تشدید پڑھتے ہیں اور اہل عراق تخفیف۔

حدیبیہ ایک متوسط بستی ہے، یہاں حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا یا اس درخت کے پاس تھا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت رضوان لی تھی۔ یہ مکہ مکرمہ سے ایک مرحلہ (ایک دن کی مسافت) پر ہے، اور مدینہ منورہ سے نو مرحلہ پر ہے۔ حدیث میں ہے، حدیبیہ ایک کنواں ہے، اس کا بعض حصہ حرم ہے اور بعض خارج از حرم ہے۔ اور حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک تمام حدیبیہ حرم ہے۔ ہجرت نبوی کے ساڑھے پانچ سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ حدیبیہ کیا تھا۔ [1]

ادب حکم پر مقدم ہے یا حکم ادب پر؟

حدیث نمبر ۴۵۱۲ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹنے کے لیے فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں ان الفاظ کو کاٹنے والا نہیں ہوں!" علامہ نووی لکھتے ہیں حضرت علی نے جو کچھ کیا یہ ادب مستحب ہے، کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو کاٹ دینے کا وجوباً حکم نہیں دیا اور اگر آپ یہ وجوباً حکم دیتے تو حضرت علی سے آپ کا حکم عدولی ممکن نہ تھی۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے قول کو برقرار رکھا، اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کتابت کی غلطی سے "محمد رسول اللہ" لکھا گیا یعنی لکھنا کچھ اور چاہیے تھا اور لکھا یہ لفظ تو اس لفظ کو کاٹنا جائز ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں "الامر فوق الادب" یعنی حکم ادب پر مقدم ہے، جیسا کہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نماز پڑھا رہے تھے اور اثنائے نماز میں حضور تشریف لے آئے اور انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا تو حضور نے اشارہ فرمایا نماز پڑھاتے رہو، تو حضرت عبدالرحمن

---

[1] علامہ شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ، معجم البلدان ج ۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۹ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

ہی طرف نماز پڑھا رہے تھے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں الادب فوق امتثال الامر "ادب حکم پر مقدم ہے" جس طرح ایسے ہی ایک موقع پر حضرت ابوبکر کے نماز پڑھانے کے دوران جب حضور تشریف لے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود حضرت ابوبکر پیچھے آگئے، نماز کے بعد جب آپ نے پوچھا جب میں نے حکم دیا تھا کہ نماز پڑھاتے رہو تو تم پیچھے کیوں ہٹے؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا: ابو قحافہ کے بیٹے کے یہ لائق نہیں ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے وہ نماز پڑھائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نے آپ کے حکم پر عمل کرنے کے بجائے آپ کے ادب اور آپ کی تعظیم کرنے کو مقدم رکھا۔ اور حضرت علی نے بھی ایسا ہی کیا، تاہم مقامات مختلف ہوتے ہیں بعض جگہ ادب کو مقدم کرنا افضل ہوتا ہے اور بعض جگہ حکم پر عمل کرنا اور اس کو مقدم کرنا افضل ہوتا ہے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا اور پڑھنا آپ کے اُمّی ہونے کے منافی ہے؟

حدیث نمبر ۴۵۱۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: وہ جگہ دکھاؤ پھر آپ نے وہ لفظ مٹا دیا اور ابن عبداللہ لکھ دیا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض علماء نے ان الفاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر استدلال کیا ہے، امام بخاری نے بھی ابواسحاق سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب لیا اور لکھا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں آپ اچھا نہیں لکھتے تھے (یعنی لکھنے کے ماہر نہیں تھے) سو آپ نے لکھا، ان علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر لکھائی کو جاری کر دیا یا آپ کی بے خبری میں قلم نے آپ کے ہاتھ سے لکھ دیا یا جس وقت آپ نے لکھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے کا علم دے دیا اور یہ آپ کے معجزہ میں زیادتی ہے، کیونکہ آپ امّی تھے (کسی سے پڑھنا لکھنا سیکھا نہ تھا) پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان چیزوں کا علم دیا جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور ان چیزوں کو پڑھایا جن کو آپ نہیں پڑھتے تھے اور ان چیزوں کی تلاوت کی جن کی پہلے تلاوت نہ کی تھی، اسی طرح آپ لکھتے نہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے کا علم دیا اور اعلان نبوت کے بعد آپ نے تحریر لکھی۔ ان علماء نے کہا ہے کہ لکھنا آپ کے امّی ہونے کے منافی نہیں ہے اور انہوں نے اس مسئلہ میں متعدد آثار سے استدلال کیا ہے۔ شعبی اور بعض اسلاف سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے لکھا ہے، قاضی عیاض لکھتے ہیں: علامہ باجی بھی آپ کے لکھنے کے جواز کے قائل ہیں اور علامہ سمنانی نے اس کو ابوذر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

اکثر علماء آپ کے لکھنے کے قائل نہیں ہیں اور یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امّی ہونا آپ کے لکھنے کے منافی ہے، اور قرآن مجید میں ہے "وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک" اس سے پہلے نہ آپ کوئی کتاب تلاوت کرتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب — ہم امّی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں، اور اس حدیث میں کتب کا معنی ہے امر بالکتابۃ یعنی لکھنے کا حکم دیا، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری روایت میں ہے آپ نے حضرت علی سے فرمایا محمد بن عبداللہ لکھو۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جو علماء آپ کے لکھنے کے قائل ہیں انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ کی تعلیم سے پہلے آپ نے لکھا نہ پڑھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (من قبلہ) کی قید لگائی ہے، سو جس طرح تعلیم الٰہی سے

پڑھنا جائز ہے (تلاوت کرنا) اسی طرح تعلیم الٰہی سے لکھنا بھی جائز ہے اور یہ آپ کے امی ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ آپ کا نفسِ امی ہونا معجزہ نہیں ہے بلکہ معجزہ یہ ہے کہ باوجود امی ہونے کے پڑھا اور لکھا) پھر آپ پر قرآن مجید نازل ہوا اور آپ نے وہ علوم بیان کیے جن کو لوگ نہیں جانتے تھے اور یہ بخاری کی روایت "ولا یحسن ان یکتب فکتب" آپ کے لکھنے پر نص صریح ہے اور اس کو لکھنے کے حکم دینے پر محمول کرنا مجاز ہے اور بلا ضرورت حقیقت کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا۔[1]

امی کے معنی کی تحقیق

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے امی کا لفظ دو جگہ مستعمل ہوا ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی (الاعراف: ۱۵۷)
جو لوگ اس رسول، نبی امی کی پیروی کریں۔

فأمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی (الاعراف: ۱۵۸)
اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

ومنہم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی۔ (بقرہ: ۷۸)
اور ان میں بعض لوگ ان پڑھ ہیں جو زبان سے لفظوں کو پڑھنے کے سوا اللہ کی کتاب (کے معانی) کا کچھ علم نہیں رکھتے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ہو الذی بعث فی الامیین رسولا منہم۔ (جمعہ: ۲)
جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

ان کے علاوہ سورت آل عمران میں دو جگہ (۲۰، ۷۵) امیین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے لیے امی کا لفظ استعمال کیا ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الحدیث [2]
ہم اہل عرب امی لوگ ہیں، لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں۔

اس حدیث کو امام مسلم[3]، امام ابو داؤد[4] اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔[5]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
[3] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[4] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۱۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳، ۱۲۲، ۵۲، ۱۲۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

اُمّی کے معنی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

اُمّی وہ شخص ہے جو نہ لکھتا ہو اور نہ کتاب سے دیکھ کر پڑھتا ہو، اس آیت میں اُمّی کا یہی معنی ہے: ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم۔ قطرب نے کہا اُمیّۃ کے معنی غفلت اور جہالت ہیں سو اُمّی کا معنی قلیل المعرفۃ ہیں، اسی معنی میں یہ آیت ہے: ومنھم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی۔ یعنی وہ اُمّی ہیں جب تک ان پر تلاوت نہ کی جائے وہ کتاب نہیں جانتے۔ فراء نے کہا: یہ وہ عرب لوگ ہیں جن کے پاس کتاب نہ تھی اور قرآن مجید میں ہے: والنبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی اس لیے فرمایا ہے کہ آپ امیین کے نبی تھے، ایک قول یہ ہے کہ آپ کو اُمّی اس لیے فرمایا کہ آپ لکھتے تھے نہ کتاب سے پڑھتے تھے، اور یہ آپ کی فضیلت ہے کیونکہ آپ حفظ کرنے سے مستغنی تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر اعتماد تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سنقرئک فلا تنسیٰ۔ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ نہیں بھولیں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو اُمّی اس لیے فرمایا کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ [1]

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے: انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب۔ "ہم اُمّی عرب لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں" آپ کی مراد یہ تھی کہ ہم اسی طرح ہیں جس طرح اپنی ماؤں سے پیدا ہوئے تھے، گویا جبلت اصل پر ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اُمّی وہ ہے جو لکھتا نہ ہو۔ نیز حدیث میں ہے: بعثت الی امۃ امیۃ "میں اُمّی امت کی طرف بھیجا گیا ہوں" یہاں اُمّی سے عرب مراد ہیں، کیونکہ عرب میں لکھنا بالکل نہ تھا یا بہت کم تھا۔ [2]

علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

اُمّی اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھتا نہ ہو، زجاج نے کہا ہے اُمّی وہ شخص ہے جو اپنی پیدائش اور جبلت کے مطابق ہو اور اس نے کتاب کا علم نہ حاصل کیا ہو، ابو اسحاق نے کہا اُمّی کا معنی ہے جو اس چیز کی طرف منسوب ہو جس پر وہ اپنی ماں سے پیدا ہوا، یعنی لکھنا نہ جانتا ہو، تو وہ اپنے نہ لکھنے میں اُمّی ہے کیونکہ لکھنا کسبی ہے اور اُمّی اپنے حال ولادت پر ہوتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی کہا گیا ہے کیونکہ عرب کی قوم لکھتی تھی نہ کتاب کو پڑھتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا درآں حالیکہ آپ لکھتے تھے نہ کتاب سے پڑھتے تھے، اور یہ صفت آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، کیونکہ آپ نے بار بار قرآن مجید کی آیات کو پڑھا اور اس کے الفاظ میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا، حالانکہ عرب کے خطباء جب فی البدیہہ کوئی خطبہ پڑھتے تھے تو اس کو دوبارہ دہراتے وقت وہ اس میں کوئی نہ کوئی کمی یا زیادتی کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن مجید اسی طرح یاد کرایا جس طرح اس کو آپ پر نازل کیا تھا اور اس طرح آپ کو سب خطباء سے ممتاز اور الگ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون۔ "آپ اس سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے (اگر ایسا ہوتا تو)

---

[1] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۲۲۔۲۳، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ

[2] علامہ مجد الدین ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ، نہایہ ج ۱ ص ۶۸، مطبوعہ مؤسسہ اسماعیلیان ۱۳۶۴ھ

کفار شک میں پڑ جاتے اور کہتے کہ آپ جو مضامین بیان کرتے ہیں وہ آپ نے کسی کتاب میں پڑھے ہوں گے۔ [۱]

علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

قاموس میں ہے: امی وہ شخص ہے جو لکھتا نہ ہو یا اپنی ماں سے پیدائش کے حال پر باقی ہو، اور امی غبی اور قلیل الکلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ زبیدی لکھتے ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو امی اس لیے کہا جاتا ہے کہ عرب قوم لکھنے کو نہیں جانتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا درآں حالیکہ آپ لکھتے تھے نہ کتاب کو پڑھتے تھے اور یہ آپ کا معجزہ ہے، کیونکہ آپ نے بغیر کسی تغیر اور تبدل کے بار بار قرآن مجید کو پڑھا، قرآن مجید میں ہے: وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب الآیۃ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے احادیث رافعی کی تخریج میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھنے اور شعر کہنے کو حرام کر دیا گیا تھا، یہ اس وقت ہے جب آپ شعر کہنے اور لکھنے کا ارادہ فرماتے، یا جس طرح بعد میں شعر کہا جاتا ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہر چند کہ آپ کو شعر اور خط میں مہارت تو نہیں تھی لیکن آپ اچھے اور برے شعر میں تمیز رکھتے تھے۔ اور بعض علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ پہلے آپ لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن بعد میں آپ نے لکھنا جان لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وما کنت تتلوا من قبلہ الآیۃ "آپ اس سے پہلے نہ کسی کتاب کو پڑھتے تھے نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے" اور "اس سے پہلے" کی قید کا یہ معنی ہے کہ بعد میں آپ نے اس کو جان لیا، کیونکہ آپ کا پہلے نہ جاننا تو معجزہ کے سبب سے تھا اور جب اسلام پھیل گیا اور لوگوں کے شکوک کا خطرہ نہ رہا تو پھر آپ نے اس کو جان لیا، اور امام ابن ابی شیبہ اور دیگر محدثین نے مجاہد سے روایت کیا ہے: ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کتب وقرأ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک کہ آپ نے لکھ نہیں لیا اور پڑھ نہیں لیا" اور مجاہد نے شعبی سے کہا اس آیت میں اس کے خلاف نہیں ہے۔ ابن دحیہ نے کہا کہ علامہ ابو ذر، علامہ ابو الفتح نیشاپوری اور علامہ باجی مالکی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علامہ باجی نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، بعض افریقی علماء نے بھی علامہ باجی کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ امی ہونے کے بعد لکھنے کو جان لینا معجزہ کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ آپ کا دوسرا معجزہ ہے، کیونکہ بغیر کسی انسان کے سکھائے کتاب کو پڑھنا اور لکھنا بھی معجزہ ہے، ابو محمد بن مفوز نے علامہ باجی کی کتاب کا رد لکھا ہے اور علامہ سمنانی وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ بغیر علم کے لکھتے تھے، جیسے بعض ان پڑھ بادشاہ بعض حروف لکھ لیتے ہیں حالانکہ ان کو حروف کی تمیز اور شناخت نہیں ہوتی۔ [۲]

امی کے معنی کے متعلق مفسرین کی آراء

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

امی امت امیہ کی طرف منسوب ہے، یہ ابن عزیز کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، نہ لکھتے تھے نہ کتاب کو پڑھتے تھے اور نہ گنتی کرتے تھے، قرآن مجید میں ہے: وما کنت تتلوا من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اور حدیث صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اہل عرب امی

۱۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب جلد ۱۲، نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

۲۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۸ ص ۱۹۱، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ

لوگ ہیں لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں اور نحاس نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے تھے۔ [1]

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

زجاج نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امی اس لیے کہا ہے کہ آپ امت عرب کی طرف منسوب ہیں جس کے اکثر افراد لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہم امی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ گنتی کرتے ہیں۔ امام باقر نے کہا ہے کہ آپ ام القریٰ یعنی مکہ کے رہنے والے تھے اس لیے آپ کو امی فرمایا، یا آپ اپنی ام (ماں) کی طرف منسوب تھے یعنی آپ اسی حالت پر تھے جس حالت پر اپنی ماں سے پیدا ہوئے تھے، آپ کا یہ وصف اس تعبیر کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنی پیدائشی حالت پر تمام زندگی (کسی سے پڑھنا، لکھنا نہ سیکھنے) کے باوجود اس قدر علم رکھتے تھے سو یہ آپ کا معجزہ ہے امی کا لفظ صرف آپ کے حق میں مدح ہے اور باقی کسی کے لیے ان پڑھ ہونا باعث فضیلت نہیں ہے، جیسا کہ تکبر کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے باعث مدح ہے اور دوسروں کے حق میں باعث مذمت ہے۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی وقت لکھنے کا صدور ہوا ہے یا نہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے صلح نامہ لکھا اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور احادیث ظاہرہ کا بھی یہی تقاضا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے بالکل نہیں لکھا اور آپ کی طرف لکھنے کی نسبت مجاز ہے، اور بعض اہل بیت سے روایت ہے کہ آپ لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھ کر پڑھتے تھے لیکن اس روایت کی کوئی معتمد سند نہیں ہے، ہاں ابو الشیخ نے اپنی سند کے ساتھ عتبہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک فوت نہیں ہوئے جب تک آپ نے پڑھا اور لکھا نہیں، شعبی نے اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ [2]

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

امی کے معنی یہ ہیں جیسے آدمی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے کہ کسی کا شاگرد نہیں ہوتا آپ نے عمر بھر کسی کی شاگردی نوشت و خواند میں نہیں کی اور پھر یہ علوم عالیہ اور حقائق نافعہ ظاہر فرمانے یہ کتنا بڑا کمال ہے الخ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور پڑھنے پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما كنت تتلو من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون۔

اور (اس) کتاب کے نزول سے پہلے آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا

---

1. علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۷ ص ۲۹۸-۲۹۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ
2. علامہ ابو الفضل شہاب الدین آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۹ ص ۷۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
3. شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، بیان القرآن ج ۱ ص ۳۵۱، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

(عنکبوت: ۴۸) ہوتا تو باطل پرستوں کو شبہ پڑ جاتا۔

اس آیت کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی استاذ سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، قریش مکہ کے سامنے آپ کی پوری زندگی تھی، آپ کے اہل وطن اور رشتہ داروں کے سامنے، روز پیدائش سے اعلان نبوت تک آپ کی ساری زندگی گزری اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ نے کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ قلم ہاتھ میں لیا اور یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آسمانی کتابوں کی تعلیمات، گزشتہ انبیاء و رسل کے حالات، قدیم مذاہب کے عقائد، تاریخ، تمدن، اخلاق اور عمرانی اور معاشی زندگی کے جن اہم مسائل کو یہ اُمّی شخص انتہائی فصیح و بلیغ زبان سے بیان کر رہے ہیں اس کا وحی الٰہی کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہو سکتا۔ اگر انہوں نے کسی مکتب میں تعلیم پائی ہوتی اور گزشتہ مذاہب اور تاریخ کو پڑھا ہوتا تو پھر اس شبہ کی بنیاد ہو سکتی تھی کہ جو کچھ یہ بیان کر رہے ہیں وہ طویل ان کا حاصل مطالعہ ہے ہر چند کہ کوئی پڑھا لکھا انسان بلکہ دنیا کے تمام پڑھے لکھے آدمی مل کر اور تمام علمی وسائل بروئے کار لا کر بھی ایسی بے نظیر کتاب تیار نہیں کر سکتے۔ تاہم اگر آپ نے اعلان نبوت سے پہلے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار کیا ہوتا تو معترضین کو ایک بات بنانے کا موقع ہاتھ آ جاتا لیکن جب آپ کا اُمّی ہونا فریق مخالف کو بھی تسلیم تھا تو اس مزعومہ شبہ کی بھی جڑ کٹ گئی۔ اور یوں کہئے کہ ضدی اور معاند لوگ پھر بھی یہ کہتے تھے:

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها فهی تملی علیه بکرة واصیلا۔ (فرقان: ۵)

اور انہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے لکھے ہوئے قصے ہیں جو اس (رسول) نے لکھوا لیے ہیں سو وہ صبح و شام اس پر پڑھے جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے کی قید سے مقید کیا ہے اور یہی مقصود ہے کیونکہ اگر اعلان نبوت اور نزول قرآن سے پہلے آپ کا لکھنا پڑھنا ثابت ہوتا تو اس شبہ کی راہ نکل سکتی تھی اور اس آیت سے آپ کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے پر استدلال نہ ہو سکتا۔ اور اس قید لگانے کا یہ تقاضا ہے کہ اعلان نبوت کے بعد آپ سے لکھنے اور پڑھنے کا صدور ہو سکتا ہے اور بعد میں آپ کا لکھنا اور پڑھنا اس استدلال کے منافی نہیں ہے۔

علامہ آلوسی نے بعض اجلہ علماء کا یہ قول نقل کیا ہے:

یفهم من ذلک انه علیه الصلوٰة والسلام کان قادرا علی التلاوة والخط بعد انزال الکتاب ولولا هذا الاعتبار لکان الکلام خلوا عن الفائدة۔[1]

اس قید سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے اور پڑھنے پر قادر تھے اور اگر اس قید کا اعتبار نہ کیا جائے تو یہ قید بے فائدہ ہوگی۔

اس استدلال پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک مفہوم مخالف سے استدلال معتبر نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف کا استدلال میں معتبر نہ ہونا اتفاقی

[1] علامہ ابو الفضل شہاب الدین آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۱ ص ۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

نہیں ہے، کیونکہ باقی ائمہ مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہیں، خصوصاً جب کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے بعثت کے بعد آپ کا لکھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ باحوالہ بیان کریں گے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

فکان ذلک خارقا للعادة، کما أنه علیه السلام علم علوم الاولین والآخرین من غیر تعلم ولا اکتساب فکان ذلک ابلغ فی معجزاته، واعظم فی فضائله ولا یزول عنه اسم الامی بذلک۔[1]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا معجزہ ہے کیونکہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی سے پڑھنے اور کسب کے علم اولین و آخرین کو جان لیا اسی طرح آپ نے بغیر کسب کے لکھنا پڑھنا جان لیا اور یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ اور بہت عظیم فضیلت ہے اور لکھنے کی وجہ سے آپ کے امی ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ (اگر آپ نے مخلوق سے لکھنا پڑھنا سیکھا ہوتا تو یہ آپ کے امی ہونے کے منافی ہوتا۔)

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر علمی اور عملی کمالات عطا فرمائے ہیں، اسی طرح آپ کو لکھنے پڑھنے کا بھی کمال عطا فرمایا ہے، لکھنے کا علم ایک عظیم نعمت ہے، قرآن مجید میں ہے: الذی علم بالقلم ○ علم الانسان ما لم یعلم (علق: ۴-۵) "جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، اور انسان کو وہ علم دیا جس کو وہ جانتا نہ تھا" امت کے ان گنت افراد کو پڑھنے اور لکھنے کا کمال حاصل ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال حاصل نہ ہو! اور امی ہونے کا فقط اتنا مطلب ہے کہ آپ نے کسی مخلوق سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلاواسطہ یہ علم عطا فرمایا ہے، اور بعثت سے پہلے آپ لکھنے اور پڑھنے میں مشغول نہیں رہے تاکہ آپ کی نبوت میں کسی کو شبہ نہ ہو اور بعثت کے بعد آپ نے پڑھا اور لکھا اور یہ ایک الگ معجزہ ہے کیونکہ بغیر کسی مخلوق سے کسب فیض کے پڑھنا اور لکھنا خلاف عادت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر سید مودودی کے اعتراضات اور ان کے جوابات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر اعتراض کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:

ان لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضور کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقتور شہادت کے طور پر پیش کر رہا ہے، جن روایات کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور لکھے پڑھے تھے یا بعد میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں، کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی

۱۴۱۶ھ

[1] علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۳۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران

قابل قبول نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ بجائے خود بھی اتنی قوی نہ ہوں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم ہو سکتی ان میں سے ایک بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ جب لکھا جا رہا تھا اور کفار مکہ کے نمائندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضور نے کاتب (یعنی حضرت علی) کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی نے لفظ رسول اللہ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور نے ان کے ہاتھ سے قلم لے کر وہ الفاظ خود کاٹ دیئے اور محمد بن عبداللہ لکھ دیا (الخ)۔ ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علی نے رسول اللہ کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کی جگہ انگلی سے پوچھ کر اور پھر ان سے یا کسی دوسرے کاتب سے ابن عبداللہ کے الفاظ لکھوا دیئے ہوں (الخ) تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ حضور نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں باقی کوئی چیز نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔ [1]

الجواب پہلی بات یہ ہے کہ سید مودودی کا یہ لکھنا غلط ہے کہ اعلان نبوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا قرآن مجید کی اس آیت اور اس استدلال کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید نے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی مطلقاً نفی نہیں کی، بلکہ نزول قرآن سے پہلے آپ کے لکھنے اور پڑھنے کی نفی کی ہے، لہٰذا نزول قرآن کے بعد جن احادیث میں آپ کے لکھنے کا ثبوت ہے وہ روایات قرآن مجید کے معارض نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر بکثرت کتب صحاح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا ثابت ہے اور سید مودودی کا ان احادیث کو بجائے خود کمزور کہنا لائق التفات نہیں ہے، ثالثاً سید مودودی نے جو یہ تاویل کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی اور کاتب سے لکھا دیا ہو سو یہ احتمال بلا دلیل ہے اور الفاظ کو بلا ضرورت مجاز پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ رابعاً اس بحث کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ سید مودودی نے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام ان پڑھ لوگوں پر قیاس کیا ہے اور لکھا ہے "اگر آپ نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان پڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سیکھ لیتے ہیں باقی کوئی چیز نہیں پڑھ سکتے نہ لکھ سکتے ہیں" عام لوگوں کا ان پڑھ ہونا ان کا نقص اور ان کی جہالت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا آپ کا کمال ہے، کہ دنیا میں کسی استاذ کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، کسی مکتب میں جا کر لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور بلا واسطہ خدائے لم یزل سے علم پا کر اولین اور آخرین کے علوم بیان فرمائے اور پڑھ کر بھی دکھایا اور لکھ کر بھی دکھایا ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت — بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست — کتب خانہ چند ملت بشست

اب ہم قارئین کے سامنے بکثرت حوالہ جات کے ساتھ وہ احادیث پیش کرتے ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھنے کا اسناد کیا گیا ہے۔

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷۲-۷۳، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کے ثبوت میں احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

(۱) عن انس بن مالک قال کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتابا او اراد ان یکتب فقیل لہ انہم لا یقرءون کتابا الا مختوما فاتخذ خاتما من فضۃ الحدیث۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا یا لکھنے کا ارادہ کیا، آپ کو بتایا گیا کہ وہ (عجمی) صرف مہر شدہ مکتوب کو پڑھتے ہیں تو آپ نے چاندی کی انگوٹھی (مہر) بنوائی۔

(۲) عن ابن عباس قال لما اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ۔ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری میں شدید درد ہوا تو فرمایا کتاب (قلم دوات) لاؤ میں تم کو ایک ایسا مکتوب لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔

(۳) عن البراء بن عازب قال اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (الی قولہ) فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب فکتب ھذا ما قاضی محمد بن عبد اللہ الحدیث۔ [3]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا (پھر صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان کیا اور کہا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ لیا اور اس پر لکھ دیا یہ وہ ہے جس کا محمد بن عبد اللہ نے فیصلہ کیا ہے کہ....

(۴) عن البراء بن عازب قال اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذی القعدۃ (الی قولہ) فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب ولیس یحسن یکتب فکتب ھذا ما قاضی محمد بن عبد اللہ لا یدخل مکۃ السلاح الحدیث۔ [4]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا... سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ لیا حالانکہ آپ لکھنے کے ماہر نہیں تھے، آپ نے لکھا یہ وہ ہے جس کا محمد بن عبد اللہ نے فیصلہ کیا کہ مکہ میں کوئی شخص ہتھیاروں کے ساتھ داخل نہیں ہوگا۔

سید مودودی نے لکھا ہے کہ حضرت براء کی روایات میں اضطراب ہے اور راویوں نے حضرت براء کے جوں کے توں الفاظ نقل نہیں کیے کسی روایت میں لکھنے کا مطلقاً ذکر نہیں، کسی میں صرف کتب ہے اور کسی میں ہے لیس یحسن یکتب۔ [5]

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
[2] " " " صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲، " " " "
[3] " " " صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۲، " " " "
[4] " " " صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۲، " " " "
[5] سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن ج ۳ ص ۷۱۲، ملخصاً، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

سید مودودی کا اس اختلاف کو اضطراب قرار دینا صحیح نہیں ہے، یہ ایسا اختلاف نہیں ہے جس کی وجہ سے ان روایات کا معنی مضطرب ہو جائے اگر اس قسم کا اختلاف اضطراب ہو تو پھر تمام احادیث ساقط الاعتبار قرار پائیں گی۔

(۵) عن سہل بن ابی حثمۃ ان عبد اللہ بن سہل ومحیصۃ خرجا الی خیبر من جہد اصابہم فاخبر محیصۃ ان عبد اللہ قتل و طرح فی فقیر او عین فاتی یہود (الی قولہ) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما ان یدوا صاحبکم واما ان یؤذنوا بحرب فکتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیہم بہ الحدیث۔[1]

حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن سہل اور حضرت محیصہ کسی کام سے خیبر گئے، پھر حضرت محیصہ کو خبر پہنچی کہ حضرت عبد اللہ بن سہل کو قتل کر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا، وہ یہود کے پاس گئے (اس کے بعد ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا تو یہود تمہارے مقتول کی دیت ادا کریں گے اور یا وہ اعلان جنگ کو قبول کریں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (فیصلہ) یہود کی طرف لکھ کر بھیج دیا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]
اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔[3]
اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[4]
اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[5]
اس حدیث کو امام مالک نے بھی روایت کیا ہے۔[6]
امام نسائی روایت کرتے ہیں:

(۶) عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اہل الیمن کتابا فیہ الفرائض والسنن والدیات وبعث

ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف ایک مکتوب لکھا جس میں فرائض، سنن اور دیت کے احکام بیان کیے، آپ

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[3] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۷۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
[4] امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۲۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[5] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۹۲
[6] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۱۸۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

بہ مع عمرو بن حزم الحدیث [1]

یہ مکتوب حضرت عمرو بن حزم کے ہاتھ روانہ کیا۔

امام نسائی نے اس حدیث کو اس باب میں پانچ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

(۷) عن انس بن مالک ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یکتب الی رھط او اناس من الاعاجم فقیل لہ انھم لا یقبلون الا کتابا علیہ خاتم فاتخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتما من فضۃ نقشہ محمد رسول اللہ الحدیث [2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عجم کی طرف مکتوب بھیجنے کا ارادہ کیا آپ کو بتایا گیا کہ وہ لوگ صرف مہر شدہ خط کو قبول کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

امام ابو داؤد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [4]

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

(۸) عن ابی حمید الساعدی قال بعث صاحب ایلۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکتاب واھدی لہ بغلۃ بیضاء فکتب الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واھدی لہ بردا۔ [5]

حضرت ابو حمید ساعدی بیان کرتے ہیں کہ ایلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا اور ایک سفید خچر آپ کو ہدیہ میں بھیجی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو خط لکھا اور اس کو ایک چادر ہدیہ میں بھیجی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

(۹) عن انس ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعوھم الی اللہ۔ [6]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر نجاشی اور ہر سردار کی طرف خط لکھا اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔

امام ابن عساکر اپنی سند کے ساتھ ابو جیش سے روایت کرتے ہیں:

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبات

۱۔ امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۲۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۲۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۳-۸۷۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۳۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۳، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

۵۔ امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۱، مطبوعہ نشر السنہ ملتان،

۶۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

اذا جاء اللیل قال بین النهار ثم قال انی قد کتبت الی النجاشی فخرقه خرقه الله خرق الملك فقال عباد فقلت لابی خیثم الیس قد اسلم النجاشی ونعاه رسول الله صلی الله علیه وسلم بالمدینة الی اصحابه فصلی علیه فقال بلی وانما ذلك فلان بن فلان وهذا فلان بن فلان یعنی ان ذلك النجاشی غیر هذا النجاشی ثم قال وكتبت الی كسری كتابا فمزقه فمزقه الله ممزق الملك وكتبت الی قیصر كتابا الحدیث۔ [1]

آئے گی اور دن کہاں ہوگا، پھر فرمایا میں نے نجاشی کی طرف خط لکھا اور نجاشی نے اس خط کو پھاڑ دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دیا۔ عباد نے ابی خیثم سے کہا کیا نجاشی اسلام نہیں لایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کی خبر صحابہ کو مدینہ میں دی تھی اور آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تھی؟ حضرت ابو خیثم نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن وہ فلاں بن فلاں تھا اور یہ فلاں بن فلاں ہے یعنی یہ اور نجاشی ہے اور وہ اور نجاشی تھا، پھر آپ نے فرمایا میں نے کسریٰ کو خط لکھا اس نے اس خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، اللہ نے اس کے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور میں نے قیصر کو خط لکھا......

یہ وہ احادیث ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا ثبوت ہے، ہم نے ان احادیث کی بکثرت اسانید بیان کی ہیں تاکہ انصاف پسند حضرات کے اطمینان کے لیے ایک ٹھوس بنیاد قائم ہو جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے بھی تھے، اور ان تمام احادیث کو بلا ضرورت مجاز پر محمول کرنا بے جا تعسف ہے اور عدل و انصاف سے بعید ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے پر دلائل قائم کرنے کے بعد ہم اس سلسلہ میں فقہاء اسلام کے اقوال پیش کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کے بارے میں فقہاء اسلام کی عبارات

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

قلت قد نقل انه علیه الصلوٰة والسلام كتب بیده۔ [2]

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

وقد ثبت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم كتب بیده۔ [3]

اور یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ پر مشرکین کے اعتراض کے بعد محمد رسول اللہ کو کاٹ کر لکھ دیا: هذا ما قاضی محمد بن عبد الله حالانکہ آپ لکھنے کی مہارت نہیں رکھتے تھے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ہاتھ چلا دیا ہے پھر آپ نے یہ لکھا، علامہ عینی نے اس کے کئی جواب دیے ہیں:

---

[1] حافظ ابو القاسم علی بن حسین شافعی المعروف بابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، مختصر تاریخ دمشق الکبیر [illegible] مطبوعہ دارالتراث العربی بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

[2] علامہ ابو محمد بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری [illegible] مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] ایضاً، عمدۃ القاری [illegible]

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دلائل کو کمزور قرار دیا ہے اور آخر میں یہ لکھا ہے کہ آپ کا لکھنا ثابت نہیں، لیکن ہمارے علماء علامہ ابو الولید باجی اور قاضی عیاض وغیرہ کے ساتھ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّی ہونے کی تشریح میں نے بہت تفصیل اور تحقیق کے ساتھ بیان کی ہے کیونکہ میں نے دیکھا اس زمانہ میں بعض لوگ بہت بے باک اور گستاخ ہیں اور حضور کے اُمّی ہونے کا معنی "ان پڑھ" کرتے ہیں اور حضور کو اعلان نبوت کے بعد بھی لکھنے اور پڑھنے سے عاری کہتے ہیں، اس لیے میں نے قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کے اقوال کی روشنی میں آپ کے اُمّی ہونے کا مطلب واضح کیا کہ آپ کا کوئی دنیاوی استاذ نہیں تھا اور اعلان نبوت سے پہلے آپ لکھتے پڑھتے نہیں تھے لیکن اعلان نبوت کے بعد آپ نے بعض مواقع پر لکھا اور پڑھا اور یہ آپ کا ایک الگ معجزہ ہے۔

والحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی محمد الرسول النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اللہم اغفر للمصنف ولوالدیہ ولمشائخہ ولمعاونیہ اجمعین۔

بَابُ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ — عہد کو پورا کرنا

۴۵۲۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ جُمَيْعٍ حَدَّثَنَا أَبُو الطُّفَيْلِ حَدَّثَنَا حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ قَالَ مَا مَنَعَنِي أَنْ أَشْهَدَ بَدْرًا إِلَّا أَنِّي خَرَجْتُ أَنَا وَأَبِي حُسَيْلٌ قَالَ فَأَخَذَنَا كُفَّارُ قُرَيْشٍ قَالُوا إِنَّكُمْ تُرِيدُونَ مُحَمَّدًا فَقُلْنَا مَا نُرِيدُهُ مَا نُرِيدُ إِلَّا الْمَدِينَةَ فَأَخَذُوا مِنَّا عَهْدَ اللَّهِ وَمِيثَاقَهُ لَنَنْصَرِفَنَّ إِلَى الْمَدِينَةِ وَلَا نُقَاتِلُ مَعَهُ فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْنَاهُ الْخَبَرَ فَقَالَ انْصَرِفَا نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَنَسْتَعِينُ اللَّهَ عَلَيْهِمْ.

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرے شامل نہ ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ میں اور میرے والد حسیل دونوں نکلے تو ہمیں کفار قریش نے پکڑ لیا اور کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چاہتے ہو، ہم نے کہا ان کے پاس جانا نہیں چاہتے، ہم تو صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں، انہوں نے ہم سے یہ عہد اور میثاق لیا کہ ہم مدینہ جائیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا تم لوٹ جاؤ، ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ سے مدد طلب کریں گے۔

ضرورت کے وقت جھوٹ بولنے کی تفصیل

علامہ نووی لکھتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ میں جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن اگر تعریض سے کام لینا ممکن ہو تو وہ زیادہ بہتر ہے، تاہم جنگ میں، لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اور بیوی کی رضا جوئی کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں اس کی تصریح ہے۔

کفار کے ساتھ کیے ہوئے عہد کے پورا کرنے میں مذاہب فقہاء

اگر کوئی مسلمان کفار کی قید میں ہو اور کفار اس سے یہ عہد لیں کہ وہ ان کے پاس سے نہیں جائے گا تو اس عہد کو پورا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور فقہاء کوفہ یہ کہتے ہیں اس

پر اس عہد کو پورا کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کو جب بھاگنے کا موقع ملے تو وہ بھاگ جائے، اور امام مالک کہتے ہیں اس پر اس عہد کو پورا کرنا لازم ہے، البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے اگر کفار نے مسلمان قیدی سے جبراً قسم لی کہ وہ نہیں بھاگے گا تو یہ قسم نہیں ہے، کیونکہ وہ مکرہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) ہے۔

حضرت حذیفہ اور ان کے والد سے کفار نے یہ عہد لیا تھا کہ غزوہ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ نہیں کریں گے اور ان سے اس کی قسم لے لی تھی۔ ہر چند کہ اس قسم کو پورا کرنا واجب نہیں تھا کیونکہ امام یا اس کے نائب کی معیت میں جہاد ترک کرنے کے عہد کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد کو اس لیے پورا کرایا کہ آپ کے صحابہ پر عہد شکنی کا الزام نہ چل جائے۔

بَابُ غَزْوَةِ الْأَحْزَابِ

۴۵۲۵۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنْ جَرِيرٍ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ فَقَالَ رَجُلٌ لَوْ أَدْرَكْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاتَلْتُ مَعَهُ وَأَبْلَيْتُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ أَنْتَ كُنْتَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْأَحْزَابِ وَأَخَذَتْنَا رِيحٌ شَدِيدَةٌ وَقُرٌّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ ثُمَّ قَالَ أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ ثُمَّ قَالَ أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ فَقَالَ قُمْ يَا حُذَيْفَةُ فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ فَلَمْ أَجِدْ بُدًّا إِذْ دَعَانِي بِاسْمِي

غزوہ احزاب (جنگ خندق)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے کہا اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوتا تو آپ کی معیت میں جہاد کرتا اور خوب لڑتا، حضرت حذیفہ نے فرمایا: تم ایسا کرتے؟ مجھے وہ منظر یاد ہے کہ غزوہ احزاب کی رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ ایک سرد رات تھی اور ہوا بہت تیز چل رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایسا شخص ہے جو جا کر کفار کی معلومات حاصل کر کے آئے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو میری رفاقت عطا فرمائے گا، ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، آپ نے پھر فرمایا: کوئی ایسا شخص ہے جو جا کر کفار کی معلومات حاصل کر کے آئے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو میری رفاقت عطا فرمائے گا، ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، آپ نے پھر فرمایا: کوئی ایسا شخص ہے جو جا کر کفار کی معلومات حاصل کر کے آئے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو میری رفاقت عطا فرمائے گا، ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، آپ نے فرمایا: اے حذیفہ! اٹھو جاؤ کفار کی معلومات حاصل کر کے آؤ، جب آپ نے میرا نام لے کر بلایا تو میرے لیے اٹھنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا، آپ نے فرمایا جاؤ کفار کی معلومات حاصل کرو اور انہیں میرے خلاف مشتعل نہ کرنا، جب میں آپ کے پاس سے گیا تو یوں لگتا تھا جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں، حتیٰ کہ میں ان کے پاس پہنچا، میں نے دیکھا کہ ابوسفیان اپنی پیٹھ کو آگ سے سینک رہا ہے، میں نے کمان پر تیر چڑھا کر اس

اَنْ اَقُوْمَ قَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ فَلَمَّا وَلَّيْتُ مِنْ عِنْدِهِ جَعَلْتُ كَأَنَّمَا أَمْشِي فِي حَمَّامٍ حَتَّى أَتَيْتُهُمْ فَرَأَيْتُ أَبَا سُفْيَانَ يَصْلِي ظَهْرَهُ بِالنَّارِ فَوَضَعْتُ سَهْمًا فِي كَبِدِ الْقَوْسِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْمِيَهُ فَذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ وَلَوْ رَمَيْتُهُ لَأَصَبْتُهُ فَرَجَعْتُ وَأَنَا أَمْشِي فِي مِثْلِ الْحَمَّامِ فَلَمَّا أَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ بِخَبَرِ الْقَوْمِ وَفَرَغْتُ قُرِرْتُ فَأَلْبَسَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَضْلِ عَبَاءَةٍ كَانَتْ عَلَيْهِ يُصَلِّي فِيهَا فَلَمْ أَزَلْ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحْتُ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ قَالَ قُمْ يَا نَوْمَانُ.

کرانے کا ارادہ کیا پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آیا کہ انھیں میرے خلاف غصہ میں نہ لانا، اگر میں اس وقت تیر پھینک دیتا تو وہ بلاشبہ نشانہ پر لگتا، میں واپس لوٹا اس حال میں کہ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں، پھر جب میں آپ کے پاس پہنچا تو میں نے آپ کو کفار کے احوال بیان کیے، جب میں فارغ ہوا تو مجھے ٹھنڈ لگنے لگی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا ایک فالتو کمبل اڑھایا جس کو اوڑھ کر آپ نماز پڑھتے تھے، میں اس کو اوڑھ کر صبح تک سوتا رہا، جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے بہت سونے والے اٹھ جا!

غزوہ احزاب کا مختصر بیان

زمانہ الغزوہ ۵ھ ہجری میں، مشرکین اور یہودیوں کی متحدہ اور تحدہ فوج جو مدینہ پر حملہ آور ہوئی اس کو جیش احزاب کہا جاتا ہے۔ حزب کے معنی جماعت اور گروہ ہیں، اس جنگ میں کفار کی تمام جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں سے لڑی تھیں اس لیے اس کو غزوہ احزاب کہتے ہیں، اس جنگ میں مسلمانوں نے شہر سے باہر نکل کر شامی جانب خندق کھودی تھی اس لیے اس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے:

بنو نضیر جب مدینے سے جلاوطن کیے جانے کے بعد خیبر پہنچے تو انھوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے مدینہ پر حملہ کرنے کی اسکیم بنائی، ان کے سردار مکہ گئے اور قریش سے کہا اگر تم ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کیا جا سکتا ہے، قریش مکہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے پہلے ہی ادھار کھائے بیٹھے تھے، وہ فوراً تیار ہو گئے، اس کے بعد یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو خیبر کا نصف محاصل دینے کا لالچ دے کر ان کو بھی ساتھ ملا لیا، بنو اسد غطفان کے حلیف تھے وہ بھی تیار ہو گئے، بنو سلیم کا قریش سے رشتہ داری تھی وہ بھی ساتھ مل گئے، بنو سعد یہودیوں کے حلیف تھے انھوں نے بھی ساتھ دیا، غرض یہودیوں اور عرب کے تمام قبائل سے مل کر ایک لشکر گراں تیار ہو گیا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے ان کی تعداد دس ہزار تھی، یہ لشکر تین حصوں پر منقسم تھا، غطفان کی فوجیں عیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں، بنو اسد طلیحہ کے پرچم تلے تھے، اور ابو سفیان سارے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت کے خلاف ہے، ایک محفوظ مقام پر لشکر جمع کر

کے اس کے گرد خندق کھود دی جائے اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ مدینہ کے تین جانب مکانات تھے اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا، صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام پر خندق کی تیاریاں شروع کیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حدود قائم کیں اور دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا اور بیس دن میں تین ہزار مقدس ہاتھوں سے یہ خندق تیار ہوئی۔[1]

خندق کھودنے کے دوران اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی جو کسی کی ضرب سے نہیں ٹوٹتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حالانکہ تین دن کا فاقہ تھا اور شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے دست مقدس سے ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ایک تودہ خاک تھی!

بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھلگ تھے لیکن بنو نضیر کے امیر حیی بن اخطب نے بسیار کوشش کے بعد ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کو ان کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے معاہدہ توڑ دیا اور کہا ہم نہیں جانتے کہ محمد کون ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور معاہدہ کیا چیز ہے۔ بنو قریظہ کے ملنے کے بعد کفار کی فوجی نفری میں اور اضافہ ہو گیا اور یہودیوں، قریش اور دیگر قبائل عرب پر مشتمل دس ہزار فوجیں تین حصوں میں پھیل کر مدینہ کی طرف اس زور و شور سے بڑھیں کہ مدینہ کی سرزمین دہل گئی۔ اللہ تعالیٰ متحدہ کفار کے اس حملہ کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اذ جاءوكم من فوقكم ومن اسفل منكم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون بالله الظنونا ۝ هنالك ابتلي المؤمنون وزلزلوا زلزالا شديدا ۝
(احزاب: ۱۰-۹)

جب دشمن کا لشکر اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ دوڑا، جب مارے خوف کے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے، اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت صاحبان ایمان کو آزمائش میں ڈالا گیا اور وہ بری طرح ہلا دیے گئے تھے۔

افواج اسلام میں منافقین بھی تھے، سردی کی شدت، رسد کی قلت، متواتر فاقوں اور مسلسل جگ راتوں سے تنگ آکر انہوں نے کہا:

واذ يقول المنافقون والذين في قلوبهم مرض ما وعدنا الله ورسوله الا غرورا ۝ واذ قالت طائفة منهم يا اهل يثرب لا مقام لكم فارجعوا ويستأذن فريق منهم النبي يقولون ان بيوتنا عورة وما هي بعورة ان يريدون الا فرارا ۝

اور وہ وقت یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، کہہ رہے تھے، اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے، اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب کے لوگو! تمہارے لیے اب ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے، واپس لوٹ چلو، اور

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۳ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

(احزاب: ۱۲-۱۳)

جب ان کا ایک گروہ نبی سے جانے کی رخصت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے دراصل وہ (محاذ جنگ سے) بھاگنا چاہتے تھے۔

اور حضرات صحابہ کرام کو جب ... اس آتش کی اس کسوٹی پر کسا گیا تو انہوں نے کہا:

ولما رأى المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم الا ايمانا وتسليما۔

(احزاب: ۲۲)

اور جب مسلمانوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس واقعہ نے ان کے ایمان اور تسلیم میں زیادتی ہی کی۔

تقریباً ایک ماہ کفار کا محاصرہ اس قدر سختی سے قائم رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ پر مسلسل تین تین دن فاقے سے گزر گئے۔ ایک دن صحابہ نے بے تاب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ انہوں نے بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ دکھایا تو اس پر ایک کی بجائے دو پتھر تھے۔ [1]

محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں مقرر کر دی تھیں جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں ایک حصہ خود آپ کے زیر اہتمام تھا جب محاصرین کو اس طرح کامیابی نہیں ہوئی تو انہوں نے طے کیا کہ اب عام حملہ کیا جائے، خندق کا عرض ایک جگہ سے اتنا کم تھا کہ انہوں نے وہی جگہ عام حملے کے لیے منتخب کی، عرب کے مشہور جنگجو، ضرار، جبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو جست لگا کر خندق کے پار پہنچ گئے۔ عمرو بن عبدود ایک مشہور جنگجو شخص تھا اس نے عرب کے عام دستور کے موافق مبارزت کی اور کہا میرے مقابلہ پر کون آئے گا، حضرت علی اس کی مبارزت کے جواب میں اٹھے کچھ بحث و تمحیص کے بعد عمرو نے حضرت علی پر تلوار کا وار کیا حضرت علی نے اس کے وار کو ڈھال پر روکا لیکن تلوار ڈھال میں ڈوب کر نکلی اور حضرت علی کی پیشانی پر لگی، دشمن کے وار کے بعد حضرت علی نے اس پر ایک ضرب ید اللہی لگائی اور آپ کی تلوار اس کا شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی اور اس کے ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور عمرو بن عبدود خاک پر لوٹنے لگا۔

حملے کا یہ دن بہت سخت تھا تمام دن لڑائی رہی کفار ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے اور تیروں کی یہ موسلا دھار بارش ایک پل کے لیے بھی نہ رکتی تھی اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین مسلسل نمازیں قضا ہو گئیں، کیونکہ مسلسل تیر اندازی اور سنگ باری کے باعث اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا۔

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۶ ... مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

محاصرہ جس قدر طول پکڑ رہا تھا، محاصرہ کرنے والوں کی کمر ہمت ٹوٹ رہی تھی، دس ہزار آدمیوں کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، پھر سخت سردی کے اس موسم میں ایک زور سے آندھی چلی کہ طوفان آ گیا، خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں، کھانے کی دیگچیاں چولہوں پر الٹ گئیں اور لشکر کفار میں زبردست ابتری پھیل گئی، قرآن مجید میں اسی آندھی کو لشکر الٰہی سے تعبیر فرمایا ہے:

يٰأيها الذين آمنوا اذكروا نعمة الله عليكم إذ جاءتكم جنود فأرسلنا عليهم ريحا وجنودا لم تروها۔

(احزاب: ۹)

اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم پر فوجیں چڑھ آئی تھیں تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور ایسی فوجیں بھیج دیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔

اس آندھی پر مستزاد یہ ہوا کہ کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور یہود اس جنگ سے الگ ہو گئے، بہرحال سردی کی شدت، محاصرہ کا طول، آندھی کا زور، رسد کی قلت اور یہود کی علیحدگی یہ تمام عناصر ایسے جمع ہو گئے کہ اب قریش کے لیے ٹھہرنا ممکن نہیں تھا، ابوسفیان نے فوج سے کہا ان حالات میں محاصرہ بے کار ہے اور کوچ کا طبل بجا دیا اور مدینہ کا افق تقریباً ایک ماہ غبار آلود رہنے کے بعد صاف ہو گیا۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ورد الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيرا وكفى الله المؤمنين القتال

(الاحزاب: ۲۵)

اللہ تعالیٰ نے کفار کا منہ پھیر دیا اور وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنے دل کی جلن لیے ہوئے پلٹ گئے اور مومنوں کے لڑنے کی طرف سے اللہ کافی ہو گیا۔

بَابُ غَزْوَةِ أُحُدٍ

غزوہ احد کا بیان

۴۵۲۶ - وَحَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ وَثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُفْرِدَ يَوْمَ أُحُدٍ فِي سَبْعَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ فَلَمَّا رَهِقُوهُ قَالَ مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ فَتَقَدَّمَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے، آپ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو قریشی تھے، جب کفار نے آپ کو گھیر لیا تو آپ نے فرمایا ان کو ہمارے پاس سے کون دور کرے گا؟ اس شخص کو جنت ملے گی، یا فرمایا وہ جنت میں میرا رفیق ہو گا، پھر انصار میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر لڑا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا، کفار نے پھر آپ کو گھیر

[1] علامہ محمد عبد الباقی زرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۱۱۴-۱۱۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ

فَقَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ ثُمَّ رَهِقُوْهُ اَيْضًا فَقَالَ مَنْ يَّرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ اَوْ هُوَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ فَتَقَدَّمَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ فَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى قُتِلَ السَّبْعَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَاحِبَيْهِ مَا اَنْصَفْنَا اَصْحَابَنَا۔

لیا، آپ نے فرمایا ان کو ہم سے کون دور کرے گا؟ اس کے لیے جنت ہوگی، یا وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا، پھر انصار میں سے ایک اور شخص آگے بڑھ کر لڑا حتیٰ کہ وہ شہید ہوگیا اور پھر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا حتیٰ کہ وہ ساتوں انصاری شہید ہو گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے (ان قریشی) ساتھیوں سے فرمایا: ہم نے اپنے اصحاب کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

۴۵۲۷- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيْمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يُسْاَلُ عَنْ جُرْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ فَقَالَ جُرِحَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ وَهُشِمَتِ الْبَيْضَةُ عَلٰى رَاْسِهِ فَكَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْسِلُ الدَّمَ وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ يَسْكُبُ عَلَيْهَا بِالْمِجَنِّ فَلَمَّا رَاَتْ فَاطِمَةُ اَنَّ الْمَاءَ لَا يَزِيْدُ الدَّمَ اِلَّا كَثْرَةً اَخَذَتْ قِطْعَةَ حَصِيْرٍ فَاَحْرَقَتْهُ حَتّٰى صَارَ رَمَادًا ثُمَّ اَلْصَقَتْهُ بِالْجُرْحِ فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ۔

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی ہونے کے متعلق سوال کیا گیا، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہوگیا تھا اور سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا تھا اور سر مبارک پر خود ٹوٹ گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہراء آپ کے چہرہ سے، خون دھوتی تھیں اور حضرت علی بن ابی طالب ڈھال میں پانی لا کر ڈال رہے تھے، جب حضرت فاطمہ نے یہ دیکھا کہ پانی ڈالنے سے تو خون زیادہ نکل رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر جلایا اور اس کی راکھ کو زخم پر لگا دیا، پھر خون بند ہوگیا۔

۴۵۲۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ اَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ وَهُوَ يُسْاَلُ عَنْ جُرْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْرِفُ مَنْ كَانَ يَغْسِلُ جُرْحَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ يَسْكُبُ الْمَاءَ وَبِمَاذَا دُوْوِيَ جُرْحُهُ

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کے متعلق سوال کیا گیا، انھوں نے کہا سنو! خدا کی قسم! مجھے خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو کون دھو رہا تھا اور کون پانی ڈال رہا تھا اور کس چیز سے آپ کے زخم کا علاج کیا گیا، عبد العزیز کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ کا چہرہ انور زخمی ہوگیا اور ہشمت کی جگہ کسرت ہے۔

ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ عَبْدِ الْعَزِيزِ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ وَجُرِحَ وَجْهُهُ وَقَالَ مَكَانَ هُشِمَتْ كُسِرَتْ۔

۴۵۲۹۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ ح وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ مُطَرِّفٍ كُلُّهُمْ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ أُصِيبَ وَجْهُهُ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ مُطَرِّفٍ جُرِحَ وَجْهُهُ۔

امام مسلم نے تین سندوں کے ساتھ حضرت سہل بن سعد کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے ابن ابی ہلال کی سند میں اصیب وجہہ ہے اور ابن مطرف کی سند میں جرح وجہہ کا لفظ ہے۔

۴۵۳۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ يَوْمَ أُحُدٍ وَشُجَّ فِي رَأْسِهِ فَجَعَلَ يَسْلُتُ الدَّمَ عَنْهُ وَيَقُولُ كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ وَكَسَرُوا رَبَاعِيَتَهُ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللّٰهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے کا دانت ٹوٹ گیا اور آپ کے سر اقدس میں چوٹ لگی آپ اپنے سر سے خون پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا اور سامنے کا دانت توڑ دیا، حالانکہ وہ ان کو اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس لک من الامر شیء۔

۴۵۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْكِي

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا ہوں، آپ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے ان کی قوم نے ان کو

نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ وَيَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ.

زدوکوب کیا وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما ان کو علم نہیں ہے۔

۴۵۳۲ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَهُوَ يَنْضِحُ الدَّمَ عَنْ جَبِينِهِ.

امام مسلم نے ایک اور سند سے یہ روایت ذکر کی ہے اس میں یہ اضافہ ہے آپ اپنی پیشانی سے خون پونچھتے جاتے تھے۔

غزوۂ اُحد کا مختصر بیان

بدر کی شکست کے بعد قریش انتقام لینے کے لیے بے چین تھے۔ قریش کے سردار ابوسفیان کی قیادت میں جمع ہوئے اور ایک لشکر جرار تیار کر کے مدینہ منورہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا، پانچ شوال تین ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خبر پہنچی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے اور ان کے گھوڑوں نے مدینہ کی چراگاہوں کو صاف کر دیا ہے، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا اس لیے ہر طرف پہرے بٹھا دیے گئے، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ مسلح ہو کر تمام رات مسجد نبوی پر پہرہ دیتے رہے۔ صبح کو آپ نے جنگ کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا، مہاجرین اور اکابرین انصار کی رائے یہ تھی کہ شہر میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے، عبداللہ بن ابی ابن سلول کی بھی یہی رائے تھی لیکن نوجوان صحابہ کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر کفار پر حملہ کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کی خاطر اسی رائے کو اختیار کر لیا۔

قریش بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچے، اور اُحد پہاڑ کے نزدیک پڑاؤ ڈالا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکلے، عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھی لے کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرا مشورہ نہیں مانا، اس طرح آپ کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، حضرت مصعب بن عمیر کو علم عنایت کیا، حضرت زبیر بن عوام کو ایک دستہ کا سالار مقرر کیا، اور حضرت حمزہ کو فوج کے اس دستہ کا افسر مقرر کیا جو زرہ پوش نہ تھے، پہاڑ کی پشت کی طرف سے دشمن کے حملہ کا خوف تھا اس لیے حضرت عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر کیا اور انہیں یہ حکم دیا کہ خواہ فتح ہو یا شکست وہ اس جگہ سے نہ ہٹیں۔

عام جنگ شروع ہونے کے بعد حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابودجانہ دشمن کی فوجوں کے اندر گھس گئے اور فوجوں کو چیرتے ہوئے اور لاشوں پر لاشیں گراتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو وہ آزاد کر دیا جائے گا وہ حضرت حمزہ کی تاک میں تھا جیسے ہی حضرت حمزہ اس کے نشانہ کی زد پر آئے اس نے حربہ (ایک چھوٹا نیزہ) پھینک کر مارا جو آپ کی ناف میں لگا اور پار ہو گیا، حضرت حمزہ لڑکھڑا کر گر گئے اور روح پرواز کر گئی۔

جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، حضرت علی اور حضرت ابودجانہ کے حملوں کی وجہ سے دشمن کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، انہوں نے بدحواسی سے پیچھے ہٹنا شروع کیا میدان صاف ہو گیا تو مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع

کر دیا، اور جو تیر انداز اُحد کی پشت پر متعین کیے گئے تھے وہ مال غنیمت کی طرف لپکے، حضرت عبد اللہ بن جبیر نے ان کو بہت منع کیا لیکن وہ نہ مانے۔ تیر اندازوں کی خالی جگہ دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا، حضرت عبد اللہ بن جبیر چند جانثاروں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہو گئے، اب راستہ صاف تھا، مسلمان مال لوٹنے میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے سروں پر تلواریں برسنے لگیں، بدحواسی میں مسلمان خود ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے، حضرت مصعب بن عمیر جو علمبردار تھے وہ شہید کر دیے گئے اور یہ شور بپا ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، اس افواہ سے اور بھی ابتری پھیل گئی اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ [1]

سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے آپ کو دیکھا چہرہ انور پر مغفر تھا لیکن آنکھیں دکھائی دیتی تھیں انہوں نے پہچان کر پکارا مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں یہ سن کر ہر طرف سے جانثار ٹوٹ پڑے کفار نے بھی اب ہر طرف سے سمٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ ایک دفعہ کفار نے ہلہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون مجھ پر جان دیتا ہے زیاد بن سکن پانچ انصاری ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے اور ایک ایک کر کے سب نے آپ پر اپنی جانیں فدا کر دیں۔ [2]

عبد اللہ بن قمیئہ نام کا ایک مشہور بہادر صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تلوار ماری جس کی چوٹ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ انور میں چبھ گئیں، چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے، یہ دیکھ کر جانثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا، حضرت ابو دجانہ آپ کی ڈھال بن گئے اب جو تیر بھی آتا تھا ان کی پیٹھ پر لگتا تھا حضرت طلحہ آپ کی مدافعت میں تلواروں کو روک رہے تھے اسی عالم میں ان کا ایک ہاتھ ناکارہ ہو گیا، جس وقت دشمن آپ پر تیروں کی بارش کر رہا تھا آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے "اللّٰھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون" "اے اللہ میری قوم کو بخش دے وہ بے علم ہیں۔" [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدمی کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے، کیونکہ دشمن اس طرف نہیں جا سکتا تھا، ابو سفیان نے دیکھ لیا فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمر اور چند صحابہ نے پتھر برسائے جس کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔

قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا، ان کے ناک، کان کاٹ لیے، ہند نے ان بریدہ اعضاء کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا، حضرت حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے نہ اتر سکا اس لیے اگل دینا پڑا۔

جنگ اُحد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور ان میں انصار کی تعداد بہت زیادہ تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق نے پینسٹھ شہداء کا شمار کیا ہے جن میں سے چار مہاجر تھے اور باقی انصار تھے، حضرت

1۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷، ص ۳۴۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

2۔ علامہ محمد عبد الباقی زرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ ج ۲، ص ۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ

3۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷، ص ۳۷۳، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

حمزہ، حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت شماس بن عثمان اور حضرت مصعب بن عمیر۔ [1]
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانت کا کنارہ گر گیا تھا اور پورا دانت نہیں نکلا تھا۔ [2]

بَابُ اشْتِدَادِ غَضَبِ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کریں اس پر غضب الٰہی کا نازل ہونا

۴۵۳۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيْثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ فَعَلُوْا هٰذَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ حِيْنَئِذٍ يُشِيْرُ إِلٰى رَبَاعِيَتِهٖ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى رَجُلٍ يَقْتُلُهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قوم پر سخت غضب ناک ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کرے گی، درآں حالیکہ وہ اپنے دانت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر سخت غضب ناک ہوتا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راہ خدا میں قتل کر دیں۔

(ف) راہ خدا کی قید کے ساتھ ان سے احتراز کیا ہے جن کو آپ حد یا قصاص میں قتل کریں۔

بَابُ مَا لَقِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَذَى الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ

مشرکوں اور منافقوں کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکالیف پہنچیں

۴۵۳۴ - وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبَانَ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيْمِ يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمَانَ عَنْ زَكَرِيَّاءَ عَنْ أَبِيْ إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْأَوْدِيِّ عَنِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ـــــــ ابوجہل اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دن پہلے ایک اونٹنی ذبح

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ
[2] " " " " فتح الباری ج ۷، ص ۳۶۶،

ابن مسعود قال بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي عند البيت وأبو جهل وأصحاب له جلوس وقد نحرت جزور بالأمس فقال أبو جهل أيكم يقوم إلى سلا جزور بني فلان فيأخذه فيضعه في كتفي محمد إذا سجد فانبعث أشقى القوم فأخذه فلما سجد النبي صلى الله عليه وسلم وضعه بين كتفيه قال فاستضحكوا وجعل بعضهم يميل على بعض وأنا قائم أنظر لو كانت لي منعة طرحته عن ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم والنبي صلى الله عليه وسلم ساجد ما يرفع رأسه حتى انطلق إنسان فأخبر فاطمة فجاءت وهي جويرية فطرحته عنه ثم أقبلت عليهم تشتمهم فلما قضى النبي صلى الله عليه وسلم صلاته رفع صوته ثم دعا عليهم وكان إذا دعا دعا ثلاثا وإذا سأل سأل ثلاثا ثم قال اللهم عليك بقريش ثلاث مرات فلما سمعوا صوته ذهب عنهم الضحك وخافوا دعوته ثم قال اللهم عليك بأبي جهل بن هشام وعتبة بن ربيعة وشيبة بن ربيعة والوليد بن عقبة وأمية بن خلف وعقبة بن أبي معيط وذكر السابع ولم أحفظه فوالذي بعث محمدا صلى الله عليه وسلم بالحق لقد رأيت الذين سمى صرعى يوم بدر ثم سحبوا إلى القليب قليب بدر. قال أبو إسحق الوليد بن عقبة غلط في هذا الحديث.

ہوئی تھی، ابوجہل نے کہا تم میں سے کوئی شخص جا کر فلاں محلہ سے اونٹنی کی اوجھ لے آئے اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جائیں تو اس کو ان کے کندھوں پر رکھ دے، قوم کا سب سے بدبخت شخص (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے اس اوجھ کو آپ کے کندھوں پر رکھ دیا۔ پھر وہ آپس میں مذاق کرتے ہوئے ہنستے ہوئے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ میں کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کاش مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں اس اوجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت سے اٹھا کر پھینک دیتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں سے اپنا سر نہیں اٹھا رہے تھے حتیٰ کہ ایک شخص نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا، حضرت فاطمہ نے جو اس وقت کمسن بچی تھیں، اس اوجھ کو آپ کی پشت سے پھینک دیا، پھر آپ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر برا بھلا کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز مکمل کر لی تو آپ نے باآواز بلند ان کے خلاف دعا کی، آپ جب بھی دعا کرتے تھے تو تین مرتبہ دعا کرتے تھے، پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا اے اللہ! قریش پر گرفت فرما، جب قریش نے آپ کی آواز سنی تو ان کی ہنسی جاتی رہی اور وہ آپ کی دعا سے خوف زدہ ہو گئے، پھر آپ نے دعا کی اے اللہ! ابوجہل بن ہشام کی گرفت فرما اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عقبہ اور امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کی گرفت فرما، راوی کہتے ہیں کہ حضور نے ساتویں شخص کا نام بھی لیا تھا لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہا، اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ جن لوگوں کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفت کی دعا کی تھی وہ سب بدر کے کنوئیں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے، ابواسحاق نے کہا ولید بن عقبہ کے نام میں راوی نے غلطی کی ہے (یہ ولید بن عتبہ ہے)۔

۴۵۳۵ - حدثنا محمد بن المثنى ومحمد بن بشار واللفظ لابن المثنى قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة قال سمعت أبا إسحق يحدث عن عمرو بن ميمون عن عبد الله قال بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم ساجد وحوله ناس من قريش إذ جاء عقبة بن أبي معيط بسلا جزور فقذفه على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يرفع رأسه فجاءت فاطمة فأخذته عن ظهره ودعت على من صنع ذلك فقال اللهم عليك الملأ من قريش أبا جهل بن هشام وعتبة بن ربيعة وعقبة بن أبي معيط وشيبة بن ربيعة وأمية بن خلف أو أبي بن خلف شعبة الشاك قال فلقد رأيتهم قتلوا يوم بدر فألقوا في بئر غير أن أمية أو أبيا تقطعت أوصاله فلم يلق في البئر.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے اور آپ کے گرد قریش بیٹھے ہوئے تھے، اچانک عقبہ بن ابی معیط اونٹنی کی اوجھ لے کر آیا اور اس اوجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر پھینک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے سے سر نہ اٹھایا۔ پھر حضرت سیدہ فاطمہ نے اس اوجھ کو آپ کی پشت سے اٹھایا اور ان لوگوں کو بد دعا دی جنہوں نے یہ حرکت کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف دعا کی اور فرمایا: اے اللہ! قریش کی جماعت پر گرفت فرما! ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف یا ابی بن خلف کی گرفت فرما (راوی شعبہ کو شک ہے) حضرت ابن مسعود کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ یہ سب جنگ بدر کے دن قتل کیے گئے اور ان کو بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا، البتہ امیہ بن خلف یا ابی بن خلف کو کنویں میں نہیں ڈالا گیا کیونکہ اس کے جوڑ جوڑ کٹ چکے تھے۔

۴۵۳۶ - وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا جعفر بن عون أخبرنا سفيان عن أبي إسحق بهذا الإسناد نحوه وزاد وكان يستحب ثلاثا يقول اللهم عليك بقريش اللهم عليك بقريش اللهم عليك بقريش ثلاثا وذكر فيهم الوليد بن عتبة وأمية بن خلف ولم يشك قال أبو إسحق ونسيت السابع.

امام مسلم نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ تین مرتبہ دعا کرنے کو پسند فرماتے تھے، اور آپ نے تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ قریش کی گرفت فرما، اے اللہ قریش کی گرفت فرما، اے اللہ قریش کی گرفت فرما اور اس میں ولید بن عقبہ اور امیہ بن خلف کا ذکر ہے اور راوی کے شک کا ذکر نہیں ہے، ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں ساتویں شخص کا نام بھول گیا۔

۴۵۳۷ - وحدثني سلمة بن شبيب حدثنا الحسن بن أعين حدثنا زهير حدثنا أبو إسحق عن عمرو بن ميمون

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے قریش کے چھ آدمیوں کے خلاف دعا کی ان میں ابو جہل، امیہ بن خلف،

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ اسْتَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَدَعَا عَلَى سِتَّةِ نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ فِيهِمْ أَبُو جَهْلٍ وَأُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ وَعُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَعُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ فَأُقْسِمُ بِاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعَى عَلَى بَدْرٍ قَدْ غَيَّرَتْهُمُ الشَّمْسُ وَكَانَ يَوْمًا حَارًّا۔

عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور عقبہ بن ابی معیط تھے، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، میں نے ان سب کو بدر کے کنوئیں میں اوندھے پڑے ہوئے دیکھا۔ دھوپ کی شدت سے ان کے رنگ متغیر ہو گئے تھے اور وہ سخت گرم دن تھا۔

٤٥٣٨ - وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالُوا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ أَتَى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ فَقَالَ لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ فَنَادَانِي فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ قَالَ فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا جو جنگ احد سے زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا مجھے تمہاری قوم سے بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور سب سے شدید تکلیف وہ تھی جو مجھے یوم عقبہ کو پہنچی، جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا (یعنی اس کو دعوت اسلام دی) لیکن اس نے وہ چیز قبول نہیں کی جو میں چاہتا تھا پس میں غمزدہ ہو کر واپس چلا گیا اور قرن ثعالب پر پہنچ کر مجھے افاقہ ہوا یکایک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایہ کیا ہوا تھا، میں نے دیکھا اس میں جبرئیل تھے انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا آپ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا اور جو انھوں نے آپ کو جواب دیا وہ بھی سن لیا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو ان کے متعلق جو چاہیں حکم کریں پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دی اور مجھے سلام کیا پھر کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سن لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اور مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ان پر ملا دوں، رسول اللہ

عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ فَمَا شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا.

جسے حضور علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسی نسل کو پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۴۵۳۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي عَوَانَةَ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ قَالَ دَمِيَتْ إِصْبَعُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ تِلْكَ الْمَشَاهِدِ فَقَالَ.

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ
وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی خون آلود ہو گئی، آپ نے فرمایا: تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے اور تو نے جو تکلیف اٹھائی ہے وہ اللہ کی راہ میں اٹھائی ہے۔

۴۵۴۰ - وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَارٍ فَنُكِبَتْ إِصْبَعُهُ.

ایک اور سند سے یہ روایت ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک لشکر میں تھے اور وہاں آپ کی انگلی زخمی ہو گئی تھی۔

۴۵۴۱ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ أَنَّهُ سَمِعَ جُنْدُبًا يَقُولُ أَبْطَأَ جِبْرِيلُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ قَدْ وُدِّعَ مُحَمَّدٌ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى.

حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل کے آنے میں تاخیر ہو گئی، مشرکین کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا گیا تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی (ترجمہ) قسم ہے روز روشن کی، اور قسم ہے رات کی جب وہ اپنے گیسو پھیلا لے! (اے نبی) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔

۴۵۴۲ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے

وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ إِسْحٰقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبَ بْنَ سُفْيَانَ يَقُولُ اشْتَكَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ قَالَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى۔

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور دو یا تین راتیں اٹھ نہیں سکے تو ایک عورت نے آکر کہا، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے یہ امید ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا کیونکہ وہ دو یا تین راتوں سے تمہارے پاس نہیں آیا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ترجمہ: قسم ہے روز روشن کی اور قسم ہے رات کی جب وہ اپنے گیسو دراز کر لے، اے محبوب! تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور وہ ناخوش ہوا۔

(ف) یہ بدبخت عورت ابولہب کی بیوی تھی۔

۴۵۴۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالُوا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْمُلَائِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِهِمَا۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دوسری اسنادیں بیان کی ہیں۔

۴۵۴۴ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ رَافِعٍ قَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ حِمَارًا عَلَيْهِ إِكَافٌ تَحْتَهُ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ وَأَرْدَفَ وَرَاءَهُ أُسَامَةَ وَهُوَ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ وَذَاكَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ حَتَّى مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دراز گوش پر سوار ہوئے جس پر پالان تھا اور اس کے نیچے فدک کی ایک چادر تھی، آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ قبیلہ بنو حارث بن خزرج میں حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے جا رہے تھے، یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے، آپ راستہ میں ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں مسلمان، بت پرست لوگ اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے، ان میں عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن رواحہ بھی بیٹھے ہوئے تھے جب اس مجلس میں اس سواری کی گرد پہنچی تو عبداللہ بن ابی نے چادر سے اپنی ناک

وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ فِيهِمْ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قَالَ لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللَّهِ وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أُبَيٍّ أَيُّهَا الْمَرْءُ لَا أَحْسَنَ مِنْ هَذَا إِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا فِي مَجَالِسِنَا وَارْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ فَمَنْ جَاءَكَ مِنَّا فَاقْصُصْ عَلَيْهِ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَوَاحَةَ اغْشَنَا فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذَلِكَ قَالَ فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى هَمُّوا أَنْ يَتَوَاثَبُوا فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَفِّضُهُمْ ثُمَّ رَكِبَ دَابَّتَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ أَيْ سَعْدُ أَلَمْ تَسْمَعْ إِلَى مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ يُرِيدُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أُبَيٍّ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ اعْفُ عَنْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاصْفَحْ فَوَاللَّهِ لَقَدْ أَعْطَاكَ اللَّهُ الَّذِي أَعْطَاكَ وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هَذِهِ الْبُحَيْرَةِ أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُوهُ بِالْعِصَابَةِ فَلَمَّا رَدَّ اللَّهُ ذَلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَهُ شَرِقَ بِذَلِكَ فَذَلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ فَعَفَا عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ڈھانپ لی اور کہنے لگا ہم پر گرد و غبار نہ اڑاؤ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا، پھر ٹھہر گئے، آپ سواری سے اترے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی، عبداللہ بن ابی نے کہا: اے شخص! اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں ہے کہ اگر جو کچھ تم کہتے ہو وہ سچ ہے، تب بھی ہم کو ہماری مجلس میں آکر تکلیف نہ پہنچاؤ اور اپنے گھر واپس لوٹ جاؤ اور ہم میں سے جو شخص تمہارے پاس آئے اس کو وعظ کرو، حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا: آپ ہماری مجلس میں تشریف لائیں ہم اس کو پسند کرتے ہیں، پھر مسلمان، یہود اور بت پرست ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور ایک دوسرے پر حملہ کے لیے تیار ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے، پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس گئے اور فرمایا: اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابوحباب یعنی عبداللہ بن ابی نے کیا کہا ہے؟ حضرت سعد نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو معاف کیجئے اور اس سے درگزر کیجئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مرتبہ دیا ہے سو دیا ہے، اس جگہ کے لوگوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس کو تاج پہنائیں گے اور اس کے سر پر بادشاہت کا عمامہ باندھیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کر کے اور آپ کو مرتبہ دے کر اس کو مسترد کر دیا اس وجہ سے یہ جل گیا اور جو کچھ آپ نے دیکھا ہے اس کا سبب یہی ہے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگزر کیا۔

۴۵۳۴۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا حُجَيْنٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ بِمِثْلِهِ

ایک اور سند سے بھی یہ روایت منقول ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس وقت تک عبداللہ بن ابی نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

وَزَادَ فِي ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللهِ۔

۴۵۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْقَيْسِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَتَيْتَ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ قَالَ فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ وَرَكِبَ حِمَارًا وَانْطَلَقَ الْمُسْلِمُونَ وَهِيَ أَرْضٌ سَبِخَةٌ فَلَمَّا أَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِلَيْكَ عَنِّي فَوَاللهِ لَقَدْ آذَانِي نَتْنُ حِمَارِكَ قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَاللهِ لَحِمَارُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْيَبُ رِيحًا مِنْكَ قَالَ فَغَضِبَ لِعَبْدِ اللهِ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ قَالَ فَغَضِبَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَصْحَابُهُ قَالَ فَكَانَ بَيْنَهُمْ ضَرْبٌ بِالْجَرِيدِ وَبِالْأَيْدِي وَبِالنِّعَالِ قَالَ فَبَلَغَنَا أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيهِمْ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کاش آپ عبداللہ بن ابی کے پاس (دعوت اسلام کے لیے) تشریف لے جائیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر اس کی طرف گئے اور مسلمان بھی آپ کے ساتھ گئے، وہ زمین شور والی تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا: ایک طرف ہٹو، بخدا تمہارے گدھے کی بو سے مجھے اذیت ہو رہی ہے، ایک انصاری نے کہا بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی بو تم سے زیادہ خوشبودار ہے، اس پر عبداللہ بن ابی کی قوم کا ایک شخص غضب ناک ہو گیا، پھر ہر طرف کے لوگ غصہ میں آ گئے اور وہ شاخوں، ہاتھوں اور جوتوں کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ راوی کہتے ہیں اور ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: (ترجمہ) اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔

لفظ "سلی" کی تحقیق

اس باب کی حدیث نمبر ۴۴۹۴ میں ہے مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر نماز کی حالت میں اونٹنی کی "سلی" رکھ دی۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی سلی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

السلى جلدة رقيقة يكون فيها الولد من الناس والمواشي ان نزعت عن وجه الفصيل ساعة يولد والا قتلته وكذلك اذا انقطع السلى في البطن فاذا خرج السلى سلمت الناقة وسلم الولد وان انقطع في بطنها هلكت وهلك الولد هكذا ذكره الجوهري الا انه خصه بالمواشي كالازهري والمحكم فناس وعمه ابن سيده و

وہ باریک کھال جس میں انسان یا جانور کا بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو "سلی" کہتے ہیں جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے اس وقت اس کھال کو اگر بچہ کے منہ سے ہٹا لیا جائے تو ٹھیک ورنہ اس کھال کی وجہ سے بچہ مر جاتا ہے اسی طرح اگر ماں کے پیٹ میں یہ کھال پھٹ جائے تو بچہ مر جاتا ہے اور جب یہ کھال نکال لی جائے تو اونٹنی اور اس کا بچہ دونوں سلامت رہتے ہیں، اور اگر اونٹنی

وتبعہ المصنف بہ[1]

کے پیٹ میں یہ کھال کٹ یا پھٹ جائے تو ماں اور بچہ دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں، علامہ جوہری نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے البتہ علامہ جوہری اور ہروی نے سلیٰ کو مویشیوں کے ساتھ مختص کیا ہے اور مصنف نے انسانوں کے ساتھ خاص کیا ہے اور علامہ ابن سیدہ نے اس کو عام قرار دیا ہے اور مصنف بھی انہیں کے تابع ہے۔

علامہ نووی[2]، علامہ ابی مالکی[3]، علامہ ابن حجر عسقلانی[4] اور علامہ بدر الدین عینی[5] نے بھی "سلیٰ" کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ اردو میں "سلیٰ" کو جھلی کہتے ہیں، لیکن قرائن سے یہ متعین ہے کہ یہاں سلیٰ سے مجازاً اوجھڑی مراد ہے کیونکہ مشرکین کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت اور تکلیف پہنچانا تھا اور جھلی اس قدر خفیف اور باریک ہوتی ہے کہ اس کو پشت پر رکھنے میں کوئی ضرر اور تکلیف نہیں ہوتی ثانیاً حدیث میں ہے کہ جب مشرکین نے آپ کی پشت پر سلیٰ رکھ دی تو آپ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تاوقتیکہ حضرت فاطمہ نے آکر اس کو آپ کی پشت سے اٹھا نہیں دیا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ سلیٰ کوئی بھاری اور وزنی چیز تھی سو اس سے بھی متعین ہو گیا کہ وہ جھلی نہیں بلکہ اونٹنی کی اوجھڑی تھی، ثالثاً علامہ نووی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور دیگر شارحین نے سلیٰ کے رکھنے سے جو مسائل مستنبط کیے ہیں اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوجھڑی تھی، علامہ نووی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ جب آپ کی پشت پر نجاست رکھ دی گئی تو پھر آپ کس طرح بدستور نماز پڑھتے رہے؟ قاضی عیاض مالکی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ نجس نہیں تھی کیونکہ گوبر اور حلال جانوروں کی رطوبت دونوں پاک ہیں، ناپاک تو صرف خون ہے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں یہ جواب صرف امام مالک اور ان کے موافقین کے مذہب پر صحیح ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کی لید بھی پاک ہے اور امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک لید نجس ہے اور قاضی عیاض نے جو یہ جواب ذکر کیا ہے یہ باطل ہے کیونکہ سلیٰ نجاست کو متضمن ہے کیونکہ اس سے عادۃً خون علیحدہ نہیں ہوتا، نیز وہ بت پرستوں کا ذبیحہ تھا اس لیے "سلیٰ" بھی نجس تھی اور اس کا گوشت بھی نجس تھا اور اس کے تمام اجزاء نجس تھے، صحیح جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں تھا آپ کی پشت پر کیا چیز رکھی گئی ہے اس لیے آپ نے طہارت سابقہ کے حکم کو باقی رکھا، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ نماز فرض تھی یا نہیں اور اس کا اعادہ واجب تھا یا نہیں، اور اگر اس کا اعادہ واجب تھا تو وقت میں بہرحال گنجائش تھی۔[6]

---

[1] علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس ج ۱۰ ص ۱۸۲، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[4] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور

[5] حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۰۲، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[6] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوبر پاک ہے، اور اس استدلال کو مسترد کر دیا گیا ہے کہ سلی میں صرف گوبر نہیں تھا بلکہ خون بھی تھا جیسا کہ اسرائیل کی روایت میں ہے اور خون بالاتفاق نجس ہے، اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ گوبر اور خون سلی کے اندر تھا اور سلی کی ظاہری جلد پاک تھی لیکن یہ جواب اس لیے مردود ہے کہ یہ اونٹنی بہرحال بت پرستوں کا ذبیحہ تھی اور مردار تھی اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ مردار کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے لیکن یہ جواب اس لیے صحیح نہیں کہ بغیر تاریخ کی ثبوت کے صرف احتمال سے یہ نہیں کہا جا سکتا اور اس اشکال کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ نووی نے بیان کیا ہے کہ سلی رکھے جانے کے باوجود آپ بدستور نماز میں اس لیے مشغول رہے کہ آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ آپ کی پشت پر کیا رکھا گیا اور آپ نے استصحاب حال کے اعتبار سے طہارت سابقہ کے حکم کو باقی رکھا۔[1]

علامہ بدر الدین عینی نے اس تمام بحث کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ سلی گوبر وغیرہ کی وجہ سے ناپاک تھی لیکن آپ کو اس کا علم نہیں تھا اور آپ نماز میں اس لیے مشغول رہے کہ اس وقت تک بت پرستوں کا ذبیحہ حرام نہیں قرار دیا گیا تھا اور یہ محض احتمال نہیں ہے بلکہ آپ کا نماز میں بدستور مشغول رہنا اس پر قرینہ ہے کہ اس وقت تک اس کو حرام نہیں کیا گیا تھا کیونکہ آپ کسی ناجائز کام پر خود برقرار رہ سکتے ہیں نہ کسی اور کو برقرار رکھ سکتے ہیں آپ کی شان اس سے بلند ہے۔[2]

علامہ نووی، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینی کی ان تشریحات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر جو "سلی" رکھی گئی تھی اس میں گوبر تھا اور گوبر جیلی میں نہیں ہوتا جانور کی اوجھڑی میں ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث میں سلی کا اطلاق اوجھڑی پر کیا گیا ہے۔

اوجھڑی کھانے کا حکم اس حدیث میں چونکہ اوجھڑی کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم اوجھڑی کھانے کا شرعی حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح شدہ حیوان کے سات اجزاء کا کھانا حرام قرار دیا ہے اور ان کے ماسوا کو حلال قرار دیا ہے اور اوجھڑی چونکہ ان سات اعضاء میں شامل نہیں ہے اس لیے بظاہر اس کا کھانا حلال ہے، اسی طرح فقہاء نے بھی ذبح شدہ جانور کے صرف سات اجزاء کو حرام قرار دیا ہے اور ان میں اوجھڑی شامل نہیں ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اوجھڑی کھانا حلال ہے، لیکن نظر دقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اوجھڑی کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن مجاهد قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكره من الشاة سبعا الدم، والحيا والانثيين والغدة والذكر والمثانة والمرارة

مجاہد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کی سات چیزوں کو مکروہ (تحریمی) قرار دیتے تھے (۱) خون (۲) فرج (۳) خصیتین (۴) غدود (۵) ذکر (۶) مثانہ

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ، فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[2] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۵۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

وکان یستحب من الشاۃ مقدمہا۔ [1]

اور آپ بکری کے اگلے حصے کے گوشت کو پسند فرماتے تھے۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

علامہ علاؤالدین حصکفی لکھتے ہیں: بکری کی سات چیزوں کو کھانا مکروہ تحریمی ہے، فرج، خصیے، غدود، مثانہ، پتہ، بہنے والا خون اور ذکر، اس کے بعد ایک منظوم شعر لکھا ہے اس میں ہے جب تم بکری کو ذبح کرو تو اس کی سات چیزوں کے سوا کھاؤ۔ [4]

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: مجاہد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے سات اجزاء کو مکروہ فرمایا ہے، ذکر، خصیتین، فرج، غدود، پتہ، مثانہ اور خون۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں خون حرام ہے اور باقی چھ چیزیں مکروہ ہیں، کیونکہ خون کی حرمت قرآن مجید کی نص قطعی سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے حرمت علیکم المیتة والدم الآیة اور باقی چھ چیزیں مکروہ ہیں کیونکہ ان کو انسان مکروہ سمجھتا ہے اور قرآن مجید میں ہے ویحرم علیہم الخبائث۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور یہ چھ چیزیں خبیث ہیں ان سے گھن آتی ہے، حضرت مجاہد کی روایت میں جو کراہت کا لفظ ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ ان چھ چیزوں اور خون کو کراہت میں جمع کیا ہے۔ [5]

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی نے بھی ذبح شدہ جانور کے ان سات اجزاء کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ [6]

اوجھڑی اور آنتیں ان سات چیزوں میں شامل نہیں ہیں اس لیے ان کا کھانا بظاہر مکروہ تحریمی نہیں ہے، البتہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مثانہ میں پیشاب جمع ہوتا ہے اور اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح اوجھڑی میں گوبر جمع ہوتا ہے اس لیے اس کا کھانا بھی مکروہ تحریمی ہونا چاہیے نیز ان چھ چیزوں کی کراہت کی یہ دلیل ہے کہ یہ اشیاء خبیث ہیں انسان ان سے گھن کرتا ہے اور متنفر ہوتا ہے اور قرآن مجید میں ہے ویحرم علیہم الخبائث نبی صلی اللہ علیہ وسلم خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اوجھڑی سے بھی انسان گھن کرتا ہے اور متنفر ہوتا ہے اس لیے یہ بھی خبیث اور مکروہ تحریمی ہے۔ میں نے مذاہب اربعہ کی کتب میں بالخصوص اوجھڑی کا جزئیہ تلاش کیا لیکن مجھ کو یہ جزئیہ نہیں مل سکا اس لیے میں نے یہ بیان کیا ہے کہ بظاہر حدیث اور عبارات فقہاء کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بلاکراہت حلال ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مکروہ

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۴ ص ۵۳۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[2] امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، مراسیل ابوداؤد ص ۱۹، مطبوعہ اصح المطابع کراچی

[4] علامہ علاؤالدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۴۵۵-۴۵۶، مطبوعہ مطبع استنبول، ۱۳۲۷ھ

[5] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۴۵۵، مطبوعہ مطبع استنبول، ۱۳۲۷ھ

[6] علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۱، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ھ

تحریک ہے بعد استعارہ یا ارادہ ، وجہ سے ابو جعفر نحاس نے ذکر کیا وہ تعزیر بھی قرار دینا چاہیے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مضر قبیلہ کے لیے دعا ضرر کی اس کی پوری تفصیل اور تحقیق ہم شرح صحیح مسلم جلد ثانی باب نمبر ۳۲ میں بیان کر چکے ہیں اور اس جلد میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ضرر کو بددعا سے تعبیر کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔

بَابُ ۱۱ قَتْلِ أَبِي جَهْلٍ !

ابو جہل کے قتل کا بیان

۴۵۳۷- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ فَوَجَدَهُ قَدْ ضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتَّى بَرَدَ قَالَ فَأَخَذَ بِلِحْيَتِهِ فَقَالَ آنْتَ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ أَوْ قَالَ قَتَلَهُ قَوْمُهُ قَالَ وَقَالَ أَبُو مِجْلَزٍ قَالَ أَبُو جَهْلٍ فَلَوْ غَيْرُ أَكَّارٍ قَتَلَنِي.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو جہل کی خبر کون لے کر آئے گا؟ حضرت ابن مسعود گئے تو دیکھا کہ عفراء کے دو بیٹے اس کو قتل کر چکے ہیں اور اس کا جسم ٹھنڈا ہونے کے قریب ہے، حضرت ابن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا: کیا تو ابو جہل ہے؟ ابو جہل نے کہا: کیا اتنے بڑے کسی اور شخص کو بھی تم نے قتل کیا ہے، یا کہا اس کی قوم نے اتنے بڑے شخص کو قتل کیا ہے، ابو مجلز کہتے ہیں کہ ابو جہل نے یہ بھی کہا تھا کاش مجھے کسان کے علاوہ کسی اور نے قتل کیا ہوتا!

۴۵۳۸- حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرَاوِيُّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَعْلَمُ لِي مَا فَعَلَ أَبُو جَهْلٍ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ وَقَوْلِ أَبِي مِجْلَزٍ كَمَا ذَكَرَهُ إِسْمَاعِيلُ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کون شخص آکر یہ بتائے گا کہ ابو جہل کا کیا ہوا؟ اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

قتل ابو جہل کے سلسلے میں مختلف روایات کا بیان

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنگ بدر کے دن میں ایک صف میں کھڑا ہوا تھا، میں نے اپنی دائیں اور بائیں جانب دیکھا تو مجھے انصار کے دو کم عمر لڑکے نظر آئے تو مجھے یہ خیال آیا کہ کاش میں ان سے زیادہ طاقتور لوگوں کے درمیان ہوتا، پھر ان میں سے ایک نے مجھے اشارہ کر کے کہا: اے چچا! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! اے بھتیجے تم کو اس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے اور قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے اس

کو دیکھ لیا تو میں اس کے جسم سے اس وقت تک الگ نہیں ہوں گا تاوقتیکہ ہم میں سے وہ مر جائے جس کی موت پہلے مقدر کر دی گئی ہو، مجھے اس کی بات پر تعجب ہوا، پھر دوسرے نے مجھے اشارہ کیا اور اسی طرح کہا، ابھی کچھ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے ابوجہل کو لوگوں میں گھومتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا سنو! یہ ہے وہ شخص جس کے متعلق تم دونوں مجھ سے سوال کر رہے تھے، وہ دونوں تلواریں لے کر اس پر جھپٹے اور اس پر تلواروں سے وار کیے حتیٰ کہ ان دونوں نے اس کو قتل کر دیا، پھر ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا تم میں سے کس نے اس کو قتل کیا ہے؟ ان میں سے ہر ایک نے کہا میں نے اس کو قتل کیا ہے، آپ نے فرمایا کیا تم دونوں نے اپنی تلواروں کو صاف کر لیا ہے؟ ان دونوں نے کہا نہیں، آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھ کر فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے اور اس کا سلب معاذ بن عمرو بن جموح کو ملے گا، اور یہ دونوں معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح تھے۔[1]

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حارث تھا (عفراء ان کی والدہ کا نام ہے) انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز عصر کے بعد نفل پڑھنے کی ممانعت کی حدیث روایت کی ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے، حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اپنے والد حضرت عمرو بن جموح کے ہمراہ بیعۃ العقبہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور جنگ بدر میں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھے ان کے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔[2]

ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح نے ابوجہل پر تلوار مار کر اس کی ٹانگ کاٹ دی تھی اور اس کو پچھاڑ دیا تھا، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے حضرت معاذ کے کندھے پر تلوار ماری اور ہاتھ کاٹ دیا، پھر حضرت معوذ بن عفراء نے ابوجہل پر وار کیا اور اس کو اسی حال میں چھوڑ کر آ گئے ابھی اس میں کچھ رمق حیات تھی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کو تلاش کرنے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے اور اس کا سر کاٹ دیا۔ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوجہل کو کون شخص دیکھ کر آئے گا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دیکھنے گئے اس وقت عفراء کے بیٹے اس کو قتل کر چکے تھے اور وہ ٹھنڈا ہونے کے قریب تھا، حضرت ابن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا تو ابوجہل ہے؟ اس نے کہا کیا تم نے اس سے بڑے کسی شخص کو بھی قتل کیا ہے؟[4]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت انس کی روایت میں جو ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں نے ابوجہل کو قتل کیا تھا یہ

۱۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

۲۔ حافظ ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۶۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۲۴۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

۴۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ

قبیلہ سے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح کی والدہ کا نام بھی عفراء ہو۔ [1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام حاکم سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابن مسعود ابوجہل کا سر کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے تو آپ نے تین بار فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت دی۔ [2]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: عفراء کے دو بیٹے معاذ اور معوذ تھے یہ دونوں آپس میں بھائی تھے، یہ ابوجہل کو ڈھونڈ رہے تھے جیسے ہی انہوں نے ابوجہل کو دیکھا عقاب کی مانند اس پر جھپٹے اور اس پر تلواروں سے حملہ کیا حتیٰ کہ اس کو زمین پر گرا دیا، حضرت معاذ کہتے ہیں میں نے تلوار مار کر ابوجہل کی ٹانگ کاٹ کر پھینک دی، ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے مجھ پر تلوار ماری اور میرا ہاتھ کندھے سے الگ ہو گیا، میرا وہ ہاتھ میرے پہلو سے لٹک رہا تھا اور میں اسی حال میں جنگ کر رہا تھا آخر میں نے تنگ آ کر اس ہاتھ کو اپنے پیر کے نیچے دبا کر جھٹکے سے الگ کر دیا، اس کے بعد حضرت معوذ بن عفراء نے ابوجہل پر وار کر کے اس کو نیچے گرا دیا لیکن ابھی اس میں کچھ رمق حیات باقی تھی، (بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کا سر کاٹا)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے ابن وہب سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے درآں حالیکہ ان کا ہاتھ ان کی کمان کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، آپ نے لعاب دہن لگا کر اس کو بدن کے ساتھ جوڑ دیا اور بعد میں حضرت معاذ بن عفراء حضرت عثمان کے زمانہ تک زندہ رہے اور حضرت معوذ جنگ بدر ہی میں شہید ہو گئے تھے۔ [3]

ابوجہل کے قتل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شکر ادا کرنا

شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: احادیث صحیحہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جا کر ابوجہل کی خبر لے کر آئے، حضرت ابن مسعود گئے اور ابوجہل کو اس حال میں پایا کہ عفراء کے دو بیٹے اس کو قتل کر چکے تھے حضرت ابن مسعود اس کے سینہ پر چڑھ گئے اور اس کی ناپاک داڑھی پکڑ کر کہا اے دشمن خدا تو ہی ابوجہل ہے، اللہ تعالیٰ نے تجھے رسوا کر دیا! ابوجہل نے کہا مجھے اس کے علاوہ اور کوئی رنج نہیں ہے کہ مجھے میری قوم نے قتل نہیں کیا ہے کاش مجھے کسان کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا (اس کی مراد یہ تھی کہ انصار کاشتکاری کرتے تھے اور اس کو دو انصاری نوجوانوں نے قتل کیا تھا) کہتے ہیں کہ ابوجہل کو اس امت کا فرعون کہا گیا ہے لیکن یہ فرعون سے بدتر تھا کیونکہ جب فرعون غرق ہوا تو اس نے حق کا اعتراف کر لیا اور یہ بدبخت مرتے دم تک اسی حال پر رہا اور متکبر ہو کر کافر رہا، لعنۃ اللہ علیہ۔ حضرت ابن مسعود اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے اے دشمن خدا تجھ کو رسوا کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ آپ اس وقت سجدہ شکر بجا لائے، اسی وجہ سے بعض فقہاء اس کے قائل ہیں کہ جب کسی شخص کو نعمت حاصل ہو یا اس سے کوئی مصیبت دور ہو تو اس کا سجدہ شکر بجا لانا مستحب ہے۔ سجدہ تلاوت کے علاوہ خارج نماز سجدہ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے سجدہ شکر یا سجدہ مناجات، جمہور علماء احناف اس کے قائل نہیں

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] فتح الباری ج ۷ ص ۲۹۵

[3] شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۸۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

ہیں اور حدیث میں جو سجدہ شکر کا ذکر ہے اس کو سجدہ نماز پر محمول کرتے ہیں اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی تھی۔[1]

علامہ حلبی لکھتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں اپنی تلوار سے ابوجہل کا سر کاٹنے لگا تو اس تلوار سے اس کا سر نہیں کاٹ سکا، ابوجہل نے میرے منہ پر تھوک دیا اور کہا میری تلوار سے میری گردن کاٹو اور گردن کے پیچھے سے میرا سر کاٹنا تاکہ جب میرا سر رکھا جائے تو سروں میں سب سے بلند ہو، میں نے ایسا ہی کیا، پھر میں اس کا سر لے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے، آپ نے تین بار فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تو نے ابوجہل کو قتل کر دیا؟ میں نے کہا اں قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے پھر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا سر ڈال دیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور روایت ہے کہ آپ نے پانچ بار سجدہ شکر ادا کیا۔[2]

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ روایت میں ہے آپ نے تین بار فرمایا الحمد للہ الذی اعز الاسلام و اھلہ اور سجدہ میں گر گئے اور پانچ سجدہ شکر ادا کیے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔[3]

سجدۂ شکر کی تحقیق

سجدۂ شکر اس موقع پر کیا جاتا ہے جب انسان کو کوئی خاص نعمت حاصل ہو یا اس سے کوئی خاص مصیبت دور ہوئی ہو، یوں تو ہر وقت انسان کو اللہ کی کوئی نہ کوئی نعمت حاصل ہے لیکن جب کسی نعمت کی تجدید ہو یا کوئی غیر متوقع نعمت حاصل ہو یا جب کسی بلا کا خطرہ ہو وہ ٹل جائے تو اس وقت سجدہ شکر کرنا مستحب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان وضو کر کے قبلہ رخ کھڑا ہو اور اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں گر جائے اور سجدہ میں اللہ کی تسبیح بیان کرے اور پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے اٹھ جائے۔

بکثرت احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے سجدہ شکر ادا کرنے کا ثبوت ہے، فقہاء اسلام میں سے امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سجدہ شکر کے جواز اور استحباب کے قائل ہیں اور امام مالک سے سجدہ شکر کی کراہت منقول ہے۔ ہم پہلے سجدہ شکر کے متعلق احادیث بیان کریں گے، پھر آثار صحابہ کا ذکر کریں گے اور آخر میں سجدہ شکر کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء نقل کریں گے فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

سجدۂ شکر کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابی بکرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا جاءہ امر سرور او بشر بہ خر ساجدا شاکرا للہ۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی امر مسرت حاصل ہوتا یا آپ کو کوئی خوشخبری دی جاتی تو آپ اللہ کا شکر ادا کرنے

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۸۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ، انسان العیون ج ۲ ص ۴۳۰، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی حلبی و اولادہ مصر ۱۳۴۹ھ

[3] انسان العیون ج ۲ ص ۴۳۲

شکر کے لیے سجدہ میں گر جاتے۔[1]

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے[2] اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر بحاجۃ فخر ساجدًا۔[4]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کی خوشخبری دی گئی تو آپ سجدہ میں گر گئے۔

امام احمد بن حنبل نے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے:

عن عبد الرحمن بن عوف قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتبعتہ حتی دخل نخلا فسجد فاطال السجود حتی خفت او خشیت ان یکون اللہ قد توفاہ او قبضہ قال فجئت انظر فرفع راسہ فقال مالک یا عبد الرحمن قال فذکرت ذلک لہ فقال ان جبریل علیہ السلام قال لی الا ابشرک ان اللہ عز وجل یقول لک من صلی علیک صلیت علیہ ومن سلم علیک سلمت علیہ۔[5]

حضرت عبد الرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے حتیٰ میں آپ کے پیچھے گیا، آپ کھجور کے باغ میں گئے اور سجدہ کیا اور بہت لمبا سجدہ کیا حتیٰ کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ شاید اللہ نے آپ کی روح قبض کر لی ہے، میں آپ کو دیکھنے لگا، آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور پوچھا اے عبد الرحمان کیا بات ہے؟ میں نے اپنا اندیشہ بیان کیا آپ نے فرمایا جبرائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ بشارت نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کہا کہ جو شخص آپ پر صلوٰۃ پڑھے گا میں اس پر صلوٰۃ پڑھوں گا اور جو آپ کو سلام عرض کرے گا میں اس کو سلام کروں گا۔ (یعنی اس نعمت پر اس قدر طویل سجدہ شکر کیا)۔

حافظ نور الدین الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔[6]

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۴۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۳۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۷۰، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[4] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۰۰-۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[6] حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۷، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

عن البراء قال بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الولید الی اھل الیمن یدعوھم الی الاسلام فلم یجیبوہ ثم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث علی بن ابی طالب وامرہ ان یقفل خالدا ومن کان معہ الا رجل ممن کان مع خالد احب ان یعقب مع علی رضی اللہ عنہ فلیعقب معہ قال البراء فکنت ممن عقب معہ فلما دنونا من القوم خرجوا الینا فصلی بنا علی رضی اللہ عنہ وصفنا صفا واحدا ثم تقدم بین ایدینا فقرأ علیھم کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسلمت ھمدان جمیعا فکتب علی رضی اللہ عنہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باسلامھم فلما قرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب خر ساجدا ثم رفع رأسہ فقال السلام علی ھمدان السلام علی ھمدان۔ اخرج البخاری صدر ھذا الحدیث عن احمد بن عثمان ...... فلم یسقہ بتمامہ وسجدۃ الشکر فی تمام الحدیث صحیح علی شرطہ۔ [1]

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو دعوت اسلام دینے کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا انھوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان کو یہ حکم دیا کہ حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں کو واپس بھیج دیں البتہ اگر کوئی شخص ان کے ساتھ رہنا چاہے تو رہ جائے، حضرت براء کہتے ہیں میں بھی ان کے ساتھ تھا جو حضرت علی کے ساتھ رہ گئے تھے، جب ہم اہل یمن کے پاس پہنچے تو وہ مقابلہ کے لیے نکلے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہم کو ایک صف میں کھڑا کر کے نماز پڑھائی پھر ہمارے آگے بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا، تو ہمدان کا پورا قبیلہ اسلام لے آیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام لانے کی خوشخبری لکھ کر بھیجی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خط پڑھا تو آپ فوراً سجدہ (شکر) میں گر گئے پھر آپ نے سر اٹھا کر فرمایا، ہمدان پر سلام ہو، ہمدان پر سلام ہو۔ امام بخاری نے اس حدیث کے شروع کا حصہ احمد بن عثمان سے روایت کیا ہے اور پوری حدیث کو روایت نہیں کیا، سجدہ شکر کا ذکر حدیث کے آخر میں ہے اور یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔

حافظ نور الدین الہیثمی نے اس مضمون کی متعدد احادیث حضرت عمر اور حضرت عثمان کی روایات سے بیان کی ہیں۔ [2]
حافظ نور الدین نے طبرانی کے حوالے سے ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک طویل سجدہ کیا۔

فقال ابوبکر یا رسول اللہ اطلت السجود فقال سجدت لربی شکرا فیما اعطانی

حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے بہت لمبا سجدہ کیا، آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۶۹، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۸-۲۸۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

من امتی سبعون الفا یدخلون الجنة بغیر حساب۔ [1]

کا سجدۂ شکر ادا کیا ہے کیونکہ اس نے میری امت کے ستر ہزار افراد کو بغیر حساب جنت میں داخل کرنے کی مجھے شفاعت عطا کی ہے۔

حافظ نورالدین الہیثمی طبرانی فی الکبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن جریر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یبق من طواغیت الجاھلیة الا بیت ذی الخلصة فمن ینتدب للہ ولرسولہ فقال جریر انا وانتدب معہ سبعمائة من احمس فلم یفجأ القوم الا بنواحی الجبل فقتلوا وحرقوا البیت وکتبوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشارتھا خبروہ وانہ لم یبق منہ الا کالبعیر الاجرب فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساجدا ثم قال اللھم بارک لاحمس فی خیلھا ورجالھا [2]

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے سرکشوں میں سے صرف ذوالخلصہ باقی بچے ہیں سو ان کو قتل کرنے کے لیے (اللہ اور رسول کی دعوت پر کون لبیک کہے گا؟ حضرت جریر نے کہا میں، اور ان کے ساتھ قبیلہ احمس کے سات سو سواروں نے بھی لبیک کہا، پھر اس قوم کو پہاڑ کی گھاٹیوں کے سوا اور کہیں جگہ نہیں ملی، مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا اور ان کے بت خانہ کو جلا دیا، پھر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بشارت کا مکتوب لکھ کر بھیجا اور یہ لکھا کہ اب ان میں صرف خارش زدہ اونٹ کی طرح رنگ باقی بچے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھتے ہی سجدہ (شکر) میں گر گئے اور فرمایا اے اللہ! احمس کے سواروں اور پیادوں میں برکت عطا فرما!۔

عن ابی موسیٰ قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرأیتہ سجد سجدة الشکر وقال سجدت شکرا رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ جماعة بن مصعب ضعفہ یحیی بن معین والبخاری وجماعة ووثقہ علی بن یحیی وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے میں نے آپ کو سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ نے فرمایا میں نے سجدہ شکر ادا کیا، امام طبرانی نے اس کو معجم کبیر میں روایت کیا ہے، اس حدیث کے ایک راوی جماد بن مصعب کی امام بخاری اور یحییٰ بن معین نے تضعیف کی ہے، اور علی بن یحییٰ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کا ثقات

---

[1] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] ،، ،، ،، ،، ،، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۹، ،، ،، ،،

میں ذکر کیا ہے۔[1]

عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر برجل بہ زمانۃ فنزل وسجد ومر بہ ابو بکر فنزل وسجد ومر بہ عمر فنزل وسجد رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ عبد العزیز بن عبید اللہ وھو ضعیف۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بچے شخص کے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے سواری سے اتر کر سجدہ (شکر) ادا کیا، حضرت ابوبکر اس کے پاس سے گذرے تو انھوں نے بھی سواری سے اتر کر سجدہ (شکر) ادا کیا، حضرت عمر اس کے پاس سے گذرے تو انھوں نے بھی اتر کر سجدہ (شکر) کیا، اس حدیث کی سند میں عبد العزیز بن عبید اللہ نام کا ایک راوی ضعیف ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رای رجلا متغیر الخلق سجد رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ یوسف بن محمد بن المنکدر وثقہ ابو زرعۃ وضعفہ جماعۃ۔[3]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے جس کی خلقت میں کوئی عیب ہوتا تو آپ سجدہ (شکر) ادا کرتے، اس حدیث کی سند میں یوسف بن محمد بن منکدر ایک راوی ہے امام ابو زرعہ نے اس کی توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

سجدہ شکر کے متعلق آثار صحابہ

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن محمد بن عبد اللہ عن رجل لم یسمہ ان ابا بکر لما فتح الیمامۃ سجد۔[4]

محمد بن عبد اللہ ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے جب یمامہ فتح کر لیا تو سجدہ (شکر) ادا کیا۔

عن زید بن اسلم عن ابیہ ان عمر اتاہ فتح (من) قبل الیمامۃ فسجد۔[5]

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یمامہ کی طرف سے فتح کی خبر آئی تو انھوں نے سجدہ (شکر) ادا کیا۔

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] " " " " ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۹، " " " "

[3] " " " " ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸۹، " " " "

[4] حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۴۸۳-۴۸۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[5] " " " " ، المصنف ج ۲ ص ۴۸۳، " " " "

عن ابی موسیٰ قال شهدت علیا لما اتی بالمخدج سجد.[1]

ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی کے پاس تھا جب آپ کے پاس ایک ناقص الخلقت شخص لایا گیا تو آپ سجدہ (شکر) ادا کیا۔

عن ابن عباس قال لما نزل نکاح زینب انطلق زید بن حارثة حتی استاذن علی زینب قال فقالت زینب مالی ولزید قال ما رسل الیها فقال انی رسول رسول الله صلی الله علیه وسلم الیک قال فاذنت له فبشرها ان الله قد زوجها من نبیه صلی الله علیه وسلم قال فخرت ساجدة لله شکرا.[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت زینب کے نکاح کے متعلق آیت نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ نے حضرت زینب کے گھر جا کر اجازت طلب کی، حضرت زینب نے کہا اب میرا زید سے کیا تعلق ہے؟ حضرت زید نے کہا میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لایا ہوں، حضرت زینب نے آنے کی اجازت دی، حضرت زید نے ان کو یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا ہے، حضرت زید کہتے ہیں کہ حضرت زینب اسی وقت سجدہ میں گر گئیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن کعب بن مالک یحدث حدیثه حین تخلف عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزوة تبوک فذکر الحدیث بطوله الی ان قال حتی کملت لنا خمسون لیلة من حین نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کلامنا فلما صلیت صلوة الفجر صبح خمسین لیلة وانا علی ظهر بیت من بیوتنا فبینما انا جالس علی الحال التی ذکر الله منا قد ضاقت علی نفسی وضاقت علی الارض بما رحبت سمعت صوت صارخ اوفی علی جبل سلع یا کعب بن مالک ابشر فخررت ساجدا وعرفت انه قد

حضرت کعب بن مالک نے ایک طویل حدیث میں یہ بیان کیا کہ جب وہ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ کلام کرنے سے منع کر دیا تھا، حتیٰ کہ اسی طرح پچاس راتیں گزر گئیں، پھر پچاسویں دن کی صبح کو جب میں نے صبح کی نماز پڑھی اور میں اپنے گھر کی ایک چھت پر چڑھا، میں اس وقت بیٹھا ہوا تھا اور میرا قرآن مجید کے مطابق حال یہ تھا کہ میں اپنی جان سے عاجز آ گیا تھا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی تھی، اچانک "سلع" پہاڑ سے ایک بلند آواز آئی "اے کعب بن مالک مبارک ہو!" میں اسی وقت سجدہ میں گر گیا اور میں سمجھ گیا کہ اب راحت آ گئی ہے، رسول اللہ صلی

---

[1] حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۴۸۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[2] ،، ،، ،، ،، المصنف ج ۲ ص ۴۸۳ ،، ،، ،،

جاء الفجر و اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتوبۃ اللہ علینا حین صلی صلوٰۃ الفجر۔[1]

اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمالی ہے۔

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن اسماء بنت ابی بکر الصدیق انہ لما قتل ابن الزبیر کان عندھا شیء اعطاہ ایاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفط ففقدتہ فاحتدت تطلبہ فلما وجدتہ خرت ساجدۃ رواہ الطبرانی فی الکبیر واسنادہ حسن وفی بعض رجالہ کلام۔[2]

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈبیہ میں ان کو کوئی چیز دی تھی جب حضرت ابن الزبیر شہید ہوئے تو وہ چیز گم ہو گئی، انھوں نے اس چیز کو ڈھونڈنا شروع کیا جب وہ چیز مل گئی تو وہ سجدہ میں گر گئیں۔

سجدہ شکر کے متعلق فقہاء حنابلہ کی رائے

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جب تازہ تازہ کوئی نعمت حاصل ہو یا کوئی مصیبت دور ہو تو سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے، امام شافعی، اسحاق، ابو ثور اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے، اور نخعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ سجدہ شکر مکروہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فتوحات ہوئیں اور آپ نے بارش کی دعا کی اور بارش نازل ہوئی لیکن آپ کا اس موقع پر سجدہ کرنا منقول نہیں ہے اور اگر سجدہ شکر مستحب ہوتا تو آپ ان مواقع پر سجدہ شکر ادا کرتے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خوشخبری آتی تو آپ سجدہ میں گر جاتے۔ (سنن ابوداؤد، جامع ترمذی) اور حضرت ابوبکر کے پاس جب یمامہ کی فتح کی خبر آئی تو وہ سجدہ میں گر گئے، اور حضرت علی نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ صفت کے مطابق ایک شخص کو خوارج میں دیکھا تو سجدہ شکر ادا کیا۔ (مسند احمد ج ا ص ۱۰۸، ۱۰۷، سعیدی غفرلہٗ) اور صحابہ کرام کی جماعت میں سجدہ شکر ادا کرنے کا طریقہ مشہور اور معروف تھا لہٰذا اس کا انکار کرنا باطل ہے اور بعض مواقع پر آپ کا سجدہ شکر نہ کرنا اس کے استحباب کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ مستحب کام پر کبھی عمل کیا جاتا ہے اور کبھی اس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور سجدہ شکر ادا کرنے کی وہی شرائط ہیں جو سجدہ تلاوت کی شرائط ہیں۔

نماز کے اندر سجدہ شکر کو ادا نہیں کیا جائے گا اگر اس نے کیا تو نماز باطل ہو جائے گی الّا یہ کہ اس نے بھول کر یا لاعلمی کی بناء پر کیا ہو۔[3]

سجدہ شکر کے متعلق فقہاء شافعیہ کی رائے

علامہ نووی لکھتے ہیں: سجدہ شکر نماز میں داخل نہیں ہے، یہ کسی نعمت کے تازہ حصول یا کسی مصیبت کے دوری کے وقت مستحب ہے، یا کسی شخص کو کسی بیماری یا خلقی عیب میں مبتلا دیکھنے کے وقت یا کسی فاسق معلن کو دیکھنے کے

---

[1] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۷۰ - ۳۶۹، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹۰ - ۲۸۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[3] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۲ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

وقت مستحب ہے، فاسق کو دکھا کر سجدہ کرے کیونکہ کسی بیماری میں مبتلا شخص کو دکھا کر سجدہ نہ کرے، سجدہ شکر کی وہی شرائط ہیں جو سجدہ تلاوت کی شرائط ہیں۔

علامہ شربینی خطیب شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: نعمت کے حصول سے یہ مراد ہے مثلاً بچہ کا پیدا ہونا، کسی مرتبہ کا حاصل ہونا، یا مال کا حاصل ہونا، یا کسی گم شدہ یا غائب کا آنا یا دشمن کے خلاف مدد حاصل ہونا، اور مصیبت دور ہونے سے مراد یہ ہے مثلاً کوئی شخص ڈوبنے سے یا جلنے سے بچ جائے، کیونکہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی خوشخبری آتی تو آپ سجدہ میں گر جاتے، اور امام ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تہائی امت کی شفاعت عطا کی، میں نے اپنے رب کا سجدہ شکر ادا کیا، میں نے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تہائی امت کی شفاعت عطا کی، میں نے اپنے رب کا سجدہ شکر ادا کیا، میں نے پھر سر اٹھا کر اپنے رب سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آخری تہائی کی بھی شفاعت عطا فرما دی۔ سجدہ شکر کی ادائیگی کے لیے کسی نعمت کے حدوث یا آفت کے دفع ہونے کی جو قید لگائی گئی ہے اس سے وہ نعمتیں نکل جاتی ہیں جو ہمیشہ اور استمرار کے ساتھ حاصل رہتی ہیں جیسے عافیت اور اسلام وغیرہ (یا جیسے ہوا، پانی، غذا اور صحت وغیرہ) کیونکہ اگر ان نعمتوں پر سجدہ شکر مستحب ہو تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ انسان ساری عمر سجدہ شکر میں پڑا رہے۔ علامہ نووی نے شرح المہذب میں نعمت کے حصول اور مصیبت کے دور ہونے کو ظاہر کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی وہ نعمت ظاہری ہو، سو اس سے باطنی نعمتیں مثلاً علم اور معرفت وغیرہ نکل جائیں، اور اسنوی میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ نعمت غیر متوقع ہو یعنی ایسی نعمت حاصل ہو جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو تب سجدہ شکر ادا کرے۔ سجدہ شکر کی ادائیگی کی کیفیت اور شرائط سجدہ تلاوت کی طرح ہیں۔ یعنی یہ سجدہ باوضو قبلہ رخ ہو کر خارج از نماز ادا کیا جائے گا۔ بعض جاہل لوگ جو اپنے پیروں کو سجدہ کرتے ہیں یہ حرام ہے خواہ قبلہ رخ ہو کر سجدہ کریں یا سجدہ میں اللہ کا قصد کریں بلکہ بعض صورتوں میں کفر کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ اور مامون رکھے۔ [1]

سجدہ شکر کے متعلق فقہاء احناف کی آراء

علامہ ابراہیم حلبی حنفی لکھتے ہیں: فقیہ زاہدی نے لکھا ہے کہ سجدہ کی پانچ قسمیں ہیں، سجدہ صلبیہ (نماز کا سجدہ) فرض ہے، سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو واجب ہیں، اسی طرح سجدہ نذر بھی واجب ہے۔ (ایک قسم اور ہے وہ ہے سجدہ تحیت یا سجدہ تعظیمی یہ سجدہ حرام ہے۔ جیسا کہ علامہ شربینی نے ذکر کیا ہے، اور اعلیٰ حضرت نے اس کی حرمت کے بیان میں الزبدۃ الزکیۃ فی حرمۃ سجدۃ التحیۃ کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور پانچویں قسم (ربط کیا) سجدہ شکر ہے، امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے وہ میرے خیال میں سجدہ شکر کوئی چیز نہیں ہے۔ علامہ ابوبکر رازی نے کہا ہے امام اعظم کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ شکر واجب یا مسنون نہیں ہے بلکہ مباح ہے بدعت نہیں ہے۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ سجدہ شکر مکروہ ہے، لیکن ہم اس کو مستحب قرار دیتے ہیں جب انسان کو کسی نعمت کے حصول سے خوشی حاصل ہو یا جب کسی مصیبت کے دور ہونے سے خوشی ہو تو سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے، امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ سو ایسے موقع پر اللہ اکبر کہے اور قبلہ کی طرف منہ کرکے سجدہ کرے اس میں

۱۔ شیخ محمد شربینی الخطیب من قرن العاشر، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۲۱۹-۲۱۸، دار احیاء التراث العربی بیروت

اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرے اور تسبیح پڑھے، اور پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے (اس میں باوضو ہونا بھی شرط ہے،
سیدی) اور بغیر کسی سبب کے سجدہ کرنا عبادت نہیں ہے لیکن مکروہ بھی نہیں ہے، بعض جاہل لوگ نماز کے بعد جو سجدہ
کرتے ہیں یہ مکروہ ہے کیونکہ وہ اس کو سنت یا واجب گمان کرتے ہیں، اور ہر مباح کام جو کسی بدعقیدگی کی طرف پہنچائے
وہ مکروہ ہوتا ہے۔ (یہاں تک علامہ ابوبکر رازی کی عبارت ہے اس کے بعد علامہ حلبی لکھتے ہیں:) محیط میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ
یہ کہتے ہیں کہ سجدہ شکر واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں اور ہر نعمت پر سجدہ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ
یہ تکلیف مالا یطاق ہے، اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ سجدہ شکر جائز ہے۔ صاحب مجتبیٰ نے کہا میرے نزدیک امام ابوحنیفہ
کا قول ایجاب پر محمول ہے یعنی سجدہ شکر واجب نہیں ہے اور امام محمد کا قول جواز اور استحباب پر محمول ہے اس لیے ان دونوں
قولوں پر عمل کیا جائے گا ہر نعمت پر تو سجدہ شکر ادا کرنا واجب نہیں ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا لیکن جس نعمت کے
حاصل ہونے سے خوشی ہو اس پر سجدہ شکر ادا کرنا جائز ہے اور یہ استحباب سے خارج نہیں ہے، اس سلسلے میں نبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت روایات منقول ہیں، اس لیے اللہ کے بندوں کو سجدہ شکر ادا کرنے سے منع نہ کیا جائے
کیونکہ اس میں خضوع اور خشوع ہے اور اللہ کی عبادت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مصفیٰ میں لکھا ہے اکثر فقہاء نے کہا ہے
کہ امام اعظم کے نزدیک سجدہ شکر عبادت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اس پر ثواب نہیں ملے گا اس لیے اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے
اور امام ابویوسف اور امام محمد نے کہا کہ سجدہ شکر عبادت ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور اس اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر
سجدہ شکر کے لیے تیمم کیا تو آیا اس سے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ [1]

علامہ شرنبلالی حنفی لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک سجدہ شکر ادا کرنا مکروہ ہے، علامہ قدوری اور علامہ ابن ہمام
نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ایک رکعت سے کم نماز شرعاً عبادت نہیں ہے البتہ وہ چیز مستثنیٰ
ہے جو نص سے ثابت ہو جیسے سجدہ تلاوت، لہٰذا سجدہ تلاوت کے سوا ایک رکعت سے کم نماز عبادت نہیں ہے۔
(یہاں علامہ ابن ہمام کی عبارت ختم ہوئی) امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سجدہ شکر کو مکروہ
کہا ہے اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ میرے خیال میں سجدہ شکر کوئی چیز نہیں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ امام
ابوحنیفہ نے اس کے جواز کی نفی نہیں کی اور اس کے عبادت مشروعہ ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ سجدہ شکر واجب
نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اس لیے یہ مباح ہے، یا ان کی مراد یہ ہے کہ سجدہ شکر سے مکمل شکر ادا نہیں
ہوتا مکمل شکر دو رکعت نماز پڑھنے سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن دو رکعت نماز پڑھی جیسا
کہ سیر کبیر میں ہے۔ اور اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ سجدہ شکر ادا کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ یہ مکروہ ہے اور اس پر کوئی
ثواب نہیں ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ کثرت کرنا دیکھ کر سجدہ شکر ادا کرنا منسوخ ہے۔ [2]

علامہ طحطاوی اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں: سجدہ شکر کو منسوخ کہنا مردود ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اکابر
صحابہ نے سجدہ شکر ادا کیا ہے، حضرت ابوبکر کے پاس جب یمامہ کی فتح اور مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر پہنچی تو انہوں نے

---

[1] علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی ص ۶۰۵-۶۰۶، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

[2] علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی ۱۰۶۹ھ، مراقی الفلاح ص ۲۰۹، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ

سجدہ شکر کیا اور جب حضرت عمر کے پاس یرموک (شام کی ایک وادی) کی فتح کی خبر پہنچی تو انہوں نے سجدہ شکر کیا، حضرت علی نے ایک خارجی کو نہروان میں مرا ہوا دیکھ کر سجدہ شکر کیا، اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور پھر سجدہ میں گر گئے اور تین بار اسی طرح کیا اور فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تہائی امت کی شفاعت عطا کی میں نے اس پر اپنے رب کا سجدہ شکر کیا، اور میں نے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اپنے رب سے اپنی امت کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے تہائی امت کی شفاعت عطا کی میں فوراً سجدہ شکر بجا لایا، میں نے سجدہ سے سر اٹھا کر پھر اپنے رب سے اپنی امت کی شفاعت کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آخری ثلث عطا کر دی تو پھر میں اپنے رب کے لیے سجدہ میں گر گیا۔ (سنن ابوداؤد) [1]

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: امام ابویوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ سجدہ شکر کرنا عبادت ہے اور اس پر ثواب ملے گا، کیونکہ نسائی کے علاوہ باقی صحاح ستہ میں یہ روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام پر خوش ہوتے یا آپ کے پاس کوئی خوشخبری پہنچتی تو آپ سجدہ شکر کرتے۔ [2]

علامہ طحطاوی حنفی لکھتے ہیں امام ابویوسف اور امام محمد کے قول پر ہی فتویٰ ہے، اور مختار میں ہے اسی پر فتویٰ ہے، ابن امیر حاج نے لکھا ہے یہی ظاہر ہے اور یہی قول کس طرح ظاہر اور مفتی بہ نہیں ہوگا جبکہ سجدہ شکر کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں، در منتقیٰ میں ہے کہ سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے، اسی پر فتویٰ ہے، البتہ نماز کے بعد سجدہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کو واجب یا سنت اعتقاد کرتے ہیں اور ہر وہ مباح کام جو کسی بدعت کی طرف پہنچانے والا ہو مکروہ ہوتا ہے۔ [3]

مصنف کہتا ہے کہ علامہ طحطاوی کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ فقہاء حنفیہ تقلید کے فقیر نہیں ہیں اور قول امام کے اوپر حدیث کو مقدم کرتے ہیں، ہر چند کہ امام اعظم سے سجدہ شکر کی کراہت منقول ہے، لیکن جب یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کا یہ قول بکثرت احادیث صحیحہ اور آثار ثابتہ کے خلاف ہے تو فقہاء احناف نے امام کے قول کو چھوڑ کر حدیث کو اختیار کر لیا اور یہی صواب ہے، اور صراط مستقیم ہے اور سلامتی کی راہ ہے، ہم ایسی تقلید سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ احادیث اور آثار صحابہ کے واضح ہو جانے کے بعد بھی انسان اپنے امام کے قول سے چپکا رہے۔ اور بعض فقہاء نے امام ابوحنیفہ کے اس قول کی توجیہ کی اور اس کو حدیث کے موافق کرنے کی کوشش کی، علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

ذروۃ الاشعہ میں لکھا ہے امام اعظم کے نزدیک سجدہ شکر جائز ہے، واجب نہیں ہے اور امام اعظم سے جو یہ مروی ہے کہ سجدہ شکر مشروع نہیں ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ سجدہ شکر واجب نہیں ہے، اور امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف اس کے مسنون ہونے یا نہ ہونے میں ہے جواز یا عدم جواز میں نہیں ہے۔ تاتارخانیہ میں بھی صاحب محیط کے حوالے سے یہی لکھا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک سجدہ شکر واجب نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک سجدہ شکر جائز اور مستحب ہے، علامہ طحطاوی نے لکھا ہے کہ سجدہ شکر کے استحباب پر یہ قرینہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابوجہل کا

---

[1] علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ

[2] علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ، مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۶ھ

[3] علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۶ھ

برکات کر دیا گیا تو آپ نے پانچ مرتبہ سجدہ شکر ادا کیا، فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ جس شخص کو کوئی ظاہری نعمت حاصل ہوئی ہو یا کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال یا اولاد دی ہو یا اس کی کوئی گم شدہ چیز مل گئی ہو یا اس سے کوئی مصیبت دور ہو گئی ہو یا اس کا بیمار شفایاب ہو گیا ہو یا کوئی غائب شخص آگیا ہو تو اس کے لیے سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے اور اس کی وہی شرائط ہیں جو سجدہ تلاوت کی شرائط ہیں[1] اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔[5]

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی نے در مختار میں لکھا ہے کہ سجدہ شکر مستحب ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سجدہ شکر مستحب ہے جیسا کہ امام محمد نے اس کی تصریح کی ہے، کیونکہ بکثرت احادیث میں سجدہ شکر کا ذکر ہے اور حضرت ابوبکر اور عمر نے سجدہ شکر ادا کیا ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو منسوخ کہنا صحیح نہیں ہے۔[2]

سجدہ شکر کے متعلق فقہاء مالکیہ کی آراء

علامہ ابو عبد اللہ حطاب مالکی مغربی لکھتے ہیں: سجدہ شکر مکروہ ہے سجدہ شکر کا قول کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ سجدہ شکر میں عجز کا اظہار ہوتا ہے، اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ سجدہ شکر میں وضو کرنا ضروری نہیں، کیونکہ جب اچانک کوئی مسرت حاصل ہو تو دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ سجدہ شکر میں گر جائے اور جتنی دیر میں وہ وضو یا تیمم کر کے آئے گا وہ داعیہ سرد پڑ جائے گا۔[3]

علامہ ابو عبد اللہ عبدری مالکی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی چیز سے خوشی حاصل ہوتی تو آپ سجدہ شکر میں گر جاتے تھے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا کہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور امام مالک اس کے قائل نہیں ہیں، ابن العربی مالکی نے کہا امام مالک کیوں سجدہ شکر کے قائل نہیں ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنا ہمیشہ واجب ہے اگر سجدہ کرنے کا کوئی معمولی سبب بھی پایا جائے تو اس کو غنیمت شمار کرنا چاہیے۔[4]

سجدہ شکر کے بارے میں حرف آخر

علامہ عبدری مالکی اور قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی کا کہنا برحق ہے اور جب بکثرت احادیث اور آثار صحابہ سے سجدہ شکر کا استحباب ثابت ہے تو محض اپنا دل نہ ماننے سے سجدہ شکر کو مکروہ کہنا غلط ہے اور لائق التفات نہیں ہے، الحمد للہ مالکی فقہاء میں بھی ایسے ارباب بصیرت علماء ہیں جو احادیث اور آثار کے مقابلہ میں اپنے امام کے قول کو اہمیت نہیں دیتے اور یہی تقلید کی صحیح روش ہے اور ائمہ نے اپنے مقلدین کو یہی تلقین کی ہے کہ اگر ہمارا کوئی قول حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور ہمارے قول پر عمل نہ کرو، اور امام مالک کی طرف سے یہی توجیہ کی جائے گی کہ ان تک یہ احادیث نہیں پہنچ سکیں ہوں گی ورنہ جس چیز کا بکثرت احادیث

---

1. علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۰۰، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ
2. علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۵۰۰، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ
3. علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب مالکی المغربی متوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل ج ۲ ص ۹۲-۹۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
4. علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم عبدری مالکی متوفی ۸۹۷ھ، التاج والاکلیل ج ۲ ص ۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
5. فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۶-۱۳۵، مطبوعہ مکتبہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

سے استحباب ثابت ہو رہا ہو اس کو بھی مکروہ کہتے، اور امام ابوحنیفہ نے سجدہ شکر کو مکروہ نہیں کہا بلکہ اس کے وجوب کی نفی کی ہے اور اگر بالفرض انہوں نے اس کو مکروہ کہا ہو تو ان کا یہ قول واجب الاتباع نہیں ہے اور غیر مسموع ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ نہیں دیا بلکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ درمختار، شامی، غنیۃ المستملی، عالمگیری اور حاشیہ طحطاوی میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ فقہاء احناف اول آخر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اپنے امام کی اندھی تقلید نہیں کرتے وللہ الحمد علی ذلک۔

نماز شکر کا حکم

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

عن شعثاء قالت رأيت ابن ابي اوفى صلى ركعتين وقال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الضحى ركعتين حين بشر بالفتح او براس ابي جهل۔ [1]

شعثاء بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت ابن ابی اوفیٰ کو دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کی خوشخبری ملی تو آپ نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز پڑھی یا جب آپ کے پاس ابوجہل کا سر لایا گیا۔

ابوجہل کا سر کاٹ کر لانے کے موقع کے متعلق روایات مختلف ہیں بعض میں سجدہ شکر کا ذکر ہے اور بعض میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ نے پانچ بار سجدہ شکر بھی کیا ہو اور نماز شکر بھی پڑھی ہو۔

نماز شکر پڑھنا بھی جائز ہے، البتہ شکرانے کے نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھنا خلاف سنت ہے اور کسی ایک شخص کی اقتداء میں چار یا چار سے زیادہ افراد جماعت کے ساتھ نفل پڑھیں تو یہ فقہاء احناف کے نزدیک بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے غیر رمضان میں جماعت کے ساتھ نفل نہیں پڑھے۔

بَابُ ۱۱۲ قَتْلِ كَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ طَاغُوْتِ الْيَهُوْدِ!

یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف کے قتل کا بیان

۴۵۴۹ - حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْحَنْظَلِيُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمِسْوَرِ الزُّهْرِيُّ كِلَاهُمَا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَاللَّفْظُ لِلزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچائی ہے، سو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ اس کو پسند کریں گے کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! انہوں نے عرض کیا پھر

[1] امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج ۱ ص ۳۴۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى
اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ يَا رَسُولَ
اللّٰهِ أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ
ائْذَنْ لِي فَلْأَقُلْ قَالَ قُلْ فَأَتَاهُ فَقَالَ
لَهُ وَذَكَرَ مَا بَيْنَهُمَا وَقَالَ إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ
قَدْ أَرَادَ صَدَقَةً وَقَدْ عَنَّانَا فَلَمَّا
سَمِعَهُ قَالَ وَأَيْضًا وَاللّٰهِ لَتَمَلُّنَّهُ
قَالَ إِنَّا قَدِ اتَّبَعْنَاهُ الْآنَ وَنَكْرَهُ أَنْ
نَدَعَهُ حَتّٰى نَنْظُرَ إِلٰى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيرُ
أَمْرُهُ قَالَ وَقَدْ أَرَدْتُ أَنْ تُسْلِفَنِي سَلَفًا
قَالَ فَمَا تَرْهَنُنِي قَالَ مَا تُرِيدُ قَالَ
تَرْهَنُنِي نِسَاءَكُمْ قَالَ أَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ
أَنَرْهَنُكَ نِسَاءَنَا قَالَ لَهُ تَرْهَنُونِي
أَوْلَادَكُمْ قَالَ يُسَبُّ ابْنُ أَحَدِنَا فَيُقَالُ
رُهِنَ فِي وَسْقَيْنِ مِنْ تَمْرٍ وَلٰكِنْ نَرْهَنُكَ
اللَّأْمَةَ يَعْنِي السِّلَاحَ قَالَ فَنَعَمْ وَوَاعَدَهُ
أَنْ يَأْتِيَهُ بِالْحَارِثِ وَأَبِي عَبْسِ بْنِ
جَبْرٍ وَعَبَّادِ بْنِ بِشْرٍ قَالَ فَجَاءُوا فَدَعَوْهُ
لَيْلًا فَنَزَلَ إِلَيْهِمْ قَالَ سُفْيَانُ قَالَ غَيْرُ
عَمْرٍو قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ إِنِّي لَأَسْمَعُ صَوْتًا
كَأَنَّهُ صَوْتُ دَمٍ قَالَ إِنَّمَا هٰذَا مُحَمَّدُ
بْنُ مَسْلَمَةَ وَرَضِيعُهُ وَأَبُو نَائِلَةَ إِنَّ
الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلٰى طَعْنَةٍ لَيْلًا لَأَجَابَ
قَالَ مُحَمَّدٌ إِنِّي إِذَا جَاءَ فَسَوْفَ أَمُدُّ يَدِي
إِلٰى رَأْسِهِ فَإِذَا اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَدُونَكُمْ
قَالَ فَلَمَّا نَزَلَ نَزَلَ وَهُوَ مُتَوَشِّحٌ فَقَالُوا
نَجِدُ مِنْكَ رِيحَ الطِّيبِ قَالَ نَعَمْ تَحْتِي
فُلَانَةُ هِيَ أَعْطَرُ نِسَاءِ الْعَرَبِ قَالَ فَتَأْذَنُ
لِي أَنْ أَشُمَّ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ فَشُمَّ فَتَنَاوَلَ

مجھے کچھ تعریض کرنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا کہہ لینا،
پس وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے باتیں
کیں اور اپنا اور حضور کا فرضی معاملہ بیان کیا اور کہا یہ شخص ہم
سے صدقات لیتا ہے اور ہم کو اس نے مصیبت میں
ڈال رکھا ہے، جب کعب نے یہ سنا تو کہا: خدا کی قسم
ابھی تو تم کو اور مصیبت پڑے گی، حضرت محمد بن مسلمہ نے
کہا ہم اس کی اتباع کر چکے ہیں اب ہمیں اس کو چھوڑنا برا
معلوم ہوتا ہے تاوقتیکہ ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ اس کا آل کار
کیا ہوتا ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا میں یہ چاہتا
ہوں کہ تم مجھے کچھ قرض دو، کعب نے کہا تم میرے پاس
کیا چیز رہن رکھو گے؟ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا جو تم
چاہو، کعب بن اشرف نے کہا تم اپنی عورتیں میرے پاس
رہن رکھ دو، حضرت ابن مسلمہ نے کہا تم عرب کے حسین
ترین شخص ہو ہم تمہارے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی
رکھ سکتے ہیں! کعب نے کہا پھر اپنے بچے گروی رکھ
دو حضرت ابن مسلمہ نے کہا پھر ہمارے بچوں کو یہ گالی
دی جائے گی کہ یہ دو وسق کھجور کے عوض گروی رکھا گیا
تھا البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس گروی رکھ دیں
گے، کعب نے کہا اچھا، حضرت ابن مسلمہ نے کعب
سے وعدہ کیا کہ حارث، ابو عبس بن جبر اور عباد بن
بشر کو لے کر تمہارے پاس آؤں گا، سو یہ لوگ اس
کے پاس گئے اور رات کو اسے بلایا، کعب ان کی طرف
جانے لگا، اس کی بیوی نے کہا مجھے ایسی آواز آ رہی ہے
جیسے خون کی آواز ہو، کعب نے کہا یہ محمد بن مسلمہ، اس کا
رضاعی بھائی اور ابو نائلہ ہے اور معزز آدمی کو اگر رات
کے وقت بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ چلا
جاتا ہے، ادھر حضرت محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں
سے کہہ دیا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اپنا ہاتھ اس کے سر کی طرف بڑھاؤں گا
جب میں اس پر قابو پا لوں تو تم اس وقت اس پر حملہ کر دینا

فَشَمَّ ثُمَّ قَالَ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَعُودَ قَالَ فَاسْتَمْكَنَ مِنْ رَأْسِهِ ثُمَّ قَالَ دُونَكُمْ قَالَ فَقَتَلُوهُ۔

جب کعب نیچے اترا تو وہ سر کو چادر سے چھپائے ہوئے تھا ان لوگوں نے کہا آپ سے تو خوشبو کی مہک آ رہی ہے اس نے کہا ہاں میرے ہاں فلاں عورت ہے جو عرب کی سب سے معطر عورت ہے، حضرت ابن مسلمہ نے کہا کیا آپ مجھے خوشبو سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہا ہاں سونگھو تو حضرت ابن مسلمہ نے اس کا سر سونگھا پھر کہا کیا آپ مجھے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت دیں گے اور پھر اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا اور ساتھیوں سے کہا پکڑو، اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

کعب بن اشرف کی مختصر سوانح

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ کعب بن اشرف یہودی عربی الاصل تھا اور بنو نبہان کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، اس کا باپ زمانہ جاہلیت میں مدینہ آیا اور بنو نضیر سے موالات کا حلف اٹھایا اور ان میں ذی حیثیت ہو گیا، اس نے عقیلہ بنت ابی الحقیق سے شادی کی اس سے کعب پیدا ہوا، یہ طویل القامت اور جسیم شخص تھا، اس کا سر اور پیٹ بڑا تھا واقعہ بدر کے بعد اس نے مسلمانوں کی ہجو کرنا شروع کر دی یہ مکہ میں وداعہ کے پاس گیا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کی ہجو کا جواب دیا، یہ پھر مدینہ منورہ واپس آ گیا اور اپنے اشعار میں مسلمان عورتوں کا ذکر کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس سے مسلمانوں کو اذیت پہنچی، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ کعب بن اشرف شاعر تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور آپ کے خلاف کفار قریش کو برانگیختہ کرتا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو سب ملے جلے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح کرنا چاہی، جبکہ یہود اور مشرکین مسلمانوں کو انتہائی اذیت پہنچاتے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو صبر کا حکم دیا لیکن جب کعب بن اشرف مسلمانوں کو اذیت پہنچانے سے باز نہیں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ کے ساتھ ایک جماعت کو اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا، امام ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ کعب بن اشرف کو ربیع الاول ۳ ہجری میں قتل کیا گیا تھا۔[1]

کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم دینے کی وجوہات

اس باب کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ابن عائذ نے کلبی سے روایت کیا ہے کہ جب کعب بن اشرف کفار قریش کے پاس گیا تو اس نے غلاف کعبہ تھام کر یہ قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرے گا، اور ابوالاسود نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ کعب بن اشرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو کرتا تھا اور قریش

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

کہ ان کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا، اور جب وہ قریش کے پاس گیا تو قریش نے اس سے پوچھا آیا ہمارا دین ہدایت پر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین ہدایت پر ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ تمہارا دین ہدایت پر ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے ہم سے عداوت کا اعلان کر دیا ہے۔ محمد بن اسحاق خراسانی نے ایک سند ضعیف کے ساتھ عکرمہ سے ایک مرسل روایت بیان کی ہے کہ کعب بن اشرف نے یہودیوں کے ساتھ مل کر کھانا تیار کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی اور یہ طے کیا کہ جب آپ آجائیں تو اچانک آپ کو قتل کر دیا جائے، آپ بعض صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے، جب آپ بیٹھ گئے تو جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو ان کی سازش سے مطلع کر دیا، آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جبرائیل امین نے آپ کو اپنے پروں کی حفاظت میں لے لیا، اس طرح آپ نکل گئے جب انہوں نے آپ کو گم پایا تو ڈھونڈنے لگے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ بھی کعب بن اشرف کے قتل کا سبب ہو کیونکہ اس حکم کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔[1]

حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا: یا رسول اللہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں، انہوں نے کعب بن اشرف سے جو کچھ کہا کہ اس شخص یعنی حضور نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے یہ سب اس کو قتل کرنے کی اسکیم اور حکمت عملی کی بناء پر تھا اور جنگ کی ضرورت کے پیش نظر ایسا کہنا جائز ہے اس پر تفصیل سے بحث گزر چکی ہے۔

بَابُ غَزْوَةِ خَيْبَرَ

غزوہ خیبر

۴۵۵۰۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ قَالَ فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلَاةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ فَرَكِبَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ أَبُو طَلْحَةَ وَأَنَا رَدِيفُ أَبِي طَلْحَةَ فَأَجْرَى نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زُقَاقِ خَيْبَرَ وَإِنَّ رُكْبَتِي لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَانْحَسَرَ الْإِزَارُ عَنْ فَخِذِ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي لَأَرَى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے جہاد کیا، ہم نے خیبر کے پاس منہ اندھیرے نماز پڑھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور حضرت ابوطلحہ سوار ہوئے، میں حضرت ابوطلحہ کے پیچھے سوار تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی گلیوں میں سواری دوڑائی، میرا گھٹنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے مس کر رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے چادر ہٹ گئی تھی، اور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی دیکھ رہا تھا، جب آپ بستی میں داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر خیبر ویران ہو گیا ہم جب کسی قوم کے میدانوں میں اترتے ہیں تو وہ دن ان لوگوں کے لیے

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ وَقَدْ خَرَجَ الْقَوْمُ إِلَى أَعْمَالِهِمْ فَقَالُوا مُحَمَّدٌ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا وَالْخَمِيسُ قَالَ وَأَصَبْنَاهَا عَنْوَةً۔

جنھیں عذاب کی وعید سنائی گئی ہے بہت برا ہوتا ہے، یہ کلمہ آپ نے تین بار فرمایا، اس وقت یہودی لوگ اپنے گھروں سے اپنے کام کاج کے لیے نکلے تھے، وہ کہنے لگے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آ گئے، بعض راویوں نے کہا لشکر کے ساتھ آ گئے، حضرت انس نے کہا ہم نے خیبر کو جنگ سے فتح کیا تھا۔

۴۵۵۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ أَبِي طَلْحَةَ يَوْمَ خَيْبَرَ وَقَدَمِي تَمَسُّ قَدَمَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَأَتَيْنَاهُمْ حِينَ بَزَغَتِ الشَّمْسُ وَقَدْ أَخْرَجُوا مَوَاشِيَهُمْ وَخَرَجُوا بِفُئُوسِهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ وَمُرُورِهِمْ فَقَالُوا مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ قَالَ فَهَزَمَهُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن میں سواری پر حضرت ابو طلحہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور میرے قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے مس کر رہے تھے، ہم خیبر میں اس وقت پہنچے جب سورج نکل چکا تھا، اس وقت یہودیوں نے اپنے جانور نکالے تھے اور وہ خود درانتیاں ٹوکریاں اور درختوں پر چڑھنے کی رسیاں لے کر نکلے، انھوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر کے ساتھ آ گئے ہیں، آپ نے فرمایا خیبر تباہ ہو گیا ہم جب کسی قوم کے میدانوں میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے وہ دن ان کے لیے بہت برا ہوتا ہے، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر اللہ عزوجل نے ان کو شکست دے دی۔

۴۵۵۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ قَالَ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پہنچے تو آپ نے فرمایا، ہم جب کسی قوم کے میدانوں میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے وہ دن ان کے لیے بہت برا ہوتا ہے۔

۴۵۵۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ عَبَّادٍ قَالَا

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر گئے،

حَدَّثَنَا حَاتِمٌ وَهُوَ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَيْبَرَ فَتَسَيَّرْنَا لَيْلًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لِعَامِرِ بْنِ الْأَكْوَعِ أَلَا تُسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ وَكَانَ عَامِرٌ رَجُلًا شَاعِرًا فَنَزَلَ يَحْدُو بِالْقَوْمِ يَقُولُ ؎

ہم رات بھر سفر کرتے رہے، لشکر میں سے ایک شخص نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ ہمیں اپنے کچھ اشعار نہیں سنائیں گے؟ حضرت عامر شاعر تھے وہ سواری سے اتر کر حدی خوانی کرنے لگے:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا
وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

اے اللہ! اگر تیری مدد نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔
نہ ہم زکوٰۃ ادا کرتے نہ نماز پڑھتے۔
ہماری طلب یہی ہے کہ ہمیں معاف کر دے ہم تجھ پر فدا ہیں۔
دشمن سے مقابلے کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ
اور ہم پر تسلی نازل فرما۔
جب ہم کو بلایا جاتا ہے تو ہم پہنچ جاتے ہیں۔
اور بلانے والے ہم پر اعتماد کرتے ہیں۔

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هَذَا السَّائِقُ قَالُوا عَامِرٌ قَالَ يَرْحَمُهُ اللَّهُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ وَجَبَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَوْلَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ قَالَ فَأَتَيْنَا خَيْبَرَ فَحَاصَرْنَاهُمْ حَتَّى أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ شَدِيدَةٌ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ فَتَحَهَا عَلَيْكُمْ قَالَ فَلَمَّا أَمْسَى النَّاسُ مَسَاءَ الْيَوْمِ الَّذِي فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ أَوْقَدُوا نِيرَانًا كَثِيرَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هَذِهِ النِّيرَانُ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ فَقَالُوا عَلَى لَحْمٍ قَالَ أَيُّ لَحْمٍ قَالُوا لَحْمُ حُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْرِيقُوهَا وَاكْسِرُوهَا فَقَالَ رَجُلٌ أَوْ نُهْرِيقُهَا وَنَغْسِلُهَا فَقَالَ أَوْ ذَاكَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ حدی خوان کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ عامر ہیں، آپ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے، لشکر میں سے ایک شخص نے کہا اس پر رحمت واجب ہو گئی، کاش آپ ہم کو بھی اس سے متمتع فرماتے، حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ پھر ہم خیبر پہنچے اور ہم نے اہل خیبر کا محاصرہ کر لیا حتیٰ کہ ہم کو سخت بھوک لگ گئی، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر خیبر فتح کر دیا، پھر فتح کے دن شام کے وقت لوگوں نے بہت آگ سلگائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آگ کیسی ہے؟ (کس چیز کو پکانے) کے لیے آگ جلا رہے ہو؟ لوگوں نے کہا گوشت پکا رہے ہیں، آپ نے پوچھا کس چیز کا گوشت؟ لوگوں نے کہا پالتو گدھوں کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہانڈیاں الٹ دو، اور ہانڈیاں توڑ دو، ایک شخص نے پوچھا کیا ہانڈیاں الٹ کر ان کو دھو لیں؟ آپ نے فرمایا یا ایسا ہی کر لو جب

قَالَ فَلَمَّا تَصَافَّ الْقَوْمُ كَانَ سَيْفُ عَامِرٍ فِيهِ قِصَرٌ فَتَنَاوَلَ بِهِ سَاقَ يَهُودِيٍّ لِيَضْرِبَهُ وَيَرْجِعُ ذُبَابُ سَيْفِهِ فَأَصَابَ رُكْبَةَ عَامِرٍ فَمَاتَ مِنْهُ قَالَ فَلَمَّا قَفَلُوا قَالَ سَلَمَةُ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِي قَالَ فَلَمَّا رَآنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاكِتًا قَالَ مَا لَكَ قُلْتُ لَهُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ قَالَ مَنْ قَالَهُ قُلْتُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَأُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهُ إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ وَجَمَعَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ قَلَّ عَرَبِيٌّ مَشَى بِهَا مِثْلَهُ وَخَالَفَ قُتَيْبَةُ مُحَمَّدًا فِي الْحَدِيثِ فِي حَرْفَيْنِ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّادٍ وَأَلْقِ سَكِينَةً عَلَيْنَا۔

لوگوں نے صف بندی کی تو عامر کی تلوار چھوٹی تھی، انہوں نے ایک یہودی کے پاؤں پر تلوار ماری تو وہ پلٹ کر ان کے گھٹنے میں لگی، اور وہ اسی ضرب سے شہید ہو گئے، جب مسلمان واپس لوٹے تو حضرت سلمہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خاموش دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا آپ پر میرے ماں اور باپ قربان ہوں، لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر کے سب عمل برباد ہو گئے، آپ نے پوچھا کس نے کہا ہے؟ میں نے کہا فلاں اور فلاں نے اور اسید بن حضیر انصاری نے، آپ نے فرمایا جس نے یہ کہا ہے جھوٹ کہا ہے، عامر کے دو اجر ہیں، آپ نے اپنی دو انگلیوں کو جمع کر کے فرمایا: اس نے اس طرح جہاد کیا ہے کہ عربوں میں اس کی مثال بہت کم ہے، قتیبہ نے دو حرفوں میں راوی محمد کی مخالفت کی ہے اور ابن عباد کی روایت میں القِ سکینۃ علینا ہے۔

۴۵۵۳- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَنَسَبَهُ غَيْرُ ابْنِ وَهْبٍ فَقَالَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ سَلَمَةَ ابْنَ الْأَكْوَعِ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ قَاتَلَ أَخِي قِتَالًا شَدِيدًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَدَّ عَلَيْهِ سَيْفُهُ فَقَتَلَهُ فَقَالَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذَلِكَ وَشَكُّوا فِيهِ رَجُلٌ مَاتَ فِي سِلَاحِهِ وَشَكُّوا فِي بَعْضِ أَمْرِهِ قَالَ سَلَمَةُ فَقَفَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن میرے بھائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بڑی شدید جنگ کی، مگر اتفاق سے اس کی تلوار پلٹ کر اس کو لگی اور وہ شہید ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس پر کچھ نکتہ چینی کی اور یہ شخص اپنے ہی ہتھیار سے قتل ہو جانے اس کی شہادت میں شک کیا، حضرت سلمہ نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس لوٹے تو میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے کچھ رجزیہ کلام پیش کرنے کی اجازت دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، حضرت عمر بن الخطاب نے کہا سوچ سمجھ کر کہنا: پھر میں نے کہا:

خَيْبَرَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ائْذَنْ لِي أَنْ أَرْجُزَ لَكَ فَأَذِنَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَعْلَمُ مَا تَقُولُ قَالَ فَقُلْتُ ؎

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقْتَ ؎

وَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
وَالْمُشْرِكُونَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا

قَالَ فَلَمَّا قَضَيْتُ رَجَزِي قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ هٰذَا قُلْتُ قَالَهُ أَخِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ نَاسًا لَيَهَابُونَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ يَقُولُونَ رَجُلٌ مَاتَ بِسِلَاحِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ جَاهِدًا مُجَاهِدًا قَالَ ابْنُ شِهَابٍ ثُمَّ سَأَلْتُ ابْنًا لِسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ فَحَدَّثَنِي عَنْ أَبِيهِ مِثْلَ ذٰلِكَ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ حِينَ قُلْتُ إِنَّ نَاسًا يَهَابُونَ الصَّلَاةَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبُوا مَاتَ جَاهِدًا مُجَاهِدًا فَلَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ وَأَشَارَ بِإِصْبَعَيْهِ۔

خدا کی قسم! اگر اللہ کی مدد نہ ہوتی۔ تو ہم زکوٰۃ
ادا کرتے نہ نماز پڑھتے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے سچ کہا،

اے اللہ ہم پر اپنی رحمت نازل فرما۔
اور کفار سے مقابلہ کے وقت ہم کو ثابت
قدم رکھ۔
بے شک کفار نے ہم پر حملہ کیا ہے

جب میں یہ رجز پڑھ کر چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کس کے اشعار ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ شعر میرے بھائی عامر نے کہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھنے میں جھجک رہے ہیں! اور کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے ہتھیار سے مرا ہے، آپ نے فرمایا وہ مجاہد ہے اور جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا ہے' زہری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ کے ایک بیٹے سے پوچھا تو اس نے اپنے والد سے یہ روایت اسی طرح بیان کی، البتہ اتنا کہا جب میں نے کہا کہ لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے جھجک رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں! آپ نے فرمایا وہ مجاہد ہے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوا ہے اور اس کو دوگنا اجر ملے گا اور پھر اپنی دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

خیبر کا لغوی معنی، جغرافیائی محل وقوع، تاریخ اور غزوۂ خیبر کے اہم واقعات

محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

خیبر ایک نخلستان، (سطح سمندر سے ۲۸۰۰ فٹ بلند اور) جو مدینہ منورہ سے ۱۸۴ کلومیٹر (ایک کم سو میل) شمال میں، بڑی راستے سے آنے والے حجاج کی شاہراہ پر واقع ہے۔ عہد نبوی میں قافلے یعنی جبل احد کے مغرب سے گزرتے تھے اب

جدید ہوائی اڈے (مطار) سے باتصال کی خاطر حرہ سے گزرتے ہیں۔ تقریباً ایک سو کلو میٹر تک یہ راستہ تنگ اور پیچ دار دروں میں سے ہو کر جاتا ہے، جن کے دونوں طرف بلند پہاڑ ہیں، اس ساری مسافت میں پتھر ہوں یا مٹی، حرہ یعنی آتش فشانی سے جلے ہوئے عام پتھر کل ہیں۔ درخت اور پانی نام کو نہیں، اکا دکا بکریاں کہیں چرتی نظر آتی ہیں جو بہت پست قد ہوتی ہیں۔ ان کے دودھ نہیں ہوتا اور بدو ان کا گوشت کھاتے ہیں۔ مدینے سے خیبر تک جنگل سے دو آبادیاں ملتی ہیں۔ پہلی صلصلہ ہے جو ۷۰ کلو میٹر پر واقع ہے اور کافی سرسبز ہے۔ وہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ اس کے نصف حصے میں کنوؤں کا پانی کڑوا ہے اور نصف حصے میں شیریں ہے۔ ممکن ہے فدک یہی ہو۔ اس سے آگے ایک دوسری چھوٹی اور ویران سی بستی ہے۔

خیبر بھی ایک حرہ (ریگستان) ہے۔ مدینے سے آئیں تو شہر کے چندہ میل کلو میٹر کے فاصلے پر سفید اور قابل کاشت لیکن افتادہ زمینیں ملتی ہیں، جو دس بارہ کلو میٹر تک پھیلی ہوئی ہیں۔ بعد ازاں پھر حرہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس حصے میں شاہراہ کے دائیں جانب قدیم (یہودی) کھنڈر میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں، جن میں کچھ تالابوں کے منہدم سے بند نظر آتے ہیں۔ گرمی میں پانی خشک ہو جاتا ہے تو ان کی تہہ میں بھی وہی بیس بیس فٹ دور دور تک نظر آتی ہے۔ امریکی انجینئر ٹوئچل... K.S. Twitchell نے سعودی عرب کی زرعی پیمائش کی رپورٹ میں یہاں سد الصہبا اور پانچ دیگر تالابوں کا ذکر کیا ہے۔ غزوۂ خیبر میں آتے اور جاتے دونوں وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سد الصہبا میں قیام فرمایا تھا؛ وہ شاید یہیں کہیں ہو۔ اس کے آگے ایک پست اور وسیع وادی ہے جس میں شہر خیبر آباد ہے۔ یہ نخلستانوں سے اس قدر پٹا ہوا ہے کہ کسی بلندی پر سے بھی شہر کے خط و خال بالکل نظر نہیں آتے۔ عہد نبوی ہی میں الکتیبۃ میں کھجور کے چالیس ہزار پیڑ بیان کیے گئے ہیں (ابن الاثیر: النہایۃ ۴: ۲۰۲)۔ آج کل بھی شہر کے جنوب میں ایک بلند پہاڑ کے دامن میں کئی میل لمبا ایک گھنا نخلستان ہے۔

خیبر میں اب (۱۹۶۲ء میں) عنیزہ قبیلے کے بدو آباد ہیں۔ کھجوریں کٹنے کے زمانے میں یہاں کی آبادی کوئی تیس ہزار ہو جاتی ہے، ورنہ مستقل آبادی پانچ ہزار کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ شہر میں کئی بلند ٹیلے اور پہاڑیاں ہیں جن میں سب سے ممتاز وہ ہے جسے قصر مرحب کہا جاتا اور یہودی عہد کی یادگار سمجھا جاتا ہے۔ ترکی دور میں غالباً یہاں فوجی چھاؤنی تھی اب اس میں سعودی گارد رہتا ہے۔

بعض مؤرخوں کی رائے میں خیبر کے یہودیوں کی بولی میں "خیبر" کے معنی قلعے کے تھے۔ البکری نے سہل بن محمد کاتب سے اور یاقوت نے الزجاجی سے روایت کی ہے کہ اس بستی کے بانی خیبر بن قانیہ بن مہلائیل کے نام سے منسوب ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسباط یہود کے گم گشتہ قبائل نے یہاں اور پشاور سے آگے درہ خیبر میں بھی اپنی نشانی کے لیے یہ نام دیا ہو؟

خیبر کا قدیم ترین ذکر بابل کے آخری کلدانی بادشاہ بنونید (نبونیدس) (۵۵۶ تا ۵۳۸ ق م) کے کتبے میں ہے جو حران کی منہدم جامع مسجد کے فرش کا ایک پتھر بنا ہوا تھا (تاریخ کی بین الاقوامی مستشرقین عالم کی روداد، ص ۲۳۴)۔ لکھا ہے کہ جب اس بادشاہ نے تیماء میں اپنا دوسرا پایۂ تخت بسایا تو خیبر و فدک وغیرہ سے ہوتے ہوئے یثرب تک کی سیاحت کی۔ ایک دوسرا کتبہ بھی حران کے قریب ملا ہے جو دستیاب ہوا ہے، جو سیاق کے چند حرفوں کے ساتھ یہ ہے کہ "میں نے یعنی شرحبیل بن ظالم نے ذوالطول کو سنہ ۴۶۳ء میں خیبر کی تباہی (اعضبا) کے ایک سال بعد تعمیر کرایا" (Littmann)

۱۹۱۱ء، ۱۹۳۲ء، ص ۱۹۳ ببعد) کے مطابق اس تاریخ سے مراد ۵۹۰ء ہے۔ ابن قتیبہ: کتاب المعارف، (ص ۳۱۳) کے مطابق غسانی حکمران الحارث بن ابی شمر جبلہ (۵۲۹ء تا ۵۶۹ء) نے اس پر حملہ کیا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ خیبر والوں نے ایرانیوں اور حیرہ کے حکمران سے کچھ سازش کی ہو اور اس پر بوزنطی قیصر روم نے اپنے ماتحت حکمران کو اس پر حملہ کیا تھا معلوم نہیں اس وقت خیبر میں کون لوگ تھے، لیکن ساٹھ سال بعد جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو یہاں صرف یہودی بستے تھے، جو بہت خوش حال تھے: چنانچہ مکے میں شادی بیاہ کے موقع پر یہیں سے زیور اور کپڑے کرائے پر لیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ زیور گم ہو گئے تو آل کم نے دس ہزار دینار کا ہرجانہ ادا کیا (ابن سعد ۱/۲ء ۱۰۱؛ السرخسی۔ شرح السیر الکبیر ۱۰/۱۹۶)۔ بہت ممکن ہے کہ معاشی روابط نے شادی بیاہ تک نوبت پہنچا دی ہو اور یہاں کی یہودنیں بے جھجک عربوں سے نکاح کرتی ہوں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم اور ان کے بھائی المطلب نے ایسا ہی کیا (ابن حبیب: المنمق۔ مخطوطہ، ص ۲۲۵) یہاں کھجوریں بہت ہوتی ہیں، لیکن زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ یہاں کے ملیریا سے بہت گھبراتے تھے (بعض قصے الفزوینی: آثار، ۲: ۹۲ تا ۹۳ اور ابن قتیبہ: الانواء، ص ۳۰ تا ۳۱ میں ملیں گے) یہود خیبر کے پاس میں طیلسان بہت مشہور رہے ہیں (البخاری، کتاب ۶۴، باب ۴۰، حدیث ۱۲) عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوں گے تو وہ ایک کی قربانی دیں گے تو فرزند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ پر پڑا۔ اسی سلسلے میں جس کا ہنہ سے مشورہ کیا گیا تھا وہ سال کا کچھ حصہ مدینے میں اور کچھ خیبر میں رہتی تھی۔ ابن ہشام، السیرۃ، ص ۹۷ تا ۹۹)۔

یاقوت نے معجم البلدان میں مشاہیر خیبر میں سے ابن القاہر الخیبری واحمد محدث کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، لیکن عہد اسلامی کے جغرافیہ نگاروں میں سے البکری (معجم، ص ۳۲۱ تا ۳۲۳) نے کتاب السکونی کا جو اقتباس دیا ہے وہ واقعی حال خیبر کا بیان معلوم ہوتا ہے: یہ مدینے سے آٹھ برید پر ہے۔ پیدل تین دن میں آ سکتے ہیں۔ مدینے سے نکلو تو پہلے غابہ ملتا ہے پھر مشتلاء کے بعد نقب نیرہ پر حج آتا ہے، جہاں ایک مسجد نبوی ہے۔ پھر وادی القدم آتی ہے، جہاں کنوئیں ہیں۔ پھر جبل الصہبا پھر حرۃ الشقرۃ، پھر ثمارا آتا ہے۔ جو خیبر سے آٹھ میل پر علاقہ خیبر کی سرحد پر واقع ہے اس سے آگے پھر اسی کے قلعے ہیں۔ خیبر کا بازار المرطہ ہے، جسے حضرت عثمان نے بسایا تھا۔ وہاں کے قلعے میں کچھ پرانے لوگ باقی ہیں جو حضرت عمر کی نسل سے ہیں۔ اس سے آگے حصن وحدہ ہے جس میں کھجور وغیرہ کے درخت ہیں۔ یہ وقت خاص یہودی رہا ہے۔ پھر السلالم ہے، جس کا بڑا حصہ وقف خاص نبوی تھا پھر جبل الاثیل آتا ہے۔ جس میں یہودی برج (آطام) ہیں۔ پھر مزارعے اور باغات ہیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بنو المطلب کے روزینے مقرر تھے۔ اس کو الوطیح کہتے ہیں۔ وطیح سے متصل نطلن تک ایک وادی چلی آتی ہے، جسے الکتیبہ کہتے ہیں۔ یہ سب کی سب وقف خاص نبوی رہی ہے۔ یہ کتیبہ خیبر کے قلعہ بند مقاموں میں سے ہے۔ یہیں الصہبا ہے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈال کر رات گذاری تھی، یہ خیبر سے ایک برید کی مسافت پر ہے خیبر کا سب سے بڑا قلعہ القموص ہے، جسے حضرت علی نے فتح کیا تھا! اس کے دامن میں مسجد نبوی ہے۔ وہیں نطاہ اور الشق دو وادیاں ہیں۔ ان دونوں کے مابین جو رقبہ ہے اسے السبخہ اور المناصفہ کہتے ہیں۔ وہ اس بڑی مسجد نبوی تک جاتا ہے جہاں خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رہا۔ یہ مسجد عیسیٰ بن موسیٰ نے زر کثیر خرچ کر کے بنوائی، اس کی

جامہ طاقات مسعودہ میں موجود ہے، اس میں بڑے گن بھی ہیں۔ وہاں چٹان بھی ہے جسے متبرک (رکھا ہوا) بنا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔ آج کل یہاں عید کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ نطاۃ میں مرحب کا قلعہ اور قصر ہے یہ قصر حضرت الزبیر بن العوام کے حصے میں آیا تھا۔ الشق میں الحمہ نامی چشمہ ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "قسمۃ الملائکہ" کا نام دیا تھا۔ اس کا دو تہائی پانی ایک نالے میں جاتا ہے اور ایک تہائی دوسرے میں، حالانکہ نکاس ایک ہی جگہ سے ہے۔ عہد نبوی سے لے کر اب تک یہ ایک معجزہ رہا ہے۔ اس چشمے میں تین کھجوریں یا لکڑی کے تین ٹکڑے ڈالو تو دو اس نالے میں چلے جاتے ہیں جس میں دو تہائی پانی جاتا ہے اور ایک دوسرے نالے میں۔ یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ اس میں تہائی سے زیادہ پانی لایا جائے۔ اگر کوئی اس نالے میں کھڑا ہو جائے جس میں دو تہائی پانی جاتا ہے تاکہ اسے دوسرے نالے میں لایا جائے تو پانی اس پر غالب آ کر بہہ نکلتا ہے اور دوسرے نالے میں تہائی سے زیادہ پانی نہیں آ سکتا۔ رہا نطاۃ، وہاں کا بڑا چشمہ الحمہ کہلاتا ہے۔ خیبر میں سب سے پہلے دار بنی قمہ فتح ہوا، جو نطاۃ میں ہے اور اسی میں مرحب کا بھائی الیاس رہتا تھا۔ اسی کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "دار بنی قمہ کی فتح سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی اور کھجور پیٹ بھر کر نہیں کھائی تھی"۔

قصر مرحب کے دامن میں آج کل ایک چھوٹی سی مسجد رہ گئی ہے اس کے قریب جو چشمہ ہے وہ اب حضرت علی سے منسوب ہے کہ مرحب پر وار کرنے میں ان کی تلوار زمین میں اتر گئی اور یہ چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس سے کچھ فاصلے پر دوسرا بڑا چشمہ بھی باقی ہے دونوں سے نخلستان کو آبپاشی ہوتی ہے۔

تاریخ اسلام میں خیبر کی شہرت ٧ھ/٦٢٨ء کے غزوۂ نبوی کے باعث ہے۔ مدینے سے نکلے ہوئے بنو النضیر کے یہودی یہاں بسے تھے۔ محاصرۂ خندق (رک باں) انہیں کی انگیخت پر ہوا تھا۔ یہ مسلمانوں کی نئی مملکت کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئے تھے۔ انہیں سے نبٹنے کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ (رک باں) میں قریش کی منہ مانگی شرطوں پر صلح کی تھی اور قریش سے صرف یہ خواہش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں۔ اس معاہدے کی تکمیل کے بعد واپس آتے ہی آپ نے خیبر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور مشکل ایک مہینہ گزرا تھا کہ چودہ سو کی جمعیت سے کر آپ مدینے سے روانہ ہوئے۔ جب الصہباء تک پہنچ گئے تو قبیلہ غطفان کے لوگ آپ کے راستے میں حائل ہوئے کیونکہ وہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب آپ نے الصہباء سے وادی الرجیع (دیار غطفان) کا رستہ لیا تو وہ گھبرا کر فوراً اپنے مال و عیال کی حفاظت کے لیے خیبر سے واپس بھاگ گئے اور پھر انہیں نقل و حرکت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ تین دن الرجیع میں ٹھہر کر آپ خیبر گئے۔

اہل خیبر آپ کی پیش قدمی سے واقف اور مقابلے کے لیے تیار تھے۔ اس زمانے کی عربی بستیوں کی طرح خیبر بھی متعدد چھوٹے چھوٹے قبائلی محلوں پر مشتمل تھا۔ ہر محلہ دوسرے سے کچھ فاصلے پر آباد تھا اور ہر ایک کا نظام معیشت، یعنی کھیت، چراگاہیں، قلعے اور گڑھیاں مستقل تھیں۔ جہاں تک دفاع کا تعلق ہے وہ ایک تو اپنے سات بڑے اور متعدد چھوٹے قلعوں میں محفوظ تھے جن میں سے بعض میں منجنیقیں بھی نصب تھیں؛ دوسرے الیعقوبی کے مطابق خیبر میں بیس ہزار مقاتل (جنگجو سپاہی) تھے۔ المقریزی (الامتاع) کے مطابق دس ہزار کا مقابلہ چودہ سو مسلمانوں کو کرنا تھا؛ تیسرے وہ اپنے مرکز اور گھر میں ہونے کی وجہ سے حربی فوقیت بھی رکھتے تھے۔ آذوقہ اور ساز و سامان بھی ان کے پاس بہت تھا۔ الخمیس (شرح السیر الکبیر، باب کہ،

الزرقانی (شرح المواہب واللدنیہ) نے لکھا ہے کہ خیبر کے ہر قلعے کو تین تین فصیلوں سے اس طرح گھیر لیا گیا تھا کہ سوار دوڑ کر ان کے سامنے بیٹھا تھی۔

پرانے نام اب بھلا دیے گئے ہیں، اس لیے معلوم نہیں کہ ناعم کہاں تھا، جو مؤرخوں کے مطابق سب قلعوں میں پہلے سر ہوا۔ پھر اندرونِ شہر کا قلعہ قموص فتح ہوا، جو خاندان ابی الحقیق (ام المؤمنین حضرت صفیہ) کا مسکن تھا۔ اس کی فتح میں حضرت علی نے خاص کارگزاری دکھائی تھی۔ پھر حصن الشق اور حصن النطاۃ اور حصن الکتیبہ سر ہوئے۔ اس کے بعد حصن الوطیح اور حصن السلالم (وہاں آخری قلعے) کوئی دو ہفتوں کی کشمکش کے بعد فتح ہوئے۔ بظاہر انہیں آخری دو قلعوں میں سارے یہودی باشندے جمع ہو گئے تھے۔ اگر یہودیوں کے ساتھ انہی کی توریت کے احکام کے مطابق برتاؤ کیا جاتا تو سارے بالغ مرد قتل اور عورتیں بچے غلام بنائے جا سکتے تھے، مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل اور درگزر سے کام لیا، سب کی جان بخشی کی کہ مال چھوڑ کر جسم کے کپڑوں کے ساتھ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ سیرۃ الشامی کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر کے پاس ایک کنز تھا یعنی وہ مال جو وہ اتفاقی ضروریات (نوائب) کے لیے جمع کیا کرتے تھے۔ شہر بدری پر بنو نضیر یہ کنز خیبر میں ساتھ لائے تھے۔ حسب معاہدہ جب یہ مسلمانوں کے سپرد نہ ہوا تو آنحضرت نے جواب طلبی کی تو صاحب الکنز نے یہ بہانہ کیا کہ جنگ کی ایذا میں ختم ہو گیا ہے، لیکن رات کو اسے کھنڈروں میں ادھر ادھر پھرتے دیکھ کر شبہ ہوا؛ چنانچہ وہاں کھدائی کی گئی تو خزانہ برآمد ہو گیا اور صاحب الکنز کو فریب کاری کی سزا بھگتنی پڑی۔

ابتدائی ناکامیوں ہی نے یہودیوں کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ حصن الزبیر اپنے استحکام کے باعث اس لیے آسانی سے فتح ہو گیا کہ پانی کے ذخیرے تک اس کا زیر زمین مخفی راستہ تھا، اس کا پتا ایک مقامی یہودی ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا۔

جب قبضہ مکمل ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط صلح میں جو رعایت منظور فرمائی اور اجازت دی کہ وہ حاکم شاہی مزارع میں رہیں اور باقی پہلے کاشت کر کے نصف پیداوار لگان میں دیا کریں۔

یاقوت (معجم البلدان) نے صراحت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف علاقہ بحق حکومت محفوظ کر دیا اور اس میں کتیبہ اور سلالم داخل ہوئے۔ باقی فاتحوں میں بانٹ دیا اور شق و نطاۃ و متعلقات اس میں آتے (لشکر اسلام میں بارہ سو پیدل اور تین سو گھوڑ سوار تھے۔ سواروں کو چونکہ دگنی غنیمت ملتی ہے اس لیے سارا علاقہ چھتیس حصوں میں بانٹا گیا۔ آدھا حکومت کے لیے وقف رہا، باقی اٹھارہ حصوں میں سے ہر ایک حصہ سو پیدل سپاہیوں یا پچاس سواروں میں بانٹا گیا)۔ الزہری کا جو بیان ابن کثیر (البدایۃ ۴: ۲۰۲) نے نقل کیا ہے کہ خیبر بزور شمشیر فتح ہوا اور کچھ بزور صلح، اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ بزور جنگ فتح شدہ علاقہ بحق حکومت وقف کر دیا گیا۔ لیکن عام طور سے یہ کہتے ہیں کہ زمین کو فاتحوں میں تقسیم کرتے ہوئے حسب معمول خمس حکومت کے لیے لیا گیا اور یہ کتیبہ کا نخلستان تھا۔ یہاں کے لگان میں ہر سال جو کھجوریں وغیرہ آتی تھیں ان سے کچھ وظیفے بھی مستقل طور پر مقرر ہوئے، جس کی ابن ہشام وغیرہ نے تفصیل دی ہے۔

یہودیوں کا بٹائی پر کام کرنا حضرت عمر کی خلافت تک باقی رہا، پھر جب ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ کے قتل کا اقدام کیا تو ان کو وہاں سے شام منتقل کر دیا گیا اور مسلمان کسان ہی یہاں کاشت کرنے لگے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ کسی خیبری یہودی کے حبشی غلام نے، جو چرواہا تھا، اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے حکم دیا کہ تقاضائے دیانت یہ ہے کہ ریوڑ کو مالک کے قلعے تک لے جا کر چھوڑ دو تاکہ وہ عادت کے مطابق خود ہی مالک کے گھر پہنچ جائے۔

المقریزی نے الامتاع میں لکھا ہے کہ مال غنیمت میں تورات کے جو نسخے ملے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو واپس دلا دیئے۔

(اس جنگ سے یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی جنگی قیدیوں میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ آپ نے انہیں حضرت دحیہ کو بخش دیا، مگر پھر بعض صحابہ کے مشورے سے سات قیدیوں کے معاوضے میں انہیں واپس لے لیا اور عدت پوری ہونے تک حضرت ام سلمہ کے پاس رکھا۔ صفیہ مسلمان ہو گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا (اس کا فوری اثر یہ ہوا مسلمان سپاہیوں کا برتاؤ اپنے نبی کے سسرالیوں سے نرم ہو گیا۔ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی نکاح سے یہی تھا۔ حضرت صفیہ اپنے غیر مسلم میکے والوں سے ہمیشہ عزیزانہ سلوک کرتی رہیں اور وفات پر وصیت کی کہ ان کے ترکے کا ایک تہائی، یعنی ایک لاکھ درہم، ان کے غیر مسلم بھانجے کو دے دیے جائیں۔ بعض مسلمانوں نے مخالفت کی تو حضرت عائشہ نے دخل دے کر وصیت کا نفاذ کرایا کہ اسلامی قانون ایسا ہی حکم دیتا ہے۔ (ابن سعد: طبقات ۸: ۹۱ تا ۹۲)

صلح ہو جانے اور یہودیوں کو اپنے باغوں میں آباد رہنے کی اجازت ملنے کے بعد بھی مسلمان سپاہی وہاں جا کر پھل، ترکاریاں چھیننے لگے اور شکایت آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً روک دیا اور بتایا کہ یہ دوسروں کا مال ہے جو ہمارے لیے حرام ہے۔

(فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث زوجہ سلام بن مشکم نے ایک بریاں بکری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور اس میں زہر ملا دیا۔ آپ نے ایک لقمہ اٹھایا اور چبا کر تھوک دیا اور فرمایا کہ یہ زہر آلود ہے۔ آپ کے ساتھ حضرت بشیر بن البراء بن معرور نے زہر آلود گوشت کھایا جس کے اثر سے وہ مر گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی عورت کو بلا بھیجا۔ اس نے جرم کا اقرار کر لیا مگر اسے آپ نے قتل نہ کیا۔ ایک اور روایت (الامتاع، ص ۳۲۲) میں آیا ہے کہ آنحضرت نے اسے بشیر کے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا، جنہوں نے اسے قتل کر دیا)۔

ران کے شرم گاہ ہونے کی تحقیق

اس باب کی حدیث نمبر ۴۵۰۰ میں ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے چادر ہٹ گئی تھی اور میں آپ کی ران کی سفیدی دیکھ رہا تھا" اس لیے یہاں یہ بحث محل طلب ہے کہ ران شرمگاہ ہے یا نہیں، امام مالک نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ ران شرمگاہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ ران شرمگاہ ہے۔ جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس وجرهد ومحمد بن جحش عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفخذ عورة۔[1]

حضرت ابن عباس، حضرت جرہد اور حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ران شرمگاہ ہے"۔

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

علامہ نووی لکھتے ہیں اس باب کی حدیث سے امام مالک اور ان کے موافقین نے ران کے غیر شرمگاہ ہونے پر استدلال کیا ہے، ہمارا اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ران شرمگاہ ہے، کیونکہ ران کے شرمگاہ ہونے کے متعلق بکثرت احادیث مشہورہ ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی تاویل یہ ہے کہ حملہ کرنے اور سواری دوڑانے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ران سے ہٹ گئی تھی اور حضرت انس کی اس پر اتفاقاً نظر پڑ گئی تھی، اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً ران کو اس طرح کھلے رہنے دیا، اور صحیح بخاری میں حضرت انس سے جو یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کو ہٹایا وہ اس پر محمول ہے کہ چادر ہٹ گئی جیسا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں ہے۔

خیبر کا تمام علاقہ صلح سے فتح ہوا تھا یا بعض؟

اس حدیث میں ہے کہ ہم نے خیبر کو جنگ سے فتح کیا، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام خیبر جنگ سے فتح ہوا ہے، اور امام مالک نے ابن شہاب سے یہ روایت کیا ہے کہ خیبر کا بعض حصہ جنگ سے فتح ہوا ہے اور بعض حصہ صلح سے فتح ہوا ہے، اور اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سنن ابو داؤد میں یہ روایت ہے کہ آپ نے خیبر کے دو حصے کیے، نصف حصہ اپنی ضروریات اور حاجات کے لیے رکھا اور نصف حصہ مسلمانوں کو دیا، علامہ مازری نے کہا اس کا جواب یہ ہے کہ خیبر کے ارد گرد زمینیں اور بستیاں تھیں جن میں آپ نے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا تھا، یہ زمینیں خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف تھیں، اور ان کے علاوہ جو خیبر کی آمدنی تھی وہ مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی، اور جن زمینوں اور بستیوں میں یہودیوں کو جلا وطن کیا گیا تھا وہ خیبر کا نصف تھیں اور جس حدیث میں ہے کہ خیبر کے دو حصے کیے ایک حصہ مسلمانوں کو دیا اور ایک حصہ آپ نے اپنے پاس رکھا اس حصہ سے یہی زمینیں مراد ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام خیبر جنگ سے فتح ہوا البتہ اس کے ارد گرد کی بستیاں صلح سے فتح ہوئیں جیسے فدک وغیرہ، آپ نے خیبر کے تمام اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے اور ارد گرد کی بستیوں کی آمدنی جو از قبیل فئی تھی اس کو صرف اپنے تصرف میں رکھا۔

اللہ تعالیٰ کے لیے "میں فدا ہوں" کہنے کی توجیہ

اس حدیث میں حضرت عامر بن اکوع کے اشعار میں یہ مصرع بھی ہے: "اے اللہ! میں تجھ پر قربان ہوں، میرے گناہوں کو معاف کر دے" علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علامہ مازری نے کہا ہے کہ اس مصرعہ پر یہ اشکال ہے کہ یہ نہیں کہا جاتا کہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر فدا ہو جاؤں یا قربان ہو جاؤں، کیونکہ یہ اس موقع پر کہا جاتا ہے جب کسی مصیبت اور تکلیف میں کسی شخص کے مبتلا ہونے کا خدشہ ہو تو دوسرا شخص کہے تم پر قربان ہو کر اس مصیبت اور تکلیف میں میں مبتلا ہو جاتا ہوں، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کو کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کے حقیقی معنی کا ارادہ نہیں کیا اور ان کی مراد یہ تھی کہ میں ہر حال میں تیری رضا کے حصول کے لیے جد و جہد کروں گا، جیسے کہتے ہیں قاتلہ اللہ، "اللہ اس کو قتل کرے" اور اس سے حقیقی معنی مراد نہیں لیا جاتا، یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تربت یداک و تربت یمینک "تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہو جائیں" سو اسی طرح یہ بھی محاورہ ہے۔ اگر کسی لفظ

کا اللہ تعالیٰ کی جانب پر تاویل سے اطلاق صحیح بھی ہو تب بھی جب تک کہ شریعت میں اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کے اطلاق کا ثبوت نہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق جائز نہیں ہے۔ [1]

بَابُ غَزْوَةِ الْأَحْزَابِ وَهِيَ الْخَنْدَقُ

غزوۂ خندق کے اہم واقعات

٤٥٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ وَلَقَدْ وَارَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهِ وَهُوَ يَقُوْلُ ؎

وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا
إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا

قَالَ وَرُبَّمَا قَالَ ؎

إِنَّ الْمَلَا قَدْ أَبَوْا عَلَيْنَا
إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

وَيَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهٗ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مٹی ڈھو رہے تھے درآں حالیکہ گرد و غبار کی کثرت سے آپ کے پیٹ کی سفیدی ڈھکی ہوئی تھی، اور آپ یہ فرما رہے تھے:

خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ ہم صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔ اے اللہ تو ہم پر سکون نازل فرما۔ بے شک دشمن ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

اور کبھی یوں فرماتے:

ان کافروں نے ہماری بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جب وہ فساد کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔

جب آپ ابینا فرماتے تو آواز بلند فرماتے۔

٤٥٥٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ إِلَّا أَنَّهٗ قَالَ إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت مروی ہے البتہ اس میں ان الالٰی قد بغوا علینا ہے۔

٤٥٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِي

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ، شرح مسلم ج ٢ ص ١١١، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ١٣٧٥ھ

حازم عن أبيه عن سهل بن سعد قال جاءنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نحفر الخندق وننقل التراب على أكتادنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة، فاغفر للمهاجرين والأنصار۔

در آنحالیکہ ہم خندق کھود رہے تھے اور اپنے کندھوں پر مٹی ڈھو رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے سو تو مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما۔

۴۵۵۸۔ وحدثنا محمد بن المثنى وابن بشار واللفظ لابن المثنى حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن معاوية بن قرة عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال ؎

اللهم لا عيش إلا عيش الآخره
فاغفر للأنصار والمهاجره

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے، سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

۴۵۵۹۔ حدثنا محمد بن المثنى وابن بشار قال ابن المثنى حدثنا محمد بن جعفر أخبرنا شعبة عن قتادة حدثنا أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: اللهم إن العيش عيش الآخره۔ قال شعبة أو قال ؎

اللهم لا عيش إلا عيش الآخره
فأكرم الأنصار والمهاجره

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے (شعبہ نے کہا یا فرمایا:) اے اللہ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے۔ سو تو انصار اور مہاجرین پر کرم فرما۔

۴۵۶۰۔ وحدثنا يحيى بن يحيى وشيبان بن فروخ قال يحيى أخبرنا وقال شيبان حدثنا عبد الوارث عن أبي التياح حدثنا أنس بن مالك قال كانوا يرتجزون ورسول الله صلى الله عليه وسلم معهم وهم يقولون ؎

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ رجز کرتے تھے اور ان کے ساتھ آپ بھی رجز کرتے تھے اور صحابہ یہ کہتے تھے: اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے، سو تو مہاجرین اور انصار کی مدد فرما۔ اور شیبان کی حدیث میں فاغفر کی جگہ فانصر ہے۔

اللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةْ
فَانْصُرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

وَفِي حَدِيثِ شَيْبَانَ بَدَلَ فَانْصُرْ فَاغْفِرْ.

۴۵۶۱ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا يَقُولُونَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ ؎

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جنگ خندق کے دن یہ کہہ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا
عَلَى الْإِسْلَامِ مَا بَقِينَا أَبَدًا

ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تاحیات اسلام پر بیعت کی ہے۔

أَوْ قَالَ عَلَى الْجِهَادِ شَكَّ حَمَّادٌ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ؎

حماد کو شک ہے کہ شاید اسلام کے بدلہ میں جہاد کہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے:

اللّٰهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَةْ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةْ

اے اللہ بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے سو تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے جو رجزیہ اشعار پڑھے ان میں ذکر بالجہر کرنے کا ثبوت ہے۔ اس مسئلہ پر ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں گفتگو کی ہے، اور اس پر مفصل بحث ہمارے رسالہ "ذکر بالجہر" میں ہے۔

بَابُ غَزْوَةِ ذِي قَرَدٍ وَغَيْرِهَا

غزوہ ذی قرد وغیرہ

۴۵۶۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ يَقُولُ خَرَجْتُ قَبْلَ أَنْ يُؤَذَّنَ بِالْأُولَى وَكَانَتْ لِقَاحُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْعَى بِذِي قَرَدٍ قَالَ فَلَقِيَنِي غُلَامٌ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَقَالَ أُخِذَتْ لِقَاحُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَنْ أَخَذَهَا قَالَ غَطَفَانُ قَالَ فَصَرَخْتُ ثَلَاثَ صَرَخَاتٍ يَا صَبَاحَاهْ قَالَ فَأَسْمَعْتُ

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں پہلی اذان سے پہلے مدینہ سے باہر نکل گیا، وہاں مقام ذی قرد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چررہی تھیں، وہاں مجھے عبدالرحمن بن عوف کا غلام ملا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں پکڑی گئیں، میں نے پوچھا کس نے پکڑی ہیں؟ اس نے کہا غطفان نے، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں میں نے تین مرتبہ چیخ کر کہا: یا صباحاہ! میری یہ آواز مدینہ منورہ کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچی، پھر میں اپنی سیدھ میں چل پڑا اور میں نے غطفان کو مقام ذی قرد میں جا لیا، وہاں حالانکہ وہ لوگ

مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِينَةِ ثُمَّ انْدَفَعْتُ عَلَى وَجْهِي حَتَّى أَدْرَكْتُهُمْ بِذِي قَرَدٍ وَقَدْ أَخَذُوا يَسْقُونَ مِنَ الْمَاءِ فَجَعَلْتُ أَرْمِيهِمْ بِنَبْلِي وَكُنْتُ رَامِيًا وَأَقُولُ:

أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ
وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

فَأَرْتَجِزُ حَتَّى اسْتَنْقَذْتُ اللِّقَاحَ مِنْهُمْ وَاسْتَلَبْتُ مِنْهُمْ ثَلَاثِينَ بُرْدَةً قَالَ وَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنِّي قَدْ حَمَيْتُ الْقَوْمَ الْمَاءَ وَهُمْ عِطَاشٌ فَابْعَثْ إِلَيْهِمُ السَّاعَةَ فَقَالَ يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ مَلَكْتَ فَأَسْجِحْ قَالَ ثُمَّ رَجَعْنَا وَيُرْدِفُنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَاقَتِهِ حَتَّى دَخَلْنَا الْمَدِينَةَ.

پانی پی رہے تھے، میں نے ان کو اپنے تیروں سے مارنا شروع کیا اور میں تیر مارتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا:

میں اکوع کا بیٹا ہوں!
اور آج کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے

میں یہ رجز پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے ان سے اونٹنیاں چھڑا لیں اور ان کی تیس چادریں بھی لے لیں، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ہمراہ تشریف لے آئے، میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے ان کو پانی سے روک رکھا ہے حالانکہ وہ پیاسے ہیں، آپ اسی وقت کسی کو ان کے پاس بھیج دیجئے، آپ نے فرمایا: اے ابن اکوع تم اپنی چیزیں تو لے چکے اب رہنے دو، اس کے بعد ہم واپس لوٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی اونٹنی پر سوار کر لیا حتیٰ کہ ہم مدینہ پہنچ گئے۔

٣٥٦٣ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ كِلَاهُمَا عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ وَهَذَا حَدِيثُهُ أَخْبَرَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ وَهُوَ ابْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ قَدِمْنَا الْحُدَيْبِيَةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً وَعَلَيْهَا خَمْسُونَ شَاةً لَا تُرْوِيهَا قَالَ فَقَعَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَبَا الرَّكِيَّةِ فَإِمَّا دَعَا وَإِمَّا بَسَقَ فِيهَا قَالَ فَجَاشَتْ فَسَقَيْنَا وَ

ایاس بن سلمہ کہتے ہیں کہ میرے والد بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ گئے، ہم اس وقت چودہ سو افراد تھے، اور اس جگہ پانی کی اتنی کمی تھی کہ وہاں پچاس بکریاں بھی سیراب نہیں ہو سکتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ گئے، پھر یا تو آپ نے کوئی دعا کی اور یا آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا، سو کنوئیں کا پانی جوش میں آگیا ہم نے خود بھی پانی پیا اور اپنے جانوروں کو بھی پلایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی جڑ میں بیٹھ کر ہم کو بیعت کے لیے بلایا، لوگوں میں سے سب سے پہلے میں نے آپ سے بیعت کی، پھر اور لوگوں نے بیعت کرنا شروع کر دی، حتیٰ کہ جب آدھے لوگوں نے بیعت کر لی تو آپ نے فرمایا: اے سلمہ بیعت کرو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں تو سب سے پہلے بیعت کر

اسْتَقَيْنَا قَالَ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَانَا لِلْبَيْعَةِ فِي أَصْلِ
الشَّجَرَةِ قَالَ فَبَايَعْتُهُ أَوَّلَ النَّاسِ ثُمَّ
بَايَعَ وَبَايَعَ حَتَّى إِذَا كَانَ فِي وَسَطٍ مِنَ النَّاسِ
قَالَ بَايِعْ يَا سَلَمَةُ قَالَ قُلْتُ قَدْ بَايَعْتُكَ
يَا رَسُولَ اللهِ فِي أَوَّلِ النَّاسِ قَالَ وَأَيْضًا
قَالَ وَرَآنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَزِلًا يَعْنِي لَيْسَ مَعَهُ سِلَاحٌ قَالَ فَأَعْطَانِي
رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَفَةً
أَوْ دَرَقَةً ثُمَّ بَايَعَ حَتَّى إِذَا كَانَ فِي آخِرِ
النَّاسِ قَالَ أَلَا تُبَايِعُنِي يَا سَلَمَةُ قَالَ قُلْتُ
قَدْ بَايَعْتُكَ يَا رَسُولَ اللهِ فِي أَوَّلِ النَّاسِ
وَفِي أَوْسَطِ النَّاسِ قَالَ وَأَيْضًا قَالَ فَبَايَعْتُهُ
الثَّالِثَةَ ثُمَّ قَالَ لِي يَا سَلَمَةُ أَيْنَ حَجَفَتُكَ
أَوْ دَرَقَتُكَ الَّتِي أَعْطَيْتُكَ قَالَ قُلْتُ يَا
رَسُولَ اللهِ لَقِيَنِي عَمِّي عَامِرٌ عَزِلًا فَأَعْطَيْتُهُ
إِيَّاهَا قَالَ فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّكَ كَالَّذِي قَالَ الْأَوَّلُ اللَّهُمَّ
أَبْغِنِي حَبِيبًا هُوَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي ثُمَّ إِنَّ
الْمُشْرِكِينَ رَاسَلُونَا الصُّلْحَ حَتَّى مَشَى بَعْضُنَا
فِي بَعْضٍ وَاصْطَلَحْنَا قَالَ وَكُنْتُ تَبِيعًا لِطَلْحَةَ
بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَسْقِي فَرَسَهُ وَأَحُسُّهُ وَأَخْدُمُهُ
وَآكُلُ مِنْ طَعَامِهِ وَتَرَكْتُ أَهْلِي وَمَالِي
مُهَاجِرًا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا اصْطَلَحْنَا نَحْنُ وَأَهْلُ مَكَّةَ
وَاخْتَلَطَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ أَتَيْتُ شَجَرَةً
فَكَسَحْتُ شَوْكَهَا فَاضْطَجَعْتُ فِي أَصْلِهَا قَالَ
فَأَتَانِي أَرْبَعَةٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ
فَجَعَلُوا يَقَعُونَ فِي رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

چکا ہوں، آپ نے فرمایا دوبارہ کرو، حضرت ابن اکوع
کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میرے
پاس ہتھیار نہیں ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
مجھے ایک ڈھال عطا کی، اس کے بعد آپ نے پھر بیعت
لینی شروع کی، حتیٰ کہ جب آپ سب سے بیعت لے چکے
تو آپ نے مجھ سے پھر فرمایا اے سلمہ تم مجھ سے بیعت
نہیں کرو گے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں تو پہلی
بار سب سے پہلے اور دوبارہ درمیان میں آپ سے
بیعت کر چکا ہوں! آپ نے فرمایا پھر سہ بارہ، سو میں نے
آپ سے پھر تیسری بار بیعت کی، پھر آپ نے مجھ سے
فرمایا تمہاری وہ ڈھال کہاں ہے جو میں نے تم کو دی تھی؟
میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے چچا عامر کے پاس
ہتھیار نہیں تھے، میں نے وہ ڈھال ان کو دے دی،
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا: تم بھی اس
پہلے شخص کی طرح ہو جس نے کہا تھا اے اللہ مجھے ایسا
دوست عطا فرما جو مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہو،
پھر مشرکین نے ہماری طرف صلح کا پیغام بھیجا یہاں تک
کہ ہر جانب سے ایک شخص دوسری جانب جانے لگا،
اور ہم نے صلح کر لی، حضرت ابن اکوع نے کہا میں حضرت
طلحہ بن عبید اللہ کی خدمت میں تھا، ان کے گھوڑے کو
پانی پلاتا اور کھریرا کرتا، ان کی خدمت کرتا اور ان کے
ساتھ کھانا کھاتا، کیونکہ میں نے اہل وعیال اور مال کو چھوڑ
کر اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف
ہجرت کی تھی، جب ہماری اہل مکہ سے صلح ہو گئی اور
ہم ایک دوسرے سے ملنے لگے، تو میں ایک درخت
کے پاس گیا اور اس کے نیچے سے کانٹے صاف کر
کے اس کی جڑ میں لیٹ گیا، اتنے میں مشرکین مکہ میں سے
چار شخص آئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے
متعلق کچھ کہنے لگے، مجھے ان پر غصہ آیا اور میں دوسرے

وسلم فأبغضتهم فتحولت إلى شجرة أخرى وعلقوا سلاحهم واضطجعوا فبينما هم كذلك إذ نادى مناد من أسفل الوادي يا للمهاجرين قتل ابن زنيم قال فاخترطت سيفي ثم شددت على أولئك الأربعة وهم رقود فأخذت سلاحهم فجعلته ضغثا في يدي قال ثم قلت والذي كرم وجه محمد لا يرفع أحد منكم رأسه إلا ضربت الذي فيه عيناه قال ثم جئت بهم أسوقهم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وجاء عمي عامر برجل من العبلات يقال له مكرز يقوده إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على فرس مجفف في سبعين من المشركين فنظر إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال دعوهم يكن لهم بدء الفجور وثناه فعفا عنهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنزل الله وهو الذي كف أيديهم عنكم وأيديكم عنهم ببطن مكة من بعد أن أظفركم عليهم الآية كلها قال ثم خرجنا راجعين إلى المدينة فنزلنا منزلا بيننا وبين بني لحيان جبل وهم المشركون فاستغفر رسول الله صلى الله عليه وسلم لمن رقي هذا الجبل الليلة كأنه طليعة للنبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه قال سلمة فرقيت تلك الليلة مرتين أو ثلاثا ثم قدمنا المدينة فبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم بظهره مع رباح

درخت کے نیچے جا کر لیٹ گیا، انہوں نے اپنے ہتھیار لٹکائے اور لیٹ گئے، اسی دوران وادی کے نشیب سے ایک آواز آئی: اے مہاجرو! ابن زنیم کو قتل کر دیا گیا، یہ سنتے ہی میں نے اپنی تلوار نکالی اور ان سوئے ہوئے چاروں آدمیوں پر حملہ کر دیا، ان کے ہتھیاروں پر میں نے قبضہ کر لیا اور ان کا ایک گٹھڑ بنا کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا، پھر میں نے کہا قسم اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے تم میں سے جس شخص نے بھی سر اٹھایا میں اس کے جسم کا وہ حصہ اڑا دوں گا جس میں اس کی آنکھیں ہیں، پھر میں ان کو گھسیٹتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، ادھر میرے چچا حضرت عامر بھی قبیلہ عبلات کے ایک شخص کو ستر مشرکوں کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے لائے، اس شخص کا نام مکرز تھا حضرت عامر ایک جھول پوش گھوڑے پر سوار تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: ان کو چھوڑ دو، گناہ کی ابتداء اور تکرار ان کی طرف سے ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: "جس ذات نے ان کے ہاتھوں سے تم کو روکا اور تمہارے ہاتھوں سے ان کو بچایا جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو مکہ میں ان پر غالب کر چکا تھا۔" پھر ہم مدینہ منورہ جانے کے لیے واپس لوٹے، ہم نے راستہ میں ایک منزل پر قیام کیا جہاں ہمارے اور بنو لحیان کے مشرکوں کے درمیان ایک پہاڑ حائل تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کی جو اس رات کو پہاڑ پر چڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لیے پہرہ دے، حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ میں اس رات کو اس پہاڑ پر دو یا تین بار چڑھا، جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رباح (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام) کے ساتھ اپنے

غلام رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا معه وخرجت معه بفرس طلحة أنديه مع الظهر فلما أصبحنا إذا عبد الرحمن الفزاري قد أغار على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستاقه أجمع وقتل راعيه قال فقلت يا رباح خذ هذا الفرس فأبلغه طلحة بن عبيد الله وأخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن المشركين قد أغاروا على سرحه قال ثم قمت على أكمة فاستقبلت المدينة فناديت ثلاثا يا صباحاه ثم خرجت في آثار القوم أرميهم بالنبل وأرتجز أقول

أنا ابن الأكوع
واليوم يوم الرضع

فألحق رجلا منهم فأصك سهما في رحله حتى خلص نصل السهم إلى كتفه قال قلت خذها

وأنا ابن الأكوع
واليوم يوم الرضع

قال فوالله ما زلت أرميهم وأعقر بهم فإذا رجع إلي فارس أتيت شجرة فجلست في أصلها ثم رميته فعقرت به حتى إذا تضايق الجبل فدخلوا في تضايقه علوت الجبل فجعلت أرديهم بالحجارة قال فما زلت كذلك أتبعهم حتى ما خلق الله من بعير من ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا خلفته وراء ظهري وخلوا بيني و

اونٹ روانہ کیے، میں بھی حضرت طلحہ کے گھوڑے پر ان اونٹوں کے ساتھ گیا، جب صبح ہوئی تو عبدالرحمن فزاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو لوٹ لیا اور سب کو ہنکا کر لے گیا، اور ان کے چرواہے کو قتل کر دیا، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے رباح یہ گھوڑا لو اور اس کو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے پاس پہنچا دو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دو کہ مشرکین نے آپ کی اونٹنیوں کو لوٹ لیا ہے پھر میں نے ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف رخ کیا اور تین بار بلند آواز سے چلایا یا صباحاہ پھر میں ان لٹیروں کے پیچھے تیر مارتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا بڑھا میں کہہ رہا تھا: میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کمینوں کی تباہی کا دن ہے، میں ان کے ہر شخص سے مقابلہ کرتا اور اس کو تیر مارتا حتیٰ کہ وہ تیر اس کے کندھے کو پار کر کے نکل جاتا، اور میں کہتا کہ اب اس وار کو سنبھال، میں اکوع کا بیٹا ہوں، اور آج کمینوں کی تباہی کا دن ہے، بخدا میں ان کو مسلسل تیر مارتا اور زخمی کرتا رہا، جب ان میں سے کوئی گھوڑے سوار میری طرف آتا تو میں درخت کے نیچے جا کر اس کی جڑ میں بیٹھ جاتا، پھر میں اس کو تیر مار کر زخمی کر دیتا، حتیٰ کہ جس جگہ پہاڑ تنگ ہو گیا تھا وہ اس جگہ سے ایک تنگ راستہ میں داخل ہو گئے، میں پہاڑ پر چڑھا اور ان کو پتھر مارنے شروع کیے، میں اسی طرح ان کا پیچھا کرتا رہا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواریوں میں سے جس اونٹ کو بھی پیدا کیا تھا، میں نے اس کو پیچھے چھوڑ دیا، وہ میرے اور لٹیروں کے درمیان سے ہٹ گئے، میں تیر مارتا ہوا ان کے پیچھے لگا رہا، حتیٰ کہ انہوں نے وزن کم کرنے کے لیے تیس سے زیادہ چادریں اور تیس نیزے پھینک دیئے وہ جو چیز بھی پھینکتے تھے میں اس کے اوپر پتھر سے نشان رکھ دیتا تھا تاکہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پہچان لیں، وہ چلتے

بَيْنَهُ ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ أَرْمِيهِمْ حَتَّى أَلْقَوْا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِينَ بُرْدَةً وَثَلَاثِينَ رُمْحًا يَسْتَخِفُّونَ وَلَا يَطْرَحُونَ شَيْئًا إِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ آرَامًا مِنَ الْحِجَارَةِ يَعْرِفُهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى أَتَوْا مُتَضَايِقًا مِنْ ثَنِيَّةٍ فَإِذَا هُمْ قَدْ أَتَاهُمْ فُلَانُ بْنُ بَدْرٍ الْفَزَارِيُّ فَجَلَسُوا يَتَضَحَّوْنَ يَعْنِي يَتَغَدَّوْنَ وَجَلَسْتُ عَلَى رَأْسِ قَرْنٍ قَالَ الْفَزَارِيُّ مَا هٰذَا الَّذِي أَرَى قَالُوا لَقِينَا مِنْ هٰذَا الْبَرْحَ وَاللهِ مَا فَارَقَنَا مُنْذُ غَلَسٍ يَرْمِينَا حَتَّى انْتَزَعَ كُلَّ شَيْءٍ فِي أَيْدِينَا قَالَ فَلْيَقُمْ إِلَيْهِ نَفَرٌ مِنْكُمْ أَرْبَعَةٌ قَالَ فَصَعِدَ إِلَيَّ مِنْهُمْ أَرْبَعَةٌ فِي الْجَبَلِ قَالَ فَلَمَّا أَمْكَنُونِي مِنَ الْكَلَامِ قَالَ قُلْتُ هَلْ تَعْرِفُونِي قَالُوا لَا وَمَنْ أَنْتَ قَالَ قُلْتُ أَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ وَالَّذِي كَرَّمَ وَجْهَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَطْلُبُ رَجُلًا مِنْكُمْ إِلَّا أَدْرَكْتُهُ وَلَا يَطْلُبُنِي رَجُلٌ مِنْكُمْ فَيُدْرِكَنِي قَالَ أَحَدُهُمْ أَنَا أَظُنُّ قَالَ فَرَجَعُوا فَمَا بَرِحْتُ مَكَانِي حَتَّى رَأَيْتُ فَوَارِسَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّلُونَ الشَّجَرَ قَالَ فَإِذَا أَوَّلُهُمُ الْأَخْرَمُ الْأَسَدِيُّ عَلَى إِثْرِهِ أَبُو قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ وَعَلَى إِثْرِهِ الْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ الْكِنْدِيُّ قَالَ فَأَخَذْتُ بِعِنَانِ الْأَخْرَمِ قَالَ فَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ قُلْتُ يَا أَخْرَمُ احْذَرْهُمْ لَا يَقْتَطِعُوكَ حَتَّى يَلْحَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

چلتے چلتے ایک تنگ وادی پر پہنچے وہاں فلاں بن بدر فزاری بھی پہنچ گیا، وہ سب لوگ دوپہر کا کھانا کھانے بیٹھے ادھر میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا، فزاری کہنے لگا یہ ہم کو کون دکھائی دے رہا ہے، وہ کہنے لگے اس شخص سے ہم نے بہت تکلیف اٹھائی ہے، خدا کی قسم! یہ منہ اندھیرے سے ہم کو تیر مار رہا ہے حتیٰ کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ اس نے چھین لیا، فزاری نے کہا تم میں سے چار شخص اس کی طرف جائیں، پھر ان میں سے چار میری طرف آنے کے لیے پہاڑ پر چڑھنے لگے، جب وہ اس قدر قریب آگئے کہ میری بات سن سکیں تو میں نے کہا کیا تم لوگ مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں، انھوں نے کہا نہیں تم کون ہو؟ میں نے کہا میں سلمہ بن اکوع ہوں، قسم اس ذات کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے، میں تم میں سے جس شخص کو بھی چاہوں گا، اپنے تیر کا نشانہ بنا لوں گا اور تم میں سے کوئی شخص مجھے نشانہ نہیں بنا سکتا، ان میں سے ایک شخص نے کہا میرا بھی گمان ہے، حضرت ابن اکوع نے کہا پھر وہ لوگ واپس لوٹ گئے، میں ابھی جگہ سے نہیں ہٹا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار نظر آئے، وہ درختوں میں گھس گئے تھے، سب سے آگے حضرت اخرم اسدی تھے، ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہ انصاری تھے اور ان کے پیچھے حضرت مقداد بن اسود کندی تھے، میں نے حضرت اخرم کے گھوڑے کی باگ تھام لی، حضرت ابن اکوع نے کہا وہ لٹیرے پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، میں نے کہا اے اخرم ان سے محتاط رہنا یہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب تم سے آملیں، انھوں نے کہا اے سلمہ! اگر تم اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہو اور یہ یقین رکھتے ہو کہ جنت حق ہے اور جہنم حق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان مت حائل ہو، حضرت ابن اکوع

عليه وسلم وأصحابه قال يا سلمة إن
كنت تؤمن بالله واليوم الآخر وتعلم
أن الجنة حق والنار حق فلا تحل
بيني وبين الشهادة قال فخليته
فالتقى هو وعبد الرحمن قال فعقر
بعبد الرحمن فرسه وطعنه عبد الرحمن
فقتله وتحول على فرسه ولحق أبو
قتادة فارس رسول الله صلى الله عليه
وسلم بعبد الرحمن فطعنه فقتله فوالذي
كرم وجه محمد صلى الله عليه وسلم
لتبعتهم أعدو على رجلي حتى ما أرى
ورائي من أصحاب محمد صلى الله عليه
وسلم ولا غبارهم شيئا حتى يعدلوا
قبل غروب الشمس إلى شعب فيه ماء يقال
له ذو قرد ليشربوا منه وهم عطاش
قال فنظروا إلي أعدو وراءهم
فحليتهم عنه يعني أجليتهم
عنه فما ذاقوا منه قطرة قال و
يخرجون فيشتدون في ثنية
قال فأعدو فألحق رجلا منهم فأصكه
بسهم في نغض كتفه قال قلت خذها
وأنا ابن الأكوع واليوم يوم الرضع
قال يا ثكلته أمه أكوعه بكرة قال
قلت نعم يا عدو نفسه أكوعك بكرة
قال وأردوا فرسين على ثنية قال
فجئت بهما أسوقهما إلى رسول الله صلى
الله عليه وسلم قال ولحقني عامر
بسطيحة فيها مذقة من لبن وسطيحة
فيها ماء فتوضأت وشربت ثم أتيت

نے کہا پھر میں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا، پھر ان کا اور عبدالرحمٰن
فزاری کا مقابلہ ہوا، حضرت اخرم نے عبدالرحمٰن کے
گھوڑے کو زخمی کر دیا، عبدالرحمٰن فزاری نے حضرت اخرم
پر نیزے سے وار کیا، اور ان کو شہید کر دیا، اور ان کے
گھوڑے پر سوار ہو گیا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے شہسوار حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے آ کر
عبدالرحمٰن فزاری پر نیزہ مارا اور اس کو قتل کر دیا، پس قسم
اس ذات کی جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت
دی ہے، میں ان کا پیچھا کرتا رہا اور پیدل ان کے پیچھے
دوڑتا رہا حتیٰ کہ میرے پیچھے کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا،
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بھی کسی نے
مجھے نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کا گرد وغبار نظر آیا، حتیٰ کہ غروب
آفتاب سے کچھ پہلے وہ لٹیرے پانی کی ایک گھاٹی پر
پہنچے، اس گھاٹی کا نام ذو قرد تھا، وہ لوگ سخت پیاسے
تھے اور پانی پینے کے لیے پہنچے تھے، پھر انہوں نے مجھے
دیکھا کہ میں دوڑتا ہوا چلا آ رہا ہوں، بالآخر میں نے ان کو پانی
سے دور بھگا دیا اور وہ ایک قطرہ پانی بھی نہ پی سکے، اب
وہ ایک گھاٹی کی جانب دوڑ پڑے، میں بھی ان کے پیچھے
دوڑا اور ان میں سے ایک شخص کے کندھے پر تیر مارا جو
کندھے کے پار نکل گیا، میں نے کہا اس کو سنبھالو، میں
ابن الاکوع ہوں اور آج کمینوں کی تباہی کا دن ہے، اس
نے کہا اس پر اس کی ماں روئے کیا یہ وہی اکوع ہے
جو صبح سے ہمارے پیچھے لگا ہوا ہے، میں نے
کہا ہاں اے اپنی جان کے دشمن یہ تمہارا وہی اکوع ہے
جو صبح سے تمہارے پیچھے ہے، حضرت ابن الاکوع نے
کہا انہوں نے دو گھوڑے گھاٹی پر چھوڑ دیے، میں ان
دونوں گھوڑوں کو ہنکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں لے آیا، وہاں مجھ سے حضرت عامر ملے،
ان کے پاس ایک چھاگل میں دودھ تھا اور ایک مشکیزے میں پانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو على الماء الذی حلأتہم عنہ فإذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد أخذ تلك الإبل وكل شيء استنقذته من المشركين وكل رمح وبردة وإذا بلال نحر ناقة من الإبل الذي استنقذت من القوم وإذا هو يشوي لرسول الله صلى الله عليه وسلم من كبدها وسنامها قال قلت يا رسول الله خلني فأنتخب من القوم مائة رجل فأتبع القوم فلا يبقى منهم مخبر إلا قتلته قال فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه في ضوء النار فقال يا سلمة أتراك كنت فاعلا قلت نعم والذي أكرمك فقال إنهم الآن ليقرون في أرض غطفان قال فجاء رجل من غطفان فقال نحر لهم فلان جزورا فلما كشفوا جلدها رأوا غبارا فقالوا أتاكم القوم فخرجوا هاربين فلما أصبحنا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كان خير فرساننا اليوم أبو قتادة وخير رجالتنا سلمة قال ثم أعطاني رسول الله صلى الله عليه وسلم سهمين سهم الفارس وسهم الراجل فجمعهما لي جميعا ثم أردفني رسول الله صلى الله عليه وسلم وراءه على العضباء راجعين إلى المدينة قال فبينما نحن نسير قال وكان رجل من الأنصار لا يسبق شدا قال فجعل يقول ألا مسابق إلى المدينة هل من مسابق فجعل يعيد ذلك قال فلما سمعت

تھا، میں نے وضو کیا اور وہ دودھ پیا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اسی پانی کے پاس تھے جہاں سے میں نے لٹیروں کو بھگایا تھا، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اونٹوں پر قبضہ کر لیا تھا، اور ان تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا تھا جو میں نے مشرکین سے چھینی تھیں، اور تمام نیزے اور چادریں لے لی تھیں، جو اونٹ میں نے چھینے تھے ان میں سے ایک اونٹنی کو حضرت بلال نے ذبح کیا، اور اس کی کلیجی اور کوہان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھون رہے تھے، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں لشکر میں سے سو آدمی چن کر ان لٹیروں کا پیچھا کروں اور ان میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا کہ وہ اپنی قوم میں جا کر خبر کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آگ کی روشنی میں آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دیں، پھر آپ نے فرمایا: اے سلمہ! کیا تمہارا خیال ہے کہ تم ایسا کر سکتے ہو؟ میں نے کہا: جی! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو عزت دی ہے، آپ نے فرمایا: ابھی تک وہ ارض غطفان میں ہوں گے، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں کہ اتنے میں غطفان سے ایک شخص آیا اور اس نے کہا فلاں شخص نے ان کے لیے اونٹ ذبح کیا تھا جب انہوں نے اس کی کھال اتاری تو ان کو گرد و غبار نظر آیا تو وہ کہنے لگے وہ مسلمان لوگ آ گئے اور پھر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے، بہر حال جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا سب سے بہترین گھوڑے سوار ابو قتادہ ہے اور بہترین پیادہ سلمہ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو حصے عطا فرمائے، ایک حصہ گھوڑے سوار کا اور ایک پیادے کا، میں نے ان دونوں حصوں کو اکٹھا کر لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی سواری عضباء پر اپنے پیچھے

كلامه قلت أما تكرم كريما ولا تهاب شريفا قال لا إلا أن يكون رسول الله صلى الله عليه وسلم قال قلت يا رسول الله بأبي وأمي ذرني فلأسابق الرجل قال إن شئت قال قلت اذهب إليك وثنيت رجلي فطفرت فعدوت قال فربطت عليه شرفا أو شرفين أستبقي نفسي ثم عدوت في إثره فربطت عليه شرفا أو شرفين ثم إني رفعت حتى ألحقه قال فأصكه بين كتفيه قال قلت قد سبقت والله قال أنا أظن قال فسبقته إلى المدينة قال فوالله ما لبثنا إلا ثلاث ليال حتى خرجنا إلى خيبر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فجعل عمي عامر يرتجز بالقوم ؎

تالله لولا الله ما اهتدينا
ولا تصدقنا ولا صلينا
ونحن عن فضلك ما استغنينا
فثبت الأقدام إن لاقينا
وأنزلن سكينة علينا

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا قال أنا عامر قال غفر لك ربك قال وما استغفر رسول الله صلى الله عليه وسلم لإنسان يخصه إلا استشهد قال فنادى عمر بن الخطاب وهو على جمل له يا نبي الله لولا ما متعتنا بعامر قال فلما قدمنا خيبر قال خرج ملكهم مرحب يخطر بسيفه ويقول ؎

قد علمت خيبر أني مرحب

بٹھا دیا حالانکہ ہم مدینہ کی طرف واپس جا رہے تھے انصار میں سے ایک ایسا شخص تھا جس کا دوڑنے میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس نے کہا کوئی ایسا شخص ہے جو میرے ساتھ مدینہ تک دوڑ کر چلے وہ بار بار چیلنج کرتا رہا، جب میں نے اس کی بات سنی تو میں نے کہا تم کو کسی بزرگ کی بزرگی کا خیال نہیں ہے اور تم کسی معزز آدمی کا لحاظ نہیں کرتے! اس نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا خیال نہیں کرتا، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں مجھے اس شخص سے دوڑنے میں مقابلہ کرنے دیجئے! آپ نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو جاؤ، میں نے انصاری سے کہا میں تمہاری طرف آتا ہوں میں نے پیر پیچھے کر کے (رکاب سے نکالا) اور سواری سے کود پڑا اور میں نے دوڑنا شروع کر دیا، جب ایک یا دو چڑھائیاں باقی رہ گئیں تو میں دم لینے کے لیے رکا اور پھر اس کے پیچھے دوڑ پڑا پھر جب ایک یا دو چڑھائیاں رہ گئیں پھر میں بلند ہو کر اس سے جا ملا پھر میں نے اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک گھونسا مارا اور کہا خدا کی قسم اب تم (ہار گئے) پیچھے رہ جاؤ گے، اس نے کہا میرا بھی یہی گمان ہے پھر میں اس سے پہلے مدینہ پہنچ گیا، حضرت ابن اکوع بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! ابھی ہم مدینہ میں تین راتیں ہی ٹھہرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر روانہ ہو گئے، اور میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ عنہ قوم میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے: خدا کی قسم اگر اللہ کی مدد نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ صدقہ ادا کرتے نہ نماز پڑھتے۔

ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہیں دشمن سے مقابلہ کے وقت تو ہم کو ثابت قدم رکھنا۔ اور ہم پر سکون نازل فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا میں عامر ہوں، آپ نے فرمایا اللہ تمہاری مغفرت

شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

قَالَ وَبَرَزَ لَهُ عَمِّي عَامِرٌ فَقَالَ ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي عَامِرٌ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرٌ

قَالَ فَاخْتَلَفَا ضَرْبَتَيْنِ فَوَقَعَ سَيْفُ مَرْحَبٍ فِي تُرْسِ عَامِرٍ وَذَهَبَ عَامِرٌ يَسْفُلُ لَهُ فَرَجَعَ سَيْفُهُ عَلَى نَفْسِهِ فَقَطَعَ أَكْحَلَهُ فَكَانَتْ فِيهَا نَفْسُهُ قَالَ سَلَمَةُ فَخَرَجْتُ فَإِذَا نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُونَ بَطَلَ عَمَلُ عَامِرٍ قَتَلَ نَفْسَهُ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ بَطَلَ عَمَلُ عَامِرٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ قَالَ قُلْتُ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِكَ قَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ بَلْ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ أَرْسَلَنِي إِلَى عَلِيٍّ وَهُوَ أَرْمَدُ فَقَالَ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ أَوْ يُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ قَالَ فَأَتَيْتُ عَلِيًّا فَجِئْتُ بِهِ أَقُودُهُ وَهُوَ أَرْمَدُ حَتَّى أَتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ وَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ وَخَرَجَ مَرْحَبٌ فَقَالَ ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ
شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

فَقَالَ عَلِيٌّ ؎

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ

فرمائے! حضرت ابن اکوع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لیے بھی استغفار کرتے تھے وہ شہید ہو جاتا تھا حضرت ابن اکوع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا درآں حالیکہ وہ اونٹ پر سوار تھے: اے اللہ کے نبی آپ نے ہمیں عامر سے فائدہ کیوں نہیں اٹھانے دیا، جب ہم خیبر پہنچے تو ان کا بادشاہ مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا:

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔
ہتھیاروں سے لیس، بہادر اور آزمودہ ہوں
جب لڑائی کی آگ بھڑکنے لگتی ہے۔

پس میرے چچا عامر یہ رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ کے لیے نکلے:

خیبر خوب جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیاروں سے لیس بہادر اور لڑائیوں میں گھسنے والا ہوں۔

حضرت ابن اکوع بیان کرتے ہیں کہ دونوں کی تلواریں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں، اچانک مرحب کی تلوار حضرت عامر کی ڈھال پر پڑی، حضرت عامر اس کو نیچے سے مارنے کے لیے جھکے تو تلوار لوٹ کر خود ان کو لگی جس سے ان کی شہ رگ کٹ گئی اور وہ شہید ہو گئے، حضرت سلمہ کہتے ہیں میں باہر نکلا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یہ کہہ رہے تھے کہ عامر کا عمل اکارت گیا کیونکہ انہوں نے خود کو قتل کر لیا، حضرت ابن اکوع کہتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتا ہوا آیا اور کہا یا رسول اللہ کیا عامر کے اعمال رائیگاں ہو گئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کس نے کہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ کہہ رہے ہیں، آپ نے فرمایا جس شخص نے یہ کہا ہے غلط کہا ہے، اس کو تو دگنا اجر ملے گا، پھر آپ نے مجھے حضرت علی کی طرف بھیجا درآں حالیکہ ان کی آنکھیں دکھتی تھیں، آپ نے فرمایا میں اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا یا فرمایا اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہو گا، پھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو لے کر آیا درآں حالیکہ ان کی آنکھیں دکھتی تھیں،

أُوفِيهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ قَالَ فَضَرَبَ رَأْسَ مَرْحَبٍ فَقَتَلَهُ ثُمَّ كَانَ الْفَتْحُ عَلَى يَدَيْهِ. قَالَ إِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ بِطُولِهِ.

میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا آپ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن ڈالا وہ ٹھیک ہو گئیں اور آپ نے ان کو جھنڈا دیا مرحب مقابلہ کے لیے یہ کہتا ہوا نکلا:

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں،
ہتھیاروں سے لیس، بہادر اور آزمودہ ہوں
جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

حضرت علی نے فرمایا:

میں وہ ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدر رکھا ہے۔ جو جنگلوں کے شیر کی طرح رعب اور دبدبہ والا ہے میں لوگوں کے ایک صاع کے بدلہ میں ان سے بڑا پیمانہ دیتا ہوں۔

پھر حضرت علی نے مرحب کے سر پر ایک ضرب لگائی اور اس کو ہلاک کر دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کے ہاتھ پر خیبر فتح کر دیا ایک اور سند سے یہ روایت اس سے بھی زیادہ طوالت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

۴۵۶۴۔ وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْدِيُّ السُّلَمِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ بِهَذَا.

امام مسلم نے ایک اور سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

حضرت علی کو حیدر کہنے کی تحقیق

اس حدیث میں ہے کہ حضرت علی نے رجز میں فرمایا میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ حیدر کا معنی ہے شیر جب حضرت علی پیدا ہوئے تو ابتداءً آپ کی والدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا اور مرحب نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس کو شیر قتل کرے گا اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا نام شیر ذکر کیا تاکہ مرحب مرعوب ہو دوسرا ایک قول یہ ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کا نام ابتداءً اسد رکھا تھا کیونکہ آپ کے جد کا نام اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا، اس وقت ابوطالب کہیں گئے ہوئے تھے جب وہ آئے تو انہوں نے آپ کا نام علی رکھا، حیدر کا معنی غلظ اور قوی ہے اور شیر بھی سخت قوی درندہ ہے اس لیے اس کو حیدر کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی قوت کے اعتبار سے اپنے آپ کو حیدر سے تعبیر فرمایا تھا۔

مرحب کو حضرت علی نے قتل کیا تھا یا حضرت محمد بن مسلمہ نے؟

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہی ہے کہ مرحب کو حضرت علی نے قتل کیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا۔ علامہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب الدرر فی مختصر السیر میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا، لیکن تحقیق یہ ہے کہ اس کو حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اکثر محدثین اور سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ مرحب کو حضرت علی نے قتل کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار معجزات کا بیان

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار معجزات کا بیان ہے: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے کنوئیں میں لعاب دہن ڈالا تو اس کا پانی زیادہ ہو گیا، (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا تو ان کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ آپ جس کو جھنڈا دیں گے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر خیبر فتح کرے گا (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی کہ تیرے غطفان میں قیام کریں گے اور ایسا ہی ہوا۔ [۱]

دیگر فوائد حدیث

اس حدیث کے دیگر فوائد حسب ذیل ہیں:

(۱) دشمن کے ساتھ صلح کرنے کا جواز جیسا کہ صلح حدیبیہ میں ہوا۔

(۲) لشکر سے پہلے مقدمۃ الجیش کو بھیجنا۔

(۳) حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت ابو قتادہ اور حضرت اخرم اسدی رضی اللہ عنہم کے مناقب۔

(۴) جو شخص کوئی اچھا کام کرے اس کے سامنے اس کی تعریف کرنا، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ اور حضرت سلمہ بن اکوع کے سامنے ان کی تعریف کی، اگر سامنے تعریف کرنے میں کوئی مصلحت ہو تو یہ مستحب ہے اور اگر اس میں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر مکروہ ہے اور اگر کسی ناجائز مقصد کے حصول کے لیے کسی کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے تو پھر حرام ہے۔

(۵) دشمن کے گھوڑوں کی کونچیں کاٹنے اور ان کو قتل کرنے کا جواز، اور جنگ میں رجز پڑھنے کا جواز۔

(۶) مال غنیمت سے کچھ کھانے کا جواز اور مال غنیمت سے عطیات دینے کا استحباب۔

(۷) اگر سواری متحمل ہو تو اس پر دوسرے شخص کو بٹھانے کا جواز، اور امام کی اجازت کے بغیر دشمن کو للکارنے کا جواز جس طرح حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے مرحب کو للکارا تھا۔

(۸) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت سے محبت اور حرص، اور اپنے آپ کو گھمسان کی جنگ میں داخل کرنا۔

(۹) جو شخص کفار کے خلاف لڑتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے خواہ کفار کی ضرب سے مرے یا اپنے ہتھیار کی ضرب لگنے سے مر جائے۔

(۱۰) امام کا لشکر کے سپاہیوں کی تفتیش کرنا اور جس کے پاس ہتھیار نہ ہوں اس کو ہتھیار فراہم کرنا۔

(۱۱) اس حدیث میں دوڑ کے مقابلہ کا بھی ثبوت ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرط نہ لگائی جائے۔

(۱۲) اس حدیث میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی عظیم فضیلت ہے کہ بیک وقت اندھیرے سے دوڑتے دوڑتے رات ہو گئی، گھوڑے تھک گئے، اونٹ تھک گئے، لوگ سامان اور اسباب چھوڑ گئے، اکتا گئے مگر حضرت سلمہ نہ تھکے۔ ان ہر

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

پھر کیا اندھا بیا، جیسے پہلے دشمنوں کا تعاقب کرتے رہے، اس کے باوجود بہت کم کسی لمحہ کوئی قدم انقلابی کے ساتھ عدو نے ہی مقابلہ کیا اور بالآخر مقابل ہیں اس کو پیچھے چھوڑ دیا ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ الْاٰيَةَ

اللہ تعالیٰ کا قول وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ الخ

۴۶۶۵ - حَدَّثَنِيْ عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ ثَمَانِيْنَ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيْمِ مُتَسَلِّحِيْنَ يُرِيْدُوْنَ غِرَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ فَاَخَذَهُمْ سِلْمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے اسی آدمی جبل تنعیم سے مسلح ہو کر اترے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو دھوکہ دے کر غفلت میں حملہ کرنا چاہتے تھے، آپ نے ان کو پکڑ کر قید کر لیا اور بعد میں چھوڑ دیا، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: جس ذات نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک لیا وادی مکہ میں ان پر تمہاری فتح کے بعد۔

بَابُ غَزْوَةِ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ

عورتوں کا مردوں کے ساتھ جہاد کرنا

۴۶۶۶ - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اُمَّ سُلَيْمٍ اتَّخَذَتْ يَوْمَ حُنَيْنٍ خِنْجَرًا فَكَانَ مَعَهَا فَرَاٰهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ اُمُّ سُلَيْمٍ مَعَهَا خِنْجَرٌ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْخِنْجَرُ قَالَتِ اتَّخَذْتُهٗ اِنْ دَنَا مِنِّيْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ بَقَرْتُ بِهٖ بَطْنَهٗ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اقْتُلْ مَنْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جنگ حنین کے دن ایک خنجر لیا جو ان کے پاس تھا، حضرت ابوطلحہ نے وہ خنجر دیکھ لیا، انہوں نے کہا یارسول اللہ! یہ ام سلیم ہیں اور ان کے پاس ایک خنجر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یہ خنجر کیسا ہے؟ حضرت ام سلیم نے عرض کیا میں نے یہ خنجر اس لیے لیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے، حضرت ام سلیم نے کہا ہمارے بعد جو طلقاء ہیں جو آپ سے شکست کھا چکے ہیں ان کو قتل کر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ام سلیم اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اس نے اچھا

بَعْدَنَا مِنَ الطُّلَقَاءِ انْهَزَمُوا بِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَفَى وَأَحْسَنَ۔

کیا ہے۔

(ف) فتح مکہ کے دن جو اہل مکہ مسلمان ہوئے ان کو طلقاء کہا جاتا ہے۔ حضرت ام سلیم نے ان کے قتل کا اس لیے مشورہ دیا تھا کہ ان کے خیال میں وہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

۴۵۶۷۔ وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا إِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي قِصَّةِ أُمِّ سُلَيْمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ حَدِيثِ ثَابِتٍ۔

ایک اور سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ام سلیم کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قصہ روایت کیا ہے۔

۴۵۶۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا فَيَسْقِينَ الْمَاءَ وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کرتے تھے تو آپ کے ساتھ حضرت ام سلیم اور انصار کی کچھ عورتیں بھی ہوتی تھیں وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کو دوا دیتیں۔

۴۵۶۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو وَهُوَ أَبُو مَعْمَرٍ الْمِنْقَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ وَهُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ انْهَزَمَ نَاسٌ مِنَ النَّاسِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو طَلْحَةَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُجَوِّبٌ عَلَيْهِ بِحَجَفَةٍ قَالَ وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ رَجُلًا رَامِيًا شَدِيدَ النَّزْعِ وَكَسَرَ يَوْمَئِذٍ قَوْسَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا قَالَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَمُرُّ مَعَهُ الْجَعْبَةُ مِنَ النَّبْلِ فَيَقُولُ انْثُرْهَا لِأَبِي طَلْحَةَ قَالَ وَيُشْرِفُ نَبِيُّ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن کچھ لوگوں نے شکست کھائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے اور ایک ڈھال سے آپ پر آڑ کی ہوئی تھی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بڑے زبردست تیر انداز تھے۔ اس دن انھوں نے دو یا تین کمانیں توڑ دیں، جب کوئی شخص تیروں کا ترکش لے کر نکلتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے یہ تیر ابوطلحہ کے لیے رکھ دو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گردن اٹھا کر کافروں کی طرف دیکھتے تو حضرت ابوطلحہ کہتے: اے اللہ کے نبی! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ گردن نہ اٹھائیے کہیں آپ کو کفار کے تیروں میں سے کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینہ کے سامنے ہے (تاکہ تیر مجھے لگے) حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ بنت

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَى الْقَوْمِ فَيَقُولُ أَبُو طَلْحَةَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي لَا تُشْرِفْ لَا يُصِيبُكَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْقَوْمِ نَحْرِي دُونَ نَحْرِكَ قَالَ وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا تَنْقُلَانِ الْقِرَبَ عَلَى مُتُونِهِمَا ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِهِمْ ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآنِهَا ثُمَّ تَجِيئَانِ تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ وَلَقَدْ وَقَعَ السَّيْفُ مِنْ يَدَيْ أَبِي طَلْحَةَ إِمَّا مَرَّتَيْنِ وَإِمَّا ثَلَاثًا مِنَ النُّعَاسِ.

ابی بکر اور حضرت ام سلیم اپنے پائنچے اوپر کیے ہوئے تھیں اور میں نے ان کی پنڈلیوں کی پازیب کو دیکھا، وہ دونوں اپنی پشت پر مشک لاد کر لاتی تھیں، پھر لوگوں کے منہ میں اس سے پانی ڈالتیں پھر لوٹ کر جاتیں پھر ان مشکیزوں کو بھرتیں پھر آکر مشکیزوں کے منہ سے لوگوں کو پانی پلاتیں۔ اس دن حضرت ابو طلحہ کے ہاتھ سے دو یا تین بار اونگھ کی وجہ سے تلوار گر گئی۔

(ف) اس حدیث میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما کے غزوہ اُحد میں شریک ہونے اور ان کی پازیب کھائی دینے کا ذکر ہے لیکن یہ خیال رہے کہ غزوہ اُحد تین ہجری میں واقع ہوا ہے اور حجاب کے احکام پانچ ہجری میں غزوہ احزاب کے بعد نازل ہوئے ہیں۔

جہاد میں عورتوں کی شرکت کا بیان

اس حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتیں بھی جہاد میں جاتی تھیں اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں، علامہ نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ عورتیں جہاد کے لیے جا سکتی ہیں اور ان سے پانی پلوانے اور دوا وغیرہ میں استفادہ کیا جا سکتا ہے، عورتوں کا یہ علاج کرنا ان کے شوہروں اور محرموں کے ساتھ خاص تھا اور اگر غیر محرم کے علاج میں اس کے جسم کو مس کرنا پڑے تو وہ بھی ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔

اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۷۹ میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما اپنے پائنچے اوپر کیے ہوئے تھیں، میں نے ان کی پنڈلیوں کی پازیب کو دیکھا، وہ دونوں اپنی پشت پر مشکیزے لاد کر لاتی تھیں۔

علامہ نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صرف پازیب کو دیکھا تھا کیونکہ یہ جنگ اُحد کا واقعہ ہے اور حجاب کے احکام غزوہ احزاب کے بعد نازل ہوئے ہیں، اس وقت تک عورتوں کی طرف دیکھنا حرام نہیں کیا گیا تھا؛ نیز اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت انس نے ان کی طرف قصداً دیکھا تھا یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ ان کی پازیب کی طرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نظر اچانک بلاقصد پڑ گئی تھی لیکن انہوں نے اس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ [1]

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۷۵ھ

اس قسم کی احادیث سے بعض متجدد علماء عورتوں کی آزادی اور تعلیم، معیشت، کاروبار اور زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مردوں کے ساتھ مساوات پر استدلال کرتے ہیں، اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور فقہاء اسلام کے ارشادات کی روشنی میں عورتوں کے ستر اور حجاب کے شرعی احکام بیان کر دیے جائیں، سو اب ہم ستر اور حجاب کے مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

ستر اور حجاب کی تحقیق

عورت کے ستر اور حجاب کے احکام الگ الگ ہیں، ستر کا تعلق عورت کے جسم کے اس حصہ اور ان اعضاء سے ہے جن کو شوہر کے سوا ہر شخص سے چھپانا واجب ہے خواہ وہ شخص اس عورت کا محرم ہو یا غیر محرم، اور وہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ اس کا پورا جسم ہے اور پیروں میں اختلاف ہے، چہرے اور ہاتھوں کے سوا باقی جسم کو عورت اپنے محارم (مثلاً باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ) پر ظاہر کر سکتی ہے اور وہ اجنبی مردوں پر، اور حجاب کا تعلق عورت کے پورے جسم سے ہے اور یہ اجنبی مردوں کے لحاظ سے ہے سو اجنبی مردوں کے لحاظ سے عورت کا پورا جسم واجب الستر (چھپانے کی چیز) ہے اور عورت باقی جسم کے علاوہ اپنا چہرہ اور ہاتھ بھی اجنبی مردوں پر ظاہر نہیں کر سکتی البتہ ضروریات مستثنیٰ ہیں جن کی تفصیل آئے گی، اسی طرح ستر کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک نماز کے اعتبار سے ستر ہے اور یہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ عورتوں کا پورا جسم ہے، سو اجنبی مردوں کے لحاظ سے عورت کا پورا جسم واجب الستر ہے اور اس کو چھپانا واجب ہے، سورۂ نور کی آیات میں عورتوں کے ستر کا ذکر ہے اور سورۂ احزاب میں عورتوں کے حجاب کا بیان ہے۔

متقدمین فقہاء میں سے بعض فقہاء نے ستر اور حجاب میں فرق نہیں کیا اور عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو حجاب سے مستثنیٰ رکھا ہے، لیکن جمہور فقہاء اسلام نے ستر اور حجاب میں فرق کیا ہے اور اجنبی مردوں کے لحاظ سے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے چھپانے کو بھی واجب قرار دیا ہے اور یہی چیز قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہے امام شافعی، امام احمد اور متاخرین فقہاء احناف کے نزدیک اجنبی مردوں کا عورتوں کے چہرے کو دیکھنا مطلقاً ناجائز ہے اور امام مالک اور متقدمین فقہاء احناف کے نزدیک اگر شہوت کا اندیشہ ہو تو عورت کے چہرے کو دیکھنا حرام ہے اور اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے، لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب دلائل سے واضح ہو جائے گا۔ پہلے ہم قرآن اور حدیث سے عورت کے ستر اور حجاب کا محل اور اس کا حکم بیان کریں گے، پھر عورت سے سلام و کلام اور اس کی آواز کا حکم بیان کریں گے پھر عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور عورت کی سربراہی کا حکم بیان کریں گے....

فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

عورت کے ستر کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد

ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن

اور مسلمان عورتیں اپنے بناؤ سنگھار (میک اپ) کو نہ دکھائیں بجز اس چیز کے جو خود ظاہر ہو اور اپنے سینوں کو اپنے دوپٹوں سے ڈھانک کر رکھیں، وہ اپنے بناؤ سنگھار صرف ان لوگوں پر ظاہر کر سکتی ہیں: اپنے شوہر،

او بنی اخواتهن او نسائهن او ما ملکت ایمانهن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن وتوبوا الی الله جمیعا ایه المؤمنون لعلکم تفلحون۔

(نور: ۳۱)

ان کے باپ، ان کے شوہروں کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے شوہروں کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھائیوں کے بیٹے، ان کی بہنوں کے بیٹے، دیگر مسلمان عورتیں ان کی باندیاں اور ایسے غلام یا مرد خدمت گار، جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوئے ہوں، مسلمان عورتیں اپنے پیروں کو زمین پر مار کر نہ چلیں جس سے ان کی پوشیدہ زینت کا لوگوں کو علم ہو جائے، اور اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

سورۂ نور مدنی ہے اس میں واقعہ افک سے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں، واقعہ افک غزوۂ بنو مصطلق یا غزوۂ مریسیع سے واپسی کے موقع پر پیش آیا تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں امام ابن اسحاق کے قول کے مطابق یہ غزوہ چھ ہجری میں پیش آیا تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا یہ غزوہ چار ہجری میں پیش آیا تھا۔ [1]

ہمارے نزدیک چار ہجری کا قول صحیح ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ سورۂ نور چار ہجری میں نازل ہوئی اور اسی سال عورتوں کے ستر کا حکم نازل ہوا اس ستر کا تعلق محارم سے ہے اور یہ نماز اور حالت احرام کے اعتبار سے ستر کا حکم ہے۔

عورت کے ستر کے متعلق مفسرین احناف کا نظریہ

سورۂ نور کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ عورتیں اپنی زینت کسی پر ظاہر نہ کریں، البتہ جو زینت ظاہر ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اس زینت سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں، کیونکہ سرمہ چہرہ کی زینت ہے اور مہندی اور انگوٹھی ہاتھوں کی زینت ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے چہرہ اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا (ضرورت کے وقت) مباح کر دیا ہے تو اس کا لامحالہ تقاضا یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا بھی مباح ہو، چہرے اور ہاتھوں کے واجب الستر نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ عورت چہرے اور ہاتھوں کو کھول کر نماز پڑھتی ہے اور اگر یہ واجب الستر (عورت یا شرمگاہ) ہوتے تو ان کو چھپانا بھی فرض ہوتا، اور جب عورت کا چہرہ اور ہاتھ ستر نہیں ہیں تو اجنبی شخص کے لیے عورت کے ہاتھوں اور اس کے چہرہ کو بلا شہوت دیکھنا جائز ہے، اور شہوت سے دیکھنا جائز نہیں۔ [2]

عورت کے ستر کے متعلق مفسرین شافعیہ کا نظریہ

امام فخر الدین رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اجنبی مرد کے حق میں آزاد عورت کا تمام جسم عورت (واجب الستر) ہے اور چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا اس کے جسم

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۸ ص ۴۲۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۱۶-۳۱۵، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

کی طرف بلا ضرورت دیکھنا جائز نہیں ہے۔[1]

عورت کے ستر کے متعلق مفسرین مالکیہ کا نظریہ

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو زینت ظاہر کرنے کے حکم سے اس زینت کو مستثنیٰ کیا ہے جو از خود ظاہر ہو اور اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا زینت ظاہرہ سے مراد لباس ہے، ابن جبیر نے کہا اس سے مراد چہرہ ہے اور سعید بن جبیر، عطاء، اور اوزاعی نے کہا اس سے چہرہ، ہتھیلیاں اور لباس مراد ہے، حضرت ابن عباس، قتادہ اور حضرت مسور بن مخرمہ نے کہا زینت سے مراد سرمہ، کنگن، نصف کلائیوں تک ہاتھوں کا رنگ اور کانوں کی بالیاں اور بندے وغیرہ ہیں سو عورت کے یہاں آنے والے لوگوں کے سامنے اس زینت کو ظاہر کرنا جائز ہے، علامہ طبری نے نصف کلائیوں کو ظاہر کرنے کے متعلق یہ حدیث ذکر کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر اذا عركت ان تظهر الا وجهها و يديها الى ههنا وقبض على نصف الذراع۔

جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائی ہو اس کے لیے بالغ ہونے کے بعد چہرے اور یہاں تک ہاتھوں کے سوا ظاہر کرنا جائز نہیں ہے پھر آپ نے آدھی کلائیوں تک ہاتھوں کو پکڑا۔

ابن عطیہ نے کہا میرے نزدیک اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ عورت کو اپنے تمام جسم کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے البتہ کام کاج کرتے وقت یا کسی اور مجبوری سے اس کا چہرہ اور ہاتھ اگر کھل جائیں تو وہ چھپانے کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ کام کاج کرتے وقت عادۃً اور نماز اور حج وغیرہ کو ادا کرتے وقت غالباً چہرہ اور ہاتھ کھل جاتے ہیں، اس لیے یہ استثناء انھیں کی طرف راجع ہے، امام ابو داؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء سے فرمایا: اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس سے اس کے سوا اور کسی عضو کا نظر آنا جائز نہیں ہے، اور آپ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا، (یہ حدیث ضعیف ہے۔ سعیدی) اور ہمارے فقہاء میں سے ابن خویز منداد نے یہ کہا ہے کہ جب کوئی عورت خوب صورت ہو اور اس کے چہرہ اور ہاتھوں کی طرف دیکھنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس پر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو چھپانا بھی واجب ہے، اور بوڑھی یا بد صورت عورت کے لیے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا ظاہر کرنا جائز ہے۔[2]

عورت کے ستر کے متعلق مفسرین حنبلیہ کا نظریہ

زینت ظاہرہ کی سات تفسیریں ہیں: (۱) حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ اس سے مراد کپڑے ہیں (۲) حضرت ابن مسعود سے دوسری روایت ہے اس سے مراد چادر ہے (۳) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ سرمہ اور انگوٹھی ہے۔ (۴) حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ یہ کنگن، انگوٹھی اور سرمہ ہے (۵) مجاہد سے روایت ہے کہ یہ سرمہ، انگوٹھی اور مہندی کا رنگ ہے (۶) حسن بصری نے کہا یہ انگوٹھی اور کنگن ہے (۷) ضحاک نے کہا کہ یہ چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ، تفسیر کبیر ج ٦ ص ٢٢٠، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ١٣٩٨ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ١٢ ص ٢٢٩-٢٣٠، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ١٣٨٧ھ

قاضی ابو یعلیٰ نے کہا کہ پہلا قول صحت کے زیادہ قریب ہے۔ اور امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ زینت ظاہرہ کپڑے ہیں اور عورت کی ہر چیز ستر ہے حتیٰ کہ اس کے ناخن بھی ستر ہیں۔ امام احمد کے اس قول سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بغیر عذر کے اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے، ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً اس سے نکاح کا ارادہ ہو یا اس کو گواہ بنانا چاہتا ہو تو صرف اس کے چہرے کی طرف دیکھ سکتا ہے اور بغیر عذر کے اس کے چہرے کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھے یا جسم کے کسی اور حصہ کی طرف۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ پھر چہرہ کھولنے سے اس کی نماز کیوں باطل نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ چہرہ چھپانے میں مشقت ہے اس لیے اس کو کھولنے کی رخصت دی گئی ہے۔[1]

قرآن مجید کی اس آیت میں عورت کے ستر سے اس زینت کو مستثنیٰ کیا ہے جو از خود ظاہر ہو، اور صحیح یہ ہے کہ اس زینت سے مراد لباس ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے خذوا زینتکم عند کل مسجد (اعراف: ۳۱) "ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہنو" اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو خود اپنی زینت کا اظہار اور نمائش نہیں کرنی چاہیے البتہ جو زینت از خود ظاہر ہو جائے وہ مستثنیٰ ہے جیسے چادر یا دوپٹہ کا ہوا سے اڑ جانا، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حسن بصری، ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے، اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کا تمام جسم واجب الستر ہے، اور جن بعض مفسرین نے یہاں زینت سے چہرہ اور ہاتھ مراد لیا ہے۔ ان کے قول کی تقدیر پر چہرہ اور ہاتھ عورت کے ستر سے مستثنیٰ ہیں، حجاب سے مستثنیٰ نہیں ہیں، اور یہ نماز اور احرام کے ستر کا بیان ہے نظر کے ستر کا بیان نہیں ہے، امام شافعی اور احمد نے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنے کو بجز مواضع ضرورت کے مطلقاً حرام کہا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے شہوت سے دیکھنے کو حرام کہا ہے۔

عورت کے ستر کے متعلق احادیث

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله عن النبی صلی الله علیه وسلم قال المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان هذا حدیث حسن صحیح غریب[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: عورت واجب الستر ہے، جب عورت (گھر سے) نکلتی ہے تو شیطان اپنے ابرو پر ہاتھ رکھ کر اس کو دیکھا کرتا ہے۔

اس حدیث میں عورت کے واجب الستر ہونے کی روشن اور واضح دلیل ہے۔

امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عائشة ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیها ثیاب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] علامہ ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۶ ص ۳۲-۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

رقاق فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال يا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح لها ان يرى منها الا هذا وهذا واشار الى وجهه وكفيه قال ابو داؤد هذا مرسل۔ [1]

کی خدمت میں حاضر ہوئیں درآنحالیکہ انھوں نے باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کی صرف یہ چیز اور یہ چیز دکھائی دینی چاہیے، آپ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ امام ابوداؤد نے کہا یہ حدیث مرسل، یعنی منقطع ہے۔

جو فقہاء اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے دیکھنے کو جائز کہتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اولاً تو یہ حدیث منقطع ہے، کیونکہ خالد بن دریک نے حضرت عائشہ کا زمانہ نہیں پایا اور اس کا حضرت عائشہ سے سماع نہیں ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے، ثانیاً اس کی سند میں سعید بن بشیر ضعیف راوی ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے کے واقعہ پر محمول ہے، نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نماز اور حالت احرام کے ستر کا بیان ہے، حجاب اور نظر کے ستر کا بیان نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا تقبل صلاة حائض الا بخمار۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز دوپٹہ کے بغیر قبول نہیں کرتا۔

اس حدیث کو امام نسائی کے سوا تمام ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ام سلمة انها سألت النبي صلى الله عليه وسلم أتصلي المرأة في درع وخمار ليس عليها ازار فقال اذا كان الدرع سابغا يغطي ظهور قدميها۔ [3]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عورت تہبند کے بغیر دوپٹہ اور قمیص میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب اس کی قمیص اتنی لمبی ہو کہ اس کے قدموں کی پشت کو چھپا لے!

امام حاکم نیشاپوری نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

۱۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۱، مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۳۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۳۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۹۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

هذا حديث صحيح على شرط البخاري ولم يخرجاه۔[1] یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

عورت کے ستر کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ ابو الحسن المرغینانی حنفی لکھتے ہیں: آزاد عورت کا چہرہ اور ہاتھوں کے سوا پورا جسم ستر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المرأة عورة مستورة ۔ عورت چھپائے جانے کی چیز ہے، اور ہاتھوں اور چہرے کا استثناء اس لیے ہے کہ کام کاج اور ادائے شہادت کے وقت اس کو انہیں ظاہر کرنا پڑتا ہے، علامہ المرغینانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عورت کے قدم بھی ستر ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ عورت کے قدم ستر نہیں ہیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔[3]

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عورت کے قدم کو ستر سے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے کہ آنے جانے اور چلنے پھرنے میں قدموں کے اظہار کی ضرورت پڑتی ہے، تاہم احادیث اور آثار میں عورت کے ستر سے قدموں کا استثناء نہیں ہے بلکہ سنن ابوداؤد اور سنن بیہقی میں حضرت ام سلمہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ عورت کے قدم بھی ستر ہیں۔

علامہ ابن ہمام اس بحث میں لکھتے ہیں کہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے ستر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی طرف دیکھنا جائز ہے، کیونکہ دیکھنے کا جواز اس پر موقوف ہے کہ وہ چیز نہ ستر ہو نہ اس کے دیکھنے سے شہوت کا خطرہ ہو، اس وجہ سے جب شہوت کا خطرہ ہو تو عورت اور بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنا حرام ہے۔[4]

عورت کے ستر کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ نماز میں چہرہ ظاہر کرنا عورت کے لیے جائز ہے اور چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ جسم کے کسی حصہ کو نماز میں ظاہر کرنا جائز نہیں ہے اور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں عورت پر سر ڈھانپنا واجب ہے، امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ عورت کے قدم ستر نہیں ہیں کیونکہ پیروں کو بھی چہرے کی طرح ظاہر کرنا پڑتا ہے۔

چہرے اور ہاتھوں کے ستر نہ ہونے پر دلائل قائم کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها (نور: ۳۱) اور حضرت ابن عباس نے الا ما ظهر منها کی تفسیر میں فرمایا ہے اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو حالت احرام میں دستانے اور نقاب پہننے سے منع فرمایا ہے اگر عورت کا چہرہ اور اس کے ہاتھ ستر ہوتے اور ان کا چھپانا واجب ہوتا تو آپ ان کو چھپانے

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۱ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

[2] امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۲ ص ۲۳۲، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

[3] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۹۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[4] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۱ ص ۲۲۶، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

سے منع فرماتے، نیز خرید و فروخت کے وقت چہرہ کھولنا پڑتا ہے اور لین دین کے وقت ہاتھوں کو ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے ضرورت کا تقاضا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ ستر نہ ہوں۔ (یہ تمام بحث نماز اور احرام کے ستر میں ہے ستر نظر اور حجاب میں نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: بعض فقہاء حنبلیہ نے کہا ہے کہ عورت کا پورا جسم ستر ہے کیونکہ امام ترمذی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ المرأة عورة "عورت واجب الستر ہے" امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے، لیکن چہرے اور ہاتھوں کو کھلنے کی رخصت دی گئی ہے کیونکہ ان کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہے اور ان کو ڈھکنے میں مشقت ہے، اور جو شخص کسی عورت سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس کے چہرہ کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ چہرہ محل المحاسن ہے۔ (اس بحث کا تقاضا ہے کہ ضرورت کے وقت چہرہ کھولنا جائز ہے اس سے مطلقاً چہرے کا بے حجاب کرنا لازم نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: عورت کے پیروں کے ستر ہونے پر یہ دلیل ہے کہ امام ابو داؤد نے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا عورت بغیر تہبند کے (صرف) دوپٹہ اور قمیص سے نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، بشرطیکہ اس کی قمیص اس کے پیروں کی پشت کو ڈھانپ لے، اور امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر سے گھسیٹتا ہو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ حضرت ام سلمہ نے پوچھا پھر عورتیں اپنے کپڑوں کے دامن کو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا اس کو ایک بالشت تک لٹکائیں، حضرت ام سلمہ نے کہا پھر تو ان کے پیر کھل جائیں گے، آپ نے فرمایا پھر وہ ایک ہاتھ تک کپڑا لٹکائیں اور اس سے زیادہ نہ کریں، امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے قدموں کو چھپانا واجب ہے، کیونکہ احرام میں پیروں کا کھولنا ضروری نہیں ہے، لہٰذا پنڈلیوں کی طرح عورت کے قدموں کو بھی نماز میں چھپانا واجب ہے۔[1]

عورت کے ستر کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابو اسحاق شیرازی شافعی لکھتے ہیں: چہرے اور ہاتھوں کے سوا آزاد عورت کا تمام بدن واجب الستر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منھا حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت میں چہرہ اور ہاتھوں کو چھپانے کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے، نیز اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو حالت احرام میں نقاب اور دستانے پہننے سے منع فرمایا ہے، اگر چہرہ اور ہاتھ واجب الستر ہوتے تو ان کا چھپانا ممنوع نہ ہوتا، اور عورت کو خرید و فروخت کے وقت چہرے کو ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور کوئی چیز لینے یا دینے کے وقت ہاتھوں کو ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

علامہ نووی شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا عورت کا تمام بدن واجب الستر ہے، ہتھیلیاں ہاتھ کے پہنچوں تک ستر سے مستثنیٰ ہیں، خراسان کے بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت کا باطن قدم ستر نہیں ہے اور مزنی نے کہا ہے کہ عورت کا قدم واجب الستر نہیں ہے۔ لیکن مختار مذہب یہی ہے کہ عورت کا قدم واجب الستر ہے۔[2]

[1] علامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ، المغنی ج ١ ص ٣٥٠-٣٤٩، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤٠٥ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ، شرح المہذب ج ٣ ص ١٦٨-١٦٧، مطبوعہ دار الفکر بیروت

(زیر بحث بھی نماز اور احرام کے ستر میں ہے ستر نظر میں نہیں ہے۔)

عورت کے ستر کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں: چہرہ اور ہتھیلیوں کے سوا آزاد عورت کا پورا جسم ستر ہے حتیٰ کہ اس کے سر کے بال بھی ستر ہیں یہ ستر اجنبی مسلمان کے اعتبار سے ہے، اور اجنبی کافر کے اعتبار سے اس کا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی ستر ہیں۔ اور لذت اور لطف اندوزی کے ساتھ عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا حرام ہے اور لذت اور لطف اندوزی کے بغیر دیکھنا جائز ہے۔ [1]

یہاں تک ہم نے عورت کے ستر کے متعلق قرآن مجید کی آیت، احادیث، آثار اور مذاہب اربعہ کے مفسرین اور فقہاء کی تصریحات پیش کی ہیں، جن سب کا حاصل یہ ہے کہ آزاد عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا اس کا پورا جسم واجب الستر ہے اور اس کا چھپانا فرض ہے۔ ضرورت کی بناء پر چہرے اور ہاتھوں کو ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ضرورت کی بناء پر عورت کے چہرے کو بلا شہوت دیکھنا جائز ہے اور شہوت کے ساتھ عورت کے چہرے کو دیکھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اس جگہ شہوت سے مراد یہ ہے کہ دیکھنے والا عورت کے چہرے کو میلان نفس کے ساتھ دیکھے اور اس کو دیکھ کر لطف اور لذت حاصل کرے۔

ستر سے مراد عورت کے جسم کا وہ حصہ ہے جس کو شوہر کے علاوہ کسی اور شخص پر ظاہر کرنا جائز نہیں ہے اور محرم اور غیر محرم ہر شخص سے جسم کے اس حصہ کو چھپانا فرض ہے اور یہ عورت کے چہرے اور پہنچوں تک ہاتھوں کے علاوہ اس کا پورا جسم ہے۔ قرآن مجید، احادیث، آثار اور جمہور مفسرین اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے ہم نے اس چیز کو صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا آزاد عورت کا تمام جسم واجب الستر ہے باقی رہا یہ کہ آزاد عورت اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دے یا ان کو بھی مستور اور حجاب میں رکھے سو اس کی وضاحت ہم حجاب کی بحث میں کریں گے۔

عورت کے حجاب کی تحقیق

ستر سے مراد عورت کے جسم کا وہ حصہ ہے جس کو شوہر کے علاوہ کسی اور پر ظاہر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ آزاد عورت کا پورا جسم ہے، رہا چہرہ اور ہاتھ تو عورت ان کو اپنے محارم کے سامنے کھول سکتی ہے مثلاً باپ، دادا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، بھتیجا اور بھانجا وغیرہ۔ اور جو اجنبی اور غیر محرم ہیں ان کے سامنے اس کو چہرے اور ہاتھوں کو بھی حجاب میں رکھنا لازم ہے اور چونکہ عورت کا چہرہ فتنہ کا محل ہے اور اس کے چہرے کو دیکھنا متعدد مفاسد کا سبب اور پیش خیمہ ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ اپنے چہرے کو حجاب میں رکھے اور لوگوں کو دعوت ابتلاء نہ دے۔

امام موسیٰ بن عقبہ کی تصریح کے مطابق سورۂ نور ۵ ہجری میں نازل ہوئی جس میں عورت کے ستر کے احکام نازل ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے باہر آتی جاتی تھیں اور ستر کے احکام کے مطابق ہی باہر نکلتی تھیں، ان کا چہرہ اور ہاتھ کھلے ہوئے ہوتے تھے اور باقی جسم ڈھکا ہوا ہوتا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار عرض کرتے تھے یارسول اللہ! آپ کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں آپ

---

[1] علامہ ابوالبرکات سیدی احمد دردیر مالکی متوفی ۱۲۰۱ھ، الشرح الکبیر ج ۱ ص ۲۱۴، مطبوعہ دارالفکر بیروت

اپنی ازواج کو حجاب (پردہ کرنے) کا حکم دیجئے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتوں کے لیے حجاب کے احکام نازل فرما دیے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة ان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کن یخرجن باللیل اذا تبرزن الی المناصع وھو صعید افیح وکان عمر یقول للنبی صلی اللہ علیہ وسلم احجب نساءک فلم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل فخرجت سودۃ بنت زمعة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلة من اللیالی عشاء وکانت امرأۃ طویلة فناداھا عمر الا قد عرفناک یا سودۃ حرصا علی ان ینزل الحجاب فانزل اللہ الحجاب۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات قضاء حاجت کے لیے رات کو کھلے میدانوں میں جاتی تھیں (ادھر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرتے رہتے تھے کہ آپ اپنی ازواج کو حجاب میں رکھیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نزول وحی کے انتظار میں) ایسا نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ کسی رات کو عشاء کے وقت قضاء حاجت کے لیے گئیں، وہ دراز قد عورت تھیں، حضرت عمر نے انہیں آواز دی: سنیے اے سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے، حضرت عمر کا یہ اس لیے تھا تاکہ عورتوں کے باہر نکلنے کے متعلق پردہ کے احکام نازل ہو جائیں سو اللہ تعالیٰ نے حجاب کے احکام نازل کر دیے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس قال قال عمر یا رسول اللہ یدخل علیک البر والفاجر فلو امرت امہات المؤمنین بالحجاب فانزل اللہ آیة الحجاب۔ [3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے پاس نیک اور بد ہر قسم کے لوگ آتے ہیں کاش آپ امہات المؤمنین کو حجاب میں رہنے کا حکم دے دیں، پس اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل کر دی۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ [4]

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[4] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

یہ تو ایک کھلی ہوئی بدیہی بات ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے مسلمان عورتیں جب کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلتی تھیں تو چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ ان کا سارا جسم مستور ہوتا تھا خصوصاً سورۂ نور میں احکام ستر نازل ہونے کے بعد تو اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب سورۂ احزاب میں احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی اگر مسلمان عورتیں اسی طرح کھلے منہ پھرتی رہتیں یا ان کا اسی طرح کھلے منہ پھرنا جائز ہوتا تو احکام حجاب نازل ہونے کا کیا ثمرہ مرتب ہوا اور آیات حجاب کو نازل کرنے سے کیا مقصد حاصل ہوا؟ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ آیات حجاب میں عورتوں کو اپنے منہ اور ہاتھوں کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور حجاب ستر سے زائد چیز ہے، ستر عورت کے جسم کے اس حصہ کو چھپانا ہے جس کو شوہر کے سوا کسی اور شخص کے سامنے ظاہر نہیں کیا جا سکتا اور یہ ہاتھوں اور چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہے، عورت اپنے محارم (باپ، بھائی وغیرہ) کے سامنے صرف چہرہ اور ہاتھ ظاہر کر سکتی ہے اور باقی جسم چھپائے گی اور حجاب کا تقاضا یہ ہے کہ عورت غیر محرم اجنبیوں کے سامنے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بھی چھپائے گی، چونکہ پہلے مسلمان عورتیں اور ازواج مطہرات اجنبی مردوں کے سامنے چہرے کو نہیں چھپاتی تھیں اسی لیے حضرت عمر مضطرب رہتے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے آیات حجاب نازل کر دیں تو ازواج مطہرات اور عام مسلمان عورتوں نے اجنبی مردوں سے اپنے چہروں کو حجاب میں مستور کر لیا۔

عورت کے حجاب کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وإذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب ذلكم أطهر لقلوبكم وقلوبهن

(احزاب: ۵۳)

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے بہت ہی پاکیزگی کا سبب ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك أدنى أن يعرفن فلا يؤذين وكان الله غفورا رحيما۔

(احزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (آنچل، پلو یا گھونگٹ) اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں، یہ پردہ ان کی اس شناخت کے لیے بہت قریب ہے کہ یہ پاکدامن آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں، سو ان کو ایذاء نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

احکام حجاب نازل ہونے کی تاریخ

سورت احزاب مدنی ہے اس سورت میں غزوہ احزاب (غزوہ خندق) کا ذکر ہے۔ امام بخاری نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ غزوہ احزاب ۴ھ میں ہوا، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ قول خلاف تحقیق ہے اور جمہور ارباب مغازی اور سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ غزوہ احزاب ۵ھ میں واقع ہوا۔ [1] (حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: امام ابن اسحاق نے کہا غزوہ احزاب شوال ۵ھ میں ہوا، امام ابن سعد نے کہا غزوہ احزاب ذوالقعدہ ۵ھ کو پیر کے دن ہوا۔ [2]

علامہ ابن قیم جوزیہ لکھتے ہیں: غزوہ خندق (غزوہ احزاب) صحیح قول کے مطابق شوال ۵ھ میں واقع ہوا کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ احد شوال ۳ھ میں ہوا تھا، مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیلنج کیا تھا کہ وہ اگلے سال یعنی ۴ھ میں آکر پھر حملہ کریں گے لیکن اگلے سال وہ قحط کا شکار ہو گئے، پھر ایک سال کے بعد ۵ھ میں مشرکین حملہ کے لیے آئے تمام اہل سیر اور مغازی کا اسی پر اتفاق ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے جمہور کی مخالفت کی ہے۔ [3]

ان نصوص اور حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ غزوہ احزاب ۵ھ میں واقع ہوا اور سورۂ احزاب میں چونکہ غزوہ احزاب کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہوا کہ سورۂ احزاب ۵ھ میں نازل ہوئی اور اس سورت میں احکام حجاب نازل کیے گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ احکام حجاب ۵ھ میں نازل کیے گئے تھے۔

جلباب کی تحقیق

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ازواج مطہرات، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور مسلمان عورتیں اپنی جلابیب (چادروں) کا کچھ حصہ اپنے (چہروں) پر ڈال لیں۔ جلابیب جلباب کی جمع ہے اس لیے دیکھنا چاہیے کہ جلباب کا معنی کیا ہے:

علامہ اسماعیل بن حماد جوہری لکھتے ہیں:

والجلباب الملحفة [4]

جلباب ملحفہ ہے یعنی لحاف اور کمبل کی طرح وسیع و عریض چادر ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

هو ما تغطي به المرأة الثياب من فوق كالملحفة (الى قوله) قال ابو عبيد قال الازهري معنى قول ابن الاعرابي الازار لم يرد به ازار الحقو ولكنه اراد ازارا يشتمل به فيجلل جميع الجسد۔ [5]

جلباب وہ چادر ہے جس کو عورت کمبل کی طرح اوپر سے اوڑھ لیتی ہے، ابو عبید نے کہا ہے کہ ازہری نے یہ بیان کیا ہے کہ ابن الاعرابی نے جو یہ کہا ہے کہ جلباب ازار (تہبند) ہے اس سے مراد وہ چادر نہیں ہے جو کمر پر باندھی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ چادر ہے جس سے تمام جسم کو ڈھانپ لیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جلباب سے مراد وہ وسیع و عریض چادر ہے جس سے عورت تمام جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔

---

[1] (حاشیہ صفحہ سابقہ) حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۸ ص ۳۹۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[2] حافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۱۷۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، زاد المعاد ج ۲ ص ۱۱۱، مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۶۹ھ

[4] علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ، صحاح ج ۱ ص ۱۰۱، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ

[5] علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

چہرہ ڈھانپنے کی تحقیق

اس آیت میں یہ الفاظ ہیں: یدنین علیہن من جلابیبہن۔ الاحزاب: ۵۹ من تبعیضیہ ہے یعنی عورتیں اپنی جلباب کا کچھ حصہ اپنے اوپر ڈال لیں مفسرین نے لکھا ہے کہ علیہن میں حذف مضاف ہے یعنی علی وجوہہن "چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر ڈال لیں" یعنی چادر کا ایک پلہ یا آنچل یا گھونگھٹ اپنے چہروں پر اس طرح ڈال لیں کہ چہرہ ڈھک جائے اور یہی حجاب کا تقاضا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

حدثني علي، قال: ثنا أبو صالح، قال: ثني معاوية، عن علي، عن ابن عباس، قوله: (يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن) أمر الله نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابيب ويبدين عينًا واحدة۔

امام ابن جریر، حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بنا پر اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں سے سر اور چہرے کو اس طرح ڈھانپ لیں کہ فقط ایک آنکھ کھلی رہے۔

علامہ ابن جریر نے اس تفسیر کو عبیدہ اور ابن سیرین سے بھی نقل کیا ہے۔ [۱]

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی نے اس تفسیر کو عبیدہ سے نقل کیا ہے۔ [۲]

حافظ ابن کثیر حنبلی نے اس تفسیر کو حضرت ابن عباس کے حوالے سے ذکر کیا ہے [۳]

قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يغطين وجوههن وأبدانهن إذا برزن لحاجة ومن للتبعيض فإن المرأة ترخي بعض جلبابها وتتلفع ببعض۔ [۴]

جب عورتیں کسی کام سے باہر نکلیں تو اپنے چہرے اور بدن کو ڈھانپ لیں، من تبعیض کے لیے ہے کیونکہ عورتیں چادر کے بعض حصے کو (چہرہ پر) لٹکا لیتی ہیں اور بعض کو بدن کے گرد لپیٹ لیتی ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی لکھتے ہیں:

کشاف میں ہے کہ اس آیت کے دو محمل ہیں یا تو ایک چادر کو پورے بدن پر لپیٹنے کا حکم دیا ہے یا چادر کے ایک حصہ سے سر اور چہرے کو ڈھانپ لیں اور دوسرے حصہ سے باقی بدن ڈھانپ لیں۔ [۵]

علامہ آلوسی حنفی نے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ [۶]

۱۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۲۲ ص ۴۶، مطبوعہ شرکۃ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۳ھ

۲۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۳۔ حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر حنبلی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۱۶، مطبوعہ دار الاندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ

۴۔ قاضی ابو الخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل علی ہامش الخفاجی ج ۷ ص ۱۸۲، مطبوعہ دار صادر بیروت

۵۔ علامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی ج ۷ ص ۱۸۵، مطبوعہ دار صادر بیروت

۶۔ علامہ شہاب الدین ابو الفضل محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

آزاد عورتیں چادروں سے اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیں تاکہ معلوم ہو جائے وہ آزاد عورتیں ہیں۔ [1]

علامہ ابو سعود حنفی لکھتے ہیں:

یغطین بھا وجوھھن وابدانھن اذا برزن لداعیۃ [2] — عورتیں جب کسی کام سے جائیں تو چادروں سے اپنے چہروں اور بدنوں کو چھپالیں۔

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

ابو عبیدہ سلمانی بیان کرتے ہیں کہ جب ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ تم چادر کو اپنی پیشانی پر رکھ کر چہرے کے اوپر لپیٹ لو، سدی نے کہا ایک آنکھ کے سوا باقی چہرے کو ڈھانپ لو (علامہ ابو الحیان کہتے ہیں) اندلس کے شہروں کا بھی یہی طریقہ ہے عورتیں ایک آنکھ کے سوا باقی چہرے کو ڈھانپ کر رکھتی ہیں، حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا چادر سے چہرے سے ڈھانپ لے اور دونوں آنکھوں کو کھلا رکھے۔ من جلابیبھن کا مطلب یہ ہے کہ چادر کے ایک حصہ سے چہرہ کو ڈھانپ لیا جائے یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے کیونکہ جب آزاد عورتیں اپنے چہرے کو ڈھانپ لیں گی تو وہ بے پردہ پھرنے والی بے حیا باندیوں سے ممتاز ہو جائیں گی اور فساق اور فجار کی ایذاء رسانی اور چھیڑ خوانی سے محفوظ رہیں گی۔ [3]

مشہور شیعہ مفسر شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی لکھتے ہیں:

قال الحسن، الجلابیب الملاحف تدنیھا المرأۃ علی وجھھا [4] — حسن نے کہا کہ جلابیب سے مراد وہ چادریں ہیں جن کو عورتیں اپنے چہروں پر ڈال لیتی ہیں۔

جلباب کی تفسیر جو ہم نے مستند مفسرین اسلام سے نقل کی ہے، ان میں علامہ ابن جریر طبری، علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی، علامہ ابن کثیر حنبلی، علامہ ابن جوزی حنبلی، قاضی بیضاوی شافعی، علامہ ابو سعود حنفی، علامہ خفاجی حنفی، علامہ آلوسی حنفی، علامہ ابو الحیان اندلسی اور شیعہ مفسر شیخ طوسی وغیرہ سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج، آپ کی صاحبزادیوں اور عام مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلیں تو اپنی چادروں کا پلو اپنے چہرے پر ڈال کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیں۔

ان تفاسیر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ سورۂ نور میں عورتوں کو جو چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کے ستر کا حکم دیا گیا تھا اس آیت میں اس سے زائد حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔

---

[1] علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۶ ص ۴۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

[2] علامہ ابو سعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو سعود علی ہامش الکبیر ج ۶، ص ۲۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

[3] علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط ج ۷، ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ

[4] شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن ج ۸ ص ۳۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ذالک ادنیٰ ان یعرفن سے چہرہ ڈھانپنے پر استدلال

ذٰلک ادنٰی ان یعرفن فلا یؤذین۔ (احزاب: ۵۹)

یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے (کہ یہ آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذا نہ دی جائے۔

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

جب کوئی باندی راستہ سے گزرتی تھی تو فساق فجار اس کو ایذا پہنچاتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو باندیوں کی مشابہت سے منع فرما دیا، مجاہد نے یدنین علیہن من جلابیبہن کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ آزاد عورتیں اپنے چہروں پر آنچل ڈال لیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور فساق ان کو آواز سے کس کر یا چھیڑ خوانی کر کے اذیت نہ پہنچائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذٰلک ادنٰی ان یعرفن فلا یؤذین (یہ ان کو [illegible]) شناخت کے زیادہ قریب ہے تاکہ ان کو ایذا نہ پہنچائی جائے۔[1]

امام فخر الدین رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں آزاد عورتیں اور باندیاں چہرہ کھول کر باہر نکلتی تھیں اور فساق فجار ان کے پیچھے دوڑتے رہتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادروں سے چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا۔[2]

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

کان دأب الجاھلیۃ ان تخرج الحرۃ والامۃ مکشوفتی الوجہ فی درع وخمار وکان الزناۃ یتعرضون اذا خرجن باللیل لقضاء حوائجھن فی النخیل والغیطان للاماء وربما تعرضوا للحرۃ بعلۃ الامۃ یقولون حسبناھا امۃ فامرن ان یخالفن بزیھن عن زی الاماء بلبس الاردیۃ والملاحف وستر الرؤس والوجوہ لیحتشمن ویھبن فلا یطمع فیھن۔[3]

زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ آزاد عورتیں اور باندیاں دونوں قمیص اور دوپٹے میں چہرہ کھول کر نکلتی تھیں، اور جب وہ رات کے وقت قضاء حاجت کے لیے کھجوروں کے جھنڈ اور نشیبی زمینوں میں جاتیں تو بدکار لوگ باندیوں کے پیچھے جاتے اور بعض اوقات وہ آزاد عورت کو بھی دست درازی کرتے اور یہ کہتے کہ ہم نے اس کو باندی گمان کیا تھا۔ تب آزاد عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ باندیوں سے مختلف وضع قطع اختیار کریں یوں کہ بڑی چادروں اور کمبلوں سے اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانپ لیں تاکہ وہ باحیاء اور معزز رہیں اور کوئی شخص ان کے متعلق بری خواہش نہ کرے

---

1. علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، جامع البیان ج ۲۲ ص ۴۶، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۷۳ھ
2. امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۹۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۰ھ
3. علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط ج ۷ ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ

صنعت یہ کہتا ہے کہ آج کل یہی طریقہ ہے جو عورت کھلے پردہ میں باہر نکلتی ہے وہ کسی شخص کی ہوا و ہوس کا نشانہ نہیں بنتی اس پر کوئی بری نظر ڈالتا ہے نہ کوئی آوازہ کستا ہے، نہ اس کا پیچھا کرتا ہے اور جو عورت بے پردہ تنگ اور چست لباس پہن کر سرخی پاؤڈر سے میک اپ کر کے اور اپنے لباس پر پرفیوم اسپرے کر کے عطر بیزوں کی لپٹوں میں گھر سے نکلتی ہے وہ تمام ہوسناک نگاہوں کا ہدف بنتی ہے، اوباش لوگ اس پر آوازے کستے ہیں اور چھیڑ خوانی کرتے ہیں اور بسا اوقات اس کی عزت لٹ جاتی ہے۔ العیاذ باللہ! ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام عورت کو پردے کی بد پر رکھنا چاہتا ہے! مغربی ممالک میں جہاں کوئی پردہ ہے نہ کوئی حدود و قیود ہیں لڑکیاں نیم عریاں لباس میں برسر عام پھرتی ہیں اور راہ چلتے برسر عام مرد اور عورت بوس و کنار کرتے ہیں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں بغیر کسی پردے اور حجاب کے جوڑوں کی طرح مرد اور عورتیں ہم آغوش ہوتے ہیں اور جنسی عمل کرتے ہیں، ایک لڑکی کئی کئی بوائے فرینڈ رکھتی ہے، دفتروں، کارخانوں، ہوٹلوں اور سیرگاہوں یعنی ہر جگہ مرد اور عورت ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ایک ساتھ کام کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ناجائز بچوں سے ان کی سڑکیں بھری رہتی ہیں اور ہسپتالوں میں اسقاط حمل کرانے والی عورتوں کی بھرمار ہوتی ہے اور اس جنسی بے راہ روی سے ان کا ذہنی سکون برباد ہو جاتا ہے اور وہ لوگ مالیخولیائی کیفیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر وہ سکون اور آرام کی تلاش میں سستے نشوں کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ پہلے وہ اپنے آپ کو شراب میں ڈبو دیتے تھے لیکن اس سے بھی ان کو سکون نہیں ملا، اب وہ چرس، کوکین، ہیروئن، اور راکٹ کی پناہ لیتے ہیں وہ ایسا تیز سے تیز نشہ چاہتے ہیں جو ان کے ذہن کو زیادہ سے زیادہ دیر کے لیے سلا دے، بے حس کر دے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دے۔ مغربی ممالک کی حکومتیں ان منشیات پر پابندیاں لگا رہی ہیں اس کے باوجود منشیات کی کھپت بڑھتی جا رہی ہے۔ پابندیوں سے کام نہیں چلے گا لوگ سکون چاہتے ہیں ان کو سکون مہیا کیجئے راکٹ اور ملٹا کا سکون ناپائیدار اور عارضی ہے، صحت کے لیے تباہ کن ہے، حقیقی سکون صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں ہے:

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون۔ (انعام: ۸۲)

جو لوگ ایمان لائے اور ایمان کے ساتھ ظلم سے (گناہ کر کے یعنی اسلامی احکام کی مخالفت اور ان سے بغاوت نہیں کی) انہی کے لیے امن اور سکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ جنسی بے اعتدالی اور بے راہ روی انسان کے ذہنی سکون کو ختم کر دیتی ہے، اس لیے اگر ہم دنیا کو ذہنی سکون فراہم کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو جنسی بے راہ روی اور بد چلنی کو ختم کرنا ہوگا اور اس کی پہلی بنیاد پردہ اور حجاب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین (احزاب: ۵۹)

یہ پردہ ان کی شناخت کے بہت قریب ہے کہ وہ آزاد عورتیں ہیں (کوئی کنیز یا باندیاں نہیں ہیں) سو ان کو ایذا نہ دی جائے۔

حافظ ابن کثیر حنبلی لکھتے ہیں: سدی نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مدینہ کے فساق فجار رات کے اندھیرے میں مدینہ کی گلی کوچوں میں نکل جاتے اور عورتوں کے پیچھے لگ جاتے، اہل مدینہ کے مکانات تنگ تھے، رات کو عورتیں

قضاء حاجت کے لیے باہر نکلتیں تو فساق ان کو ڈھونڈنے نکلتے جب وہ کسی عورت کے اوپر چادر دیکھتے تو کہتے کہ یہ آزاد عورت ہے اور اس سے احتراز کرتے اور جب کسی عورت کو بے پردہ دیکھتے تو کہتے کہ یہ باندی ہے اور اس کو پکڑ لیتے۔ [1]

علامہ ابن جوزی حنبلی نے بھی سدی سے اسی تفسیر کو نقل کیا ہے۔ [2]

علامہ محمد امین بن مختار جکنی شنقطی لکھتے ہیں:

صحابہ کرام اور تابعین کے تمام مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ اہل مدینہ کی خواتین رات کو قضاء حاجت کے لیے گھروں سے باہر نکلتی تھیں اور مدینہ میں بعض فساق تھے جو باندیوں کے پیچھے پڑ جاتے تھے اور آزاد عورتوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، اور بعض آزاد عورتیں ایسی وضع میں نکلتی تھیں جس سے وہ باندیوں سے ممتاز نہیں ہوتی تھیں، سو وہ فساق ان کو بھی باندیاں سمجھ کر ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی ازواج، اپنی صاحبزادیوں اور مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ اپنی وضع قطع میں باندیوں سے ممتاز رہیں بایں طور کہ چادروں سے اپنا چہرہ چھپائے رکھیں اور جب وہ ایسا کریں گی تو فساق کو پتا چل جائے گا کہ یہ آزاد عورتیں ہیں اور ان کو ستایا نہیں جائے گا، اہل علم نے اسی کی یہی تفسیر کی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فساق کا باندیوں کو چھیڑنا اور ان سے فحش حرکات کرنا جائز ہے بلکہ یہ حرام ہے اور ان فحش کاموں کے درپے وہی لوگ رہتے ہیں جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہیں والذین فی قلوبھم مرض "وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے"۔ [3]

مذاہب اربعہ کے بعض متقدمین فقہاء اور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عورت کے چہرہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور بلا شہوت دیکھنا جائز ہے، اسی طرح انہوں نے کہا کہ عورت پر اپنے چہرہ کو چھپانا واجب نہیں ہے اس کے برخلاف بعض دوسرے فقہاء اور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب ہے۔ اور یہی قول قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے کیونکہ چہرہ کے علاوہ باقی جسم کو چھپانا تو عورت پر پہلے بھی فرض تھا جیسا کہ سورۂ نور میں ستر کے احکام نازل ہونے سے ظاہر ہو گیا ہے، اور اس کے بعد سورۂ احزاب میں جو حجاب کی آیات نازل ہوئیں ان میں ستر سے ایک زائد حکم بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر محرم اور اجنبی مردوں کے سامنے عورتیں اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ کر رکھیں۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی، مجتہد فی المسائل بیان کرتے ہیں:

قال ابوبکر فی ھذہ الآیۃ دلالۃ علی ان المرأۃ الشابۃ مأمورۃ بستر وجھھا عن الاجنبیین واظھار الستر والعفاف عند الخروج

ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جوان عورت کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہے، اور گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کرنے اور

[1] حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۵۱۷، مطبوعہ دار الاندلس بیروت ۱۳۸۵ھ
[2] علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۶ ص ۴۲۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت
[3] علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقطی، اضواء البیان ج ۶ ص ۵۸۶-۵۸۸، مطبوعہ عالم الکتب لاہور

لئلا یطمع اہل الریب فیہن ۔	پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ بدکار لوگوں کے دلوں میں بری خواہش پیدا نہ ہو۔

چونکہ بوڑھی عورتوں کے حجاب کے متعلق قرآن مجید میں تخفیف کی گئی ہے اس لیے علامہ ابوبکر رازی نے حجاب کی اس آیت کو جوان عورتوں پر محمول کیا ہے اور اس عبارت میں یہ تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جوان عورتوں کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم کیا ہے اور امر کا تقاضا وجوب ہے اس لیے جو عورتیں بوڑھی نہ ہوں ان پر اپنے چہرہ کو چھپانا واجب ہے۔

بوڑھی عورتوں کے حجاب میں تخفیف سے عمومی حجاب پر استدلال

جس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کے حجاب میں تخفیف کی ہے وہ یہ ہے:

والقواعد من النساء التی لا یرجون نکاحا فلیس علیہن جناح ان یضعن ثیابہن غیر متبرجٰت بزینۃ ط و ان یستعففن خیر لہن واللہ سمیع علیم۔

(نور: ۶۰)

وہ بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں ہے اگر وہ اپنے (چہرہ ڈھانپنے کے) کپڑے اتار دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے درآں حالیکہ وہ اپنی زینت دکھاتی نہ پھریں اور اگر وہ اس سے بچیں (یعنی نقاب نہ اتاریں) تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو جن کپڑوں کے اتارنے کی اجازت دی ہے اس سے مراد وہ چادریں ہیں جن سے آیت جلباب میں چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس آیت سے یہ تو ہرگز مراد نہیں ہے کہ بوڑھی عورت قمیص اور شلوار اتار کر بالکل برہنہ ہو جائے کیونکہ یہ کھلی بے حیائی ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ بوڑھی عورت سینہ سے دوپٹہ اتار کر اپنے سینہ کا ابھار لوگوں کو دکھاتی پھرے کیونکہ غیر متبرجٰت بزینۃ میں اس سے منع کر دیا ہے تو پھر متعین ہو گیا کہ اس آیت میں بوڑھی عورتوں کو چہرہ سے صرف نقاب اتارنے کی اجازت دی ہے یا اس چادر کو اتارنے کی اجازت دی ہے جس سے آیت جلباب میں چہرہ ڈھانپنے کا حکم دیا ہے۔ نیز یہ فرمایا کہ ان کے لیے بھی افضل اور مستحب یہی ہے کہ وہ اس چادر کو نہ اتاریں اور چہرہ ڈھانپ کر رکھیں اور اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو عورتیں سن یاس کو نہیں پہنچیں ان پر چہرہ چھپانا لازم اور واجب ہے۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قال ابن مسعود ومجاہد والقواعد اللاتی لا یرجون نکاحا اللاتی لا یردنہ و ثیابہن جلابیبہن و قال ابراہیم و ابن جبیر الرداء و قال الحسن الجلباب والمنطق وعن جابر بن زید یضعن الخمار والرداء ۔ قال ابوبکر لا خلاف فی

حضرت ابن مسعود اور مجاہد نے بیان کیا کہ یہاں وہ بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو نکاح کا ارادہ نہ رکھتی ہوں اور جن کپڑوں کو اتارنے کی اجازت دی اس سے مراد جلابیب (وہ چادریں جن کے پلو سے چہرہ ڈھانپتے ہیں) ہیں جس کو جلابیب اور پٹکے مرادہیں ابراہیم اور ابن جبیر نے کہا چادر مراد ہے جابر بن زید سے چادر اور دوپٹے کی روایت

لہ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

ان شعر العجوز عورة لا یجوز للاجنبی النظر الیہ کشعر الشابة وانہا ان صلت مکشوفة الراس کانت کالشابة فی فساد صلاتہا فغیر جائز ان یکون المراد وضع الخمار بحضرة الاجنبی فان قیل انما ابلح اللہ تعالی بہذہ الآیة ان تضع خمارہا فی الخلوة بحیث لا یراہا احد، قیل لہ فاذا لامعنی لتخصیص القواعد بذلک اذ کان للشابة ان تفعل ذلک فی الخلوة وفی ذلک دلیل علی انہ انما ابلح للعجوز وضع ردائہا بین یدی الرجال بعد ان تکون مغطاة الراس و اباح لہا بذلک کشف وجہہا و یدہا لانہا لا تشتہی۔ [۱]

ہے، علامہ ابوبکر اس روایت کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بوڑھی عورت کے بال بالاتفاق ستر ہیں جس طرح جوان عورت کے بال ستر ہیں، اس لیے اجنبی شخص کا بوڑھی عورت کے بالوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اور اگر بوڑھی عورت نے ننگے سر نماز پڑھی تو جوان کی طرح اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اس لیے اس آیت سے یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ بوڑھی عورت اجنبی مردوں کے سامنے اپنا دوپٹہ اتار دے۔ اگر یہ سوال ہو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورت کو تنہائی میں دوپٹہ اتارنے کی اجازت دی ہے، جب کہ اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ پھر بوڑھی عورتوں کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے کیونکہ جوان عورت بھی تنہائی میں اپنا دوپٹہ اتار سکتی ہے، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب بوڑھی عورت کا سر ڈھکا ہوا ہو تو وہ مردوں کے سامنے اپنی جلباب اتار سکتی ہے اور اس کے لیے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھولنا جائز ہے کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی۔

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

والصحیح انہا کالشابة فی التستر الا ان الکبیرة تضع الجلباب الذی یکون فوق الدرع والخمار قالہ ابن مسعود وابن جبیر وغیرہما۔ [۲]

صحیح یہ ہے کہ بوڑھی عورت بھی ستر میں جوان عورت کی طرح ہے مگر بوڑھی عورت اس جلباب کو اتار سکتی ہے جو قمیص اور دوپٹے کے اوپر اوڑھا ہوا ہوتا ہے حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر وغیرہ کا یہی قول ہے۔

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

لا شبہة انہ تعالی لم یأذن فی ان یضعن ثیابہن اجمع لما فیہ من کشف کل عورة فلذلک قال المفسرون المراد بالثیاب ہہنا الجلباب والبرد والقناع

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کو تمام کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ اس سے ہر ستر کا کھولنا لازم آئے گا اس لیے مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں کپڑے سے مراد جلباب، چادریں اور اوڑھنیاں ہیں جن

۱۔ علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۲۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

۲۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۳۰۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ

الذی فوق الخمار[1]

کر دوپٹے کے اوپر اوڑھا جاتا ہے۔

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

وعنی بالثیاب الجلباب والرداء والقناع الذی فوق الخمار، هذا المراد بالثیاب لا جمیع الثیاب (الی قوله) قال القاضی ابو یعلی فی هذه الآیة دلالة علی انه یجوز للعجوز کشف وجهها ویدیها بین یدی الرجال، واما شعرها فیحرم النظر الیه کشعر الشابة[2]

اس آیت میں کپڑوں سے مراد جلباب، چادریں اور اوڑھنیاں ہیں جو دوپٹے کے اوپر ہوتی ہیں، تمام کپڑے اتارنا مراد نہیں ہیں، قاضی ابو یعلی نے کہا بوڑھی عورت کا اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو کھولنا جائز ہے اور اس کے بالوں کو دیکھنا جوان عورت کے بالوں کو دیکھنے کی طرح ناجائز ہے۔

مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ بوڑھی عورت جس کو نکاح کی امید نہ ہو اور جو سن یاس کو پہنچ چکی ہو صرف اس کو اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے وہ جلباب اتار سکتی ہے جس کے ایک پلہ سے چہرے کو ڈھانپا جاتا ہے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ظاہر کر سکتی ہے پھر بھی اس کے لیے افضل اور مستحب یہی ہے کہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنے چہرے کو ڈھانپ کر رکھے۔

اب اگر بوڑھی عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے بھی اجنبی مردوں کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا جائز ہو تو بتلایئے اس آیت میں بوڑھی عورتوں کی تخصیص کا کیا فائدہ ہوا؟ اور جب بوڑھی عورتوں کے لیے بھی اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ چھپانا مستحب ہے تو جوان عورتوں کے چہرہ چھپانے کے واجب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے!

علامہ محمد امین جکنی شنقیطی لکھتے ہیں:

فقوله جل وعلا فی هذه الآیة الکریمة: (وان یستعففن خیر لهن) دلیل واضح علی ان المرأة التی فیها جمال ولها طمع فی النکاح لا یرخص لها فی وضع شیء من ثیابها ولا الاخلال بشیء من التستر بحضرة الاجانب[3]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ اس سے بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے، اس میں واضح دلیل ہے کہ جو عورت حسین ہو اور جس عورت سے نکاح کی امید کی جا سکتی ہو اس کو اپنے کسی کپڑے کے اتارنے کی اجازت نہیں ہے اور اجنبی مردوں کے سامنے اس کو ذرا سا بھی حجاب کم کرنے کی اجازت نہیں ہے (الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔ سعیدی)

ازواج مطہرات کے حجاب کی تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب۔ (احزاب: ۵۳)

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۴۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۶ ص ۶۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

[3] علامہ محمد امین بن مختار جکنی شنقیطی، اضواء البیان ج ۶ ص ۵۹۲، مطبوعہ عالم الکتب بیروت

قرآن مجید کی اس نص صریح میں ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ بغیر حجاب کے ازواج مطہرات سے کوئی سوال نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانچ ہجری کے بعد ازواج مطہرات بھی دوسروں کے سامنے نہیں آتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ازواج مطہرات سے جو سوال کرتے وہ پردے کی اوٹ سے کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیر حنبلی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای وکما نہیتکم عن الدخول علیہن کذلک لا تنظروا الیہن بالکلیۃ۔ ولو کان لاحدکم حاجۃ یرید تناولہا منہن فلا ینظر الیہن ولا یسألہن حاجۃ الا من وراء حجاب۔ [1]

یعنی جس طرح میں نے تمہیں نبی کی ازواج کے گھر جانے سے منع کر دیا ہے، اسی طرح ان کی طرف دیکھنے سے بھی مطلقاً منع کر دیا ہے۔ سو اگر کسی کو ازواج مطہرات سے کوئی کام ہو تو حجاب کی اوٹ سے ان سے سوال کرے۔

علامہ خازن شافعی لکھتے ہیں:

فبعد آیۃ الحجاب لم یکن لاحد ان ینظر الی امرأۃ من نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منتقبۃ کانت او غیر منتقبۃ۔ [2]

آیت حجاب نازل ہونے کے بعد کسی شخص کے لیے ازواج مطہرات کی طرف دیکھنا جائز نہیں رہا، خواہ وہ نقاب پہنے ہوں یا بے نقاب ہوں۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی [3] اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ [4]

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

فی ہذہ الآیۃ دلیل علی ان اللہ تعالٰی اذن فی مسئلتہن من وراء حجاب او مسئلۃ یستفتین فیہا۔ [5]

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالٰی نے ازواج مطہرات سے پردہ کی اوٹ سے سوال کرنے کی اجازت دی ہے خواہ کسی چیز کا سوال کیا جائے یا کسی دینی مسئلہ کا سوال کیا جائے۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں:

قد تضمن حظر رؤیۃ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [6]

حجاب کے حکم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو دیکھنے کی ممانعت شامل ہے۔

قرآن مجید کی اس نص صریح اور مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تفاسیر سے یہ واضح ہو گیا کہ آیت حجاب نازل ہونے کے

---

[1] حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر حنبلی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۹۲، مطبوعہ دار الاندلس، بیروت، ۱۳۸۵ھ

[2] علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ، تفسیر خازن ج ۳ ص ۵۰۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور

[3] علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان ج ۷ ص ۲۱۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

[4] قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۲، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

[5] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۲۲۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ

[6] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۰، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

بعد ازواج مطہرات پردہ کرتی تھیں اور صحابہ کرام جو ان سے احادیث روایت کرتے تھے اور دینی مسائل پوچھتے تھے وہ حجاب اور پردہ کی اوٹ سے پوچھتے تھے، اس کی وضاحت ہم نے اس لیے کی ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ صحابہ کرام ازواج مطہرات سے بے پردہ سوال کرتے تھے، اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے،

امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ افک کی روایت کرتے ہیں:

فبينا انا جالسة في منزلي غلبتني عيني فنمت وكان صفوان بن معطل السلمي ثم الذكواني من وراء الجيش فادلج فاصبح عند منزلي فرأى سواد انسان نائم فاتاني فعرفني حين رآني وكان يراني قبل الحجاب فاستيقظت باسترجاعه حين عرفني فخمرت وجهي بجلبابي۔[1]

میں اپنے پڑاؤ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھ پر نیند غالب آگئی، اور میں سو گئی اور حضرت صفوان بن معطل اسلمی رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے تھے، وہ رات کے آخری حصہ میں چل کر صبح کے وقت میرے پڑاؤ پر پہنچے تو انہوں نے ایک انسانی ہیولی دیکھا جب وہ میرے پاس پہنچے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے حجاب کے حکم سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا انہوں نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون میں یہ سن کر بیدار ہو گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

یہ حدیث اس بات کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات چادروں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں ــــ وللہ الحمد۔

ازواج مطہرات کے حجاب سے عام مسلمان خواتین کے حجاب پر استدلال

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیۂ کریمہ واذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب میں نبی کی ازواج سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے کی اوٹ سے سوال کرو، آیا یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے یا اس حکم میں باقی عورتیں بھی شامل ہیں۔ ہمارے نزدیک ان مفسرین کی رائے صحیح اور قرآن مجید اور احادیث کے مطابق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ اس آیت میں ازواج مطہرات سے خطاب ہے لیکن اس کا حکم تمام مسلمان عورتوں کو عام ہے اور تمام مسلمان عورتوں پر حجاب لازم ہے اور پردہ کرنا اور اجنبیوں سے چہرہ چھپانا واجب ہے البتہ مزدیات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

علامہ ابوبکر رازی جصاص الحنفی لکھتے ہیں:

وهذا الحكم وان نزل خاصا في النبي صلى الله عليه وسلم وازواجه فالمعنى عام فيه وفي غيره اذ كنا مامورين باتباعه والاقتداء به الا ما خصه الله به دون امته۔[2]

ہر چند کہ یہ حکم خصوصیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے متعلق نازل ہوا لیکن معنیٰ یہ حکم تمام مسلمان عورتوں کو شامل ہے، کیونکہ ماسوا ان احکام کے جو صرف آپ کے ساتھ خاص ہیں باقی احکام میں ہمیں آپ کی اتباع اور اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۷۰، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

ویدخل فی ھذہ الآیۃ جمیع النساء بالمعنی، وبما تضمنتہ اصول الشریعۃ من ان المرأۃ کلھا عورۃ بدنھا وصوتھا کما تقدم فلا یجوز کشف ذلک الا لحاجۃ کالشھادۃ علیھا او داء یکون ببدنھا او سؤالھا عما یعرض وتعین عندھا۔ [1]

اس حکم میں تمام مسلمان خواتین معنیً شامل ہیں اور اس لیے بھی کہ احکام شریعت کا یہ تقاضا ہے کہ عورت کا سارا وجود یعنی اس کا بدن اور آواز سب کا پردے میں رہنا لازمی ہے جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے، اس لیے ضرورت شرعیہ کے بغیر اس کے لیے بے پردہ ہونا جائز نہیں ہے، مثلاً اس کے خلاف شہادت ہو، یا اس کے بدن میں کوئی بیماری ہو یا اس سے کسی ایسی بیماری کے بارے میں سوال کیا جائے جو اسے لاحق ہے اور وہ اسی کو معلوم ہے۔

علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی لکھتے ہیں:

آیت حجاب کا حکم عام ہے کیونکہ اصول میں یہ مقرر ہے کہ ایک شخص سے خطاب کا حکم بھی تمام امت کو عام ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر امت کے کسی ایک فرد کو حکم دیں تو وہ حکم تمام امت کو شامل ہوتا ہے کیونکہ تمام امت احکام تکلیفیہ میں مساوی ہے، الا یہ کہ کسی دلیل سے اس حکم کی اس شخص کے ساتھ خصوصیت ثابت ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انی لا اصافح النساء، وما قولی لامرأۃ واحدۃ الا کقولی لمائۃ امرأۃ۔ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا اور میرا ایک عورت کو حکم دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ میں سو عورتوں کو حکم دوں (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۳) نیز حدیث میں ہے حکمی علی الواحد حکمی علی الجماعۃ "میرا ایک شخص کو حکم دینا پوری جماعت کو حکم دینا ہے" امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس اصولی قاعدہ کی بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر چند کہ آیت حجاب کے الفاظ ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہیں لیکن اس کا حکم عام ہے کیونکہ آپ کا ایک عورت کو حکم دینا خواہ وہ زوجہ مطہرہ ہو یا غیر ہو عورتوں کو حکم دینے کے مساوی ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ آیت حجاب کا حکم عام ہے تو اس میں یہ دلیل ہے کہ عورتوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے تمام بدن کو اجنبی مردوں سے چھپائیں، اور اگر بالفرض المحال یہ مان لیا جائے کہ یہ حکم ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے، تب بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ ازواج مطہرات تمام مسلمان عورتوں میں افضل اور بہتر ہیں اور حجاب کے احکام میں ان کی پیروی کرنے ہی میں سلامتی ہے تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے ان کی نظروں اور بدخواہی سے عورتیں محفوظ رہیں۔

احادیث صحیحہ سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ حجاب کا یہ حکم عام ہے کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے:

عن عقبۃ بن عامر الجھنی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والدخول

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجنبی عورتوں کے پاس

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۲۲۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

علی النساء فقال رجل من الانصار یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) افرایت الحمو؟ قال الحمو الموت۔

مت جاؤ، ایک انصاری شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا دیور بھی نہ جائے؟ آپ نے فرمایا دیور تو موت ہے!

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۶)

اس صحیح اور صریح حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے احتراز کا حکم دیا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے اگر اجنبی عورتوں سے کوئی سوال کرنا ہو تو پردے کی اوٹ سے سوال کرنا لازم ہے، کیونکہ اگر اس نے بلا حجاب اور بے پردہ ان سے کوئی سوال کیا تو وہ ان پر داخل ہو گیا اور اجنبی عورتوں پر داخل ہونے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور اس سے احتراز کی تلقین کی ہے۔ دیور شوہر کی جانب سے عورت کا رشتہ دار ہوتا ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے پاس دیور کے داخل ہونے کو بھی موت قرار دیا ہے اور یہ شدید تحذیر ہے تو پھر کسی اور اجنبی شخص کے داخل ہونے کی ممانعت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ اس سے ثابت ہو گیا کہ آیت کریمہ فسئلوھن من وراء حجاب کا حکم تمام عورتوں کو شامل ہے کیونکہ اگر یہ حکم ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہوتا تو مسلمانوں کے اجنبی عورتوں کے پاس جانے پر اتنی شدید وعید نہ ہوتی کیونکہ آپ نے فرمایا ہے ایاکم والدخول حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا یہ ایسا ہے جیسے ایاکم والاسد یعنی اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے بچو! اس سے واضح ہوا کہ ان کے پاس جانا حرام ہے![1]

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر پردہ لازم ہے اور غیر مردوں کو کسی کے گھر میں بے اجازت داخل ہونا جائز نہیں، آیت اگرچہ خاص ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وارد ہے لیکن حکم اس کا تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہے۔[2]

ان تمام مستند مفسرین کی تفسیروں سے یہ واضح ہو گیا کہ حجاب یعنی چہرہ چھپانے اور پردہ کرنے کا حکم تمام مسلم خواتین کو دیا گیا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا آیت حجاب میں یہ حکم ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہے یا اس حکم میں تمام مسلمان عورتیں شامل ہیں، ہمارے نزدیک موخر الذکر نظریہ ہی درست اور برحق ہے اور اس کے دلائل وہ ہیں جو علامہ ابوبکر رازی اور علامہ شنقیطی نے فراہم کیے ہیں اور اس کی تائید قرآن اور حدیث سے ہوتی ہے:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یایھا النبی قل لازواجک وبنتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین وکان اللہ غفورا رحیما۔

(احزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ (آنچل، پلو یا گھونگٹ) اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں یہ پردہ ان کی اس شناخت کے بہت قریب ہے (کہ یہ پاک دامن آزاد عورتیں ہیں آوارہ گرد باندیاں نہیں ہیں)

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۳۳۲-۳۳۱ مطبوعہ مطبع لاہور ۱۴۰۱ھ

[2] صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان ص ۶۲۸، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

سو ان کو ایذا نہ دی جائے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اس آیت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور صاحبزادیوں کے علاوہ تمام مسلمان خواتین کو بھی چہرہ چھپانے اور حجاب کا حکم دیا ہے۔ اور اسی طرح حدیث میں ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللّٰہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفہا الشیطٰن ھذا حدیث حسن صحیح غریب[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا عورت (سراپا) واجب الستر ہے جب عورت (گھر سے) نکلتی ہے تو شیطان اسے بہ نظر بد گھور کر اس کو دیکھتا ہے۔

عہد رسالت میں نقاب اور حجاب کا معمول

۵ ہجری میں حجاب کے احکام نازل ہو گئے تھے اور ازواج مطہرات اور عام مسلمان خواتین جب کسی ضرورت سے باہر نکلتی تھیں تو چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں اور اپنی چادروں سے چہرہ کو چھپاتی تھیں یا نقاب استعمال کرتی تھیں، اس سلسلہ میں صحیح بخاری کے حوالے سے یہ روایت گذر چکی ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر چادر سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ لما قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ وھو عروس بصفیۃ بنت حیی جئن نساء الانصار فاخبرن عنہا قالت فتنکرت وتنقبت فذھبت فنظر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الی عینی فعرفنی قالت فاسرعت المشی فادرکنی فاحتضنی فقال کیف رأیت قالت قلت ارسل یہودیۃ وسط یہودیات۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (خیبر سے) مدینہ تشریف لائے درآں حالیکہ آپ نے حضرت صفیہ بنت حیی سے شادی کی ہوئی تھی انصار کی عورتوں نے آکر حضرت صفیہ کے متعلق بیان کیا، میں نے اپنا حلیہ بدلا اور نقاب پہن کر انہیں دیکھنے گھر سے نکلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھ کو دیکھ کر پہچان لیا، میں وہاں تیزی سے دوڑی، آپ نے مجھے پکڑ کر گود میں اٹھا لیا اور فرمایا: تم نے (ان کو) کیسا پایا؟ میں نے کہا اس یہودی عورت کو یہودیوں ہی میں بھیج دیجئے۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نقاب پہننے کا ذکر ہے اور دیگر ازواج مطہرات اور مسلم خواتین جب کسی ضرورت سے گھر سے باہر نکلتی تھیں تو نقاب پہنتی تھیں یا چادروں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیتی تھیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

---

1. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
2. امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۴۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

عن عروة عن عائشة قالت لقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي الفجر فيشهد معه نساء من المؤمنات متلفعات بمروطهن ثم يرجعن الى بيوتهن ما يعرفهن احد۔[1]

عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھاتے اور آپ کے ساتھ مسلمان عورتیں بھی نماز پڑھتی تھیں درآں حالیکہ وہ چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں پھر وہ اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں اور (حجاب کی وجہ سے) انھیں کوئی نہیں پہچانتا تھا

اس حدیث شریف کو مندرجہ ذیل ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے:۔

امام مسلم[2]، امام ابوداؤد[3]، امام ترمذی[4]، امام نسائی[5]، اور امام احمد[6] رحمہم اللہ تعالیٰ۔

جو علماء پردہ اور حجاب کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں منہ اندھیرے نماز پڑھتی تھیں جیسا کہ صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں من الغلس کے الفاظ سے ظاہر ہے، اور چونکہ وہ منہ کھول کر آتی جاتی تھیں لیکن اندھیرے کی وجہ سے کوئی پہچانتا نہیں تھا، یہ دلیل کئی وجہ سے مخدوش ہے اولاً اس لیے کہ امام بخاری کا من الغلس کے الفاظ کو روایت نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زیادتی کم از کم مشکوک ضرور ہے ثانیاً اس لیے کہ سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی، صحیح ابن حبان، معجم طبرانی، مسند احمد وغیرہا کتب حدیث میں اسانید جید سے یہ حدیث مروی ہے کہ اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر یعنی روشن ہونے اور سپیدہ سحر پھیلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھو، ثالثاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں عموماً بہت لمبی قرأت کرتے تھے اس لیے اگر آپ اول وقت صبح کی نماز پڑھتے ہوں تب بھی واپسی کے وقت اتنا اجالا ہو جاتا تھا کہ جس کا منہ کھلا ہوا ہو اس کو پہچانا جا سکتا تھا، آخر صحابہ کرام ایک دوسرے کو بھی تو صبح کی نماز میں پہچانتے تھے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے، حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک میدان میں قضاء حاجت کے لیے گئے، میں فجر کی نماز سے پہلے آپ کے ساتھ مشکیزہ لے کر گیا جب آپ قضاء حاجت سے واپس آئے تو میں نے آپ کو وضو کرایا پھر جب میں آپ کے ساتھ لشکر پر واپس آیا تو دیکھا کہ صحابہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو امام بنا کر نماز پڑھنی شروع کر دی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ ایک رکعت نماز مل گئی اور جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سلام پھیر دیا تو آپ نے کھڑے ہو کر باقی ایک رکعت پڑھی، صحابہ پر یہ بہت شاق گذرا کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۶۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[4] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۹۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[6] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۹، ۲۴۸، ۱۷۹، ۳۶، ۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

علیہ وسلم کے آنے کے بعد بھی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نماز پڑھاتے رہے) اس لیے انھوں نے بار بار سبحان اللہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کرنے کے بعد فرمایا تم نے ٹھیک کیا یا فرمایا تم نے اچھا کیا اور اس بات پر ان کی تعریف کی کہ انھوں نے وقت پر نماز پڑھ لی۔ [1]

دیکھیے یہ نماز فجر ہے اور صحابہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو امام بنایا ظاہر ہے پہچان کر بنایا، حضرت مغیرہ بن شعبہ جب پڑاؤ پر پہنچے تو انھوں نے دیکھ کر کہا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نماز پڑھا رہے ہیں اور فجر کے وقت ان کو پہچان لیا، صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پہچان لیا اور آپ کے ہوتے ہوئے حضرت عبد الرحمان کے نماز پڑھاتے رہنے پر افسوس کیا اور اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ صحابہ نے یہ نماز اپنے معروف وقت میں پڑھی تھی، ان تمام شواہد سے یہ واضح ہو گیا کہ عہد رسالت میں جس وقت صبح کی نماز پڑھی جاتی تھی اس وقت اتنا اندھیرا نہیں ہوتا تھا کہ کسی کا چہرہ دکھائی نہ دے سکے اور وہ پہچانا نہیں جا سکے۔ جس وقت سحری ختم ہوتی ہے یہ فجر کا اول وقت ہے اس وقت بھی انسان ایک دوسرے کو پہچان لیتا ہے اس لیے احادیث میں جو یہ ہے کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی صبح کی نماز پڑھنے آتی تھیں اور اسی طرح واپس جاتی تھیں اور ان کو کوئی نہیں پہچانتا تھا تو ان کو نہ پہچاننا اندھیرے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ چہرے کے حجاب کی وجہ سے تھا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالك الانصاري ان ابا بكر يصلي في وجع النبي صلى الله عليه وسلم الذي توفي فيه حتى اذا كان يوم الاثنين وهم صفوف في الصلاة فكشف النبي صلى الله عليه وسلم ستر الحجرة ينظر الينا وهو قائم كان وجهه ورقة مصحف ثم تبسم يضحك فهممنا ان نفتتن من الفرح برؤية النبي صلى الله عليه وسلم فنكص ابو بكر على عقبيه ليصل الصف وظن ان النبي صلى الله عليه وسلم خارج الى الصلاة فاشار الينا النبي صلى الله عليه وسلم ان اتموا صلاتكم وارخى الستر فتوفي من يومه صلى الله عليه وسلم۔ [2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس مرض کے ایام میں حضرت ابو بکر مسلمانوں کو نماز پڑھاتے تھے، پیر کے دن (نماز فجر میں) جس دن آپ کا وصال ہوا مسلمان صف باندھے (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کا پردہ اٹھا کر ہماری طرف دیکھنے لگے آپ کا چہرہ یوں لگ رہا تھا جیسے ورق قرآن ہو آپ کھڑے مسکرا رہے تھے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ لگتا تھا کہ مارے خوشی کے نماز توڑ دیں گے حضرت ابو بکر نے سمجھا کہ آپ نماز میں آ رہے ہیں وہ پچھلی صف میں جانے لگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرو، اور پردہ لٹکا دیا اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

---

[1] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

یہ نماز فجر کی تھی اس پر دلیل یہ حدیث ہے، امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

وقد ذهب موسى بن عقبة في مغازيه الى ان ابا بكر صلى من صلوة الصبح يوم الاثنين ركعة وهو اليوم الذي توفي فيه النبي صلى الله عليه وسلم فوجد النبي صلى الله عليه وسلم في نفسه خفة فخرج فصلى مع ابي بكر ركعة فلما سلم ابو بكر قام فصلى الركعة الاخرى۔ ؎

امام موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں بیان کیا ہے کہ پیر کے روز جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا حضرت ابو بکر فجر کی نماز پڑھا رہے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن مرض میں تخفیف محسوس ہوئی تو آپ نے ایک رکعت نماز حضرت ابو بکر کی اقتداء میں پڑھی اور جب حضرت ابو بکر نے سلام پھیر دیا تو آپ نے کھڑے ہو کر دوسری رکعت پڑھی۔

پہلی حدیث جو ہم نے پیش کی اس میں سفر میں فجر کی نماز کا ذکر ہے اور اس حدیث میں حضر میں فجر کی نماز کا ذکر ہے، اور ان دونوں حدیثوں سے یہ واضح ہو گیا کہ سفر ہو یا حضر فجر کی نماز جس وقت پڑھی جاتی تھی سب ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے اور عورتوں کو کوئی اس لیے نہیں پہچانتا تھا کہ ان کا چہرہ چادروں کے حجاب میں ہوتا تھا، واللہ اعلم۔

لہٰذا اگر عورتیں صبح گھروں سے نماز کے لیے جاتی تھیں تو اس کے لیے وہ پردہ کا اتنا اہتمام چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان عورتیں جلباب کے آنچل میں سر اور چہرہ ڈھانپ کر گھروں سے نکلتی تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب میں حکم دیا ہے۔ الحمد للہ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ احادیث صحیحہ کے مطابق عہد رسالت میں مسلمان عورتیں چادروں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر گھر سے باہر نکلتی تھیں۔

عہد رسالت میں عورتوں کے حجاب میں مستور رہنے کی یہ دلیل ہے کہ بکثرت احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ احرام میں چہرہ پر نقاب نہ پہنیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالا کرتی تھیں، تبھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو احرام میں نقاب ڈالنے سے منع کیا اگر عورتوں میں کھلے چہرے کے ساتھ پھرنے کا معمول اور رواج ہوتا تو آپ کو انہیں نقاب ڈالنے سے منع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمر قال قام رجل فقال يا رسول الله ماذا تامرنا ان نلبس من الثياب في الاحرام فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا تلبسوا القمص ولا السراويلات ولا العمائم ولا البرانس الا ان يكون احد ليست له نعلان فليلبس الخفين وليقطع اسفل من الكعبين

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ احرام میں ہمیں کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قمیص اور شلواریں نہ پہنو، عمامے اور ٹوپیاں نہ پہنو، البتہ اگر کسی کے پاس جوتیاں نہ ہوں تو وہ موزے پہن سکتا ہے لیکن ان کو ٹخنوں کے نیچے

؎ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۳ ص ۸۳ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

ولا تلبسوا شيئا مسه زعفران ولا الورس ولا تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازين[1]

سے کاٹ دے، اور کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس (ایک گھاس جس سے سرخ رنگ نکلتا ہے) سے رنگا ہوا ہو اور احرام کی حالت میں عورت نقاب ڈالے نہ دستانے پہنے۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد[2]، امام ترمذی[3]، امام نسائی[4] اور امام احمد[5] نے روایت کیا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں مسلم خواتین عموماً نقاب ڈالتی تھیں ورنہ حالت احرام میں نقاب کی ممانعت کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

عہد رسالت میں پردے کا عام تعامل تھا اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

استمر العمل على جواز خروج النساء الى المساجد والاسواق والاسفار منتقبات لئلا يراهن الرجال[6]

عہد میں مساجد، بازار اور سفروں میں ہمیشہ نقاب پہن کر جایا کرتی تھیں تاکہ ان کو مرد نہ دیکھیں۔

علامہ عینی نے بھی یہی لکھا ہے۔[7]

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

قالت لا تلتثم ولا تتبرقع ولا تلبس ثوبا بورس ولا زعفران[8]

احرام میں عورت منہ ڈھانپے نہ برقع پہنے، اور نہ ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہنے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں عورتوں کے برقع پہننے کا رواج تھا ورنہ حالت احرام میں برقع پہننے کی ممانعت کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

ہر چند کہ مسلمان خواتین عہد رسالت میں حالت احرام میں نقاب نہیں پہنتی تھیں لیکن اس کے باوجود وہ اجنبی مردوں سے اپنے چہرہ کو حجاب میں رکھتی تھیں، امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشة رضي الله عنها قالت كان الركبان يمرون بنا ونحن محرمات مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابها من رأسها على وجهها

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمارے سامنے سوار گزرتے تھے دراں حالیکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے جا رہی ہوتی تھیں جب لوگ ہمارے سامنے ہوتے تو ہم اپنی چادروں کو اپنے

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۵۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب لاہور

[4] امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب لاہور

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[6] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۳۲۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[7] حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۰۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[8] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

فاذا جاوزونا كشفناه ۔[۱]

سواروں سے اپنے چہروں پر لٹکا لیتے اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اپنے چہروں کو کھول دیتے۔

امام مالک روایت کرتے ہیں:

عن فاطمة بنت المنذر انها قالت كنا نخمر وجوهنا ونحن محرمات ونحن مع اسماء بنت ابی بکر الصدیق فلا تنکره علینا ۔[۲]

فاطمہ بنت منذر بیان کرتی ہیں کہ ہم حالت احرام میں اپنا چہرہ ڈھانپ لیا کرتی تھیں، ہمارے ساتھ حضرت اسماء بنت ابی بکر بھی تھیں وہ ہم کو منع نہیں کرتی تھیں۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں مسلم خواتین حالت احرام میں بھی چہرہ کو ظاہر نہیں کرتی تھیں اور پردے اور حجاب کے ساتھ رہتی تھیں۔ غور کیجئے حالت احرام میں خواتین کو نقاب پہننا منع ہے پھر بھی مسلمان عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کیا کرتی تھیں تو عام حالات میں ستر اور حجاب میں ان کی پابندیوں کا کیا عالم ہو گا؟ اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے!

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن ثابت بن قيس قال جاءت امرأة الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقال لها ام خلاد وهی منتقبة تسأل عن ابنها وهو مقتول فقال لها بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جئت تسألين عن ابنك وانت منتقبة فقالت ان ارزأ ابنی فلن ارزأ حيائی ۔[۳]

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام خلاد نام کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی درآں حالیکہ اس نے نقاب پہنی ہوئی تھی، اس کا بیٹا شہید ہو گیا تھا وہ اس کے متعلق پوچھنے آئی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے کہا: تم اپنے بیٹے کے متعلق پوچھنے آئی ہو اور اس حال میں بھی تم نے نقاب پہنی ہوئی ہے! اس نے کہا: میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے اپنی حیا نہیں کھوئی۔

یہاں پر یہ شبہ نہ ہو کہ جب حجاب لازم ہے تو صحابہ نے یہ سوال کیوں کیا کہ تم اس حال میں بھی نقاب پہنے ہوئی ہو، کیونکہ عورت کا ستر غلیظ چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ باقی جسم ہے اس کو چھپانا فرض قطعی ہے۔ اور چہرہ اور ہاتھ ستر غلیظ نہیں یعنی ان کو چھپانا فرض قطعی نہیں لیکن ان کو حجاب میں رکھنا لازم ہے تاہم بعض حالات میں چہرہ کھولنے کی اجازت بھی ہے، مثلاً گواہی دینے کے لیے، نماز اور حج میں بھی چہرہ اور ہاتھ ظاہر کرنے کا حکم ہے اور چونکہ چہرہ چھپانے کا باقی جسم کی طرح سخت حکم نہیں ہے اور بعض حالات میں اس حکم میں تخفیف بھی کی جاتی ہے اس وجہ سے صحابہ حیران ہوئے کہ اس گھبراہٹ اور پریشانی کے موقع پر بھی جب لوگوں کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹ جاتا ہے اور گھبراہٹ

---

[۱] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[۲] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۳۲۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

[۳] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶-۳۳۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

اور بے صبری کے عالم میں ان سے کچھ غیر شرعی حرکات سرزد ہو جاتی ہیں ایسے میں بھی وہ کمال صبر و ضبط کے ساتھ نقاب اور حجاب کے ساتھ آتی ہیں۔

عہد رسالت میں عورتوں کے حجاب اور نقاب پہننے کے معمول اور رواج پر یہ واقعہ بھی دلیل ہے کہ علامہ زرقانی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک عورت چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے بنو قینقاع کے بازار میں گئی، یہودیوں نے اس کا چہرہ کھولنا چاہا، اس عورت نے انکار کیا انھوں نے اس کی چادر کو پیچھے سے کسی چیز کے ساتھ اس طرح اٹکا دیا کہ جب وہ اٹھی تو اس کا چہرہ کھل گیا، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جنگ ہوئی اور غزوہ بنو قینقاع واقع ہوا۔ [۱]

عورت کے حجاب پر اس واقعہ سے بھی روشنی پڑتی ہے، امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشة قالت اومأت امرأة من وراء ستر بيدها كتاب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم يده فقال ما ادرى ايد رجل ام يد امرأة قالت بل يد امرأة قال لو كنت امرأة لغيرت اظفارك يعنى بالحناء۔ [۲]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پردے سے پیچھے ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا درآں حالیکہ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ کر فرمایا: مجھے پتا نہیں چلا کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا! اس نے کہا یہ عورت کا ہاتھ ہے آپ نے فرمایا اگر تم عورت ہوتیں تو اپنے ناخن رنگ لیتیں آپ کی مراد مہندی تھی۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبايع النساء بالكلام بهذه الأية ان لا يشركن بالله شيئا وما مست يد رسول الله صلى الله عليه وسلم يد امرأة قط الا يد امرأة يملكها۔ [۳]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے کلام کے ساتھ اس آیت پر بیعت کرتے تھے ان لا یشرکن باللہ شیئا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ یا باندی کے سوا کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

امام عبدالرزاق نے حضرت امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں

---

[۱] علامہ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۴۵۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ

[۲] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[۳] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۶ ص ۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

سے بیعت لی تو انھوں نے عرض کیا:

الا نصافحك یا رسول الله؟ فقال انی لا اصافح النساء انما قولی لامرأة كقولی لمأة امرأة۔[1]

یا رسول اللہ! کیا ہم آپ سے مصافحہ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا اور میرا ایک عورت کے لیے کوئی بات کہنا سو عورتوں سے کہنے کی مثل ہے۔

ان احادیث میں اس بات کی صریح وضاحت ہے کہ عہدِ رسالت میں مسلم خواتین اپنی ضروریات کی بنا پر حجاب اور نقاب کے ساتھ گھروں سے باہر نکلتی تھیں۔ اور آپ نے کسی کو نامحرم عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا اور اس سے مصافحہ کیا۔

عہدِ تورات میں نقاب اور حجاب کا معمول

اسلام سے پہلے دوسرے آسمانی مذاہب میں بھی حجاب اور نقاب کے ساتھ گھروں سے باہر نکلنے کی ہدایت کی جاتی تھی، تورات میں ہے:

اور رِبقہ نے نگاہ کی اور اضحاق کو دیکھ کر اونٹ سے اتر پڑی ۔ اور اس نے نوکر سے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے جو ہم سے ملنے کو میدان میں چلا آرہا ہے؟ اس نوکر نے کہا یہ میرا آقا ہے۔ تب اس نے برقع لے کر اپنے اوپر ڈال لیا۔[2]

(پیدائش: باب ۲۴، آیت ۶۴-۶۵)

اور تمر کو یہ خبر ملی کہ تیرا خسر اپنی بھیڑوں کی پشم کترنے کے لیے تمنت کو جا رہا ہے۔ تب اس نے اپنے رنڈاپے کے کپڑوں کو اتار پھینکا اور برقع اوڑھا اور اپنے کو ڈھانکا۔[3]

(پیدائش، باب ۳۸، آیت ۱۴-۱۵)

پھر وہ اٹھ کر چلی گئی اور برقع اتار کر رنڈاپے کا جوڑا پہن لیا۔[3]

(پیدائش، باب ۳۸، آیت ۱۹)

اجنبی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا فروجهم ذلك ازكی لهم ان الله خبیر بما یصنعون ۝ وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارهن ویحفظن فروجهن ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن

آپ مسلمان مردوں سے فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، بلاشبہ اللہ ان کے سب کاموں سے باخبر ہے۔ اور آپ مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کریں سوا اس

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۶ ص ۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[2] تورات (پرانا عہد نامہ) ص ۲۲، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور

[3] تورات (پرانا عہد نامہ) ص ۴۰، " " "

اوٰ اٰبآئھن او اٰبآء بعولتھن او ابنآئھن او ابنآء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسآئھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النسآء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعا ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون۔

(نور: ۳۱-۳۰)

چیز کے جو ان سے خود ظاہر ہو، اور اپنے سروں پر اوڑھے ہوئے دوپٹوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں، اور اپنی زیبائش صرف ان لوگوں کے سامنے ظاہر کریں: شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، اپنے بھائی، بھتیجے، بھانجے، مسلمان عورتیں، باندیاں، ایسے نوکر جنہیں عورتوں کی خواہش نہ ہو، اور وہ لڑکے جو عورتوں کی شرم کی باتوں پر مطلع نہیں ہوتے۔

اور وہ اپنے پاؤں سے اس طرح نہ چلیں جس سے ان کی اس زینت کا لوگوں کو علم ہو جائے جس کو وہ چھپا کر رکھتی ہیں، اور اے مسلمانو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو تاکہ تم سب فلاح کو پہنچ جاؤ۔

اجنبی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی ممانعت سے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

قال ابو ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ کتب علی ابن اٰدم حظہ من الزنا، ادرک ذلک لا محالۃ فزنی العین النظر وزنی اللسان النطق والنفس تمنی وتشتھی والفرج یصدق ذلک ویکذبہ۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم پر ان کا زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائیں گے، آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے، نفس تمنا کرتا ہے اور شہوت کرتا ہے اور اس کی شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ مردوں کا اجنبی عورتوں کو دیکھنا اور عورتوں کا اجنبی مردوں کا دیکھنا ان کی آنکھوں کا زنا ہے اور زنا حرام ہے اس لیے یہ دیکھنا بھی حرام ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والجلوس فی الطرقات قالوا یا رسول اللہ ما لنا بد من مجالسنا نتحدث فیھا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں پر بیٹھنے سے اجتناب کرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! راستوں پر

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۳-۹۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی،

قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم اذا ابیتم الا المجلس فاعطوا الطریق حقہ قالوا وما حقہ قال غض البصر وکف الاذی ورد السلام والامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔ [1]

بیٹھے بغیر چارہ کار نہیں ہوگا، ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں راستوں پر بیٹھنا ہی ہو تو راستوں کا حق ادا کرنا، صحابہ نے پوچھا راستوں کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: نظر نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جریر بن عبد الله قال سألت رسول الله صلی الله علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف بصری۔ [3]

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کا حکم پوچھا آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں نظر ہٹا لوں (یعنی اگر اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً ہٹالی جائے۔ سعیدی غفرلہ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے [4]

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم النظر سہم مسموم من سہام ابلیس من ترکہا من مخافتی ابدلتہ ایمانا یجد حلاوتہ فی قلبہ رواہ الطبرانی وفیہ عبد الله بن اسحاق الواسطی وہو ضعیف۔ [5]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نظر، شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس نے میرے خوف سے دیدہ دانستہ کسی کو دیکھنے کو ترک کر دیا تو میں اس کے بدلے میں اس کو ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن بریدۃ رفعہ قال یا علی لا تتبع النظرۃ

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۳، ج ۲ ص ۹۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

[3] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[4] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

النظرة فان لك الاولى وليس لك الآخرة[۱] آپ نے فرمایا: علی! ایک نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالو کیونکہ تمہارے لیے پہلی نظر معاف ہے اور دوسری نظر معاف نہیں ہے

اس حدیث کو حافظ الہیثمی نے بھی امام احمد کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔[۲]

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ام سلمة انها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة قالت فبينما نحن عنده اقبل ابن ام مكتوم فدخل عليه وذلك بعد ما امرنا بالحجاب فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجبا منه فقلت يا رسول الله اليس هو اعمى لا يبصرنا ولا يعرفنا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم افعمياوان انتما الستما تبصرانه هذا حديث حسن صحيح[۳]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ اور حضرت میمونہ حاضر تھیں، اسی اثناء میں حضرت ابن ام مکتوم آگئے یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حجاب کے احکام نازل ہو چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے پردہ کرو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہے، ہم کو دیکھ کر نہ پہچانے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھتیں؟ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔[۴]

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے عورتوں کو دیکھنا ناجائز ہے اسی طرح عورتوں کے لیے مردوں کو دیکھنا بھی ناجائز ہے۔

اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے کے جواز کی استثنائی صورتیں

امام رازی شافعی لکھتے ہیں کہ اجنبی عورت کے چہرے کی طرف بغیر کسی غرض صحیح کے دیکھنا جائز نہیں ہے اگر کسی شخص کی نظر اچانک کسی عورت کے چہرے پر پڑ جائے تو وہ اپنی نظریں نیچی کر لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم۔ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر محل فتنہ نہ ہو تو ایک بار دیکھنا جائز ہے لیکن لگاتار دیکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا ”سمع، بصر اور دل ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بار کے بعد دوبارہ نظر نہ ڈالو اور حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے انہیں نظر ہٹانے کا حکم دیا اور اس لیے کہ عموماً پہلی

۱۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۲۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
۳۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۹۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۱۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

بار نظر پڑ جانے سے احتراز کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے پہلی نظر معاف ہے خواہ قصداً ہو یا بلا قصد۔

جن اغراض صحیحہ کی بناء پر اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے، وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱)۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اس کو دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۲)۔ خرید و فروخت کے وقت عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے تاکہ نزاع کی صورت میں دوکاندار بتا سکے کہ اس نے کس عورت کو کیا بیچا تھا۔

(۳)۔ جب کسی عورت کو کسی معاملہ پر گواہ بنایا جائے تو اس کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے تاکہ ادائے شہادت کے موقع پر اس کو پہچان سکے۔

(۴)۔ علاج کی غرض سے کسی نیک طبیب کا عورت کے جسم کو دیکھنا جائز ہے۔

(۵)۔ زنا کے واقعہ پر گواہی دینے کے لیے زانیوں کی فرج کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

(۶)۔ رضاعت پر گواہی دینے کے لیے عورت کے پستان کی طرف دیکھنا جائز ہے۔

(۷)۔ اگر عورت غرق ہو رہی ہو یا جل رہی ہو یا کسی اور حادثہ میں مبتلا ہو تو اس کو بچانے کے لیے اس کے جسم کو دیکھنا اور چھونا جائز ہے۔[1]

چہرے کے حجاب پر شبہات اور ان کے جوابات

بعض احادیث بظاہر حجاب کے خلاف ہیں جن میں اجنبی مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے اور عورتوں کے اجنبی مردوں کی طرف دیکھنے کا ثبوت ہے اس لیے ہم ان احادیث کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، امام مسلم روایت کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کی طرف دیکھ رہی تھی درآں حالیکہ وہ (جنگی کھیل) کھیل رہے تھے، میں اس وقت لڑکی تھی، سو تم کو کم عمر شائق لڑکی کے شوق کا کیا علم ہوگا!۔[2]

اس حدیث میں مردوں کے کھیل کی طرف دیکھنے کا جواز ہے، لیکن مردوں کے بدن کی طرف (پسندیدگی سے) نہ دیکھا جائے۔

اور عورتوں کا اجنبی مرد کے چہرہ کی طرف شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور بغیر شہوت کے دیکھنے میں دو قول ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن "آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ (بلکہ حضرت میمونہ) سے فرمایا: "تم دونوں تو نابینا نہیں ہو، تم اس سے (یعنی حضرت ابن ام مکتوم سے) پردہ کرو" یہ حدیث حسن ہے اس کو امام ترمذی اور دوسرے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے دو جواب ہیں، قوی جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت عائشہ نے ان

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳۶۱-۳۶۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
[2] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۹۲-۲۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

کے چہروں اور بدنوں کی طرف بالقصد دیکھا تھا اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے ان کے کھیل اور ان کی جنگ کی طرف دیکھا تھا اور ان کی جنگی مشقوں کے دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عائشہ نے ان کے بدن کی طرف دیکھا ہو اور اگر بالفرض حضرت عائشہ کی نظر بلا قصد ان کے بدن پر پڑ گئی تو آپ نے فوراً نظر کو ہٹا لیا تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ واقعہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے کا ہو اور تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ اس وقت کمسن تھیں اور حد بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔ [1]

دوسری حدیث جس سے حجاب کے خلاف شبہ پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے ایک شخص نے سوال کیا آپ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے موقع پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہاں! اگر میں اس وقت کمسن نہ ہوتا تو حاضر نہ ہوتا! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (عیدگاہ) گئے تو آپ نے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، اور اذان کا ذکر کیا نہ اقامت کا پھر آپ عورتوں کے پاس گئے، ان کو وعظ و نصیحت کی اور ان کو صدقہ دینے کا حکم دیا پھر میں نے دیکھا کہ انھوں نے اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ بڑھائے اور حضرت بلال کو زیورات دے دیئے۔ [2]

اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت بلال نے اس موقع پر اجنبی عورتوں کو دیکھا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کا جواب تو خود اس حدیث میں ہے کہ وہ کمسن تھے، اور حضرت بلال اگرچہ اس وقت آزاد ہو چکے تھے لیکن وہ عورتیں حجاب میں لپٹی ہوئی تھیں اور اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت بلال نے ان کے چہروں کی طرف دیکھا یا ان کے چہرے کھلے ہوئے اور بے حجاب تھے۔ [3]

ایک اور حدیث جس سے حجاب کے خلاف شبہ پیش کیا جاتا ہے یہ ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عباس قال کان الفضل ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاءت امرأۃ من خثعم فجعل الفضل ینظر الیھا وتنظر الیہ وجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصرف وجہ الفضل الی الشق الاٰخر فقالت یا رسول اللہ ان فریضۃ اللہ علی عبادہ فی الحج ادرکت ابی شیخا کبیرا لا یثبت علی الراحلۃ افاحج عنہ قال نعم وذلک فی

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت فضل بن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا، حضرت فضل اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت حضرت فضل کی طرف دیکھنے لگی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا، اس عورت نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، اور

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۲۹۲ ۔ ۲۹۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۳۳۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

حجة الوداع.[1]

میرا باپ بہت بوڑھا ہے سواری پر بیٹھ کر حج نہیں کر سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالنا اور حجاب کرنا واجب نہیں ہے ورنہ وہ عورت بے پردہ نہ آتی اور اگر آ ہی گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چہرہ چھپانے کا حکم دیتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ عورت محرمہ تھی[2] البتہ اس کے برخلاف اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ اجنبی عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت فضل بن عباس کی گردن پھیر دی، جامع ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا اور میں ان پر شیطان (کے عمل) سے بے خوف نہیں ہوا[3] اس وجہ سے آپ نے حضرت فضل بن عباس کی گردن کو دوسری طرف پھیر دیا۔[4] اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کے معاملہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام پر اعتماد نہیں تھا حالانکہ قرون صالحہ تقویٰ اور پرہیزگاری میں ان کا سب سے اونچا مقام تھا تو پھر بعد کے لوگوں پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان کو شہوت کا خطرہ نہ ہو تو پھر وہ اجنبی عورتوں کو دیکھ سکتے ہیں اس لیے بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے، یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ اجنبی عورتوں کو دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے البتہ ضرورت کے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں جن کو ہم نے اس سے پہلے تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔ اسی لیے اس حدیث پر غور کرنا چاہیے:

فقال العباس یا رسول الله لم لویت عنق ابن عمك قال رأیت شابا وشابة فلم آمن الشیطان علیهما۔[4]

حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے عم زاد کی گردن کیوں پھیر دی؟ آپ نے فرمایا میں نے جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا اور میں ان پر شیطان (کے عمل) سے بے خوف نہیں ہوا۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں غض بصر "نگاہیں نیچی رکھنے" کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ چہرہ چھپانا ضروری نہیں ہے بس نگاہیں نیچی کر لینا کافی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف غض بصر کا حکم نہیں ہے چہرہ چھپانے کا بھی حکم ہے جیسا کہ ہم نے آیات حجاب میں اس کو بیان کر دیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہی نہیں ہے تو پھر غض بصر کے حکم کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کے نقاب اور حجاب میں رہنے کے باوجود ایسے مواقع پیش آ سکتے ہیں جب اچانک کسی مرد

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۲ - ج ۱ ص ۲۵۰، ج ۱ ص ۲۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۰، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۲۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[4] " " " " جامع ترمذی ص ۱۲۹ " " " "

اور عورت کا سامنا ہو جائے، اور ایک بار پھر عورت کو بھی نماز اور حج کے مواقع پر چہرہ کھولنے سے سابقہ پڑ جاتا ہے سو ایسے تمام مواقع پر مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اجنبی مردوں کے سامنے عورت کے چہرہ اور ہاتھ کھولنے کے دلائل کا ایک جائزہ!

متقدمین فقہاء احناف اس کے قائل ہیں کہ اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ چنانچہ علامہ سرخسی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آپ کو (نکاح کے لیے) پیش کیا۔ آپ نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اور اس میں کوئی رغبت نہیں کی، دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں کہا کہ "بہت زیادہ مہر نہ رکھا کرو" تو ایک سیاہ چہرے والی عورت نے کہا یہ آپ اپنی رائے سے کہہ رہے ہیں یا اس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کیونکہ آپ کے قول کے خلاف قرآن مجید میں ہے: وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا (۲۰) "تم ان میں سے کسی کو بہت مال دے چکے تو واپس مت لو" یہ جواب سن کر حضرت عمر حیران رہ گئے، اور کہا ہر شخص کو عمر سے زیادہ دین کا علم ہے حتیٰ کہ گھروں میں رہنے والی عورتوں کو بھی عمر سے زیادہ علم ہے، اس واقعہ میں راوی نے کہا ہے کہ وہ سیاہ رخساروں والی عورت تھی اس سے معلوم ہوا کہ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے ہاتھ دیکھے جو رنگے ہوئے نہیں تھے تو آپ نے فرمایا کیا یہ مرد کا ہاتھ ہے، اور جب حضرت فاطمہ نے اپنے کسی ایک بچہ کو حضرت انس یا حضرت بلال کو دیا تو حضرت انس نے حضرت فاطمہ کے ہاتھ کو دیکھ کر کہا گویا یہ چاند کا ٹکڑا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے اور چہرہ سرمہ لگانے کا محل ہے اور ہاتھ انگوٹھی اور مہندی کا محل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوا اس کے جو از خود ظاہر ہو اور حضرت علی اور حضرت عباس وغیرہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہاتھ زینت ظاہرہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے زینت باطنہ کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور زینت ظاہرہ یعنی چہرہ اور ہاتھوں کو ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ واجب الستر نہیں ہیں اور ان کو ظاہر کرنا جائز ہے۔[1]

ہم علامہ سرخسی کی گرد نعلین کو بھی نہیں پہنچے، فقہ حنفی کی عظیم خدمت کر کے علامہ سرخسی نے جو ملت اسلامیہ پر عظیم احسان کیا ہے اس کے بوجھ سے ہم کا سر نہیں اٹھا سکتے، لیکن علامہ سرخسی کے تمام علم و فضل کے باوجود ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو ستر سے مستثنیٰ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل عورت کو بغیر کسی استثناء کے واجب الستر قرار دیا ہے، امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

[1] شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۱۰ ص ۱۵۲-۱۵۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

عن عبد الله عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان هذا حدیث حسن صحیح غریب [1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سرتاپا واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو گردن اٹھا کر دیکھتا ہے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ[2] اور الہیثمی نے امام طبرانی کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔[3]

اور ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها میں زینت ظاہری کی تفسیر چہرہ اور ہاتھوں سے کی گئی ہے یہ قطعی نہیں ہے، علامہ ابن جوزی حنبلی نے لکھا ہے کہ زینت ظاہرہ کی سات تفسیریں ہیں۔ (۱) حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ اس سے مراد کپڑے ہیں (۲) حضرت ابن مسعود سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد چادر ہے۔ (۳) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اس سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے۔ (۴) حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اس سے مراد کنگن، انگوٹھی اور مہندی کا رنگ ہے (۵) مجاہد سے روایت ہے کہ اس سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور مہندی کا رنگ ہے۔ (۶) حسن بصری نے کہا یہ انگوٹھی اور کنگن ہے۔ (۷) ضحاک نے کہا اس سے چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں۔[4]

اور جب زینت ظاہری میں اس قدر مختلف اور متضاد اقوال ہیں تو ان کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد کو کس طرح چھوڑا جا سکتا ہے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ عورت کل واجب الستر ہے جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، المرأة عورة اور زینت ظاہرہ سے مراد اس کا لباس ہے۔

ثانیاً بر تقدیر تنزل ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر زینت ظاہرہ سے چہرہ اور ہاتھ ہی مراد ہوں تو چہرہ اور ہاتھ نماز اور احرام کے ستر سے مستثنیٰ ہیں، ستر نظر اور حجاب سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور ستر اور حجاب میں یہ فرق ہے کہ ستر کا تعلق عورت کے ان اعضا سے ہے جن کو شوہر کے سوا ہر شخص سے چھپانا واجب ہے خواہ وہ محرم ہو یا اجنبی شخص اور حج اور نماز ہر حالت میں ان اعضا کا چھپانا واجب ہے۔ اور حجاب کا تعلق اجنبی مردوں کے لحاظ سے عورت کے پورے جسم کے ساتھ ہے۔ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے ستر کے احکام بیان کیے اور اس کے بعد سورۂ احزاب میں عورت کے حجاب کے احکام بیان کیے اور فرمایا: یدنین علیهن من جلابیبهن ۰ (اور تم گھروں سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں، اس صریح آیت میں عورتوں کو چہرہ چھپانے کا قطعی حکم دیا گیا ہے اور بلا ضرورت شرعیہ کے سوا عورتوں کو اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ ظاہر کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔

علامہ سرخسی نے عورت کے چہرہ کھولنے کے جواز پر جو حدیث پیش کی ہے کہ ایک عورت نے نکاح کے لیے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو یہ حدیث موضوع بحث سے خارج ہے کیونکہ یہ

---

1. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
2. حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۴ ص ۳۰۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
3. حافظ نور الدین علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
4. علامہ ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۵ ص ۳۲-۳۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

مواضع ضرورت سے سوا اور نکاح کے قصد سے عورت کو دیکھنا جائز ہے اور ایک اثر پیش کیا ہے کہ ایک سیاہ فام عورت نے حضرت عمر سے بات کی اور ان کا یہ کہنا کہ وہ سیاہ چہرے والی عورت تھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اثر کی سند کی حیثیت ہمیں معلوم نہیں ہے اور اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تو اس میں یہ قوت نہیں ہے کہ یہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کی صریح مخالفت کے مزاحم ہو سکے تاہم ہمارے نزدیک اس کی یہ تاویل ہے کہ یہ عورت ان بوڑھی عورتوں میں سے تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے حجاب سے مستثنیٰ کر دیا ہے یا سیاہ رخسار اور بدصورت اور غیر مشتہاۃ ہونے کی وجہ سے ان عورتوں میں سے تھی جن سے نکاح کی امید نہیں ہوتی اس وجہ سے یہ حجاب سے مستثنیٰ تھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والقواعد من النساء التي لا يرجون نكاحا فليس عليهن جناح ان يضعن ثيابهن غير متبرجات بزينة وان يستعففن خير لهن. (نور: ۶۰)

وہ بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں ہے اگر وہ اپنے (چہرہ ڈھانپنے کے) کپڑے اتار دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے در آں حالیکہ وہ اپنی زینت دکھانے والی نہ ہوں اور اگر وہ اس سے بچیں (یعنی نقاب نہ اتاریں) تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

لہٰذا یہ سیاہ فام عورت انہیں عورتوں پر محمول ہے جو بوڑھی ہوں یا بے حد بدصورت ہونے کی وجہ سے نکاح کی امید نہ رکھتی ہوں اور اس کا بے پردہ گھر سے نکلنا موضوع بحث سے خارج ہے۔

علامہ شمسی نے تیسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے ہاتھ دیکھے جو رنگے ہوئے نہیں تھے تو آپ نے فرمایا کیا یہ مرد کا ہاتھ ہے۔ علامہ شمسی نے یہ حدیث پوری بیان نہیں کی، پوری حدیث اس طرح ہے، امام ابوداؤد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا درآں حالیکہ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ کر فرمایا مجھے پتا نہیں چلا کہ یہ عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا، اس نے کہا یہ عورت کا ہاتھ ہے آپ نے فرمایا اگر تم عورت ہوتیں تو اپنے ناخنوں کو رنگتیں، آپ کی مراد مہندی تھی۔[1]

یہ حدیث تو عورت کے حجاب اور چہرہ چھپانے کی دلیل ہے کیونکہ اس عورت نے حجاب میں مستور ہو کر آپ کی طرف اشارہ کیا۔

علامہ شمسی نے ہاتھ کھلے رکھنے کے جواز پر چوتھی دلیل یہ قائم کی ہے کہ حضرت فاطمہ نے اپنا کوئی ایک بچہ حضرت انس یا حضرت بلال کو دیا حضرت انس نے حضرت فاطمہ کے ہاتھ دیکھ کر کہا کہ یہ چاند کا ٹکڑا ہے۔

حضرت فاطمہ کا نکاح دو ہجری میں ہوا اور ماہ رمضان تین ہجری میں حضرت حسن کی ولادت ہوئی اور اس کے ۱۰ ماہ بعد چار ہجری میں حضرت حسین کی ولادت ہوئی (اصابہ ج ۴ ص ۳۲۲ - ۳۲۰) اظاہر یہ ہے کہ حضرت انس کی گود میں بچہ دینے کا واقعہ تین یا چار ہجری کا ہے اور حجاب کے احکام پانچ ہجری میں نازل ہوئے تھے لہٰذا اس واقعہ سے ہی اجنبی کے سامنے عورت کے

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

اور اس لیے یہ استدلال نہیں ہو سکتا، یہ بھی خیال رہے کہ حضرت انس کی عمر ہجرت کے وقت دس سال تھی اور اس واقعہ کے وقت حضرت انس کی عمر تیرہ یا چودہ سال تھی۔

عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو اجنبی مردوں کے سامنے کھولنے کے جواز پر جو زیادہ سے زیادہ دلائل پیش کیے جاسکتے تھے وہ علامہ ابن حزم نے پیش کر دیے اور ہم نے ان دلائل کی حقیقت قارئین کے سامنے بیان کر دی ہے اور یہ کہنا کہ عورت کو دیکھنے سے شہوت کا خطرہ نہ ہو تو چہرہ دیکھنا جائز ہے بالکل غلط اور مردود ہے کیونکہ فیضانِ نبوت کو براہِ راست حاصل کرنے والے صحابہ بھی جب اس خطرہ سے مامون نہیں تھے تو پھر کوئی اور شخص اس خطرہ سے مامون ہونے کا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کا چہرہ عورت کی طرف سے پھیر دیا اور فرمایا: "میں ان پر شیطان سے مطمئن نہیں ہوں" اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فضل پر اطمینان نہیں تھا تو کسی شخص کو بھی اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی نہ کسی عورت کو حجاب سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے، محققین فقہاء اسلام نے اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کو مطلقاً ناجائز کہا ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو اور اب ہم قارئین کے سامنے محققین فقہاء اسلام کی عبارات پیش کر رہے ہیں۔

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور حجاب کا حکم

حافظ ابن کثیر حنبلی لکھتے ہیں:

ذهب كثير من العلماء الى انه لا يجوز لها ان تنظر الى الرجال الاجانب بشهوة ولا بغير شهوة اصلاً۔[1]

کثیر علماء کا یہ مذہب ہے کہ عورت کا اجنبی مردوں کی طرف دیکھنا بالکل جائز نہیں ہے خواہ شہوت کے ساتھ دیکھیں یا بغیر شہوت کے۔

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

ان كان لعذر مثل ان يريد ان يتزوجها او يشهد عليها فانه ينظر في الحالين الى وجهها خاصة فاما النظر اليها لغير عذر فلا يجوز لا لشهوة ولا لغيرها وسواء في ذلك الوجه والكفان وغيرهما من البدن۔[2]

اگر مرد کا کوئی عذر ہو مثلاً وہ کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے یا اس کے خلاف گواہی دینا چاہتا ہے تو دونوں صورتوں میں صرف اس کے چہرے کی طرف دیکھ سکتا ہے اور بغیر عذر کے عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو اس میں چہرہ، ہاتھ اور بدن سب برابر ہیں۔

[1] حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر حنبلی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۸۸، مطبوعہ دار الاندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ

[2] علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۶ ص ۳۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام احمد کے ظاہر مذہب کے مطابق مرد کا اجنبی عورت کی طرف بغیر کسی علت کے دیکھنا جائز نہیں ہے، جب مرد اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے دے تو وہ اس کے لیے اجنبی ہے اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ وہ کس طرح کھانا کھا رہی ہے اور قاضی نے یہ کہا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ باقی بدن کو دیکھنا حرام ہے کیونکہ وہ ستر ہے اور اگر شہوت سے مامون ہو تو اس کے چہرے کی طرف دیکھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسماء باریک کپڑے پہن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں آپ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کا صرف یہاں اور یہاں دکھائی دینا جائز ہے یہ کہہ کر آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء حجاب. "جب تم ان سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے کی اوٹ سے سوال کرو" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارا مکاتب غلام نصاب کتابت کا مالک ہو جائے تو اس سے پردہ کرو اور حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ وہ اور حضرت میمونہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اس وقت ابن ام مکتوم آگئے تو آپ نے فرمایا اس سے پردہ کرو! اور حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھے نظر ہٹانے کا حکم دیا، یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے علی ایک بار کے بعد دوسری نظر نہ ڈالنا کیونکہ پہلی نظر معاف ہے اور دوسری معاف نہیں ہے، اور نکاح کے ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کی اجازت دی ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی طرف دیکھنا مطلقاً مباح نہیں ہے ورنہ اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور حضرت اسماء کی روایت میں کلام ہے اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ احکام حجاب سے پہلے کا حکم ہے۔ [1]

علامہ ابن قیم جوزیہ حنبلی لکھتے ہیں:

یہ کہنا کہ آزاد بوڑھی اور بدصورت عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اور جوان اور خوب صورت باندی کی طرف دیکھنا جائز ہے شریعت پر افتراء ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو کہاں حرام کیا ہے اور اس کو کہاں جائز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا ہے قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم "مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں" اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ خوب صورت باندیاں کو تکتے رہو۔ یہ شبہ اس سے پیدا ہوا کہ شریعت نے آزاد عورتوں کو اجنبی مردوں سے چہرہ چھپانے کا حکم دیا ہے اور باندیوں پر یہ واجب نہیں کیا لیکن یہ اجازت گھروں میں کام کرنے والی باندیوں کے بارے میں ہے اور جو باندیاں بازاروں میں پھرتی ہیں ان کو چہرہ کھولنے کا کہاں حکم دیا ہے اور مردوں کو انہیں دیکھنے کا کہاں حکم دیا ہے یہ چیز شریعت پر محض افتراء ہے یہ مغالطہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ آزاد عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم واجب الستر (چھپانے کی چیز) ہے، اور باندی کا صرف پیٹ، پشت اور پنڈلیاں واجب الستر ہیں، حالانکہ یہ حکم صرف نماز کے متعلق ہے۔ کیونکہ ستر

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۷ ص ۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

چھپانے کی چیز) کی دو قسمیں ہیں ایک ستر نماز کا ہے اور ایک ستر نظر کا ہے، آزاد عورت کا نماز میں ستر چہرے اور ہاتھوں کے ماسوا ہے اس لیے وہ چہرے اور ہاتھوں کو کھول کر نماز پڑھ سکتی ہے اور آزاد عورت کا نظر میں ستر پورا جسم ہے اس لیے وہ بازاروں میں اور اجنبی لوگوں کی مجلسوں میں نہیں جا سکتی اور اس کے چہرے اور ہاتھوں سمیت پورے جسم کو اجنبی مردوں کے لیے دیکھنا جائز نہیں ہے۔ [1]

فقہاء شافعیہ کے نزدیک اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور حجاب کا حکم

قاضی بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

فان کل بدن الحرۃ عورۃ لا یحل لغیر الزوج والمحرم النظر الی شیء منھا الا لضرورۃ کالمعالجۃ وتحمل الشھادۃ۔ [2]

آزاد عورت کا بدن واجب الستر ہے اور شوہر اور محرم کے سوا عورت کے بدن کے کسی حصہ کو دیکھنا جائز نہیں ہے البتہ ضروریات مستثنیٰ ہیں جیسے علاج اور گواہ بنانے کا معاملہ۔

علامہ ابو اسحاق شیرازی شافعی لکھتے ہیں:

اور گواہی کے لیے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے اور بغیر ضرورت کے نہ مرد کے لیے اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے نہ عورت کے لیے اجنبی مرد کو دیکھنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم «آپ مسلمان مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں» اور فرمایا قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن «آپ مسلمان عورتوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں» اور حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ وہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت ابن ام مکتوم آگئے آپ نے فرمایا اس سے پردہ کرو، ہم نے عرض کیا یہ تو نابینا ہے ہمیں دیکھتا ہے نہ ہم کو پہچانتا ہے آپ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (سواری پر) اپنے پیچھے حضرت فضل بن عباس کو بٹھایا ہوا تھا کہ خثعم کی ایک عورت آئی آپ نے حضرت فضل کی گردن دوسری طرف پھیر دی، حضرت عباس نے پوچھا آپ نے اپنے عم زاد کی گردن کیوں پھیری ہے آپ نے فرمایا میں نے جوان مرد اور جوان عورت کو دیکھا اور ان پر شیطان سے بے خوف نہیں ہوا۔ [3]

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ متعدد شافعیہ نے کہا ہے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو عورت کے چہرے کی طرف ...

1۔ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۳-۲۴، مطبوعہ دار الحدیث مصر

2۔ قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل علی ہامش الخفاجی ج ۶ ص ۳۷۶، مطبوعہ دار صادر بیروت

3۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ، المہذب مع شرح المہذب ج ۱۶ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت

دیکھنا مکروہ ہے اور علامہ اصطخری، شیخ ابوحامد، امام اور صاحب مہذب (علامہ شیرازی) نے کہا ہے کہ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا مطلقاً حرام ہے اور امام نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عورتوں کا منہ کھول کر باہر نکلنا منع ہے اور عورت کو دیکھنا فتنہ کا محل ہے اور شہوت کا محرک ہے اس لیے شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ فتنہ کا سد باب کیا جائے۔ [1]

فقہاء مالکیہ کے نزدیک اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور حجاب کا حکم

فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو عورت کا چہرہ چھپانا مستحب ہے اور اگر فتنہ کا خوف ہو تو چہرہ چھپانا واجب ہے اور یہی حکم اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا ہے۔

علامہ ابوعبد اللہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

علامہ قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العین تزنی "آنکھ زنا کرتی ہے" علماء نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب عورت بازار میں جائے تو اس پر چہرہ چھپانا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ البتہ مرد پر واجب ہے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھے، اور بغیر کسی غرض صحیح کے عورت کی طرف نہ دیکھے مثلاً شہادت کے لیے یا منگنی کے لیے یا علاج کے لیے۔ [2]

علامہ ابی مالکی اور قاضی عیاض مالکی نے اور دیگر مالکی فقہاء نے اجنبی مردوں کے لیے عورت کے چہرہ چھپانے کے وجوب کے دلائل سے بالکل صرف نظر کر لیا، یہ دلائل ہم سابقہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔

علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لذت اندوزی کے لیے اجنبی عورت کے چہرے کی طرف دیکھے تو یہ حرام ہے اس صورت میں عورت پر پردہ واجب ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس پر پردہ واجب ہے اور مشہور یہ ہے کہ واجب نہیں ہے اور علامہ زروق مالکی نے یہ کہا ہے کہ خوبصورت عورت پر پردہ کرنا واجب ہے اور بدصورت عورت پر پردہ کرنا واجب نہیں، مستحب ہے۔ [3] علامہ قرطبی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے کہ خوبصورت عورت پر پردہ واجب ہے اور بدصورت پر نہیں ہے۔ [4]

فقہاء احناف کے نزدیک اجنبی مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور حجاب کا حکم

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۵ ص ۳۶۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابوعبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۴۳۲-۴۳۰، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

[3] علامہ شمس الدین محمد عرفہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۳۰ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۱ ص ۲۱۴، مطبوعہ دارالفکر بیروت

[4] علامہ ابوعبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۲۲۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ

حق یہ ہے کہ فقہاء احناف نے تو یہی لکھا ہے کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب نہیں ہے اور اجنبی مرد اس کو بغیر شہوت کے دیکھنا جائز ہے اور شہوت ہو تو دیکھنا حرام ہے جیسا کہ علامہ سرخسی کے حوالے سے گزر چکا ہے لیکن متاخرین فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ عورت پر اپنا چہرہ چھپانا واجب ہے اور اس کی طرف دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے، یہی قرآن اور حدیث کے مطابق ہے۔

علامہ زاہد الکوثری حنفی لکھتے ہیں:

نماز اور حج کے احرام میں عورت کے لیے چہرہ کھولنا جائز ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بلا ضرورت گھر سے منہ کھول کر نکل سکتی ہے، کیونکہ آیت حجاب میں عورت کو چادر سے چہرہ چھپانے کا حکم دیا اور مناسک حج اور دیگر ضروریات مثلاً شہادت وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور سنن ابوداؤد میں جو حضرت عائشہ سے چہرہ اور ہاتھوں کے استثناء کی روایت ہے اول تو وہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث کو خالد بن دریک نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے اور اس نے حضرت عائشہ کا زمانہ نہیں پایا اور اس کی سند میں سعید بن بشیر ایک ضعیف راوی ہے اور اس میں بعض مدلسین کا عنعنہ بھی ہے اس کے علاوہ حضرت عائشہ نے خود اس پر عمل کو ترک کر دیا۔ (علامہ ابن قدامہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے کا حکم ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ الکوثری لکھتے ہیں چونکہ قرآن اور احادیث کی نصوص صریحہ سے عورتوں کے حجاب کا حکم ثابت ہے اس لیے زمانہ قدیم سے روئے زمین کے مشرق اور مغرب میں تمام مسلمان عورتیں پردہ کی انتہائی پابندی کرتی ہیں، حجاز، یمن، بلاد فلسطین، شام، حلب، عراق، بلاد مغرب، مصر، سوڈان، بلاد فارس، افغان، ہند اور سندھ غرضیکہ تمام روئے زمین پر سفر اور حضر میں تمام مسلمان عورتیں پردہ اور حجاب میں رہتی ہیں، البتہ وہ اقوام مغرب جو اپنی عورتوں کے معاملہ میں بے غیرت ہیں اور جو اپنی بیویوں کو دوسرے مردوں کی بانہوں میں دیکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، ان کا معاملہ جداگانہ ہے۔ سلطان عبد الحمید الثانی سے بعض یورپی محققین نے سوال کیا کیا وجہ ہے مشرقی عورتیں تمام عمر اپنے گھروں میں پردے کے پیچھے گزارتی ہیں اور اجنبی مردوں سے بالکل میل جول نہیں رکھتیں تو سلطان نے فی الفور جواب دیا: اس لیے کہ وہ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور شخص کا بچہ جننے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں اس جواب کے سنتے ہی وہ شخص بالکل ساکت ہو گیا۔[1]

علامہ قہستانی حنفی لکھتے ہیں:

وینظر الرجل من المرأة الاجنبية الى الوجه۔ وهذا فی زمانهم واما فی زماننا فمنع من الشابة۔[2]

مرد اجنبی عورت کے چہرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ حکم فقہاء متقدمین کے زمانہ کے اعتبار سے ہے اور اب جوان عورت کو دیکھنے سے منع کیا جائے گا۔

نیز علامہ قہستانی لکھتے ہیں:

وفیه اشارة الى انه یحل النظر الى وجه الاجنبية الا انه مکروه کما فی ایمان الولوالجی

اس میں یہ اشارہ ہے کہ اجنبی عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے جیسا کہ ولوالجی

[1] علامہ محمد زاہد الکوثری حنفی متوفی ۱۳۷۱ھ، مقالات الکوثری ص ۲۵۰-۲۴۷ ملخصا، مطبوعہ ایچ، ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی

[2] علامہ محمد خراسانی قہستانی حنفی متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز ج ۳ ص ۳۲۲، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۲۹۱ھ

وھذا اذا لم یکن عن شہوۃ والا فحرام۔[1]

کی کتاب الایمان بیان ہے یا اس وقت ہے کہ جب شہوت سے نہ دیکھے اور اگر شہوت سے دیکھے تو حرام ہے۔

علامہ الحصکفی حنفی لکھتے ہیں:

فحل النظر مقید بعدم الشہوۃ والا فحرام وھذا فی زمانھم واما فی زماننا فمنع من الشابۃ۔[2]

اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا جواز عدم شہوت کے ساتھ مشروط ہے اگر شہوت سے دیکھے تو حرام ہے یہ حکم متقدمین کے زمانہ کے اعتبار سے ہے اب جوان عورت کو دیکھنے سے مطلقاً منع کیا جائے گا۔

علامہ شامی نے بھی اس حکم کو برقرار رکھا ہے۔[3]

مذاہب فقہاء کا حاصل

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مرد کا اجنبی عورت کو اور عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا مطلقاً جائز نہیں ہے خواہ شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے اور عورت پر اجنبی مردوں سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو چھپانا واجب ہے اور قرآن مجید اور سنت کی نصوص صریحہ کے مطابق یہی قول صحیح ہے امام مالک کے نزدیک شہوت کے اندیشہ سے یا خوبصورت عورت پر حجاب واجب ہے اور جب شہوت نہ ہو یا عورت بدصورت، بوڑھی عورت پر حجاب مستحب ہے اور امام ابوحنیفہ اور فقہاء متقدمین کے نزدیک عورت پر چہرے اور ہاتھوں کا ستر واجب نہیں ہے البتہ اس کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور متاخرین فقہاء احناف کے نزدیک عورت کو مطلقاً دیکھنا جائز نہیں ہے اور اس پر پردہ کرنا واجب ہے اور یہی قول صحیح ہے، جیسا کہ ہم قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ سے بصراحت بیان کر چکے ہیں۔

قرآن، سنت اور فقہاء اسلام کی آراء کی روشنی میں عورت کی آواز کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن۔

(النور: ۳۱)

اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اس زینت کا لوگوں کو علم ہو جائے جو انہوں نے چھپا رکھی ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو اتنی بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کو اجنبی مرد سن لیں، کیونکہ پازیب کی آواز سے اس کی اپنی آواز زیادہ فتنہ انگیز ہے، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے عورت کی اذان کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں آواز بلند کرنی پڑتی ہے اور عورت کو آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[4]

---

[1] علامہ محمد خراسانی قہستانی حنفی متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز ج ۳ ص ۳۳۲، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور، ۱۲۹۱ھ

[2] علامہ علاء الدین الحصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[3] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[4] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۱۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ ابن ہمام حنفی نے کہا ہے کہ نوازل میں تصریح ہے کہ عورت کی آواز عورت واجب الستر ہے اور اسی پر یہ متفرع کیا ہے کہ عورت کا مرد سے قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے کیونکہ عورت کی آواز عورت ہے۔ [1]

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

زیادہ صحیح یہ ہے کہ عورت کی آواز عورت نہیں ہے لیکن جب فتنہ کا خوف ہو تو عورت کی آواز کو کان لگا کر سننا حرام ہے اور جب عورت کے دروازے پر دستک دی جائے تو وہ نرم آواز سے جواب نہ دے بلکہ کرخت آواز سے جواب دے۔ [2]

علامہ ابو عبد اللہ حطاب مالکی لکھتے ہیں:

عورتوں کا آواز بلند کرنا مکروہ ہے، عورتوں کا اذان دینا، بلند آواز سے نماز پڑھنا اور بلند آواز سے حج میں البیک کہنا سب مکروہ ہے، علامہ لخمی نے کہا ہے کہ عورتوں کی اذان ممنوع ہے کیونکہ عورت کی آواز عورت ہے۔ علامہ حطاب مالکی کہتے ہیں کہ علامہ ابن یونس اور علامہ ابن ناجی وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے کہ عورت کی آواز عورت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ عورت کا آواز بلند کرنا عورت ہے کیونکہ صحابہ کرام امہات المومنین اور دیگر صحابیات سے احادیث روایت کرتے تھے۔ [3]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

حضرت اسماء بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں پر اذان اور اقامت نہیں ہے" کیونکہ اذان اصل میں مشروع ہونے کے لیے ہے اور عورتوں کے لیے مجمع بنانا مشروع نہیں ہے اور اذان میں آواز بلند کی جاتی ہے اور عورتوں کے لیے آواز بلند کرنا مشروع نہیں ہے۔ [4]

ہر چند کہ فقہاء شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ عورت کی آواز عورت نہیں ہے لیکن عورت کا آواز بلند کرنا ان کے نزدیک بھی ناجائز اور حرام ہے، شافعی مفسرین نے زیر بحث آیت کے تحت یہی لکھا ہے۔

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

عورت کو اتنی بلند آواز کے ساتھ کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کو اجنبی مرد سن لیں کیونکہ عورت کی اپنی آواز پازیب کی آواز سے زیادہ فتنہ انگیز ہے اسی وجہ سے عورت کو اذان دینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اذان میں آواز بلند کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت کو آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ [5]

علامہ بیضاوی شافعی لکھتے ہیں:

---

[1] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۱ ص ۲۱۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین ج ۵ ص ۲۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

[3] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب مالکی مغربی متوفی ۹۵۴ھ، مواہب الجلیل ج ۱ ص ۴۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

[5] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

پازیب کی آواز سنانے سے منع کرنا عورت کے آواز کو بلند کرنے کی ممانعت پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ [1]

جس طرح قرآن مجید میں عورت کے آواز بلند کرنے کی ممانعت بطور کنایہ اور مبالغہ ہے سو اسی طرح حدیث میں بھی عورت کے آواز بلند کرنے کو کنایہ اور مبالغہ سے منع کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم التصفیق للنساء والتسبیح للرجال۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نماز میں امام کو متنبہ کرنے کے لیے) عورتیں ہاتھ کی پشت پر ہاتھ ماریں اور مرد سبحان اللہ کہیں۔

اس حدیث کو امام مسلم [3] اور امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ [4]

نماز میں امام کو متنبہ کرنے کے لیے بلند آواز سے سبحان اللہ کہا جاتا ہے اور چونکہ عورت کا نماز میں آواز بلند کرنا شرعاً ممنوع اور مذموم ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سبحان اللہ کہنے کی بجائے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارنے کا حکم دیا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شارع علیہ السلام نے عورت کے سبحان اللہ کہنے کو اس لیے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس کی آواز فتنہ ہے اس لیے اس کو اذان، اقامت اور نماز میں بلند آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے۔ [5]

ملا علی قاری حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورت کو تصفیق (ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارنے) کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس کی آواز عورت ہے۔ [6]

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قرآن مجید میں عورت کو زمین پر پیر مارنے سے منع کیا ہے تاکہ اس کی پازیب کی آواز اجنبی مردوں کو نہ سنائی دے اور حدیث میں عورت کو نماز میں سبحان اللہ کہنے کی بجائے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارنے کا حکم دیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عورت کا آواز کو بلند کرنا بھی ممنوع ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک عورت کی آواز عورت ہے اور جس طرح بلا ضرورت کے وہ اجنبیوں پر چہرہ ظاہر نہیں کر سکتی اسی طرح بغیر ضرورت کے اجنبی مردوں پر اپنی آواز بھی ظاہر نہیں کر سکتی اور فقہاء مالکیہ، فقہاء حنبلیہ اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک عورت کا آواز بلند کرنا ممنوع ہے اور پست اور کرخت آواز کے ساتھ وہ بوقت ضرورت اجنبی مردوں سے کلام کر سکتی ہے۔

---

1. علامہ ابو الخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل مع حاشیۃ الشہاب الخفاجی ج ۶ ص ۳۶۴، مطبوعہ دار صادر
2. امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
3. امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
4. امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۶، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ
5. علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۷۹، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
6. ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۳ ص ۱۰، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

بوقت ضرورت عورت کا اجنبی مردوں سے کلام کرنے کا جواز

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا سألتموهن متاعا فسئلوهن من وراء حجاب (احزاب: ۵۳)

اور جب تم نبی کی ازواج (مطہرات) سے کسی چیز کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے سوال کرو۔

اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ مسلمان مرد امہات المومنین سے دینی مسائل کا سوال کر سکتے ہیں اور ان پر لازم ہے کہ وہ پردے کے پیچھے اور حجاب کی اوٹ سے یہ سوالات کریں، اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت مسلم خواتین سے بھی پردے کی اوٹ سے سوالات کیے جا سکتے ہیں، لیکن مسلم خواتین پر لازم ہے کہ وہ اجنبی مردوں سے نرم اور لچکدار لہجہ میں بات نہ کریں تاکہ کسی بیمار دل میں غلط خواہش نہ پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا۔ (احزاب: ۳۲)

اے نبی کی ازواج! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو، اگر تم خدا کا خوف رکھتی ہو تو نرم لہجے میں بات نہ کیا کرو جس سے بیمار دل میں کوئی (بری) خواہش پیدا ہو، صاف اور سیدھی بات کیا کرو۔

ہر چند کہ ان آیات میں امہات المومنین کو خطاب ہے لیکن اس کے حکم میں تمام مسلم خواتین شامل ہیں، علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ باقی عورتیں بھی اجنبی مردوں سے ایسے لہجہ میں بات نہ کریں جس سے بدکار شخص کے دل میں بری خواہش پیدا ہو، مثلاً ان کے نرم اور لچک دار لہجہ سے یہ سمجھے کہ وہ اس کی طرف مائل ہیں اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ عورت گھر تک اتنی بلند آواز سے بات نہ کرے کہ اس کو اجنبی مرد سن لیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے لیے اذان دینا ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن۔ "اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلا کریں کہ اس زینت کا لوگوں کو علم ہو جائے جو انہوں نے چھپا رکھی ہے"، اور جب ان کے پاؤں کی جھنکار بھی ممنوع ہے تو ان کی آواز تو زیادہ فتنہ انگیز ہے اور جوان عورت کا اپنی آواز سنانا بطریق اولیٰ ممنوع ہے۔[1]

قرآن مجید، احادیث اور فقہاء اسلام کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جوان عورتوں کا بلا ضرورت اجنبی مردوں سے کلام کرنا ممنوع ہے البتہ اگر شوہر یا محرم میسر نہ ہو تو ضروریات زندگی کی خرید و فروخت کے لیے یا علاج معالجہ یا گواہی کی ضرورت ہو یا دینی مسائل معلوم کرنے کی احتیاج ہو تو جوان عورت پردے کی اوٹ سے یا چہرے پر نقاب ڈال کر اجنبی مردوں سے گفتگو کر سکتی ہے، البتہ سیر و تفریح اور بلا ضرورت خریداری یا محض گپ شپ کے لیے کسی جوان اور خوبصورت عورت کا اجنبی مردوں سے گفتگو کرنے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے۔ اور بوڑھی عورتوں کو چونکہ اسلام نے چہرے سے نقاب اتارنے کی اجازت دی ہے اس لیے ان سے گفتگو کے معاملہ میں بھی اس قدر سختی نہیں ہے۔

[1] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۳۵۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

عورتوں کو سلام کرنے یا ان کے سلام کا جواب دینے کا شرعی حکم

بوڑھی عورتوں کو ابتداءً سلام کرنا اور ان کے سلام کا جواب دینا دونوں امر جائز ہیں، کیونکہ امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن سهل قال كنا نفرح بيوم الجمعة قلت ولم قال كانت عجوز لنا ترسل الى بضاعة قال ابن مسلمة نخل بالمدينة فتأخذ من اصول السلق فتطرحه فى قدر وتكركر حبات من شعير فاذا صلينا الجمعة انصرفنا نسلم عليها فتقدمه الينا فنفرح من اجله وما كنا نقيل ولا نتغدى الا بعد الجمعة۔ [۱]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے تھے راوی نے پوچھا کیوں! کہا ایک بوڑھی عورت بضاعہ سے چقندر منگواتی (ابن مسلمہ نے کہا بضاعہ مدینہ منورہ میں کھجوروں کا ایک باغ ہے) وہ بوڑھی عورت چقندر ... کو دیگچی میں ڈالتی اور اس میں جو کے دانے بھی پیس کر ڈالتی جب ہم نماز جمعہ پڑھ کر فارغ ہوتے تو اس کے پاس جا کر اس کو سلام کرتے وہ اس طعام کو پیش کرتی ہم اس کھانے سے بہت خوش ہوتے تھے اور ہم جمعہ کی نماز کے بعد ہی کھانا کھاتے تھے اور قیلولہ کرتے تھے۔

اس حدیث میں بوڑھی عورت کو صحابہ کے سلام کرنے کا ذکر ہے، سو بوڑھی عورت کو سلام کرنے اور اس کے سلام کا جواب دینے اور اس سے بات چیت میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں سے حجاب کے احکام میں تخفیف کی ہے اور یہ حدیث اس کے جواز کی دلیل ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ جوان عورتوں کے علاوہ دیگر عورتوں کو سلام کرنا جائز ہے، کیونکہ جوان عورتوں سے گفتگو کرنے میں نظر کے بہک جانے اور شیطان کے پھسلانے کا خدشہ ہے، یہ قتادہ کا قول ہے اور یہی امام مالک اور بعض فقہاء کا مسلک ہے کوفہ کے فقہاء (یعنی فقہاء حنفیہ) نے کہا ہے کہ مرد غیر محرم عورتوں کو سلام نہ کریں۔ [۲]

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

اجنبی عورت سے کلام نہ کرے ہاں اگر بوڑھی عورت ہو تو اس کو چھینک آنے یا وہ سلام کرے تو اس کو چھینک کا اور سلام کا جواب دے اور اگر بوڑھی عورت نہ ہو تو اس سے سلام اور کلام نہ کرے۔ [۳]

علامہ شامی لکھتے ہیں:

خانیہ میں ہے جب اجنبی عورت کسی مرد کو سلام کرے تو اگر وہ عورت بوڑھی ہو تو مرد اس کو بلند آواز کے ساتھ زبانی جواب

۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

۲۔ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۴۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

۳۔ علامہ علاء الدین الحصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

سے جس کو وہ سن لے اور اگر وہ عورت جوان ہو تو اس کا دل میں جواب دے اسی طرح جب مرد کسی اجنبی عورت کو سلام کرے تو اب معاملہ برعکس ہوگا (یعنی اگر وہ مرد بوڑھا ہو تو زبانی جواب دے ورنہ دل میں جواب دے) اگر مرد کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اگر وہ بوڑھا ہو تو عورت زبان سے جواب دے ورنہ دل سے جواب دے۔ نیز علامہ شامی لکھتے ہیں حدیث میں عورتوں سے غیر محرم مردوں کے باتیں کرنے کا بھی ثبوت ہے لیکن یہ بوڑھی عورتوں پر محمول ہے کیونکہ راجح یہ ہے کہ عورت کی آواز بھی واجب الستر ہے۔[1]

بوڑھی عورت کو سلام کرنے کے جواز اور جوان کو سلام کرنے کے عدم جواز پر حسب ذیل احادیث و آثار سے استدلال کیا جاتا ہے:

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن يحيى بن ابي كثير قال، بلغني انه يكره ان يسلم الرجال على النساء والنساء على الرجال۔[2]

یحییٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

عن قتادة قال اما امرأة من القواعد فلا بأس ان يسلم عليها، واما الشابة فلا۔[3]

قتادہ کہتے ہیں کہ بوڑھی عورت کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن جوان عورت کو سلام کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض لوگ عورتوں کو سلام کرنے کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن اسماء بنت يزيد تحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر في المسجد يوما وعصبة من النساء قعود فالوى بيده بالتسليم واشار عبد الحميد بيده هذا حديث حسن۔[4]

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے گزرے وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی آپ نے ہاتھ اٹھا کر ان کو سلام کیا، راوی عبد الحمید نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا، یہ حدیث حسن ہے۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن اسماء بنت يزيد مر علينا النبي صلى الله عليه وسلم في نسوة فسلم علينا۔[5]

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ہم پر سلام کیا۔

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

[2] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۱۰ ص ۳۸۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ

[3] ایضاً، المصنف ج ۱۰ ص ۳۸۹

[4] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۸۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۵۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

یہ حدیث احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے کے واقعہ پر محمول ہے، یا بوڑھی عورتوں پر محمول ہے یا پھر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ حلیمی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ سے مامون تھے، پس جس شخص کو اپنے نفس پر سلامتی کا اعتماد ہو وہ سلام کرے ورنہ خاموش رہے۔ [1]

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ابن الملک نے کہا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ فتنہ سے مامون تھے، آپ کے علاوہ کسی اور شخص کے لیے اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے، ہاں ایسی بوڑھی عورت جو فتنہ کا محل نہ ہو اس کو سلام کیا جا سکتا ہے، اگر جوان عورت سلام کرے تو اس کو جواب نہ دیا جائے یہی صحیح قول ہے۔ [2]

خلاصہ یہ ہے کہ جوان عورت کو سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا یا اس سے بلا ضرورت گفتگو کرنا جائز نہیں ہے، اور بوڑھی عورت کو سلام کرنا اس کے سلام کا جواب دینا اور اس سے غیر ضروری گفتگو کرنا جائز ہے، اسی طرح بوڑھی عورت کا جوان مرد سے اور جوان عورت کا بوڑھے مرد سے معاملہ ہے، عورت سے سلام وکلام کی بحث کے بعد اب ہم عورت کے گھر سے نکلنے کے متعلق احکام شرعیہ بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کے متعلق قرآن مجید کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ۔ (احزاب: ۳۳)
اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور پرانی جاہلیت کی بے پردگی کے ساتھ نہ رہو۔

وقرن یا قرار سے بنا ہے یا وقار سے فرمایا ہے کہ وہ گھروں میں ٹھہری رہیں یا چین اور سکون سے گھروں میں رہیں، دونوں اعتبار سے اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے اس کو اسی دائرہ میں رہ کر سکون سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی چاہئیں اور بغیر ضرورت کے گھر سے نہیں نکلنا چاہیے، امام بزار اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ساری فضیلت تو مردوں نے لوٹ لی وہ جہاد کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں بڑے بڑے کام کرتے ہیں ہم کیا عمل کریں جس سے ہمیں بھی مجاہدین کے برابر اجر مل جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جو عورت گھر کے اندر بیٹھی رہے گی وہ مجاہدین کے برابر اجر پائے گی" اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد میدان جہاد میں اسی وقت دل جمعی کے ساتھ لڑ سکتا ہے جب وہ اپنے گھر کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہو کہ اس کی بیوی گھر میں اس کی عزت کی امین ہے اور اس کے مال اور اولاد کی صحیح نگہداشت کر رہی ہے اور عورت مرد کو جو یہ اطمینان فراہم کرتی ہے اس وجہ سے وہ بھی مرد کے جہاد میں برابر کی حصہ دار ہے، نیز امام بزار نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ عورت مکمل واجب الستر ہے جب وہ

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۳-۳۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

[2] ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۹ ص ۵۷، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۰ھ

(گھر سے) نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے، اور وہ اللہ کی رحمت سے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر میں ہو۔[1] اس جگہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب کسی شرعی ضرورت کے بغیر عورت کا گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنگ جمل کے موقع پر گھر سے باہر کیوں نکلی تھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجتہادی غلطی تھی، انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ امام ابن سعد نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ جب قرآن مجید کی تلاوت کے دوران وقرن فی بیوتکن پر پہنچتی تھیں تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا۔[2] نیز امام ابن ابی شیبہ قیس سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ دفن کر دو کیونکہ میں نے آپ کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔[3]

حنبلی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم

حافظ ابن کثیر حنبلی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں پابند رہیں اور بغیر کسی حاجت شرعیہ کے گھر سے باہر نہ نکلیں، حاجات شرعیہ میں سے مسجد میں نماز کے لیے جانا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے نہ روکو اور عورتیں خوشبو لگائے بغیر مسجد میں جائیں" اور ان کا گھروں میں نماز پڑھنا ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ حافظ ابوبکر بزار نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عورتوں نے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! زیادہ تر اجر اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت تو مرد لے گئے، ہمارے لیے ایسا کون سا عمل ہے جس سے ہم راہ خدا کے مجاہدین کے اجر کو حاصل کریں، آپ نے فرمایا تم میں سے جو عورت اپنے گھر میں بیٹھے گی وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے اجر کو پا لے گی! نیز امام بزار نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الستر ہے، جب وہ (گھر سے) نکلتی ہے تو اس کو شیطان تاکتا ہے، اس کا اپنے گھر کے اندر بیٹھنا اپنے رب کی رحمت کے حصول کے زیادہ قریب ہے اور امام ابو داؤد نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اپنے دالان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے الحدیث، حافظ ابن کثیر نے تبرج کی تفسیر بیان کی ہے کہ عورت اپنے سر پر دوپٹہ ڈالے اور اس کو لپیٹے نہیں اور اس کا ہار اور دیگر زیورات کھلے رہیں، یعنی وہ اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش کرے۔[4]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو دو حکم دیے ہیں، بلا ضرورت شرعیہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور اپنا بناؤ سنگھار اجنبی مردوں پر ظاہر نہ کریں۔

---

1. حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
2. امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ، طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ
3. حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۵ ص ۲۸۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
4. حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۴۵۲-۴۵۱، مطبوعہ دار الاندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ

مالکی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم اور واقعہ جمل میں حضرت عائشہ کے باہر نکلنے کی وضاحت

علامہ ابو عبد اللہ مالکی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ عورتیں گھروں میں پابند رہیں ہر چند کہ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے خطاب ہے لیکن دوسری عورتیں بھی اس آیت کے حکم میں معنیً داخل ہیں اور تمام عورتیں اس حکم میں کیوں کر داخل نہیں ہوں گی جب کہ شریعت نے تمام عورتوں کو گھروں میں پابند رہنے کا حکم دیا ہے، اور بغیر ضرورت کے ان کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی، اور تبرج کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنا بناؤ سنگار ظاہر کریں۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ ثعلبی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس آیت کو پڑھتیں تو اس قدر روتیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔ اور ثعلبی نے یہ ذکر کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے کہا آپ حج اور عمرہ کیوں نہیں کرتیں جس طرح آپ کی دیگر بہنیں کرتی ہیں، حضرت سودہ نے فرمایا میں حج اور عمرہ کر چکی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے گھر میں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے، راوی نے کہا خدا کی قسم حضرت سودہ اپنے گھر کے دروازے سے نہیں نکلیں حتیٰ کہ ان کا جنازہ نکلا۔ علامہ ابن عطیہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایام جمل میں اپنے سفر کے سبب سے روتی تھیں، اس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر میں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے۔

رافضی حضرت عائشہ پر یہ طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے جنگ جمل میں شمولیت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی، حضرت عثمان کے محاصرے کے ایام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب روانہ ہونے لگیں تو مروان نے آپ سے کہا اے ام المؤمنین آپ یہیں ٹھہریے کیونکہ لوگوں میں صلح کرانا آپ کے حج کرنے سے بہتر ہے، علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ اس سے پہلے حضرت عائشہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اس لیے آپ نے حج کیا تھا اور جنگ جمل میں آپ کی شمولیت کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں نے آپ سے مسلمانوں کے قتل عام اور اس عظیم فتنہ کی شکایت کی، اور آپ کی برکت کی طمع میں آپ سے جنگ میں شامل ہونے کی درخواست کی ان کو یہ امید تھی کہ جب آپ لوگوں کے سامنے آئیں گی تو لوگ آپ سے حیا کریں گے، آپ کا بھی یہی گمان تھا اس لیے آپ نے ان کی درخواست منظور کر لی اس وقت آپ کے پیش نظر قرآن مجید کی یہ آیات تھیں:

لا خیر فی کثیر من نجوٰھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس ومن یفعل ذٰلک ابتغآء مرضات اللہ فسوف نؤتیہ اجرا عظیما۔ (نساء: ۱۱۴)

لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں (عموماً) کوئی خیر نہیں ہوتی الا یہ کہ اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ اور خیرات کا حکم دے، یا چپکے سے کسی نیکی کا حکم دے، یا مسلمانوں کے مناقشات میں اصلاح کے لیے کسی سے کچھ کہے (تو یہ اچھی بات ہے) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اور چونکہ اصلاح بین الناس ایک عظیم الشان عبادت ہے اس لیے حضرت عائشہ میدان میں آئیں کہ ممکن ہے ان کے اس اقدام سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے، مسلمان آپ کے احترام کا لحاظ کر کے جنگ سے باز آجائیں لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما۔ (حجرات: ۹)
اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صلح کرائیں اور یہ حکم تمام مردوں اور عورتوں کو شامل ہے اس وجہ سے حضرت عائشہ مسلمانوں میں صلح کرانے کی غرض سے میدان میں آئیں لیکن تقدیر میں صلح نہ ہونا مقدر تھا اور جنگ ہو کر رہی اور فریقین کا خون بہتا رہا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں جس پر آپ سوار تھیں اور جب اونٹ اپنے پہلو پر گر گیا تو محمد بن ابی بکر نے حضرت عائشہ کو سنبھالا اور ان کو تیس عورتوں کی معیت میں بصرہ بھیج دیا گیا، حضرت علی نے ان کو ٹھہرایا پھر عزت اور احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ تھیں ان کی نیک نیت اور صلح کی اور ان کا اجتہاد برحق تھا اور قرآن مجید کی ان آیات میں اجتہاد کر کے وہ میدان میں آئی تھیں اس کی وجہ سے ان کو انشاء اللہ اجر ملے گا۔ بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منکشف ہو گیا کہ ان کا یہ فیصلہ صحیح نہیں تھا اس لیے وہ اس پر ہمیشہ نادم رہیں اور جب اس آیت کی تلاوت کرتیں تو بے اختیار روتی تھیں۔

شافعی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم

امام رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قرن کا لفظ قرار یا وقار سے ماخوذ ہے یعنی عورتیں گھروں میں پابند رہیں، اور تبرج کی ممانعت سے یہ مراد ہے کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ [۲]

علامہ خازن شافعی لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں پابند رہیں اور تبرج کی ممانعت سے یہ مراد ہے کہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنی زینت اور محاسن کو ظاہر نہ کریں۔ [۳]

حنفی مفسرین کے نزدیک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا حکم اور واقعہ جمل میں حضرت عائشہ کے باہر نکلنے کی وضاحت

١ھ
[۱]۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ٦٦٨ھ الجامع لاحکام القرآن ج ۱۴ ص ۱۸۲۔۱۸۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران۔
[۲]۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ٦٠٦ھ تفسیر کبیر ج ٦ ص ۵۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
[۳]۔ علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ٧٢٥ھ، تفسیر خازن ج ۳ ص ۴۹۹۔۴۹۸ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ پشاور

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو گھروں میں پابند رہنے کا حکم دیا ہے اور باقی عورتوں سے بھی یہی مطلوب ہے کیونکہ امام ترمذی اور امام بزار نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے اور وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے، جب وہ اپنے گھر کے اندر ہو، نیز امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عورتوں نے حاضر ہو کر کہا مرد فضیلت اور جہاد فی سبیل اللہ کے اجر کو لے گئے ہمارے لیے بھی ایسا کوئی عمل ہے جس سے ہم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے اجر کو حاصل کر لیں ، آپ نے فرمایا تم میں سے جو عورت اپنے گھر کے اندر بیٹھے گی وہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے مجاہدوں کے اجر کو پا لے گی، عورتوں پر (بلا ضرورت) گھر سے باہر نکلنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے، اگر عورتیں زیارت قبور کے لیے جائیں تو اس کا فساد زیادہ ہے اور اگر وہ معطر اور مزین ہو کر مساجد میں جائیں تو یہ مکروہ ہے، البتہ عورتوں کے لیے حج اور والدین کی زیارت، بیماروں کی عیادت اور رشتہ داروں کی تعزیت کے لیے جانا جائز ہے اور اس کے لیے حجاب اور دیگر شرائط کی پابندی فرض ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ شیعہ نے اس آیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن کیا ہے کہ وہ مدینہ سے مکہ کی طرف گئیں اور مکہ سے بصرہ گئیں اور وہیں پر واقعہ جمل پیش آیا، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا تھا اور گھر سے نکلنے سے منع فرمایا تھا اور حضرت عائشہ نے اس حکم کی مخالفت کی، اس کا جواب یہ ہے کہ گھر کے اندر رہنے کا حکم مطلقاً ہے نہ گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت مطلقاً ہے، اگر یہ ممانعت مطلقاً ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حج، عمرہ اور غزوات میں اپنے ساتھ نہ لے جاتے اور ان کو والدین کی زیارت، بیماروں کی عیادت اور رشتہ داروں کی تعزیت کی اجازت نہ دیتے، اور یہ تمام امور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے سوا دیگر ازواج مطہرات نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حج کیا اور حضرت علی اور دیگر صحابہ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا اور حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا: تمہیں اپنی ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو گلیوں اور بازاروں میں گھومنے سے منع کیا ہے اور حج یا کسی اور دینی مصلحت کی بنا پر ستر اور حجاب کے ساتھ ان کا گھر سے باہر نکلنا ممنوع نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے مکہ حج کے لیے گئی تھیں جیسا کہ حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ بھی حج کے لیے جا چکی تھیں، مکہ میں جانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان کے قتل کی خبر سنی اور یہ معلوم ہوا کہ قاتلین عثمان حضرت علی کے پاس جمع ہو گئے ہیں، اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت شدید رنج ہوا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اب مسلمانوں کی جمعیت ٹوٹ جائے گی اور ان میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا، اسی اثناء میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت کعب بن عجرہ اور دیگر معزز صحابہ قاتلین عثمان کے برپا کیے ہوئے فتنوں کے سبب مدینہ منورہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ آ گئے، کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ قاتلین عثمان اپنے اس فعل قبیح پر بہت فخر کر رہے تھے، اور انہوں نے

حضرت عثمان کو برسرِ عام برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان صحابہ کرام کے دل بہت آزردہ ہوتے تھے اور جب ان صحابہ نے یہ دیکھا کہ وہ ان لوگوں کو اس برائی سے روکنے پر قادر نہیں ہیں تو وہ مکہ میں حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پناہ میں آ گئے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان تمام حالات اور واقعات سے مطلع کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرے نزدیک مصلحت اس میں ہے کہ تم لوگ اس وقت تک مدینہ منورہ واپس نہ جاؤ جب تک ظالم حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی مجلس کو گھیرے ہوئے ہیں اور حضرت علی ان لوگوں کو اپنی مجلس سے دور کرنے اور حضرت عثمان کا قصاص لینے پر قادر نہیں ہیں سو تم اس وقت کسی اور شہر میں قیام کرو اور اس وقت کا انتظار کرو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قوت اور شوکت حاصل ہو اور وہ ان لوگوں سے انتقام لے سکیں، ان صحابہ نے اس رائے کو پسند کیا اور انہوں نے بصرہ جانے کی تجویز پیش کی کیونکہ وہاں لشکر اسلام کی چھاؤنی تھی اور انہوں نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی شدید اصرار کیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ بصرہ چلیں اور جب تک فتنہ ختم نہیں ہو جاتا ان کے ساتھ بصرہ میں رہیں، ان کا خیال تھا کہ بصرہ میں حضرت عائشہ کا زیادہ احترام ہوگا، حضرت عائشہ مصلحت وقت اور ان صحابہ کی حفاظت کے خیال سے بصرہ روانہ ہو گئیں، آپ کے ساتھ آپ کے بھانجے حضرت عبد اللہ بن زبیر اور ان کے علاوہ دیگر بھانجے بھی تھے جو حضرت ام کلثوم زوجہ طلحہ اور حضرت اسماء زوجہ زبیر کے بیٹے تھے بلکہ اس سفر میں جو بھی آپ کے ساتھ تھے وہ سب آپ کے محرم اور آپ کے روحانی فرزند تھے، آپ لوہے کے ایک ہودج میں سوار تھیں۔

قاتلین عثمان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بصرہ جانے کی خبر کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور یہ ظاہر کیا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف جنگ کرنے جا رہے ہیں اور حضرت علی کو ان پر حملہ کرنے اور ان کو سزا دینے پر برانگیختہ کیا، اس کے برخلاف حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبد اللہ بن جعفر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے یہ مشورہ دیا کہ ان پر اس وقت تک حملہ نہ کیا جائے جب تک کہ صورت حال پوری طرح واضح نہ ہو جائے، حضرت علی نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور تقدیر کا لکھا ہوا پورا ہو کر رہا، حضرت علی روانہ ہو گئے درآں حالیکہ آپ کے ساتھ یہ تمام اشرار اور اہل فتنہ تھے۔ جب آپ بصرہ کے قریب پہنچے تو آپ نے قعقاع کو حضرت ام المؤمنین، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کے عزائم معلوم کر کے حضرت امیر المؤمنین کو بتلائیں، قعقاع نے حضرت ام المؤمنین سے کہا اے ام المؤمنین آپ کس مقصد سے اس شہر میں آئی ہیں؟ آپ نے فرمایا اے بیٹے! میں لوگوں میں صلح کرانے آئی ہوں! پھر آپ نے قعقاع کو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے پاس بھیج دیا، قعقاع نے ان سے پوچھا مجھے بتلاؤ کہ صلح کا کیا طریقہ ہوگا؟ ان دونوں نے کہا کہ قاتلین عثمان پر حد قائم کی جائے اور ان کے وارثوں کے دلوں کو ٹھنڈا کیا جائے اس سے امن قائم ہوگا اور ان کو سزا دینا بعد کے لوگوں کے لیے عبرت کا سبب ہوگا، قعقاع نے کہا یہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمام مسلمان متفق اور متحد نہ ہو جائیں اور امن اور سکون قائم نہ ہو جائے سو تم اس وقت تک انتظار کرو، ان دونوں نے کہا تم نے ٹھیک کہا اور صحیح فیصلہ کیا، قعقاع حضرت امیر المؤمنین کے پاس واپس پہنچا اور ان کو اس جواب سے مطلع کیا، حضرت علی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے واپس چلنے کے لیے کہا اور تین دن ٹھیرے تاکہ صلح کے معاملہ میں کسی کو شک نہ رہے، چوتھے دن کی رات تھی جس کی صبح کو حضرت طلحہ حضرت زبیر کی حضرت علی سے صلح کے معاملات پر حتمی بات چیت ہونے والی تھی، ادھر قاتلین عثمان

پر یہ صلح بہت گراں تھی اور وہ بہت مضطرب اور بے چین تھے ان کو اپنا انجام صاف نظر آرہا تھا انہوں نے یہ سازش کی کہ حضرت علی کی طرف سے اچانک حضرت عائشہ کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا جائے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ حضرت علی نے دھوکا دیا اور عہد شکنی کی پھر وہ حضرت علی کے لشکر پر حملہ کریں گے اور لوگ یہ گمان کریں گے کہ انہوں نے عہد شکنی کی ہے پھر ان میں جنگ چھڑ جائے گی سو انہوں نے اس سازش کے مطابق کارروائی کی، پھر حضرت عائشہ کے ساتھیوں نے حضرت علی کے لشکر پر حملہ کر دیا اور ان قاتلوں نے شور مچایا کہ حضرت عائشہ کے ہمراہیوں نے عہد شکنی کی ہے اور پھر جنگ چھڑ گئی اس واقعہ کو طبری اور جمہور مؤرخین نے اسانید متعددہ کے ساتھ حضرت حسن حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلی بار جو گھر سے نکلیں تو اپنے محارم کے ساتھ حج کے لیے گئی تھیں، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، اور دوسری بار جب آپ گھر سے باہر گئی تھیں تو آپ مسلمانوں کی اصلاح کے قصد سے گئی تھیں اور مسلمانوں میں صلح کرانا نیکی کا سب سے بڑا کام ہے اور اس سفر میں جو کچھ پیش آیا وہ حضرت عائشہ کے وہم و گمان میں نہیں تھا اس کے باوجود حضرت عائشہ کو اپنے سفر پر انتہائی ندامت رہی روایت ہے کہ آپ ایام جمل کو یاد کر کے اس قدر روتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا۔[1] حافظ عبداللہ بن احمد نے زوائد زہد میں اور ابن منذر، ابن ابی شیبہ اور ابن سعد نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب وقرن فی بیوتکن کی تلاوت کرتیں تو آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا، کیونکہ اس آیت کو پڑھنے سے آپ کو وہ واقعہ یاد آجاتا جب دونوں طرف سے بہت سارے مسلمان شہید ہوگئے تھے، اسی طرح حضرت علی بھی اس حادثہ پر افسوس کرتے تھے کیونکہ جنگ کے بعد جب حضرت علی نے طرفین کی لاشیں دیکھیں تو افسوس سے اپنے زانو پر ہاتھ مارتے تھے اور کہتے کاش میں اس سے پہلے مر جاتا اور بھولا بسرا ہو جاتا![2]

حضرت عائشہ جو اس آیت کو پڑھ کر روتی تھیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بشمول حضرت عائشہ اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا تم میں سے کسی ایک پر حوأب کے کتے بھونکیں گے، حضرت عائشہ نے بصرہ روانگی کے وقت یہ نہیں پوچھا تھا کہ راستہ میں مقام حوأب آئے گا یا نہیں، حتیٰ کہ راستہ میں ایک جگہ پانی کے پاس کتے بھونکنے لگے، آپ نے حضرت طلحہ سے پوچھا اس پانی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا حوأب، آپ کو وہ حدیث یاد آگئی اور آپ نے فرمایا مجھے واپس لے چلو اور آپ نے آگے روانہ ہونے سے انکار کیا اور واپسی کا قصد کیا لیکن آپ کے ہمراہیوں میں سے اکثریت اس سے متفق نہیں ہوئی اور جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا، پس حضرت عائشہ اس لیے افسوس کرتی تھیں کہ انہوں نے روانہ ہونے سے پہلے یہ معلوم کیوں نہ کر لیا کہ راستہ میں مقام حوأب آئے گا یا نہیں۔[3]

عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

---

[1] امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ، طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ

[2] حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۱۵ ص ۲۶۰-۲۵۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ

[3] علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۱، ملخصاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأۃ عورۃ وانہا اذا خرجت استشرفہا الشیطان وانہا اقرب ما تکون الی اللہ وھی فی قعر بیتہا رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون [1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت واجب الستر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے، وہ اپنے رب کی رحمت کے اس وقت زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کی کوٹھڑی میں ہو۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کل عین زانیۃ والمرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ وھذا حدیث حسن صحیح [3]

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ زناکار ہے، اور جب کوئی عورت خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گذرے تو وہ ایسی ایسی ہے یعنی زناکار ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

عن الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا من ریحہا فھی زانیۃ [4]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گذرے تاکہ انہیں اس کی خوشبو آئے وہ زانیہ ہے۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ [5]

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن مسعود قال انما النساء عورۃ وان المرأۃ لتخرج من بیتہا وما بہا من بأس فیستشرفہا الشیطان فیقول انک لا تمرین باحد الا اعجبتہ وان المرأۃ لتلبس

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عورتیں واجب الستر ہیں جو عورت اپنے گھر سے بلا حجاب نکلتی ہے شیطان اس کو تاکتا ہے اور یہ کہتا ہے تو جس شخص کے پاس سے بھی گذرے گی اس کے دل

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۸۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] " " " " " ، جامع ترمذی ص ۴۳۱

[4] امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۴۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ثیابها فیقال این تریدین فتقول اعود مریضا او اشهد جنازة او اصلی فی مسجد وما عبدت امرأة ربها مثل ان تعبد فی بیتها رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله ثقات[1]

کر نکلے گی، اور عورت اپنے کپڑے پہن کر نکلتی ہے اس سے کہا جاتا ہے تم کہاں جا رہی ہو، وہ کہتی ہے میں بیمار کی عیادت کرنے جا رہی ہوں یا جنازہ پڑھنے جا رہی ہوں یا مسجد میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں، اور عورت کے گھر میں نماز پڑھنے کی مانند اس کی کوئی عبادت نہیں ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث کو امام ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اوائل اسلام میں زخمیوں کی تیمارداری اور بیماروں کو پانی پلانے کے لیے عورتیں حجاب کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتی تھیں لیکن بعد میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو غزوات میں جانے سے منع کر دیا

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن ام كبشة انها قالت يا رسول الله ائذن ان اخرج فی جیش کذا وکذا قال لا قالت یا رسول الله انه لیس ارید ان اقاتل انما ارید ان اداوی الجرحی والمرضی او اسقی المرضی قال لولا ان تكون سنة ويقال فلانة خرجت لاذنت لك ولكن اجلسی رواه الطبرانی فی الكبیر والاوسط ورجالهما رجال الصحیح۔[3]

حضرت ام کبشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں انھوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے فلاں فلاں لشکر میں جانے کی اجازت دیتے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ میرا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے میں تو صرف زخمیوں اور بیماروں کو دوا دوں گی یا بیماروں کو پانی پلاؤں گی، آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ آگے چل کر یہ چیز امر شرعی بن جائے گی اور اس سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ فلاں عورت جہاد میں گئی تھی تو میں تم کو اجازت دے دیتا لیکن تم اپنے گھر میں بیٹھو، اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں۔

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۳۸۴ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[3] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۲۳-۳۲۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ

قال اذا استأذنكم نساءكم بالليل الى المسجد فأذنوا لهن۔ [1]

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دو۔

اس حدیث میں رات کو اجازت دینے کا حکم دیا ہے۔ اس سے علی الاطلاق عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے کا ثبوت معلوم نہیں ہوتا۔

امام بزار اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عن زيد بن خالد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تمنعوا اماء الله مساجد الله وليخرجن وهن تفلات۔ [2]

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے منع نہ کرو، اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ بغیر خوشبو لگائے جائیں۔

ہر چند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت خوشبو لگائے بغیر عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی اجازت دی ہے لیکن آپ نے عورتوں کے گھر میں نماز پڑھنے کو ترجیح دی ہے جیسا کہ حسب ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن ام سلمة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال خير مساجد النساء قعر بيوتهن رواه احمد وابو يعلى۔ [3]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کی بہترین مسجد ان کے گھروں کا اندرونی حصہ ہے۔

عن ام حميد قالت قلت يا رسول الله يمنعنا ازواجنا ان نصلي معك ونحب الصلوة معك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاتكن في بيوتكن افضل من صلاتكن في حجركن وصلاتكن في حجركن افضل من صلاتكن في دوركن وصلاتكن في دوركن افضل من صلاتكن في الجماعة رواه الطبراني في الكبير وفيه ابن لهيعة وفيه كلام۔ [4]

ام حمید بیان کرتی ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے شوہر ہم کو آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا گھروں میں نماز پڑھنا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارا بیرونی کمروں میں نماز پڑھنا حویلیوں میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور حویلیوں میں نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار ج ۱ ص ۲۲۲، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۴ھ

[3] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[4] مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴

امام ابن ابی شیبہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [1]

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ المرأۃ فی بیتها افضل فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها۔ [2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا حویلی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن سلیمان ابن ابی حثمة عن امه قالت رایت النساء القواعد یصلین مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیه عبد الکریم بن ابی المخارق وهو ضعیف۔ [3]

سلیمان بن ابی حثمہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا بوڑھی عورتیں مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة قالت لو ادرك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل فقلت لعمرة اومنعن قالت نعم۔ [4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورتوں نے جو طرز و سنگھار اب ایجاد کیا ہے اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے اس طرح روک دیتے جس طرح بنو اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ راوی نے عمرہ سے پوچھا کیا ان کو روک دیا گیا تھا؟ فرمایا: ہاں!

اس حدیث کو امام عبد الرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔ [5]

---

[1] حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۲ ص ۳۸۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۸۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[3] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[4] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[5] امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۳ ص ۱۵۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

عورتوں کا مردوں کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے جانا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتیں نماز پڑھتی تھیں درآں حالیکہ وہ چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں اور اندھیرے میں ان کو پہچانا نہیں جاتا تھا، اور امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مسجد میں جانے سے منع کرو اور وہ بغیر خوشبو لگائے نماز کے لیے جائیں، نیز امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مسجد میں جانے سے منع کرو اور ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور امام ابوداؤد نے روایت کیا کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا حویلی میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھڑی میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔[1]

امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، علامہ ابن قدامہ نے ایک قول ذکر کیا ہے، دوسرے قول کے متعلق علامہ مرداوی حنبلی لکھتے ہیں:

دوسری روایت یہ ہے کہ عورتوں کا مسجد میں فرض پڑھنا مکروہ ہے، اور نفل جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ان کا مسجد میں نماز پڑھنا مطلقاً غیر مستحب ہے اور ایک روایت ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اکیلی نماز پڑھیں۔

رہا عورتوں کا مردوں کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھنا تو مشہور مذہب یہ ہے کہ جوان عورتوں کے لیے مکروہ ہے، اسی طرح (ورع) میں ہے، یہی قاضی اور ابن تمیم کا مختار ہے، مذہب اور مسبوک الذہب میں بھی اسی پر جزم ہے، رعایۃ کبریٰ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے، جلیۃ، حلاصۃ، رعایۃ صغریٰ، حاوئین وغیرہا سب کتابوں میں یہی لکھا ہے اور بوڑھی عورتوں کے لیے مردوں کے ساتھ جانا جائز ہے، اکثر میں بھی یہی لکھا ہے۔[2]

نیز علامہ مرداوی لکھتے ہیں:

علامہ ابن قدامہ نے ظاہر احادیث کے مطابق یہ کہا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دینا مکروہ ہے اور علامہ مجد نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ مرد کو جب فتنہ یا ضرر کا خدشہ ہو تو عورت کو مسجد میں جانے سے منع کر دے، اور مجمع البحرین میں ہے کہ جب فتنہ یا ضرر کا خوف ہو تو عورت کو منع کرنا جائز ہے بلکہ واجب ہے۔ علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ اگر فتنہ کا خوف ہو تو عورت کو نکلنے سے منع کیا جائے گا، قاضی نے کہا ہے کہ جب فتنہ کا خوف ہو تو عورت کو نکلنے سے منع کیا جائے گا، ابن تمیم اور ابن حمدان نے رعایۃ کبریٰ اور حاوی کبیر میں یہ لکھا ہے کہ جب فتنہ اور ضرر کا خدشہ نہ ہو تو پھر عورت کو منع کرنا مکروہ ہے، نصیحۃ میں لکھا ہے کہ عید کے دن عورت کو نکلنے سے سختی سے منع کیا جائے گا اور یہ کہا ہے کہ اس وقت میں ان کو روکنا خود ان کے لیے فائدہ کی وجہ سے ہے اور جہاں ہم نے یہ کہا ہے کہ ان کو مسجد میں جانے سے روکنا مکروہ ہے (جب ضرر اور فتنہ کا خوف نہ ہو) اس وقت

---

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ المغنی مع الشرح الکبیر ج ۲ ص ۲۰۲-۲۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ الانصاف ج ۲ ص ۲۱۲-۲۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۷ھ

بھی ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔[1]

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ احمد دردیر مالکی لکھتے ہیں:

ایسی بوڑھی عورت جس میں مردوں کو رغبت نہ ہو یا شہرت نہ رکھتی ہو اس کا عید، نماز استسقاء اور فرائض پڑھنے کے لیے جانا جائز ہے، اور اگر جوان عورت خوشبو نہ لگائے اور زینت کا اہتمام نہ کرے اور سادے اور دبیز کپڑے پہنے اور اس کے جانے میں کسی فتنہ کا خوف نہ ہو اور راستہ میں مردوں کی بھیڑ نہ ہو اور نہ ہی کسی قسم کے فساد کا خطرہ ہو تو اس کا بھی فرائض کی جماعت اور اپنے اہل اور قرابت داروں کے نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جانا جائز ہے اور اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو پھر اس کا گھر سے نکلنا حرام ہے۔ اگر عورت اپنے خاوند سے مسجد میں جانے کا مطالبہ کرے تو اس کے خاوند کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ عورت بوڑھی ہو اگرچہ اس کے خاوند کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس کو مسجد میں جانے سے منع نہ کرے اور اگر فتنہ کا خدشہ ہو تو عورت کے نکلنے کی ممانعت کا فیصلہ کیا جائے گا۔[2]

علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں:

علامہ دردیر مالکی نے جوان عورت کے نکلنے کی جو شرائط ذکر کی ہیں یہ اس جوان عورت کے متعلق ہیں جو خوبصورت نہ ہو اور جو عورت خوبصورت ہو وہ بالکل نہ نکلے۔ اور جوان عورت کے لیے جو فرائض میں جانے کا لکھا ہے اس سے مراد جمعہ کے علاوہ باقی فرائض ہیں، جمعہ، عید اور نماز استسقاء کے لیے جوان عورت بالکل نہ نکلے، کیونکہ ان میں لوگوں کا اژدحام زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح وعظ کی محفلوں میں بھی جوان عورتوں کا جانا شدید مکروہ ہے خواہ ان کے لیے بیٹھنے کا الگ انتظام ہو۔[3]

نیز علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں:

بوڑھی عورت کا جانا مطلقاً جائز ہے یہ بھی خلاف اولیٰ ہے، علامہ ابن رشد مالکی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ میرے نزدیک عورتوں کی چار قسمیں ہیں (اولیٰ) ایسی بوڑھی عورتیں جن کی مردوں کو بالکل ضرورت نہیں ہوتی یہ عورتیں بالکل مردوں کی طرح ہیں یہ مسجد میں فرائض پڑھنے کے لیے اور ذکر اور وعظ کی محفلوں میں جا سکتی ہیں اور میدان میں عیدین، نماز استسقاء اور اپنے اہل اور اقارب کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جا سکتی ہیں، اسی طرح اپنی دیگر ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی جا سکتی ہیں، (ثانی) ایسی بوڑھی عورتیں جن کی مردوں کو حاجت ہو سکتی ہے، یہ مسجد میں فرائض پڑھنے جا سکتی ہیں اور ذکر اور علم کی مجالس میں بھی جا سکتی ہیں لیکن اپنی دیگر حاجات میں زیادہ باہر نہ نکلیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، (ثالث) جوان عورت جو خوبصورت نہ ہو یہ مسجد میں فرائض کی جماعت اور اپنے اہل اور اقارب کی نماز جنازہ میں جا سکتی ہے، لیکن نماز عید، نماز استسقاء اور علم اور ذکر کی مجالس میں نہ جائے۔

---

[1] علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ، الانصاف ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۷۶ھ
[2] علامہ ابو البرکات سید احمد دردیر مالکی ۱۲۰۱ھ، الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۳۶-۳۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت
[3] " " " " الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۳۶

(رابع) ایسی جوان عورت جو خوبصورت ہو وہ گھر سے بالکل باہر نہ نکلے۔ [1]

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

عورتوں کو مساجد میں جانے سے روکنے کی احادیث میں ممانعت کی گئی ہے، لیکن عورتوں کے مسجد میں جانے کا جواز چند شرائط سے مشروط ہے اور یہ شرائط بھی احادیث سے ماخوذ ہیں، عورت نے خوشبو نہ لگائی ہو، بناؤ سنگھار نہ کیا ہو، پازیب نہ پہنی ہو جس کی آواز سنائی دے، شوخ لباس نہ پہنا ہو، مردوں کے ساتھ مخلوط نہ ہو، جوان یا خوبصورت عورت نہ ہو جس سے فتنہ کا خدشہ ہو اور راستے میں کسی خرابی اور فساد کا خوف نہ ہو۔ حدیث میں جو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کے لیے منع کیا ہے، یہ ممانعت تنزیہی ہے اور اس وقت مکروہ ہے جب عورت کا شوہر ہو اور یہ تمام شرائط پائی جائیں اور اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو پھر عورت کا مسجد میں جانا حرام ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکنے کی ممانعت کا حکم تمام عورتوں کو شامل ہے لیکن فقہاء نے اس حکم کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے، ایک شرط یہ ہے کہ وہ خوشبو نہ لگائے کیونکہ سنن ابوداؤد کی روایات میں ہے کہ وہ بغیر خوشبو کے جائے اور اچھے کپڑے اور زیورات کا نہ پہننا بھی اسی سے ماخوذ ہے اسی طرح مردوں کے ساتھ مخلوط ہونا بھی اسی سے ماخوذ ہے، بعض مالکی اور دوسرے فقہاء نے جوان اور بوڑھی عورت کا بھی فرق کیا ہے، لیکن اگر جوان عورت بھی ان چیزوں سے اجتناب کرے اور خصوصاً رات کو باپردہ ہو کر جائے تو فتنہ سے محفوظ رہے گی۔ بکثرت احادیث میں عورت کے حق میں گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس صورت میں فتنہ سے محفوظ رہتی ہے، اس کی تاکید اس سے ہوتی ہے کہ عورتوں نے بناؤ سنگھار کے بہت شوخ و شنگ طریقے اختیار کر لیے ہیں، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورتوں نے جو اب بناؤ سنگھار ایجاد کر لیا ہے اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مساجد میں جانے سے روک دیتے، بعض علماء نے اس حدیث کی وجہ سے عورتوں کے مساجد میں جانے کو مطلقاً منع کیا ہے، لیکن یہ رائے محل بحث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو بہرحال علم تھا کہ آپ کے وصال کے بعد عورتوں نے کیا کرنا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرما دیتا کہ آپ عورتوں کو مسجد میں جانے سے مطلقاً منع کر دیں، اس لیے صرف ان عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع کرنا چاہیے جو بناؤ سنگھار کا اہتمام کرتی ہوں، اور اولیٰ یہ ہے کہ اس پر غور کیا جائے کہ آیا عورتوں کے مسجدوں میں جانے سے کوئی فساد اور خرابی لازم آتی ہے یا نہیں اگر کوئی فساد اور خرابی لازم آتی ہے تو ان کو منع کیا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ بغیر خوشبو کے جائیں اور ان کی اجازت کو رات کے وقت کے ساتھ مقید کیا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر ان کے مسجد

1۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی مالکی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۱ ص ۳۳۶۔ ۳۳۵، دارالفکر بیروت

2۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

میں جانے میں کوئی خرابی ہو تو پھر ان کو اجازت نہ دی جائے۔ [1]

مصنف یہ کہتا ہے کہ اصول شریعت میں یہ بات مسلّم ہے کہ جب کسی معاملہ میں دو خرابیاں لازم ہوں تو کم تر خرابی کو اختیار کر لینا چاہیے اور بڑی خرابی سے احتراز کرنا چاہیے، اب اگر عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع کیا جائے تو صرف ان کی مسجد کی نماز کی فضیلت فوت ہوگی اور اگر عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی عام اجازت دی جائے تو عورتوں کی عزت و ناموس کو خطرہ ہوگا بلکہ مسجد میں فتنہ و فساد اور مسجد کے تقدس کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہوگا، ایک طرف ایک فضیلت کا حاصل ہونا ہے اور دوسری طرف ایک فتنہ اور حرام کے ارتکاب کا اندیشہ ہے، اس لیے اصول شریعت کے مطابق فتنہ اور حرام سے بچنا چاہیے اور ایک فضیلت کے حصول کو ترک کر دینا چاہیے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ اس فضیلت کو ترک کرنا اس سے بڑی فضیلت کے حصول کو مستلزم ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر چند کہ عورت کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اس کا گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے زیادہ افضل ہے جیسا کہ ہم بکثرت احادیث کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔

علامہ شربینی شافعی لکھتے ہیں:

جوان یا خوبصورت عورتوں کا مردوں کے ساتھ مسجد میں جانا مکروہ ہے اور شوہر اور ولی کا ان کو مسجد میں جانے کی اجازت دینا بھی مکروہ ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عورتوں نے جو اب بناؤ سنگھار ایجاد کر لیا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا، نیز جوان یا خوبصورت عورتوں کے جانے میں فتنہ ہے۔ ہاں جو عورتیں جوان یا خوبصورت نہ ہوں ان کا جانا مکروہ نہیں ہے اور ان کو مسجد میں جانے کی اجازت دینا مستحب ہے۔ [2]

فقہاء حنبلیہ، فقہاء مالکیہ اور فقہاء شافعیہ سب نے جوان یا خوب صورت عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے مطلقاً منع کیا ہے اور ان کے شوہر اور ولی کو بھی جانے کی اجازت دینے سے منع کیا ہے اور ایسی بوڑھی عورتیں جن کی مردوں کو ضرورت نہیں ہوتی نہ ان پر شہوت ہوتی ہے ان کو جانے کی اجازت دی ہے۔ اور جب جوان یا خوبصورت عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی اجازت نہیں ہے تو بلا ضرورت گھر سے نکلنے کی اجازت بطریق اولیٰ نہیں ہے۔

مساجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے عورتوں کو عیدین میں گھر سے نکلنے کی اجازت دی جاتی تھی لیکن اب صرف بوڑھی عورت کو نکلنے کی اجازت دی جائے گی۔ [3]

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۰، ۳۴۹، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
[2] علامہ محمد شربینی شافعی الخطیب من قرن العاشر، مغنی المحتاج ج ۱ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت [مطبوعہ ۱۲۹۰ھ]
[3] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الحجۃ ج ۱ ص ۳۰۶، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور

نیز امام محمد بن حسن شیبانی لکھتے ہیں:

قلت ارءیت النساء هل علیهن خروج فی العیدین؟ قال قد کان یرخص لهن فی ذلك فاما الیوم فانی اکره لهن ذلك، قلت: افتکره لهن ان یشهدن الجمعة والصلوٰة المکتوبة فی جماعة؟ قال نعم قلت فهل ترخص لشیء منهن قال: ارخص للعجوز الکبیرة ان تشهد العشاء والفجر والعیدین فاما غیر ذلك فلا۔[1]

میں نے (امام اعظم سے) پوچھا کیا آپ عورتوں کو عیدین میں گھر سے نکلنے کی اجازت دیتے ہیں، فرمایا پہلے ان کو یہ اجازت دی جاتی تھی لیکن اب میں اس کو مکروہ قرار دیتا ہوں، میں نے پوچھا کیا آپ عورتوں کے جمعہ اور فرض باجماعت کو بھی مکروہ کہتے ہیں فرمایا ہاں! میں نے پوچھا کیا آپ کسی عورت کو اجازت دیتے ہیں؟ فرمایا جو بہت بوڑھی عورت ہو وہ عشاء، فجر اور عیدین کی نمازوں میں جا سکتی ہے اور اس کے سوا کسی نماز میں نہیں جا سکتی۔

شمس الائمہ علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

عیدین کے لیے جانا عورتوں پر لازم نہیں ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ پہلے عورتوں کو عیدین کے لیے رخصت دی جاتی تھی لیکن میں اب جوان عورتوں کے لیے اس کو مکروہ کہتا ہوں، کیونکہ ان کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور باہر نکلنے سے روکا گیا ہے، کیونکہ اس میں فتنہ ہے، البتہ بوڑھی عورتوں کو عیدین اور مغرب عشاء اور فجر کی باجماعت نماز پڑھنے کے لیے گھر سے جانے کی اجازت ہے اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق بوڑھی عورتوں کو بھی ظہر، عصر اور جمعہ کے لیے جانے کی اجازت نہیں ہے۔

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے بوڑھی عورتوں کو تمام نمازوں، اور نماز استسقاء اور نماز کسوف کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ بوڑھی عورتوں کے نکلنے میں کوئی فتنہ نہیں ہے کیونکہ بوڑھی عورتوں کی طرف مرد کم رغبت کرتے ہیں، اور بوڑھی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتی تھیں، بیماروں کا علاج کرتی تھیں، ان کو پانی پلاتی تھیں اور ان کو کھانا پکا کر دیتی تھیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بوڑھی عورتوں کو رات کی نمازوں میں گھر سے نکلنے کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ وہ پردے میں چھپی ہوئی جائیں اور رات کا اندھیرا ان کے اور مردوں کی نگاہوں کے درمیان حائل ہو اور دن کی نمازوں میں اور جمعہ میں چونکہ شہر میں بھیڑ ہوتی ہے اس کو دھکے لگیں گے اور بسا اوقات وہ گر پڑے گی اور اس میں فتنہ ہے کیونکہ بوڑھی عورت میں ہرچند کہ جوان مرد رغبت نہیں کرتے لیکن بوڑھے مرد اس میں رغبت کرتے ہیں اور کبھی جوان مرد بھی شدت شہوت کے غلبہ سے اس کے ساتھ چھیڑ خوانی کر سکتے ہیں اور اس کو دھکا دے سکتے ہیں اور عید کی نماز چونکہ کھلے میدانوں میں پڑھی جاتی ہے اس لیے بوڑھی عورتیں مردوں سے الگ کسی راستہ سے جانے پر قادر ہوں گی تاکہ ان کو دھکے نہ لگیں، باقی اس میں امام اعظم سے دو روایتیں ہیں کہ وہ عیدگاہ جا کر نماز

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، المبسوط ج ۱ ص ۳۰۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی

پڑھیں یا صرف مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ کے لیے عیدگاہ جائیں جیسا کہ عہد رسالت میں حائضہ عورتیں عیدگاہ جایا کرتی تھیں۔[1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ عورتوں کا جماعات میں جانا مکروہ ہے اور شارحین ہدایہ نے لکھا ہے کہ اس سے جوان عورتیں مراد ہیں اور جماعات سے جمعہ، عید، کسوف اور استسقاء کی نماز با جماعت مراد ہے، امام شافعی سے ایک روایت یہ ہے کہ ان کا نماز با جماعت کے لیے گھروں سے نکلنا جائز ہے اور ہمارے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ حرام کا سبب ہے اور جو چیز حرام کا سبب ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے خاص طور پر اس زمانہ میں جب کہ فتنہ اور فساد عام ہوگیا ہے تو عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی کراہت زیادہ واضح ہے، البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشاء پڑھنے کے لیے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک بوڑھی عورتیں تمام نمازوں کے لیے جا سکتی ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن عورتوں کو پتھر مارتے اور ان کو مسجد سے نکال دیتے تھے[2]، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک عورت نے مسجد میں جمعہ پڑھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا تمہارا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے[3]، ابراہیم نخعی عورتوں کو جمعہ اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے، حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ ایک ضعیفہ بصرہ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھ سکتی ہے تو حسن بصری نے کہا اگر حضرت عمر ہوتے تو اس کا سر پھوڑ دیتے۔[4]

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عورتوں نے جو بناؤ سنگھار اب ایجاد کیا ہے اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے اس طرح منع کر دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیا گیا تھا۔[5]

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان بدعات اور منکرات (برائیوں) کو دیکھ لیتیں جن کو اس زمانے میں عورتوں نے ایجاد کیا ہے تو وہ عورتوں کے گھر سے نکلنے پر اس سے بھی زیادہ شدت سے انکار کرتیں کیونکہ آج کل کی عورتوں نے بناؤ سنگھار میں جن خرافات کو ایجاد کیا ہے وہ بیان سے باہر ہیں، وہ انواع و اقسام کے ریشمی کپڑے پہنتی ہیں اور مختلف انداز سے اپنی آرائش کرتی ہیں، نیز وہ چوٹیاں لگا کر ناز و نخرے کے ساتھ بن ٹھن کر مردوں کے اژدحام میں بازاروں میں چلتی ہیں اور اکثر اوقات ان کا چہرہ کھلا ہوا ہوتا ہے، بعض عورتیں مختلف سواریوں پر سوار ہو کر چلتی ہیں اور بعض عورتیں بلند

---

1. شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲ ص ۱۵۶-۱۵۷، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۸ھ
2. امام ابن ابی شیبہ نے اس اثر کی حضرت ابن مسعود کی طرف نسبت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۴)
3. امام ابن ابی شیبہ نے اس اثر کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۸۴)
4. علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۵۵-۱۵۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
5. امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

آواز سے گانا گاتی ہیں، بعض عورتیں فحش کا سودا کرتی ہیں، بعض عورتیں مردوں کے ساتھ مل جل کر رہتی ہیں، بعض عورتیں دکانوں پر بیٹھ کر سودا بیچتی ہیں، بعض عورتیں عورتوں کی دلالی کرتی ہیں، بعض عورتیں اجرت پر نوحہ کرتی ہیں، بعض عورتیں اجرت پر گانا بجاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو تھوڑا سا عرصہ گزرا تھا تو عورتوں نے اتنی آزادی اور بے راہ روی اختیار کر لی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے تو اب تو آپ کے وصال کو آٹھ سو سال گزر چکے ہیں اور اس طویل عرصہ میں عورتیں اپنی بے راہ روی اور بے حیائی میں کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہیں۔[1]

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ روش کو دیکھ لیتے تو ان کو مسجدوں میں جانے سے منع کر دیتے حالانکہ ان کو منع کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ پر موقوف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن و شریعت سے معلوم تھا جس کا تقاضا یہ ہے کہ فتنہ اور فساد کے مادہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ نے خوشبو لگا کر مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا کہ اگر عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو منع نہ کرو، جس کا مفہوم یہ ہے دن میں ان کو نکلنے سے منع کیا جائے گا اور رات کو چونکہ اندھیرا ہوتا ہے اس لیے ان کے نکلنے میں دیکھے جانے کا احتمال نہیں ہے۔ لہٰذا (خیال رہے کہ اب تو شہروں میں راتیں بھی دن بنی ہوئی ہیں۔ سعیدی)

عورتوں کے گھر سے نکلنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

علامہ عینی حنفی ۸۵۵ھ نے عورتوں کی بے راہ روی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ان کے زمانہ کا حال ہے اب تو حال یہ ہے کہ عورتیں باریک، تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں، ان سے بازو اور آدھا سینہ برہنہ ہوتا ہے، بعض عورتیں ساڑھی باندھتی ہیں جس سے پیٹ اور کمر کھلی ہوئی ہوتی ہے اور نیم عریاں بلاؤز پہنتی ہیں، سر کے بال کٹاتی ہیں اور بیوٹی پارلر میں جا کر میک اپ کراتی ہیں، سرخی پاؤڈر سے مزین ہو کر اور تیز خوشبو لگا کر گھر سے نکلتی ہیں، اسکولوں، کالجوں اور دفتروں میں مخلوط تعلیم اور مخلوط کاروبار کا نظام ہے اور اس اختلاط کے سائے میں رومان پرورش پاتے ہیں اور ہسپتالوں میں اسقاط حمل کے کیسز کی بھرمار رہتی ہے اب عورتیں ریڈیو پر اپنی آواز کا جادو جگاتی ہیں اور فلم اور ٹی۔ وی کے ذریعہ اپنے حسن کی نمائش کرتی ہیں جس کی وجہ سے بچوں اور نوجوان نسلوں کے ذہنوں پر برے اثرات پڑتے ہیں اور آئے دن اخبارات میں اغواء، عصمت دری اور دیگر فواحش کی خبریں چھپتی رہتی ہیں، ان تمام مصائب اور مسائل کا حل صرف یہ ہے کہ عورتوں کو پردے اور حجاب میں مستور رکھا جائے۔

عورتوں کے مساجد میں جانے کے متعلق ہم نے فقہاء اربعہ کی آراء تفصیل سے پیش کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد جوان یا خوبصورت عورت کو مسجد میں جانے سے مطلقاً منع کرتے ہیں اور بوڑھی عورتوں کو تمام اوقات میں مسجد میں جانے کی اجازت دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ بوڑھی عورتوں کو بھی صرف رات کے اندھیرے میں مسجد میں جانے کی اجازت دیتے ہیں (خیال رہے کہ اب شہروں میں راتوں کو ...

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۵۹۔۱۵۸، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

نہیں ہوتا اور اب راتیں بھی دن کی طرح چکا چوند ہوتی ہیں) اور دن کے اجالے میں بوڑھی عورتوں کو بھی مسجد میں جانے سے منع کرتے ہیں، اور جب عورتوں کا مسجد میں جانا ممنوع قرار پایا تو اسکولوں، کالجوں، دفتروں، کارخانوں، اسمبلیوں، اجنبی مردوں کی دعوتوں اور محفلوں اور عمومی تقریبات میں ان کا جانا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

فقہاء نے عورتوں کے گھر سے نکلنے کی ممانعت پر عورتوں کی بے راہ روی اور فتنہ اور فساد کے خوف سے استدلال کیا ہے اور اس استدلال کی صحت اور قوت میں کوئی شک نہیں ہے لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وقرن فی بیوتکن (احزاب: ٣٣) "اپنے گھروں میں ٹھیری رہو" اس آیت سے استدلال بہت واضح ہے، یہ آیت عورتوں کے گھروں سے نکلنے کی ممانعت میں نص صریح ہے اور بغیر کسی ضرورت کے عورتوں کا گھروں سے نکلنا جائز نہیں ہے اور نماز کے لیے مسجد میں جانا عورتوں کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ عورتوں پر جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ ان کا گھروں میں نماز پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے، اور جن احادیث میں عورتوں کو رات کے وقت میں جانے کے لیے روکنے سے منع فرمایا ہے وہ سب اخبار احاد ہیں اور قرآن مجید کی اس نص قطعی سے مزاحم اور متصادم ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ ثانیاً ان احادیث میں سورہ احزاب کی ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے کا حکم ہے اور سورہ احزاب کی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ حکم منسوخ ہو گیا، ثالثاً احادیث میں جن عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے کا حکم ہے وہ بوڑھی عورتوں پر محمول ہے اور بوڑھی عورت کے حجاب کے معاملہ میں قرآن مجید میں تخفیف کی گئی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ "وقرن فی بیوتکن" کا حکم ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولی کے ساتھ مقید ہے یعنی عورتوں کو گھروں سے نکلنے سے مطلقاً منع نہیں کیا بلکہ اس چیز سے منع کیا ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کا بناؤ سنگھار کر کے اور اپنے محاسن کو ظاہر کرتے ہوئے گھروں سے نکلیں اور حجاب اور نقاب کے ساتھ ان کو نکلنے کی بالعموم اجازت ہے، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو الگ الگ حکم دیئے ہیں اور کوئی حکم دوسرے حکم کے ساتھ مقید نہیں ہے، ایک حکم یہ ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں اور بغیر ضرورت کے گھروں سے نہ نکلیں، اور دوسرا حکم یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے محاسن اور زیب و زینت کو ظاہر نہ کریں کہ تیز خوشبو لگا کے کھلے گریبان اور کھلے سینے کے ساتھ رہیں خواہ وہ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر۔

ہر چند کہ حضرت عائشہ کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی لیکن اصول یہ ہے کہ قرآن مجید کا حکم احادیث اور آثار پر مقدم ہے اور جب قرآن مجید نے مطلقاً عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا ہے تو قرآن مجید کے حکم پر عمل کیا جائے گا اور جو احادیث اور آثار صریح قرآن کے خلاف ہوں ان کو ترک کر دیا جائے گا، البتہ ضروریات مستثنیٰ ہیں، ضروریات کی بناء پر عورتیں گھر سے باہر حجاب میں مستور ہو کر جا سکتی ہیں، حج اور عمرہ کے لیے، علاج کے لیے، عدالت میں استغاثہ کے لیے، گواہی دینے کے لیے، والدین اور دیگر محارم کی زیارت، عیادت اور تعزیت کے لیے، محرم رشتہ داروں کی شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں شرکت کے لیے جوان یا عمر رسیدہ عورت شوہر یا ولی کی اجازت سے حجاب اور نقاب میں مستور ہو کر گھر سے باہر جا سکتی ہے، اور مسافت قصر سے کم سفر ہو (یعنی اکسٹھ میل یا ٩٨٫٣٢ کلومیٹر سے کم ہو) تو عورت بغیر زوج اور محرم کے

میں سفر کر سکتی ہے اور اگر سفر مسافت قصر سے زیادہ ہو تو بغیر زوج اور محرم کے سفر نہیں کر سکتی، اسی طرح عورت کا زوج یا ولی کی اجازت کے بغیر کہیں جانا جائز نہیں ہے، عورت کا اجنبی مردوں کو دیکھنا اور ان سے بلاضرورت شرعی بات کرنا اسلام میں جائز نہیں ہے، اس لیے اجنبی مردوں کی تقریبات اور ان کی محافل میں جانا جائز نہیں ہے خواہ خاوند یا ولی کہے پھر بھی جائز نہیں، البتہ رشتہ داروں یا اجنبی عورتوں کے ہاں شادی بیاہ یا دیگر تقریبات میں یا کسی غرض صحیح سے مثلاً عیادت یا تعزیت یا کسی اور کام سے شوہر یا ولی کی اجازت سے جانا جائز ہے اور ضرورت شرعیہ یا فوری ہو تو بغیر کسی کے ان جانا جائز نہیں ہے۔ اگر عورت کے معاش کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور کوئی شخص اس کا کفیل بھی نہ ہو تو وہ حجاب میں مستور ہو کر کوئی ایسا کام کر سکتی ہے جو اس کی عزت، عفت اور اسلام کی ہدایات کے خلاف نہ ہو اور اسی مقصد کے لیے بھی اس کا حجاب میں مستور رہ کر گھر سے نکلنا جائز ہے۔ یہ تمام قیود اور شرائط جوان اور خوبصورت عورتوں کے لیے ہیں اور جو بوڑھی عورتیں ہیں تو قرآن مجید نے ان کے احکام میں حجاب کے معاملہ میں تخفیف کی ہے سو ان کے گھر سے نکلنے کے معاملہ میں بھی تخفیف ہے اور اس قدر سخت احکام نہیں ہیں چنانچہ فقہاء اسلام نے ان کو ان سخت احکام سے مستثنیٰ کیا ہے جیسا کہ ہم اس سے پہلے وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

قرآن، حدیث اور فقہاء اسلام کے ارشادات کے مطابق اسلام کے عمومی احکام سے عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال

عورت کے حسب ذیل احکام ہیں:

(ا) عورت کا اذان دینا اور اقامت پڑھنا جائز نہیں ہے۔
(ب) عورت کا امام کو سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دینا جائز نہیں ہے۔
(ج) عورت کا حج میں بلند آواز سے تلبیہ کہنا جائز نہیں ہے۔
(د) عورت کا نماز کی امامت کرنا جائز نہیں ہے۔
(ہ) عورت کا اجنبی مردوں سے بلاضرورت بات کرنا اور ان کے سامنے چہرہ ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔
(و) عورت کا بلاضرورت گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔
(ز) بغیر شوہر یا محرم کے عورت کا مسافت قصر سے زائد سفر کرنا جائز نہیں ہے۔
(ح) عورت کا بغیر شوہر یا محرم کے حج کرنا جائز نہیں ہے۔
(ط) جوان اور خوبصورت عورت کا مطلقاً مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا اور بوڑھی عورت کا دن میں مسجد میں جانا جائز نہیں ہے۔
(ی) اجنبی مردوں کی محفلوں اور دعوتوں میں عورتوں کا جانا جائز نہیں ہے خواہ ان کو شوہر یا ولی اس کا حکم دیں۔
(ک) عورت کا اجنبی مردوں کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔
(ل) عورت کا اجنبی مردوں کے سامنے خطاب کرنا اور تقریر کرنا جائز نہیں ہے۔
(م) جوان اور خوبصورت عورت کا اجنبی مردوں کو سلام کرنا جائز نہیں ہے۔
(ن) عورت کا اجنبی مردوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔

جب عورت اسمبلی کی ممبر، وزیر یا مشیر، سربراہ مملکت و حکومت ہو تو وہ بعض اوقات شوہر یا محرم کے بغیر مسافت قصر سے زائد سفر کرتی ہے، اجنبی مردوں سے بات چیت کرتی ہے، بسا اوقات مصافحہ کرتی ہے بے پردہ لوگوں سے ملاقات کرتی ہے، اسمبلی میں تقریر اور خطاب کرتی ہے، اجنبی لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور وہ ان کو دیکھتی ہے، اجنبی مردوں کی مجلسوں اور دعوتوں میں شریک ہوتی ہے، ان سے سلام اور کلام کرتی ہے، بلا ضرورت شرعیہ گھر سے باہر نکلتی ہے اور یہ تمام امور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی نصوص صریحہ کے خلاف ہیں، اس لیے عورت کا اسمبلی کا ممبر بننا، وزارت ـــــ، سفارت و شاورت یا ریاست یا انتظامیہ کی سربراہی کرنا ان عمومی احکام کی مخالفت کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور بالخصوص منصب امامت کے عدم جواز پر متعدد احادیث صحیحہ شاہد ہیں جن کو ہم پیش کر رہے ہیں۔

قرآن مجید سے عورت کی سربراہی کا عدم جواز

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض۔ (النساء: ۳۴)

مرد عورتوں پر قوام (نگران حاکم) ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق پر فضیلت دی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اس آیت میں قوام کا معنی ہے کسی چیز کی رعایت اور حفاظت کرنا۔ [1]

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

یہاں قوام کا معنی کفالت کرنا اور خرچ اٹھانا ہے۔ [2]

علامہ زبیدی نے بھی قوام کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ [3]

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کی تادیب اور ان کے معاملات کی تدبیر کرنا مردوں کا حق ہے اور ان کا یہ حق ہے کہ وہ عورتوں کو گھروں میں پابند رکھیں اور ان کو باہر نکلنے سے منع کریں، اور جب تک مرد کسی گناہ کا حکم نہ دیں عورت پر اس کے احکام کی اطاعت لازم ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ مرد عورت کا خرچ اٹھاتا ہے اور اس کی نگہداشت کرتا ہے، اور عقل اور قوت میں مرد کو عورت پر فضیلت ہے، وراثت میں اس کا حصہ زیادہ ہے اور نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور جہاد کے احکام کو اسی وجہ سے مرد کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ [4]

---

[1] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۴۱۶، مطبوعہ مکتبہ مرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

[2] علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۱۲ ص ۵۰۳، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[3] علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۹ ص ۳۵، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ، مصر ۱۳۰۶ھ

[4] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۶۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مرد عورت پر مسلط کیا گیا ہے اور عقل میں فراوانی، میراث میں حصہ کی زیادتی، غنیمت، جمعہ، جماعت، خلافت، حکومت اور جہاد کو مردوں کے ساتھ مخصوص کر کے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ [1]

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کے غلبہ اور حاکمیت کی دو وجہیں بیان کی ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک فریق کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر طبعاً اور شرعاً متعدد وجوہ سے فضیلت عطا کی ہے، طبعاً فضیلت اس طرح دی ہے کہ عقل، دانش اور قوت طاقت کے اعتبار سے چند مستثنیات کے سوا مرد عورتوں سے افضل ہوتے ہیں، اسی وجہ سے علم اور حکمت اور شجاعت اور بہادری کے کارناموں کا ظہور مردوں سے ہوتا ہے اور شرعاً فضیلت یہ ہے کہ انبیاء اور رسل مردوں سے مبعوث ہوتے ہیں اور حکومت، خلافت، نماز کی امامت، جہاد کی امارت، اذان، خطبہ، اعتکاف اور حدود و قصاص میں شہادت یہ تمام احکام بالاتفاق مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور وراثت اور دیت میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے، طلاق دینے، رجوع کرنے اور متعدد عورتوں سے نکاح کرنے کا حق بھی مردوں کو دیا ہے، ان تمام وجوہ سے مردوں کی عورتوں پر برتری اور فضیلت واضح ہے۔ اور عورتوں پر مردوں کی حاکمیت کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ وبما انفقوا من اموالھم اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں" کیونکہ مرد عورت کو مہر دیتا ہے اور اس کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ [2]

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

الرجال قوامون کا معنی یہ ہے کہ جس طرح حاکم رعایا پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ نبوت، رسالت، حکومت، امامت، اذان، اقامت، خطبات اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ [3]

مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے اور ہر چند کہ یہ آیت براہ راست خانگی امور سے متعلق ہے لیکن اول تو اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس آیت کو خانگی امور کے ساتھ خاص کرتا ہو، ثانیاً جب اللہ تعالیٰ نے ایک گھر کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی تو پورے ملک کی ذمہ داری اس پر کیسے ڈالی جا سکتی ہے؟ اس لیے اولاً تو اپنے عموم کی بناء پر یہ آیت عبارۃ النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا حاکم یا سربراہ نہیں بنایا جا سکتا اور ثانیاً دلالۃ النص سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو ملک کا بلکہ کسی شعبہ کا بھی سربراہ نہیں بنایا جا سکتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام یعنی نگران اور کفیل بنایا ہے اور یہ ایک بدیہی بات

---

[1] علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۲ ص ۷۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

[2] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[3] علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۵ ص ۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ہے کہ ملک کا سربراہ اور حاکم ملک کے مردوں اور عورتوں سمیت تمام عوام کا قوام یعنی نگران اور کفیل ہوتا ہے پس اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو وہ عورت ملک کے تمام مردوں کی نگران اور کفیل ہوگی اور یہ چیز صراحۃً قرآن مجید کے خلاف ہے، اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں سے افضل قرار دیا ہے اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ حاکم محکوم سے منصب حکومت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے سو اگر عورت کو ملک کا سربراہ اور حاکم بنا دیا جائے تو اسے اپنے شوہر سمیت سب مردوں پر افضلیت حاصل ہوگی۔ اور یہ امر قرآن مجید کے خلاف ہے، لہٰذا اگر عورت کو ملک کا سربراہ بنایا جائے خواہ ریاست کا سربراہ ہو یا انتظامیہ کا تو ان دونوں وجہوں سے قرآن مجید کی مخالفت لازم آئے گی!

احادیث سے عورت کی سربراہی (بشمول اپنے شوہر کے) کا عدم جواز

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی بکرۃ قال لقد نفعنی اللہ بکلمۃ سمعتہا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معہم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اھل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسرٰی قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ۔[1]

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایام جمل میں قریب تھا کہ میں اصحاب جمل (حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے رفقاء) کے لشکر کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتا، اس موقع پر مجھے اس حدیث نے فائدہ پہنچایا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم بنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح (اخروی) نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات میں عورت کو حاکم بنایا۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے[2] نیز اس حدیث کو امام ترمذی[3]، امام حاکم[4]، امام بیہقی[5]، امام طبرانی[6] اور امام ابن ابی شیبہ[7] نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۲، ۶۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ ھ
[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۵۱، ۴۷، ۴۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ ھ
[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ، جامع ترمذی ص ۳۳۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
[4] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ھ، المستدرک ج ۴ ص ۵۲۵-۵۲۴، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ
[5] امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ، سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۱۸-۱۱۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
[6] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ ھ
[7] حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ، المصنف ج ۱۵ ص ۲۲۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ ھ

عليه وسلم اذا كانت امراؤكم خياركم واغنياؤكم سمحاءكم وامورکم شوریٰ بینکم فظهر الارض خير لكم من بطنها واذا كانت امراؤكم شراركم واغنياؤكم بخلاءكم وامورکم الی نسائکم فبطن الارض خير لكم من ظهرها۔[1]

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے حکام نیک ہوں، تمہارے اغنیاء سخی ہوں اور تمہاری حکومت باہمی مشورہ سے ہو تو تمہارے لیے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لیے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔

امام حاکم نیشاپوری روایت کرتے ہیں:

عن ابی بكرة رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاه بشير يبشره بظفر خيل له ورأسه فی حجر عائشة رضی اللہ عنہا فقام فخر للہ تعالیٰ ساجدا فلما انصرف انشأ يسأل الرسول فحدثه فكان فيما حدثه من امر العدو وكانت تليهم امرأة فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هلكت الرجال حين اطاعت النساء هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه۔[2]

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ لشکر بھیجا تھا وہاں سے کوئی شخص فتح کی خوشخبری لے کر آیا اس وقت آپ کا سر حضرت عائشہ کی گود میں تھا، آپ یہ خوشخبری سن کر کھڑے ہو گئے اور سجدہ شکر میں گر گئے، اس کے بعد آپ نے اس شخص سے فتح کی تفصیلات معلوم کیں، ان تفصیلات میں اس شخص نے یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں گے تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔

حافظ ذہبی نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔[3]

ان احادیث صحیحہ سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ اسلام میں عورت کو سربراہ بنانا جائز نہیں ہے۔

عورت کی سربراہی ملک کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

واحتج به من منع قضاء المرأة وهو قول الجمهور، وخالف الطبري فقال يجوز ان تقضی فيما تقبل شهادتها فيه واطلق بعض المالكية

جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث کی بناء پر عورت کے قاضی بنانے کو ممنوع قرار دیا ہے، علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور کہا کہ جن معاملات میں عورت

---

[1] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۳۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔
[2] امام عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۲۹۱، مطبوعہ دارالباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ
[3] علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۲۹۱ " " "

الجوا ہر۔ ؎۱ | شہادت دے سکتی ہے وہ قضاء بھی کر سکتی ہے اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً جائز کہا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو منصب قضاء سونپنا جائز نہیں ہے اور علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ قضاء بھی کر سکتی ہے، اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ عورت کی قضاء مطلقاً جائز ہے۔ ؎۲

ہر چند کہ علامہ عینی اور علامہ عسقلانی نے یہ لکھا ہے کہ علامہ طبری نے بعض امور میں اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے لیکن اول تو یہ ثابت نہیں ہے اور ثانیاً ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ، اسلام کے عمومی احکام اور جمہور فقہاء اسلام کی تصریحات کے سامنے ان اقوال کی کوئی وقعت نہیں ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ علامہ طبری اور بعض مالکیہ نے عورت کی کلی سربراہی کو جائز نہیں کہا بلکہ بعض امور میں عورت کی صرف قضاء کو جائز کہا ہے، علامہ عینی اور علامہ عسقلانی نے بغیر کسی ثبوت کے علامہ طبری اور بعض مالکیہ کی طرف عورت کی قضاء کے جواز کی نسبت کر دی، حقیقت یہ ہے کہ علامہ طبری اور مالکی فقہاء دونوں اس تہمت سے بری ہیں، علامہ ابو بکر ابن العربی مالکی اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت ابو بکرہ کی روایت کردہ حدیث میں تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ علامہ محمد بن جریر طبری سے یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ ان کی طرف اس قول کی نسبت ایسے ہی غلط ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف یہ غلط منسوب کر دیا گیا ہے کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔

نیز قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی لکھتے ہیں:

عورت سربراہی کی اس لیے اہل نہیں ہے کہ حکومت اور سربراہی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے، قومی معاملات کو سلجھایا جائے، ملت کی حفاظت کی جائے اور مالی محاصل کو حاصل کر کے ان کو مستحقین میں تقسیم کیا جائے اور یہ تمام امور مرد انجام دے سکتا ہے، عورت یہ کام انجام نہیں دے سکتی کیونکہ عورت کے لیے مردوں کی مجالس میں جانا اور ان سے اختلاط کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اگر وہ عورت جوان ہے تو اس کی طرف دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے اور اگر وہ سن رسیدہ عورت ہے تب بھی اس کا بھیڑ بھاڑ میں جانا ممنوع ہے۔ ؎۳

علامہ قرطبی مالکی نے بھی قاضی ابو بکر ابن العربی مالکی کی اس تمام بحث کو نقل کیا ہے اور اس کی تائید کی ہے علامہ ابن العربی مالکی اور علامہ قرطبی مالکی کا یہ جملہ قابل غور ہے:

؎۱۔ علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

؎۲۔ علامہ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

؎۳۔ علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن ج ۳ ص ۱۴۵۷-۱۴۵۸ ملخصاً، مطبوعہ مکتبہ اسلامی بیروت

ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ۔ [1]

عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

مالکی فقہاء اور مفسرین کی ان عبارات کو پڑھنے سے یہ واضح ہو گیا کہ مالکی فقہاء کی طرف یہ منسوب کرنا غلط ہے کہ وہ عورت کی قضاء کے قائل ہیں اسی طرح علامہ طبری کی طرف یہ نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کی کسی تصنیف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی بعض فقہاء احناف کی طرف جو یہ نسبت کی ہے وہ بھی غلط ہے [2] صحیح یہ ہے کہ اسلامی مکاتب فکر کے تمام فقہاء، مفسرین اور محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کو قضاء یا امارت کا منصب سونپنا جائز نہیں ہے۔

امام بغوی لکھتے ہیں:

اتفقوا علی ان المرأۃ لا تصلح ان تکون اماما ولا قاضیا لان الامام یحتاج الی الخروج لاقامۃ امر الجہاد، والقیام بامور المسلمین والقاضی یحتاج الی البروز لفصل الخصومات والمرأۃ عورۃ لا تصلح للبروز۔ [3]

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت حکومت یا اسلامیہ کی سربراہ یا قاضی نہیں بن سکتی، کیونکہ سربراہ مملکت کو جہاد قائم کرنے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور قاضی کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے باہر جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت واجب الستر ہے اس کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

ملکہ بلقیس کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب

بعض تجدد پسند علماء ملکہ بلقیس کے واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جس زمانہ میں وہ ملک سبا کی ملکہ تھی اس وقت وہ کافرہ تھی، قرآن مجید میں ہے:

وجدتها وقومها يسجدون للشمس من دون الله وزين لهم الشيطان اعمالهم فصدهم عن السبيل فهم لا يهتدون۔ (نمل: ٢٤)

میں نے دیکھا کہ وہ عورت (ملکہ سبا) اور اس کی قوم اللہ کی بجائے سورج کو سجدہ کرتی ہے شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے خوشنما بنا دیا ہے اور ان کو سیدھے راستے سے روک دیا ہے اس وجہ سے وہ ہدایت نہیں پاتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بلقیس کافروں کی حکمران تھی اس لیے اس کی حکمرانی ہم پر حجت نہیں ہے حضرت سلیمان

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ٦٦٨ ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ١٣ ص ١٨٣ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ١٣٨٧ ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ ھ، فتح الباری ج ٨ ص ١٢٨ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ١٤٠١ ھ

[3] امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ٥١٦ ھ، شرح السنۃ ج ١٠ ص ٧٧، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٠ ھ

علیہ السلام نے اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کے نام جو خط بھیجا وہ قرآن مجید کے مبارک الفاظ میں یہ تھا:

الا تعلوا علی واتونی مسلمین۔ (نمل: ۳۱)
تم میرے مقابلہ میں سر نہ اٹھاؤ اور میرے فرمانبردار بن کر میرے پاس آجاؤ۔

اور جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے کہا:

رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان للہ رب العلمین۔ (نمل: ۴۴)
اے میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں (حضرت) سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے حضور جھک گئی۔

اس واقعہ میں کہیں بھی یہ شائبہ نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا یا اس کے اسلام لانے کے بعد اس کو جائز قرار دیا، بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کر کے اس کو واپس یمن بھیج دیا تھا اور بعض میں ہے کہ حضرت سلیمان نے اس سے نکاح کر کے اس کو اپنے پاس رکھا، اور بعض میں ہے کہ ان کا نکاح ہمدان کے بادشاہ کے ساتھ کر دیا تھا، یہ تمام روایات باطل اور متضاد ہیں، علامہ قرطبی ان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال قوم لم یرد فیہ خبر صحیح لا فی انہ تزوجہا ولا فی انہ زوجہا۔[1]
اس بارے میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے نہ یہ کہ انہوں نے خود اس سے نکاح کیا تھا اور نہ یہ کہ انہوں نے کسی اور سے اس کا نکاح کر دیا تھا۔

قرآن کریم نے ملکہ بلقیس کے واقعہ کا جس قدر ذکر کیا ہے اس میں اس کی حکومت کے خاتمہ کا ذکر ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اس کی حکومت کے تسلسل کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس واقعہ میں عورت کی سربراہی کا ادنیٰ جواز بھی موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض بلقیس کے اسلام لانے کے بعد اس کی حکومت کا ثبوت ہو بھی تو وہ شریعت سابقہ ہے، ہم پر حجت نہیں ہے۔

جنگ جمل کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب

بعض متجدد علماء جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال قطعاً باطل ہے، اول تو حضرت عائشہ امارت اور خلافت کی مدعیہ نہیں تھیں، ہاں وہ امت میں اصلاح کے قصد سے اپنے گھر سے باہر نکلیں لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا تھی اور وہ اس پر تاحیات نادم رہیں، ہم ابن سعد کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وقرن فی بیوتکن " تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو " کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔[2]

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۲۱۱۔ ۲۱۰، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[2] امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ، طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عائشہ اپنے بصرہ کے سفر اور جنگ جمل میں حاضر ہونے کی طور پر نادم ہو گئیں۔ [1]

حافظ زیلعی ابن عبد البر کے حوالے سے لکھتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے فرمایا: تم نے مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟ حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت ابن الزبیر) کی رائے آپ کی طبیعت پر غالب آ چکی تھی۔ [2]

امام حاکم نیشاپوری قیس بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے دل میں سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اب مجھے آپ کی دوسری ازواج کے ساتھ بقیع میں دفن کر دینا، چنانچہ آپ کو بقیع میں دفن کر دیا گیا، امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ [3]

حافظ ذہبی ان کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: بدعت سے حضرت عائشہ کی مراد ان کا جنگ جمل میں جانا تھا، وہ اپنے اس فعل پر کلی طور پر نادم ہو گئیں اور انہوں نے اس پر توبہ کر لی اگرچہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کی نیت نیک تھی۔ [4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اجتہاد سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کے قصد سے گھر سے نکلی تھیں لیکن بعد میں انہوں نے اپنے اس فعل کو بدعت اور غلط قرار دیا اور اس پر اس قدر نادم ہوئیں کہ روضۂ رسول میں حضور کے جوار میں دفن ہونے سے بھی آپ کو شرم آئی اور تا حیات اس فعل پر ندامت سے آنسو بہاتی رہیں، لہٰذا حضرت عائشہ کے بصرہ کے سفر سے عورتوں کے گھروں سے نکلنے پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ عورت کا سربراہ ہونا تو اس واقعہ میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے، نہ آپ سربراہی کی مدعی تھیں نہ جنگ میں پیشوائی کر رہی تھیں، جنگ جمل تو ایک اتفاقی حادثہ تھا جو قاتلین عثمان کی سازش کے نتیجہ میں واقع ہوا جیسا کہ ہم اس سے پہلے علامہ آلوسی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

ستر اور حجاب کے سلسلے میں حرف آخر

عورت کے ستر اور حجاب کے سلسلے میں ہم نے قرآن مجید کے صریح احکام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور فقہاء اسلام کے فتاوی بیان کر دیئے ہیں جن کے مطابق عورت کا پورا جسم واجب الستر ہے، وہ اجنبی مردوں کے سامنے اپنا چہرہ ظاہر نہیں کر سکتی، وہ بغیر شرعی ضرورت کے ان سے بات کر سکتی ہے، اسلام نے عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم دیا ہے اور بغیر شدید ضرورت کے باہر نکلنے سے روک دیا ہے، ان صاف اور صریح احکام کے ہوتے ہوئے اس

---

[1] حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۷۷، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۲ھ

[2] حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ ج ۴ ص ۷۰، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ

[3] امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۴ ص ۶، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

[4] حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۹۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۲ھ

اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمان عورتیں اسمبلیوں کی ممبر بنیں، یا وزیر اور مشیر بنیں اور ریاست یا انتظامیہ کی سربراہ بنیں، بیرونِ خانہ سماجی کارکن بنیں اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لیا کریں، ائیر ہوسٹس اور نرس بن کر مسافروں اور مریضوں کا دل بہلائیں، نجی اور سرکاری دفاتر میں اجنبی مردوں کے ساتھ کام کریں، اسکولوں اور کالجوں میں لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کریں، سیکرٹری اور استقبالیہ کے فرائض انجام دیں، فوج اور پولیس میں بھرتی ہوں اور تعلیم و تربیت کے لیے امریکہ اور انگلستان بھیجی جائیں اور نیشنل کونسل آرٹس کونسل، ریڈیو، ٹی وی اور فلم اسٹوڈیو میں کام کریں اور اپنی آواز اور حسن کی نمائش کریں۔

مغربی ملکوں میں جہاں عورت پر ستر اور حجاب کی قیود نہیں ہیں، ان کے معاشرے اور ماحول میں ہر وقت اور ہر جگہ عورت اور مرد کا عام آزادانہ میل جول اور اختلاط ہے، ہوٹلوں، کلبوں، تفریح گاہوں، شراب خانوں اور رقص گاہوں میں مرد نامحرم عورتوں کے ساتھ آزادانہ گھومتے ہیں، شراب پیتے ہیں، چرس اور ہیروئن کا دم لگاتے ہیں، ناچتے گاتے ہیں اور دادِ عیش دیتے پھرتے ہیں، شاہراہوں اور دیگر کھلے مقامات پر مرد اور عورت سرِ عام بوس و کنار میں مصروف رہتے ہیں، ساحلِ سمندر پر، پارکوں اور تفریح گاہوں میں عریاں جوڑے حیوانوں کی طرح کھلے عام جنسی عمل کرتے ہیں، اور ان کی سڑکیں ناجائز بچوں سے بھری رہتی ہیں، بیویوں کی خیانت اور شوہروں کی بدکاریوں کی خبروں سے ان کے اخبارات اور رسائل کے کالم سیاہ رہتے ہیں اور بدچلنی اور بدعنوانی کے مقدمات سے عدالتیں بھری رہتی ہیں۔

آزادئ نسواں اور بے پردگی کی تحریک سے ہمارا معاشرہ بھی قدم بہ قدم یورپ کی شاہراہ کی طرف بڑھ رہا ہے اس سے پہلے کہ ہماری نوجوان نسل عریانی اور فحاشی کی اس منزل پر پہنچ جائے جہاں سے اس کو واپس لانا مشکل ہو جائے ہمیں بے پردگی اور آزادئ نسواں کو خیرباد کہہ کر ستر اور حجاب کے معاملہ میں اسلام کے تمام احکام پر عمل کرنا چاہیے، اسی میں ہمارے لیے دنیا اور آخرت کی عزت اور نیک نامی ہے، امن، اطمینان اور سکون ہے، یہی اسلام کا تقاضا اور ہمارے مسلمان ہونے کی علامت ہے۔

میں نے ستر اور حجاب کے مسئلہ پر اس لیے انتہائی مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں دنیا دار اور مغرب زدہ لوگ تو الگ رہے، تجدد پسند علماء دین کا ایک طبقہ بھی عورت کے چہرے کو حجاب سے مستثنیٰ قرار دے رہا ہے، اور بازاروں اور محافل میں ان کے آنے جانے، اجنبی مردوں سے گفتگو کرنے اور اسمبلی کی ممبری، وزارت اور حکومت کی سربراہی کرنے اور مخلوط تعلیم اور مخلوط ملازمتیں کرنے کو اسلام کے خلاف نہیں سمجھتا بلکہ ان کے خلاف اس بے حجابی کو اسلامی احکام کے عین مطابق قرار دیتا ہے، اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ ستر اور حجاب کے مسئلہ میں اسلام کے احکام کو قرآن، سنت اور فقہاء اسلام کے ارشادات کی روشنی میں واضح کروں اور اس مسئلہ میں جو شبہات ہیں ان کے مفصل جوابات بیان کروں۔

الٰہ العالمین میری اس سعی کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرما، اس میں اثر آفرینی پیدا فرما اور رہتی دنیا تک تمام مسلمانوں کے لیے اس کو نفع آور بنا، میری، میرے والدین کی، اس کتاب کے جملہ معاونین کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما اور دنیا، برزخ اور آخرت میں ہر مصیبت اور بلاء سے محفوظ اور مامون فرما اور دارین کی سعادتوں اور جنت الفردوس کو ہمارا مقدر کر دے،
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید الانبیاء والمرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔ آمین۔

باب ۶۱۸ النساء الغازيات يرضخ لهن ولا يسهم والنهي عن قتل صبيان أهل الحرب

جہاد میں شریک ہونے والی عورتوں کو مالِ غنیمت میں باقاعدہ حصہ دینے کی ممانعت اور کچھ عطیہ دینے کا حکم اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت۔

۴۵۷۰ - حدثنا عبد الله بن مسلمة بن قعنب حدثنا سليمان يعني ابن بلال عن جعفر بن محمد عن أبيه عن يزيد بن هرمز أن نجدة كتب إلى ابن عباس يسأله عن خمس خلال فقال ابن عباس لولا أن أكتم علما ما كتبت إليه كتب إليه نجدة أما بعد فأخبرني هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغزو بالنساء وهل كان يضرب لهن بسهم وهل كان يقتل الصبيان ومتى ينقضي يتم اليتيم وعن الخمس لمن هو فكتب إليه ابن عباس كتبت تسألني هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغزو بالنساء وقد كان يغزو بهن فيداوين الجرحى ويحذين من الغنيمة وأما بسهم فلم يضرب لهن وإن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يقتل الصبيان فلا تقتل الصبيان وكتبت تسألني متى ينقضي يتم اليتيم فلعمري إن الرجل لتنبت لحيته وإنه لضعيف الأخذ لنفسه ضعيف العطاء منها فإذا أخذ لنفسه من صالح ما يأخذ الناس فقد ذهب عنه اليتم وكتبت تسألني عن

یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں کہ نجدہ (حروریوں کے سردار) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر ان سے پانچ چیزوں کے متعلق دریافت کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر مجھے علم چھپانے پر عذاب کا خوف نہ ہوتا تو میں اس شخص کو جواب نہ لکھتا، نجدہ نے آپ سے یہ دریافت کیا تھا کہ: حمد و صلوٰۃ کے بعد مجھے یہ بتلائیے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں عورتوں کو شریک کرتے تھے؟ کیا ان کو مالِ غنیمت سے باقاعدہ حصہ دیتے تھے؟ کیا آپ بچوں کو قتل کرتے تھے؟ یتیم کی یتیمی کب ختم ہوتی ہے؟ اور خمس کس کا حق ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں لکھا: تم نے مجھ سے یہ سوال کیا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں عورتوں کو شریک کرتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں عورتوں کو شریک کرتے تھے، وہ جہاد میں جاتی تھیں اور زخمیوں کی دوا دارو کرتی تھیں، ان کو مالِ غنیمت میں سے عطیہ دیا جاتا تھا لیکن ان کا حصہ مقرر نہیں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو قتل نہیں کرتے تھے سو تم بھی بچوں کو قتل نہ کرنا، اور تم نے خط میں یہ سوال کیا کہ یتیم کی یتیمی کب ختم ہوتی ہے؟ سو مجھے اپنی زندگی کی قسم! بعض لوگوں کی ڈاڑھی نکل آتی ہے لیکن انہیں نہ کسی سے کوئی چیز لینے کا سلیقہ ہوتا ہے، نہ کسی کو کوئی چیز دینے کا شعور ہوتا ہے اور جب وہ باشعور لوگوں کی طرح ٹھیک ٹھیک کام کرنے لگیں تو ان کی یتیمی ختم ہو جائے گی اور تم نے مجھ سے خط

الْخُمُسِ لِمَنْ هُوَ؟ وَإِنَّا كُنَّا نَقُولُ هُوَ لَنَا فَأَبَى عَلَيْنَا قَوْمُنَا ذَاكَ.

میں خمس کے متعلق سوال کیا ہے کہ اس کا کون مستحق ہے؟ سو ہم یہ کہتے ہیں کہ خمس پر ہمارا حق ہے لیکن ہماری قوم نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔

۴۵۷۱ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ كِلَاهُمَا عَنْ حَاتِمِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ أَنَّ نَجْدَةَ كَتَبَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ عَنْ خِلَالٍ بِمِثْلِ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ حَاتِمٍ وَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ فَلَا تَقْتُلِ الصِّبْيَانَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تَعْلَمُ مَا عَلِمَ الْخَضِرُ مِنَ الصَّبِيِّ الَّذِي قَتَلَ. وَزَادَ إِسْحٰقُ فِي حَدِيثِهِ عَنْ حَاتِمٍ وَتُمَيِّزَ الْمُؤْمِنَ فَتَقْتُلَ الْكَافِرَ وَتَدَعَ الْمُؤْمِنَ.

یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر چند چیزوں کا سوال کیا، یہ حدیث مثل سابق ہے، البتہ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بچوں کو قتل نہیں کرتے تھے سو تم بچوں کو قتل نہ کرنا، الا یہ کہ تم کو ایسا علم ہو جس کی بناء پر حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کو قتل کر دیا تھا اور اسحاق کی روایت میں یہ ہے کہ یا تم یہ تمیز کر لو کہ یہ بچہ مومن ہوگا یا کافر سو جو کافر ہو اس کو قتل کر دو اور جو مومن ہو اس کو چھوڑ دو۔

۴۵۷۲ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ بْنُ عَامِرٍ الْحَرُورِيُّ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ عَنِ الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةِ يَحْضُرَانِ الْمَغْنَمَ هَلْ يُقْسَمُ لَهُمَا وَعَنْ قَتْلِ الْوِلْدَانِ وَعَنِ الْيَتِيمِ مَتَى يَنْقَطِعُ عَنْهُ الْيُتْمُ وَعَنْ ذَوِي الْقُرْبَى مَنْ هُمْ فَقَالَ لِيَزِيدَ اكْتُبْ إِلَيْهِ فَلَوْلَا أَنْ يَقَعَ فِي أُحْمُوقَةٍ مَا كَتَبْتُ إِلَيْهِ اكْتُبْ إِنَّكَ كَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ يَحْضُرَانِ الْمَغْنَمَ هَلْ يُقْسَمُ لَهُمَا شَيْءٌ وَإِنَّهُ لَيْسَ لَهُمَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُحْذَيَا وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنْ قَتْلِ الْوِلْدَانِ وَإِنَّ

یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں کہ نجدہ بن عامر حروری (خارجی) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھ کر یہ معلوم کیا کہ اگر جہاد میں غلام اور عورت شریک ہوں تو کیا ان کو مال غنیمت تقسیم کیا جائے گا اور بچوں کو قتل کرنے کے متعلق پوچھا اور یہ پوچھا کہ یتیم کی یتیمی کب ختم ہوگی؟ اور ذوی القربیٰ (جن کا خمس کے بیان میں قرآن مجید میں ذکر کیا ہے) کون ہیں؟ حضرت ابن عباس نے یزید سے فرمایا اس کو جواب لکھو اور اگر وہ حماقت میں پڑنے والا نہ ہوتا تو میں اس کو جواب نہ لکھتا، اس کو یہ لکھو کہ تم نے مجھ سے یہ سوال کیا ہے کہ اگر عورت اور غلام جہاد میں شریک ہوں تو آیا ان کو مال غنیمت سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ ان کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں ہے البتہ ان کو عطیہ دیا جا سکتا ہے اور تم نے مجھ سے بچوں کو قتل کرنے کے متعلق سوال کیا ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو

رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْتُلْهُمْ وَأَنْتَ فَلَا تَقْتُلْهُمْ إِلَّا أَنْ تَعْلَمَ مِنْهُمْ مَا عَلِمَ صَاحِبُ مُوسٰى مِنَ الْغُلَامِ الَّذِي قَتَلَهُ وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنِ الْيَتِيمِ مَتٰى يَنْقَطِعُ عَنْهُ اسْمُ الْيُتْمِ وَإِنَّهُ لَا يَنْقَطِعُ عَنْهُ اسْمُ الْيُتْمِ حَتّٰى يَبْلُغَ وَيُؤْنَسَ مِنْهُ رُشْدٌ وَكَتَبْتَ تَسْأَلُنِي عَنْ ذَوِي الْقُرْبٰى مَنْ هُمْ وَإِنَّا زَعَمْنَا أَنَّا هُمْ فَأَبٰى ذٰلِكَ عَلَيْنَا قَوْمُنَا.

قتل نہیں کیا سو تم بھی ان کو مت قتل کرو، الا یہ کہ کسی بچے کے متعلق تم کو ایسا علم ہو جیسا حضرت خضر علیہ السلام کو اس بچہ کے بارے میں علم تھا جس کو انھوں نے قتل کر دیا تھا، اور تم نے مجھ سے یہ پوچھا کہ یتیم سے یتیمی کا نام کب ختم ہوتا ہے؟ جب تک بچہ بالغ نہ ہو جائے اور اس کو عقل اور آگہی حاصل نہ ہو اس وقت تک اس کو یتیم کہا جائے گا، اور تم نے یہ پوچھا ہے کہ ذوی القربیٰ کون ہیں؟ ہماری رائے یہ ہے کہ ذوی القربیٰ ہم لوگ ہیں، لیکن ہماری قوم نے اس کا انکار کیا۔

۴۵۷۳- وَحَدَّثَنَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِهِ قَالَ أَبُو إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ بِطُولِهِ.

یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس کی طرف خط لکھا اور اسی طرح حدیث بیان کی۔

۴۵۷۴- حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ سَمِعْتُ قَيْسًا يُحَدِّثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ بْنُ عَامِرٍ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَشَهِدْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ حِينَ قَرَأَ كِتَابَهُ وَحِينَ كَتَبَ جَوَابَهُ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنْ أَرُدَّهُ عَنْ نَتْنٍ يَقَعُ فِيهِ مَا كَتَبْتُ إِلَيْهِ وَلَا نُعْمَةَ عَيْنٍ قَالَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ إِنَّكَ سَأَلْتَ

امام مسلم نے دو سندوں کے ساتھ یزید بن ہرمز سے روایت کیا کہ نجدہ بن عامر نے حضرت ابن عباس کو خط لکھا، جس وقت حضرت ابن عباس نے اس خط کو پڑھا اور اس کا جواب لکھا میں اس وقت موجود تھا، حضرت ابن عباس نے فرمایا: بخدا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ وہ بدبو (کسی برے کام) میں پڑ جائے گا تو میں اس کو جواب نہ لکھتا، پھر حضرت ابن عباس نے اس کو لکھا تم نے مجھ سے ان ذوی القربیٰ کے متعلق سوال کیا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، ہماری رائے یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہم ہیں لیکن ہماری قوم نے اس کا انکار کیا، اور تم نے یہ پوچھا ہے کہ یتیم کی یتیمی کب ختم ہوگی، بچہ جب نکاح کے قابل ہو جائے

عَنْ سَهْمِ ذِي الْقُرْبَى الَّذِي ذَكَرَ اللّٰهُ مَنْ هُمْ وَإِنَّا كُنَّا نَرَى أَنَّ قَرَابَةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ نَحْنُ فَأَبَى ذٰلِكَ عَلَيْنَا قَوْمُنَا وَسَأَلْتَ عَنِ الْيَتِيمِ مَتَى يَنْقَضِي يُتْمُهُ وَإِنَّهُ إِذَا بَلَغَ النِّكَاحَ وَأُونِسَ مِنْهُ رُشْدٌ وَدُفِعَ إِلَيْهِ مَالُهُ فَقَدِ انْقَضَى يُتْمُهُ وَسَأَلْتَ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْتُلُ مِنْ صِبْيَانِ الْمُشْرِكِينَ أَحَدًا فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ مِنْهُمْ أَحَدًا وَأَنْتَ فَلَا تَقْتُلْ مِنْهُمْ أَحَدًا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا عَلِمَ الْخَضِرُ مِنَ الْغُلَامِ حِينَ قَتَلَهُ وَسَأَلْتَ عَنِ الْمَرْأَةِ وَالْعَبْدِ هَلْ كَانَ لَهُمَا سَهْمٌ مَعْلُومٌ إِذَا حَضَرُوا الْبَأْسَ فَإِنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ سَهْمٌ مَعْلُومٌ إِلَّا أَنْ يُحْذَيَا مِنْ غَنَائِمِ الْقَوْمِ۔

اور وہ عقل اور شعور کے کام کرنے لگے تو اس کو اس کا مال دے دیا جائے گا اور اس کی یتیمی ختم ہو جائے گی، اور تم نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے بچوں میں سے کسی کو قتل کرتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے بچوں میں کسی کو قتل نہیں کیا سو تم بھی ان کے بچوں میں سے کسی کو قتل نہ کرنا، الا یہ کہ کسی بچے کے بارے میں تم کو ایسا علم ہو جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو اس بچے کے متعلق علم تھا جس کو انہوں نے قتل کر دیا تھا، اور تم نے عورت اور غلام کے متعلق پوچھا ہے کہ اگر وہ جہاد میں جائیں تو کیا مال غنیمت میں ان کا حصہ مقرر ہے؟ ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے، البتہ ان کو مال غنیمت میں سے عطیہ دیا جا سکتا ہے۔

۴۵۷۵۔ وَحَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَذَكَرَ بَعْضَ الْحَدِيثِ وَلَمْ يُتِمَّ الْقِصَّةَ كَإِتْمَامِ مَنْ ذَكَرْنَا حَدِيثَهُمْ۔

یزید بن ہرمز بیان کرتے ہیں کہ نجدہ نے حضرت ابن عباس کی طرف خط لکھا اور اس حدیث کا کچھ حصہ بیان کیا اور اس راوی نے پورا قصہ بیان نہیں کیا جیسا کہ دوسری حدیث میں بیان ہے۔

خارجیوں کو حروری کہنے کی وجہ

نجدہ بن عامر حنفی خارجی تھا، اور خارجیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب بھی کفر ہے، یہ لوگ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کی تکفیر کرتے تھے کیونکہ بقول ان کے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو حکم بنا کر إن الحکم إلا للّٰہ (یوسف: ۴۰) "حاکمیت صرف اللہ کی ہے" کی مخالفت کی ہے، یہ لوگ مستحبات کو فرائض کا درجہ دیتے تھے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مصداق تھے "یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔"

اس باب کی احادیث میں نجدہ بن عامر کو حروری لکھا ہے، علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں حروراء کوفہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے، واقعہ تحکیم کے بعد پہلی بار اس جگہ خوارج جمع ہوئے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی

اور چونکہ خارجیوں کی داغ بیل اسی جگہ سے پڑی تھی اس لیے خارجیوں کو حروری کہا جانے لگا۔[1]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج کو ان کی بدعات کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے لیکن جب انہوں نے آپ سے دین کا ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے علم چھپانے کو ناپسند کیا اور قرآن مجید میں علم چھپانے پر جو وعید ہے اس سے ڈرے اور ان کے سوالات کے جوابات لکھ کر بھیج دیے۔

جہاد میں شریک ہونے والے غلام اور عورت کو مال غنیمت سے حصہ دینے میں مذاہب فقہاء

امام ابوحنیفہ، امام شافعی، ثوری، لیث اور جمہور فقہاء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ عورت اور غلام کا مال غنیمت میں حصہ مقرر نہیں ہے، البتہ اس کو عطیہ دیا جائے گا، جیسا کہ اس باب کی احادیث صحیحہ میں ہے، امام اوزاعی یہ کہتے ہیں کہ اگر عورت زخمیوں کا علاج کرے یا جنگ میں حصہ لے اور قتال کرے تو اس کا اس میں حصہ بھی مقرر ہوگا، اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ عورت کو عطیہ بھی نہیں دیا جائے گا اسی طرح امام مالک غلام کو بھی عطیہ دینے کے قائل نہیں ہیں اور حسن، ابن سیرین اور نخعی یہ کہتے ہیں کہ غلام اگر قتال کرے تو مال غنیمت سے اس کو حصہ ملے گا۔ امام مالک اور اوزاعی وغیرہ کے مذاہب چونکہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں اس لیے مردود ہیں۔[2]

عورتوں کے جہاد میں شریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے محارم کے علاج کے لیے جا سکتی ہیں اور اگر شدید ضرورت ہو تو ستر اور حجاب کے ساتھ اجنبی مردوں کو بھی دوا وغیرہ اور پانی وغیرہ دے سکتی ہے۔ اس حدیث میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ اس وقت ہے جب وہ مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں حصہ نہ لیں اور اگر وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں تو پھر ان کو قتل کرنا جائز ہے۔

کم عقل والے بالغ شخص کو مال میں تصرف کرنے سے روکنے کے بارے میں مذاہب فقہاء

اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ بلوغ کے بعد یتیمی ختم ہو جاتی ہے، بشرطیکہ یتیم عقل اور شعور کے کام کرنے لگے، علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں کہ امام شافعی، امام مالک اور جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ محض بالغ ہو جانے یا زیادہ عمر ہو جانے سے یتیمی کا حکم منتقل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ دین اور مال میں اس سے عقل اور شعور کے آثار ظاہر ہوں، امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ جب اس کی عمر پچیس سال کی ہو جائے تو اس سے بچپن کا حکم منقطع ہو جائے گا اور اسے اس کے مال کے تصرف میں رشید (صحیح تصرف کرنے والا) قرار دیا جائے گا اور یتیم کے ولی پر واجب ہے کہ اتنی عمر میں یتیم کا مال اس کے سپرد کر دے خواہ وہ اس مال کو ٹھیک طور پر خرچ نہ کرے، اور بڑی عمر کا شخص جب اپنے

[1] علامہ شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی متوفی ۶۲۶ھ معجم البلدان ج ۲ ص ۲۴۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

مال میں فضول خرچ کرے تو امام مالک اور جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اس کو مالی تصرفات سے روک دینا واجب ہے، امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اس کو نہیں روکا جائے گا، ابن قصار وغیرہ نے کہا ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اور اس پر تقریباً اجماع ہے۔[1]

کم عقل والے بالغ شخص کو مال میں تصرف کرنے سے روکنے کے بارے میں فقہاء احناف کے نظریات

علامہ ابوالحسن المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آزاد، بالغ، عاقل اور بیوقوف ہو اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے، خواہ وہ فضول خرچ کرتا ہو اور اپنے مال کو عبث اور بے فائدہ کاموں میں خرچ کرتا ہو۔ امام ابویوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ بے وقوف شخص کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا کیونکہ وہ اپنے مال کو فضول خرچ کرتا ہے اور بغیر کسی مصلحت اور عاقبت محمودہ کے اپنے مال کو صرف کرتا ہے، سو جس طرح نابالغ بچہ کو مال میں تصرف کرنے سے روکا جاتا ہے اسی طرح اس کو بھی روکا جائے گا بلکہ اس کو روکنا اولیٰ ہے، کیونکہ بچے کے بارے میں تو یہ احتمال ہے کہ شاید وہ مال کو غلط جگہ خرچ نہ کرے اور اس کے متعلق تو یقین ہے کہ یہ مال کو بے فائدہ خرچ کر کے ضائع کرے گا اس وجہ سے اس کو مال نہیں دیا جائے گا۔ یہ بحث اس وقت ہے جب وراثت یا ہبہ کی شکل میں کسی کا مال اس کے ولی کے پاس امانت ہو، علامہ خوارزمی حنفی لکھتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ جب تک اس کی عمر پچیس سال کی نہیں ہو جاتی اس وقت تک اس کا مال اس کی تحویل میں نہیں دیا جائے گا اور امام ابویوسف اور امام محمد کہتے ہیں کہ جب تک یہ بے وقوف ہے اس کا مال اس کو نہیں دیا جائے گا۔ (کفایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۱۹۲)۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ شخص احکام شرعیہ کا مکلف اور مخاطب ہے اور صاحب عقل ہے، اس لیے وہ رشید ہے اور اس کے مال پر پابندی نہیں لگائی جائے گی نیز اس کے مالی تصرفات کو سلب کرنا اس کو آدمیت سے نکال کر حیوانات کے ساتھ لاحق کرنا ہے، اور یہ اس کی فضول خرچی کے ضرر سے بڑا ضرر ہے اس لیے بغیر کسی اشد ضرورت کے اس کو تصرفات سے نہیں روکا جائے گا، ہاں اگر اس پر پابندی لگانے سے کسی ضرر عام کو دفع کرنا مقصود ہو تو پھر اس پر پابندی لگائی جائے گی۔ مثلاً ایک جاہل طبیب ہے (بغیر سند یافتہ ڈاکٹر ہے جو غلط سلط دوائیں دے کر لوگوں کی جانوں سے کھیلتا ہے) یا نیم خواندہ مفتی ہے (جو لوگوں کو علم اور تحقیق کے بغیر مسائل بتا کر ان کو غلط راہ پر لگاتا ہے) یا لوگوں سے کسی چیز کو لا کے دینے کے لیے پیسے لیتا ہے اور اس کے پاس وہ چیز نہیں ہے اور اس طرح لوگوں کے پیسے ہڑپ کر جاتا ہے تو ایسے لوگوں کو علاج کرنے، مسئلہ بتلانے اور کرائے کے بہانے پیسے لینے سے روکا جائے گا کیونکہ اگر ان لوگوں کو تصرفات سے نہ روکا گیا تو اس سے عام لوگوں کو ضرر ہو گا اور ان کے تصرفات پر پابندی لگانے کے ضرر سے زیادہ بڑا ضرر ہے۔

امام ابویوسف اور امام محمد نے بے وقوف شخص کو بچہ پر قیاس کیا تھا اور کہا تھا جس طرح بچہ کو مالی تصرفات سے روکا جاتا ہے اسی طرح بڑی عمر کے بے وقوف شخص کو بھی روکا جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

بچہ غور و فکر کی صلاحیت نہیں رکھتا اور پچیس سالہ انسان غور و فکر پر قادر ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فہم عطا کی ہے وہ اپنی غلط تدبیر اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے صحیح تصرف نہیں کرتا اور پچیس سال سے پہلے اس کو مال دے دینا عیب ہے کیونکہ جب اس کے قبضہ میں مال نہیں رہے گا تو یہ بے مقصد اور صدقہ نہیں کرے گا۔ [1]

بَابُ عَدَدِ غَزَوَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۶۱۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد

۴۵۷۶ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَخْلُفُهُمْ فِي رِحَالِهِمْ فَأَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَأُدَاوِي الْجَرْحَى وَأَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى.

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں سات غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی تھی، میں مجاہدین کے عقب میں خیموں میں رہتی تھی۔ مجاہدین کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کو دوا دیتی اور بیماروں کی عیادت کرتی۔

۴۵۷۷ - وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

امام مسلم نے ایک اور سند سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

۴۵۷۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيدَ خَرَجَ يَسْتَسْقِي بِالنَّاسِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ اسْتَسْقٰى قَالَ فَلَقِيتُ يَوْمَئِذٍ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ وَقَالَ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ غَيْرُ رَجُلٍ أَوْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ رَجُلٌ قَالَ فَقُلْتُ لَهُ كَمْ غَزَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تِسْعَ عَشْرَةَ فَقُلْتُ كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ قَالَ سَبْعَ عَشْرَةَ غَزْوَةً قَالَ فَقُلْتُ فَمَا أَوَّلُ غَزْوَةٍ

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن یزید نماز استسقاء پڑھانے گئے، دو رکعت نماز استسقاء پڑھا کر انہوں نے بارش کے لیے دعا کی، اس دن میری حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی میرے اور ان کے درمیان صرف ایک آدمی تھا، میں نے ان سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے غزوات میں تشریف لے گئے تھے؟ انہوں نے کہا انیس غزوات میں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کتنے غزوات میں حضور کے ساتھ تھے؟ انہوں نے کہا سترہ غزوات میں، میں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا غزوہ کون سا تھا؟ انہوں نے ذات العسیر یا ذات العشیر کہا۔

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۲۵۱۔ ۲۵۲، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان۔

غَزَا ايُّهَا قَالَ ذَاتُ الْعُسَيْرِ أَوِ الْعُشَيْرِ.

۴۵۷۹- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ سَمِعَهُ مِنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا تِسْعَ عَشْرَةَ غَزْوَةً وَحَجَّ بَعْدَ مَا هَاجَرَ حَجَّةً لَمْ يَحُجَّ غَيْرَهَا حَجَّةَ الْوَدَاعِ.

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انیس غزوات میں گئے اور ہجرت کے بعد آپ نے ایک حج کیا اور حجۃ الوداع کے سوا اور کوئی حج نہیں کیا۔

۴۵۸۰- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ أَخْبَرَنَا أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَ عَشْرَةَ غَزْوَةً قَالَ جَابِرٌ لَمْ أَشْهَدْ بَدْرًا وَلَا أُحُدًا مَنَعَنِي أَبِي فَلَمَّا قُتِلَ عَبْدُ اللَّهِ يَوْمَ أُحُدٍ لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ قَطُّ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں انیس غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، البتہ بدر اور احد میں شریک نہیں تھا، مجھے میرے والد نے روک دیا تھا اور جب جنگ احد میں عبد اللہ (میرے والد) شہید ہو گئے تو پھر میں نے کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

۴۵۸۱- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ ح وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرْمِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو تُمَيْلَةَ قَالَا جَمِيعًا حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ غَزَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعَ عَشْرَةَ غَزْوَةً قَاتَلَ فِي ثَمَانٍ مِنْهُنَّ وَلَمْ يَقُلْ أَبُو بَكْرٍ مِنْهُنَّ وَقَالَ فِي حَدِيثِهِ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُرَيْدَةَ.

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انیس غزوات میں گئے، آپ نے ان میں سے آٹھ غزوات میں جنگ کی، راوی ابوبکر نے "ان میں سے" کا ذکر نہیں کیا اور "عن" کی بجائے حدثنی عبد اللہ بن بریدہ کہا۔

۴۵۸۲- وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ كَهْمَسٍ

عن ابن بريدة عن أبيه أنه قال غزا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ست عشرة غزوة.

شریک رہا۔

۲۵۸۳ - حدثنا محمد بن عباد حدثنا حاتم يعني ابن إسماعيل عن يزيد وهو ابن أبي عبيد قال سمعت سلمة يقول غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم سبع غزوات وخرجت فيما يبعث من البعوث تسع غزوات مرة علينا أبو بكر ومرة علينا أسامة بن زيد.

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شریک تھا اور جو لشکر آپ نے روانہ کیے ان میں نو مرتبہ شریک رہا، ایک مرتبہ ہمارے سردار حضرت ابوبکر تھے اور ایک مرتبہ حضرت اسامہ بن زید تھے۔

۲۵۸۴ - وحدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا حاتم بهذا الإسناد غير أنه قال في كلتيهما سبع غزوات.

امام مسلم نے ایک اور سند سے یہ حدیث روایت کی ہے اس میں دونوں جگہ سات کا عدد مذکور ہے۔

غزوات اور سرایا کی تحقیق

اس باب میں حضرت زید بن ارقم، حضرت جابر اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم کی روایات کا ذکر ہے، ان میں بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انیس غزوات میں تشریف لے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور دیگر لشکروں کی تعداد میں اہل مغازی کا اختلاف ہے، امام ابن سعد وغیرہ نے تفصیل اور ترتیب کے ساتھ ستائیس ۲۷ غزوات اور چھپن ۵۶ دیگر لشکروں کا ذکر کیا ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ نو ۹ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس قتال کیا ہے، وہ غزوات یہ ہیں: بدر، احد، مریسیع، خندق، قریظہ، خیبر، مکہ، حنین اور طائف۔ [1]

اس باب کی حدیث نمبر ۲۵۸۱ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ غزوات میں قتال کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ قریظہ اور احزاب (خندق) دونوں کو ایک غزوہ ہی شمار کیا گیا ہے اس وجہ سے حضرت بریدہ نے یہ کہا کہ آپ نے آٹھ غزوات میں قتال کیا۔ [2]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا تاریخ وار بیان

امام محمد بن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سرایا کا ترتیب وار بیان کیا ہم بیان اس کا اختصار کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔

نمبر شمار	غزوہ کا نام	تاریخ	نمبر شمار	غزوہ کا نام	تاریخ
۱	غزوہ الابواء	ہجرت کے بارہ ماہ بعد صفر میں	۱۳	غزوہ بنو نضیر	ہجرت کے سینتیس ماہ بعد ربیع الاول ۴ ہجری
۲	غزوہ بواط	ہجرت کے تیرہ ماہ بعد ربیع الاول میں۔	۱۴	غزوہ بدر الموعد	ہجرت کے پینتالیس ماہ بعد ذوالقعدہ میں۔
۳	غزوہ طلب کرز بن جابر فہری	ہجرت کے ۱۳ ماہ بعد ربیع الاول میں۔	۱۵	غزوہ ذات الرقاع	ہجرت کے سینتالیس ماہ بعد محرم میں۔
۴	غزوہ ذی العشیرہ	ہجرت کے سولہ ماہ بعد جمادی الآخرہ میں	۱۶	غزوہ دومۃ الجندل	ہجرت کے انچاس ماہ بعد ربیع الاول میں۔
۵	غزوہ بدر	سترہ رمضان سنہ ۲ھ	۱۷	غزوہ المریسیع	شعبان ۵ ہجری
۶	غزوہ بنو قینقاع	ہجرت کے بیس ماہ بعد نصف شوال میں۔	۱۸	غزوہ الاحزاب	ذوالقعدہ ۵ ہجری
۷	غزوۃ السویق	ہجرت کے بائیس ماہ بعد پانچ ذوالحجہ	۱۹	غزوہ بنو قریظہ	ذوالقعدہ ۵ ہجری
۸	غزوہ قرقرۃ الکدر	ہجرت کے تئیس ماہ بعد ۱۵ محرم	۲۰	غزوہ بنی لحیان	ربیع الاول ۶ ہجری
۹	غزوہ غطفان	ہجرت کے پچیس ماہ بعد ربیع الاول میں۔	۲۱	غزوہ الغابہ	ربیع الاول ۶ ہجری
۱۰	غزوہ بنی سلیم	ہجرت کے ستائیس ماہ بعد چھ جمادی الاول۔	۲۲	غزوہ الحدیبیہ	ذوالقعدہ ۶ ہجری
۱۱	غزوہ احد	ہجرت کے بتیس ماہ بعد سات شوال۔	۲۳	غزوہ خیبر	جمادی الاول ۷ ہجری
۱۲	غزوہ حمراء الاسد	ہجرت کے بتیس ماہ بعد ۸ شوال	۲۴	غزوہ فتح مکہ	رمضان ۸ ہجری
			۲۵	غزوہ حنین	شوال ۸ ہجری
			۲۶	غزوہ طائف	شوال ۸ ہجری
			۲۷	غزوہ تبوک	رجب ۹ ہجری

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۷ غزوات کی تاریخ وار تفصیل ہے، جن کو امام محمد بن سعد نے طبقات کبریٰ کی جلد ثانی میں بیان کیا ہے۔ امام ابن سعد نے چھپن سرایا کا بھی تفصیل سے تاریخ وار ذکر کیا ہے، اس باب کی احادیث میں چونکہ صرف غزوات کا ذکر ہے اس لیے ہم نے غزوات کی تعداد کو بیان کیا ہے۔ جو حضرات سرایا کی تفصیل جاننا چاہتے ہوں وہ طبقات کبریٰ جلد ثانی کا مطالعہ کریں۔

بَابُ ٦٣ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ

٤٥٨٥ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بَرَّادٍ الْأَشْعَرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ وَاللَّفْظُ لِأَبِي عَامِرٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ وَنَحْنُ سِتَّةُ نَفَرٍ بَيْنَنَا بَعِيرٌ نَعْتَقِبُهُ قَالَ فَنَقِبَتْ أَقْدَامُنَا فَنَقِبَتْ قَدَمَايَ وَسَقَطَتْ أَظْفَارِي فَكُنَّا نَلُفُّ عَلَى أَرْجُلِنَا الْخِرَقَ فَسُمِّيَتْ غَزْوَةَ ذَاتِ الرِّقَاعِ لِمَا كُنَّا نُعَصِّبُ عَلَى أَرْجُلِنَا مِنَ الْخِرَقِ قَالَ أَبُو بُرْدَةَ فَحَدَّثَ أَبُو مُوسَى بِهَذَا الْحَدِيثِ ثُمَّ كَرِهَ ذَلِكَ قَالَ كَأَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يَكُونَ شَيْئًا مِنْ عَمَلِهِ أَفْشَاهُ قَالَ أَبُو أُسَامَةَ وَزَادَنِي غَيْرُ بُرَيْدٍ وَاللَّهُ يَجْزِي بِهِ ۔

غزوہ ذات الرقاع

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہم میں سے چھ آدمیوں کے حصہ میں ایک اونٹ تھا، جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے، ہمارے پیر زخمی ہوگئے، اور میرے ناخن نکل گئے، ہم نے ان زخموں پر چیتھڑے لپیٹے، اس وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوہ ذات الرقاع پڑ گیا، حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ نے یہ حدیث بیان کی پھر ان کو اس حدیث کا بیان کرنا ناگوار ہوا، شاید وہ اپنے کسی عمل کو ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے، ابواسامہ بیان کرتے ہیں کہ برید کے علاوہ دوسرے راویوں نے اس حدیث میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کا اجر دے گا۔

غزوہ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ ہم نے زخموں پر چیتھڑے لپیٹے اس وجہ سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا، اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے کی یہی وجہ صحیح ہے، ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہاں ایک پہاڑ تھا جس میں سیاہی، سفیدی اور سرخی تھی، اس وجہ سے اس کو ذات الرقاع کہتے ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ وہاں ذات الرقاع نام کا ایک درخت تھا، ایک قول یہ ہے کہ ان کے جھنڈوں میں پیوند لگے ہوئے تھے اس وجہ سے اس کو غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں۔ رقاع رقعہ کی جمع ہے جس کا معنی پیوند ہے۔

نیک اعمال کے اخفاء کا استحباب

حضرت ابوموسیٰ نے یہ حدیث بیان کی اور پھر ان کو اس حدیث کا بیان کرنا ناگوار ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس حدیث میں ان کے نیک اعمال کا ذکر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں بندے کو جو مشقت پیش آئے اور دیگر اعمال صالحہ کو چھپانا مستحب ہے اور بغیر کسی مصلحت کے اپنے کسی نیک عمل کو ظاہر نہ کرے، ہاں اگر اپنے کسی نیک عمل کا حکم بیان کرنا ہو، یا اس کی اقتداء پر کسی کو ابھارنا ہو تو پھر اس عمل کا اظہار کرنا استحباب کے خلاف نہیں ہے۔

بَابُ كَرَاهَةِ الْاِسْتِعَانَةِ فِي الْغَزْوِ بِكَافِرٍ

جہاد میں کافر سے مدد لینے کی کراہت

۴۵۸۶۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكٍ ح وَحَدَّثَنِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نِيَارٍ الْأَسْلَمِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ بَدْرٍ فَلَمَّا كَانَ بِحَرَّةِ الْوَبَرَةِ أَدْرَكَهُ رَجُلٌ قَدْ كَانَ يُذْكَرُ مِنْهُ جُرْأَةٌ وَنَجْدَةٌ فَفَرِحَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَأَوْهُ فَلَمَّا أَدْرَكَهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتُ لِأَتَّبِعَكَ وَأُصِيبَ مَعَكَ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ قَالَتْ ثُمَّ مَضَى حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالشَّجَرَةِ أَدْرَكَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَقَالَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف گئے، جب آپ حرۃ الوبرہ (مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) میں پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا جس کی بہادری اور دلیری کا بہت چرچا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے جب اس کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے، جب وہ آپ سے ملا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ہمراہ لڑوں اور جو مال ملے اس سے حصہ پاؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا، آپ آگے چلے گئے حتیٰ کہ جب ہم شجرہ پر پہنچے تو وہ شخص پھر آپ سے ملا اور اس نے وہی درخواست کی جو پہلے کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا اور فرمایا لوٹ جاؤ میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا، وہ لوٹ گیا اور پھر آپ سے مقام بیداء میں ملا، آپ نے فرمایا کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے اس نے کہا ہاں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب چلو۔

لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ قَالَ فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ قَالَ ثُمَّ رَجَعَ فَأَدْرَكَهُ بِالْبَيْدَاءِ فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلِقْ ۔

جہاد میں کفار سے مدد حاصل کرنے کی تحقیق

اس باب کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا، علامہ نووی لکھتے ہیں دوسری حدیث میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کے اسلام لانے سے پہلے ان سے مدد لی، بعض علماء نے پہلی حدیث پر علی الاطلاق عمل کیا اور مشرک سے مدد لینے کو مطلقاً ناجائز کہا اور امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ اگر کافر کی مسلمانوں کے متعلق اچھی رائے ہو اور اس سے مدد لینے کی ضرورت ہو تو اس سے مدد لی جائے گی ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے، محدثین نے ان دونوں حدیثوں کو دو مختلف حالوں پر محمول کیا ہے اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر جہاد میں حاضر ہو تو اس کو عطیہ اور انعام وغیرہ دیا جائے گا اور مال غنیمت میں اس کا حصہ نہیں ہوگا۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور زہری اور اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ ہوگا۔ لہ

آج بروز بدھ مورخہ ۱۰ رجب ۱۴۱۰ھ بمطابق ۷ فروری ۱۹۹۰ء کتاب الجہاد اختتام کو پہنچی۔ اللہ العالمین جس طرح تو نے کرم فرمایا اور یہاں تک صحیح مسلم کی شرح لکھنے کی توفیق دی اسی طرح تو اپنے حبیب پاک کرم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے صحیح مسلم کی باقی احادیث کی بھی شرح لکھنے کی توفیق عطا فرما، میری اس حقیر سعی کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما، اور اس کے فیضان کو تا قیامت جاری رکھ، میری، میرے والدین کی، شرح صحیح مسلم کے ناشر، جملہ معاونین اور قارئین کی مغفرت فرما، دنیا اور آخرت میں ہر بلا، ہر مصیبت اور ہر عذاب سے محفوظ رکھ اور دارین کی سعادتوں اور کامرانیوں کو ہمارا مقدر کر دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المفسرین والمحدثین والفقہاء والمجتہدین اجمعین ۔

لہ۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الامارۃ

حکومت اور سلطنت کا وجود انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے، اور سلطنت اور حکومت کا قیام غلبہ اور قہر کے بغیر متصور نہیں ہے، کیونکہ ہر شخص کو دوسرے شخص سے کسی نہ کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اور بسا اوقات طاقتور شخص کمزور شخص سے اپنی ضرورت کی چیزیں جبراً حاصل کر لیتا ہے، اس لیے ظلم اور جبر کو دور کرنے اور عدل اور انصاف کو حاصل کرنے کے لیے کسی قوت حاکمہ کی ضرورت ہوتی ہے، عدل اور انصاف کے قیام کے لیے قوانین کا وجود ناگزیر ہے یہ قوانین اگر انسانوں کے بنائے ہوئے ہوں تو یہ سیاست عقلی کہلائے گی اور اگر یہ قوانین شرعی ہوں تو یہ سیاست شرعی ہوگی، اللہ کا نبی زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ احکام حاصل کرتا ہے اور ان احکام کی تفصیل اور تشریح کر کے ان احکام کو مخلوق پر نافذ کرتا ہے اور یہی احکام شریعت کہلاتے ہیں، دنیاوی حکام جو احکام نافذ کرتے ہیں وہ قانون کہلاتے ہیں اور اللہ اور رسول کے احکام شریعت کہلاتے ہیں، انسانوں کے بنائے ہوئے قانون ناقص اور ناپائیدار ہوتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کامل اور باقی ہے۔ نبی اللہ کا خلیفہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جو شخص نبی کی شریعت پر عمل کرتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق امور حکومت سر انجام دیتا ہے وہ نبی کا خلیفہ کہلاتا ہے اور اس کی حکومت کو خلافت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

خلافت کا لغوی اور شرعی معنی

استخلاف کا معنی ہے کسی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنانا اور خلافت کا معنی ہے اقتدار امامت اور جانشینی۔[1]

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

والخلافة النيابة عن الغير اما لغيبة المنوب عنه واما لموته واما لعجزه واما لتشريف المستخلف وعلى هذا الوجه الاخير استخلف الله اولياءه فى الارض۔ وهو الذى جعلكم خلائف الارض۔ وقال يا داؤد انا جعلناك خليفة

خلافت کا معنی ہے کسی شخص کا قائم مقام ہونا اور اس کی چار قسمیں ہیں (۱) اصل شخص کے غائب ہونے کی وجہ سے دوسرا اس کا قائم مقام ہو (۲) اصل شخص کی موت کے بعد دوسرا شخص اس کا قائم مقام ہو (۳) اصل شخص کے عاجز ہونے کی وجہ سے دوسرا اس کا قائم مقام ہو (۴) دوسرے شخص کو اپنی نیابت سے مشرف کرنے کے لیے اس کو اپنا قائم مقام

[1] المنجد ص ۱۹۳، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی

فی الارض ۔ وجعلکم خلفاء من بعد قوم نوح ۔ [1]

بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کو زمین پر اسی غرض کی وجہ سے خلیفہ بنایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس ذات نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، نیز فرمایا: اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور فرمایا: ہم نے تم کو قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون۔

(النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان میں سے حق کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور اللہ تعالیٰ ان کے اس دین کو بھی غالب کرے گا جس کو اللہ نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ضرور ان کے خوف کو امن اور چین سے بدل دے گا، کہ وہ صرف میری عبادت کریں گے اور میرا شریک نہ ٹھہرائیں اور جس نے اس کے بعد ناشکری کی سو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ خلافت ارضی کی یہ بشارت مسلمانوں کے لیے امن اور سکون کا پیغام ہے، قرآن مجید کی ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کے یہ فرائض بیان فرمائے ہیں:

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔

(الحج: ۴۱)

اگر ہم ان لوگوں کو زمین میں غلبہ اور اقتدار عطا کریں، تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب چیزوں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے بعد اپنے نائبین کے لیے خلفاء کا لفظ استعمال کیا ہے، امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن العرباض بن ساریۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستریٰ من بعدی اختلافا کثیرا شدیدا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ [2]

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم عنقریب میرے بعد بہت اختلاف دیکھو گے اس وقت تم پر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔

---

[1] علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۱۵۶، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن سمرۃ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ (الی قولہ) کلہم من قریش۔[1]

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا بارہ خلیفہ پورے ہونے تک اسلام کو غلبہ رہے گا اور فرمایا وہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں ایک حیثیت سے آپ مبلغ وحی الٰہی تھے اس حیثیت سے آپ احکام الٰہی کی تبلیغ کرتے ہے — اور فرائض رسالت بجالاتے اور دوسری حیثیت سے آپ مسلمانوں کے امیر، قائد اور حاکم تھے اس حیثیت سے آپ اسلامی ریاست کے خارجی اور داخلی امور کی تدبیر فرماتے، تبلیغ اسلام کے لیے جہاد فرماتے، مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھواتے اور اندرون ملک احکام الٰہیہ کو عملی طور پر نافذ فرماتے، آپ کے وصال کے بعد آپ کی پہلی حیثیت کا سلسلہ بوجہ ختم نبوت تو منقطع ہو گیا لیکن آپ کی دوسری حیثیت خلفاء کے روپ میں تا قیام دوام رہی اور آپ کی اسی حیثیت کی جانشینی کا نام خلافت ہے۔

آیت استخلاف کی تحقیق

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا۔ (النور: ۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان میں سے بعض کے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور اللہ تعالیٰ ان کے اس دین کو بھی غالب کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو ضرور امن اور چین سے بدل دے گا۔

خلافت کے موضوع پر اس آیت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اس لیے ہم خلافت کی تحقیق میں اس آیت کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے ہر ہر مسلمان سے خلافت عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے یا بعض مسلمانوں سے؟ ہر ہر مسلمان سے اس وعدہ کا ہونا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ واقع میں ہر ہر مسلمان کو روئے زمین کا ____ خلیفہ نہیں بنایا گیا ____ مثلاً جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو خلیفہ بنایا گیا یا جس طرح فرعون کے بعد بنی اسرائیل کو زمین پر غلبہ دیا گیا اس طرح ہر ہر مسلمان کو زمین کا خلیفہ نہیں بنایا گیا یا یوں کہو کہ امت مسلمہ کا ہر ہر فرد زمین پر خلیفہ اور صاحب اقتدار ہوتا، یہ عقلاً بھی باطل ہے کیونکہ جب ہر شخص خلیفہ، صاحب اقتدار اور حاکم ہو تو پھر محکوم کون ہوگا بلکہ اس سے ہر شخص کا حاکم اور محکوم ہونا لازم آئے گا اور یہ بداہۃً باطل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس آیت میں خلافت سے اقتدار مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں سے تصرف

---

[1] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

کرنا مراد ہے۔ تو اس معنی میں مسلمانوں اور کافروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ اس معنی میں تمام اولاد آدم اللہ کی خلیفہ ہے
ثانیاً اس آیت میں مِن تبعیضیہ ہے کیونکہ مِن ابتدائیہ، بیانیہ یا زائدہ یہاں متصور نہیں ہے اور یہ اس بات کی واضح نص ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بعض صالح مومنوں سے فرمایا ہے نہ کہ سب مسلمانوں سے اور اس آیت کے بلاواسطہ مخاطب
حضرات صحابہ کرام تھے اور جس وقت سورۂ نور نازل ہوئی اس وقت مسلمانوں پر حالت خوف طاری تھی کیونکہ اس وقت تک
سرزمین حجاز میں اسلام کی جڑیں مضبوط نہیں ہوئی تھیں، اس کے کچھ عرصہ بعد یہ وعدہ پورا ہوا جب نہ صرف یہ کہ اسلام سرزمین حجاز
میں پھیلا بلکہ خطۂ عرب سے نکل کر براعظم افریقہ، براعظم ایشیا اور براعظم یورپ میں اندلس تک اذانیں گونجنے لگیں۔ اور
اسلام کا یہ عظیم الشان غلبہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں حاصل ہوا اس لیے آیت
استخلاف کے اولین مصداق خلفاء ثلاثہ ہیں کیونکہ انہیں کے دور میں اسلام کو فتوحات حاصل ہوئیں، حضرت علی کا دور خلافت
مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال میں گزرا اور ان کے دور میں اسلام کو فتوحات کے ذریعے غلبہ حاصل نہیں ہو سکا۔

اگر مِن تبعیضیہ سے صرف نظر کر لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت مسلمہ کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ
کیا ہے تو یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اقتدار اعلیٰ کا حامل نہیں ہو سکتا، اس لیے اب یہ معنی مراد ہوگا کہ ہر مومن
اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ہر شخص فرداً فرداً اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے جیسا کہ
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! تم میں سے ہر شخص حاکم ہے
اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی، مرد اپنے اہل خانہ کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے
متعلق پرسش ہوگی اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں پرسش
ہوگی اور نوکر اپنے مالک کے مال میں حاکم ہے اور اس سے اس کے بارے میں پرسش ہوگی، سنو! تم میں سے ہر شخص حاکم
ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی[1] اس معنی کے لحاظ سے اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلامی
حکومت میں تمام مسلمان اقتدار میں شریک ہوتے ہیں اور مسلمانوں کا امیر صرف انتظامی سربراہ ہوتا ہے وہ ریاست کا یا مسلمانوں
کا مالک نہیں ہوتا، اور یہ کہ ریاست کا ہر باشندہ خلافت اور حکومت میں برابر کا شریک ہوتا ہے، ریاست میں نسلی یا طبقاتی
امتیازات کا کوئی تصور نہیں ہوتا اس لیے ریاست کے تمام باشندے ایک دوسرے کے مساوی ہوں گے اور جس
شخص میں ترقی کی جس قدر صلاحیت اور قابلیت ہوگی وہ اس قدر آگے بڑھ سکے گا۔

خلافت کی تعریف

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں:

قال قوم من اصحابنا الامامة رياسة عامة في امور الدين والدنيا ونقض هذا التعريف بالنبوة والاولى ان يقال هي خلافة الرسول في اقامة الدين وحفظ حوزة الملة بحيث

ہمارے بعض علماء نے امامت کی یہ تعریف کی ہے کہ دین اور دنیا کی ریاست کو امامت کہتے ہیں لیکن یہ تعریف نبوت پر بھی صادق آتی ہے اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ دین کے قائم کرنے اور ملت بیضاء کی حفاظت کرنے میں

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۰۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

اتباعه علی کافۃ الامۃ۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کو امامت کہتے ہیں اس حیثیت سے کہ تمام امت مسلمہ پر اس کی اتباع واجب ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی خلافت عامہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

هی الریاسة العامة فی التصدی لاقامة الدین باحیاء العلوم الدینیة واقامة ارکان الاسلام والقیام بالجهاد وما یتعلق به من ترتیب الجیوش والفرض للمقاتلة واعطائهم من الفیء والقیام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهی عن المنکر نیابة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

علوم دینیہ کی تدریس اور اشاعت سے دین کو قائم کرنے، ارکان اسلام کو قائم کرنے، جہاد اور اس کے متعلق امور یعنی لشکروں کو ترتیب دینے، مجاہدین کے حصے مقرر کرنے اور مال غنیمت سے ان کو حصے دینے، قاضیوں کے تقرر کرنے، ظالموں کو سزا دینے اور حدود قائم کرنے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کی امارت عامہ کو خلافت کہتے ہیں۔

پھر ریاست عامہ کی تفصیل کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے تھے اور وعظ و نصیحت کرتے تھے، جمعہ، عید اور پانچوں نمازوں کی جماعت کراتے تھے، ہر علاقہ میں نماز کا امام مقرر کرتے تھے، مالداروں سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین پر خرچ کرتے تھے، ہلال رمضان اور ہلال عید کی شہادت قبول کرتے اور اس کے مطابق رمضان اور عید کا اعلان فرماتے تھے، حج کو قائم کرتے، نو ہجری میں حضرت ابوبکر کو حج کا امیر بنا کر بھیجا اور مسلمانوں کے حج کا انتظام فرمایا، جہاد کا اہتمام فرماتے اور لشکر تیار کرتے اس کا امیر مقرر فرماتے، لوگوں کے مقدمات میں فیصلہ فرماتے، اسلامی شہروں میں قاضی مقرر کر کے بھیجتے، حدود قائم فرماتے، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے، اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے تب بھی دین کو اسی تفصیل کے ساتھ قائم کرنا واجب ہے اور دین کو اس تفصیل کے ساتھ قائم کرنا اس پر موقوف ہے کہ ایک ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو ان احکام کو نافذ کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے نائبین کو دیگر شہروں میں بھیجے اور ان کی کارگزاری سے باخبر رہے اور وہ نائبین اس کے احکام سے تجاوز نہ کریں اور اس کی ہدایت کے مطابق کام کریں اور ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور آپ کا نائب مطلق ہوگا اور ہم نے جو خلافت کی تعریف میں کہا ہے کہ خلیفہ کو اقامت دین کے لیے ریاست عامہ حاصل ہو اس سے ہماری یہی مراد ہے۔ نیز ہم نے خلافت کی تعریف میں جو یہ کہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو کر ریاست عامہ کا حامل ہو اس قید سے ہم نے نبوت سے احتراز کیا ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام استقلالاً ریاست عامہ کے حامل ہوتے ہیں نائب نہیں ہوتے۔ ہر چند کہ قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ فرمایا ہے لیکن اس سے خلافت الٰہیہ مراد ہے کیونکہ اللہ کا خلیفہ نبی ہی ہوتا ہے

---

[1] علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ، شرح مواقف ص ۶۰۹ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ

[2] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ، ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ

اور ہماری بحث خلافت نبوت ہی سے ہے اسی لیے حضرت ابوبکر فرماتے تھے مجھے اللہ کا خلیفہ نہ کہو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں۔ [1]

علامہ میر سید شریف جرجانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو خلافت کی تعریف کی ہے وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ ہے جس میں امام اور خلیفہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا فرمانروا اور تمام ممالک اسلامیہ کا امیر ہوتا ہے اور تمام امت مسلمہ پر اس کی اتباع واجب ہوتی ہے خیال رہے کہ ممالک اسلامیہ میں سے ہر ملک کا سربراہ خلیفہ نہیں ہوتا اور نہ وہ امامت کبریٰ اور ریاست عامہ کا حامل ہوتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

خلافت کی شرائط

علامہ ابوالحسن علی ماوردی لکھتے ہیں:

امامت کی اہلیت کے لیے سات شرطیں معتبر ہیں:

۱۔ عدالت اپنی جامع شرائط کے ساتھ (یعنی وہ شخص مسلمان ہو اور فرائض اور واجبات پر دائما عمل کرتا ہو سنن اور مستحبات پر بکثرت عمل کرتا ہو اور محرمات اور مکروہات تحریمیہ سے دائما اجتناب کرتا ہو اور مکروہات تنزیہیہ سے بکثرت بچتا ہو۔ سعیدی غفرلہ)

۲۔ اس کو اس قدر علم حاصل ہو جس سے وہ پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے اجتہاد کر سکتا ہو۔

۳۔ اس کے حواس سلامت ہوں یعنی سماعت، بصارت اور گویائی پوری طرح کام کرتی ہو۔

۴۔ اس کے اعضاء صحیح اور سلامت ہوں تاکہ وہ بخوبی کام کر سکے۔

۵۔ وہ صاحب رائے ہو جس سے وہ ملک کے داخلی اور خارجی مسائل کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا سکے۔

۶۔ وہ شجاع اور بہادر ہو تاکہ ملت بیضاء کی حفاظت اور دشمنوں سے جہاد میں دلیری سے حصہ لے سکے۔

۷۔ وہ شخص نسباً قریشی ہو کیونکہ بکثرت احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ [2]

علامہ تفتازانی نے ان شرطوں کے علاوہ کچھ مزید شرطیں بھی بیان کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ وہ شخص آزاد ہو، کیونکہ غلام اپنے مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں حقیر ہوتا ہے۔

۲۔ وہ شخص مرد ہو، کیونکہ (حدیث صحیح کے مطابق) عورتیں ناقصات عقل اور ناقصات دین ہیں۔

۳۔ وہ شخص عاقل اور بالغ ہو کیونکہ بچہ اور مجنون ملک اور عوام کی مصلحتوں کو سمجھنے اور ان میں تصرف کرنے سے قاصر ہے۔

۴۔ خلیفہ کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے، کیونکہ خلفاء راشدین معصوم نہیں تھے۔

۵۔ خلیفہ کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہو کیونکہ حضرت عمر نے انتخاب خلیفہ کے لیے چھ شخص مقرر کیے تھے اور ان میں بعض، بعض سے افضل تھے۔

علامہ تفتازانی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ خلیفہ فسق و فجور کے ارتکاب سے معزول ہونے کا مستحق نہیں ہوتا

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ، ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۳-۲، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ

[2] علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی متوفی ۴۵۰ھ، الاحکام السلطانیہ ص ۶، مطبوعہ مطبعۃ مصطفی البابی مصر ۱۳۹۳ھ

کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد ائمہ (خلفاء) اور حکام سے ظلم اور فسق ظاہر ہوا اور صحابہ اور اخیار تابعین ان کی اطاعت کرتے تھے اور ان کی اجازت سے جمعہ اور عید کی نمازوں کو قائم کرتے تھے اور ان کے خلاف خروج (بغاوت) کرنے کو ناجائز کہتے تھے۔ [۱]

واضح رہے کہ یہ امام اور خلیفہ کی شرائط ہیں جو تمام ممالک اسلامیہ اور تمام عالم اسلام کا سربراہ ہوتا ہے کسی ایک ملک کے سربراہ کے تقرر کے لیے یہ شرائط نہیں ہیں، ہمارے زمانے میں بعض شعر علماء نے بھی اس معاملہ میں دھوکا کھایا اور خلافت کبریٰ کی شرائط کو ایک ملک کی سربراہی پر محمول کیا اور مملکت پاکستان کی سربراہی کے لیے بھی قریشی ہونے کو لازمی شرط قرار دیا حالانکہ قریشی ہونا تمام عالم اسلام کی سربراہی کے لیے شرط ہے، کسی ایک ملک کی سربراہی کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔

خلافت منعقد کرنے کے طریقے

شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

خلافت کا انعقاد چار طریقوں سے ہوتا ہے:

۱- پہلا طریقہ یہ ہے کہ علماء، قضاۃ، امراء اور دیگر قابل ذکر لوگوں میں جو لوگ حل و عقد کے اہل ہوں وہ کسی ایسے شخص کو منتخب کر کے اس کی بیعت کر لیں جو شرائط خلافت کے مطابق ہو، اس کے لیے ان لوگوں کا بیعت کرنا ضروری ہے جو اس وقت میسر ہوں اور تمام ممالک اسلامیہ کے ارباب حل و عقد کا بیعت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ عادۃً محال ہے اور ایک دو آدمیوں کا بیعت کرنا کافی نہیں ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اسی طریقہ سے بیعت کی گئی تھی۔

۲- خلیفۂ وقت کسی ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر دے جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور لوگوں کو جمع کر کے اس کو خلیفہ بنانے کی تصریح کر دے اور لوگوں کو اس کی اتباع کی وصیت کر دے اور قوم پر اس شخص کو خلیفہ بنانا لازم ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقہ سے ثابت ہے۔

۳- تیسرا طریقہ شوریٰ کا ہے یعنی خلیفہ چند اہل لوگوں کی ایک جماعت کو منتخب کرے اور یہ کہے کہ اس جماعت میں سے جس فرد کو بھی منتخب کر لیا جائے گا وہ خلیفہ ہوگا، یعنی خلیفۂ وقت کی موت کے بعد لوگ مشورہ کریں اور کسی ایک کو خلافت کے لیے معین کریں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی طرح ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلافت کے لیے چھ افراد کا اعلان کر دیا تھا اور ان چھ افراد نے یہ معاملہ حضرت عبدالرحمان بن عوف کے سپرد کر دیا اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا۔

۴- چوتھا طریقہ غلبہ کا ہے یعنی ایک شخص بغیر بیعت کے اور بغیر کسی کے خلیفہ بنانے کے از خود خلافت پر قابض ہو جائے اور تمام لوگوں کو تالیف قلب یا جبر اور طاقت کے ذریعہ اپنا تابع کر لے اس طرح بھی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور لوگوں پر اس کے احکام کی اطاعت لازم ہوتی ہے بشرطیکہ وہ احکام خلاف شرع نہ ہوں اور اس کی (یعنی متغلب کی) پھر دو قسمیں ہیں:

---

[۱] علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد ص ۱۱۰-۱۰۹ ملخصاً، مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔

(د) متغلب ایسا شخص ہو جو شرائط خلافت کے مطابق ہو اور صلح اور حسن تدبیر سے اپنے مخالفین کو تابع کرے اور اس کے لیے کسی امر حرام کا ارتکاب نہ کرے، خلافت کی یہ قسم جائز ہے اور اس میں رخصت ہے۔ حضرت علی کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت اسی قسم کی تھی۔

(ھ) متغلب شرائط خلافت کے مطابق نہ ہو اور محرمات کا ارتکاب کرکے اور بزور جنگ لوگوں کو تابع کرے۔ خلافت کی یہ قسم جائز نہیں ہے اور اس کا مرتکب گنہگار ہے، لیکن اگر اس کے احکام شریعت کے مطابق ہوں تو ان کو قبول کرنا واجب ہے اور اگر اطراف کے لوگ اس کے کارندوں کو زکوٰۃ دیں تو ان سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اس کے مقرر کردہ قاضیوں کے فیصلے نافذ ہوں گے اور اس کی معیت میں جہاد کرنا جائز ہوگا۔ اس خلافت کو منعقد قرار دینا ضرورت کی بناء پر ہے، کیونکہ اس کے معزول کرنے کے لیے اگر زور دیا جائے تو اس سے قتل و غارت اور خونریزی ہوگی اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ بسیار قتل و غارت کے بعد اگر اس کو معزول کر بھی دیا جائے تو دوسرا منتخب شرائط خلافت کا اہل ہوگا، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرا متغلب پہلے متغلب سے زیادہ برا ہو، اس لیے اس کو معزول کرنے میں فتنہ اور فساد یقینی ہے اور خیر اور صلاح کا حصول موہوم ہے۔ عبدالملک بن مروان اور خلفاء عباسیہ میں سے اوائل کی خلافت اسی قسم کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایک شخص یا چند اشخاص کی جماعت اپنے زمانہ میں خلافت کی شرائط کے حامل ہوں یا ایک شخص سب سے افضل ہو تب بھی اس کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہوگی جب تک اس کی بیعت نہ کر لی جائے یا وہ غلبہ سے حکومت حاصل نہ کرے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور فقط ان کے افضل ہونے پر اکتفاء نہیں کی۔ اہل علم نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ حضرت علی کی خلافت ان طریقوں میں سے کس طریقہ سے منعقد ہوئی ہے؟ اکثر علماء کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں جو مہاجرین اور انصار موجود تھے انہوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حضرت علی شوریٰ کے فیصلہ کے نتیجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے، کیونکہ شوریٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ خلیفہ یا عثمان ہوں گے یا علی اور جب حضرت عثمان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علی خلافت کے لیے متعین ہو گئے لیکن یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔[1]

خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے شرائط

علامہ ابوالحسن ماوردی نے خلیفہ کو منتخب کرنے والوں کے لیے یہ تین شرطیں مقرر کی ہیں:

۱۔ انتخاب کرنے والے عادل ہوں (یعنی فرائض وغیرہ پر دائمی عمل کرنے والے اور محرمات سے دائماً بچنے والے صغیرہ پر غیر مصر ہوں)۔

۲۔ ان کو اس قدر علم ہو کہ استحقاق خلافت کی کیا شرائط ہیں اور کون شخص منصب کا اہل ہے اور کون نہیں۔

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ، ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۶-۵، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ

۴۔ وہ بیگ ملائے اور حسن تدبیر کے حامل ہوں تاکہ وہ صحیح تر اور موزوں تر شخص کو منتخب کر سکیں۔[1]

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کا فرق

موجودہ مغربی جمہوریت اور اسلامی ریاست کے درمیان کئی وجہ سے فرق ہے جس کو ہم یہاں اختصار سے بیان کر رہے ہیں۔

۱۔ مغربی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں، جبکہ اسلام میں اقتدار اور حاکمیت صرف اللہ کا ہے، سربراہ مملکت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام نافذ کرنے کے مجاز ہے۔

۲۔ مغربی جمہوریت میں قانون وضع کرنے کی اتھارٹی اور معیار "اکثریت" ہے اور اسلام میں معیار "حق" ہے جس کا فیصلہ امام اور مستند علماء کتاب، سنت، اجماع اور اقوال مجتہدین کی روشنی میں کریں گے۔

۳۔ مغربی جمہوریت میں مدت انتخاب پوری ہونے سے پہلے یا اس سے پہلے اکثریت کے فیصلہ کی بناء پر سربراہ مملکت کو معزول کیا جا سکتا ہے، اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت اس وقت تک اپنے عہدے پر قائم رہے گا جب تک وہ اسلام پر قائم ہے۔

۴۔ جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ دار کو منتخب کرنے کے لیے کوئی معیار نہیں اور ہر کس و ناکس کو ووٹ دینے کا حق ہے جب کہ اسلام میں یہ حق صرف ارباب حل و عقد کو حاصل ہے۔

۵۔ جمہوری طریقہ انتخاب میں عہدہ کے امیدوار کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ تعلیمی اہلیت اور صالحیت کی کوئی شرط نہیں ہے جس کے نتیجہ میں عورت ہو یا مرد، پڑھا لکھا ہو یا جاہل، نیک ہو یا بدمعاش پیسے اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر قانون ساز اتھارٹی کا ممبر بن جاتا ہے، اعلیٰ وزارت عظمیٰ کے امیدوار کے لیے بھی کوئی معیار نہیں ہے اور قومی اسمبلی میں پہنچنے والا ہر ممبر وزارت عظمیٰ کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے، دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کا معیار ہے اور ملک کے اتنے بڑے عہدے کے لیے کوئی معیار نہیں رکھا گیا اس کے برخلاف اسلام میں سربراہ مملکت کے لیے شرائط مقرر کی گئی ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

۶۔ مغربی جمہوریت کے طریقہ انتخاب میں امیدوار اپنے آپ کو منصب کے لیے پیش کرتا ہے اور اس کے لیے کنویسنگ کرتا ہے جبکہ اسلام میں منصب کو طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ ابواب میں آئے گی۔

ہر چند کہ مغربی جمہوریت اور اس کا طریقہ انتخاب متعدد وجوہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے لیکن اگر اس طریقے سے کوئی شخص منتخب ہو کر حکمران بن جاتا ہے تو اس کی حکومت صحیح ہوگی جس طرح متغلب کی حکومت صحیح ہوتی ہے اور اس کے جو احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں ان میں اس کی اطاعت لازم ہوگی۔

خلافت کی تاریخ عہد بہ عہد

اس سے پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو تمام عالم اسلام کا سربراہ ہو، خلافت کا یہ نظام اسلام میں ایک سو چھبیس سال تک رہا ہے

---

[1] علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی متوفی ۴۵۰ھ، الاحکام السلطانیہ ص ۶، مطبوعہ مطبعۃ مصطفی البابی مصر ۱۳۹۳ھ

اس کے بعد خلافت ختم ہوگئی اور خلافت کے نام سے بادشاہت آگئی اور مسلمانوں کی حکومتیں مختلف ریاستوں میں بٹ گئیں پھر تاریخ نے ایسا دور بھی دیکھا کہ مسلمان حکمران ایک دوسرے کے خلاف اپنی دفاعی قوتوں کو صرف کرتے رہے اور کفار کے خلاف جنگ اور جہاد ایک قصہ پارینہ بن گیا، ہم یہاں اختصار کے ساتھ خلفاء کے عہد کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں فنقول وباللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق بارہ ربیع الاول پیر کے دن ۱۱ھ کو منتخب ہوئے اور منگل کی رات بائیس جمادی الاخرۃ ۱۳ھ میں وصال فرمایا، آپ نے حضرت اسامہ کی قیادت میں شام کی طرف لشکر بھیجا جو رومیوں سے جنگ کر کے کامیاب رہا، مسیلمہ کذاب کو قتل کیا، حضرت علاء بن حضرمی کو بھیج کر بحرین کے مرتدین کی سرکوبی کی، مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا، حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو بھیج کر عمان کے مرتدوں کو سرکوبی کی، حضرت خالد بن ولید کو بصرہ بھیجا اور ابلہ شہر فتح کیا، عراق کے مشہور شہر مدائن کسریٰ کو فتح کیا، حضرت عمرو بن عاص کے ساتھ شام کی طرف لشکر بھیجا اور اجنادین فتح ہوا۔

(۲) حضرت عمر فاروق، حضرت ابوبکر کی وصیت کے مطابق خلیفہ ہوئے، ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کو آپ پر حملہ کیا گیا اور یکم محرم ۲۴ھ کو آپ شہید ہو گئے، آپ کی خلافت میں ۱۴ھ میں دمشق صلح اور جنگ سے فتح ہوا، پھر حمص اور بعلبک پر صلح سے قبضہ کیا، اسی سال بصرہ اور ابلہ فتح ہوئے۔ ۱۶ ہجری میں اہواز اور مدائن فتح ہوئے، تکریت اور بیت المقدس فتح ہوا، قنسرین، حلب اور انطاکیہ فتح ہوئے، منبج، سروج، قرقیسیا، بزاعہ اور حران جنگ سے فتح ہوئے، ۱۹ھ میں قیساریہ پر قبضہ ہوا، ۲۰ھ میں مصر جنگ سے فتح ہوا اور تستر فتح کیا، ۲۱ھ میں اسکندریہ اور نہاوند فتح ہوئے، ۲۲ھ میں آذربائیجان فتح ہوا اس کے بعد دینور اور ہمدان جنگ سے فتح ہوا، طرابلس المغرب فتح ہوا، عسکر اور قومس فتح ہوئے اور رے (طہران) فتح ہوا، ۲۳ھ میں کرمان، سجستان اور مکران فتح ہوئے اور بلاد جبل سے اصفہان تک کے علاقے فتح ہوئے۔

(۳) حضرت عثمان شوریٰ کے انتخاب سے خلیفہ ہوئے اور ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ کو شہید کیے گئے، آپ کے عہد میں ۲۴ھ میں دوبارہ رے (طہران) فتح ہوا، روم کا وسیع علاقہ فتح ہوا، ۲۸ھ میں قبرص فتح ہوا، افریقہ فتح ہوا اور اسی سال اندلس فتح ہوا، ۳۰ھ میں جور، خراسان اور نیشاپور صلح سے فتح ہوئے، ایران کے چند شہر طوس، سرخس، مرو، اور بیہق بھی صلح سے فتح ہوئے۔

(۴) حضرت علی اہل مدینہ کے انتخاب سے خلیفہ ہوئے اور ۱۷ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے، آپ کے عہد میں جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئی۔

(۵) حضرت حسن بن علی اہل کوفہ کی بیعت سے خلیفہ ہوئے، جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔

(۶) حضرت حسن سے صلح کے نتیجہ میں حضرت معاویہ خلیفہ ہوئے اور ۲۲ رجب ۶۰ھ کو انتقال ہوا، اصحاب ان کے عہد میں ۵۱ ہجری میں بلخ فتح ہوا، ۵۳ھ میں جزیرہ روڈس اور بخارا فتح ہوا۔

(۷) حضرت معاویہ کے ولی عہد مقرر کرنے کی وجہ سے یزید خلیفہ ہوا اور ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ میں ہلاک ہو گیا، یزید کے عہد میں سانحہ کربلا رونما ہوا، میدان حرہ میں اہل مدینہ سے جنگ کی گئی اور ان کا قتل عام کیا گیا، اور خانہ کعبہ جلایا گیا۔

(۸) معاویہ بن یزید، یزید کا جانشین ہوا اور چالیس دن یا دو ماہ بعد ۶۴ھ میں ہلاک ہو گیا۔

(۹) یزید کی موت کے بعد حجاز، یمن، عراق اور خراسان کے مسلمانوں نے حضرت عبد اللہ بن الزبیر کے ہاتھ پر (۶۴ھ) میں بیعت کر لی اور شام اور مصر کے لوگوں نے یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن اس کی موت کے بعد شام اور مصر کے لوگوں نے بھی حضرت ابن الزبیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر مروان بن الحکم نے ان کے خلاف بغاوت کی اور شام اور مصر پر غلبہ حاصل کر لیا، ۶۵ھ میں مروان مر گیا اور اس کا بیٹا عبد الملک بن مروان ولی عہد ہوا اس نے حجاج بن یوسف سے حضرت ابن الزبیر پر حملہ کرایا اور ۱۷ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں حضرت ابن الزبیر کو شہید کر دیا گیا، اس طرح ۹ سال کے بعد حضرت ابن الزبیر کی خلافت ختم ہو گئی، اور عبد الملک بن مروان تمام ممالک اسلامیہ پر غلبہ سے قابض ہو گیا، حضرت ابن الزبیر نے اپنے عہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق کعبہ کی تعمیر کی۔

(۱۰) عبد الملک بن مروان ۷۳ھ میں غلبہ سے خلافت پر قابض ہوا اور شوال ۸۶ھ میں اس نے وفات پائی، اس کے عہد میں زیادہ تر خارجیوں سے جنگ ہوتی رہی، ۷۸ھ میں تالیقان فتح ہوا اور ۸۴ھ میں قلعہ باذغیس کی تسخیر ہوئی۔

(۱۱) ولید بن عبد الملک کو عبد الملک نے اپنی زندگی میں نامزد کر دیا تھا، اس نے ۱۵ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ میں وفات پائی، اس کے عہد میں بیکند، بخارا، سردانیہ، مطمورہ، قمیم اور بحیرۃ الفرسان فتح ہوئے۔

(۱۲) سلیمان بن عبد الملک، عبد الملک کی وصیت کے مطابق خلیفہ ہوا، اس کی خلافت صفر ۹۹ھ تک رہی، اس کے عہد میں جرجان، قلعہ حدید، سردا، شقنا، طبرستان اور شہر صنافیہ فتح ہوئے۔

(۱۳) عمر بن عبد العزیز، سلیمان کی وصیت سے خلیفہ ہوئے، ان کی خلافت ۲۵ رجب ۱۰۱ھ تک رہی ان کو خلیفہ راشد قرار دیا گیا ان کے عہد میں زیادہ تر داخلی اصلاحات ہوئیں۔

(۱۴) یزید بن عبد الملک بن مروان اپنے بھائی سلیمان بن عبد الملک کی وصیت کے مطابق عمر بن عبد العزیز کے بعد خلیفہ ہوا، شعبان ۱۰۵ھ میں اس کی وفات ہو گئی۔

(۱۵) ہشام بن عبد الملک اپنے بھائی یزید بن عبد الملک کے ولی عہد کی حیثیت سے خلیفہ ہوا، ربیع الآخر ۱۲۵ھ میں اس کی وفات ہو گئی، اس کی حکومت کے ساتویں سال مدم جنگ و جدال سے فتح ہوا، آٹھویں سال میں قیصرہ فتح ہوا اور بارھویں سال میں خرشنہ فتح ہوا۔

(۱۶) ولید بن یزید بن عبد الملک اپنے باپ کی وصیت کے مطابق جانشین ہوا، یہ انتہائی بدکار، شرابی اور لوطی تھا، لوگوں نے اس کے فسق و فجور سے تنگ آ کر ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۲۶ھ میں اس کو قتل کر دیا۔

(۱۷) یزید ناقص ابو خالد بن ولید، اپنے چچا زاد ولید بن یزید کو قتل کر کے خلافت پر قابض ہوا، یہ قدری تھا اور لوگوں کو قدریت کی طرف دعوت دیتا تھا، خلافت کے چھ ماہ بعد، ذوالحجہ ۱۲۶ھ میں فوت ہو گیا۔

(۱۸) ابراہیم بن ولید بن عبد الملک، اس کے ولی عہد ہونے میں اختلاف ہے، اس نے صرف ستر دن حکومت کی اس

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے لکھا ہے کہ ولید بن یزید بن عبد الملک پر بارہ خلفاء پورے ہو گئے اور اس کے بعد خلافت ختم ہو گئی کیونکہ ولید بن یزید بن عبد الملک کے بعد سے کر اب تک امت کسی ایک خلیفہ پر متفق نہیں ہو سکی اس کے بعد صرف خلافت کا نام تھا حقیقت میں ملوکیت اور سلطنت تھی (الصواعق المحرقہ ص ۲۱-۲۰، مطبوعہ مصر)

کے خلاف مروان بن محمد نے خروج کیا اور یہ اس کے حق میں دستبردار ہو گیا۔

(۱۹) مروان بن محمد بن مروان بن الحکم الحمار ۱۲۷ھ میں غلبہ سے خلافت پر قابض ہوا، اس کے خلاف عباسیوں نے خروج کیا اور ذوالحجہ ۱۳۲ھ میں اس کو قتل کر دیا گیا، یہ بنو امیہ کا آخری خلیفہ تھا۔

(۲۰) ابو العباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم، اس کا لقب سفاح تھا، یہ پہلا عباسی خلیفہ تھا، سفاح کے دور میں مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا تھا اس لیے سفاح کے قبضہ سے طاہر و طنجہ سے لے کر مراکش اور اندلس تک کے تمام علاقے نکل گئے، ان علاقوں کے علاوہ اور بھی کئی شہر اس کے ہاتھ سے جاتے رہے، ذوالحجہ ۱۳۶ھ میں سفاح فوت ہو گیا۔

(۲۱) المنصور ابو جعفر عبداللہ اس کو سفاح نے اپنا ولی عہد بنایا تھا، ۱۴۰ھ تک تمام متعدد ممالک پر اس کا قبضہ ہو گیا، البتہ اندلس پر قبضہ نہیں کر سکا، کیونکہ اندلس میں عبدالرحمان بن معاویہ اموی مروانی نے اپنی سلطنت قائم کر لی تھی، اس کے عہد میں خراسان میں بغاوت ہوئی، ذوالحجہ ۱۵۸ھ میں منصور فوت ہو گیا۔

۱۳۲ھ کے بعد تمام عالم اسلام ایک حکمران کے تحت نہیں رہا کیونکہ اندلس میں ایک الگ حکومت قائم ہو گئی تھی، اور عملاً خلافت ختم ہو چکی تھی، کیونکہ اب تمام عالم اسلام کا ایک سربراہ نہیں تھا۔

(۲۲) مہدی ابو عبداللہ محمد بن منصور، اس کو منصور نے اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کر دیا تھا اس کے عہد میں روم کے اکثر علاقے فتح ہوئے، ۱۶۹ھ میں مہدی کا انتقال ہو گیا۔

(۲۳) ابو محمد موسیٰ بن المہدی المعروف بالہادی، یہ مہدی کی وصیت کے مطابق خلیفہ ہوا، ۱۷۰ھ میں فوت ہو گیا۔

(۲۴) الرشید ہارون بن مہدی، اس کو مہدی نے ہادی کے بعد نامزد کیا تھا، اس کے عہد میں ۱۷۶ھ میں دبیلہ شہر فتح ہوا، ۱۸۱ھ میں صفصاف کا قلعہ فتح ہوا، ۱۸۳ھ میں افریقہ میں بغاوت شروع ہو گئی، ۱۹۰ھ میں ہارون نے روم کا شہر ہرقلہ فتح کیا، ۱۹۳ھ میں فوت ہو گیا۔

(۲۵) الامین محمد ابو عبداللہ بن رشید، اس کو ہارون نے ولی عہد بنایا تھا، ہارون نے اس کے بعد مامون بن رشید کو ولی عہد بنایا تھا، ۱۹۴ھ میں امین نے مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا، مامون نے امین کے خلاف بغاوت کر کے ۱۹۸ھ میں خلافت پر قبضہ کر لیا، امین قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل تھا، گانے بجانے، شراب نوشی اور اغلام کا عادی تھا، ۱۹۸ھ میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

(۲۶) مامون عبداللہ ابو العباس بن رشید، اس نے غلبہ سے خلافت پر قبضہ کر لیا، ۲۱۱ھ میں اس نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی سب سے افضل ہیں، ۲۱۲ھ میں اس نے خلق قرآن کے عقیدے کا اظہار کیا۔ ۲۱۵ھ میں اس نے روم کے بعض شہروں کو فتح کیا، جن علماء نے خلق قرآن کے عقیدہ میں اس کی ہمنوائی نہیں کی ان کو مروا دیا یا سخت آزمائش میں مبتلا کیا۔ ۱۲ رجب ۲۱۸ھ کو مر گیا۔

(۲۷) المعتصم باللہ ابو اسحاق محمد بن الرشید، مامون کے بعد اس کی بیعت کی گئی یہ بھی معتزلی تھا اس نے بہت سے علماء کو قتل کیا، ۲۲۳ھ میں اس نے روم پر لشکر کشی کی اور عموریہ کو فتح کیا، ۱۹ ربیع الاول ۲۲۷ھ میں فوت ہو گیا۔

(۲۸) الواثق باللہ ہارون ابو جعفر بن معتصم، اس کو معتصم نے ولی عہد مقرر کیا، یہ بھی خلق قرآن کے عقیدے کا قائل تھا اور

اس نے بھی علماء کی آزمائش میں غلو کیا، یہ ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ کو فوت ہو گیا۔

(۲۹) المتوکل علی اللہ جعفر ابو الفضل بن معتصم بن ہارون، یہ واثق کی موت کے بعد خلیفہ ہوا، اس نے امام حسین کی قبر کھدوا دی تھی، یہ ایک عیاش شخص تھا، اس نے پہلے اپنے بیٹے منتصر کو ولی عہد مقرر کیا بعد میں اس کو بدلنا چاہا، منتصر نے سازش کر کے اس کو ۵ شوال ۲۴۷ھ میں قتل کرا دیا۔

(۳۰) محمد ابو جعفر المنتصر باللہ، یہ اپنے باپ کو قتل کرنے کے بعد خلیفہ ہوا۔ ۵ ربیع الآخر ۲۴۸ھ میں فوت ہو گیا۔

(۳۱) المستعین باللہ ابو العباس احمد بن معتصم بن رشید، اس کو ترک سرداروں نے مشاورت کے ذریعہ خلافت پر بٹھایا، بعد میں اس کی ترکوں سے مناقشت ہو گئی جس کے نتیجہ میں اس کو ۲۵۲ھ میں خلافت سے دستبردار ہونا پڑا، ۳ شوال ۲۵۲ھ میں قتل کر دیا گیا۔

(۳۲) المعتز باللہ محمد ابو عبد اللہ بن المتوکل بن المعتصم بن الرشید، اس کو ترکوں نے خلافت پر بٹھایا تھا، ۲۵۵ھ میں یہ ترکوں کے مالی مطالبہ کو پورا نہ کر سکا جس کے نتیجہ میں ترک سرداروں نے اس کو مار پیٹ کر اس سے خلافت سے دستبرداری لکھوالی، شعبان ۲۵۵ھ میں یہ ترکوں کے ظلم سے پیاسا مر گیا۔

(۳۳) المہتدی باللہ ابو عبد اللہ بن واثق بن معتصم بن رشید، اس کو ترکوں نے خلافت پر بٹھایا، اس نے ترکوں سے جنگ کی لیکن اس نے شکست کھائی، اسے گرفتار کر کے اور اس کے خصیے دبا کر اس کو رجب ۲۵۶ھ میں مار ڈالا گیا۔

(۳۴) المعتمد علی اللہ احمد بن متوکل بن معتصم بن رشید، اس کو جیل خانہ سے نکال کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، ۱۲ رجب ۲۷۹ھ میں مر گیا۔

(۳۵) المعتضد باللہ احمد بن موفق بن معتصم بن رشید، اس کو معتمد نے ولی عہد بنایا تھا، یہ فلسفہ کے خلاف تھا، ۲۲ ربیع الآخر ۲۸۹ھ میں فوت ہو گیا۔

(۳۶) المکتفی باللہ علی ابن معتضد، اس کو اس کے باپ نے اپنی زندگی میں نامزد کر دیا تھا، ۲۹۱ھ میں روم کا شہر انطاکیہ فتح ہوا، یہ نیک اور عادل خلیفہ تھا۔ ۲۲ ذوالقعدہ ۲۹۵ھ میں فوت ہوا۔

(۳۷) المقتدر باللہ جعفر بن المعتضد، اس کو اس کے بھائی نے اپنی بیماری کے ایام میں خلیفہ نامزد کیا تھا، ۳۰۱ھ میں مہدی فاطمی، اسکندریہ اور فیوم پر قابض ہو گیا، ۳۰۴ھ حاکم خراسان کے ہاتھوں فرغانہ فتح ہوا، ۳۱۴ھ میں سمیساط پر رومیوں نے قبضہ کر لیا، ۳۱۵ھ میں رومیوں نے دمیاط پر قبضہ کر لیا، ۳۱۶ھ میں قرامطہ کی یورش سے بہت سے مقبوضات مقتدر کے ہاتھوں سے نکل گئے، ۳۱۷ھ میں مقتدر بغاوت سے گھبرا کر دستکش ہو گیا لیکن دوبارہ اقتدار پر بحال ہو گیا، ۳۲۰ھ میں مقتدر کی بربریوں سے جنگ ہوئی ایک بربر نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ بدھ کا دن تھا اور شوال کی ۲۷ تاریخ تھی۔

(۳۸) القاہر باللہ ابو منصور محمد بن المعتضد، اس کو استصواب کے بعد خلیفہ بنایا گیا، یہ رقص و سرود کا رسیا اور عادی شرابی تھا، ۳۲۲ھ میں ابن بویہ نے فارس پر قبضہ کر لیا پھر اس نے مزید شہروں پر قبضہ کیا اور خراسان اور فارس بنو عباس کے قبضہ سے نکل گئے، القاہر انتہائی ظالم اور سفاک تھا، اس کے ظلم اور خونریزی کی بنا پر ۳۲۲ھ میں اس سے خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کیا گیا اس نے انکار کیا تو گرم سلائیوں سے اس کی آنکھیں نکال دی

گئیں، ۳۳۳ھ تک یہ قید رہا، پھر اس کو رہائی ملی، مکتفی کے دور حکومت میں یہ نظر بند رہا اور جمادی الاولیٰ ۳۳۹ھ میں فوت ہوگیا۔

(۳۹) الراضی باللہ ابو العباس محمد بن مقتدر بن معتضد: یہ قاہر باللہ کی معزولی کے بعد ۳۲۲ھ میں تخت نشین ہوا، ۳۲۴ھ میں محمد بن رائق نے واسط اور اس کے تمام نواحی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ کے قبضہ سے تمام ملک اور مال اسباب نکل گئے، ۳۲۵ھ میں متعدد شہروں پر خارجیوں کا قبضہ ہوگیا، ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اور راضی باللہ کے قبضہ میں بغداد اور نواحی بغداد کے سوا کچھ نہ رہا، اس صورت حال سے اسپین کے بادشاہ امیر عبد الرحمان بن محمد اموی نے فائدہ اٹھایا اور اس نے دعویٰ کیا کہ خلافت کا سب سے زیادہ میں حقدار ہوں اس نے امیر المؤمنین ناصر دین اللہ کا لقب اختیار کیا یہ بلند ہمت مجاہد تھا اندلس کے وسیع حصہ کو اس نے فتح کیا اور ستر شہروں پر قبضہ کیا، ۳۲۵ھ میں خلافت کے تین دعویدار تھے، اندلس میں عبد الرحمن، بغداد میں راضی باللہ اور قیروان میں مہدی۔ ربیع الثانی ۳۲۹ھ میں راضی باللہ طویل علالت کے بعد مر گیا۔

(۴۰) المتقی للہ ابو اسحاق ابراہیم بن المقتدر بن المعتضد: یہ اپنے بھائی راضی کی موت کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا، یہ عابد و زاہد نمازی تھا، یہ صرف نام کا بادشاہ تھا تمام امور حکومت ابو عبد اللہ احمد بن الکوفی بیکری ترک کے اختیار میں تھے، ۳۳۰ھ میں بغداد میں ایک ہولناک قحط پڑا، ۳۳۳ھ میں اس کو اندھا کر کے اس سے خلافت لے لی گئی۔

(۴۱) المستکفی باللہ ابو القاسم عبد اللہ بن مکتفی بن معتضد: صفر ۳۳۳ھ میں تخت پر بیٹھا اس نے ابن بویہ کو معز الدولہ کا خطاب دیا۔ معز الدولہ تمام سلطنت پر قابض ہوگیا، ۳۳۴ھ میں المستکفی کو قید کرا دیا، اس کو خلافت سے دستبردار کر دیا اور اس کی آنکھیں نکلوا دیں، ۳۳۸ھ میں یہ قید خانہ کے اندر مر گیا۔

(۴۲) المطیع للہ ابو القاسم الفضل بن مقتدر: ۳۳۴ھ میں تخت نشین ہوا، یہ بھی اپنے پیشرو کی طرح اختیارات سے کلیۃً محروم تھا، ۳۴۰ھ میں مغرب میں منصوری بادشاہ مر گیا اور اس کا بیٹا معد تخت نشین ہوا، اس کا لقب معز لدین اللہ تھا، ۳۴۳ھ میں خراسان کے بادشاہ نے خطبوں میں مطیع للہ کا نام پڑھوایا۔ ۳۵۱ھ معز الدولہ نے حضرت امیر معاویہ اور صحابہ پر علی الاعلان لعنت کرانی شروع کی، ۳۵۶ھ میں قرامطہ دمشق پر قابض ہوگئے اب شیعوں کی حکومت اقلیم مغرب، مصر اور عراق تک پھیل گئی، ربیع الآخر ۳۶۱ھ میں قاہرہ میں جامع ازہر کی بنیاد پڑی جو دو سال میں مکمل ہوئی، ۳۶۲ھ میں المطیع اور معز الدولہ میں اختلاف ہوگیا، معز الدولہ کا ایک غلام مارا گیا اس نے طیش میں آکر بغداد میں ایک جگہ آگ لگوا دی جس سے سینکڑوں گھر جل گئے، ۳۶۳ھ میں المطیع پر فالج گرا، معز الدولہ نے حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے الطائع للہ کے حق میں دستبردار ہو جائے چنانچہ ۲۳ ذوالقعدہ ۳۶۳ھ کو اس حکم کی تعمیل کی گئی اور الطائع للہ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔
مطیع للہ ۳۶۴ھ میں فوت ہوگیا۔

(۴۳) الطائع للہ ابو بکر عبد الکریم بن مطیع: اس کی تخت نشینی کے لیے اس کے باپ کو خلافت سے دستبردار کرایا گیا تھا، ۳۶۵ھ میں رکن الدولہ بن بویہ نے اپنے ممالک محروسہ کو اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔ اس نے عضد الدولہ کو فارس و کرمان، مؤید الدولہ کو رے اور اصبہان اور فخر الدولہ کو ہمدان اور دینور دے دیے۔ اسی سال المعز لدین اللہ شاہ مصر کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا نزار بادشاہ ہوا، اس کا لقب عزیز تھا، ۳۶۶ھ میں المستنصر باللہ الحکم بن ناصر اموی بادشاہ اندلس کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا المؤید باللہ ہشام تخت نشین ہوا، ۳۶۷ھ میں عز الدولہ اور عضد الدولہ

کامیاب ہوا اور الطائع تشہد نے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا، ۳۶۸ھ میں طائع کے حکم سے خطبوں میں عضد الدولہ کا نام لیا جانے لگا، ۳۷۲ھ میں عضد الدولہ کا انتقال ہو گیا، ۳۷۹ھ میں طائع نے ابو نصر کو بہاء الدولہ کا خطاب دیا، ۳۸۱ھ میں بہاء الدولہ نے الطائع کو گرفتار کر لیا اور اس سے کہا اپنے بیٹے قادر باللہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤ، ۳۹۳ھ میں قادر باللہ فوت ہو گیا۔

(۲۶) القادر باللہ ابو العباس احمد بن اسحاق المقتدر، اس کو ۳۸۱ھ میں خلافت پر بٹھایا گیا، ۳۸۰ھ میں سلطان فخر الدولہ کا انتقال ہو گیا، اس کا چار سالہ بیٹا تخت پر بٹھایا گیا۔ قادر باللہ نے اس کے بیٹے مجد الدولہ کا لقب تجویز کیا، ۳۹۰ھ میں بغداد میں زبردست شیعہ سنی فساد ہوا، ۴۲۲ھ میں القادر باللہ انتقال کر گیا۔

(۲۷) القائم بامر اللہ ابو جعفر عبد اللہ بن القادر، اس کے باپ القادر باللہ نے اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کر دیا تھا، ۴۵۰ھ میں ایک ترک سردار بساسیری کی القائم سے جنگ ہوئی اور بساسیری کامیاب ہوا اس نے القائم کو گرفتار کر کے [illegible] دیا، ۴۵۱ھ میں القائم رہا ہوا اور بساسیری قتل کر دیا گیا، ۴۶۷ھ میں القائم کا انتقال ہوا اس نے اپنے پوتے عبد اللہ بن محمد کو خلیفہ نامزد کیا۔

(۲۸) المقتدی بامر اللہ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن القائم بامر اللہ، یہ بطور ولی عہد خلیفہ ہوا، ۴۷۹ھ میں یوسف بن تاشفین والی مراکش نے مقتدی سے درخواست کی کہ جو ممالک اس کے قبضہ میں ہیں ان پر اس کے اقتدار کو تسلیم کر کے اس کو سلطان کا لقب عطا کیا جائے، مقتدی نے یہ درخواست منظور کر لی اور اس کو امیر المسلمین کا لقب عطا فرمایا، ۴۸۱ھ میں ابراہیم بن مسعود بن محمود سبکتگین والی غزنی کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا جلال الدین تخت نشین ہوا، ۴۸۵ھ میں ملک شاہ بغداد آیا اور مقتدی سے کہا بغداد خالی کر دو، مقتدی نے دس دن کی مہلت مانگی اور ان دس دنوں میں ملک شاہ کا انتقال ہو گیا اور یہ مقتدی کی کرامت سمجھی گئی، ۴۸۷ھ میں مقتدی کا انتقال ہو گیا

(۲۹) المستظہر باللہ ابو العباس احمد بن المقتدی باللہ، یہ اپنے والد کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا، ۴۹۰ھ میں سلطان ارسلان سلجوقی والی خراسان قتل کر دیا گیا اور سلطان برکیارق نے اس کے تمام ممالک محروسہ پر قبضہ کر لیا، اسی سال عیسائیوں نے شام کے شہر انطاکیہ پر قبضہ کر لیا، ۴۹۲ھ میں قرامطہ پورے اصفہان پر چھا گئے، اور اسی سال عیسائیوں نے ڈیڑھ سال کے محاصرہ کے بعد بیت المقدس کو فتح کر لیا اور ستر ہزار مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ ۴۹۴ھ میں عیسائیوں نے شہر سروج، حیفہ، ارسوف اور قیساریہ پر قبضہ کر لیا، ۴۹۵ھ المستعلی والی مصر کا انتقال ہو گیا، اور اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جو آمر باحکام اللہ کا لقب یافتہ تھا، ۵۰۲ھ میں فرنگیوں نے دو سال کے محاصرے کے بعد طرابلس کو فتح کر لیا، ۵۰۳ھ میں فرانس کے بادشاہ اور ابن تاشفین والی اندلس میں جنگ چھڑ گئی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ۵۱۲ھ میں المستظہر باللہ فوت ہو گیا۔

(۳۰) المسترشد باللہ ابو منصور، الفضل بن المستظہر باللہ، یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، ۵۲۹ھ میں مسعود نے المسترشد کو گرفتار کر کے قید کر لیا اور قرامطہ نے المسترشد کو قتل کر دیا۔

(۴۹) الراشد باللہ ابوجعفر منصور بن مسترشد، یہ المسترشد کے بعد جانشین ہوا، ۵۳۰ھ میں سلطان مسعود کے اشارے سے اس کو معزول کیا گیا اور اس کے چچا محمد مستظہر کو المقتفی لامر اللہ کا خطاب دے کر خلیفہ بنایا گیا، ۵۳۲ھ میں اس کو قتل کر دیا گیا۔

(۵۰) المقتفی لامر اللہ ابو عبد اللہ۔ ۵۴۳ھ میں فرنگیوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا، نورالدین محمود بن زنگی والی حلب نے ان کا مقابلہ کیا اور فرنگیوں سے تمام شہر واپس لے لیے، ۵۴۴ھ میں الحافظ لدین اللہ والی مصر کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا اسماعیل تخت نشین ہوا، ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود کا انتقال ہو گیا، ۵۴۸ھ میں ترکان غز نے سلطان سنجر پر حملہ کر دیا اور تمام ممالک مرو وغیرہ اس کے قبضے سے نکل گئے، ۵۴۹ھ میں والی مصر الظافر باللہ فوت ہو گیا اور المقتفی نے نورالدین زنگی سے کہا مصر پر قبضہ کر لو اور اس کو الملک العادل کا خطاب دیا۔ نورالدین زنگی اس وقت دمشق کا حکمران تھا، ۵۵۵ھ میں المقتفی کا انتقال ہو گیا۔

(۵۱) المستنجد باللہ ابو المظفر یوسف بن المقتفی، اس کو المقتفی نے ولی عہد نامزد کیا تھا، ۵۶۲ھ میں فرنگیوں نے مصر پر حملہ کیا اور شہر بلبیس پر قبضہ کر لیا اور قاہرہ کا محاصرہ کر لیا، سلطان نورالدین مسلمانوں کی مدد کے لیے آیا اور فرنگی بھاگ کھڑے ہوئے، ۸ ربیع الثانی ۵۶۶ھ میں مستنجد کا انتقال ہو گیا۔

(۵۲) المستضئ بامر اللہ حسن بن المستنجد باللہ، یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں مصر میں بنو عبید کی حکومت ختم ہو گئی، اور مصر میں المستضئ کا نام خطبوں میں پڑھا جانے لگا، ۵۷۰ھ میں سلطان صلاح الدین کا انتقال ہو گیا، ۵۷۵ھ میں المستضئ کا انتقال ہو گیا۔

(۵۳) الناصر لدین اللہ ابو العباس بن المستضئ بامر اللہ، یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، یہ مذہباً شیعہ تھا، الناصر نے ایک بار علامہ ابن جوزی سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون افضل ہے، ابن جوزی نے کہا من کانت ابنتہ تحتہ "اس جملے کے دو معنی ہیں، جن کی بیٹی آپ کے نکاح میں تھی یعنی حضرت ابوبکر اور دوسرا معنی ہے جن کے عقد میں آپ کی صاحبزادی تھی یعنی حضرت علی، ۶۲۲ھ میں الناصر فوت ہو گیا۔

(۵۴) الظاہر بامر اللہ ابو نصر محمد بن الناصر لدین اللہ، اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، اور ۶۲۳ھ میں فوت ہو گیا۔

(۵۵) المستنصر باللہ ابو جعفر منصور بن الظاہر بامر اللہ، الظاہر کے بعد تخت نشین ہوا اور ۶۴۰ھ میں فوت ہو گیا۔

(۵۶) المستعصم باللہ ابو احمد عبد اللہ بن المستنصر اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا، یہ عراق میں عباسیوں کا آخری خلیفہ تھا، ۶۵۵ھ میں تاتاریوں نے عباسی سلطنت پر حملے شروع کر دیے، اسی سال ہلاکو نے بغداد پر حملہ کر دیا، چالیس روز تک تاتاری بغداد میں مسلمانوں کو قتل کرتے رہے، لاکھوں مسلمان قتل کر دیے گئے، المستعصم کی لاش کو دفن ہونا بھی نصیب نہیں ہوا، ۶۵۶ھ میں کوئی بھی خلیفۃ المسلمین کے نام سے سلطان نہیں تھا، مصر میں المنصور علی بن معز والی تھا لیکن یہ کمسن تھا اس کا اتالیق سیف الدین تھا، ۶۵۷ھ میں بھی کوئی خلیفہ نہیں تھا اور تاتاری دمشق تک پہنچ گئے تھے، ۶۵۸ھ میں بھی بغداد کا تخت خلافت سے خالی تھا۔

۶۵۹ھ میں الحاکم بامر اللہ ابو العباس سلطان بیبرس (ملک الظاہر) کی مدد سے مصر میں خلیفہ ہو گیا، ۶۶۳ھ میں سلطان ابو عبد اللہ بن الاحمر بادشاہ اندلس کو فرنگیوں پر فتح حاصل ہوئی، ۶۷۶ھ میں سلطان بیبرس کا انتقال ہو گیا، ۷۰۱ھ میں الحاکم بامر اللہ کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا المستکفی باللہ ولی عہد نامزد ہوا، مصر اور شام میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا

تھا، ۷۰۶ھ میں المستکفی گرفتار ہونے کے بعد قید میں فوت ہوگیا، اس کے بعد الحاکم بامر اللہ خلیفہ ہوا، اور ۷۵۳ھ میں فوت ہوگیا، پھر المعتضد باللہ خلیفہ ہوا اور ۷۶۳ھ میں فوت ہوگیا، پھر المتوکل علی اللہ خلیفہ ہوا، ۷۷۹ھ میں المتوکل کو گرفتار کر کے معزول کر دیا گیا، اس کے بعد الواثق باللہ خلیفہ ہوا اور ۷۸۸ھ میں فوت ہوگیا، اس کے بعد اس کے بھائی المستعصم باللہ زکریا کی بیعت کی گئی لیکن ۷۹۱ھ میں اس کو معزول کر دیا گیا، اس کے بعد متوکل پھر تخت نشین ہوگیا، ۸۰۸ھ میں المستعین باللہ ابوالفضل کی بیعت کی گئی۔ ۸۱۴ھ میں غیاث الدین شاہ ہندوستان نے مستعین کی خدمت میں حاضر ہو کر سلطان کا خطاب حاصل کیا، ۸۱۵ھ میں مستعین کو گرفتار کر کے معزول کر دیا گیا اور اس کا بھائی معتضد باللہ خلیفہ ہوگیا، ۸۴۵ھ میں معتضد فوت ہوگیا، اس کے بعد المستکفی باللہ بطور ولی عہد نامزد ہوگیا، اور ۸۵۴ھ میں فوت ہوگیا، اس کے بعد القائم بامر اللہ کی بیعت کی گئی، ۸۵۹ھ میں اس کو سلطان نے قید کر لیا اور ۸۶۳ھ میں قید خانہ میں ہی مر گیا، اس کی معزولی کے بعد المستنجد باللہ خلیفہ ہوا اور ۸۸۴ھ میں فوت ہوگیا، اس کے بعد المتوکل علی اللہ خلیفہ ہوا اور ۹۰۳ھ میں فوت ہوگیا، یہاں تک کی تفصیل ہم نے علامہ سیوطی کی تاریخ الخلفاء سے حاصل کی ہے، جس کو ہم نے اختصار سے بیان کیا ہے، اب ہم خلافت کے آخری عہد کو اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے حوالے سے بیان کر رہے ہیں۔

تیرھویں صدی عیسوی سے مغرب میں بھی کئی خلیفہ نظر آنے لگے: اسلامی دنیا کے مشرقی حصے میں بھی وقتاً فوقتاً بہت سے امیروں نے اس لقب کو اختیار کر لیا تھا، جیسے سلجوقی، تیموری، ترکمان، ازبک اور عثمانی حکمران (جو الیس ہی دو مرکزی اہمیت نہ رکھتے تھے) بہت سے خود مختار امیر ایسے تھے جو اپنی رعایا سے عہد وفاداری کے جواز کے لیے اپنے مرتبے کو خلیفہ سے منوا کر اس سے خطاب حاصل کرنا چاہتے تھے، مثلاً جنوبی ایران میں مظفری خاندان کے دو بادشاہ (۱۳۱۳ تا ۱۳۸۴ء)، ہندوستان میں محمد بن تغلق (۱۳۲۵ تا ۱۳۵۱ء) اور اس کے جانشین فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ تا ۱۳۸۸ء) نے یہی کیا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ ترکیہ کے عثمانی سلطان بایزید اول (رک باں) نے بھی ۱۳۹۴ء میں قاہرہ کے عباسی خلیفہ سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اسے سلطان کا خطاب باضابطہ طور پر عطا کرے (Gesch . D . Osman Reiches: V.Hammer بار دوم ۱: ۱۹۵)، مگر اس روایت کے بارے میں شک کیا جاتا ہے کیونکہ چودھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے ادرنہ (رک باں) اور فیلیپو پولس وغیرہ کی فتح کے بعد اس کے باپ مراد اول نے اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ القادر (: خدا کا منتخب خلیفہ) کہلوانا شروع کر دیا تھا (فریدون، ۱: ۹۳ س ۲۲) اور اس کے بعد عثمانی سلاطین نے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا اور ان کو رعایا اور دوسرے ملکوں میں ان کے وقائع نگار یا دوسرے خط و کتابت کرنے والے لوگ ان کے اس دعوے کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اس زمانے تک پہنچتے پہنچتے امام کے لیے قرشی ہونے کی شرط نظر انداز ہو چکی تھی اور قرآن مجید کی آیات مثلاً۔ یداود انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض (اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے) سے جواز حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اسی طرح دوسری آیتیں مثلاً وھو الذی جعلکم خلٰئف الارض۔ انعام ——

کا حوالہ بھی اس زمانے کی سیاسی خط و کتابت میں برابر نظر آتا ہے، چنانچہ جب سلطان سلیم اول (رک باں) جنوری ۱۵۱۷ء میں فاتحانہ قاہرہ میں داخل ہوا اور وہاں کی عباسی خلافت کو ختم کر کے اس خاندان کے آخری نمائندے المتوکل کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا تو اس وقت وہ پہلے ہی سے نہ صرف اپنے آپ کو خلیفہ کہتا تھا بلکہ اپنے آباؤ اجداد کو بھی جو ڈیڑھ سو برس

قبل گزر سے تھے، "خلیفہ" کہلوا رہا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ المتوکل نے اپنا منصب سلیم کو منتقل کر دیا تھا جس کا ذکر ......
Mouradgea D'Ohsson Constantine نے ۱۷۸۸ء میں کیا تھا، (Tableau Generale
de l'Empire Othoman) پیرس ۱۷۸۸ء-۱۸۲۴ء، ۱: ۲۶۹ تا ۲۷۰)۔ آج دوسرے ہم عصر مستند مصنفین نے مصر کی
فتح کا ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی نے منصب خلافت کے اس طرح منتقل کیے جانے کا ذکر نہیں کیا (تاہم اس
انتقال خلافت کا امکان اس لیے ہے کہ المتوکل سلطان سلیم کی زندگی میں قسطنطنیہ میں بعزت و احترام رہا، سلیم کی وفات
کے بعد المتوکل کو مصر واپس جانے کی اجازت مل گئی تھی اور وہ وہاں اپنی وفات (۱۵۴۳ء) تک خلیفہ رہا۔) بہرحال بیسویں صدی
کے آغاز تک عثمانی سلاطین ہی منصب خلافت پر قائم رہے، اگرچہ مغربی اور دوسرے ایرانی بادشاہوں نے اور
ہندوستان کے مغل شہنشاہوں نے یا تو انھیں اپنا ہم مرتبہ تصور کیا یا حریف خیال کیا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں مغل سلطنت
کے زوال کے بعد اسلامی دنیا میں عثمانی سلاطین ہی سب سے بڑے حکمران رہ گئے تھے، مگر ان کی طاقت کو بھی اپنے دراز
دست شمالی ہمسائے کی طرف سے خطرہ پیدا ہو رہا تھا۔ روس سے ان کی جنگ (۱۷۶۸ء۔ ۱۷۷۴ء) کے بعد انھیں بحیرۂ
کے شمالی ساحل والے علاقوں کو روس کے حوالے اور قریم کے تاتاریوں کی خود مختاری کو تسلیم کرنا پڑا۔ اس پر کیتھرائن
دوم نے عثمانی مملکت کی حدود میں رہنے والے ان عیسائیوں کی سرپرستی کا دعویٰ کیا، جو راسخ العقیدہ کلیسا کے پیرو سمجھے
جاتے تھے۔ عثمانی وکلا نے، جنھوں نے کوچک قینارجہ کا معاہدہ ۱۷۷۴ء میں مکمل کیا، خلیفہ کے خطاب سے فائدہ
اٹھاتے ہوئے اسی قسم کا دعویٰ سلطان کی طرف سے بھی پیش کر دیا (کہ مسلمان جہاں کہیں ہیں ان پر سلطان کا مذہبی اقتدار
تسلیم کیا جائے)؛ چنانچہ صلح نامے میں ایک دفعہ بڑھا دی گئی جس کی رو سے خلیفۃ المسلمین کا مذہبی اقتدار ان تاتاریوں
پر تسلیم کر لیا گیا جو دنیوی حیثیت سے اسے اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں خلیفہ
اسی طرح مسلمانوں کا مذہبی پیشوا سمجھا جانے لگا جس طرح کہ پوپ تمام عیسائیوں کا مذہبی پیشوا ہے اور اس کا روحانی
اقتدار اس کے سب ہم مذہبوں پر ہے، خواہ وہ سلطان ترکیہ کی دنیوی حکمرانی اور سیاسی اقتدار کے تابع
ہوں یا نہ ہوں۔ عثمانی سلاطین کو خود بھی اپنے اس منصب کا احساس تھا اور سلطان عبدالحمید ثانی (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۹ء) کے
زمانے میں انھیں (تمام عالم اسلام کا) خلیفہ تسلیم کیے جانے پر زور دیا گیا اور ان کے عہد میں جو آئین نشر کیا گیا اس
میں اس بات کی تاکید کی گئی کہ "اعلیٰ حضرت سلطان خلیفہ کی حیثیت سے اسلام کے محافظ (حامی) اور علمبردار ہیں"۔
سلطان عبدالحمید نے اسلامی دنیا کے مختلف حصوں میں اپنے سفیر بھیجے تا کہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے جملہ مسلمانان
عالم کی طرف سے تعظیم و تکریم حاصل کی جائے اور یہ کوشش کسی حد تک بار آور بھی ہوئی، کیونکہ بعض مفکر اور صاحب نظر
مسلمانوں نے (خاص طور سے ان اسباب کے باعث جو اسلامی دنیا میں یورپی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے اثر سے
پریشان تھے) یہ تسلیم کیا کہ صرف ترکیہ ہی ایک ایسی خود مختار مسلم سلطنت ہے جس کا دنیا میں احترام باقی ہے، مگر
سلطان عبدالحمید کو داخلی طور پر اپنے ہی ملک کے اصلاح پسندوں اور تجدد پسندوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور
جب ۱۹۰۹ء میں اسے تخت سے اتارا گیا تو ترکیہ کے معاملات ایسی تجدد پسند جماعت کے ہاتھوں میں آگئے
جو حکومت کی دینی اساس ہی کے قائل نہ تھے، نومبر ۱۹۲۲ء میں ترکیہ ایک جمہوریہ بن گیا، خلیفہ کا بحیثیت سلطان سارا
دنیوی اختیار و اقتدار چھین لیا گیا، مگر اس سے قبل کہ اس امر کا فیصلہ ہوتا کہ اس جمہوریہ میں خلیفہ (یا سلطان) کے

کے منصب کی کیا نوعیت ہوگی، مارچ ۱۹۲۴ء میں اس منصب کو بے ضرورت ترک کر دیا گیا اور خلافت بھی ختم ہوگئی۔ [1]

تمام مسلمانوں کے لیے ایک سربراہ ہونے کی بحث

ہمارے فقہاء اور متکلمین نے تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے کو واجب کہا ہے لیکن حقیقت میں خلافت صرف تیس ہجری تک نافذ رہی اس کے بعد ملوک اور سلاطین خلیفہ کے نام سے حکومت کرتے رہے۔ ۱۳۲ھ تک تمام عالم اسلام کا ایک سربراہ تھا، ۱۳۲ھ کے بعد عبدالرحمان بن معاویہ الاموی المروانی نے اندلس میں اپنی الگ حکومت قائم کر لی اور عملی طور پر تمام عالم اسلام کا ایک سربراہ نہیں رہا، ۳۲۵ھ میں خلافت کے تین دعویدار تھے، اندلس میں عبدالرحمن ثالث، بغداد میں الراضی باللہ اور قیروان میں المہدی، ۶۵۶ھ میں بغداد میں خلفاء عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا، اور ۹۲۳ھ میں مصر سے بھی خلفاء عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا، تب دنیا میں نام کے خلفاء بھی ختم ہو گئے، دنیا کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی الگ الگ حکومتیں قائم تھیں، اگر یہ کہا جائے کہ تمام عالم اسلام میں ایک سربراہ کا مقرر کرنا واجب ہے تو ۱۳۲ھ کے بعد تمام مسلمانوں کو اجتماعی طور پر معصیت میں مبتلا ماننا پڑے گا، جو علماء ایک خلیفہ مقرر کرنے کے وجوب کے قائل ہیں ان کو بھی یہ مشکل پیش آئی کہ جب ساتویں صدی ہجری میں ہلاکو نے بغداد کو تاراج کر دیا اور خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا تو پھر خلافت نہ ہونے سے تمام دنیا کے مسلمان معصیت کے مرتکب قرار پائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو آسان اور ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لیے قابل عمل بنایا ہے اور تمام عالم اسلام کا ایک سربراہ مقرر کرنا بے حد دشوار اور ناقابل عمل ہے، جب مسلمانوں کی جغرافیائی سرحدیں محدود اور سمٹی ہوئی تھیں اس وقت تک ان کا ایک فرماں روا کے تابع ہو کر رہنا ممکن تھا لیکن جب اسلام کی سرحدیں مشرق اور مغرب میں پھیل گئیں تو ان تمام ریاستوں کو عملی طور پر ایک امیر کے ماتحت رکھنا ممکن نہ رہا، یہی وجہ ہے کہ ۱۳۲ھ میں مغرب میں عبدالرحمان اموی نے الگ حکومت قائم کر لی، اور خلافت عباسیہ کے دوران ہی دمشق، طرابلس، خراسان، مصر اور ہندوستان وغیرہ میں آزاد ریاستیں قائم ہوگئیں یہ عملی طور پر بالکل آزاد اور خود مختار ریاستیں تھیں صرف رسمی طور پر بعض ریاستیں برائے نام خلیفہ سے پروانہ تقرری لیتی تھیں اور ساتویں صدی ہجری کے بعد یہ رسم بھی ختم ہوگئی۔

ہر خطہ زمین میں مسلمانوں کا جماعت کے ساتھ رہنا اور ایک امیر کے ماتحت رہنا لازم ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو جو اجتماعی احکام دیے ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کی ریاست ہو اور اس میں اجتماعی احکام نافذ کیے جائیں مثلاً جمعہ اور عید قائم کرنا، باجماعت نماز ادا کرنا، امراء سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کو مستحقین پر صرف کرنا، عدل اور انصاف کے قیام کے لیے حکام اور قاضیوں کا تقرر کرنا، حدود، قصاص اور تعزیرات کا نظام قائم کرنا، مسلمانوں کے ملک کی سرحدوں کا تحفظ کرنا اور بوقت ضرورت جہاد کرنا، اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مسلمان دنیا کے جس خطہ میں بھی آباد ہوں ان کا ایک امیر ہو اور اس خطہ کے تمام مسلمان اجتماعی احکام اس امیر کی امارت میں ادا کریں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۸ ص ۹۹۰-۹۹۲، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۵ء

یاایھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (النساء: ۴/۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبانِ امر ہوں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس شخص نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی اھل بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم وعبد الرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔ [2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی، پس امیر لوگوں کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پرسش ہوگی، اور مرد اپنے اہل خانہ کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پرسش ہوگی اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی حاکم ہے اور اس سے ان کے بارے میں پرسش ہوگی اور نوکر اپنے مالک کے مال میں حاکم ہے اور اس سے اس کے بارے میں پرسش ہوگی، سنو! تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے بارے میں پرسش ہوگی۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ [3]

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو، خواہ تم پر ایک حبشی غلام کو حاکم بنا دیا جائے جس کا

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] ″ ″ ″ ″ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷ ″ ″ ″ ″ ″

[3] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

كأن رأسه زبيبة [1]

سر انگور کے برابر ہو

عن ابن عباس يرويه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم من رأى من اميره شيئا فكرهه فليصبر فانه ليس احد يفارق الجماعة شبرا فيموت الا مات ميتة جاهلية ۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اپنے امیر کا کوئی حکم ناگوار معلوم ہو وہ اس کو صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہو کر مرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره ما لم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة ۔[3]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان شخص پر حاکم کا حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خواہ وہ خوش ہو یا ناخوش، جب تک کہ اس کو گناہ کا حکم نہ دیا جائے، اور جب وہ گناہ کا حکم دے تو اس کو سنے نہ اس کی اطاعت کرے۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[4]

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن عبد الله بن مسعود انه قال يا ايها الناس عليكم بالطاعة والجماعة فانها حبل الله الذي امر به وان ما تكرهون في الجماعة خير مما تحبون في الفرقة ۔[5]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! امیر کی اطاعت اور جماعت کو لازم رکھو کیونکہ یہی اللہ کی وہ رسی ہے جس کا حکم دیا گیا ہے، اور تم جماعت میں جس چیز کو ناپسند کرتے ہو، وہ علیحدگی کی اس چیز سے بہتر ہے جس کو تم پسند کرتے ہو۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فارق الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه ومن مات وليس عليه امام فميتته ميتة جاهلية ومن مات تحت راية عصبية فقتلته قتلة جاهلية رواه

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایک بالشت کے برابر جماعت سے الگ ہوا اس نے اپنے گلے سے اسلام کا پھندا اتار دیا اور جو شخص کسی امام سے بیعت کیے بغیر مر گیا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے، اور جو شخص عصبیت کے جھنڈے تلے لڑتا ہوا مارا گیا وہ

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] ، ، ، ، ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۵ ، ، ، ،

[3] ، ، ، ، ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷ ، ، ، ،

[4] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[5] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ

البزار والطبرانی فی الاوسط وفیہ خلید بن دعلج وھو ضعیف۔[1]

جاہلیت کی موت مرا، اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اور اس کا ایک راوی خلید بن دعلج ضعیف ہے۔

عن عبد اللہ قال اذا کنتم ثلاثۃ فی سفر فامروا علیکم احدکم رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح۔[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم تین شخص سفر کر رہے ہو تو اپنے اوپر ایک شخص کو حاکم بنا لو۔

قرآن مجید، احادیث اور آثار صحابہ سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان دنیا کے جس خطہ میں بھی آباد ہوں ان پر یہ لازم ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہیں اور کسی ایک شخص کو اپنا امیر بنائیں اور اجتماعی معاملات میں امیر کے احکام کے پابند رہیں، بشرطیکہ وہ احکام شریعت کے خلاف نہ ہوں، قرآن مجید کی کسی آیت اور کسی حدیث صحیح میں یہ حکم نہیں ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ایک امیر کی بیعت کرنا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے، خلافت نبوت کا معاملہ الگ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی تحدید تیس سال کے ساتھ فرما دی ہے، اس وقت دنیا میں اکیاون اسلامی ملک ہیں اور اکثر و بیشتر اسلامی ملکوں کی جغرافیائی سرحدیں ایسی ہیں جن کے درمیان بحری، بری اور فضائی قسم کا رابطہ نہیں ہے، براعظم یورپ، براعظم افریقہ، مشرق اوسط اور شمالی اور جنوبی ایشیاء کے مختلف گوشوں میں اسلامی ممالک اس طرح بکھرے ہوئے ہیں ان کے درمیان جغرافیائی وحدت ممکن نہیں ہے اور یہ کہنا کہ ان تمام اسلامی ملکوں کا ایک خلیفہ ہونا واجب ہے، ان کی ایک کرنسی ہو، ایک فوج ہو اور ان کے تمام داخلی اور خارجی مسائل ایک امیر کی پالیسی کے مطابق ہوں، اس لیے دنیا کے تمام اسلامی ملکوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی اپنی حکومتوں کو توڑ دیں اور اپنے امراء کو معزول کر دیں اور تمام دنیا کے مسلمان اسلامی ملکوں کا ایک خلیفہ منتخب کریں، ورنہ تمام دنیا کے مسلمان فرض کے تارک اور حرام کے مرتکب ہوں گے، اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ ۴۰ھ کے بعد سے لے کر اب تک تمام امت مسلمہ معصیت اور ضلالت پر مجتمع رہی ہو، یہ چیز بداہۃً باطل ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام اسلامی ریاستوں کا ایک خلیفہ یا امام کے زیر حکومت رہنا بے حد دشوار اور ناقابل عمل ہے اور اسلام کے تمام احکام آسان اور قابل عمل ہیں۔

اسلام دین یسر ہے

اسلام نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس سے پوری امت حرج اور دشواری میں گرفتار ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (مائدہ: ۶)

اللہ تعالیٰ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا۔

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (حج: ۷۸)

اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیات میں حرج کی نفی کی گئی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی

---

1. حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ
2. " " " " مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۵ " " " "

وسلم قال ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبه۔[1]

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا (یعنی طاقت سے بڑھ کر آسان طریقہ کو چھوڑ کر مشکل اختیار کرے) دین اس پر غالب آجائے گا۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔[2] نیز اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی هریرة قال قال لهم النبی صلی الله علیه وسلم فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور ان کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔[4] ان کے علاوہ اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن ابی بردة قال سمعت ابی قال بعث النبی صلی الله علیه وسلم ابی و معاذ بن جبل الی الیمن فقال یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا۔[5]

سعید بن ابی بردہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجا اور فرمایا (لوگوں کے لیے) آسانی کرنا، (انہیں) مشکل میں نہ ڈالنا اور ان کو متنفر نہ کرنا اور (آپس میں) موافقت کرنا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[6]

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی موسٰی قال کان رسول الله صلی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے

---

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۹ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[3] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[4] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۲، ۲۳۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[5] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[6] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

الله عليه وسلم اذا بعث احدا من اصحابه في بعض امره قال: بشروا ولا تنفروا ويسروا ولا تعسروا۔[1]

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے کسی شخص کو اپنے کسی کام کے لیے بھیجتے تو یہ فرماتے: لوگوں کو خوشخبری دینا، متنفر نہ کرنا، آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم انها كانت تقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سددوا وقاربوا ويسروا[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درست اور ٹھیک ٹھیک کام کرو اور آسانی کرو۔

عن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان خير دينكم ايسره ان خير دينكم ايسره ان خير دينكم ايسره۔[3]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو تمہارا بہترین دینی عمل وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشة انها قالت ما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم بين امرين الا اخذ ايسرهما ما لم يكن اثما فان كان اثما كان ابعد الناس منه۔[4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس پر عمل کرتے جو زیادہ آسان ہوتا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ بچنے والے تھے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے[5] نیز اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے[6]۔ ان کے علاوہ اس حدیث کو امام مالک نے بھی روایت کیا ہے[7]

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

---

[1] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص ۱۲۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[3] " " ، مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۹، ج ۵ ص ۳۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰۳، ج ۲ ص ۱۰۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[5] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[6] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۶ ص [illegible]، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

[7] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۷۰۳، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ [1]

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین وہ ہے جو باطل ادیان سے الگ ہو اور آسان اور سہل ہو۔

عن جابر بن عبد اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع واذا اشتری واذا اقتضی [2]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خریدنے، بیچنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے میں آسانی اور سہولت کو اختیار کرتا ہے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابی امامۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی لم ابعث بالیہودیۃ ولا بالنصرانیۃ ولکنی بالحنیفیۃ السمحۃ [3]

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں یہودیت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں نہ نصرانیت کے ساتھ، لیکن میں ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو باطل ادیان سے الگ ہے اور سہل ہے۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ لتعلم یہود ان فی دیننا فسحۃ انی ارسلت بحنیفیۃ سمحۃ۔ [4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بتلانے کی خاطر فرمایا: ہمارے دین میں وسعت اور کشادگی ہے اور میں ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو باطل ادیان سے الگ ہے اور سہل اور آسان ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل رجل الجنۃ بسماحتہ قاضیا ومتقاضیا۔ [5]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص فیصلہ کرنے اور تقاضا کرنے میں آسان روی کی وجہ سے جنت میں داخل ہو گیا۔

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] " " " " صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۸، " " " "

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۶، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] " " " مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۶، " " " "

[5] " " " مسند احمد ج ۲ ص ۲۱۰، " " " "

اسلامی ملکوں کی ایک فیڈریشن کا استحسان اور استحباب

قرآن مجید کی متعدد آیات اور بکثرت احادیث صحیحہ سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ پر مشکل اور دشوار احکام کے نافذ کرنے سے منع فرمایا ہے اور سہل اور آسان احکام نافذ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ دین اسلام آسان اور سہل ہے، اس میں وسعت، کشادگی اور گنجائش ہے، مشکل اور دشوار ہیں ہے۔ اور تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ کے تقرر کو فرض اور واجب قرار دینا انتہائی مشکل اور دشوار ہے اور آج کی دنیا میں کلی طور سے تقریباً ناممکن ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دوسری صدی کے بعد سے اب تک تمام امت مسلمہ معصیت اور گناہ پر مجتمع رہی ہو، البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ کی ایک فیڈریشن بنا لینا اور ایک اسلامی بلاک قائم کرنا مستحسن اور مستحب ہے اور اگر تمام ممالک اسلامیہ کی ایک فیڈریشن بن گئی تو یہ خلافت راشدہ کے قریب تر ہو گی اور یہ کچھ ایسا مشکل امر بھی نہیں ہے، اس کے لیے تمام اسلامی ملکوں کے سربراہ صاحبان کو مل کر کوشش اور جدوجہد کرنی چاہیے اس سے تمام اسلامی ممالک کو قوت حاصل ہو گی، مسلمانوں کی وحدت کا ظہور ہو گا اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (آل عمران: ۱۰۳) "تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور متفرق نہ ہو" کا منشاء پورا ہو گا، لیکن تمام عالم اسلام کے لیے ایک سربراہ اور ایک حاکم کا فرض اور واجب ہونا، قرآن اور حدیث میں کہیں منصوص نہیں ہے اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض اور واجب نہ کیا ہو اس کو فرض اور واجب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے کے وجوب کے دلائل کا جائزہ

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

اس بات پر اجماع ہے کہ امام کا مقرر کرنا واجب ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ اللہ پر واجب ہے یا مخلوق پر اور یہ وجوب دلیل سمعی سے ہے یا دلیل عقلی سے، اور مذہب یہ ہے کہ یہ مخلوق پر دلیل سمعی سے واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔[1]

جو شخص مر گیا اور اس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

علامہ تفتازانی کا اس حدیث سے استدلال کرنا چند وجوہ سے صحیح نہیں ہے اول تو اس لیے کہ یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں ہیں، البتہ اس کے قریب قریب دوسری احادیث ہیں لیکن ان میں امام زمان کا لفظ نہیں ہے اور تمام عالم اسلام کے ایک خلیفہ کے وجوب کے لیے امام زمان کا لفظ ضروری ہے،

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو

[1] علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد ص ۱۱۰، مطبوعہ مطبع رحیمیہ دیوبند مہارنپور

[2] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

وہ جاہلیت کی موت مرا۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

وعن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات بغیر امام مات میتۃ جاھلیۃ وفی روایۃ من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ رواہ الطبرانی واسنادھما ضعیف [1]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بغیر امام کے مرا وہ جاہلیت کی موت مرا اور ایک روایت میں ہے جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تھی وہ جاہلیت کی موت مرا، ان دونوں حدیثوں کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور ان کی سند ضعیف ہے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصبح لیس لامیر جماعۃ علیہ طاعۃ بعثہ اللہ یوم القیٰمۃ من میتۃ جاھلیۃ رواہ الطبرانی و فیہ محمد بن ادیبۃ وھو متروک [2]

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ اس پر امیر جماعت کی اطاعت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو زمانہ جاہلیت میں مرنے والوں سے اٹھائے گا، اس حدیث کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے۔

ان احادیث میں سے امام مسلم کی روایت صحیح ہے لیکن اس میں امام زمان تو کجا امام کا لفظ ہی نہیں ہے، باقی طبرانی کی روایات میں امام کا لفظ ہے لیکن وہ ضعیف احادیث ہیں نیز صرف امام کا لفظ بھی مفید مدعا نہیں ہے۔

علامہ شمس الدین خیالی زیر بحث حدیث سے علامہ تفتازانی کے استدلال کو مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں امام سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: انی جاعلک للناس اماما۔ "میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں" اور یہاں امامت سے نبوت مراد ہے۔ [3] (لہٰذا اس حدیث سے خلافت پر استدلال درست نہیں)

علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے اگر کسی زمانہ میں امام ہو اور پھر کوئی شخص اس امام کو نہ پہچانے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ [4]

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

[2] " " " " " " ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۲۵

[3] علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ، حاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ

[4] مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ، حاشیہ عبد الحکیم علی خیالی ص ۱۴۶ مع الحواشی البہیہ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۳۹۸ھ

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کا بنانا اس وقت واجب ہوگا جب تمام عالم اسلام میں ایک امام موجود ہو۔

تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے پر علامہ تفتازانی دوسری دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت نے سب سے اہم کام خلیفہ کے تقرر کو قرار دیا حتیٰ کہ خلیفہ کے تقرر کو صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم کیا اسی طرح ہر امام کی موت کے بعد اس کے خلیفہ کو مقرر کرنا مقدم ہے۔[۱]

اس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک امیر کی موت کے بعد دوسرے امیر کا تقرر کرنا واجب ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام عالم اسلام کا ایک خلیفہ ہو۔

علامہ تفتازانی اس مسئلہ پر تیسری دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمام مسلمانوں کے لیے ایک امام کا ہونا ضروری ہے جو ان میں احکام شرعیہ نافذ کرے، حدود قائم کرے، ان کی سرحدوں کی حفاظت کرے، جہاد کے لیے لشکر روانہ کرے، زکوٰۃ اور صدقات کو وصول کرے، چوروں اور ڈاکوؤں کو سزا دے، جمعہ اور عید پڑھانے کا انتظام کرے، مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرے، حقوق میں شہادت کو قبول کرے، مال غنیمت کو تقسیم کرے اور ایسے بہت سے کام جو عام لوگوں کے دائرۂ اختیار میں نہیں ہوتے ان کو پورا کرنے کا والی ہو (اس کے بعد علامہ تفتازانی اس دلیل کا ضعف ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر ملک کے ایک مقتدر امیر سے بھی یہ مقاصد پورے ہو سکتے ہیں، اس دلیل سے یہ کب لازم آتا ہے کہ تمام عالم اسلام کا ایک خلیفہ ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مختلف ملکوں کے الگ الگ متعدد سربراہ ہوئے تو ان کے آپس میں لسانی جھگڑے ہوں گے جس سے دینی اور دنیاوی معاملات میں خلل لازم آئے گا جیسا کہ ہم اپنے اس زمانہ میں مشاہدہ کر رہے ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایک شخص کو تمام ملکوں کا سربراہ بنا دیا جائے خواہ وہ امام ہو یا نہ ہو پھر بھی یہ مقصد پورا ہو جائے گا کیونکہ وہ سربراہ اپنے ملک کا انتظام چلا سکتا ہے جس طرح ترکوں کے دور میں ہو رہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح دنیاوی نظام تو چل جائے گا لیکن مذہبی مقصد پورا نہیں ہوگا۔[۲]

علامہ عبد العزیز اس بحث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بات مخفی نہ رہے کہ تمام اسلامی ملکوں میں ایک خلیفہ کا مقرر کرنا مشکل ہے، میں اس پر بہت تعجب کرتا تھا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ مواقف میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جو علاقے (یا ملک) آپس میں ملے ہوئے ہوں یا الگ الگ ہوں ان میں دو اماموں کی بیعت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن روئے زمین کے پھیلے ہوئے علاقے جو ایک خلیفہ کی ولایت میں نہیں آ سکتے ان میں ایک سے زائد سربراہوں کے تقرر کے لیے اجتہاد کرنا چاہیے[۴] (مواقف کی عبارت ختم ہوئی) اور میرا گمان یہ ہے کہ ایک سے زائد سربراہوں کے تقرر کا جواز زیادہ راجح ہے۔[۳]

۱۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد ص ۱۰۱، مطبوعہ مطبع رحیمیہ دیو بند۔

۲۔ 〃 〃 〃 ، شرح عقائد ص ۱۰۲ 〃 〃

۳۔ مولانا عبد العزیز پرہاروی، نبراس ص ۵۵۵، مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ لاہور، ۱۳۹۸ھ

۴۔ شرح مواقف ج ۸ ص ۳۵۳، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ

علامہ تفتازانی اپنی بحث کے اخیر میں لکھتے ہیں:

تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ کے تقرر کے وجوب پر یہ اعتراض ہوگا کہ خلافت کی مدت تو تیس[۳] سال ہے (جیسا کہ سنن ابوداؤد میں ہے) اور اس حدیث کے مطابق خلفاء راشدین کے بعد کا زمانہ خلیفہ سے خالی ہوگا اور اس سے تمام امت کا معصیت میں مبتلا ہونا لازم آئے گا اور ان کی موت جاہلیت کی موت ہوگی، ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ حدیث میں خلافت سے خلافت کاملہ مراد ہے، یا پھر حدیث میں خلافت کی مدت بیان کی گئی ہے اور امامت کی مدت بیان نہیں کی اور امامت خلافت سے عام ہے، البتہ یہ شیعہ کی اصطلاح ہے، لیکن جب خلفاء عباسیہ کے بعد خلفاء باقی نہیں رہے تو پھر خلیفہ کے تقرر کے وجوب پر اشکال زیادہ قوی ہو جائے گا۔[۱]

علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے، لکھتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ اگر امام کو مقرر کرنا واجب ہو تو یہ لازم آئے گا کہ امت مسلمہ نے بکثرت ادوار میں واجب کو ترک کیا ہو کیونکہ امام کے لیے جو صفات واجب ہیں ان صفات کا حامل امام اکثر ادوار میں نہیں رہا۔ خاص طور پر دولت عباسیہ ختم ہونے کے بعد، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر ایک دوسرے کو کاٹنے والے بادشاہ ہو جائیں گے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت ختم ہوگی، اور حضرت معاویہ اور ان کے بعد کے حکمران حکمران امراء تھے ائمہ اور خلفاء نہ تھے، لہٰذا یہ لازم آیا کہ اکثر ادوار میں امت نے واجب کو ترک کر دیا اور واجب کو ترک کرنا معصیت اور گمراہی ہے اور یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ امت کا گمراہ ہونا تب لازم آتا جب یہ امت اپنی قدرت اور اختیار سے خلیفہ کے تقرر کو ترک کر دیتی لیکن مجبوری اور اضطرار سے اور جو حدیث پیش کی ہے اول تو وہ خبر واحد ہے ثانیاً اس میں یہ احتمال ہے کہ حدیث میں خلافت سے خلافت کاملہ مراد ہے۔[۲]

علامہ تفتازانی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ تفتازانی نے خلیفہ کے تقرر کے وجوب پر جس حدیث سے استدلال کیا ہے "من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاہلیۃ" اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اور اس کے برخلاف جس حدیث کو علامہ تفتازانی نے خبر واحد قرار دے کر اس کی تاویل کی ہے وہ حدیث صحیح ہے جو جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور مسند احمد میں موجود ہے، حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت نبوت تیس سال رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک عطا کر دے گا۔[۳] اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ تیس سال خلافت کے بعد ملوکیت ہوگی اس لیے اس حدیث میں یہ تاویل کرنا صحیح نہیں ہے کہ تیس سال کی خلافت، خلافت کاملہ ہے اور اس کے بعد خلافت غیر کاملہ ہے کیونکہ حدیث صحیح میں یہ تصریح ہے کہ تیس سال کے بعد ملوکیت ہوگی نہ کہ خلافت غیر کاملہ۔

علامہ تفتازانی اور ہمارے دیگر علماء اور متکلمین نے تقرر خلیفہ یا نصب امام کے وجوب پر جو دلائل پیش کیے ہیں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس سلسلہ میں صحیح مسلم کی ایک حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے:

۱۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد ص ۱۰۲-۱۰۳، مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی ہند۔

۲۔ شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۴۵، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

۳۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاٰخر منھما۔[1]

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلیفہ کا ایک ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دیا اور ان سے جنگ کی، لیکن خلیفہ کا ہونا ابتدائی تیس سال میں ضروری تھا اور تیس سال گزرنے کے بعد خلافت ختم ہو گئی اور ملوکیت کا دور آ گیا۔

قرآن مجید کی روشنی میں ملوکیت کا حکم

قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر۔
(آل عمران ۲۶)

آپ کہیے: اے اللہ ملک کے مالک تو جس کو چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے اور جس کو چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے، بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملوکیت کے لیے دعا کی تلقین کی ہے اور ملوکیت کو خیر قرار دیا ہے۔

آل ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے ملک عطا کیا اور اس کو اپنے احسانات میں سے شمار فرمایا۔

فقد اٰتینا اٰل ابراھیم الکتٰب والحکمۃ و اٰتینٰھم ملکا عظیما۔ (نساء، ۵۴)

بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور ہم نے ان کو ملک عظیم عطا فرمایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حصول ملک کے لیے دعا کی:

قال رب اغفرلی و ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔
(ص، ۳۵)

حضرت سلیمان نے کہا اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو۔

بنو اسرائیل نے اپنے نبی سے بادشاہ کے لیے درخواست کی:

اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ۔ (بقرۃ، ۲۴۶)

جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لیے ایک بادشاہ بھیج دیجیے جو اللہ کی راہ میں قتال کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ملوکیت کو نعمت فرمایا:

و اذ قال موسٰی لقومہ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا۔ (مائدہ، ۲۰)

اور یاد کرو جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا: اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم کو عطا کی تھی، اس نے تم میں نبی پیدا کیے اور تم کو بادشاہ بنایا۔

---

[1] امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

نیز فرمایا:

واللّٰہ یؤتی ملکہ من یشاء واللّٰہ واسع علیم۔ (بقرہ: ۲۴۷)

اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک (بادشاہت) جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت رکھتا ہے اور علم والا ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ملوکیت اور بادشاہت بھی حکومت کا ایک جائز اور صحیح طریقہ ہے۔

ملوکیت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن سفینۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خلافۃ النبوۃ ثلاثون سنۃ ثم یؤتی اللّٰہ الملک من یشاء۔[1]

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلافت نبوت کے تیس ۳۰ سال ہیں پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا فرمائے گا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن سفینۃ الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ ثم ملک بعد ذلک۔[2]

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری امت میں خلافت تیس ۳۰ سال ہوگی اس کے بعد ملوکیت ہوگی۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔[3] نیز اس حدیث کو امام علی متقی نے بھی بیان کیا ہے۔[4]

نیز امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خلافۃ نبوۃ ثم یؤتی اللّٰہ تبارک وتعالی الملک من یشاء۔[5]

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت کی خلافت ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا فرما دے گا۔

اور امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن حذیفۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تکون النبوۃ فیکم ما شاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعہا اذا شاء ان یرفعہا ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ فتکون ما شاء اللّٰہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک اللہ چاہے گا تم میں نبوت رہے گی، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا نبوت کو اٹھا لے گا، پھر جب تک اللہ چاہے گا منہاج

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۱، ۲۲۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[4] امام علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۶ ص ۸۸، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۴۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

ان تكون ثم يرفعها اذا شاء الله ان يرفعها ثم تكون ملكا عاضا فيكون ما شاء الله ان يكون ثم يرفعها اذا شاء ان يرفعها ثم تكون ملكا جبرية فتكون ما شاء الله ان تكون ثم يرفعها اذا شاء ان يرفعها ثم تكون خلافة على منهاج النبوة۔[1]

نبوت پر خلافت رہے گی، اور جب اللہ تعالیٰ چاہے گا خلافت کو اٹھا لے گا، پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا ایک دور ہے کاٹنے والے بادشاہ ہوں گے پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا بادشاہت کو اٹھا لے گا، پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا جبری حکومت ہوگی، (مثلاً متغلب حاکم یا مارشل لاء) پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا جبری حکومت کو اٹھا لے گا اور پھر منہاج نبوت پر خلافت ہوگی۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ خلافت کی مدت تیس سال ہے اور اس کے بعد ملوکیت قائم ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوکیت کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ قرار دیا ہے اور یہ حدیث اس کی مشروعیت کی واضح دلیل ہے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يقول انا الله لا اله الا انا مالك الملوك وملك الملوك قلوب الملوك بيدي وان العباد اذا اطاعوني حولت قلوب ملوكهم بالرأفة والرحمة وان العباد اذا عصوني حولت قلوبهم عليهم بالسخط والنقمة فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسكم بالدعاء على الملوك ولكن اشغلوا انفسكم بالذكر والتضرع اكفكم ملوككم رواه الطبراني في الاوسط وفيه ابراهيم بن راشد وهو متروك۔[2]

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، میں بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کی طرف بادشاہوں کے دل رحمت اور شفقت کے ساتھ متوجہ کر دیتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دلوں میں ان کے خلاف غصہ اور غضب بھر دیتا ہوں اور پھر وہ ان کو برا عذاب چکھاتے ہیں، لہٰذا بادشاہوں کو بددعا دینے کے بجائے گریہ و زاری اور ذکر میں مشغول رہو میں تم کو بادشاہوں سے کفایت کروں گا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کا ایک راوی ضعیف ہے۔

علامہ ابن حجر مکی بیان کرتے ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۴۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اول ھذا الامر نبوۃ ورحمۃ ثم یکون خلافۃ ورحمۃ ثم یکون ملکا ورحمۃ ثم یکون امارۃ ورحمۃ ثم یتکادمون علیھا تکادم الحمیر فعلیکم بالجھاد وان افضل جھادکم الرباط وان افضل رباطکم عسقلان رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امر کا آغاز نبوت اور رحمت ہے، پھر خلافت اور رحمت ہے، پھر ملوکیت اور رحمت ہے، پھر امارت اور رحمت ہے، پھر لوگ گدھوں کی طرح حکومت کو دانتوں سے کاٹیں گے اس وقت تم پر جہاد لازم ہے اور تمہارا سب سے افضل جہاد سرحدوں کی نگرانی ہے اور تمہاری سب سے افضل سرحد عسقلان ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوکیت کو بھی رحمت قرار دیا ہے، اور تاریخ اسلام میں عادل بادشاہوں کا جو زمانہ گزرا ہے وہ سب رحمت ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کا افضل ترین طریقہ خلافت نبوت ہے اور اسلام کے غلبہ کا وہی زمانہ ہوگا جب بارہ خلیفے پورے ہوں گے اور ان بارہ خلفاء میں بہترین زمانہ خلفاء راشدین کا تھا لیکن ان بارہ خلفاء کے درمیان جب بھی ملوکیت اور بادشاہت آئی تو وہ بھی اسلامی حکومت تھی اور بادشاہ کی حکومت کو تسلیم کرنا اور احکام شرعیہ کی حدود میں اس کی اطاعت کرنا بھی اسلام کے مطابق ہے، اسی طرح امارت بھی رحمت ہے اور سلطنت بھی رحمت ہے اور مسلمانوں پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ایسے امام کی بیعت کریں جو پوری دنیا کے مسلمانوں کا سربراہ ہو، ہر چند کہ اسلامی فیڈریشن کو قائم کرنا مستحب اور مستحسن ہے لیکن فرض اور واجب نہیں ہے، یہاں تک ہم نے ملوکیت کے متعلق احادیث بیان کی تھیں اور اب ہم سلطان کے متعلق احادیث بیان کریں گے۔

سلطان کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ قالت قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم السلطان ولی من لا ولی لہ[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی[3]، امام دارمی[4] اور امام احمد[5] نے بھی بیان کیا ہے۔

---

[1] علامہ احمد بن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ، تطہیر الجنان واللسان ص ۲۰، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ

[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ

[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۱۶۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[4] امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، سنن دارمی ج ۲ ص ۶۲، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابی الدرداء قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اعطاء السلطان قال ما اتاک اللہ منہ من غیر مسئلۃ ولا اشراف فخذہ وتمولہ۔[1]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلطان کی بخشش کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سلطان کے ذریعہ تم کو جو چیز بغیر سوال اور طلب کے دے اس کو لے لو اور اس سے تونگری حاصل کرو۔

عن ابی الدرداء قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اموال السلطان فقال ما اتاک اللہ منہ من غیر مسئلۃ ولا اشراف فکلہ وتمولہ۔[2]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سلطان کے اموال کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سلطان کے ذریعہ جو چیز تم کو بغیر سوال اور طلب کے دے اس کو کھاؤ اور اس سے تونگری حاصل کرو۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کرہ من امیرہ شیئا فلیصبر فانہ من خرج من السلطان شبرا مات میتۃ جاھلیۃ۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار ہو وہ صبر کرے، کیونکہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اس حدیث کو امام مسلم[4] اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔[5]

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن ابی بکرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اکرم سلطان اللہ تبارک وتعالی فی الدنیا اکرمہ اللہ یوم القیامۃ ومن اھان

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سلطان کی دنیا میں عزت کی اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عزت دے گا اور جس نے

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۰، ۱۹۳، ۲۲، ۲۴۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت

[2] " " " " ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۵، ۱۹۵، ج ۶ ص ۴۵۲

[3] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[4] امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[5] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

سلطان اللہ عزوجل فی الدنیا اھانہ اللہ یوم القیامۃ۔[1]

اللہ عزوجل کے سلطان کی دنیا میں توہین کی اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن رسوا کرے گا۔

عن حذیفۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من قوم مشوا الی سلطان اللہ لیذلوہ الا اذلھم اللہ قبل یوم القیامۃ۔[2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ اللہ کے سلطان کو رسوا کرنے کے لیے اس کے پاس گئے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قیامت سے پہلے رسوا کر دے گا۔

عن رجل ان ابا ذر قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا وقال انہ کائن بعدی سلطان فلا تذلوہ فمن اراد ان یذلہ فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الحدیث۔[3]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا میرے بعد سلطان ہوگا اس کو ذلیل نہ کرنا جس شخص نے اس کو ذلیل کرنے کا ارادہ کیا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار دیا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث کو امام علی متقی نے بھی ذکر کیا ہے۔[4]

نیز امام علی متقی امام بخاری کی تاریخ کبیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سیکون بعدی سلطان فاعزوہ فانہ من اراد ذلہ ثغر ثغرۃ فی الاسلام ولیست لہ توبۃ الا ان یسدھا ولیس بسادھا الی یوم القیامۃ۔[5]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد سلطان ہوگا اس کی عزت کرنا، کیونکہ جس شخص نے سلطان کو ذلیل کرنے کا ارادہ کیا اس نے اسلام کی سرحد میں رخنہ ڈال دیا اس کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک وہ اس کی تلافی نہ کرے اور وہ قیامت تک اس کی تلافی نہیں کر سکے گا۔

قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ اسلام میں نیک، سلطان اور امیر کی حکومت جائز ہے اور ان کو متولی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نعمت اور رحمت قرار دیا ہے، ۱۳۴۲ھ تک تمام عالم اسلام کا

---

[1] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ

[2] 〃 〃 〃 〃، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۶، 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 〃، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۱۶، 〃 〃 〃 〃

[4] امام علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۶ ص ۱۸، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

[5] 〃 〃 〃 〃، کنز العمال ج ۶ ص ۵۲، 〃 〃 〃 〃

ایک خلیفہ کی حکومت تھی۔ اس کے بعد اندلس میں الگ خلافت قائم ہوئی اور بغداد میں الگ خلافت قائم ہوئی اور ان میں سے کوئی بھی حقیقی خلافت نہیں تھی، کیونکہ حقیقی خلافت میں تمام مسلمانوں کا ایک سربراہ ہونا ضروری ہے، ۱۲۵۸ء میں بغداد کی خلافت ختم ہو گئی، ۹۲۳ھ میں مصر کی خلافت ختم ہوئی، ۸۹۷ھ (۱۴۹۲ء) میں اندلس کی خلافت ختم ہو گئی تھی (بلکہ پورے اسپین پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا) یہ سب جزوی خلافتیں تھیں اور درحقیقت ان علاقوں کے حکمران خلیفہ نہیں بلکہ سلطان تھے، مصر اور بغداد کے خلفاء بھی دراصل سلاطین تھے جو خلفاء کے عنوان سے حکومت کرتے تھے اس بحث کو شرح صدر سے سمجھنے کے لیے خلیفہ اور سلطان کا فرق جاننا ضروری ہے۔

خلیفہ، ملک اور سلطان کا فرق

خلیفہ: جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہو کر تمام دنیا کے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی امور کا انتظام کرے اور تمام دنیا کے مسلمانوں پر اس کا اتباع واجب ہو۔ یہ تعریف شرح مواقف، شرح مقاصد، شرح عقائد اور الاحکام السلطانیہ للماوردی سے ماخوذ ہے۔

ملک: علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ملک کی دو قسمیں ہیں، اول: جو کسی ملک کا والی اور مالک ہو، ثانی: جو ولایت کی صلاحیت رکھتا ہو، یا متعلق والی ہو یا نہ ہو، ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا "جب بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں" یہ قسم اول کے متعلق ہے۔ واذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا۔ "اللہ تعالیٰ نے تم میں نبی پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا" یہ قسم ثانی سے متعلق ہے، یہاں ملک کا معنی ایسی قوت ہے جس میں ملک کے انتظام کی صلاحیت ہو، کیونکہ سب کو والی بنا دینا حکمت کے خلاف ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ملک وہ شخص ہے جو ملک کے انتظام کا مالک ہو، خلاصہ یہ ہے کہ ملک وہ شخص ہے جو کسی ملک کا والی ہو اور وہاں کے انتظام کا مالک ہو۔ [1]

سلطان: علامہ زبیدی لکھتے ہیں: سلطان والی کو کہتے ہیں یعنی جس شخص میں بادشاہ کی طرح قدرت ہو، ابو بکر نے کہا سلطان میں دو قول ہیں۔ اول: اس کو تسلط کی وجہ سے سلطان کہتے ہیں، ثانی: سلطان کا معنی حجت ہے اور سلطان بھی اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔ علامہ زبیدی کہتے ہیں اس کی تائید میں یہ حدیث ہے: السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم۔ "سلطان زمین پر اللہ کا سایہ ہے ہر مظلوم اس کی پناہ میں آتا ہے۔" [2]

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک عام ہے اور سلطان خاص ہے، ملک مطلقاً والی اور حکمران کو کہتے ہیں عام ازیں کہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو، اور سلطان کسی مسلم ریاست کے مسلمان والی کو کہتے ہیں۔ الغرض دنیا کی تمام مسلم ریاستوں کا ایک سربراہ ہو تو اس کو خلیفہ کہتے ہیں اور کسی ایک مسلم ریاست یا چند ریاستوں پر مشتمل مسلم ملک کے مسلمان والی کو سلطان کہتے ہیں اس کو مجازاً خلیفہ بھی کہا جاتا ہے جیسے اندلس، بغداد اور مصر کے والیوں کو خلفاء کہا جاتا تھا۔

۱۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات ص ۴۷۲، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

۲۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس شرح القاموس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

علامہ عبدالحئی کتانی لکھتے ہیں:

ابن فضل اللہ نے مسالک میں یہ کہا ہے کہ اصطلاح میں سلطان صرف اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی ولایت میں کئی ملک ہوں یعنی سلطان وہ ہوگا جو ملک الملوک ہو (یعنی کئی بادشاہوں کا بادشاہ ہو) مثلاً اس کی ملکیت میں مصر اور شام ہوں یا اس کی ملکیت میں افریقہ اور اندلس ہو اور اس کا لشکر تقریباً دس ہزار سواروں پر مشتمل ہو۔ اگر اس کی ملکیت میں اس سے زیادہ عظیم ہوں یا اس کے پاس اس سے بڑا لشکر ہو تو اس کی سلطنت زیادہ عظیم ہوگی اور اس پر سلطان اعظم کا اطلاق کرنا درست ہوگا، اور اگر مصر، شام، جزیرہ، خراسان، عراق، عجم، فارس، افریقہ، وسطی مغرب کے خطبوں میں اس کا نام پڑھا جائے تو اس کو سلطان السلاطین کہا جائے گا جیسا کہ سلجوقی حکمران تھے۔[1]

علامہ کتانی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک ریاست کے والی کو ملک کہتے ہیں اور متعدد ریاستوں کے امیر کو سلطان کہتے ہیں نیز علامہ کتانی نے ملک اور خلیفہ میں یہ فرق کیا ہے کہ جو شخص اپنی رائے اور اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کرے وہ ملک ہے اور جو شخص احکام شرعیہ کے مطابق حکمرانی کرے وہ خلیفہ ہے، لیکن ان کے درمیان صحیح فرق وہ ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے خلیفہ اور سلطان میں متعدد وجوہ سے فرق بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

۱۔ خلیفہ حکمرانی وجہانبانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب مطلق تمام امت پر ولایت عامہ والا ہے، شرح عقائد نسفی میں ہے (خلافتہم) ای نیابتہم عن الرسول فی اقامۃ الدین بحیث یجب علی کافۃ الامم الاتباع و مد خود شمر کا ازکا اور صد ہا کا شرعا اوس کی ولایت عامہ میں کل نہیں، جس طرح اوس کا خود نہیں کرنا نہ اثر ہیں روئے زمین کے مسلمانوں میں جو اوسے نہ مانے گا اوس کی خلافت میں خلل نہ آنے گا یہ خود ہی باغی قرار پائے گا اور اصطلاح میں سلطان وہ بادشاہ ہے جس کا تسلط قہری ملکوں پر ہو، چھوٹے چھوٹے والیان ملک اوس کے زیر حکم ہوں۔ کماذکرہ الامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ فی حسن المحاضرۃ عن ابن فضل اللہ فی المسالک عن علی بن سعید۔ یہ دو قسم ہے تولیتی جسے خلیفہ نے والی کیا، تو اس کی ولایت حسب عطائے خلیفہ ہوگی جس قدر پر والی کرے، دوسرا متغلب کہ بزور شمشیر ملک دبا بیٹھا اس کی ولایت اپنی قلمرو پر ہوگی

۲۔ کہ اول پر متفرع ہے (یعنی دوسرا فرق پہلے فرق کا فرع ہے) خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت الٰہی میں تمام امت پر فرض ہے جس کا منشاء خود اس کا منصب ہے کہ نائب رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور سلطان کی اطاعت صرف اپنی قلمرو پر پھر اگر تولیتی ہے تو بواسطہ عطائے خلیفہ اس منصب ہی کی وجہ سے ہے کہ اون کا امر امر خلیفہ ہے اور امر خلیفہ امر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر متغلب ہے تو نہ اوس کے منصب سے کہ وہ شرعی نہیں بلکہ دفع فتنہ اور اپنے تحفظ کے لیے بحر الابکی میں درباہ سلطان متغلب ہے طاعتہ خیر من الخروج علیہ کما فی ذلک من حقن الدماء وتسکین الدھماء (متغلب کی اطاعت کرنا اس کے خلاف بغاوت کرنے سے بہتر ہے کیونکہ اس سے لوگوں کی جانیں محفوظ رہیں گی۔)

۳۔ کہ دوم پر متفرع ہے (یعنی تیسرا فرق دوسرے فرق کی فرع ہے) خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا حقیقۃً فرض ہوگیا،

---

[1] علامہ عبدالحئی کتانی، التراتیب الاداریہ ج ا ص ۱۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

جس مباح سے منع کیا حقیقۃً حرام ہو گیا، یہاں تک کہ تنہائی و خلوت میں بھی اس کا خلاف جائز نہیں کہ خلیفہ نہ دیکھے اللہ دیکھتا ہے ایک زمانہ میں خلیفہ منصور نے امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتویٰ دینے سے منع کر دیا تھا امام ہمام کی صاحبزادی نے گھر میں ایک مسئلہ پوچھا، امام نے فرمایا میں جواب نہیں دے سکتا خلیفہ نے منع کیا ہے، یہاں سے ظاہر ہوا کہ خلیفہ کا حکم مباح حد کا فرض کفایہ پر غالب ہے جب کہ دوسرے اس کے ادا کرنے والے موجود ہوں کہ اب اس کا ترک معصیت نہیں تو حکم خلیفہ نافذ ہو گا اگرچہ خلیفہ ظالم بلکہ خود اس کا حکم ظلم کہ امام کو فتویٰ سے روکنا ظلم ہو گا مگر ظلماً (اس تحقیق سے مصنف کو اختلاف ہے کیونکہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے جیسا کہ بکثرت احادیث بیان کی ہیں اور ظلم میں خلیفہ کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کی طرف اس واقعہ کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور سلطان متغلب جس کی ولایت خلیفہ سے مستفاد نہ ہو اس کے امر و نہی سے مباحات فی نفسہا واجب و حرام نہ ہو جائیں گے، تنہائی میں اس طور پر کہ اسے اطلاع پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو مباح اپنی اباحت پر رہے گا، علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب نسیم الریاض وعنایۃ القاضی وغیرہما کتب نافعہ کے زمانے میں سلطان نے لوگوں کو حقہ پینے سے منع کیا تھا اس پر وہ قال کرتے ہیں امام علامہ عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی رسالہ الصلح بین الاخوان میں فرماتے ہیں میں نہ خود حقہ پیتا ہوں نہ میرے گھر میں کوئی پیتا ہے مگر مباح کو حرام نہیں کہہ سکتا اور منع سلطان کے جواب میں شرح ہدیہ ابن العماد میں فرماتے ہیں لیت شعری ای امر من امورہ یتمسک بہ امرہ الناس بترکہ او امرہ باعطاء المکس علیہ علی ان المراد من اولی الامر فی الآیۃ العلماء کما ذکرہ العینی فی اواخر مسائل شتی من شرح الکنز ولا یماثل منہم السلاطین الظلمۃ فتثبت حکمہا شرعیا وقد قالوا من قال لسلطان زماننا عادل کفر۔

یعنی کاش میں جانوں کہ سلطان کا کون سا حکم لیا جائے یہ کہ لوگ حقہ نہ پئیں یا یہ کہ تمباکو پر ٹیکس دیں، علاوہ آیت کریمہ میں اصح قول یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء ہیں جس طرح شرح کنز امام عینی میں ہے، نیز کیا ظالم سلاطین کا حکم، حکم شرعی ہو جائے گا حالانکہ ائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ جو ہمارے زمانے کے سلطان کو عادل کہے کافر ہو جائے گا انتہی یہ ارشاد امام علم الہدی ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے زمانے کے سلطان میں ہے جنہیں ہزار برس سے زائد ہوئے فکیف اب فنسأل اللہ العفو والعافیۃ (جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا کہ تمباکو انسان کی صحت کے لیے مضر ہے، تمباکو سے کینسر، ہائی بلڈ پریشر، کینسر اور کئی دیگر مہلک امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور جو چیز انسان کی صحت کے لیے مضر ہو اس کا استعمال جائز نہیں ہے، انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اس لیے جو چیز انسان کی صحت کے لیے نقصان دہ ہو اس کا استعمال جائز نہیں ہے علامہ شامی نے بھی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۲ ص ۳۶۶ میں یہی لکھا ہے[۱] سعیدی غفرلہ)

۴۔ نیز دوم پر متفرع ہے خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین دس ٹکڑوں میں دس۔

۵۔ کوئی سلطان اپنے اقتدار و سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں ہے مگر ہر سلطان اذن خلیفہ کا محتاج تھا

۱۔ علامہ شامی لکھتے ہیں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ تمباکو پینے میں محض ضرر ہے اور کوئی نفع نہیں ہے تو اس کی تحریم کا فتویٰ دینا جائز ہے اور اگر اس کا نفع دینا ثابت نہ ہو تو وہ اصل میں مباح ہے۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۲ ص ۳۶۶ مطبوعہ المطبعۃ المیمنیۃ مصر ۱۳۰۲ھ

ہے کہ ایسے میں کے اس کی حکومت شرعی و عرفی شرعاً نہیں ہو سکتی۔

۶۔ خلیفہ بلا وجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کیے معزول نہیں ہو سکتا، خود جبار و سرکش ترک قواد ترک کہ متوکل بن معتصم بن ہارون رشید کو قتل کر کے خلفاء پر حاوی ہو گئے تھے جب ان میں کسی کو زیر دست کر کے معزول کرنا چاہتے خود اسے مجبور کرتے کہ خلافت سے استعفاء دے تاکہ عزل صحیح ہو جائے بخلاف سلطان کہ خلیفہ کا صرف زبان سے کہہ دینا کہ میں نے تجھے معزول کیا اس کے عزل کو کافی ہے۔

۷۔ سلطنت کے لیے قرشیت درکنار حریت بھی شرط نہیں ہے، بہتیرے غلام بادشاہ ہوئے۔[1]

جمہوری ملک کے صدر اور خلیفہ کا فرق

یہاں تک ہم نے سلطان اور خلیفہ کا فرق بیان کیا ہے، ہمارے علماء کے زمانہ میں خلافت تو ختم ہو چکی تھی اور مختلف جگہوں پر مسلمانوں کی ریاستیں تھیں جہاں مسلمان سلاطین حکومت کرتے تھے اب سلاطین بھی صرف دو چار جگہ رہ گئے ہیں اور ہر جگہ مغربی جمہوریت ہے، مغربی جمہوریت میں جو شخص ریاست کا سربراہ ہوتا ہے اس کی حیثیت اور اس کے اختیارات سلطان سے بھی بہت کم ہوتے ہیں، مغربی جمہوریت میں ایک صدارتی نظام ہے جیسے امریکہ میں ہے اور ایک پارلیمانی نظام ہے جیسے برطانیہ اور ہندوستان وغیرہ میں ہے، صدارتی نظام میں ریاست کا سربراہ اور صدر مملکت اتنی مدت کے لیے برسر اقتدار رہتا ہے جتنی مدت کے لیے اس کو منتخب کیا جاتا ہے لیکن وہ ملک کے نظم و نسق میں با اختیار ہوتا ہے اور پارلیمانی نظام میں صدر کی حیثیت محض نمائشی ہوتی ہے وہ صرف ریاست کا سربراہ ہوتا ہے انتظامیہ کا سربراہ ملک کا وزیر اعظم ہوتا ہے لیکن اگر اسمبلی کی دو تہائی اکثریت اس کو مدت انتخاب سے پہلے معزول کر دے تو وہ معزول ہو جاتا ہے، اس تفصیل کے بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ مغربی جمہوریت میں جو شخص ریاست کا یا انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے اس کی حیثیت اور اختیارات سلطان سے بھی کہیں کم ہوتے ہیں خلیفہ تو بہت بعد کی چیز ہے اس لیے مغربی جمہوریت کے طرز کی حکومت کے سربراہ کو سلطان یا خلیفہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا نہ اس پر سلطان یا خلیفہ کی شرائط کو عائد کیا جا سکتا ہے، ہم نے اپنے اس زمانہ میں دیکھا کہ بعض علماء مغربی جمہوریت کی طرز حکومت کے سربراہ کے لیے بھی خلیفہ اسلام کی شرائط کو لازم قرار دیتے ہیں حالانکہ خلیفہ اسلام کی شرائط تو سلطان کے لیے بھی ضروری نہیں ہیں جمہوری حکومت کا صدر تو بہت دور کی بات ہے اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض علماء اس زمانہ میں خلیفہ اسلام کے تقرر کو واجب قرار دیتے ہیں اور خلیفہ اسلام کے مقرر نہ کرنے پر موت الجاہلیۃ کی وعید سناتے ہیں، حالانکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث کی کسی نص صریح میں اس کے وجوب کا ذکر نہیں ہے اور جن علماء نے وجوب کا قول نقل کیا مثلاً علامہ تفتازانی وغیرہ انھوں نے بھی بالآخر یہ کہا کہ اب حالت اضطرار ہے اور اب خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے، علامہ خیالی اور علامہ سیالکوٹی وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے، علامہ پرہاروی بھی فرماتے ہیں یہ بہت مشکل ہے۔

تقرر خلیفہ کے وجوب کا محمل

ہر چند کہ ہمارے فقہاء اور متکلمین نے یہ لکھا ہے کہ امام اور خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے، لیکن تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک امام اور خلیفہ ہو سکے لیکن ان کی عبارات کا

---

[1] امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، دوام العیش فی الائمۃ من قریش ص ۲۰ - ۵۶ مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۴۰۰ھ

جزو مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کو امام اور خلیفہ کے مقرر کرنے کا اختیار ہو تب ان پر خلیفہ مقرر کرنا واجب ہے ورنہ یہ واجب نہیں ہے، اور جب روئے زمین کے مختلف علاقوں پر ملوک اور سلاطین متغلب ہو کر حکمرانی کریں اور ان کو سلطنت سے معزول کرنا عام مسلمانوں کے اختیار میں نہ ہو تو پھر امام اور خلیفہ کو مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب نہیں ہے، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ سلطان اور متغلب کی حکومت برحق ہے اور بغیر بیعت بھی مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم ہے۔ نیز ہمارے فقہاء اور متکلمین نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد خلافت اور امامت نہیں رہی اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ خلفاء عباسیہ کے بعد خلافت نہیں رہی۔

علامہ رافعی حنفی لکھتے ہیں:

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے کہ خلافت نبوت تیس ۳۰ سال رہی ہے اس کے بعد جو حکمران تھے وہ خلفاء نہیں تھے بلکہ ملوک اور امراء تھے، اور اگر یہ اشکال ہو کہ امت کے ارباب حل و عقد خلفاء عباسیہ کی خلافت پر متفق رہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں خلافت نبوت سے خلافت کاملہ مراد ہے جس کے حق میں بالکل عدول نہ ہو اور خلافت راشدہ کے بعد ایسی خلافت کبھی ہوئی اور کبھی (یا اکثر) نہیں ہوئی، پھر حضرت مہدی عباسی کے بارے میں یہ وارد ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ تھا اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ خلفاء عباسیہ پر لغوی اعتبار سے خلیفہ کا اطلاق ہوتا تھا نہ کہ حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے۔[1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں قریش کی حکومت نہیں ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مغرب کے ملکوں میں قریش میں خلافت ہے، اسی طرح مصر میں خلیفہ ہے۔ (علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی، علامہ عینی اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں) علامہ کرمانی کا جواب کچھ نہیں ہے، مغرب میں خلافت کا قول کس نے کیا ہے؟ اور وہاں کون خلیفہ ہے؟ اور مصر میں بھی صرف نام کا خلیفہ ہے، اگر ہم اس جواب کو تسلیم بھی کر لیں تو اس سے خلفاء کا تعدد لازم آئے گا، حالانکہ خلیفہ صرف ایک ہوتا ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے یہ حکم دیا ہے کہ امام کی بیعت کرو اور اس کو پورا کرو اور جو شخص اس کی امامت سے اختلاف کرے اس کی گردن اڑا دو، امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس ۳۰ سال ہوگی پھر ملوک (بادشاہ) ہوں گے اور ایک روایت میں ہے پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک عطا کر دے گا اور واقع میں ایسا ہی ہوا۔[2]

علامہ عینی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد جو حکمران تھے وہ خلفاء نہیں بلکہ ملوک اور سلاطین تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ وہ صرف نام کے خلفاء تھے۔[3]

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

---

[1] علامہ عبدالقادر رافعی حنفی شیخ الحنفیۃ الدیار المصریۃ، التحریر المختار لرد المحتار ج ۱ ص ۷۰، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ مصر، ۱۳۲۳ھ

[2] علامہ ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۶، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[3] علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۱۱-۲۱۲، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ جب تک حکمران سنت کے مطابق عمل کرتے رہے تو ان کی حکومت خلافت تھی، اور جب انہوں نے سنت کی مخالفت کی تو پھر وہ خلفاء نہیں رہے بلکہ ملوک (بادشاہ) تھے، اگرچہ ان کا نام خلیفہ ہوتا تھا، اور ہر شخص مسلمانوں کا حکمران ہو اس کو امیر المومنین کہنا جائز ہے اور لغوی اعتبار سے اس کو خلیفہ کہنا بھی صحیح ہے کیونکہ خلیفہ کا لغوی معنی جانشین اور پیچھے آنے والا ہے اور یہ حکمران ایک دوسرے کے جانشین تھے۔[1]

نیز ملا علی قاری لکھتے ہیں:

سید جمال الدین کہتے ہیں کہ جامع ترمذی میں ہے "میرے بعد میری امت میں تیس سال تک خلافت رہے گی اس کے بعد ملوکیت (بادشاہت) ہوگی" اس حدیث کو امام احمد، امام ترمذی، امام ابو یعلی اور امام ابن حبان نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ خلافت مدینہ میں ہوگی اور ملوکیت شام میں ہوگی اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ خلافت حقیقۃً وہی ہوگی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں ہو کیونکہ جمہور صحابہ اور ارباب حل وعقد مدینہ میں تھے، اور کسی اور جگہ کے ارباب حل وعقد کا اعتبار نہیں ہے اس کے بعد غلبہ سے جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ ملوکیت تھیں کیونکہ عام مسلمانوں کا نظام قائم کرنے کے لیے حکومت کی ضرورت ہے تاکہ فتنہ اور فساد برپا نہ ہو۔[2]

ملا علی قاری کی ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین کے بعد جو حکمران تھے وہ صرف لغوی معنی میں خلیفہ (جانشین) تھے اور حقیقت میں وہ ملوک اور سلاطین تھے اور چونکہ خلیفہ نہ ہونے کی صورت میں بھی مسلمانوں کا نظام قائم کرنے کے لیے حکومت ضروری ہے اس لیے ملوک اور سلاطین کی حکومت بھی صحیح مانی گئی، اس سے یہ واضح ہوگیا کہ خلیفہ کا مقرر کرنا اس وقت ضروری ہے جب مسلمانوں کو اس کے مقرر کرنے کا اختیار ہو ورنہ ملوک اور سلاطین کی حکومت بھی صحیح ہے اسی طرح موجودہ دور کی جمہوری حکومتیں بھی صحیح ہیں۔

علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں:

اما فی زماننا فقد زال الا الخلیفة الآن والذی یکون بمصر فانما یکون خلیفة اسما لا معنی۔[3]

ہمارے زمانہ میں خلیفہ کے حکم کے مطابق عید کی تکبیریں پڑھنے کا حکم زائل ہوچکا ہے، کیونکہ اب کوئی خلیفہ نہیں ہے، اور وہ جو مصر میں خلیفہ ہے وہ صرف نام کا خلیفہ ہے، حقیقت میں خلیفہ نہیں ہے۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفی حنفی لکھتے ہیں:

وتصح سلطنة متغلب للضرورة وکذا صبی وینبغی ان یفوض امور التقلید علی

جو شخص جبراً اور غلبہ سے حکمرانی کرے اس کی حکومت ضرورت کی بنا پر صحیح ہے (تاکہ فتنہ نہ پھیلے)

---

[1] ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۵ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] " " مرقات ج ۵ ص ۱۴۳ " " "

[3] علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی ص ۵۲۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

وال تابع له والسلطان في الرسم هو الولي وفي الحقيقة هو الوالي لعدم صحة اذنه بقضاء وجمعة كما في الاشباه عن البزازية. [1]

اسی طرح بچہ کی سلطنت بھی صحیح ہے، لیکن مناصب دینے کا کام بچہ کے ولی کے سپرد کر دیا جائے جو بچہ کے تابع ہو، اور بظاہر وہ بچہ سلطان ہو گا اور حقیقت میں اس کا ولی سلطان ہو گا، کیونکہ بچہ کا قاضی مقرر کرنا اور جمعہ کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے۔ اشباہ میں بزازیہ سے اسی طرح منقول ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

لا يخفى ان اولئك كانوا ملوكا تغلبوا والمتغلب تصح منه هذه الامور للضرورة وليس من شرط صحة الصلوة خلف امام عدالته وصار الحال عند التغلب كما لو لم يوجد او وجد ولم يقدر على توليته لغلبة الجورة كلام المسايرة للمحقق ابن الهمام. [2]

یہ مخفی نہ رہے کہ بنو امیہ کے خلفاء درحقیقت ملوک (بادشاہ) تھے جو غلبہ سے حکمران بن گئے تھے اور متغلب کا نماز اور جمعہ پڑھنا اور دیگر کار حکومت انجام دینا ضرورت کی بناء پر صحیح ہے اور صحت نماز کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ امام عادل ہو، اور جب کوئی شخص غلبہ اور جبر سے حاکم بن جائے تو یہ فرض کیا جائے گا کہ خلیفہ (امام عادل) موجود نہیں ہے یا موجود ہے لیکن ظالموں کے غلبہ کی وجہ سے حکمرانی پر قادر نہیں ہے، یہ محقق ابن ہمام کی عبارت ہے جو مسایرہ سے نقل کی گئی ہے۔

علامہ حصکفی اور علامہ شامی اور دیگر فقہاء احناف کے اقوال ہم نے حوالے دیے ہیں ان کی عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کا ایک خلیفہ مقرر کرنا مطلقاً واجب نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت واجب ہے، جب مسلمان تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے پر قادر ہوں اور جب غلبہ اور جبر سے زمین کے کسی بھی خطہ پر مسلمانوں کی کوئی حکومت قائم ہو جائے تو فتنہ سے بچنے کے لیے اس کی حکومت کو صحیح قرار دیا جائے گا اور وہاں کے مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو گی، اسی طرح اگر متعدد خطہ ارض میں متعدد ملوک اور سلاطین ہوں یا جمہوری زمانے کے جمہوری حکمران ہوں تو اپنے اپنے علاقوں میں ان کی حکومت صحیح ہو گی اور غیر معصیت میں ان کی اطاعت واجب ہو گی۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

قال الحموي في الاشباه قال الامام واصحابه لا يشترط في صحة تولية السلطان ان يكون قرشيا ولا مجتهدا او

علامہ حموی نے الاشباہ والنظائر میں یہ لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ سلطان کی حکمرانی کی صحت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ قرشی

[1] علامہ علاء الدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۱۳-۵۱۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[2] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۳، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

لا محالہ، اور اس کا مجتہد یا مستحق ہونا شرط ہے۔

علامہ رافعی نے علامہ رحمتی کے حوالے سے جو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول پیش کیا ہے اس سے خلیفہ اور سلطان کا فرق بھی ظاہر ہوا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ خلیفہ کے بغیر سلطان کی حکومت بھی صحیح ہو تی ہے اور سلطان کی حکومت کا صحیح ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا مسلمانوں پر مطلقاً واجب اور ضروری نہیں ہے بلکہ یہ مسلمانوں پر اسی وقت ضروری ہے جب وہ تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ کے مقرر کرنے پر قادر ہوں اور جب زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے تمام عالم اسلام کے لیے ایک خلیفہ مقرر کرنے پر مسلمان قادر نہ ہوں اور روئے زمین کے مختلف علاقوں میں مختلف حکمرانوں کا تسلط ہو جائے یا سلطانوں کی حکومتیں قائم ہوں اور ان علاقوں کے مسلمانوں پر غیر معصیت میں ان حکمرانوں کی اطاعت واجب ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ تفتازانی نے یہ اشکال قائم کیا ہے کہ جب خلفاء راشدین کے بعد کا زمانہ خلیفہ سے خالی ہو گیا تو تمام امت معصیت میں مبتلا ہو گی۔

علامہ شمس الدین خیالی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

لان ترك الواجب معصية والمعصية ضلالة والامة لا تجتمع على الضلالة وقد يجاب بانه انما يلزم المعصية لو تركوه عن قدرة واختيار لا عن عجز واضطرار فلا اشكال اصلاً۔[۲]

یہاں یہ اشکال ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے اور واجب کا ترک گناہ اور گمراہی ہے اور ساری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی اس کا جواب یہ ہے کہ معصیت اس وقت لازم آتی جب مسلمان قدرت اور اختیار کے باوجود خلیفہ مقرر نہ کرتے اور جب وہ تقرر خلیفہ سے عاجز ہیں تو ترک معصیت نہیں اور نہ کوئی اشکال ہے۔

خود علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں بھی یہی جواب دیا ہے۔[۳]

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، علامہ خیالی کے جواب کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

حاصله تخصيص الحديث بان المراد من مات ولم يترك فيه نصب الامام بعجز واضطرار بدليل ان الضروريات تبيح المحظورات وبهذا التقرير يندفع الاشكال بعد الخلفاء الراشدين العباسية ايضاً۔[۴]

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں تخصیص ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مر گیا اور اس نے عجز اور اضطرار کی وجہ سے خلیفہ مقرر کرنے کو ترک نہیں کیا بلکہ قدرت اور اختیار کے باوجود خلیفہ کو مقرر نہیں کیا تو وہ شخص جاہلیت کی موت مرا (بشرطیکہ یہ حدیث ہو حالانکہ یہ حدیث نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) کیونکہ اضطرار

۱۔ علامہ عبداللہ صدرالدین حنفی مفتی الدیار المصریہ، التحریر المختار لرد المحتار ج ۱ ص ۲۷۰، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ مصر، ۱۳۲۲ھ

۲۔ علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ، حاشیہ الخیالی ص ۱۳۲، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ

۳۔ علامہ سعد الدین تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ، شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۷۵، دارالمعارف النعمانیہ لاہور

۴۔ علامہ محمد عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ، حاشیہ علی الخیالی ص ۱۳۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱۳۹۰ھ

کی حالت میں ممنوع چیزیں مباح ہو جاتی ہیں اور اسی تقریر سے سلطنت عباسیہ کے خلفاء کے بعد خلیفہ نہ بنانے سے جو اشکال لازم آتا ہے وہ بھی دور ہو جائے گا۔

علامہ تفتازانی، علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے یہ بیان کیا ہے کہ امت پر تمام عالم اسلام میں ایک خلیفہ مقرر کرنا اس وقت واجب ہے جب ان کی قدرت اور اختیار میں ایک خلیفہ کو مقرر کرنا ممکن ہو اور خلفاء راشدین کے بعد جب غلبہ اور جور سے مروانی حکومت پر قابض ہو گئے تو اس وقت خلیفہ کو نصب کرنا مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں نہیں تھا اس لیے یہ ان پر واجب نہیں رہا۔ اسی طرح بنو امیہ میں سے عمر بن عبدالعزیز اور بنو عباس میں سے مہدی عباسی خلیفہ تھے لیکن ان کے بعد غلبہ اور جور سے ملوک اور سلاطین حکمران بن گئے اور اس وقت بھی ایک خلیفہ کو مقرر کرنا مسلمانوں کی قدرت میں نہیں تھا اس لیے مسلمانوں پر ایک خلیفہ مقرر کرنا واجب نہ رہا، علیٰ ہذا القیاس اب براعظم ایشیا اور افریقہ میں مسلمانوں کے انچاس ملک ہیں اور بیشتر ممالک کے درمیان بحری، بری اور فضائی کوئی رابطہ نہیں ہے، اکثر ممالک اسلامیہ میں مغربی طرز کی جمہوری حکومت ہے، بعض ممالک میں ملوک اور سلاطین کی حکومت ہے اور بعض جگہ فوجی حکومت ہے اور اب مسلمانوں کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں ہے کہ دنیا میں ان تمام ممالک کے حکمرانوں کو معزول کر کے ان تمام ممالک اسلامیہ میں ایک حکومت قائم کر دیں اور کسی ایک ملک میں مرکزی خلافت بنا کر تمام ممالک کو اس ملک کے صوبے بنا دیں اور ان ممالک اسلامیہ کی ایک فوج ہو، ایک کرنسی ہو اور تمام ملکوں میں حکمرانوں کا تقرر خلیفہ کے حکم سے ہو اور تمام ملکوں میں اسی ایک خلیفہ کا خطبہ پڑھا جائے ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا ۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی قوت اور طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، اس لیے اب مسلمانوں پر خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے اور دنیا کے جن جن علاقوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں، وہاں کے مسلمانوں پر بہر حیثیت ان حکمرانوں کی اطاعت لازم ہے۔

امارت اور خلافت کے سلسلہ میں حرف آخر

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر صرف امیر کا مقرر کرنا واجب ہے اور اسلامی حکومت جہاں پر جس شکل میں بھی قائم ہے صحیح ہے اور مسلمانوں پر اپنے اپنے امیر کی اطاعت کرنا واجب ہے، ہاں اگر امیر خلاف شرع حکم دے تو اس میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی، البتہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک اسلامی بلاک بنائیں اور اسلامی ممالک کی ایک فیڈریشن قائم کریں اور اس کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہنا چاہیے اگر مسلمانوں کا ایک اسلامی بلاک بن گیا یا ایک فیڈریشن قائم ہو گئی تو یہ نظام خلافت اسلام کے قریب تر ہو گا۔

کتاب الامارۃ کے تحت ہم جن ضروری مباحث پر بحث کرنا چاہتے تھے اور ان الجھے ہوئے مسائل میں اسلام کے جن احکام اور ہدایات کو بیان کرنا چاہتے تھے، ان سب کو ہم نے اختصاراً بیان کر دیا ہے۔

قرآن اور سنت سے جو کچھ میں نے سمجھا اس کو دیانت داری سے بلا خوف لومۃ لائم پیش کر دیا ہے، اگر یہ حق اور صواب ہے تو اللہ کی جانب سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے ہے اور اگر یہ غلط اور باطل ہے تو یہ میری فہم کی کوتاہی اور میرے مطالعہ کا نقص ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں، الٰہ العلمین میری

اس حقیر کوشش کو قبول فرما، گناہوں کی فراوانی اور علم وعمل کی تہی دامنی کی وجہ سے میں اس لائق تو نہ تھا کہ ان مضامین عالیہ کی تحقیق کے لیے قلم و قرطاس کو ہاتھ لگاتا اور اس سلسلہ میں نکات علمیہ بیان کرنے کی جسارت کرتا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تیری قدرت کا عجیب معاملہ ہے تو گندگی کے ڈھیر سے طیب وطاہر اور حسین وجمیل پھول پیدا کر دیتا ہے اور رات کی ظلمتوں کو کوکھ سے نور سحر نکال دیتا ہے اور ایک بے قیمت صدف کے اندر گہر آب دار پیدا کر دیتا ہے۔ الٰہی میں دعا کرتا ہوں، غلط کاریوں اور برائیوں کو معاف فرما، میرے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے، میرے، میرے والدین کی، میرے اساتذہ اور مشائخ کی، شرح صحیح مسلم کے ناشرین اور معاونین کی مغفرت فرما، دنیا، برزخ اور آخرت میں ہر مصیبت، ہر بلا اور ہر عذاب سے محفوظ رکھ اور دارین کی سعادتوں اور کامرانیوں کو ہمارا مقدر کر دے، اس کتاب کو تا قیامت باقی رکھ اور اس کی نفع رسانیوں کو تمام دنیائے اسلام میں عام کر دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین، افضل الانبیاء والمرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بَابُ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ وَالْخِلَافَةُ فِي قُرَيْشٍ

خلافت کا قریش کے ساتھ اختصاص

٤٥٨٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ يَعْنِيَانِ الْحِزَامِيَّ ح وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ عَمْرٌو رِوَايَةً النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي هَذَا الشَّأْنِ مُسْلِمُهُمْ لِمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ لِكَافِرِهِمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اس (خلافت یا حکومت) معاملہ میں قریش کے تابع ہیں، مسلمان قریشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور کافر قریشی کافروں کے تابع ہیں۔

٤٥٨٨ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث بیان کیں، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ اس (خلافت یا حکومت) میں قریش کے تابع ہیں، مسلمان قریشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور کافر قریشی کا فرمان

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي هٰذَا الشَّأْنِ مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ.

کے تابع ہیں۔

۴۵۸۹ - وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قریش کی پیروی کرتے ہیں۔

۴۵۹۰ - وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ يُونُسَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ.

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چیز (خلافت) ہمیشہ قریش میں رہے گی خواہ لوگوں میں سے صرف دو شخص رہ جائیں۔

۴۵۹۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ح وَحَدَّثَنَا رِفَاعَةُ بْنُ الْهَيْثَمِ الْوَاسِطِيُّ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللهِ الطَّحَّانَ) عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ لَا يَنْقَضِي حَتَّى يَمْضِيَ فِيهِمُ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيَ عَلَيَّ قَالَ فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ قَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا یہ خلافت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ بارہ خلیفہ پورے نہ ہو جائیں پھر آپ نے آہستہ سے کچھ فرمایا جو مجھ پر مخفی رہا، میں نے اپنے والد سے پوچھا آپ نے کیا فرمایا ہے؟ انھوں نے کہا آپ نے فرمایا ہے وہ سب قریش ہی سے ہوں گے۔

۴۵۹۲ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَزَالُ أَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا مَا وَلِيَهُمُ اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا ثُمَّ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَتْ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، خلافت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ بارہ خلیفہ حکمران رہیں گے، پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے کوئی بات کہی، میں نے اپنے

عَلَيَّ فَسَأَلْتُ أَبِي مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔

والد سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب قریش سے ہوں گے۔

٣٥٩٣ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ وَلَمْ يَذْكُرْ لَا يَزَالُ أَمْرُ النَّاسِ مَاضِيًا۔

حضرت جابر بن سمرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں یہ نہیں ہے "یہ حکومت ہمیشہ جاری رہے گی"

٣٥٩٤ - حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً ثُمَّ قَالَ كَلِمَةً لَمْ أَفْهَمْهَا فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بارہ خلیفہ ہونے تک اسلام غالب رہے گا، پھر آپ نے ایک کلمہ فرمایا جس کو میں نہیں سمجھ سکا، میں نے اپنے والد سے پوچھا حضور نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا آپ نے فرمایا وہ سب قریش سے ہوں گے!

٣٥٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ دَاوُدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْهُ فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بارہ خلیفہ پورے ہونے تک اسلام غالب رہے گا، پھر آپ نے کوئی بات کہی جس کو میں نہیں سمجھ سکا میں نے اپنے والد سے کہا آپ نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا آپ نے فرمایا وہ سب قریش سے ہوں گے۔

٣٥٩٦ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ النَّوْفَلِيُّ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا أَزْهَرُ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ انْطَلَقْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِي أَبِي فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَنِيعًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً فَقَالَ كَلِمَةً صَمَّنِيهَا النَّاسُ فَقُلْتُ لِأَبِي مَا قَالَ قَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گیا، میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا بارہ خلیفہ پورے ہونے تک یہ دین غالب رہے گا، پھر آپ نے کوئی کلمہ فرمایا جسے لوگوں نے مجھے سننے نہیں دیا، میں نے اپنے والد سے پوچھا حضور نے کیا فرمایا؟ انھوں نے کہا آپ نے فرمایا کہ وہ سب قریش سے ہوں گے۔

٣٥٩٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ

عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں

أبي قتيبة قال حدثنا حاتم (وهو ابن إسماعيل) عن المهاجر بن مسمار عن عامر بن سعد بن أبي وقاص قال كتبت إلى جابر بن سمرة مع غلامي نافع أن أخبرني بشيء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فكتب إلي سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم جمعة عشية رجم الأسلمي يقول لا يزال الدين قائما حتى تقوم الساعة أو يكون عليكم اثنا عشر خليفة كلهم من قريش وسمعته يقول عصيبة من المسلمين يفتتحون البيت الأبيض بيت كسرى أو آل كسرى وسمعته يقول إن بين يدي الساعة كذابين فاحذروهم وسمعته يقول إذا أعطى الله أحدكم خيرا فليبدأ بنفسه وأهل بيته وسمعته يقول أنا الفرط على الحوض.

۴۵۹۸۔ حدثنا محمد بن رافع حدثنا ابن أبي فديك حدثنا ابن أبي ذئب عن مهاجر ابن مسمار عن عامر بن سعد أنه أرسل إلى ابن سمرة العدوي حدثنا ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فذكر نحو حديث حاتم۔

نے اپنے غلام نافع کے ہاتھ حضرت جابر بن سمرہ کے پاس خط روانہ کیا کہ مجھے کوئی ایسی حدیث لکھ کر بھیجیں جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، انھوں نے میری طرف لکھا کہ جمعہ کی شام کو جس دن حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تھا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ قیامت تک یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا حتی کہ مسلمانوں کے بارہ خلیفہ ہوں گے، اور وہ سب قریش سے ہوں گے ______ اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت کسریٰ یا آل کسریٰ کے سفید محل کو فتح کرے گی، اور میں نے آپ سے یہ سنا کہ قرب قیامت میں کذاب ظاہر ہوں گے ان سے بچنا، اور میں نے آپ سے یہ سنا کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو کوئی اچھی چیز دے تو پہلے اس کو اپنے اوپر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور میں نے آپ سے یہ سنا کہ میں تمہارا حوض پر پیش رو ہوں گا۔

عامر بن سعد بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابن سمرہ عدوی کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث سنی ہو وہ بتلائیے انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ..... پھر حسب سابق حدیث بیان کی۔

خلافت کے قریش کے ساتھ اختصاص پر مزید احادیث

اس حدیث کو امام مسلم کے علاوہ اور دیگر محدثین نے بھی اپنی اپنی اسانید سے روایت کیا ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن معاوية قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول إن هذا الأمر في قريش لا يعاديهم أحد إلا كبه الله وجهه

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک قریش دین پر قائم رہیں گے یہ خلافت ان ہی میں رہے گی جو شخص بھی ان سے عداوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو منہ

ما اقاموا الدين [1]

کے بل گرادے گا۔

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يزال هذا الامر في قريش ما بقي منهم اثنان [2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک قریش میں دو فرد بھی باقی رہیں گے خلافت ان ہی میں رہے گی۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يزال هذا الدين قائما حتى يكون عليكم اثنا عشر خليفة كلهم تجتمع عليه الامة فسمعت كلاما من النبي صلى الله عليه وسلم لم افهمه فقلت لابي ما يقول قال كلهم من قريش [3]

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم پر بارہ خلفاء (یکے بعد دیگرے) حاکم ہوں گے جن پر تمام امت متفق ہوگی، پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا جس کو میں نہیں سمجھا میں نے اپنے والد سے پوچھا آپ نے کیا فرمایا، انہوں نے کہا آپ نے فرمایا: وہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يكون من بعدي اثنا عشر اميرا ثم تكلم بشيء لم افهمه فسالت الذي يليني فقال قال كلهم من قريش هذا حديث حسن صحيح [4]

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد بارہ امیر ہوں گے، پھر آپ نے کچھ فرمایا جس کو میں نہیں سمجھ سکا میں نے اپنے قریب والے شخص سے پوچھا اس نے کہا آپ نے فرمایا: وہ سب قریش سے ہوں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عن عمرو بن العاص قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول قريش ولاة الناس في الخير والشر الى يوم القيامة هذا حديث حسن صحيح غريب [5]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر اور شر میں قیامت تک لوگوں کے حکمران قریش ہوں گے، یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۷، ج ۲ ص ۱۰۵۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] " " " " ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۷، ج ۲ ص ۱۰۵۰ " " " "

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[4] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[5] " " " " ، جامع ترمذی ص ۳۲۲-۳۲۳ " "

اس مضمون کی احادیث کو امام احمد نے بھی متعدد اسانید سے روایت کیا ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام طیالسی، امام بزار، امام طبرانی اور امام بخاری نے تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے الائمۃ من قریش ما اذا حکموا فعدلوا ۔ جب تک یہ لوگ حکومت کریں قریش ہی حاکم ہوں گے! اور امام نسائی، امام ابو یعلیٰ اور امام بخاری نے تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان الملک فی قریش ۔ ملک قریش میں ہوگا ۔ امام احمد نے بھی ان الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ، اور امام احمد نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے الائمۃ من قریش کو روایت کیا ہے اس حدیث کی سند کے تمام راوی صحیح ہیں، لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے، امام حاکم، اور امام طبرانی نے بھی ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو حضرت علی سے روایت کیا ہے۔[2]

خلافت کے قریش کے ساتھ اختصاص میں فقہاء کے نظریات

علامہ نووی لکھتے ہیں: ان احادیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ مخصوص ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ تمام فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ خلیفہ ہونے کے لیے قرشی ہونا شرط ہے، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے اسی حدیث سے یوم سقیفہ میں انصار پر حجت قائم کی تھی اور کسی شخص نے اس کا انکار نہیں کیا، اس مسئلہ کو علماء نے مسائل اجماع سے شمار کیا ہے، اور اس کے خلاف علماء سلف سے کوئی قول اور فعل منقول نہیں ہے۔ نظام معتزلی، خوارج اور اہل بدعت نے یہ کہا ہے کہ غیر قرشی کو بھی خلیفہ بنانا جائز ہے ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ خیر اور شر میں لوگ قریش کے تابع ہیں، اس سے یہ مراد ہے کہ اسلام اور جاہلیت میں لوگ قریش کے تابع ہیں، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی قریش عرب کے سردار تھے اور کعبہ اور حج بیت اللہ کے متولی تھے اور عرب ان کے اسلام کے منتظر تھے جیسے ہی مکہ فتح ہوا اور قریش اسلام لائے تمام لوگوں نے اسلام میں ان کی پیروی کی اور فوج در فوج عرب اسلام میں داخل ہوگئے، اسی طرح اسلام میں بھی وہی خلفاء ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت تک یہی حکم رہے گا جب تک کہ قریش کے دو فرد بھی باقی ہوں۔[3]

بارہ خلفاء اور تیس سال تک خلافت کی احادیث کے تعارض کا جواب

اس باب کی حدیث نمبر ۴۵۱۵ میں ہے اس وقت تک اسلام غالب رہے گا جب تک بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب قریش سے ہوں گے، اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث کے خلاف بعض احادیث میں ہے کہ خلافت تیس سال رہے گی اور تیس سال میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شامل کر کے صرف پانچ خلفاء ہوئے تھے۔ اور وہ حدیث یہ ہے۔

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۹، ۱۸۳، ج ۴ ص ۴۲۱، ۴۲۴، ج ۵ ص ۹۰، ۹۲، ۹۳، ۹۸، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۱۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن سفینۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلافۃ النبوۃ ثلاثون سنۃ ثم یؤتی اللہ الملک من یشاء قال سعید قال لی سفینۃ امسک علیک ابا بکر سنتین وعمر عشرا وعثمان اثنی عشر و علی کذا۔[1]

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت نبوت تیس سال رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا کرے گا حضرت سفینہ نے کہا حضرت ابو بکر کے دو سال شمار کرو اور حضرت عمر کے دس سال، حضرت عثمان کے بارہ سال اور حضرت علی کے اتنے سال (یعنی پانچ سال نو ماہ اور چھ ماہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت رہی۔)

اس حدیث کو امام ترمذی[2] اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

الجواب ان احادیث میں تعارض نہیں ہے کیونکہ جن احادیث میں بارہ خلفاء تک اسلام کے غلبہ اور خلافت قائم رہنے کا ذکر ہے ان میں مطلقاً خلافت کا ذکر ہے عام ازیں کہ وہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہو یا ایسی خلافت نہ ہو لیکن اس خلافت میں غلبہ اسلام ہو اور جن احادیث میں تیس سال تک خلافت کا ذکر ہے ان میں خلافت نبوت کا تخصیص ہے، جیسا کہ ہم جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور مسند احمد کے حوالوں سے ذکر کر چکے ہیں۔

بارہ خلفاء کی تفصیل اور تعیین امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے اسانید صحیحہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ جب تک بارہ خلیفہ ہوں گے اس وقت تک اسلام کو غلبہ رہے گا، ان بارہ خلفاء سے کون سے خلفاء مراد ہیں اس کی تفصیل اور تعیین میں علامہ ابن حجر ہیتمی مکی لکھتے ہیں:

ان بارہ خلفاء سے وہ خلفاء مراد ہیں جن کے عہد خلافت میں اسلام کو قوت اور شوکت حاصل رہی اور مسلمان متحد رہے اور مجتمع رہے، اور اجتماع سے یہ مراد ہے کہ ان کی بیعت کی گئی اور ان کی حکومت تسلیم کی گئی، وہ بارہ خلفاء یہ ہیں:
حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، یزید بن معاویہ، عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، اور ہشام بن یزید بن عبدالملک۔

ولید بن یزید بن عبدالملک نے چار سال حکومت کی پھر اس کو قتل کر دیا گیا اس کے بعد فتنے برپا ہوئے اور امت میں انتشار ہو گیا اور ولید بن یزید کے بعد کسی ایک خلیفہ پر آج تک پوری امت متفق نہیں ہو سکی، کیونکہ بنو امیہ کے باقی افراد کا ان سے فتنے شروع ہو گئے تھے اور اندلس میں عباسیوں کے خلاف مروانیوں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا حتیٰ کہ خلافت کا صرف نام باقی رہ گیا تھا، جبکہ پہلے مشرق، مغرب، شمال، جنوب ہر طرف مسلمانوں کا خلیفہ تھا اور خلیفہ کی اجازت کے بغیر کسی جگہ کا کوئی حاکم نہیں ہو سکتا تھا اور سب جگہ خطبات میں ایک ہی خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔

---

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۹۲، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی،

[3] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۳، ج ۵ ص ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت

بارہ خلفاء کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ بارہ خلفاء سے ایسے خلفاء مراد ہیں جو نیک مسلمان اور عادل تھے اور حق اور انصاف پر عمل کرتے تھے اگرچہ یہ خلفاء متصل اور متوالی نہیں تھے اور ان کے درمیان فترت اور انقطاع آ گیا ہو، یہ بارہ خلفاء تمام امت اسلام میں پورے ہوں گے، اس صورت میں ان کی تفصیل یہ ہوگی: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن الزبیر، عمر بن عبدالعزیز، مہدی عباسی، ظاہر عباسی اور دو خلیفہ منتظر ہیں ان میں سے ایک مہدی ہیں جن کا اہل بیت سے ظہور ہوگا۔ [1]

بعض لوگ علامہ ابن حجر مکی کی تفصیل اور تعیین پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ علامہ ابن حجر مکی نے بارہ خلفاء میں یزید بن معاویہ کو بھی شامل کیا ہے اور بعض غالی شیعہ کہتے ہیں کہ سنیوں کے بارہ اماموں میں یزید بن معاویہ بھی شامل ہیں لیکن اس پر غور نہیں کرتے کہ علامہ ابن حجر مکی نے خلفاء حق میں یزید بن معاویہ کو شامل نہیں کیا بلکہ ان خلفاء میں یزید کو شامل کیا ہے جن کی حکومت بالعموم تسلیم کی گئی اور ان کی بیعت کر لی گئی اور ان کے عہد میں اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل رہا۔ خواہ وہ خلفاء نیک ہوں یا بد۔

بارہ خلفاء سے زیادہ خلفاء کی توجیہات

علامہ نووی لکھتے ہیں اس حدیث میں بارہ خلفاء کا ذکر ہے حالانکہ اب تک (یعنی علامہ نووی متوفی ۶۷۶ھ کے زمانہ تک) بارہ سے زیادہ حکمران گزر چکے ہیں۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف بارہ خلفاء ہوں گے، آپ نے بارہ خلفاء کا ذکر کیا اور یہ عدد پورا ہو گیا اور اس سے زیادہ خلفاء کا ہونا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ بارہ خلفاء سے حکمران مراد نہیں ہیں، حتیٰ کہ یہ اعتراض وارد ہو، بلکہ خلفاء سے مراد مستحقین خلافت ہیں جو عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کریں ایسے کچھ خلفاء تو گزر گئے اور جو باقی رہ گئے ہیں وہ وقوع قیامت سے پہلے گزر جائیں گے، اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک خلیفہ ہو اور باقی اس کے متبعین تھے کیونکہ ۴۳۰ھ کے بعد اندلس میں تین حکمران ہوئے اور ہر ایک کا لقب خلیفہ تھا اور اسی زمانہ میں مصر میں ایک اور شخص خلیفہ تھا اور اسی وقت بغداد میں جماعت عباسیہ کا خلیفہ ایک اور شخص تھا، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، عنقریب بکثرت خلفاء ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا پھر آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو پہلا خلیفہ ہو اس کی بیعت کرو، چوتھا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہ ہے کہ بارہ خلفاء تک اسلام غالب رہے گا۔ اس غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جس خلیفہ کی بیعت پر تمام مسلمان متحد ہوں جیسا کہ سنن ابوداؤد میں ہے امت ان پر مجتمع ہوگی، اور یزید بن ولید سے پہلے ایسے بارہ حکمران گزر گئے جن پر تمام مسلمان متفق تھے حتیٰ کہ یزید بن ولید کے زمانہ میں بنو امیہ کی ہوا اکھڑ گئی اور بنو عباس نے ان کے خلاف خروج کیا، اور اس حدیث کی اور توجیہات بھی ممکن ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے کیا مراد تھی اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ [2]

---

[1] علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقہ ص ۲۱-۲۰، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ مصر

[2] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] حافظ ابن حجر نے بھی یہی جواب اختیار کیا ہے اور ان کا مقصود یہ ہے ولید بن یزید بن عبدالملک متوفی ۱۲۶ھ کے بعد خلافت نہیں رہی اور جو خلفاء کے نام سے حکومت کرتے تھے وہ ملوک اور سلاطین تھے۔ سعیدی غفرلہ

حافظ ابن حجر عسقلانی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: یہ ٹھیک ہے کہ اب تک بارہ سے بہت زیادہ خلفاء ہو چکے ہیں لیکن ان حکمرانوں میں خلیفہ کا صرف نام تھا، یہ حقیقت میں خلیفہ نہیں تھے اور حدیث میں جو ہے خلافت قریش میں ہوگی یہ خبر نہیں ہے حکم ہے، یعنی خلیفہ کو قریش میں سے ہونا چاہیے ورنہ بہت سے ملکوں میں غیر قریشی حکمران رہے ہیں اور جو غیر قریشی غلبہ سے حکمران بن گئے وہ بھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہیے۔ [1]

غیر قریشی خلفاء کی توجیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلافت قریش میں ہوگی، علامہ عینی لکھتے ہیں کہ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں تو حکومت غیر قریشیوں کے ہاتھ میں ہے
علامہ عینی اس جواب کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ لوگ صرف نام کے خلیفہ تھے ارباب حل و عقد نہ تھے، اور اگر ان کو خلیفہ مان بھی لیا جائے تو ایک زمانہ میں متعدد خلفاء کا ہونا لازم آئے گا، حالانکہ ایک زمانہ میں صرف ایک خلیفہ ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امام کی بیعت کرنے اور اس کی بیعت پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور جو شخص اس کی خلافت کے خلاف خروج کرے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، اور امام احمد، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر ملوکیت ہو جائے گی اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا کرے گا اور ایسا ہی ہوا، کیونکہ خلفاء اربعہ اور حضرت حسن کی خلافت کو ملا کر تیس سال پورے ہو گئے۔ [2]

علامہ عینی کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے وہ خلافت راشدہ ہے اور بعد میں جو مسلمان حکمران آتے رہے ہر چند کہ ان میں غیر قریشی بھی تھے لیکن وہ صرف نام کے خلفاء تھے حقیقی خلفاء نہ تھے وہ درحقیقت ملوک اور سلاطین تھے۔

قریش کے ساتھ خلافت کے اختصاص کی حکمت اور بحث و نظر

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام اور خلیفہ کے لیے قریشی ہونے کی شرط لگانے کی ایک وجہ تو آپ کے نسب کے ساتھ نسبت قائم کرنا اور اس سے برکت حاصل کرنا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قبیلہ قریش اس وقت تمام قبائل پر فوقیت رکھتا تھا اور عرب کے تمام قبائل اس کی برتری تسلیم کرتے تھے، اگر کسی اور قبیلہ کا فرد خلیفہ ہوتا تو اس کو وہ نصرت اور طاقت حاصل نہ ہوتی جو قریش کو حاصل ہو سکتی تھی۔ علامہ ابن خلدون نے کہا ہے کہ اسلام کے احکام قیامت تک کے لیے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر زمانہ میں قریش کے خاندان ہی کو برتری اور عصبیت کی قوت حاصل رہے اس لیے اگر کسی زمانہ میں کسی اور خاندان کی عصبیت غالب ہو اور لوگوں کی اکثریت اس خاندان کی حمایت کرتی ہو تو اس زمانہ میں اس خاندان کے فرد کو خلیفہ اور امام بنانا جائز ہوگا۔ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی امامت کے لیے قرشیت کو شرط قرار نہیں دیا کیونکہ ان کے زمانہ میں قریشی عصبیت

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ
[2] علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۴۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ترک عجم خلفاء پر مسلط ہو گئے تھے۔[1]

علامہ ابن خلدون کا یہ نظریہ بکثرت احادیث صحیحہ اور جمہور فقہاء اسلام کی تصریحات کے خلاف ہے۔ میرے نزدیک خلافت میں قرشیت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بعض احکام صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز اور اکرام کو ظاہر کرنے کے لیے مشروع کیے ہیں، مثلاً قرآن عربی میں نازل فرمایا کیونکہ آپ عربی تھے، قیامت تک مسلمانوں کی مختلف زبانیں ہوں گی لیکن کسی زبان کی تعبیر کو قرآن کا منصب نہیں دیا جائے گا اور اس پر قرآن کے احکام جاری نہیں ہوں گے، حائضہ عورت اور جنبی شخص کسی آیت کا ترجمہ اپنی زبان سے کر سکتا ہے لیکن حالت حیض اور جنابت میں عربی الفاظ یعنی قرآن مجید کے نازل شدہ الفاظ نہیں پڑھ سکتا، نماز اللہ تعالیٰ سے دعا اور مناجات ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنی زبان میں دعا اور مناجات کرے تو نماز نہیں ہوگی، اس کی نماز اسی وقت ہوگی جب وہ نماز میں عربی الفاظ کو پڑھے گا خواہ ان کا مطلب اور معنی نہ سمجھے، حالانکہ اگر کوئی غیر عربی اپنی زبان میں نماز پڑھے تو یہ زیادہ معقول ہے کیونکہ اس کو علم ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کیا حمد و ثناء کر رہا ہے اور اس سے کیا مانگ رہا ہے، لیکن اس کی نماز شرعاً باطل ہوگی اور نماز میں عربی زبان کی شرط کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی تھی، اسی لیے کوئی شخص کسی علاقہ اور کسی زبان کا بولنے والا ہو نماز عربی میں پڑھے گا کیونکہ یہ آپ کی زبان ہے، اسی طرح خلیفہ چونکہ آپ کا نائب ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی وساطت سے یہ شرط لگائی ہے کہ خلیفہ آپ کے خاندان اور آپ کے نسب سے ہو، نماز میں آل محمد پر درود پڑھنا اور آل محمد پر صدقہ کا حرام ہونا یہ بھی وہ احکام ہیں جو صرف آپ کے اعزاز و اکرام کو ظاہر کرنے کے لیے مشروع کیے گئے ہیں، سو میرے نزدیک خلافت میں قرشیت کی شرط بھی صرف آپ کے اعزاز و اکرام کو ظاہر کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہے۔

بَابُ الْاِسْتِخْلَافِ وَتَرْكِهٖ

خلیفہ بنانے اور اس کو ترک کرنے کا بیان

۴۵۹۹ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَضَرْتُ أَبِي حِينَ أُصِيبَ فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ وَقَالُوا جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَالَ رَاغِبٌ وَرَاهِبٌ قَالُوا اسْتَخْلِفْ فَقَالَ أَتَحَمَّلُ أَمْرَكُمْ حَيًّا وَمَيِّتًا لَوَدِدْتُ أَنَّ حَظِّي مِنْهَا الْكَفَافُ لَا عَلَيَّ وَلَا لِي فَإِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي (يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ) وَإِنْ أَتْرُكْكُمْ فَقَدْ تَرَكَكُمْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میرے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) زخمی ہوئے تو میں اس وقت موجود تھا، لوگوں نے ان کی تعریف کی اور کہا اللہ آپ کو اچھی جزا دے! حضرت عمر نے کہا مجھے اللہ کی رحمت کی امید ہے اور اس کے عذاب کا خوف ہے، لوگوں نے کہا آپ کسی کو اپنا خلیفہ (جانشین) بنا دیجئے، حضرت عمر نے فرمایا: میں زندگی میں تمہارا بوجھ اٹھاؤں اور اب مرنے کے بعد بھی تمہارا بوجھ اٹھاؤں؟ مجھے صرف یہ خواہش ہے کہ خلافت کی خدمات میرے لیے برابر سرابر ہو جائیں، کار خلافت

[1] علامہ عبدالرحمان بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ، مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۰-۱۹۹، ملخصاً (مترجم) مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ حِيْنَ ذَكَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ.

۴۷۰۰ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَابْنُ أَبِيْ عُمَرَ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالَ إِسْحٰقُ وَعَبْدٌ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى حَفْصَةَ فَقَالَتْ أَعَلِمْتَ أَنَّ أَبَاكَ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ قَالَ قُلْتُ مَا كَانَ لِيَفْعَلَ قَالَتْ إِنَّهُ فَاعِلٌ قَالَ فَحَلَفْتُ أَنِّيْ أُكَلِّمُهُ فِيْ ذٰلِكَ فَسَكَتُّ حَتّٰى غَدَوْتُ وَلَمْ أُكَلِّمْهُ قَالَ فَكُنْتُ كَأَنَّمَا أَحْمِلُ بِيَمِيْنِيْ جَبَلًا حَتّٰى رَجَعْتُ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَسَأَلَنِيْ عَنْ حَالِ النَّاسِ وَأَنَا أُخْبِرُهُ قَالَ ثُمَّ قُلْتُ لَهُ إِنِّيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ مَقَالَةً فَآلَيْتُ أَنْ أَقُوْلَهَا لَكَ زَعَمُوْا أَنَّكَ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ وَإِنَّهُ لَوْ كَانَ لَكَ رَاعِيْ إِبِلٍ أَوْ رَاعِيْ غَنَمٍ ثُمَّ جَاءَكَ وَتَرَكَهَا رَأَيْتَ أَنْ قَدْ ضَيَّعَ فَرِعَايَةُ النَّاسِ أَشَدُّ قَالَ فَوَافَقَهُ قَوْلِيْ فَوَضَعَ رَأْسَهُ سَاعَةً ثُمَّ رَفَعَهُ إِلَيَّ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَحْفَظُ دِيْنَهُ وَإِنِّيْ لَئِنْ لَا أَسْتَخْلِفْ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْتَخْلِفْ وَإِنْ أَسْتَخْلِفْ فَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَدِ اسْتَخْلَفَ قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ ذَكَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَعْدِلَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ

کہ جب سے نہ مجھے کوئی عذاب ہو اور نہ ثواب ہو، اگر میں خلیفہ بناؤں تو جو مجھ سے بہتر تھے (یعنی حضرت ابوبکر) انہوں نے خلیفہ بنایا تھا اور اگر میں تم کو اسی حال پر چھوڑ دوں تو جو مجھ سے بہتر تھے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا جب حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تو میں نے جان لیا کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ کے پاس گیا، حضرت حفصہ نے کہا کیا تم کو علم ہے کہ تمہارے والد کسی کو خلیفہ نہیں بنا رہے؟ میں نے کہا وہ ایسا نہیں کریں گے، حضرت حفصہ نے کہا وہ ایسا کرنے والے ہیں، حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے قسم کھائی کہ میں ان سے اس مسئلہ میں بات کروں گا، پھر میں خاموش ہو گیا حتی کہ صبح ہو گئی اور میں نے ان سے اس معاملہ میں بات نہیں کی، اور قسم کھانے کے سبب مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں نے اپنے ہاتھ پر پہاڑ اٹھایا ہوا ہو، آخر کار میں حضرت عمر کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے لوگوں کا حال دریافت کیا، میں نے آپ کو حالات سے باخبر کیا، پھر میں نے ان سے کہا میں نے لوگوں سے ایک بات سنی تھی اور میں نے قسم کھائی کہ میں آپ سے اس کو ضرور بیان کروں گا، لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے، اور بات یہ ہے کہ اگر آپ کے اونٹوں یا بکریوں کا کوئی چرواہا ہو اور وہ ان اونٹوں یا بکریوں کو چھوڑ کر آپ کے پاس چلا آئے تو آپ یہی کہیں گے کہ اس نے ان اونٹوں یا بکریوں کو ضائع کر دیا ہے سو لوگوں کی نگہبانی اس سے زیادہ اہم ہے، حضرت عمر نے میری اس رائے کی موافقت کی کچھ دیر تک سر جھکائے رہے پھر میری طرف سر اٹھا کر فرمایا: بلاشبہ اللہ عزوجل اپنے دین کی حفاظت فرمائے گا، اور اگر میں نے کسی کو خلیفہ نہیں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدًا وَاَنَّهٗ غَيْرُ مُسْتَخْلِفٍ۔

بنایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا اور اگر میں نے کسی کو خلیفہ بنا دیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا چکے ہیں، حضرت ابن عمر نے کہا بخدا جب حضرت عمر نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا تو میں نے جان لیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور وہ کسی کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

خلیفہ مقرر کرنے کے متعلق مذاہب اور تحقیق مبحث

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: اس باب کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خلیفہ وقت قریب المرگ ہو تو اس کے لیے اپنا خلیفہ بنانا اور نہ بنانا دونوں امر جائز ہیں، اگر وہ خلیفہ نہ بنائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہو گا اور اگر خلیفہ بنائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل ہو گا، اگر خلیفہ کسی کو خلیفہ نہ بنائے تو ارباب حل وعقد اور شوریٰ کے انتخاب سے خلیفہ منتخب ہو جاتا ہے، اس پر بھی اجماع ہے کہ مسلمانوں پر خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے اور یہ وجوب شرعی ہے عقلی نہیں ہے، اصم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب نہیں ہے، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ وجوب عقلی ہے شرعی نہیں ہے، امام اصم کی دلیل یہ ہے کہ جب صحابہ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے تو اس وقت کوئی خلیفہ نہیں تھا اسی طرح جب شوریٰ انتخاب میں مشغول تھی اس وقت بھی کوئی خلیفہ نہیں تھا، لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ اس وقت خلیفہ کو منتخب کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اس کا وجوب عقلی نہیں ہے، کیونکہ عقل کسی چیز کو واجب نہیں کرتی، اس لیے اس کا وجوب شرعی ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا، اور رافضیوں کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو خلیفہ مقرر کیا تھا، اسی طرح بعض نے حضرت عباس اور بعض نے حضرت ابوبکر کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا دعویٰ کیا، لیکن یہ تمام دعاوی باطل ہیں، کیونکہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی اپنے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا دعویٰ نہیں کیا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نہ بنانے کے متعلق حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت ابوبکر سب متفق ہیں، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔[1]

علامہ نووی نے یہ لکھا ہے کہ خلیفہ بنانے کے وجوب پر سب کا اجماع ہے اور یہ وجوب شرعی ہے، اگر خلیفہ سے ان کی مراد امیر ہے تو یہ صحیح ہے، دلائل شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ مسلمان جس خطۂ زمین پر بھی ہوں ان کا ایک امیر ہو اور وہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک امیر ہو تو یہ چیز کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ ۱۳۲۶ھ کے بعد سے لے کر اب تک تمام امت مسلمہ معصیت

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

پر مختص ہی جو اصولی طور پر خلافت سے اقدام امت صحت اور کراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ کتاب الامارۃ کے مقدمہ میں ہم اس پر مفصل بحث کر چکے ہیں۔

شوریٰ مقرر کرنے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم پر مشتمل شوریٰ بنائی تھی، اور فرمایا کہ جاؤ مگر تین دن تک دیکھو، اگر یہ کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں تو فبہا ورنہ ان کی گردنیں اڑا دینا۔ اور اگر حضرت ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنا دیتا اور اگر میرا رب مجھ سے ان کے متعلق سوال کرتا تو میں کہتا میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ابو عبیدہ اس امت کے امین ہیں اور اگر ابو حذیفہ کے غلام سالم زندہ ہوتے تو ان کو امیر بنا دیتا اور اگر میرا رب ان کے متعلق سوال کرتا تو میں کہتا میں نے تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سالم کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سالم اللہ تعالیٰ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اگر اس کو اللہ کا خوف نہ ہوتا تو پھر بھی اس کی نافرمانی نہ کرتا۔ حضرت عمر سے کہا گیا کہ آپ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو خلیفہ کیوں نہیں بنا دیتے، وہ اسلام میں سبقت اور دین کی عزت اور قرآنی فضیلت کی وجہ سے اس منصب کے اہل ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا آل خطاب کے لیے یہ کافی ہے کہ اس امت کے معاملات کے متعلق ان کے خاندان کے صرف ایک شخص سے سوال کیا جائے اور میری تو صرف یہ خواہش ہے کہ اس خلافت کا بدلہ برابر سرابر ہو جائے نہ مجھے ثواب ہو نہ عذاب۔ لوگ حضرت عمر کے پاس سے چلے گئے پھر دوبارہ آئے اور کہنے لگے اے امیر المؤمنین! کاش آپ کسی شخص کے متعلق وصیت کر دیتے، حضرت عمر نے کہا میں نے پہلے یہ سوچا تھا کہ ان کو امیر بنا دوں، حضرت عمر کا اشارہ حضرت علی کی طرف تھا لیکن پھر میں نے سوچا کہ میں زندگی میں تو تمہارا بوجھ اٹھاتا رہا اب مرنے کے بعد اس بوجھ کو نہ اٹھاؤں، سو تم اس جماعت کو لازم پکڑو جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ اہل جنت ہیں، سعید بن زید بھی اہل جنت میں سے ہے، لیکن میں نے ان چھ میں ان کو داخل نہیں کیا وہ چھ یہ ہیں علی اور عثمان یہ دو عبد مناف ہیں، عبدالرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں، زبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہیں اور طلحہ اچھے انسان ہیں تم ان میں سے کسی ایک شخص کو منتخب کر لو۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر پانچ شخص ایک پر متفق ہو جائیں اور ایک اختلاف کرے تو اس کی گردن اڑا دو اور اگر چار ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور دو اختلاف کریں تو ان دونوں کی گردنیں اڑا دو اور اگر تین کی رائے ایک طرف ہو اور تین کی رائے دوسری طرف ہو تو ان کے درمیان عبداللہ بن عمر کو حکم بنا لینا اور اگر وہ عبداللہ پر راضی نہ ہوں تو اس گروہ کو ترجیح دی جائے گی جس میں عبدالرحمن بن عوف ہوں۔[1]

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں خلیفہ نہیں بنایا اب اگر یہ سوال ہو کہ پھر حضرت ابو بکر نے خلیفہ کیوں بنایا اور حضور کی اقتداء کیوں نہیں کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کے نزدیک خلافت کے تمام اوصاف حضرت عمر میں مجتمع تھے اس لیے انہوں نے حضرت عمر کو خلیفہ بنا دیا اور اگر اس پر یہ اعتراض ہو

---

[1] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۹۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی خلافت کے تمام اوصاف حضرت ابوبکر میں تھے پھر آپ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ کیوں نہیں بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نبوت سے معلوم تھا کہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا جائے گا اس لیے آپ نے اپنے علم پر اکتفاء کیا۔ ؎

مصنف کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اس لیے مقرر نہیں کیا تاکہ خلیفہ بنانا لازم نہ ہو جائے، نیز آپ نے خلیفہ کے تقرر کو امت کے اجتہاد اور اس کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ تاکہ جس زمانہ میں جیسے حالات ہوں اس کے مطابق حکومت بنائی جائے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں حکومت بنانے کا کوئی ایک طریقہ مقرر نہیں ہے اور مختلف طریقوں سے حکومتیں بنائی جاتی رہیں اور یہ سب اسلامی حکومتیں تھیں۔

علامہ ابی لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر نے شوریٰ بنا دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کیسے ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کسی ایک شخص کو خلیفہ نہ بنانے میں ہے۔

شوریٰ کے عمل کی کیفیت

حضرت عمر کی تجہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا، آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمان بن عوف نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے لیکن اس کو تین شخصوں میں محدود کر دینا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے، حضرت زبیر نے حضرت علی کا نام لیا، حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا اور حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کا نام لیا، حضرت عبدالرحمان بن عوف نے کہا میں اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں، اس لیے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیوں میں منحصر ہے، ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ، سنت رسول اور سنت شیخین کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی، پھر حضرت عبدالرحمان بن عوف نے ان دونوں صاحبوں سے کہا آپ دونوں یہ معاملہ میرے سپرد کر دیں، بعد میں حضرت عبدالرحمن بن عوف نے مسجد میں ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس کے بعد حضرت علی نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی اور پھر تمام حاضرین نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ طَلَبِ الْإِمَارَةِ وَالْحِرْصِ عَلَيْهَا

امارت کو طلب کرنے کی ممانعت

۴۱۰۴ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ

حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا! اے عبدالرحمن امارت کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تم کو سوال کے بعد امارت ملی تو تم اس کے سپرد کر دیے جاؤ گے (یعنی تمہارے ساتھ تائید خداوندی نہیں ہوگی) اور اگر تمہیں سوال کے بغیر امارت ملی تو تمہاری (منجانب اللہ)

؎ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۶ ص ۱۴۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

عليها

۴۶۰۲- وحدثنا يحيى بن يحيى حدثنا خالد بن عبد الله عن يونس ح وحدثني علي بن حجر السعدي حدثنا هشيم عن يونس ومنصور وحميد ح وحدثنا ابو كامل الجحدري حدثنا حماد بن زيد عن سماك بن عطية ويونس بن عبيد وهشام بن حسان كلهم عن الحسن عن عبد الرحمن بن سمرة عن النبي صلى الله عليه وسلم بمثل حديث جرير۔

مدد کی جائے گی۔

امام مسلم کہتے ہیں کہ تین مختلف سندوں کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے۔

۴۶۰۳- حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة ومحمد بن العلاء قالا حدثنا ابو اسامة عن بريد بن عبد الله عن ابي موسى قال دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم انا ورجلان من بني عمي فقال احد الرجلين يا رسول الله امرنا على بعض ما ولاك الله عز وجل وقال الآخر مثل ذلك فقال انا والله لا نولي على هذا العمل احدا ساله ولا احدا حرص عليه۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو عمزاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان دو میں سے ایک نے کہا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو ملک آپ کو دیے ہیں آپ ان میں سے کسی ملک کی حکومت ہم کو عطا کیجئے اور دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا، آپ نے فرمایا بخدا ہم کسی ایسے شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔

۴۶۰۴- حدثنا عبيد الله بن سعيد ومحمد بن حاتم (واللفظ لابن حاتم) قالا حدثنا يحيى بن سعيد القطان حدثنا قرة بن خالد حدثنا حميد بن هلال حدثني ابو بردة قال قال ابو موسى اقبلت الى النبي صلى الله عليه وسلم ومعي رجلان من الاشعريين احدهما عن يميني والآخر عن يساري فكلاهما سال العمل والنبي صلى الله عليه وسلم يستاك فقال ما تقول يا ابا موسى او يا عبد الله بن قيس قال فقلت والذي بعثك بالحق ما اطلعاني على ما في انفسهما وما شعرت انهما يطلبان العمل قال وكاني انظر الى سواكه تحت شفته وقد

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو اشعری شخصوں کے ساتھ حاضر ہوا، ایک میری دائیں جانب تھا اور دوسرا میری بائیں جانب تھا، ان دونوں نے کسی منصب کا سوال کیا اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے آپ نے فرمایا اے ابوموسیٰ تم کیا کہتے ہو یا آپ نے اے عبداللہ بن قیس فرمایا، میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے ان دونوں نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کے دل میں کیا ہے؟ اور نہ مجھے یہ پتا تھا کہ یہ منصب کا سوال کریں گے، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے کہا گویا کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ کے ہونٹوں کے نیچے مسواک تھی جو کھسک چکی تھی، آپ نے فرمایا ہم

قَلَصَتْ فَقَالَ لَنْ اَوْلَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَهُ وَلٰكِنِ اذْهَبْ اَنْتَ يَا اَبَا مُوْسٰى اَوْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ فَبَعَثَهُ عَلَى الْيَمَنِ ثُمَّ اَتْبَعَهُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِ قَالَ انْزِلْ وَاَلْقٰى لَهُ وِسَادَةً وَاِذَا رَجُلٌ عِنْدَهُ مُوْثَقٌ قَالَ مَا هٰذَا قَالَ هٰذَا كَانَ يَهُوْدِيًّا فَاَسْلَمَ ثُمَّ رَاجَعَ دِيْنَهُ دِيْنَ السَّوْءِ فَتَهَوَّدَ قَالَ لَا اَجْلِسُ حَتّٰى يُقْتَلَ قَضَاءُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَقَالَ اِجْلِسْ نَعَمْ قَالَ لَا اَجْلِسُ حَتّٰى يُقْتَلَ قَضَاءُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِهِ فَقُتِلَ ثُمَّ تَذَاكَرَا الْقِيَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ اَحَدُهُمَا مُعَاذٌ اَمَّا اَنَا فَاَنَامُ وَاَقُوْمُ وَاَرْجُوْ فِيْ نَوْمَتِيْ مَا اَرْجُوْ فِيْ قَوْمَتِيْ۔

شخص منصب کا سوال کرے گا ہم اس کو ہرگز منصب پر فائز نہیں کریں گے، لیکن اے ابوموسیٰ یا فرمایا اے عبداللہ بن قیس تم یمن جاؤ، اور ان کو یمن بھیج دیا، اور پھر ان کے پیچھے حضرت معاذ بن جبل کو بھیج دیا، جب حضرت معاذ بن جبل وہاں پہنچے تو حضرت ابوموسیٰ نے کہا آئیے اور ان کے لیے ایک گدا بچھا دیا، وہاں اس وقت ایک شخص رسیوں سے بندھا ہوا تھا، حضرت معاذ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت ابوموسیٰ نے کہا یہ ایک یہودی ہے یہ مسلمان ہو گیا تھا اور پھر اپنے بُرے دین کی طرف لوٹ گیا اور یہودی ہو گیا، حضرت معاذ نے کہا میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے مطابق اس کو قتل نہ کر دیا جائے، حضرت ابوموسیٰ نے کہا ہم اس کو قتل کرتے ہیں آپ بیٹھئے، حضرت معاذ نے کہا میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس شخص کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق قتل نہیں کر دیا جائے گا، تین مرتبہ یہی مکالمہ ہوا، بالآخر اس شخص کو قتل کر دیا گیا، پھر ان دونوں میں رات کے قیام کے متعلق گفتگو ہونے لگی حضرت معاذ نے کہا میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں اور میں اپنے قیام میں جس اجر کی امید رکھتا ہوں اسی اجر کی اپنی نیند میں بھی توقع رکھتا ہوں۔

طلب منصب کی تحقیق

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ طالب منصب کو منصب نہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ طالب منصب کے ساتھ اللہ کی توفیق اور تائید شامل نہیں ہوتی۔[1] بعض لوگ کہتے ہیں کہ منصب کو طلب کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے اپنے لیے حکومت کا عہدہ طلب کیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ (یوسف: ۵۵)

حضرت یوسف نے (عزیز مصر سے) کہا ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجئے میں حفاظت کرنے

۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔

یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے، اور شریعت سابقہ کے جو احکام ہماری شریعت کے خلاف ہوں وہ ہم پر حجت نہیں ہوتے، ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا! ہم اس شخص کو عامل نہیں بنائیں گے جو اس کو طلب کرے گا اور نہ اس شخص کو عامل بنائیں گے جو اس کی حرص کرے گا۔ جیسا کہ اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۰۳ میں آیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے اور نبی کا تقویٰ قطعی اور یقینی ہوتا ہے، نبی کو وحی کی تائید حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے افعال کے متعلق اللہ کی رضا سے مطلع رہتے ہیں جبکہ عام آدمی کا تقویٰ قطعی اور یقینی نہیں ہوتا اور غیر قطعی کو قطعی پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عہدہ طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا جو ان کو وحی سے حاصل ہوئی اور عام آدمی کے حق میں یہ متصور نہیں ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی منصب کا اہل نہ ہو تو جو شخص اہل ہو اس کا محض خدمت کے لیے منصب کو طلب کرنا ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔ ہمیں اس قاعدہ کی صحت سے انکار نہیں ہے، لیکن جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز کی گئی ہو اس کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھا گیا ہے اس کو عام رواج اور معمول بنا لینا صحیح نہیں ہے۔ مثلاً جب کوئی حلال چیز کھانے کے لیے دستیاب نہ ہو تو ضرورت کی بناء پر شراب اور خنزیر کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ضرورت کے حیلے سے خنزیر اور شراب کو کھانے پینے کا عام معمول بنا لے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

موجودہ طریقہ انتخاب کا غیر اسلامی ہونا

پاکستان میں انتخاب کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار از خود کھڑے ہوتے ہیں اور فنڈ اکٹھا کر کے اپنے لیے کنویسنگ کرتے ہیں اور مخالف امیدوار کی کردار کشی کرتے ہیں، اور اس سلسلے میں غیبت، افتراء اور تہمت کی تمام حدود کو پھلانگ جاتے ہیں، اور یہ طریقہ اسلام میں بالکل ناجائز ہے۔ اور ہر امیدوار کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضرورت کی بناء پر کھڑا ہوا ہے یہ بداہۃً باطل ہے، کیونکہ ہر حلقہ انتخاب سے بکثرت امیدوار کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ اور کوئی اہل نہیں تھا اس لیے یہ سب امیدوار کھڑے ہو گئے ہیں!

امیدوار کے لیے شرائط اہلیت نہ ہونے کے غلط نتائج

درحقیقت پاکستان کے آئین میں طلب منصب کی اجازت دینا ہی غیر اسلامی دفعہ ہے، جو امیدوار انتخاب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں انہیں امیدواروں میں سے صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ اور دیگر وزراء کا انتخاب ہوتا ہے اور یہی امیدوار اسمبلی میں جا کر کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ملک کے سربرآوردہ علماء اور دانشوروں پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل اتفاق رائے سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرتی ہے لیکن وہ اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک کہ قومی اسمبلی اس کو منظور نہ کرے اور قومی اسمبلی کے ممبروں کے لیے، اسلامی علوم یا مروجہ علوم میں سے کسی علم کی کوئی شرط نہیں ہے، نیکی اور تقویٰ کی

سیاسی تجربہ اور تدبر کی حتیٰ کہ مروجہ تعلیم کی بھی کوئی شرط نہیں ہے، دفتر میں کلرک بھرتی ہونے کے لیے بھی کم از کم میٹرک پاس ہونے کی شرط ہوتی ہے، بس چلانے والے ڈرائیور کے لیے بھی تجربہ کی شرط ہوتی ہے لیکن اس ملک کو چلانے کے لیے امیدواروں کے لیے علم اور تجربہ کی کوئی شرط نہیں ہے، ہر فاسق و فاجر، جاہل اور ناتجربہ کار شخص خواہ مرد ہو یا عورت انتخاب کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے اور پیسہ اور اثر و رسوخ کے زور پر اسمبلی میں پہنچ کر صدر مملکت، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا کسی بھی محکمہ کا وزیر بن سکتا ہے اور وہ علم، تجربہ اور اہلیت کے بغیر بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی پیش کردہ سفارشات کو مسترد کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

مرتد کے احکام

اس باب کی احادیث میں قتل مرتد کا بھی ذکر ہے، مرتد کو قتل کرنے پر تمام فقہاء اسلام کا اتفاق ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے توبہ طلب کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اور کتنی بار توبہ طلب کرنی چاہیے اور یہ کہ عورت اگر مرتد ہو تو اس کا حکم بھی مرد کی طرح ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہاء اسلام کا مسلک یہ ہے کہ مرتد سے توبہ طلب کی جائے گی، ابن قصار مالکی نے کہا ہے کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، طاؤس، حسن بصری، ابن الماجشون مالکی، امام ابو یوسف اور اہل الظاہر نے یہ کہا ہے کہ مرتد سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی، اور اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ توبہ قبول ہو جائے گی لیکن اس کو قتل کرنے کا حکم ساقط نہیں ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من بدل دینہ فاقتلوہ۔ "جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو" عطاء نے کہا کہ اگر مرتد مسلمان کی اولاد ہو تو اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی اور اگر وہ پہلے کافر تھا پھر مسلمان ہوا اور اس کے بعد مرتد ہو گیا تو اس سے توبہ طلب کی جائے گی۔ پھر فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس سے توبہ طلب کرنا آیا واجب ہے یا مستحب ہے؟ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس سے اسی وقت توبہ طلب کرنا واجب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ تین دن تک توبہ طلب کی جائے، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور حضرت علی سے ایک یہ روایت ہے کہ ایک ماہ تک توبہ طلب کی جا سکتی ہے۔ جمہور فقہاء اسلام یہ کہتے ہیں کہ اگر عورت مرتد ہو جائے اور توبہ نہ کرے تو اس کو بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے گا، اور اس کو لونڈی بنانا جائز نہیں ہے، امام مالک، امام شافعی اور جمہور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے، امام ابو حنیفہ اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ عورت کو قید کیا جائے گا، قتل نہیں کیا جائے گا، حسن اور قتادہ یہ کہتے ہیں کہ اس کو لونڈی بنا لیا جائے گا، حضرت علی سے بھی اس سلسلے میں ایک روایت ہے۔ مرتد کے احکام کی تفصیل جلد رابع میں ہم نے تفصیل سے بیان کر دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حد قائم کرنے کا اختیار قاضی کو ہے یا سلطان کو

قاضی عیاض نے کہا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہروں کے امیروں کے لیے حدود قائم کرنا اور حدود میں مجرموں کو قتل کرنا جائز ہے، امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور تمام علماء کا یہی مسلک ہے، اور کوفہ کے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ صرف شہروں کے فقہاء حدود قائم کر سکتے ہیں اور شہروں کے عامل حدود قائم نہیں کر سکتے، اور قاضیوں میں اختلاف ہے جبکہ ان کی ولایت عام ہو اور کسی نوع کے احکام کے ساتھ خاص نہ ہو، جمہور علماء نے یہ کہا ہے کہ قاضی حدود قائم کریں گے اور تمام چیزوں میں غور و فکر کریں گے، البتہ ملت اسلامیہ کی حفاظت کے

لیے فوج کا انتظام کرنا اور خراج وغیرہ وصول کرنا امراء کے ذمہ ہوگا اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ حدود قائم کرنا قاضی کی ولایت میں نہیں ہے۔ [1]

بَابُ كَرَاهَةِ الْإِمَارَةِ بِغَيْرِ ضَرُورَةٍ

طلب امارت کی کراہت

۴۶۰۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي أَبِي شُعَيْبُ بْنُ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ الْحَارِثِ بْنِ يَزِيدَ الْحَضْرَمِيِّ عَنِ ابْنِ حُجَيْرَةَ الْأَكْبَرِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے عامل نہیں بنائیں گے؟ آپ نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابوذر! تم کمزور ہو اور یہ امارت امانت ہے اور یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگی، البتہ جو امارت کے حقوق ادا کرے اور اس کی ذمہ داریاں پوری کرے (وہ مستثنیٰ ہوگا)۔

۴۶۰۶ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ كِلَاهُمَا عَنِ الْمُقْرِئِ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ الْقُرَشِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! میں تم کو کمزور پاتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور یتیم کے مال کا والی نہ بننا۔

منصب قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کا محل

اس حدیث میں اس بات کی اصل عظیم ہے کہ انسان کو کسی منصب کے قبول کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، خصوصاً اس شخص کو جو اس منصب کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کر سکے، اور منصب قبول کرنے سے قیامت کے دن شرمندگی اور رسوائی اس شخص کو ہوگی جو منصب کا اہل نہ ہو اور منصب کو قبول کرے، یا منصب کا اہل ہو اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرے اور اس کے حقوق ادا نہ کرے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا اور شرمندہ کرے گا، اور اس وقت اس کو اپنی تقصیر پر ندامت اور افسوس ہوگا۔ لیکن جو شخص منصب کا اہل ہو اور اس کی ذمہ داریوں کو

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

پورا کرے اور عدل و انصاف سے کام لے اس کی احادیث صحیحہ میں بڑی فضیلت ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے سات آدمی اس دن اللہ کے سائے تلے ہوں گے جس دن اللہ کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہو گا اور ان میں سے ایک شخص امام عادل ہے، نیز اس باب کی پہلی حدیث میں ہے عدل کرنے والے نور کے منبروں پر ہوں گے، وغیرہ لیکن اس فضیلت کے باوجود چونکہ منصب کے قبول کرنے میں خطرات زیادہ ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے، اسی طرح علماء نے بھی اس سے دور رہنے کی وصیت کی ہے اور سلف صالحین حکومت کے مناصب کو قبول نہیں کرتے تھے اور انہوں نے اس سلسلہ میں بہت تکلیفیں اور اذیتیں اٹھائی ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے منصب قضا کو قبول نہیں کیا اور اس کی سزا میں قید خانہ کی اذیتیں برداشت کیں اور بالآخر قید خانہ ہی میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

بَابُ فَضِيلَةِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ وَعُقُوبَةِ الْجَائِرِ

عادل حاکم کی فضیلت اور ظالم حاکم کی مذمت

۴۶۰۷- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو (يَعْنِي ابْنَ دِينَارٍ) عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، وَقَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو بَكْرٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدل کرنے والے اللہ کے نزدیک اللہ کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں دائیں ہاتھ ہیں، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے اہل و عیال اور اپنی رعایا میں عدل سے فیصلے کرتے ہیں۔

۴۶۰۸- حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شُمَاسَةَ قَالَ أَتَيْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ مِمَّنْ أَنْتَ فَقُلْتُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ فَقَالَتْ كَيْفَ كَانَ صَاحِبُكُمْ لَكُمْ فِي غَزَاتِكُمْ هٰذِهِ فَقَالَ مَا نَقَمْنَا مِنْهُ شَيْئًا إِنْ كَانَ لَيَمُوتُ لِلرَّجُلِ مِنَّا الْبَعِيرُ فَيُعْطِيهِ الْبَعِيرَ وَالْعَبْدُ فَيُعْطِيهِ الْعَبْدَ وَيَحْتَاجُ إِلَى النَّفَقَةِ فَيُعْطِيهِ النَّفَقَةَ فَقَالَتْ أَمَا إِنَّهُ لَا يَمْنَعُنِي الَّذِي فَعَلَ فِي مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَخِي أَنْ أُخْبِرَكَ مَا سَمِعْتُ مِنْ

عبد الرحمن بن شماسہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ پوچھنے کے لیے گیا، حضرت عائشہ نے پوچھا کہ تم کن لوگوں میں سے ہو؟ میں نے کہا میں مصر والوں میں سے ہوں، حضرت عائشہ نے پوچھا تمہارا حاکم جہاد میں تمہارے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے؟ میں نے کہا ہمیں اس کی کوئی بات ناگوار نہیں گزری، اگر ہمارے کسی شخص کا اونٹ مر جائے تو وہ اس کو اونٹ دے دیتا ہے، اور اگر غلام مر جائے تو وہ اس کو غلام دے دیتا ہے اور اگر کسی کو خرچ کی ضرورت ہو تو وہ اس کو خرچ دے دیتا ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا میرے بھائی

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ بَيْتِيْ هٰذَا اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ۔

محمد بن ابی بکر کے ساتھ اس نے جو کیا ہے وہ مجھے اس حدیث کو بیان کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حجرے میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! میری امت کا جو شخص بھی کسی پر والی اور حاکم ہو اور وہ ان پر سختی کرے تو تُو بھی اس پر سختی کر اور اگر وہ ان پر نرمی کرے تو تُو بھی اس پر نرمی کر۔

۴۶۰۹۔ وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ حَرْمَلَةَ الْمِصْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِمَاسَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

عبدالرحمن بن شماسہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور روایت بھی اسی طرح بیان کی ہے۔

۴۶۱۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْاَمِيْرُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ اَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا، سو جو امیر لوگوں پر حاکم ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا، اور مرد اپنے اہل خانہ پر حاکم ہے اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر حاکم ہے اس سے ان کے متعلق سوال ہوگا اور نوکر اپنے مالک کے مال پر حاکم ہے اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا، سنو تم میں سے ہر شخص حاکم ہے اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔

۴۶۱۱۔ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يَحْيٰى (يَعْنِي الْقَطَّانَ) كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ح وَحَدَّثَنَا اَبُو الرَّبِيْعِ وَاَبُوْ كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ جَمِيْعًا عَنْ اَيُّوْبَ ح وَحَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ

امام مسلم نے اس حدیث کی آٹھ مزید اسانید بیان کیں۔

بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ (يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ) ح وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي أُسَامَةُ كُلُّ هَؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِثْلَ حَدِيثِ اللَّيْثِ عَنْ نَافِعٍ قَالَ أَبُو إِسْحَقَ وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِهَذَا مِثْلَ حَدِيثِ اللَّيْثِ عَنْ نَافِعٍ۔

۴۶۱۲ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ حُجْرٍ كُلُّهُمْ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِمَعْنَى حَدِيثِ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَزَادَ فِي حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ قَالَ وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَدْ قَالَ الرَّجُلُ رَاعٍ فِي مَالِ أَبِيهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔

۴۶۱۳ - وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمِّي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي رَجُلٌ سَمَّاهُ وَعَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْمَعْنَى۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل حدیث روایت کی ہے۔

۴۶۱۴ - وَحَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ عَادَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ زِيَادٍ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ الْمُزَنِيَّ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَقَالَ مَعْقِلٌ إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ لِي حَيَاةً مَا حَدَّثْتُكَ إِنِّي سَمِعْتُ

حسن بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس مرض میں عیادت کرنے کے لیے گیا جس میں ان کی وفات ہو گئی، حضرت معقل نے فرمایا میں تم کو ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں ابھی اور زندہ رہوں گا تو یہ حدیث نہ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوْتُ يَوْمَ يَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔

سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعایا کا حاکم بنایا ہو اور وہ شخص جس دن مرے اس دن وہ اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کرتا ہوا مرے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

۴۶۱۵- وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ دَخَلَ ابْنُ زِيَادٍ عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ وَهُوَ وَجِعٌ بِمِثْلِ حَدِيْثِ اَبِي الْاَشْهَبِ وَزَادَ قَالَ اَلَّا كُنْتَ حَدَّثْتَنِيْ هٰذَا قَبْلَ الْيَوْمِ قَالَ مَا حَدَّثْتُكَ اَوْ لَمْ اَكُنْ لِاُحَدِّثَكَ۔

حسن کہتے ہیں کہ ابن زیاد حضرت معقل کے پاس گیا درآں حالیکہ ان کو درد تھا اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے البتہ اس میں یہ زائد ہے ابن زیاد نے کہا آپ نے آج سے پہلے یہ حدیث مجھ کیوں نہیں بیان کی؟ حضرت معقل نے فرمایا میں نے نہیں بیان کی یا فرمایا میں تمہارے لیے نہیں بیان کرتا۔

۴۶۱۶- وَحَدَّثَنَا اَبُوْ غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ اِسْحٰقُ اَخْبَرَنَا وَقَالَ الْاٰخَرَانِ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ اَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ زِيَادٍ دَخَلَ عَلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ فِيْ مَرَضِهٖ فَقَالَ لَهٗ مَعْقِلٌ اِنِّيْ مُحَدِّثُكَ بِحَدِيْثٍ لَوْلَا اَنِّيْ فِي الْمَوْتِ لَمْ اُحَدِّثْكَ بِهٖ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَمِيْرٍ يَلِيْ اَمْرَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ اِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ۔

ابو الملیح بیان کرتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بیماری میں ان کے پاس گیا حضرت معقل نے کہا میں تم کو ایک حدیث بیان کروں گا اور اگر میں مرض الموت میں نہ ہوتا تو پھر تم کو یہ حدیث بیان نہ کرتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو امیر مسلمانوں پر حاکم ہو اور ان کی خیر خواہی میں جدوجہد نہ کرے وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

۴۶۱۷- وَحَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِسْحٰقَ اَخْبَرَنِيْ سَوَادَةُ بْنُ اَبِي الْاَسْوَدِ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ اَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ مَرِضَ فَاَتَاهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ يَعُوْدُهٗ نَحْوَ حَدِيْثِ الْحَسَنِ عَنْ مَعْقِلٍ۔

ابو الاسود بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا کہ حضرت معقل بن یسار بیمار ہو گئے تو عبیداللہ بن زیاد ان کی عیادت کے لیے گیا۔

۴۶۱۸- حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ اَنَّ عَائِذَ بْنَ عَمْرٍو وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے حضرت عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں وہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس گئے اور فرمایا اے بیٹے! میں نے رسول اللہ

مَرَّ عَلَیٰ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ زِیَادٍ فَقَالَ أَیْ بُنَیَّ إِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَۃُ فَإِیَّاکَ أَنْ تَکُوْنَ مِنْھُمْ فَقَالَ لَہٗ إِجْلِسْ فَإِنَّمَا أَنْتَ مِنْ نُخَالَۃِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَھَلْ کَانَتْ لَھُمْ نُخَالَۃٌ إِنَّمَا کَانَتِ النُّخَالَۃُ بَعْدَھُمْ وَفِیْ غَیْرِھِمْ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "بدترین حاکم ظالم بادشاہ ہے تم اس سے بچنا" اس نے کہا بیٹھو! تم تو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا تلچھٹ (بھوسی یا آٹا چھاننے کے بعد بچنے والا بھوسی یا چھلکا) ہو، انھوں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں تلچھٹ بھی ہے؟ تلچھٹ تو بعد کے لوگوں میں ہوگا یا غیر صحابہ میں ہوگا!

اللہ تعالیٰ کے دائیں ہاتھ یا دائیں جانب سے کیا مراد ہے؟

حدیث نمبر ۴۲۰۰ میں ہے: عدل کرنے والے اللہ کے نزدیک اللہ کی دائیں جانب نور کے منبروں پر ہوں گے۔

اس حدیث میں نور کے منبروں سے یا حقیقت مراد ہے یا مجازاً بلند مراتب مراد ہیں۔

اللہ کی دائیں جانب سے کیا مراد ہے؟ بعض متکلمین نے کہا ہم ان الفاظ پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تاویل نہیں کرتے ہر چند کہ ہم کو یہ علم نہیں کہ اللہ کی دائیں جانب کو کیا کہا گیا ہے لیکن بہرحال اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے، اور اس لفظ کا کوئی ایسا معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، جمہور اسلاف اور بعض متکلمین کا یہی نظریہ ہے، جمہور متکلمین یہ کہتے ہیں کہ اس لفظ کا کوئی ایسا معنی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، قاضی عیاض نے کہا دائیں جانب سے اچھی حالت اور بلند مرتبہ مراد ہے، ابن عرفہ نے کہا اہل عرب افعال محمودہ اور جہت محمودہ کو یمین سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی ضد کو یسار سے تعبیر کرتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین ہیں اس میں یہ تنبیہ ہے کہ یمین سے مراد عضو نہیں ہے، کیونکہ اعضاء کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔[1]

محمد بن ابوبکر کے قتل کی تفصیل

حدیث نمبر ۴۲۰۰ میں محمد بن ابی بکر کا ذکر ہے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کو قتل کر دیا گیا تھا اور قتل کے طریقہ میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ معرکہ (میدان جنگ) میں قتل کیے گئے، دوسرا قول یہ ہے کہ جنگ کے بعد ان کو قید کی حالت میں قتل کیا گیا، ایک قول یہ ہے کہ جنگ کے بعد یہ ایک ویرانے میں گدھے کی کھال میں مردہ پائے گئے اور پھر ان کو جلا دیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی محمد بن ابی بکر کے متعلق لکھتے ہیں:

محمد بن ابی بکر کے والد حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان ہیں، ان کی والدہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ ہیں، یہ حجۃ الوداع کے موقع پر مدینہ سے مکہ کو جانے والے راستے میں پیدا ہوئے تھے، حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضرت علی سے شادی کر لی اور انھوں نے حضرت علی کے ہاں پرورش پائی، یہ حضرت علی کے ہمراہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک ہوئے، پھر ماہ رمضان ۳۷ھ میں حضرت علی نے ان کو مصر کا حاکم

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

مقرر کر دیا، پھر حضرت علی نے ان کو حضرت عمرو بن عاص کے خلاف جنگ کے لیے ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، محمد بن ابی بکر نے اس جنگ میں شکست کھائی اور ۳۸ھ میں مصر کے جیزہ میں ان کو قتل کر دیا گیا۔ [1]

حافظ ابو عمر ابن عبد البر، محمد بن ابی بکر کے متعلق لکھتے ہیں:

محمد بن ابی بکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پروردہ تھے، حضرت علی کے ہمراہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک ہوئے، پھر حضرت علی نے ان کو مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور مصر میں معاویہ بن حدیج نے ان کو قتل کر دیا، یہ ۳۸ھ کا واقعہ ہے، ان سے پہلے حضرت علی نے مالک بن حارث اشتر نخعی کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا اس کے مرنے کے بعد محمد بن ابی بکر کو گورنر بنایا، حضرت عمرو بن عاص نے محمد بن ابی بکر پر حملہ کیا، محمد بن ابی بکر نے شکست کھائی وہ ایک ویرانے میں جا کر مردہ گدھے کے پیٹ میں چھپ گئے اور ان کو گدھے کے پیٹ ہی میں جلا دیا گیا، ایک قول یہ ہے کہ معاویہ بن حدیج نے ان کو میدان جنگ میں قتل کیا پھر بعد میں مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کر جلا دیا، ایک قول یہ ہے کہ ان کو حضرت عمرو بن عاص کے پاس لایا گیا اور انہوں نے ان کو قتل کر دیا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ محمد بن ابی بکر کی بہت تعریف اور توصیف کرتے تھے، محمد بن ابی بکر ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے گئے تھے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ان کو قتل کرنے میں شریک تھے، ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے حضرت عثمان کو قتل کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس دن حاضر تھے لیکن یہ حضرت عثمان کے قتل میں ملوث نہیں تھے، محمد بن طلحہ کہتے ہیں میں نے کنانہ سے پوچھا کیوں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا تھا، کنانہ نے کہا معاذ اللہ! وہ حضرت عثمان کے پاس گئے تھے، حضرت عثمان نے فرمایا اے میرے بھتیجے کیا تم میرے ساتھی نہیں ہو، پھر کچھ گفتگو فرمائی تو یہ واپس چلے گئے، میں نے کنانہ سے پوچھا پھر حضرت عثمان کو کس نے قتل کیا تھا، انہوں نے کہا اہل مصر کا رہنے والا ایک شخص تھا اس کا نام جبلہ بن ایہم تھا۔ [2]

مرتکب کبیرہ پر جنت حرام ہونے کی توجیہات

حدیث نمبر ۴۶۱۰ میں ہے، اور تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور راعی اس شخص کو کہتے ہیں جو حافظ اور امین ہو اور اپنے ماتحت لوگوں کی اصلاح کا ذمہ دار ہو، حدیث نمبر ۴۶۱۴ میں ہے جو حاکم اپنی رعایا کے ساتھ خیانت کرے اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا، اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ رعایا کے ساتھ خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے، پھر جنت کے حرام ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کے تین جواب ہیں اول یہ ہے کہ جو شخص حلال سمجھ کر خیانت کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور اس پر جنت حرام ہو جائے گی۔ ثانی: ایسا شخص اپنے گناہ کی سزا پا کر جنت میں جائے گا اس پر جنت میں ابتداءً داخل ہونا حرام کر دیا جائے گا۔ ثالث اس کے حساب میں تاخیر کی جائے گی اس وجہ سے اس پر ابتداءً دخول حرام ہوگا۔

حدیث ۴۶۱۸ میں ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی بھوسی کہا ہے یہ اس

---

[1] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ ج ۳ ص ۴۷۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۳ ص ۳۲۹-۳۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

خبیث کی بارگاہ رسالت میں گستاخی تھی، تمام صحابہ امت کے پسندیدہ افراد ہیں اور اس امت کے سردار ہیں اور اب کے تمام لوگوں سے افضل ہیں اور تمام صحابہ عادل اور نیک ہیں، صحابہ کرام میں سے کوئی شخص بھی اس ورد خبیث کا مصداق نہیں ہے

بَابُ غِلَظِ تَحْرِيْمِ الْغُلُوْلِ

مال غنیمت میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید

۴۶۱۷ - وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ ثُمَّ قَالَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَهَا صِيَاحٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور آپ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے کی بہت مذمت کی اور اس پر سخت سزا کا ذکر کیا اور فرمایا: میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر اونٹ سوار ہو کر بڑبڑا رہا ہو، اور وہ شخص کہے: یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے اور میں کہوں کہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر گھوڑا سوار ہو کر ہنہنا رہا ہو، وہ شخص کہے، یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے اور میں کہوں گا کہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر بکری سوار ہو کر ممنا رہی ہو، وہ کہے یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے، میں کہوں گا میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر کسی شخص کی جان سوار ہو اور وہ چیخ رہا ہو، وہ شخص کہے یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے، میں کہوں گا میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کپڑے کے ٹکڑے ہوں جو ہل رہے ہوں اور وہ کہے یا رسول اللہ! میری مدد کیجئے، میں کہوں گا میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں، میں تم میں سے کسی شخص کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر سونا چاندی لدا ہوا ہو، وہ کہے یا رسول اللہ! میری مدد

کہیے گا، میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تم کو تبلیغ کر چکا ہوں۔

۴۶۲۰- وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ أَبِي حَيَّانَ وَعُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ جَمِيعًا عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِمِثْلِ حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں اور بیان کی ہیں۔

۴۶۲۱- وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ صَخْرٍ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ قَالَ حَمَّادٌ ثُمَّ سَمِعْتُ يَحْيَى بَعْدَ ذَلِكَ يُحَدِّثُهُ فَحَدَّثَنَا بِنَحْوِ مَا حَدَّثَنَا عَنْهُ أَيُّوبُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا اور اس کی سخت سزا بیان کی اور پوری حدیث بیان کی، حماد کہتے ہیں کہ یحییٰ نے بھی اس حدیث کو ایوب کی طرح بیان کیا ہے۔

۴۶۲۲- وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ حَيَّانَ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِهِمْ۔

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے اسی طرح حدیث مروی ہے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے دنیوی اور اخروی احکام

غل کے معنی ہتھکڑی یا طوق ڈالنا ہے، پھر اس لفظ کو خیانت میں استعمال کیا گیا کیونکہ خیانت کرنے سے ہاتھوں کو گردن سے باندھ دیا جاتا ہے اور بعد میں اس لفظ کا استعمال مال غنیمت میں خیانت کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

حدیث نمبر ۴۶۱۹ میں ہے آپ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے لیے فرمائیں گے میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر میں تمہارے لیے شفاعت کرنے کا یا تم کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا، کیونکہ اس شخص نے آپ کی مخالفت کی تھی اس لیے آپ ابتداءً غصہ میں اس طرح فرمائیں گے، اس کے بعد آپ تمام موحدین کی شفاعت فرمائیں گے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے، مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ مال غنیمت سے چرائی ہوئی چیز کو واپس

کرنا واجب ہے، اگر لشکر متفرق ہو جائے اور ہر شخص تک اس کا حق پہنچانا مشکل ہو تو پھر اس کے حل میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعی فرماتے ہیں باقی اموال منصوبہ کی طرح اس کو بھی امام یا حاکم تک پہنچانا واجب ہے، اور حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت معاویہ، حسن، زہری، اوزاعی، امام مالک، ثوری، لیث، امام احمد اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس میں سے خمس امام کو دیا جائے اور باقی مال کو اپنے ذمہ سے بری ہونے کی نیت کر کے صدقہ کر دیا جائے (اور اس صدقہ کا ثواب اس مال کے حقدار کو پہنچا دے) مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ امام اپنی صوابدید کے مطابق اس کو سزا دے، اور اس کا مال جلایا نہ جائے، امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور بکثرت صحابہ اور فقہاء تابعین کا یہی نظریہ ہے، اور مکحول، حسن اور اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ اس کا خیمہ اور اس کا تمام مال جلا دیا جائے، اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ اس کے کپڑوں اور اس کے ہتھیاروں کے سوا اس کا باقی سامان جلا دیا جائے، حسن بصری نے گوشت اور قرآن مجید کا استثناء کیا ہے، ان فقہاء نے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے، جمہور کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی صالح بن محمد ضعیف ہے، امام طحاوی نے کہا کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا محمل یہ ہے کہ پہلے سزا اس کا آدھا مال ضبط کر لیا جائے جس طرح زکوٰۃ نہ دینے والے کا مال ضبط کر لیا جاتا ہے۔[1]

ناجائز مال کے ذمہ سے بری ہونے کا طریقہ

جس شخص نے کسی بھی طریقہ سے کوئی ناجائز مال حاصل کیا ہو، خواہ چوری سے، یا رشوت سے یا سود سے یا کسی کا مال غصب کیا ہو یا خیانت کی ہو اور اب وہ اس پر نادم ہو اور اس کی تلافی کرنا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال اس کے مالک کو لوٹا دے اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کے وارثوں کو واپس کر دے۔ اور اگر کسی کا پتا نہ چلے تو اپنے ذمہ سے بری ہونے کی نیت کر کے اس کو کسی فقیر پر صدقہ کر دے اور اس صدقہ کا ثواب اس کے مالک کو پہنچا دے، اور اگر اس نے حکومت کا مال ناجائز طریقہ سے لیا ہے تو حکومت کو واپس کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ریل یا ہوائی جہاز کے ٹکٹ خرید کر ان کو استعمال نہ کرے یا حکومت کے کسی فنڈ میں اتنے پیسے داخل کر دے۔

باب ۲۳۸ تَحْرِيمِ هَدَايَا الْعُمَّالِ
سرکاری ملازمین کو ہدیہ لینے کی ممانعت

۴۶۲۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ) قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنَ

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسد کے ایک شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل بنایا اس کا نام ابن اللتبیہ تھا، جب وہ زکوٰۃ وصول کر کے آیا تو اس نے کہا یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۷۵ھ

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا ثُمَّ خَطَبَنَا فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانِي اللّٰهُ فَيَأْتِي فَيَقُولُ هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا وَاللّٰهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْهَا شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالَى يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَأَعْرِفَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ لَقِيَ اللّٰهَ يَحْمِلُ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ بَصُرَ عَيْنِي وَسَمِعَ أُذُنِي.

باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہ بیٹھ گئے حتیٰ کہ تمہارے پاس تمہارے ہدیے آ جاتے! پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا اما بعد! میں تم میں سے کسی شخص کو کسی ایسے کام کے لیے عامل بناتا ہوں جس کی تولیت (انتظام) اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے، اور وہ آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، وہ شخص اگر سچا ہے تو وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہیں بیٹھ گیا حتیٰ کہ اس کے پاس اس کا ہدیہ آتا، بخدا تم میں سے جو شخص بھی اس مال میں سے کوئی ناحق چیز لے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ چیز اس کی گردن پر سوار ہوگی، میں تم میں سے کسی شخص کو نہ پہچان لوں گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ بڑبڑاتا ہوا اونٹ یا ڈکراتی ہوئی گائے یا منمناتی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے ہوگا، پھر آپ نے اپنے ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دی، اس کے بعد آپ نے فرمایا اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ اس واقعہ کو میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا۔

۴۶۳۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كُلُّهُمْ عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِ عَبْدَةَ وَابْنِ نُمَيْرٍ فَلَمَّا جَاءَ حَاسَبَهُ كَمَا قَالَ أَبُو أُسَامَةَ وَفِي حَدِيثِ ابْنِ نُمَيْرٍ تَعْلَمُنَّ وَاللّٰهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا وَزَادَ فِي حَدِيثِ سُفْيَانَ قَالَ بَصُرَ عَيْنِي وَسَمِعَ أُذُنَايَ وَسَلُوا زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَإِنَّهُ كَانَ حَاضِرًا مَعِي.

امام مسلم دو سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جب وہ شخص آیا تو اس سے حساب کیا، اور ابن نمیر کی روایت میں ہے تم جان لوگے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے جو شخص بھی اس مال میں سے کسی چیز کو لے گا ... سفیان کی روایت میں ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا، تم لوگ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھ لو کیونکہ وہ اس موقع پر میرے ساتھ تھے۔

۴۶۳۴ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے

أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ ذَكْوَانَ (وَهُوَ أَبُو الزِّنَادِ) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى الصَّدَقَةِ فَجَاءَ بِسَوَادٍ كَثِيرٍ فَجَعَلَ يَقُولُ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ إِلَيَّ فَذَكَرَ نَحْوَهُ قَالَ عُرْوَةُ فَقُلْتُ لِأَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَسَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مِنْ فِيهِ إِلَى أُذُنِي۔

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صدقات کا عامل بنایا، وہ بہت زیادہ مال لے کر آیا اور کہنے لگا یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے، عروہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوحمید ساعدی سے پوچھا کیا تم نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا تھا؟ انہوں نے کہا میں نے یہ حدیث آپ کے منہ سے اپنے کانوں سے سنا ہے۔

۴۶۲۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيرَةَ الْكِنْدِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُولًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ أَسْوَدُ مِنَ الْأَنْصَارِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اقْبَلْ عَنِّي عَمَلَكَ قَالَ وَمَا لَكَ قَالَ سَمِعْتُكَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا قَالَ وَأَنَا أَقُولُهُ الْآنَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ فَلْيَجِئْ بِقَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ فَمَا أُوتِيَ مِنْهُ أَخَذَ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهٰى۔

حضرت عدی بن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، ہم تم میں سے جس شخص کو کسی کام پر عامل بنائیں اور وہ ایک سوئی یا اس سے بھی کم چیز چھپالے تو یہ خیانت ہوگی اور وہ قیامت کے دن اس چیز کو لے کر آئے گا، حضرت عدی کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا پھر ایک سیاہ رنگ کا انصاری کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ مجھ سے اپنا کام واپس لے لیجئے! آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں نے آپ کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ نے فرمایا میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی کام کا عامل بنایا وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کو لے کر آئے، اس کے بعد جو چیز اس کو دی جائے وہ لے لے اور جو روک دی جائے اس سے باز رہے۔

۴۶۲۹۔ وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

امام مسلم نے اس حدیث کو دو اور سندوں سے ذکر کیا ہے۔

۴۶۳۰۔ وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ

حضرت عدی بن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

أَبِي خَالِدٍ أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَدِيَّ بْنَ عَمِيرَةَ الْكِنْدِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمَا۔

... سند سے ہے، اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے۔

ف: اس باب کی احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاکم کا اپنے کام کے سلسلہ میں ہدیہ لینا حرام ہے، اگر کسی شخص سے ہدیہ لیا اب اس پر لازم ہے کہ وہ ہدیہ دینے والے کو واپس کر دے اور اگر اس کا پتا نہ چلے تو بیت المال الامام کی نیت سے کسی فقیر پر اس کو صدقہ کر دے اور اس کا ثواب ہدیہ دینے والے شخص کو پہنچا دے۔

بَابُ وُجُوبِ طَاعَةِ الْأُمَرَاءِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ وَتَحْرِيمِهَا فِي الْمَعْصِيَةِ

غیر معصیت میں حاکم کی اطاعت کرنے کا وجوب اور معصیت میں تحریم

۴۶۳۱- حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَا حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ نَزَلَتْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُذَافَةَ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ السَّهْمِيِّ بَعَثَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ أَخْبَرَنِيهِ يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

ابن جریج نے بیان کیا کہ قرآن مجید کی آیت (ترجمہ:) ”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی“ حضرت عبد اللہ بن حذافہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر روانہ کیا تھا، ابن جریج نے اپنی سند کے ساتھ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۴۶۳۲- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِزَامِيُّ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ يَعْصِنِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس شخص نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

۴۶۳۳- وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَذْكُرْ وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اور اس میں یہ نہیں ہے: ”جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔“

۴۶۳۴- وَحَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي۔

کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

۴۷۳۵- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ سَوَاءً۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد اس کی مثل ہے۔

۴۷۳۶- وَحَدَّثَنِي أَبُو كَامِلٍ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي عَلْقَمَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ سَمِعَ أَبَا عَلْقَمَةَ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

امام مسلم نے کہا ہے کہ دیگر مختلف سندوں کے ساتھ اس حدیث کی مثل حضرت ابوہریرہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔

۴۷۳۷- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمْ۔

ایک اور سند کے ساتھ اس حدیث کی مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے۔

۴۷۳۸- وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ حَيْوَةَ أَنَّ أَبَا يُونُسَ مَوْلَى أَبِي هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ وَقَالَ مَنْ أَطَاعَ الْأَمِيرَ وَلَمْ يَقُلْ أَمِيرِي وَكَذٰلِكَ فِي حَدِيثِ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔۔۔ اور فرمایا جس نے امیر کی اطاعت کی، یہ نہیں فرمایا جس نے میرے امیر کی اطاعت کی۔

۴۷۳۹- وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ كِلَاهُمَا عَنْ يَعْقُوبَ قَالَ سَعِيدٌ حَدَّثَنَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشکل اور آسانی میں

يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ السَّمْعَ وَالطَّاعَةَ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ وَأَثَرَةٍ عَلَيْكَ۔

خوشی اور ناخوشی میں اور جب تم پر کسی اور کو ترجیح دی جائے (ان تمام حالات میں) تم پر امیر کے احکام سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے۔

۴۶۴۰ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَرَّادٍ الْأَشْعَرِيُّ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ إِنَّ خَلِيلِي أَوْصَانِي أَنْ أَسْمَعَ وَأُطِيعَ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت کی ہے کہ سنو اور اطاعت کرو خواہ ایک اعضاء بریدہ غلام تم پر حاکم ہو۔

۴۶۴۱ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ جَمِيعًا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَا فِي الْحَدِيثِ عَبْدًا حَبَشِيًّا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ۔

ایک اور سند کے ساتھ ہے خواہ اعضاء بریدہ حبشی غلام حاکم ہو۔

۴۶۴۲ - وَحَدَّثَنَاهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ كَمَا قَالَ ابْنُ إِدْرِيسَ عَبْدًا مُجَدَّعَ الْأَطْرَافِ۔

ایک اور سند کے ساتھ ہے خواہ اعضاء بریدہ غلام ہو۔

۴۶۴۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ جَدَّتِي تُحَدِّثُ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقُولُ وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا۔

یحییٰ بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے اپنی دادی سے سنا وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اگر تم پر ایک غلام کو حاکم بنایا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق احکام بیان کرے تو اس کے احکام سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

۴۶۴۴ - وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ عَبْدًا حَبَشِيًّا۔

ایک اور سند کے ساتھ حبشی غلام کا ذکر ہے۔

۴۶۴۵ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ

ایک اور سند کے ساتھ نکٹے حبشی غلام کا ذکر ہے۔

عبدًا حبشيًّا مجدّعًا.

۴۶۴۶- وحدثنا عبد الرحمن بن بشر حدثنا بهز حدثنا شعبة بهذا الإسناد ولم يذكر حبشيًّا مجدّعًا وزاد أنها سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى أو بعرفات.

ایک اور سند کے ساتھ نکٹے حبشی کا ذکر ہے اور یہ اضافہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ یا عرفات میں سنا۔

۴۶۴۷- وحدثني سلمة بن شبيب حدثنا الحسن بن أعين حدثنا معقل عن زيد بن أبي أنيسة عن يحيى بن حصين عن جدته أم الحصين قال سمعتها تقول حججت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع قالت فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قولًا كثيرًا ثم سمعته يقول إن أمر عليكم عبد مجدّع حسبتها قالت أسود يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له وأطيعوا.

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتیں فرمائیں، پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اگر تم پر ایک نکٹے غلام (میرا گمان ہے آپ نے سیاہ بھی فرمایا) کو بھی حاکم بنا دیا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق حکم دے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

۴۶۴۸- حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا ليث عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أحب وكره إلا أن يؤمر بمعصية فإن أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان شخص پر حاکم کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے خواہ اس کی بات اس کو پسند ہو یا ناپسند، البتہ معصیت کا حکم مستثنیٰ ہے اگر اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو اس میں سماع ہے نہ طاعت۔

۴۶۴۹- وحدثناه زهير بن حرب ومحمد بن المثنى قالا حدثنا يحيى (وهو القطان) ح وحدثنا ابن نمير حدثنا أبي كلاهما عن عبيد الله بهذا الإسناد مثله.

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں ذکر کی ہیں۔

۴۶۵۰- حدثنا محمد بن المثنى وابن بشار (واللفظ لابن المثنى) قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن زبيد عن سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن عن علي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث جيشًا وأمّر

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ایک شخص کو اس کا امیر بنایا اس شخص نے آگ جلائی اور لوگوں سے کہا اس میں داخل ہو، بعض لوگوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا اور بعض نے کہا ہم آگ ہی سے تو بھاگے ہیں،

عليهم رجلا فاوقد نارا وقال ادخلوها فاراد ناس ان يدخلوها وقال الآخرون انا قد فررنا منها فذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال للذين ارادوا ان يدخلوها لو دخلتموها لم تزالوا فيها الى يوم القيامة وقال للآخرين قولا حسنا وقال لا طاعة في معصية الله انما الطاعة في المعروف.

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے ان لوگوں سے فرمایا جو آگ میں داخل ہونا چاہتے تھے: اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی میں رہتے، اور دوسروں کی تعریف فرمائی اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف نیکی اور معروف چیز میں ہے۔

۴۶۵۱ - وحدثنا محمد بن عبد الله بن نمير وزهير بن حرب وابو سعيد الاشج وتقاربوا في اللفظ قالوا حدثنا وكيع حدثنا الاعمش عن سعد بن عبيدة عن ابي عبد الرحمن عن علي قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم سرية واستعمل عليهم رجلا من الانصار وامرهم ان يسمعوا له ويطيعوا فاغضبوه في شيء فقال اجمعوا لي حطبا فجمعوا له ثم قال اوقدوا نارا فاوقدوا ثم قال الم يامركم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تسمعوا لي وتطيعوا قالوا بلى قال فادخلوها قال فنظر بعضهم الى بعض فقالوا انما فررنا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم من النار فكانوا كذلك وسكن غضبه وطفئت النار فلما رجعوا ذكروا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال لو دخلوها ما خرجوا منها انما الطاعة في المعروف.

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ایک انصاری کو اس لشکر کا امیر بنایا اور لشکر کو یہ حکم دیا کہ وہ امیر کے احکام سنیں اور اس کی اطاعت کریں، (راوی کہتے ہیں) پھر لشکر کی کسی بات سے امیر غضب ناک ہو گیا، اس نے کہا میرے لیے لکڑیاں جمع کرو، لشکر نے لکڑیاں جمع کیں، پھر اس نے کہا اس میں آگ جلاؤ، انہوں نے آگ جلائی، پھر کہا کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے احکام سننے اور ان پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں، اس نے کہا اس آگ میں داخل ہو جاؤ، بعض نے بعض کی طرف دیکھا اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگ سے بھاگ کر ہی تو آئے ہیں، وہ اسی موقف پر قائم رہے، حتیٰ کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بجھا دی گئی، جب وہ واپس لوٹے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے نکل نہ سکتے، اطاعت صرف نیک کاموں میں کی جاتی ہے۔

۴۶۵۲ - وحدثنا ابو بكر بن ابي شيبة حدثنا وكيع وابو معاوية عن الاعمش بهذا الاسناد نحوه.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۶۵۳ - حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة حدثنا عبد الله بن ادريس عن يحيى بن سعيد وعبيد الله بن عمر عن عبادة بن الوليد بن عبادة

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکل اور آسانی میں، اور خوشی اور ناخوشی میں اور خود پر ترجیح دیے

عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلَى أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ وَعَلَى أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ -

جانے کی صورت میں، سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی اور اس پر بیعت کی کہ ہم کسی شخص سے اس کے اقتدار کے خلاف جنگ نہیں کریں گے اور ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

۴۶۵۴ - وَحَدَّثَنَاهُ ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ (يَعْنِي ابْنَ إِدْرِيسَ) حَدَّثَنَا ابْنُ عَجْلَانَ وَعُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيدِ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ -

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۶۵۵ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ (يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ) عَنْ يَزِيدَ (وَهُوَ ابْنُ الْهَادِ) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِيهِ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ ابْنِ إِدْرِيسَ -

امام مسلم نے کہا کہ ایک اور سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن صامت سے اس کی مثل روایت ہے۔

۴۶۵۶ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ وَهْبِ بْنِ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَمِّي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنِي بُكَيْرٌ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا أَصْلَحَكَ اللَّهُ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُ اللَّهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ فَكَانَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ قَالَ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ -

جنادہ بن ابی امیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، وہ اس وقت بیمار تھے، ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے ہم کو ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور وہ ہم کو نفع دے، حضرت عبادہ بن صامت نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بلایا ہم نے آپ سے بیعت کی، آپ نے ہم سے جن چیزوں پر بیعت لی تھی وہ یہ تھیں کہ ہم خوشی اور ناخوشی میں اور مشکل اور آسانی میں اور ہم پر ترجیح دیے جانے کی صورت میں بھی سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کریں اور جو شخص صاحب اقتدار ہو اس کے خلاف جنگ نہ کریں الا یہ کہ تم کو اس میں کھلا کفر نظر آئے جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس قرآن اور سنت

سے واضح دلیل ہو تو معصیت مستثنیٰ ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ غیر معصیت میں امراء اور حکام کی اطاعت کرنا واجب ہے اور معصیت میں ان کی اطاعت کرنا حرام ہے۔ جمہور سلف اور خلف مفسرین، فقہاء اور دیگر علماء کا یہی قول ہے، اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی۔

جمہور سلف اور خلف مفسرین فقہاء اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ صاحبان امر سے مراد امراء اور حکام ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد علماء اور فقہاء ہیں، قرآن مجید کے بعد اس باب کی احادیث میں اس پر دلیل ہے کہ غیر معصیت میں حکام اور امراء کی اطاعت واجب ہے اور معصیت میں ان کی اطاعت کرنا حرام ہے۔

خلیفہ کے خلاف خروج (جنگ) کرنے کی تحقیق

اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۵۴ میں ہے: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ امام اور خلیفہ کے خلاف اس وقت تک جنگ نہ کی جائے جب تک تم اس میں کھلا کھلا کفر نہ دیکھو اور اس کے کفر پر تمہارے پاس قرآن اور سنت سے واضح دلیل ہو، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہاں کفر سے معاصی مراد ہیں اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ خلفاء اور حکام ظالم اور فاسق ہوں تو ان کے خلاف خروج اور جنگ کرنا حرام ہے، اس کی تائید میں بکثرت احادیث ہیں اور اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ فسق سے سلطان معزول نہیں ہوتا، علماء نے بیان کیا ہے کہ اس کے معزول نہ ہونے اور اس کے خلاف خروج کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے خلاف جنگ کرنے سے فتنہ اور فساد پھیلے گا اور بکثرت خونریزی ہوگی اور اس صورت میں جو فساد پھیلے گا وہ اس کو معزول نہ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ کافر کی امامت منعقد نہیں ہوتی، (قرآن مجید میں ہے: یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین (النساء: ۱۴۴) اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو ولی نہ بناؤ۔ سعیدی غفرلہ) اور اس پر بھی اجماع ہے کہ خلیفہ کافر ہو جائے (العیاذ باللہ) تو وہ معزول کر دیا جائے گا، اسی طرح اگر اس نے اقامت صلوٰۃ کو ترک کر دیا یا کسی بدعت کو اختیار کر لیا پھر بھی معزول کر دیا جائے گا، بعض بصریین نے کہا ہے کہ بدعتی کی حکومت باقی رہے گی کیونکہ وہ تاویل کرتا ہے، قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اگر خلیفہ کافر ہو جائے یا شریعت کو تبدیل کرے یا بدعت کا ارتکاب کرے تو اس کی ولایت اور اطاعت ساقط ہو جائے گی اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کو منصب سے ہٹا کر کسی امام عادل کو مقرر کریں اور اگر ان سے یہ ممکن نہ ہو تو جس جماعت سے یہ ممکن ہو وہ اس کے ہٹانے کی جدوجہد کرے، کافر کو معزول کرنا تو مطلقاً واجب ہے اور بدعتی کو ہٹانا اس وقت واجب ہے جب ان کو اس پر غلبہ کا یقین ہو اور اگر ان کا عجز متحقق ہو جائے تو اس کے خلاف خروج (جنگ) واجب نہیں ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس جگہ سے ہجرت کریں اور اپنے دین کو بچائیں۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ فاسق کو ابتداءً خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے اور اگر خلیفہ بعد میں فاسق ہو جائے تو بعض

علماء نے کہا کہ اگر فتنہ اور جنگ کا خدشہ نہ ہو تو اس کو معزول کرنا واجب ہے اور جمہور اہل سنت فقہاء، محدثین اور متکلمین نے
یہ کہا ہے کہ ظلم اور فسق سے خلیفہ معزول نہیں ہوتا، اس کی بیعت کو توڑنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے خلاف خروج اور جنگ
کرنا جائز ہے البتہ اس کو وعظ اور نصیحت کرنی چاہیے اور اس کو خدا سے ڈرانا چاہیے اور تابعین کی ایک عظیم جماعت نے
حجاج بن یوسف کے خلاف جو خروج کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے شریعت کو تبدیل کر دیا تھا اور اس سے کھلا کھلا
کفر ظاہر ہو گیا تھا۔[1] (علامہ دمشتانی نے لکھا ہے کہ وہ خلیفہ کو نبی سے زیادہ درجہ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ حکام کی اطاعت
اللہ کی اطاعت سے زیادہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت استطاعت کے ساتھ مقید ہے اور حکام کی اطاعت مطلق
ہے اور یہ واضح کفر ہے)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

امام کے خلاف خروج یا جنگ کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے، جب تک اس کے خلاف صریح قرآن یا کسی ایسی
حدیث صحیحہ سے دلیل نہ ہو جس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو، علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں کفر سے مراد معصیت ہے اور
اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام کے خلاف اس وقت تک اعتراض نہ کرو جب تک کہ تم اس میں کوئی ایسی برائی نہ دیکھ لو جو
قواعد اسلام کے خلاف ہو، اور دوسرے علماء نے کہا یہاں اثم سے مراد کفر اور معصیت ہے، اس لیے جب تک سلطان سے
واضح کفر صادر نہ ہو اس پر اعتراض جائز نہیں،

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ امام کے خلاف اس وقت تک خروج نہ کیا جائے جب تک تم اس میں کفر بواح نہ دیکھ
لو اور امام احمد اور امام ابن حبان نے حضرت جنادہ سے روایت کیا ہے: امام کی اس وقت تک مخالفت نہ کرو جب تک اس
میں کھلم کھلا اللہ کی معصیت نہ دیکھ لو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ان روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں: جس روایت میں یہ ہے
کہ اس وقت تک مخالفت نہ کی جائے جب تک کفر بواح نہ ظاہر ہو وہ امام اور خلیفہ پر محمول ہے یعنی خلیفہ اور امام کی معصیت
کے ظہور میں مخالفت نہ کی جائے ہاں اگر اس سے کفر بواح ظاہر ہو پھر اس کی مخالفت کی جائے اور معصیت کے ظہور میں
اس کو نرمی اور ملائمت سے سمجھایا جائے بشرطیکہ اس پر قادر ہو، اور جس روایت میں یہ ہے کہ اس وقت تک مخالفت نہ کرو جب
تک تم اس میں کھلم کھلا اللہ کی معصیت نہ دیکھ لو۔ وہ خلیفہ اور امام سے کم درجہ کے حاکم پر محمول ہے مثلاً کسی صوبہ کا گورنر ہو یا
کسی شہر کا کمشنر ہو۔

علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے نقل کیا ہے کہ اگر ظالم حکام کو فتنہ اور ظلم کے بغیر ان کے منصب سے ہٹانے
پر قدرت ہو تو ان کو منصب سے ہٹانا واجب ہے اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر صبر کرنا واجب ہے، اور بعض علماء
سے یہ منقول ہے کہ فاسق کو ابتداءً امام بنانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ پہلے نیک تھا اور بعد میں اس نے ظلم کیا تو پھر اس
کے خلاف خروج کرنے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر اس سے کفر
بواح صادر ہو تو پھر اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔[2]

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

علامہ بدرالدین عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا اس حدیث میں کفر سے مراد معصیت ہے، اور علامہ کرمانی نے کہا کہ یا یہ ہے کہ یہاں کفر سے کفر ہی مراد ہے، اس کے بعد علامہ عینی نے علامہ داؤدی کی وہی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک امام اور خلیفہ سے کفر صادر نہ ہو اس وقت تک اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔[1]

حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے خروج کا محمل

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جب تک امام اور خلیفہ کا کفر بواح ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی خلافت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، اور اس حدیث کی بناء پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کی مخالفت کی، حالانکہ تمام صحابہ اس کی بیعت کر چکے تھے اور اس کی خلافت منعقد ہو گئی تھی اور اس کا کفر بواح ثابت نہیں ہوا تھا، پھر ان حضرات کی مخالفت کا کیا جواز تھا، علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے اس سوال کے حسب ذیل جوابات بیان کیے ہیں:

1. حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ خلافت کے لیے اس شخص کی اطاعت کرنا غیر معقول تھا کیونکہ آپ فرزند رسول تھے، لیکن یہ جواب قواعد شرعیہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ارباب حل وعقد میں سے ایک شخص بھی بیعت کرے تو امامت منعقد ہو جاتی ہے اور امام خواہ فاسق ہو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔
2. حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلافت کے حصول کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ کوفہ میں سکونت اختیار کرنے گئے تھے لیکن یہ جواب روایات صحیحہ کے خلاف ہے۔
3. حضرت حسین رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور آپ کا اجتہاد یہ تھا کہ اس کی خلافت صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ کو اس شرط پر خلافت تفویض کی تھی کہ ان کے بعد یہ خلافت ان کی اولاد میں منتقل نہیں ہوگی بلکہ اس کو مسلمانوں کے مشورے پر چھوڑ دیا جائے گا، اگر یہ سوال ہو کہ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد شکنی کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ شرط ختم ہو گئی، اگر یہ کہا جائے کہ ہر چند کہ حضرت معاویہ کا یزید کو ولی عہد بنانا صحیح نہ تھا لیکن جب بشمول صحابہ سب لوگوں نے اس کی بیعت کر لی تو اس کی خلافت منعقد ہو گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ سے جبراً بیعت لی گئی تھی اور اگر انہوں نے اختیاراً بیعت کی تھی تب بھی اس کی خلافت ولی عہد بنانے کی صحت پر موقوف ہے، جب ولی عہد بنانا صحیح نہیں تھا تو پھر خلافت کی بیعت بھی صحیح نہیں تھی، اسی وجہ سے (۶۲ھ میں) اہل مدینہ کا یزید کی بیعت توڑنا صحیح تھا اور ان میں صحابہ اور فقہاء تابعین بھی تھے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کے خلاف خروج کرنے اور اس کی بیعت توڑنے سے منع کیا اور یہ فرمایا جو شخص یزید کی بیعت توڑے گا میں اس سے قطع تعلق کر لوں گا، (بخاری ومسلم) اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مجتہد کا حکم دوسرے مجتہد پر لازم نہیں ہے، اگر یہ سوال ہو کہ اگر یزید کے خلاف خروج کرنا اجتہادی امر تھا تو حضرت حسین کے قاتلین کی اس قدر مذمت

[1] حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۵، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ

کرنے کی کیا وجہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے کسی اجتہادی امر کی بنا پر حضرت حسین کو شہید نہیں کیا تھا بلکہ محض حصولِ نفسانیت کی بنا پر آپ کو شہید کیا اور آپ کی عزت مجروح کی اور آپ کی ذریت کو نہایت بے حرمتی سے شام کی طرف لے گئے (نیز حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس سے بیعت کر لوں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم نے شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں اس کی تحقیق کی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) لیکن وہ شقی نہیں مانے اور آپ کو قتل کر دیا۔

۴۔ ہو سکتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا کفر ثابت ہو اس وجہ سے آپ نے اس کے خلاف خروج کیا ہو۔

۵۔ ہو سکتا ہے جس وقت حضرت معاویہ نے یزید کو خلیفہ بنایا تھا اس وقت وہ فاسق ہو اس وجہ سے اس کی خلافت اصلاً منعقد نہیں ہوئی جیسا کہ بعض ائمہ کا مذہب ہے (امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔) اور حضرت معاویہ نے اس امید سے اس کو ولی عہد بنایا تھا کہ شاید اس کی اصلاح ہو جائے، کیونکہ روایت ہے انھوں نے یہ دعا کی "اے اللہ! اگر یزید میرے گمان کے مطابق ہے تو قبل از عمر اس کو جلد ہلاک کر دینا" حضرت معاویہ کی دعا قبول ہوئی اور اس کی خلافت زیادہ دیر نہ رہ سکی۔ [۱]

علامہ ابو عبد اللہ وشتانی ابی مالکی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں کفر سے مراد معاصی ہیں اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک خلفاء اور حکام سے ایسی برائی صادر نہ ہو جس کا معصیت ہونا دلائل شرعیہ سے علم کے مرتبہ میں ہو اور محقق ہو اس وقت تک تم ان کی مخالفت نہ کرو اور جب کفر کو معاصی پر محمول کر دیا گیا تو حضرت حسین، حضرت ابن الزبیر اور اہل مدینہ کا یزید کی مخالفت کرنا اس کے فسق کی وجہ سے تھا، کفر کی وجہ سے نہیں تھا۔ [۲]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کے متعلق مصنف کی تحقیق

مصنف کے نزدیک علامہ وشتانی مالکی کا جواب زیادہ قوی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین نے یزید کے خلاف خروج میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ اس لیے نہیں دیا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر اس معنی کفر پر ہی محمول تھی، بہر حال دونوں جانب مجتہد تھے اور ہر فریق نے حسن نیت کے ساتھ اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور چونکہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی اتباع لازم نہیں ہے اس لیے کسی فریق کو ملامت نہیں کی جا سکتی۔ میری اس جواب سے ایک اور اشکال کا جواب بھی واضح ہو گیا، وہ یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت عرفجہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تمہارے پاس (بیعت کے لیے) آئے در آں حالیکہ تم سب ایک شخص (کی بیعت یا حکومت) پر متفق ہو چکے تھے اور وہ تمہاری (اتحاد کی) لاٹھی کو توڑنے کی کوشش کرے یا تمہاری جماعت کو متفرق کرنے کی کوشش کرے تو اس کو قتل کر دو۔ [۳] ان احادیث کی بنا پر

۱۔ مولانا عبد العزیز پرہاروی ملتانی، نبراس ص ۵۵۱۔ ۵۵۰، مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ ملتان، ۱۳۱۰ھ
۲۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۸۱۔ ۱۸۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

یہ اشکال ہوگا کہ تمام لوگ یزید کی بیعت پر متفق تھے اس کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لیے روانہ ہوئے تو آیا وہ اپنے اس اقدام سے اس حدیث کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حکم اس وقت تھا جب خلیفہ سے کوئی علانیہ معصیت ظاہر نہ ہو اور جب یزید کا نمازوں کو ترک کرنا، گانا بجانا، شراب پینا اور دیگر محرمات کا ارتکاب کرنا بالکل عام اور ظاہر ہوگیا تو اس وقت امام حسین رضی اللہ عنہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، میں اس اشکال کے جواب پر بہت عرصہ سے غور و فکر کرتا رہا ہوں اور اس کے حل کے لیے مسلسل کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا ہوں نیز اپنے زمانہ کے جید علماء اور فضلاء سے اور اپنے معاصر علماء سے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کی لیکن کوئی شخص اس اشکال کا جواب نہ دے سکا اور جب یہ لوگ میرے اشکالات کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے میرے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یہ شخص یزید کا حامی ہے (العیاذ باللہ! میں عترت رسول کے قاتل اور ان کے قتل پر اظہار مسرت کرنے والے شخص کی حمایت سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں) بہرحال اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا اور مجھ پر یہ نکتہ واضح کیا کہ احادیث میں کفر کا اطلاق معصیت پر بھی آتا ہے امام ترمذی نے حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے:[1] من ترک الصلوٰۃ فقد کفر۔ "جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔" اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بین الرجل و بین الشرک والکفر ترک الصلوٰۃ۔ "انسان کے کفر اور شرک کے درمیان فرق نماز کا ترک کرنا ہے۔"[3] نیز آپ نے فرمایا: ایما عبد ابق من موالیہ فقد کفر۔ "جو غلام اپنے مولیٰ کے پاس سے بھاگا وہ کافر ہوگیا۔"[4] اور آپ نے فرمایا: سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔[5] "مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے" اور صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: وارءیت النار فاذا اکثر اھلھا النساء یکفرن قیل ایکفرن باللہ قال یکفرن العشیر۔[6] "مجھ کو جہنم دکھایا گیا تو جہنم میں کفر کی وجہ سے عورتیں بکثرت تھیں، آپ سے پوچھا گیا کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی تھیں؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے خاوند کے ساتھ کفر کرتی تھیں۔" (یعنی اس کی نافرمانی کرتی تھیں)، ان احادیث میں نماز کے ترک کرنے، غلام کے بھاگنے، مسلمانوں سے قتال کرنے اور خاوند کی نافرمانی کرنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر سے تعبیر فرمایا ہے، حالانکہ یہ معاصی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ احادیث میں معاصی پر بھی کفر کا اطلاق آتا ہے، اندریں صورت حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تک امام سے ایسا کفر بواح صادر نہ ہو جس پر دلیل شرعی قائم ہو اس وقت تک اس کی مخالفت نہ کرو، امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں

---

[1] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۷۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[2] امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۷۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی۔

[3] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[4] " " " " ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸، " " "

[5] " " " " ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸، " " "

[6] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

کفر بواح سے علانیہ معصیت مراد لی کیونکہ معصیت پر بھی کفر کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ دلائل سے ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور یزید چونکہ علانیہ معصیت کا مرتکب تھا اس لیے اس کی مخالفت کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز قرار پایا، اور اب امام حسین پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ وہ ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے بیعت خلافت لینے کے لیے کوفہ کیوں گئے کیونکہ یہ اس وقت ناجائز ہے جب خلیفہ عادل ہو اور معصیت کا مرتکب نہ ہو۔ اللہ العالمین جس طرح تو نے مجھے امام حسین رضی اللہ عنہ سے اعتراض دور کرنے کی سعادت عطا کی ہے اسی طرح اپنے کرم سے قیامت کے دن امام حسین رضی اللہ عنہ کے جد مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مجھے بہرہ مند فرمانا تاکہ آپ کی شفاعت سے میرے سارے گناہ دھل جائیں، مجھے قیامت کے دن شرمندگی اور رسوائی سے بچالینا اور اپنے عفو و کرم سے مجھے مالا مال کر دینا! آمین یارب العالمین!

فاسق کی خلافت اور قضاء کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

فسق اور ظلم سے امام معزول نہیں ہوتا، کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد ائمہ اور امراء سے فسق اور فجور ظاہر ہوا، اور سلف صالحین ان کی اطاعت کرتے رہے، اور ان کی اجازت سے جمعہ اور عید قائم کرتے رہے اور وہ ان کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے، نیز امامت کے لیے عصمت ابتداءً شرط نہیں ہے تو اس کا بقاءً شرط نہ ہونا زیادہ لائق ہے۔ امام شافعی سے ایک روایت یہ ہے کہ فسق اور ظلم سے امام معزول ہو جاتا ہے اسی طرح ہر قاضی اور امیر فسق اور ظلم سے معزول ہو جاتا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک فاسق ولی بننے کا اہل نہیں ہے، کیونکہ وہ خود احکام شرع پر عمل نہیں کرتا تو کسی اور کو کیا عمل کرائے گا، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق ولی بننے کا اہل ہے حتیٰ کہ اگر باپ فاسق ہو تو وہ اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق کو امام اور خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے، اور اس کی امامت منعقد نہیں ہوتی، جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے اور باپ کی ولایت پر امام کی ولایت کو قیاس کرنا درست نہیں ہے، البتہ متاخرین فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ فاسق کی امامت منعقد ہو جاتی ہے۔ معیدی، غزالی اور فقہاء شافعیہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ قاضی فسق سے معزول ہو جاتا ہے، اور امام فسق سے معزول نہیں ہوتا اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ امام کو معزول کرکے دوسرے شخص کو خلیفہ بنانے سے فتنہ، فساد اور خونریزی ہوگی کیونکہ امام کے پاس شوکت اور فوجی طاقت ہوتی ہے اس کے برعکس قاضی کے پاس کوئی فوجی طاقت نہیں ہوتی، اور نوادر میں علماء ثلاثہ (امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر) سے یہ روایت ہے کہ فاسق کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے اور بعض مشائخ نے یہ کہا ہے کہ اگر ابتداءً فاسق کو منصب عدل پر دیا گیا ہے اور منصب سونپتے وقت وہ عادل اور صالح تھا تو پھر وہ فسق کی وجہ سے معزول ہو جائے گا، کیونکہ منصب سونپنے والے نے اس کی صالحیت پر اعتماد کیا تھا اور وہ فاسق کی قضاء پر راضی نہیں ہوگا اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر قاضی نے رشوت لی تو اس کی قضاء نافذ نہیں ہوگی اور اگر قاضی نے قضاء کا منصب رشوت دے کر حاصل کیا تو وہ قاضی نہیں ہوگا اور اس کے فیصلے نافذ نہیں ہوں گے۔ [1]

---

[1] علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ، شرح عقائد ص ۱۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

فاسق کی خلافت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

فقہاء حنبلیہ کا یہ نظریہ ہے کہ جس شخص کی امامت پر تمام مسلمان متفق ہو جائیں اس کی امامت منعقد ہو جاتی ہے اور اس کی اطاعت لازم ہو جاتی ہے خواہ وہ شخص عادل ہو یا فاسق۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کی امامت اور بیعت پر مسلمان متفق ہو جائیں، اس کی امامت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے، اور اگر کوئی شخص امام کے خلاف خروج کرے اور امام اور تمام لوگوں پر غالب آ جائے حتی کہ سب اس کی بیعت کر لیں اور اس کی اطاعت کا اقرار کر لیں، تو وہ بھی امام ہو جاتا ہے اور اس سے جنگ کرنا اس کے خلاف خروج کرنا حرام ہو جاتا ہے، کیونکہ عبد الملک بن مروان نے حضرت ابن الزبیر کے خلاف خروج کر کے ان کو قتل کر دیا اور تمام شہروں اور اس کے باشندوں پر غالب ہو گیا حتی کہ لوگوں نے بادل ناخواستہ سب نے اس کی بیعت کر لی، تو پھر وہ امام ہو گیا اور اس کے خلاف خروج حرام ہو گیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج کرنے سے مسلمانوں کی جمعیت اور عصمت ٹوٹ جائے گی اور مسلمانوں کا خون بہے گا اور ان کا مال ضائع ہو گا، اور حدیث میں ہے جب تمہاری امت کسی شخص پر متفق ہو پھر کوئی شخص اس کے خلاف خروج کرے تو اس کو قتل کر دو خواہ وہ کوئی شخص بھی ہو، لہٰذا جو شخص بھی کسی امام کے خلاف خروج کرے گا وہ باغی ہو گا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔ [1]

فاسق کی خلافت کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

فقہاء شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ فاسق کو ابتداءً امام اور خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے لیکن اگر وہ پہلے عادل اور صالح تھا اور خلیفہ بننے کے بعد اس نے فسق اور ظلم کیا تو اب اس میں ان کا اختلاف ہے لیکن قول راجح یہ ہے کہ وہ فسق سے معزول نہیں ہو گا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔

قاضی بیضاوی شافعی قال لا ینال عہدی الظالمین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان الفاسق لا یصلح للامامۃ [2] فاسق امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء اور متکلمین یہ کہتے ہیں: فاسق کو ابتداءً امام بنانا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ بعد میں فاسق ہو جائے تو پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس کی امامت باطل ہو گی یا نہیں؟ جمہور نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فاسق کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔ [3]

علامہ نووی شافعی اور علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی جو عبارات ہم نے پہلے نقل کی ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء شافعیہ کا مختار یہ ہے کہ اگر خلیفہ پہلے عادل ہو اور پھر بعد کے فسق سے وہ معزول نہیں ہوتا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔

---

[1] علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ، المغنی ج ٩ ص ٥، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤٠٥ھ

[2] قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ٦٨٥ھ، انوار التنزیل مع الکازرونی ج ١ ص ٢٢٦، مطبوعہ دار صادر بیروت

[3] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ٦٠٦ھ، تفسیر کبیر ج ٤ ص ٣٩، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٣٩٨ھ

فاسق کی خلافت کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ امام عادل اور صالح ہونا چاہیے اور اس کو ملک چلانے کی طاقت بھی ہو، اور ایسے ہی امام کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے جو شخص خلافت کا اہل ہو اس کی خلافت میں اختلاف اور نزاع نہ کیا جائے اور جو لوگ فاسق اور ظالم ہوں وہ خلافت کے اہل نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا ینال عھدی الظالمین "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے" اسی وجہ سے حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر نے خروج کیا اور عراق کے علماء اور اخیار نے حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کیا اور اہل مدینہ نے بنو امیہ کے خلاف خروج کیا، اور اسی وجہ سے مسلم بن عقبہ کے ہاتھوں واقعہ حرہ برپا ہوا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: تاہم اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ظالم امام کے خلاف خروج کرنے سے اس کی اطاعت کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ خروج کرنے میں امن کو خوف سے بدلنا ہے اور خون بہانا ہے اور زمین میں فتنہ اور فساد برپا کرنا ہے۔ اور پہلا قول معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے۔[1]

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ ابتداءً فاسق کی امامت منعقد نہیں ہوتی، اور اگر وہ بعد میں فاسق ہو جائے تو جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اس کی بیعت نہ توڑی جائے اور اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے، کیونکہ حدیث میں ہے:

اطیعوھم وان اکلوا مالک وضربوا ظھرک ما اقاموا الصلوٰۃ صلوا خلف کل بر و فاجر۔	جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں ان کی اطاعت کرو، خواہ وہ تمہارا مال کھالیں یا تمہاری پیٹھ پر کوڑے ماریں۔ ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔

بعض علماء یہ اشکال وارد کرتے ہیں کہ اگر خلیفہ کے فسق کے بعد اس کے خلاف خروج ناجائز ہوتا تو حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم یزید کے خلاف خروج نہ کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے اس مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف تھا لیکن بعد میں اس پر سب کا اجماع ہو گیا کہ خلیفہ فسق سے معزول نہیں ہوگا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے۔[2]

فاسق کی خلافت کے متعلق امام ابو حنیفہ کا نظریہ

علامہ ابو بکر رازی حنفی لاینال عھدی الظالمین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو شخص ظالم ہو وہ نبی ہو سکتا ہے نہ نبی کا خلیفہ ہو سکتا ہے نہ قاضی ہو سکتا ہے نہ مفتی ہو سکتا ہے نہ گواہ ہو سکتا ہے نہ حدیث بیان کر سکتا ہے کیونکہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دین کے کسی شعبہ کی بھی امامت اور امانت ظالم اور فاسق کو نہیں دی جا سکتی، اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کی امامت بھی فاسق اور ظالم کو نہیں دی جا سکتی اور نماز کے امام کا بھی صالح ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر دینی منصب کی امامت کے لیے عدالت

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۰۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اور صالحیت ضروری ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فساق اللہ تعالیٰ کے اوامر اور احکام کے امین نہیں ہیں اس لیے وہ دین کے امام نہیں بن سکتے، اس لیے اس آیت سے دلالۃً یہ ثابت ہوا کہ فاسق کی امامت باطل ہے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا، اور اگر فاسق نے اپنے آپ کو اس منصب پر خود فائز کر لیا تو لوگوں پر اس کی اتباع اور اطاعت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے نیز یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ فاسق حاکم نہیں ہو سکتا اور اگر اس نے کسی منصب پر قبضہ کر لیا تو اس کے احکام نافذ نہیں ہوں گے، اور نہ اس کی شہادت قبول ہوگی اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی نہ اس کا فتویٰ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو نماز کا امام بنایا جائے گا، اور اگر وہ امام بن گیا اور کسی نے اس کی اقتداء کی تو نماز ہو جائے گی، قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ان تمام معانی پر محیط ہے۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں فاسق کی امامت اور خلافت جائز ہے اور وہ خلیفہ اور حاکم میں فرق کرتے ہیں کہ حاکم اگر فاسق ہو تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا اور خلیفہ فاسق ہو تو اس کے احکام نافذ ہوں گے اور بعض متکلمین نے بھی امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب بیان کیا ہے (جیسا کہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں بیان کیا ہے) حالانکہ یہ بالکل جھوٹ اور باطل ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خلیفہ اور قاضی کے درمیان اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ان کے نزدیک دونوں کے لیے عدالت شرط ہے اور فاسق خلیفہ ہو سکتا ہے نہ قاضی ہو سکتا ہے اور نہ حاکم ہو سکتا ہے، اسی طرح نہ اس کی شہادت قبول ہو سکتی ہے نہ حدیث قبول ہو سکتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کس طرح صحیح ہوگا کہ ان کے نزدیک فاسق کی خلافت اور حکومت جائز ہے، جبکہ بنو امیہ کے دور خلافت میں ان کو ابن ہبیرہ نے عہدہ قضاء قبول کرنے پر مجبور کیا اور ان کو کوڑے مارے لیکن انہوں نے عہدہ قضاء قبول نہیں کیا، پھر ان کو قید کر دیا، ابن ہبیرہ ہر روز ان کے پاس جاتا اور ان کو کوڑے مارتا اور جب ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو فقہاء نے ان سے کہا آپ کوئی ادنیٰ کام قبول کر لیجئے تاکہ کوڑوں کی سزا کا یہ سلسلہ ختم ہو تو پھر آپ نے مجبوراً کے گنتی کو شمار کرنے کی ڈیوٹی قبول کر لی اس کے بعد ابن ہبیرہ نے آپ کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد پھر خلیفہ منصور نے آپ کو عہدہ قضاء قبول کرنے کی دعوت دی آپ نے پھر انکار کیا جس کے نتیجہ میں منصور نے آپ کو قید کر لیا حتیٰ کہ پھر آپ نے اینٹیں گننے کے کام کو قبول کر لیا، امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب مشہور تھا کہ ظالم اور فاسق ائمہ سے قتال کرنا چاہیے اسی وجہ سے امام اوزاعی نے یہ کہا کہ ہم نے ابوحنیفہ کی ہر بات برداشت کی حتیٰ کہ وہ ظالم حکام سے قتال کے لیے تلوار لے کر آئے تو یہ بات ہم سے برداشت نہیں کی، امام ابوحنیفہ یہ فرماتے تھے کہ زبان سے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے اور اگر اس کی بات نہ مانی جائے تو پھر تلوار سے جہاد کرنا فرض ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں روایت ہے، اہل خراسان کے فقہاء میں سے ابراہیم سے پوچھا گیا کہ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کا کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا فرض ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، اور وہ شخص ہے جس نے کسی ظالم حاکم کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تو اس کو شہید کر دیا گیا، ابراہیم ایک ظالم حاکم کے پاس گئے اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا، اس حاکم نے کئی بار برداشت

کیا پھر بالآخر ان کو قتل کر دیا، اور زید بن علی کے خروج کے معاملہ میں امام ابو حنیفہ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ ان کے پاس
مال بھیجا کرتے تھے اور خفیہ طریقے سے لوگوں کو یہ فتویٰ دیتے تھے کہ زید بن علی کی مدد کرنا اور ان کی رفاقت میں
جنگ کرنا واجب ہے (زید بن علی ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں خلافت کے مدعی تھے، ۱۲۲ھ میں انہوں نے
کوفہ میں خروج کیا اور شکست کھائی اور قتل کر دیے گئے) اسی طرح امام ابو حنیفہ نے عبداللہ بن حسن کے دو بیٹوں محمد
اور ابراہیم کا ساتھ دیا۔ [۳] (یہ بھی خلافت کے مدعی تھے) ابواسحق فزاری (محدث) نے امام ابو حنیفہ سے کہا تم نے میرے
بھائی کو ابراہیم کے ساتھ مل کر خروج کرنے کا اشارہ کیا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا گیا، امام ابو حنیفہ نے کہا تمہارے جانے
کی بہ نسبت تمہارے بھائی کا خروج مجھے زیادہ محبوب ہے، ابواسحق بصرہ کی طرف نکل گئے تھے، اس اعتراض کی وجہ
یہ تھی کہ وہ محدثین امام ابو حنیفہ کی سیاسی رائے سے اختلاف کرتے تھے جو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک کر
چکے تھے حتیٰ کہ ظالم حکام حکومت اسلامیہ پر غالب آگئے، سو جس شخص کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں
ایسا محسوس نظریہ ہو وہ فاسق کی خلافت کو کس طرح جائز کہہ سکتا ہے، اس لیے فاسق کی امامت بیان کرنے کے سلسلہ میں
کسی شخص نے امام ابو حنیفہ پر واضح جھوٹ نہیں باندھا تو اس نے عمداً مغالطہ کیا ہے۔

عراق کے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر ظالم خلیفہ نے کسی عادل شخص کو قاضی مقرر کر دیا تو یہ تقرر صحیح ہے اور اس کے احکام
اور فیصلے نافذ ہو جائیں گے، اور خلفاء کے ظالم اور فاسق ہونے کے باوجود ان کے پیچھے نماز جائز ہے، یہ مذہب صحیح
ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاسق کی خلافت جائز ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قاضی فی نفسہ عادل اور صالح
ہوگا اور وہ قاضی بن جائے گا تو اس کے پاس اقتدار ہوگا اور اپنے احکام نافذ کرنے کی قدرت ہوگی اور جو شخص اس
کا حکم نہیں مانے گا وہ اپنے احکام کو اس سے جبراً منوا سکے گا، اور اس میں اس شخص کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس نے اس
کو قاضی بنایا ہے کیونکہ جس نے اس کو قاضی بنایا ہے وہ اس کے اعوان اور انصار کے منزلہ میں ہے اور قاضی کے
اعوان اور انصار کے لیے عادل ہونا لازم نہیں ہے، اور اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ کسی شہر میں کوئی سلطان
نہ ہو اور اس شہر کے لوگ ایک عادل شخص کو قاضی بنا دیں اور جو شخص اس قاضی کا حکم نہ مانے اس سے جبراً قاضی کے فیصلہ پر
عمل کرائیں سو اس قاضی کے فیصلے نافذ ہوں گے حالانکہ اس کو کسی سلطان یا خلیفہ نے قاضی مقرر نہیں کیا، اسی بناء پر
شریح اور دیگر فقہاء تابعین نے بنو امیہ سے قضاء کا عہدہ قبول کیا، شریح، حجاج کے زمانہ میں کوفہ کے قاضی تھے اور تمام
جزیرہ عرب میں عبدالملک بن مروان سے بڑا ظالم، ملحد اور فاجر اور کوئی نہیں تھا اور اس کے حکام میں حجاج سے بڑا کوئی
ظالم اور فاجر نہیں تھا، عبدالملک پہلا وہ شخص تھا جس نے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی بناء پر لوگوں کی زبانیں کاٹ
دیں، اس نے منبر پر چڑھ کر کہا بخدا! میں عثمان کی طرح کمزور خلیفہ ہوں نہ معاویہ کی طرح نرمی کرنے والا ہوں، تم لوگ مجھے

---

[۳] ۱۴۵ھ میں عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کے دو فرزندوں محمد اور ابراہیم نے خلیفہ منصور کے خلاف خروج کیا، منصور نے
ان دونوں بھائیوں کو شکست دی اور ان کو قتل کرا دیا، اور ان کے ساتھ بہت سے اہل بیت شہید کر دیے گئے، عباسیوں اور علویوں
کے درمیان یہ پہلا عظیم تنازعہ تھا، منصور نے ان علماء کو بھی سخت اذیتیں پہنچائیں، جنہوں نے محمد اور ابراہیم کی دعوت خروج میں تعاون کیا تھا،
اور منصور کے خلاف خروج پر جہاد کا فتویٰ دیا تھا، ان علماء میں امام ابو حنیفہ، امام عبدالحمید بن جعفر (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

یکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، بخدا آج کے بعد جو شخص بھی مجھے اللہ سے ڈرنے کا حکم دے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہ لوگ بیت المال سے مال کھاتے تھے، اور مختار کذاب حضرت ابن عباس، محمد بن حنفیہ اور حضرت ابن عمر کے پاس مال بھیجتا تھا اور وہ اس کو قبول کرتے تھے، عبدالعزیز بن مروان نے حضرت ابن عمر کو لکھ کر بھیجا آپ اپنی ضروریات بیان کیجئے تو حضرت ابن عمر نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، میں تم سے کسی چیز کا سوال کروں گا نہ کسی ایسی چیز کو واپس کروں گا جو اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ سے مجھے عطا کرے گا والسلام۔ اور حسن بصری، سعید بن جبیر، شعبی اور باقی فقہاء تابعین ان ظالم حکام کے ہاتھوں سے عطا قبول کرتے تھے، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان لوگوں نے ان کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور نہ یہ وجہ تھی کہ وہ ان کی خلافت کو جائز سمجھتے تھے بلکہ وہ ان وظائف کو اس وجہ سے ان سے قبول کرتے تھے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ وظائف ان کے حقوق ہیں جو ان ظالموں کے قبضہ میں ہیں اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان سے محبت کی وجہ سے ان وظائف کو لیتے تھے حالانکہ انہیں میں سے ایک نے حجاج کے چہرے پر تلوار ماری اور اجلہ تابعین میں سے چار ہزار قراء اور فقہاء نے حجاج کے خلاف خروج کیا اور عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کی معیت میں اہواز میں اس کے خلاف جنگ کی پھر بصرہ میں جنگ کی پھر دیر الجماجم میں بحر فرات کے قریب فرات کی جانب اس کے خلاف جنگ کی، ان لوگوں نے عبدالملک بن مروان کی بیعت توڑ دی تھی اس کو لعنت کرتے تھے اور اس سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت معاویہ متغلب ہو گئے تو حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا بھی یہی طریقہ تھا وہ عطایا اور وظائف کو قبول کرتے تھے، اسی طرح اس زمانہ میں صحابہ بھی عطایا قبول کرتے تھے، حالانکہ انہوں نے حضرت معاویہ کو خلیفہ نہیں بنایا تھا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلتے ہوئے ان سے بری تھے، لہٰذا ظالم حکام سے قضاء کے منصب قبول کرنے اور ان سے عطایا لینے میں یہ دلیل نہیں ہے کہ ان کی خلافت جائز ہے۔ [1]

علامہ ابوبکر جصاص کی اس طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے لیے عادل اور صالح ہونا ضروری ہے اور جو شخص فاسق ہو اس کی خلافت اور امامت منعقد نہیں ہوتی اس لیے اگر مسلمانوں کی قدرت میں ہو تو وہ فاسق خلیفہ کے خلاف جنگ کر کے کسی عادل اور صالح شخص کو خلیفہ اور امام مقرر کریں، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے ظالم خلفاء کے خلاف جہاد میں حصہ لیا اور جب ہشام بن عبدالملک کی خلافت کے دور میں زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے ۱۲۲ھ میں کوفہ میں خروج کیا تو امام ابوحنیفہ نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا [2] اور ۱۴۵ھ میں جب عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کے دو بیٹوں نے منصور کے خلاف خروج کیا تو امام ابوحنیفہ نے ان کا بھی پورا پورا ساتھ دیا اور اس کی پاداش میں امام ابوحنیفہ نے سخت تکلیفیں اور اذیتیں اٹھائیں اور بالآخر آپ کو زبردستی زہر پلایا گیا اور آپ ۱۵۰ھ میں شہید کر دیے گئے، اگر امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق کی امامت اور خلافت جائز ہوتی اور ظالم خلیفہ کے خلاف خروج

(حاشیہ صفحہ سابقہ) ابن عجلان اور امام مالک بن انس ہمیشہ ہمیشہ سے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۶۱)۔

[1] علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۷۰-۶۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ

[2] تاریخ طبری (مترجم) ج ۶ ص ۲۲۴، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱۹، طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۱۲

ناجائز ہوتا تو آپ کبھی زید بن علی اور محمد اور ابراہیم کے خروج میں ان کا ساتھ نہ دیتے بلکہ ان کو ان خروجوں سے روکتے اور منع کرتے اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا موقف حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عین موافق تھا کہ فسق ہو یا ظلم، ظالم خلفاء اور حکام کو معزول کرنے اور خلیفہ برحق کو مقرر کرنے کی مقدور بھر سعی اور جہاد کرنا چاہیے۔ اور امام ابوحنیفہ کی طرف یہ منسوب کرنا غلط ہے کہ ان کے نزدیک فاسق کی امامت اور خلافت جائز ہے جیسا کہ شرح عقائد اور بعض دوسری کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ امام رازی نے بھی علامہ ابوبکر جصاص کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق کی خلافت جائز نہیں اور اگر قدرت ہو تو اس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔ [1] اور علامہ شہاب الدین خفاجی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ [2]

ہم نے اس سلسلہ میں طویل بحث اس لیے کی ہے کہ ہمارے زمانے میں علماء اور مشائخ میں یہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق کی خلافت جائز ہے بلکہ پہلے بعض اساتذہ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ یزید کو ہم اس لیے کافر کہتے ہیں اگر ہم اس کو فاسق مسلمان کہیں تو یہ لازم آئے گا کہ امام حسین کے نزدیک فاسق کی خلافت جائز نہ ہو۔ حالانکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق کی خلافت جائز ہے اس طرح امام ابوحنیفہ کا مذہب امام حسین کے خلاف قرار پائے گا چنانچہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کو امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کے مطابق قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ یزید کو کافر مانا جائے۔ ان اساتذہ نے غور نہیں کیا کہ اس طرح امام حسین کے موقف اور امام ابوحنیفہ کے (خود ساختہ) مذہب میں تو مطابقت ہو گئی لیکن دوسری طرف یہ لازم آئے گا کہ جمہور صحابہ نے ایک کافر کی بیعت پر قناعت کر لی اور اصل ان مشائخ سے یہ مغالطہ اس لیے ہوا ہے کہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق باپ اپنی نابالغ لڑکی کا ولی بننے کا اہل ہے اور اس سے انہوں نے یہ استدلال کیا کہ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق امامت اور خلافت کا بھی اہل ہے، حالانکہ ایک لڑکی پر ولایت اور چیز ہے اور تمام عالم اسلام کی ولایت اور چیز ہے، ان اکابرین کے مغالطہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ متاخرین فقہاء احناف نے ہر چند کہ خلیفہ کو مقرر کرنے کے لیے عدالت اور صالحیت کی شرط کا ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے (امام اعظم کے موقف کے برخلاف) یہ تصریح کی ہے کہ فسق سے خلیفہ معزول نہیں ہو گا، اور مالکی، شافعی اور حنبلی فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے اور اب تقریباً اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

امام کے جو امام کو نصب کرنے کی پانچ شرطیں ہیں (۱) مرد ہو (۲) عادل اور صالح ہو (۳) عالم ہو (۴) قادر ہو۔ (۵) قریشی ہو۔ [3]

علامہ کمال الدین ابن شریف شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن ہمام نے خلیفہ کے لیے عدالت کی شرط قائم کرنے میں حجۃ الاسلام امام غزالی کی اتباع کی ہے امام غزالی

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایۃ القاضی ج ۲ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۲۸۳ھ

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ ص ۳۱۸-۳۱۹، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر،

نے احیاء العلوم میں عدالت کے کئی درجات اور مراتب بیان کیے ہیں، عدالت کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ مسلمان ان کاموں کو ترک کر دے جن کے کرنے سے وہ فسق سے متصف ہوتا ہے، اور یہاں پر یہی مراد ہے۔ [1]

اس کے بعد علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

جو شخص منصب خلافت پر قابض ہوا، اگر اس میں علم اور عدالت نہ ہو (بایں طور کہ جاہل یا فاسق غلبہ سے امام بن گیا ہو) اور اس کو خلافت سے ہٹانے میں ایسے فتنہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو جو لوگوں کی برداشت سے باہر ہو تو ہم اس کی امامت کے منعقد ہونے کا حکم لگائیں گے، اور اگر اس پر دوسرا فاسق غالب آ گیا تو پہلا فاسق معزول ہو جائے گا، اور دوسرا فاسق امام ہو جائے گا۔ [2]

نیز علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

فقہاء احناف کے نزدیک عدالت صحت خلافت کی شرط نہیں ہے اس لیے فاسق کو بھی کراہت کے ساتھ خلیفہ بنانا جائز ہے، اور اگر کسی عادل شخص کو خلیفہ بنایا گیا، اور وہ بعد میں ظالم اور فاسق ہو گیا تو وہ معزول نہیں ہو گا، البتہ وہ معزول کیے جانے کا مستحق ہو گا بشرطیکہ اس کو معزول کرنے سے کوئی فتنہ پیدا نہ ہو، اس کو وعظ اور نصیحت کرنا واجب ہے لیکن اس کے خلاف خروج واجب نہیں ہے، امام ابو حنیفہ سے اسی طرح منقول ہے کیونکہ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ صحابہ نے بعض بنو امیہ کے پیچھے نمازیں پڑھیں، اور ان سے عہدے قبول کیے (اس توجیہ پر یہ اعتراض ہے) لیکن یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ (اکثر بنو امیہ) ملوک (بادشاہ) تھے اور جو شخص غلبہ سے حکومت پر قبضہ کرے، اس کی امامت اور اس سے عہدہ قضاء وغیرہ قبول کرنا ضرورت کی بناء پر صحیح ہے اور امام (خلیفہ) کے پیچھے نمازیں پڑھنے کی یہ شرط نہیں ہے کہ وہ عادل ہو، کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر امیر کے ساتھ جہاد کرنا تم پر واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا تم پر واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد خواہ وہ گناہ کبیرہ کرتا ہو، اور جب کوئی شخص غلبہ سے خلافت پر قبضہ کر لے تو یہ فرض کیا جائے گا کہ کوئی عادل قرشی موجود نہیں تھا، یا موجود تھا لیکن ظالموں کے غلبہ کی وجہ سے اس کو خلیفہ نہیں بنایا جا سکا۔ [3]

علامہ کمال الدین ابن ابی شریف شافعی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرشی یا عادل اور صالح خلیفہ نہ ہونے کی صورت میں غیر قرشی اور فاسق کی حکومت کو ضرورت کی بناء پر صحیح قرار دیا جائے گا، ورنہ امت کا شیرازہ بکھر جائے گا کیونکہ مقدمات کا فیصلہ کرنے، یتامیٰ کا نکاح کرنے اور کفار سے جہاد کرنے کے لیے لامحالہ کسی امیر اور حاکم کی ضرورت ہے۔ [4]

علامہ ابن ہمام کی مذکور الصدر عبارت سے علامہ ابن عابدین شامی نے بھی فاسق کی خلافت کے جواز پر استدلال کیا ہے [5]

---

[1] ۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی شریف شافعی متوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ ص ۳۱۹، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر

[2] ۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، مسایرہ ص ۳۲۰-۳۲۶، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر

[3] ۔ 〃 〃 〃 〃 مسایرہ ص ۳۲۲-۳۲۳ 〃 〃 〃

[4] ۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی شریف شافعی متوفی ۹۰۶ھ، مسامرہ ص ۳۲۳، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر

[5] ۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

یہ بات واضح رہے کہ فاسق کی خلافت کا منعقد ہونا امام ابوحنیفہ کا مسلک نہیں ہے، ان کا مسلک یہ ہے کہ فاسق کی خلافت منعقد نہیں ہوتی اور اس کی خلافت کے خلاف جہاد کرنے کی تگ ودو میں لگے رہنا چاہیے اور جب مسلمان اس کے خلاف جنگ پر قادر ہوں انھیں اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا چاہیے جیسے امام ابوحنیفہ نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج میں زید بن علی کے ساتھ تعاون کیا۔ اور پھر منصور کے خلاف خروج میں محمد بن عبداللہ بن حسن اور ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کا ساتھ دیا اور خفیہ طریقے سے فساق کے خلاف ان کی تحریکوں میں ساتھ دیتے رہے۔ البتہ متاخرین فقہاء احناف نے ظالم اور غیر قرشی کی خلافت کو ضرورت کی بناء پر صحیح قرار دیا ہے اور جمہور فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ ہم ان کی تصانیف سے باحوالہ نقل کر چکے ہیں۔

فاسق کی خلافت میں ائمہ اور فقہاء کے مذاہب بیان کرنے میں اور خصوصاً امام ابوحنیفہ کے نظریہ کو واضح کرنے میں میں نے بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے، کیونکہ میں نے دیکھا کہ یہ مسئلہ علماء پر مشتبہ ہو گیا حتیٰ کہ علامہ ابن ہمام ایسے محقق نے بھی امام ابوحنیفہ کا مسلک سمجھنے میں مغالطہ کھایا اور میں نے اپنے زمانہ کے اکثر علماء کو اس مسئلہ میں غلط فہمی میں مبتلا پایا اس لیے میں نے حق واضح کرنے کی بھرپور سعی کی، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس شرح کو دائمی اور ہمہ گیر مقبولیت عطا فرمائے، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین قائد الغر المحجلین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ وامتہ وعلماء

بَابُ الْإِمَامُ جُنَّةٌ

امام مسلمانوں کی ڈھال ہے

۴۶۵۷- حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنِي وَرْقَاءُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَلَ كَانَ لَهُ بِذَلِكَ أَجْرٌ وَإِنْ يَأْمُرْ بِغَيْرِهِ كَانَ عَلَيْهِ مِنْهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام (خلیفہ) ڈھال ہے اس کی پشت پناہی میں جنگ کی جاتی ہے، اور وہ ذریعہ امان ہے، اگر امام اللہ عزوجل سے ڈرنے کا حکم دے اور عدل وانصاف سے کام لے تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اگر اس نے اس کے خلاف کچھ کیا تو اس کا اس پر وبال ہوگا۔

امام کے ڈھال ہونے کی وضاحت

اس باب کی حدیث میں ہے: امام ڈھال ہے، ڈھال حملہ سے بچانے کے لئے کام آتی ہے اور امام (خلیفہ) دشمنوں کے حملے سے مسلمانوں کو محفوظ رکھتا ہے اور ملک کے داخلی اہل فساد سے لوگوں کو بچاتا ہے اور ملت بیضاء کی حفاظت کرتا ہے اس لیے اس کو ڈھال سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی پشت پناہی میں جنگ سے یہ مراد ہے کہ مسلمان فوجیں اس کی قیادت میں کفار، باغیوں اور دیگر اہل فساد سے جنگ کرتی ہیں اور اس کے ذریعہ امان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امام کی سیاسی تدبیروں کی وجہ سے مسلمان مفسدوں اور ظالموں کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

باب ٦٣ وُجُوبِ الْوَفَاءِ بِبَيْعَةِ الْخَلِيفَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ!

جس شخص کی خلافت پر پہلے بیعت کر لی جائے اس کو پورا کرنا واجب ہے

۴۶۵۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ فُرَاتٍ الْقَزَّازِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ وَأَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ.

ابوحازم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پانچ سال رہا ہوں میں نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ بنو اسرائیل کے انبیاء ان کا سیاسی انتظام کرتے تھے جب ایک نبی کا وصال ہوتا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہو جاتا اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور عنقریب میرے بعد بکثرت خلفاء ہوں گے صحابہ نے عرض کیا ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: جس شخص کے ہاتھ پر پہلے بیعت کر لو اس بیعت کو پورا کرو، اور حکام کا حق ادا کرو، اور جو ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے حکام کے سپرد کی اس کے متعلق وہ خود ان سے سوال کرے گا۔

۴۶۵۹- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ بَرَّادٍ الْأَشْعَرِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ فُرَاتٍ عَنْ أَبِيهِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ایک اور سند سے اس حدیث کی مثل روایت ہے۔

۴۶۶۰- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ وَوَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَابْنُ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا سَتَكُونُ بَعْدِي أَثَرَةٌ وَأُمُورٌ تُنْكِرُونَهَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَأْمُرُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَّا

امام مسلم پانچ سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب میرے بعد لوگوں کی (حق تلفیاں) ہوں گی، اور کراہتوں کا ظہور ہوگا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے جس شخص کو یہ حالات پیش آئیں اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم پر جو (حکام کا) حق ہے تم اس کو ادا کرنا اور تمہارے حقوق کے متعلق اللہ ان سے سوال کرے گا۔

ذلك قال تؤدون الحق الذي عليكم وتسألون الله الذي لكم۔

۴۶۶۱ - **حدثنا** زهير بن حرب وإسحٰق بن إبراهيم قال إسحٰق أخبرنا وقال زهير حدثنا جرير عن الأعمش عن زيد بن وهب عن عبد الرحمٰن بن عبد رب الكعبة قال دخلت المسجد فإذا عبد الله بن عمرو بن العاص جالس في ظل الكعبة والناس مجتمعون عليه فأتيتهم فجلست إليه فقال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فنزلنا منزلا فمنا من يصلح خباءه ومنا من ينتضل ومنا من هو في جشره إذ نادى منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة جامعة فاجتمعنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إنه لم يكن نبي قبلي إلا كان حقا عليه أن يدل أمته على خير ما يعلمه لهم وينذرهم شر ما يعلمه لهم وإن أمتكم هذه جعل عافيتها في أولها وسيصيب آخرها بلاء وأمور تنكرونها وتجيء فتنة فيرقق بعضها بعضا وتجيء الفتنة فيقول المؤمن هذه مهلكتي ثم تنكشف وتجيء الفتنة فيقول المؤمن هذه هذه فمن أحب أن يزحزح عن النار ويدخل الجنة فلتأته منيته وهو يؤمن بالله واليوم الآخر وليأت إلى الناس الذي يحب أن يؤتى إليه ومن بايع إماما فأعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه إن استطاع فإن جاء آخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر فدنوت منه فقلت له أنشدك الله آنت سمعت هذا من رسول الله صلى الله

عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا تو وہاں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے، اور لوگ ان کے گرد مجتمع تھے، میں ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا، حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا ہم ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں گئے، ہم نے ایک جگہ قیام کیا، بعض مسلمان اپنا خیمہ درست کرنے لگے، بعض تیر اندازی کرنے لگے اور بعض اپنے مویشیوں میں مصروف تھے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے آواز دی کہ "نماز تیار ہے"، ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھے ہو گئے، آپ نے فرمایا بلاشبہ مجھ سے پہلے ہر نبی پر یہ فرض تھا کہ وہ اپنے علم کے مطابق اپنی امت کو فلاح اور خیر کی رہنمائی کرے اور جو چیز اس کے علم میں بری ہو اس سے ڈرائے، اور تمہاری اس امت کے سابقین میں عافیت ہے، اور بعد کے لوگوں میں مصیبتیں، بلائیں اور برائیاں ہوں گی، اور ایسے فتنوں کا ظہور ہوگا جن کے مقابلہ میں دوسرے فتنے کم معلوم ہوں گے، ایک فتنہ آئے گا تو مومن کہے گا اس فتنہ میں میری تباہی ہے، پھر وہ فتنہ دور ہو جائے گا اور ایک اور فتنہ آئے گا تو مومن کہے گا یہی اصل فتنہ ہے، سو جو شخص جہنم سے دور ہونا اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ تاحیات اس پر قائم رہے) حتیٰ کہ جب اس کو موت آئے تو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کے ایمان پر اس کا خاتمہ ہو اور اس پر لازم ہے کہ جس معاملہ کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہو وہی معاملہ دوسروں کے ساتھ کرے، اور جو شخص ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دل کی گہرائیوں سے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کرے اس پر لازم ہے کہ بقدر امکان اس کی اطاعت کرے اور اگر دوسرا شخص

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْوَى إِلَى أُذُنَيْهِ وَقَلْبِهِ بِيَدَيْهِ وَقَالَ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي فَقُلْتُ لَهُ هَذَا ابْنُ عَمِّكَ مُعَاوِيَةُ يَأْمُرُنَا أَنْ نَأْكُلَ أَمْوَالَنَا بَيْنَنَا بِالْبَاطِلِ وَنَقْتُلَ أَنْفُسَنَا وَاللَّهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا قَالَ فَسَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ أَطِعْهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَاعْصِهِ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ.

اس کی امامت سے اختلاف کرے تو اس دوسرے کی گردن اڑا دو راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو کے قریب ہوا اور ان سے عرض کیا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا آپ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے؟ حضرت عبداللہ نے اپنے کانوں اور دل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا میں نے اپنے کانوں سے سنا اور اپنے دل میں اس کو یاد رکھا، میں نے ان سے کہا یہ تمہارے عم زاد معاویہ ہیں جو ہم کو حکم دیتے ہیں کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھائیں اور ایک دوسرے کو ناحق قتل کریں اور اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، ان باہمی رضامندی سے تجارت مستثنیٰ ہے اور تم ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر رحیم ہے، راوی نے کہا پھر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں ان کی نافرمانی کرو۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں ذکر کی ہیں۔

۴۶۶۲ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ.

۴۶۶۳ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُنْذِرِ إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي السَّفَرِ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ رَبِّ الْكَعْبَةِ الصَّائِدِيِّ قَالَ رَأَيْتُ جَمَاعَةً عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ

عبدالرحمن بن عبد رب کعبہ کہتے ہیں میں نے ایک جماعت کو کعبہ کے پاس دیکھا پھر حسب سابق حدیث بیان کی۔

سیاست کی تعریف

اس باب کی حدیث نمبر ۴۶۵۰ میں ہے کہ بنو اسرائیل کے انبیاء ان کا سیاسی انتظام کرتے تھے

علامہ زبیدی نے لکھا ہے سیاست کا معنی ہے کسی چیز کی اصلاح کا انتظام کرنا۔ [1]

[1] سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۴ ص ۱۶۹، مطبعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: ساس کا معنی ہے امر (حکم دیا) حدیث میں ہے بنو اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاست کرتے تھے، یعنی ان کے معاملات کے متولی تھے، جس طرح امراء اور حکام رعیت کے معاملات کے متولی ہوتے ہیں، سیاست کے معنی ہیں: کسی چیز کی اصلاح کے لیے اقدامات کرنا سیاست سائس کا فعل ہے، سائس مویشیوں کی دیکھ بھال اور نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں، والی اور حاکم بھی اپنی رعیت کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتا ہے، ستوس کا معنی ہے کسی کے لیے کسی چیز کو مزین کرنا۔ [1]

اصطلاح میں سیاست کا معنی ہے: ملک کے داخلی اور خارجی استحکام کے لیے غور و فکر اور تدبر کرنا، الجھے ہوئے اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنا، قوم کے دکھ درد دور کرنے اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے لائحہ عمل بنانا، لیکن ہمارے ملک میں عملی سیاست یہ ہے کہ ہر جماعت اپنی جماعت کو مستحکم اور دوسری جماعت کو متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جو جماعت بھی برسر اقتدار آتا ہے وہ ملک کے وسائل کو زیادہ سے زیادہ حاصل کر کے اپنی جماعت کے افراد تک پہنچانا چاہتا ہے، مختلف سیاسی جماعتوں میں یہی چیز ایک قدر مشترک ہے۔

دو خلیفوں کی بیعت کرنے کا حکم

اس حدیث میں ہے: جس شخص کے ہاتھ پر پہلے بیعت کر لو اس کو پورا کرو۔ علامہ ابی مالکی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کی بیعت کی جائے تو پہلے خلیفہ کی بیعت صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے اور دوسرے خلیفہ کی بیعت باطل ہے اور اس کو پورا کرنا حرام ہے، خواہ ان کو دوسرے امام کی بیعت کرتے وقت پہلے امام کی بیعت کا علم ہو یا نہ ہو، اور خواہ وہ دو امام الگ الگ شہروں میں ہوں یا ایک شہر میں ہوں۔

علامہ مازری مالکی نے کہا ہے کہ ایک زمانہ میں دو اماموں کی بیعت کرنا واجب نہیں ہے اور بعض اصولیین کا یہ مذہب ہے کہ جب دار اسلام وسیع ہو جائے اور بعض دور دراز علاقوں میں امام کے احکام اور اس کی تدابیر نہ پہنچتی ہوں تو ان کے لیے دوسرا امام مقرر کرنا جائز ہے، علامہ نووی نے اس مذہب پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ احادیث کے خلاف ہے اور علماء متقدمین کے موقف کے بھی خلاف ہے۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اگر ایک وقت میں دو اماموں کے ہاتھ پر بیعت کی جائے تو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں امام سابق ہے تو محققین کے نزدیک وہ زیادہ معتمد ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے تو دونوں کی بیعت فسخ کر دی جائے، ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب ارباب حل و عقد پر چھوڑ دیا جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان میں قرعہ اندازی کی جائے۔ [2]

تثویب کا ثبوت

حدیث نمبر ۴۷۱۱ میں ہے کہ: ایک سفر میں ہم لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے آواز دی "الصلوٰۃ جامعۃ"

---

[1] علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب ج ۶ ص ۱۰۸، مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران، ۱۴۰۵ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۸۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(جماعت تیار ہے)، اس حدیث میں تثویب کا ثبوت ہے، علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

آج کل مؤذن اذان دینے کے بعد دوبارہ لوگوں کو جماعت کھڑی کرنے پر متنبہ کرتے ہیں اور الصلوٰۃ جامعۃ، الصلوٰۃ، الصلوٰۃ۔ کہتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے اور یہ بدعت نہیں ہے اس کے برخلاف قرطبی کے بعض علماء نے اس کو بدعت کہا ہے۔[1]

علامہ قدوری حنفی لکھتے ہیں:

صبح کی اذان اور اقامت کے درمیان تثویب کرنا (یعنی دوبارہ نماز کا اعلان کرنا اور لوگوں کو جماعت کی طرف بلانا) اور دو بار حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہنا مستحب ہے، کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے۔

اس کی شرح میں المرغینانی لکھتے ہیں:

تثویب میں عرف اور عادت کے مطابق کلمات کہے جاتے ہیں، تثویب کو علماء کوفہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد کے بعد ایجاد کیا ہے، کیونکہ لوگوں کے احوال متغیر ہو گئے تھے، اور صبح کی تخصیص زیادہ غفلت کی وجہ سے کی ہے، اور متاخرین نے تمام نمازوں میں تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے، کیونکہ عبادات اور امور دینیہ میں لوگوں کی غفلت اور سستی زیادہ ہو گئی تھی، امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مؤذن تمام نمازوں میں امیر سے یہ کہے کہ السلام علیک ایہا الامیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یرحمک اللہ، اور امام محمد نے اس کو مستبعد قرار دیا ہے کیونکہ جماعت سے نماز پڑھنے میں تمام لوگ برابر ہیں، اور امام ابو یوسف نے امراء کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاملات میں مشغول رہتے ہیں اس لیے ان کو دوبارہ جماعت کی اطلاع دی جاتی ہے تاکہ ان کی جماعت نہ چھوٹ جائے، قاضی اور مفتی بھی چونکہ مسلمانوں کے امور میں مشغول رہتے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے بھی پانچوں نمازوں میں تثویب کرنا مستحب ہے۔[2]

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

علماء کوفہ نے اذان کے بعد تثویب (دوبارہ اعلان کرنے) کو احداث کیا ہے، یعنی دو بار حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہا جائے، ہر شہر کی تثویب اس کے عرف اور رواج کے مطابق ہوگی خواہ الصلوٰۃ، الصلوٰۃ کہا جائے یا قامت قامت کہا جائے، متاخرین نے تمام نمازوں میں تثویب کو اس لیے مستحسن قرار دیا ہے کہ اب لوگوں میں سستی اور غفلت زیادہ ہو گئی ہے اور اذان سننے کے بعد بہت کم لوگ جماعت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔[3]

فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنفیہ کی ان تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ جس کام میں فی نفسہ خیر ہو اور وہ اصول اسلام سے متصادم نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے خواہ اس کام کا ثبوت عہد رسالت اور عہد صحابہ میں نہ ہو، تاہم اس کام کے

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۸۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اولین ص ۷۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

[3] علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۱ ص ۲۱۵، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

ساتھ فرض اور واجب کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کر دینا چاہیے۔ ہمارے زمانے میں لوگوں نے فرائض اور واجبات کو ترک کر دیا ہے اور مستحبات اور بدعات حسنہ پر دائماً اور لازماً عمل کرتے ہیں فیاللاسف

حضرت علی کی خلافت سے حضرت معاویہ کے اختلاف کی بحث

حدیث نمبر ۴۶۲۳ میں ہے: عبدالرحمٰن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ کے عمزاد معاویہ ہم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کا ناجائز مال کھائیں اور ایک دوسرے کو ناحق قتل کریں۔ علامہ ابی مالکی اس کی شرح میں لکھتے ہیں سائل کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو مال اپنے لشکر پر خرچ کرتے ہیں یہ مال ناجائز ہے اور ان کے لشکر والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو جو قتل کرتے ہیں وہ قتل بھی ناجائز ہے، سائل کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اور حضرت معاویہ کا ان کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ کرنا باطل ہے اور حضرت معاویہ نے چونکہ حضرت علی کی بیعت جیسی کی بحالی سے خلافت میں اختلاف کیا اور ان کے خلاف جنگ کی اس لیے اس حدیث کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو پورا کرنا اور حضرت معاویہ کو قتل کرنا واجب تھا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی اس روایت میں ہے کہ جب ایک شخص کی بیعت کر لی جائے تو اس کی اطاعت کرو اور جو اس سے اختلاف کرے اس کی گردن اڑا دو، ابتداء میں اہل شام نے حضرت معاویہ کی بیعت نہیں کی تھی اور حضرت معاویہ نے صرف حضرت عثمان کے قاتلوں کا مطالبہ کیا تھا، اور حضرت معاویہ نے حضرت علی کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ پہلے تم حضرت عثمان کے قاتلوں کو میرے حوالے کرو پھر میں تمہاری بیعت کر دوں گا، اس کے جواب میں حضرت علی نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کے ہاتھ یہ خط روانہ کیا: حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ تم شام میں ہو اور اہل مدینہ نے میری بیعت کر لی ہے، اور یہ بیعت تم پر لازم ہو گئی ہے کیونکہ ان لوگوں نے میری بیعت کی ہے جنہوں نے میرے پیش رو (حضرت عثمان) کی بیعت کی تھی اس لیے اب حاضر کے لیے انتخاب کی گنجائش ہے نہ غائب کے لیے اس کو مسترد کرنے کا موقع ہے، یہ شوریٰ صرف مہاجرین اور انصار میں منحصر ہے اگر وہ کسی شخص کو منتخب کر کے بالاتفاق امام مقرر کر دیں تو اس کی امامت لازم ہو جائے گی، سو جو شخص اس کی خلافت سے خروج کرے اس کو واپس لوٹنے پر مجبور کرو، اور اگر وہ انکار کرے تو اس سے طریق مسلمین کی اتباع کرانے کے لیے جنگ کرو، لہٰذا تم بھی اس شخص کی خلافت کو مان لو جس کی امامت کو تمام مسلمانوں نے مان لیا ہے، تم نے قاتلین عثمان کو حوالے کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے اگر تم نے اپنی رائے واپس لے لی اور اپنے اختلاف سے رجوع کر لیا اور تمام مسلمانوں کے طریقہ کو اختیار کر لیا تو میں تمہارے اور تمہاری قوم کے معاملہ کتاب اللہ کے مطابق سلوک کروں گا اور اگر تم اپنی ہوائے نفس کی بجائے عقل سلیم سے غور کرو تو تم کو معلوم ہو گا کہ میں قریش میں سب سے زیادہ خون عثمان سے بری ہوں، اور تم یہ مجبور کر تم ان طلقاء میں سے ہو جن کے لیے خلافت جائز نہیں ہے، اور میں نے تمہارے پاس جریر بن عبداللہ کو بھیجا ہے یہ اہل ایمان اور اہل ہجرت میں سے ہیں تم ان کے ہاتھ پر (میری) بیعت کر لو، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نیکی کی استطاعت حاصل نہیں ہوتی۔

اب اشکال یہ ہے کہ واقعہ تحکیم کے بعد اہل شام کا حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا کس طرح صحیح ہو گا جبکہ حضرت علی کی خلافت پہلے منعقد ہو چکی تھی اور اس کے بعد حضرت معاویہ نے اپنی خلافت پر بیعت لی اور حدیث میں

ہے جب ایک خلیفہ کی بیعت ہو جائے اور دوسرا شخص اس سے اختلاف کرے تو اس کو قتل کر دو، اس اشکال سے چھٹکارے کا اس کے سوا اور کوئی حل نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متاول اور مجتہد تھے۔ [1]

بَابُ ۳۳ الْأَمْرِ بِالصَّبْرِ عِنْدَ ظُلْمِ الْوُلَاةِ وَاسْتِئْثَارِهِمْ

حکام کے ظلم پر صبر کرنے کا حکم

۴۶۶۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَلَا بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَا تَسْتَعْمِلُنِي كَمَا اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں عرض کیا کیا آپ مجھے عامل نہیں بنائیں گے؟ جس طرح آپ نے فلاں شخص کو عامل بنایا ہے، آپ نے فرمایا: میرے بعد تم کو اپنے اوپر ترجیح کا سامنا ہو گا، تم اس پر صبر کرنا حتی کہ تمہاری مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات ہو۔

۴۶۶۵ - وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يُحَدِّثُ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَلَا بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں عرض کیا: اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۴۶۶۶ - وَحَدَّثَنِيهِ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَقُلْ خَلَا بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں راوی نے یہ نہیں کہا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں عرض کیا۔

۴۶۶۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ

علقمہ بن وائل حضرمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سلمہ بن یزید جعفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! یہ بتلائیے کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مسلط ہوں جو ہم سے اپنے حقوق کا مطالبہ

[1] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

يزيد الجعفي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا نبي الله أرأيت إن قامت علينا أمراء يسألونا حقهم ويمنعونا حقنا فما تأمرنا فأعرض عنه ثم سأله فأعرض عنه ثم سأله في الثانية أو في الثالثة فجذبه الأشعث بن قيس وقال اسمعوا وأطيعوا فإنما عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم۔

کریں اور ہمارے حق ہمیں نہ دیں، تو اس صورت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے اس سائل سے اعراض کیا، اس نے دوبارہ سوال کیا، آپ نے پھر اعراض کیا، پھر جب اس نے دوسری یا تیسری بار سوال کیا تو اس کو اشعث بن قیس نے کھینچ لیا، آپ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو، کیونکہ ان کا بار ان پر ہے اور تمہارا بوجھ تم پر ہے۔

۴۶۶۸- وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا شبابة حدثنا شعبة عن سماك بهذا الإسناد مثله وقال فجذبه الأشعث بن قيس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسمعوا وأطيعوا فإنما عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم۔

ایک اور سند سے یہ حدیث مروی ہے اس میں ہے اشعث بن قیس نے سائل کو کھینچ لیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو ان پر صرف ان کا بوجھ ہے اور تم پر تمہارا بوجھ ہے۔

باب ۱۳ الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر

فتنہ کے وقت مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم

۴۶۶۹- حدثني محمد بن المثنى حدثنا الوليد بن مسلم حدثنا عبد الرحمن بن يزيد بن جابر حدثني بسر بن عبيد الله الحضرمي أنه سمع أبا إدريس الخولاني يقول سمعت حذيفة بن اليمان يقول كان الناس يسألون رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخير وكنت أسأله عن الشر مخافة أن يدركني فقلت يا رسول الله إنا كنا في جاهلية وشر فجاءنا الله بهذا الخير فهل بعد هذا الخير شر قال نعم فقلت هل بعد ذلك الشر من خير قال نعم وفيه دخن قلت وما دخنه قال قوم يستنون بغير سنتي ويهدون بغير هديي تعرف منهم وتنكر فقلت هل بعد ذلك الخير من شر قال نعم

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے، اور میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا اس خوف سے کہ کہیں میں اس شر میں مبتلا نہ ہو جاؤں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم لوگ جاہلیت میں شر میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اس خیر کو بھیجا، کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے کہا کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ہاں لیکن اس خیر میں کچھ کدورت ہوگی، میں نے عرض کیا وہ کدورت کیسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: لوگ میری سنت پر نہیں چلیں گے اور میری ہدایت کے خلاف عمل کریں گے ان میں اچھی اور بری دونوں باتیں ہوں گی، میں نے عرض کیا کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا تَرَى إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ قَالَ تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ فَقُلْتُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلَى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ۔

ہاں کچھ لوگ جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے اور لوگوں کو بلائیں گے جو ان کی دعوت پر لبیک کہے گا وہ اس کو جہنم میں ڈال دیں گے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی صفت بیان کیجئے، آپ نے فرمایا ان لوگوں کا رنگ ہماری طرح ہوگا اور وہ ہماری زبان بولتے ہوں گے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تم مسلمانوں کے امام اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا، میں نے عرض کیا اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور امام نہ ہو؟ آپ نے فرمایا تم ان تمام فرقوں سے الگ رہنا خواہ تم کو تاحیات درخت کی جڑیں چبانی پڑیں اور اسی حال میں تمہاری موت آئے۔

۴۶۷۰ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ التَّمِيمِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا يَحْيَى (وَهُوَ ابْنُ حَسَّانَ) حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ (يَعْنِي ابْنَ سَلَّامٍ) حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ سَلَّامٍ عَنْ أَبِي سَلَّامٍ قَالَ قَالَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا بِشَرٍّ فَجَاءَ اللهُ بِخَيْرٍ فَنَحْنُ فِيهِ فَهَلْ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْخَيْرِ شَرٌّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ هَلْ وَرَاءَ ذَلِكَ الشَّرِّ خَيْرٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَهَلْ وَرَاءَ ذَلِكَ الْخَيْرِ شَرٌّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ كَيْفَ قَالَ يَكُونُ بَعْدِي أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُونَ بِهُدَايَ وَلَا يَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِي وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِيعُ لِلْأَمِيرِ وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم شر میں مبتلا تھے پھر اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آیا کیا اس خیر کے بعد شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا: کیا اس شر کے بعد خیر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں، میں نے پوچھا اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میری ہدایت پر عمل نہیں کریں گے، اور نہ میری سنت پر چلیں گے اور عنقریب ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل شیطانوں کی طرح اور بدن انسانوں کی مانند ہوں گے، راوی کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ اگر میں ان کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: امیر کے احکام سننا اور اس کی اطاعت کرنا خواہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں اور تمہارا مال چھین لیا جائے پھر بھی (احکام) سننا اور اطاعت کرنا۔

۴۶۷۱ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ (يَعْنِي ابْنَ حَازِمٍ) حَدَّثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (حاکم کی)

عَنْ أَبِي قَيْسِ بْنِ رِيَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبَةٍ أَوْ يَدْعُو إِلَى عَصَبَةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِي لِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ۔

اطاعت سے نکل جائے اور جماعت کو چھوڑ دے تو وہ جاہلیت کی موت مرا، اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے جنگ کرے یا کسی عصبیت کی بناء پر غضب ناک ہو یا عصبیت کی طرف دعوت دے، یا عصبیت کی خاطر جنگ کرے اور مارا جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور جس شخص نے میری امت پر خروج کیا اور اچھوں اور بروں سب کو قتل کیا، کسی مومن کا لحاظ کیا نہ کسی سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو میرے دین پر نہیں ہے اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔

۴۷۶۲- وَحَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ رِيَاحٍ الْقَيْسِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ حَدِيثِ جَرِيرٍ وَقَالَ لَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے اور اس میں لایتحاشی من مؤمنھا کے الفاظ ہیں۔

۴۷۶۳- وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ رِيَاحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِلْعَصَبَةِ وَيُقَاتِلُ لِلْعَصَبَةِ فَلَيْسَ مِنْ أُمَّتِي وَمَنْ خَرَجَ مِنْ أُمَّتِي عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا لَا يَتَحَاشَ مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِي بِذِي عَهْدِهَا فَلَيْسَ مِنِّي۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (امیر کی) اطاعت سے نکلا اور اس نے جماعت کو چھوڑ دیا پھر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا، اور جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے تلے مارا جائے، عصبیت کی بناء پر غضب ناک ہو، اور عصبیت کی بناء پر جنگ کرے وہ میری امت میں سے نہیں ہے، اور میری امت میں سے جو شخص میری امت پر خروج کرے، نیک اور بد ہر شخص کو قتل کرے، مومن کا لحاظ کرے نہ ذمی کا عہد پورا کرے وہ میرے دین پر نہیں ہے۔

۴۷۶۴- وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ أَمَّا ابْنُ الْمُثَنَّى

ایک اور سند سے یہ حدیث ہے ابن مثنیٰ نے اپنی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا، اور ابن بشار نے دوسروں کی روایت کی طرح کہا رسول اللہ

فلم يذكر النبي صلى الله عليه وسلم في الحديث وأما ابن بشار فقال في روايته قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يجيء حين يشهد۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

٤٧٦٥ - **حدثنا** حسن بن الربيع حدثنا حماد بن زيد عن الجعد أبي عثمان عن أبي رجاء عن ابن عباس يرويه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رأى من أميره شيئا يكرهه فليصبر فإنه من فارق الجماعة شبرا فمات فميتة جاهلية۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی چیز ناگوار گزرے وہ صبر کرے کیونکہ جو شخص ایک بالشت برابر بھی جماعت سے الگ ہو گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

٤٧٦٦ - **وحدثنا** شيبان بن فروخ حدثنا عبد الوارث حدثنا الجعد حدثنا أبو رجاء العطاردي عن ابن عباس عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كره من أميره شيئا فليصبر عليه فإنه ليس أحد من الناس خرج من السلطان شبرا فمات عليه إلا مات ميتة جاهلية۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے وہ اس پر صبر کرے کیونکہ لوگوں میں سے جو شخص بھی سلطان کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا تو وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

٤٧٦٧ - **حدثنا** هريم بن عبد الأعلى حدثنا المعتمر قال سمعت أبي يحدث عن أبي مجلز عن جندب بن عبد الله البجلي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل تحت راية عمية يدعو عصبية أو ينصر عصبية فقتلة جاهلية۔

حضرت جندب بن عبد اللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اندھی تقلید میں کسی کے جھنڈے کے نیچے مارا گیا، جو عصبیت کی دعوت دیتا تھا اور عصبیت کی مدد کرتا تھا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

٤٧٦٨ - **حدثنا** عبيد الله بن معاذ العنبري حدثنا أبي حدثنا عاصم وهو ابن محمد بن زيد عن زيد بن محمد عن نافع قال جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة ما كان زمن يزيد بن معاوية فقال اطرحوا لأبي عبد الرحمن

نافع بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں جب واقعہ حرہ ہوا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبد اللہ بن مطیع کے پاس گئے، ابن مطیع نے کہا حضرت ابو عبد الرحمن (یہ حضرت ابن عمر کی کنیت تھی) کے لیے قالین بچھاؤ، حضرت ابن عمر نے فرمایا میں تمہارے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا، میں تمہارے پاس صرف اس لیے آیا ہوں

وِسَادَةً فَقَالَ إِنِّي لَمْ آتِكَ لِأَجْلِسَ أَتَيْتُكَ لِأُحَدِّثَكَ حَدِيثًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

کہ تم کو ایک حدیث سناؤں جس کو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے (امام کی) اطاعت سے ہاتھ نکال لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے حق میں کوئی حجت نہیں ہوگی، اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تھی وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

۴۷۶۹ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَتَى ابْنَ مُطِيعٍ فَذَكَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ابن مطیع کے پاس گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی۔

۴۷۷۰ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَبَلَةَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَا جَمِيعًا حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ۔

ایک اور سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حدیث حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔

خیر اور شر کے اعتبار سے ادوار امت کی تقسیم

اس باب کی حدیث نمبر ۴۷۶۹ میں ہے: زمانہ جاہلیت کے بعد خیر ہوگی اور پھر شر ہوگا، اس شر کے بعد پھر خیر ہوگی لیکن اس میں کچھ میل ہوگا اور اس کے بعد پھر شر ہوگا، اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو تین احوال بیان کیے گئے ہیں یہ خلافت کے تین احوال ہیں، پہلی قسم خیر محض ہے اور یہ خلفاء راشدین کی خلافت ہے جو خلافت علی منہاج النبوت ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے متعلق آپ نے فرمایا: اس خیر کے بعد شر ہوگا، یہ ملوکیت کا دور ہے جو خلافت راشدہ کے بعد عمر بن عبد العزیز تک رہا، تیسری قسم وہ ہے جس کے متعلق فرمایا اس شر کے بعد خیر ہوگی لیکن اس میں میل کی آمیزش ہوگی اس کی تفسیر عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت سے کی گئی ہے، اس کے بعد جو ملوک اور سلاطین آئے ان کو آپ نے شر کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ [1]

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۹۲-۱۹۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

یزید کی بیعت کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف

امام بخاری نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اولاد اور اپنے اقارب کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم نے اس شخص (یعنی یزید بن معاویہ) سے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر بیعت کی ہے اور میں اس سے بڑھ کر کوئی اور بدعہدی اور عہد شکنی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت پر بیعت کی جائے اور پھر اس کے خلاف جنگ شروع کی جائے، اور سنو جس شخص کے متعلق بھی یہ علم ہوا کہ اس نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے یا اس معاملہ میں کسی کا ساتھ دیا ہے تو میرا اور اس کا تعلق منقطع ہو جائے گا۔ [1]

اور اس باب کی حدیث نمبر ۴۷۷۰ میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید کی بیعت توڑنے والوں کے پاس جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص نے (امام کی) اطاعت سے ہاتھ نکال لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے بغیر حجت کے ملاقات کرے گا، علامہ ابی مالکی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک یہ تھا کہ اگر امام کی بیعت کے بعد اس میں فسق ظاہر ہو جائے تو اس کی بیعت توڑنا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اکثر بلکہ تمام فقہاء کا مسلک یہی ہے جیسا کہ ابن مجاہد نے ذکر کیا ہے، اور جو فقہاء فاسق امام کے خلاف اٹھنے اور خروج کو جائز کہتے ہیں وہ حضرت حسین اور حضرت ابن الزبیر کے خروج سے استدلال کرتے ہیں، اور جمہور فقہاء ان احادیث کی بناء پر اس کو منع کرتے ہیں نیز کبھی یہ قیام اور خروج زبردست فتنہ فساد اور خونریزی پر منتج ہوتا ہے، جیسا کہ واقعہ حرہ میں ہوا، اور ایک قول یہ ہے یہ اختلاف ابتداء میں تھا بعد میں سب کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ فاسق امام کے خلاف قیام اور خروج جائز نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ اختلاف اس صورت میں ہے جب امام پہلے عادل ہو اور پھر فاسق ہو جائے، لیکن جو شخص انعقاد امامت سے پہلے ہی فاسق ہو اور اس کی بیعت کر لی جائے تو اس کے متعلق اتفاق ہے کہ اس کی امامت منعقد نہیں ہوتی، اور یزید امامت کے منعقد ہونے سے پہلے ہی فاسق تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ابتداءً فاسق ہو تو اس کی امامت منعقد نہیں ہوتی، لیکن اگر اس کی بیعت کر لی جائے تو پھر اس کی امامت منعقد ہو جاتی ہے اور وہ امام اس امام کے حکم میں ہو جاتا ہے جو پہلے عادل ہو اور بعد میں فاسق ہو جائے اور اس کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنی طرف سے یزید کی بیعت توڑنے سے باز رکھنے کی کوشش کرنا ہے۔ [2]

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس امام کی بیعت منعقد ہو گئی اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے خواہ وہ لوگوں پر ظلم کرے اور کسی فسق سے امام معزول نہیں ہوتا۔ [3]

---

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۱۳ ص ۷۱، مطبوعہ دار نشر الکتب اسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ

اس حدیث میں واقعہ حرہ کا بھی ذکر ہے، واقعہ حرہ کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱-۳۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ ۳۳ حُكْمِ مَنْ فَرَّقَ أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ وَهُوَ مُجْتَمِعٌ

مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کرنے والے کا حکم

۴۶۸۱- حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ ابْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ وَقَالَ ابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَرْفَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُفَرِّقَ أَمْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ۔

۴۶۸۲- وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ خِرَاشٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ح وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْمُصْعَبُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْخَثْعَمِيُّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ ح وَحَدَّثَنِي حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا عَارِمُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُخْتَارِ وَرَجُلٌ سَمَّاهُ كُلُّهُمْ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ عَرْفَجَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمْ جَمِيعًا فَاقْتُلُوهُ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی چار سندیں بیان کی ہیں سب روایات میں "فاقتلوا" ہے۔

۴۶۸۳- وَحَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ أَبِي يَعْفُورٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَرْفَجَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ۔

حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جب تم ایک شخص کی امامت پر متفق ہو پھر کوئی شخص تمہارے اتحاد کی لاٹھی کو توڑنے کی کوشش کرے یا تمہاری جماعت میں تفریق کی کوشش کرے تو اس کو قتل کر دو۔

بَابُ ۶۳۵ إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ

دو خلیفوں سے بیعت کا حکم

۴۶۸۴ - وَحَدَّثَنِي وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الْآخَرَ مِنْهُمَا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔

ف: اس حدیث کی شرح ہم نے کتاب الامارۃ کے مقدمہ میں بیان کر دی ہے، وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

بَابُ ۶۳۶ وُجُوبِ الْإِنْكَارِ عَلَى الْأُمَرَاءِ فِيمَا يُخَالِفُ الشَّرْعَ وَتَرْكِ قِتَالِهِمْ مَا صَلَّوْا وَنَحْوِ ذَلِكَ

خلاف شرع امور میں حکام کا رد کرنا واجب ہے اور جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں ان کے خلاف جنگ کرنا ممنوع ہے

۴۶۸۵ - حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ ضَبَّةَ بْنِ مِحْصَنٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتَكُونُ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ عَرَفَ بَرِئَ وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوا أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلَّوْا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم پر ایسے حاکم مقرر ہوں گے جو اچھے اور برے کام کریں گے سو جس نے برے کاموں کو پہچان لیا وہ بری ہو گیا، اور جس نے برے کاموں کو مسترد کیا وہ سلامت رہا، البتہ جس شخص نے برے کاموں کو پسند کیا اور ان کی پیروی کی (وہ سلامت نہیں رہے گا) صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

۴۶۸۶ - وَحَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ جَمِيعًا عَنْ مُعَاذٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي غَسَّانَ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ (وَهُوَ ابْنُ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِيُّ) حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ ضَبَّةَ بْنِ مِحْصَنٍ الْعَنَزِيِّ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ كَرِهَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر ایسے امیر مقرر کیے جائیں گے جن سے تم اچھائیاں بھی دیکھو گے اور برائیاں بھی، سو جو برے کام کو ناپسند کرے گا وہ بری ہو جائے گا اور جو اس کو مسترد کرے گا وہ سلامت رہے گا، البتہ جو شخص ان کو پسند کرے گا اور ان کی اتباع کرے گا وہ سلامت نہیں رہے گا یا

فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلَّوْا (اَيْ مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهٖ وَاَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ)

بری نہیں ہوگا) صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ہم ان سے جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں، برا جاننے سے دل سے برا جاننا اور مسترد کرنے سے دل سے مسترد کرنا مراد ہے۔

۴۶۸۷ - وَحَدَّثَنِيْ اَبُو الرَّبِيْعِ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ) حَدَّثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ زِيَادٍ وَهِشَامٌ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ ضَبَّةَ بْنِ مِحْصَنٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِ ذٰلِكَ غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ فَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے، البتہ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں جس نے انکار کیا وہ بری ہوگیا اور جس نے ناپسند کیا وہ سلامت رہا۔

۴۶۸۸ - وَحَدَّثَنَاهُ حَسَنُ بْنُ الرَّبِيْعِ الْبَجَلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ هِشَامٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ ضَبَّةَ بْنِ مِحْصَنٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ اِلَّا قَوْلَهٗ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ لَمْ يَذْكُرْهُ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔ البتہ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "ولکن من رضی وتابع"۔

حکام کے خلاف شرع کاموں پر عوام کی کیا ذمہ داری ہے؟

جب عوام حاکموں کے خلاف شرع کام ہوتے دیکھیں تو اگر وہ ان برائیوں کی عملی اصلاح کر سکتے ہوں تو عملی اصلاح کریں ورنہ زبان سے ان کاموں کا رد کریں اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہوں تو دل سے ان کاموں کو برا جانیں۔

حدیث نمبر ۴۶۸۶ میں ہے "فمن عرف فقد برئ" اور ایک روایت میں ہے "فمن کرہ فقد برئ"، دوسری روایت کی بناء پر معنی یہ ہے کہ جس نے برائی کو مکروہ جانا وہ اس کے عذاب سے بری ہوگیا، اور یہ اس کے حق میں ہے جو برائی کو ہاتھ سے مٹا سکتا ہو نہ زبان سے اس کا انکار کر سکتا ہو تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ برائی کو دل سے برا جانے تاکہ وہ عذاب سے بری ہو جائے، اور پہلی روایت کی بناء پر معنی یہ ہے جس نے برائی کو پہچان لیا اور وہ اس پر مشتبہ نہیں ہوئی تو اس کو عذاب سے نجات کا طریقہ معلوم ہو جائے گا بایں طور کہ وہ اپنے ہاتھ سے برائی کو بدل لے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور جو شخص کسی برائی کو زائل کرنے سے عاجز ہو تو وہ اس پر محض سکوت سے گنہگار نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس برائی کو دل سے پسند نہ کرے یا اس کی پیروی نہ کرے، جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا: البتہ جس شخص نے برے کاموں کو پسند کیا اور ان کی پیروی کی۔

ظالم اور فاسق خلفاء کے خلاف خروج نہ کرنے کی دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا کیا ہم ایسے حاکموں سے

جنگ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب تک خلفاء قواعد اسلام میں کوئی تغییر نہ کریں ان کے خلاف خروج جائز نہیں ہے اور یہ کہ محض ظلم اور فسق سے خلفاء کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے۔

بَابُ خِيَارِ الْأَئِمَّةِ وَشِرَارِهِمْ ٦٣٤

اچھے اور بُرے حاکموں کا بیان

٤٦٨٩ - حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ رُزَيْقِ بْنِ حَيَّانَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ قَرَظَةَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ فَقَالَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلٰوةَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَةٍ۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بہترین امام (خلیفہ) وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعاء مغفرت کرو اور وہ تمہارے لیے دعاء مغفرت کریں، اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا ہم ان کو تلوار کے زور سے معزول نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک کہ وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں، اور جب تم اپنے حکمرانوں کی کوئی برائی دیکھو تو ان کے اس عمل کو برا جانو اور ان کی اطاعت سے دستکش نہ ہو۔

٤٦٩٠ - حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ يَعْنِي ابْنَ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ أَخْبَرَنِي مَوْلَى بَنِي فَزَارَةَ وَهُوَ رُزَيْقُ بْنُ حَيَّانَ أَنَّهُ سَمِعَ مُسْلِمَ بْنَ قَرَظَةَ ابْنَ عَمِّ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ يَقُولُ سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ قَالُوا قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ قَالَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلٰوةَ لَا مَا أَقَامُوا فِيكُمُ

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لیے دعاء مغفرت کرو اور وہ تمہارے لیے دعاء مغفرت کریں اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، اور تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں، صحابہ نے کہا ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم ایسے موقع پر ان کو تلوار سے معزول نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں، نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں، سنو! جن لوگوں پر کسی شخص کو حاکم بنایا گیا پھر وہ لوگ اس حاکم کو اللہ کی کسی معصیت

الصَّلَاةَ أَلَا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَآهُ يَأْتِي شَيْئًا مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِي مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ قَالَ ابْنُ جَابِرٍ فَقُلْتُ (يَعْنِي لِرُزَيْقٍ) حِينَ حَدَّثَنِي بِهٰذَا الْحَدِيثِ آللّٰهِ يَا أَبَا الْمِقْدَامِ لَحَدَّثَكَ بِهٰذَا أَوْ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ مُسْلِمِ بْنِ قَرَظَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ عَوْفًا يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَقَالَ إِي وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَسَمِعْتُهُ مِنْ مُسْلِمِ بْنِ قَرَظَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ہیں جب تم دیکھیں تو وہ اللہ کی اس معصیت کو برا جانیں اور اس کی اطاعت سے دست کش نہ ہوں، ابن جابر بیان کرتے ہیں کہ جب رزیق بن حیان نے یہ حدیث مجھ سے بیان کی تو میں نے کہا، اے ابو المقدام میں تم کو خدا کی قسم دے کر یہ سوال کرتا ہوں آیا تم کو یہ حدیث کس نے بیان کی یا تم نے مسلم بن قرظہ سے یہ حدیث سنی ہے، جنہوں نے اس کو عوف سے سنا اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پس رزیق گھٹنوں کے بل گر گئے اور قبلہ کی طرف منہ کر کے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، میں نے مسلم بن قرظہ سے یہ حدیث سنی اور انہوں نے حضرت عوف بن مالک سے اور وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔

۴۶۹۱۔ وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ رُزَيْقٌ مَوْلَى بَنِي فَزَارَةَ قَالَ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ قَرَظَةَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

امام مسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عوف بن مالک کی اس روایت کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

بَابُ اسْتِحْبَابِ مُبَايَعَةِ الْإِمَامِ الْجَيْشَ عِنْدَ إِرَادَةِ الْقِتَالِ وَبَيَانِ بَيْعَةِ الرِّضْوَانِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

جنگ کے وقت مجاہدین سے بیعت لینے کا استحباب اور بیعت رضوان کا بیان

۴۶۹۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ فَبَايَعْنَاهُ وَعُمَرُ آخِذٌ بِيَدِهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو تھے، ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی درآں حالیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے

تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَهِيَ سَمُرَةٌ وَقَالَ بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ وَلَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ.

ہوئے تھے، ہم نے فرار نہ ہونے پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہیں کی۔

۴۶۹۳ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمْ نُبَايِعْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَوْتِ إِنَّمَا بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بیعت نہیں کی ہم نے آپ سے صرف اس بات پر بیعت کی تھی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔

۴۶۹۴ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ سَمِعَ جَابِرًا يُسْأَلُ كَمْ كَانُوا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَالَ كُنَّا أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً فَبَايَعْنَاهُ وَعُمَرُ آخِذٌ بِيَدِهِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَهِيَ سَمُرَةٌ فَبَايَعْنَاهُ غَيْرَ جَدِّ بْنِ قَيْسٍ الْأَنْصَارِيِّ اخْتَبَأَ تَحْتَ بَطْنِ بَعِيرِهِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حدیبیہ کے دن آپ کی کتنی تعداد تھی؟ آپ نے فرمایا: ہم چودہ سو تھے، ہم نے آپ سے بیعت کی درآں حالیکہ حضرت عمر ایک درخت کے نیچے آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، (وہ درخت سمرہ کا تھا) ہم نے آپ سے بیعت کی لیکن جد بن قیس انصاری نے آپ سے بیعت نہیں کی، وہ اپنے اونٹ کے پیٹ کے نیچے چھپ گیا۔

۴۶۹۵ - وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ دِينَارٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَعْوَرُ مَوْلَى سُلَيْمَانَ بْنِ مُجَالِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرًا يُسْأَلُ هَلْ بَايَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَقَالَ لَا وَلَكِنْ صَلَّى بِهَا وَلَمْ يُبَايِعْ عِنْدَ شَجَرَةٍ إِلَّا الشَّجَرَةَ الَّتِي بِالْحُدَيْبِيَةِ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَأَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بِئْرِ الْحُدَيْبِيَةِ.

ابو الزبیر کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں بیعت لی تھی؟ انہوں نے کہا نہیں، آپ نے وہاں نماز پڑھی تھی، اور حدیبیہ کے درخت کے سوا آپ نے کسی درخت کے نیچے بیعت نہیں لی، ابن جریج کہتے ہیں کہ انہیں ابو الزبیر نے یہ بتایا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے کنویں پر دعا کی تھی۔

۴۶۹۶ - وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ وَإِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ وَاللَّفْظُ لِسَعِيدٍ قَالَ سَعِيدٌ وَإِسْحَقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ فَقَالَ لَنَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن ہم ایک ہزار چار سو تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اس وقت تم تمام روئے زمین کے بہترین افراد ہو، حضرت جابر نے کہا اگر میری بینائی ہوتی تو میں تم کو اس درخت کی جگہ دکھاتا۔

النبي صلى الله عليه وسلم أنتم اليوم خير أهل الأرض وقال جابر لو كنت أبصر لأريتكم موضع الشجرة.

۴۷۹۷- وحدثنا محمد بن المثنى وابن بشار قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن عمرو بن مرة عن سالم بن أبي الجعد قال سألت جابر بن عبد الله عن أصحاب الشجرة فقال لو كنا مائة ألف لكفانا كنا ألفا وخمسمائة.

سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اصحاب شجرہ (اصحاب بیعت رضوان) کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا لیکن ہم پندرہ سو تھے۔

۴۷۹۸- وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة وابن نمير قالا حدثنا عبد الله بن إدريس ح وحدثنا رفاعة بن الهيثم حدثنا خالد يعني الطحان كلاهما يقول عن حصين عن سالم بن أبي الجعد عن جابر قال لو كنا مائة ألف لكفانا كنا خمس عشرة مائة.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا لیکن ہم پندرہ سو تھے

۴۷۹۹- وحدثنا عثمان بن أبي شيبة وإسحاق بن إبراهيم قال إسحاق أخبرنا وقال عثمان حدثنا جرير عن الأعمش حدثني سالم بن أبي الجعد قال قلت لجابر كم كنتم يومئذ قال ألفا وأربعمائة.

سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر سے پوچھا اس دن تم کتنے تھے؟ انہوں نے کہا چودہ سو۔

۴۸۰۰- حدثنا عبيد الله بن معاذ حدثنا أبي حدثنا شعبة عن عمرو (يعني ابن مرة) حدثني عبد الله بن أبي أوفى قال كان أصحاب الشجرة ألفا وثلاثمائة وكانت أسلم ثمن المهاجرين.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب شجرہ تیرہ سو تھے اور قبیلہ اسلم کے لوگ مہاجرین کا آٹھواں حصہ تھے۔

۴۸۰۱- وحدثنا ابن المثنى حدثنا أبو داود ح وحدثنا إسحاق بن إبراهيم أخبرنا النضر بن شميل جميعا عن شعبة بهذا الإسناد مثله.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

۴۸۰۲- وحدثنا يحيى بن يحيى أخبرنا يزيد

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ خَالِدٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْأَعْرَجِ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ الشَّجَرَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ النَّاسَ وَأَنَا رَافِعٌ غُصْنًا مِنْ أَغْصَانِهَا عَنْ رَأْسِهِ وَنَحْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً قَالَ لَمْ نُبَايِعْهُ عَلَى الْمَوْتِ وَلَكِنْ بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نَفِرَّ۔

میں نے بیعت رضوان کے دن دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں اور میں درخت کی شاخوں میں سے ایک شاخ کو آپ کے سر انور سے ہٹا رہا تھا۔ ہم اس وقت چودہ سو تھے، انہوں نے کہا ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی، لیکن ہم نے یہ بیعت کی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔

۴۷۷۳ - وَحَدَّثَنَاهُ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ يُونُسَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۷۷۴ - وَحَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ طَارِقٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ كَانَ أَبِي مِمَّنْ بَايَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فِي قَابِلٍ حَاجِّينَ فَخَفِيَ عَلَيْنَا مَكَانُهَا فَإِنْ كَانَتْ تَبَيَّنَتْ لَكُمْ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ۔

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میرے والد بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، انہوں نے کہا جب ہم اگلے سال حج کے لیے گئے تو ہم کو وہ جگہ نہیں مل سکی، اگر تم کو وہ جگہ معلوم ہو جائے تو تم زیادہ جانتے ہو۔

۴۷۷۵ - وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ وَقَرَأْتُهُ عَلَى نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِي أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُمْ كَانُوا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَنَسُوهَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ۔

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بیعت رضوان کے سال وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پھر اگلے سال وہ اس درخت کو بھول گئے۔

۴۷۷۶ - وَحَدَّثَنِي حَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَا حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ الشَّجَرَةَ ثُمَّ أَتَيْتُهَا بَعْدُ فَلَمْ أَعْرِفْهَا۔

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو دیکھا تھا لیکن بعد میں پھر اس درخت کے پاس گیا تو اس درخت کو نہ پہچان سکا۔

۴۷۷۷ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قُلْتُ لِسَلَمَةَ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ

حضرت سلمہ بن اکوع کے مولیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ سے پوچھا کہ حدیبیہ کے دن تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کس چیز کی بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا موت پر۔

أَحَدٍ بَعْدَهُ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ.

٤٧٠٨ - وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ سَلَمَةَ بِمِثْلِهِ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

٤٧٠٩ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَتَاهُ آتٍ فَقَالَ هَذَاكَ ابْنُ حَنْظَلَةَ يُبَايِعُ النَّاسَ فَقَالَ عَلَى مَاذَا قَالَ عَلَى الْمَوْتِ قَالَ لَا أُبَايِعُ عَلَى هَذَا أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی شخص آیا اور کہنے لگا: ابن حنظلہ لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں، پوچھا کس چیز پر؟ کہا موت پر، کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے ہاتھ پر موت کی بیعت نہیں کروں گا۔

حدیبیہ میں صحابہ کی تعداد کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق

حدیث نمبر ۴۶۹۱ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے، اور حدیث نمبر ۴۶۹۶ میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ اس دن پندرہ سو صحابہ تھے، اور حدیث نمبر ۴۶۹۹ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تیرہ سو صحابہ تھے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اکثر روایات میں چودہ سو صحابہ کا ذکر ہے اور ان مختلف روایات میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ واقع میں چودہ سو سے کچھ زیادہ تھے، جس نے چودہ سو بیان کیے اس نے کسر کو ترک کر دیا، اور جس نے پندرہ سو کی روایت کی اس نے اس کسر کو تقریباً ایک سو قرار دیا اور جس نے تیرہ سو کی روایت کی اس کے نزدیک یہ عدد متحقق نہیں تھا۔ علامہ ابی نے کہا ہے کہ اصل میں یہ ایک اندازہ تھا اور اندازے میں کمی اور بیشی ہو سکتی ہے۔[1]

حدیبیہ میں بیعت کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق

حدیث نمبر ۴۶۹۱ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر فرار نہ ہونے کی بیعت کی تھی، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ صحابہ نے حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت پر بیعت کی تھی اور مجاشع بن مسعود کی روایت ہے کہ صحابہ نے ہجرت پر بیعت کی اور اسلام اور جہاد پر بیعت کی اور حضرت ابن عمر اور حضرت عبادہ کی روایت ہے کہ ہم نے سمع اور طاعت پر بیعت کی اور اس پر بیعت کی کہ ہم کسی حاکم کی حکومت کے خلاف خروج نہیں کریں گے، اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں یہ بھی ہے کہ ہم نے صبر پر بیعت کی۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علماء نے بیان کیا ہے کہ ان تمام احادیث کا معنی واحد ہے اور ان تمام روایات کا مقصود مشترک ہے۔ عدم فرار پر بیعت کا معنی یہ ہے کہ ہم صبر کریں گے تاوقتیکہ ہم دشمن پر غلبہ پالیں یا پھر شہید ہو جائیں، اور یہی موت پر بیعت کرنے کا معنی ہے یعنی ہم صبر کرتے رہیں گے اگرچہ اس سے ہماری موت واقع ہو جاتے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موت فی نفسہ مقصود ہے، اور جہاد اور صبر پر بیعت کرنے کا بھی یہی معنی ہے۔[2] (حاشیہ: آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)۔

۱۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۱۹۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے کنویں کے پانی کا زیادہ ہو جانا

حدیث نمبر ۴۶۹۶ میں ہے اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا، لیکن ہم پندرہ سو تھے، علامہ نووی لکھتے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب صحابہ حدیبیہ میں پہنچے تو اس کے کنویں کا پانی جوتی کے تسمہ جتنا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی تو وہ پانی جوش کھانے لگا اور زیادہ ہو گیا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابر سے سوال کرنے والا اصل حدیث کو تو جانتا تھا اور اس موقع پر پانی زیادہ ہونے کا اسے علم تھا، لیکن اس کو صحابہ کی تعداد کا علم نہیں تھا اس لیے حضرت جابر نے کہا ہر چند کہ ہم پندرہ سو تھے لیکن اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا۔

بیعت رضوان والے درخت کے مخفی ہو جانے کی حکمت

حدیث نمبر ۴۷۰۷ میں ہے کہ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان کی گئی تھی بعد میں صحابہ اس درخت کو شناخت نہیں کر سکے، علماء نے لکھا ہے کہ اس کے مخفی ہونے میں یہ حکمت تھی کہ چونکہ اس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی اور خیر و برکت اور سکینہ کا نزول ہوا، اور اگر یہ درخت اسی طرح معلوم اور متعین رہتا تو یہ خدشہ تھا کہ نادا قف اور دیہاتی لوگ اس کی تعظیم اور عبادت کرتے، پس اس درخت کا مخفی ہو جانا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔[1]

ابن حنظلہ کے بیعت لینے کی وضاحت

حدیث نمبر ۴۷۰۹ میں عبداللہ بن حنظلہ کی بیعت لینے کا ذکر ہے، جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی اور یزید کے بھیجے ہوئے لشکر سے لڑنے کی تیاری کی تو اس وقت ابن حنظلہ نے یزید کے خلاف لڑنے پر بیعت لی، ابن حنظلہ کی یہ بیعت، بیعت خلافت نہیں تھی۔[2]

باب ۶۲۹ تَحْرِيْمِ رُجُوْعِ الْمُهَاجِرِ إِلَى اسْتِيْطَانِ وَطَنِهٖ ہجرت کے بعد پھر اس جگہ کو وطن بنانے کی ممانعت

۴۷۱۰ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ (يَعْنِيْ ابْنَ إِسْمَاعِيْلَ) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّهٗ دَخَلَ عَلَى الْحَجَّاجِ فَقَالَ يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ ارْتَدَدْتَ عَلٰى عَقِبَيْكَ تَعَرَّبْتَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لِيْ فِي الْبَدْوِ۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حجاج کے پاس گئے، اس نے کہا اے ابن الاکوع کیا تم دوبارہ اپنی پہلی روش کے مطابق جنگلوں میں رہنے لگے؟ انھوں نے کہا نہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگلوں میں رہنے کی اجازت دی تھی۔

---

[1] (حاشیہ سابقہ) علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] ـ ـ ـ ـ ـ شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۰۔

[3] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۱۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

ہجرت کے بعد وطن لوٹنے کا حکم | قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ مہاجر کا اپنی جائے ہجرت کو ترک کرنا اور واپس اپنے وطن لوٹنا حرام ہے اور یہ کہ مہاجر کا دوبارہ جنگلوں اور دیہاتوں میں لوٹ جانا حرام ہے، حجاج بن یوسف نے اسی وجہ سے حضرت سلمہ پر اعتراض کیا تھا، اور حضرت سلمہ نے اس بات کی وضاحت کی کہ ان کا دوبارہ دیہات میں رہنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی اجازت کی بناء پر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلمہ نے اپنے وطن کی بجائے کسی اور جگہ رہائش اختیار کی ہو، یا یہ کہ ہجرت کے بعد واپس وطن لوٹنے کی حرمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھی تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور آپ کی نصرت حاصل ہو سکے رہا پھر یہ ممانعت فتح مکہ سے پہلے تھی اور جب مکہ فتح ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب اور کفر کو مغلوب کر دیا اور مسلمانوں کو عزت اور سر بلندی حاصل ہو گئی تو پھر ہجرت کی فرضیت ساقط ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اور فرمایا اہل ہجرت کی ہجرت ختم ہوگئی، یعنی جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور نصرت اور دین کی نشر و اشاعت اور شریعت کی حفاظت اور اس کو منضبط کرنے کی خاطر ہجرت کی تھی وہ ہجرت اب ختم ہو گئی، قاضی عیاض نے کہا کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ سے پہلے اہل مکہ پر ہجرت فرض تھی اور دوسرے مسلمانوں کے متعلق اختلاف ہے، ابو عبید نے کتاب الاموال میں ذکر کیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جو آپ کے پاس وفود آتے تھے آپ انہیں ہجرت کرنے کا حکم دیتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے لیے ہجرت کرنا مستحب تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ جس شہر کے تمام لوگ اسلام نہ لائے ہوں ان پر ہجرت فرض تھی، تاکہ وہ کفار کی اطاعت پر مجبور نہ ہوں۔[۱]

بَابُ الْمُبَايَعَةِ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ وَبَيَانِ مَعْنَى لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ

فتح مکہ کے بعد اسلام، جہاد اور خیر پر بیعت کرنا اور فتح مکہ کے بعد ہجرت نہ ہونے کی تاویل

۴۷۱۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ أَبُو جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ حَدَّثَنِي مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ السُّلَمِيُّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُبَايِعُهُ عَلَى الْهِجْرَةِ فَقَالَ إِنَّ الْهِجْرَةَ قَدْ مَضَتْ لِأَهْلِهَا وَلٰكِنْ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ۔

حضرت مجاشع بن مسعود سلمی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل ہجرت کی ہجرت ختم ہو چکی ہے، تاہم اسلام، جہاد اور خیر پر بیعت کرو۔

---

[۱] علامہ یحیی بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

۴۷۱۲۔ وَحَدَّثَنِي سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ أَخْبَرَنِي مُجَاشِعُ بْنُ مَسْعُودٍ السُّلَمِيُّ قَالَ جِئْتُ بِأَخِي أَبِي مَعْبَدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْفَتْحِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَايِعْهُ عَلَى الْهِجْرَةِ قَالَ قَدْ مَضَتِ الْهِجْرَةُ بِأَهْلِهَا قُلْتُ فَبِأَيِّ شَيْءٍ تُبَايِعُهُ قَالَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْجِهَادِ وَالْخَيْرِ قَالَ أَبُو عُثْمَانَ فَلَقِيتُ أَبَا مَعْبَدٍ فَأَخْبَرْتُهُ بِقَوْلِ مُجَاشِعٍ فَقَالَ صَدَقَ۔

مجاشع بن مسعود سلمی بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد میں اپنے بھائی ابو معبد کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس سے ہجرت پر بیعت لے لیجئے، آپ نے فرمایا ہجرت والوں کی ہجرت ختم ہو چکی ہے، میں نے عرض کیا پھر آپ کس چیز پر ان کی بیعت لیں گے؟ آپ نے فرمایا اسلام، جہاد اور خیر پر۔ ابو عثمان کہتے ہیں میری حضرت ابو معبد سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو حضرت مجاشع کی حدیث سنائی، انہوں نے کہا اس نے سچ کہا ہے۔

۴۷۱۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عَاصِمٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ فَلَقِيتُ أَخَاهُ فَقَالَ صَدَقَ مُجَاشِعٌ وَلَمْ يَذْكُرْ أَبَا مَعْبَدٍ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے اس میں ہے میری حضرت مجاشع کے بھائی سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا اس نے سچ کہا اور ابو معبد کا ذکر نہیں ہے۔

۴۷۱۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَإِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَا أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو چلے آؤ۔

۴۷۱۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا مُفَضَّلٌ يَعْنِي ابْنَ مُهَلْهِلٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ كُلُّهُمْ عَنْ مَنْصُورٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی تین اور سندیں ذکر کی ہیں۔

۴۷۱۶۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو فوراً چل پڑو۔

۴۷۱۷ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ أَنَّ أَعْرَابِيًّا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ وَيْحَكَ إِنَّ شَأْنَ الْهِجْرَةِ لَشَدِيدٌ فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تُؤْتِي صَدَقَتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ فَإِنَّ اللّٰهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: ہجرت تو بہت مشکل چیز ہے، کیا تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا سمندر کے پار عمل کرتے رہو اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل کو ہرگز رائیگاں نہیں کرے گا۔

۴۷۱۸ - وَحَدَّثَنَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا وَزَادَ فِي الْحَدِيثِ قَالَ فَهَلْ تَحْلُبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا قَالَ نَعَمْ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے البتہ اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل میں سے کسی چیز کو ضائع نہیں کرے گا اور یہ اضافہ ہے کہ اونٹنیاں پانی پینے کے لیے گھاٹ یا چشمہ پر جس دن آتی ہیں تو کیا تم لوگوں کو ان کا دودھ دوہنے کی اجازت دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں!

غیر اسلامی ملکوں میں رہنے کا حکم اور ہجرت کی تحقیق

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں: فقہاء شافعیہ اور دیگر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا قیامت تک باقی ہے اور اس باب کی حدیث میں ہے "فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے" اس کی دو تاویلیں ہیں ایک تاویل یہ ہے کہ مکہ فتح ہونے کے بعد دار الاسلام ہو گیا، اس لیے اب اس جگہ سے ہجرت کرنا متصور نہیں ہے، دوسری تاویل یہ ہے کہ جس ہجرت میں فضیلت تھی اور جو مقصود اور اہم تھی وہ ہجرت مکہ فتح ہونے کے بعد منقطع ہو گئی اور جن مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی تھی وہ ہجرت ان پر ختم ہو گئی کیونکہ فتح مکہ کے بعد اسلام قوی اور غالب ہو گیا۔[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہجرت کی تعریف ہے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جانا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الذین توفاھم الملائکۃ ظالمی انفسھم جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (یعنی جنہوں

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ، شرح صحیح مسلم ج ٢ ص ١٣٠، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ١٣٧٥ھ

قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا فاولئک ماواہم جہنم وساءت مصیرا۔ (نساء: ۹۷)

(جنہوں) نے ہجرت نہیں کی تھی) جب فرشتوں نے ان کی روحوں کو قبض کرتے وقت پوچھا: تم کیا کرتے رہے؟ انہوں نے کہا: ہم زمین میں کمزور اور بے بس تھے، فرشتوں نے کہا: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ برا ٹھکانا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے انا بریء من کل مسلم یقیم بین اظہر المشرکین لا تتراءی ناراہما (ابوداؤد) "میں اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے، ان دونوں کی آگ (ایک جگہ) دکھائی نہ دے" یعنی مسلمان ایسی جگہ رہیں جہاں سے ان کی آگ مشرکوں کو دکھائی دے نہ مشرکوں کی آگ مسلمانوں کو دکھائی دے اس موضوع کے متعلق بکثرت احادیث ہیں، جمہور فقہاء کے نزدیک قیامت تک ہجرت کا حکم باقی ہے اور بعض فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ اب ہجرت منقطع ہو چکی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے" نیز آپ نے فرمایا ہجرت منقطع ہو چکی ہے اور جہاد اور نیت باقی ہے۔

روایت ہے کہ جب صفوان بن امیہ اسلام لائے تو ان سے کہا گیا کہ جو شخص ہجرت نہ کرے اس کا دین نہیں ہے" سو وہ مدینہ آیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا اے ابو وہب تم یہاں کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا مجھے بتایا گیا ہے کہ "جو ہجرت نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں ہے" آپ نے فرمایا: اے ابو وہب مکہ کی وادیوں میں لوٹ جاؤ اور اپنے گھروں میں رہو کیونکہ اب ہجرت ختم ہو چکی ہے تاہم جہاد اور نیت باقی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک توبہ منقطع نہیں ہوگی، اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہوگی۔ (ابوداؤد)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے جب تک جہاد ہے ہجرت منقطع نہیں ہوگی اس کے علاوہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث، ہجرت کے عموم اور اطلاق پر دلالت کرتی ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہجرت ہر زمانہ میں مشروع ہے، اور جس حدیث میں یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شہر فتح ہو گیا اس سے ہجرت نہیں ہے اور صفوان کی جس روایت میں ہے ہجرت منقطع ہو گئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت منقطع ہو گئی، کیونکہ ہجرت کا معنی ہے کفار کے شہر سے نکلنا اور جب کوئی شہر فتح ہو گیا تو پھر وہ کفار کا شہر نہیں رہا، اس لیے اب اس شہر سے ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا، ہر شہر کا یہی حکم ہے اس لیے ہجرت کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) جو لوگ کفار کے شہر میں ہوں اور اس شہر سے ہجرت پر قادر ہوں، اور ان کے لیے ان کافروں کے ساتھ رہتے ہوئے دین کا اظہار کرنا اور فرائض و واجبات کو ادا کرنا ممکن نہ ہو، ان لوگوں پر ہجرت کرنا واجب ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا فاولئک ماواہم جہنم وساءت مصیرا (نساء: ۹۷) کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ برا ٹھکانا ہے" اور یہ بہت شدید وعید ہے

جو وجوب پر دلالت کرتی ہے نیز اس لیے کہ واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے اور واجبات کی ادائیگی ہجرت پر موقوف ہو تو ہجرت واجب ہو جائے گی۔

(۲) جو شخص کفار کے ملک میں فرائض وغیرہ کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور کسی عذر کی بنا پر ہجرت نہ کر سکتا ہو مثلاً بیمار ہو، یا اس کو جبراً ٹھہرایا گیا ہو یا عورتوں اور بچوں کا ضعف ہو تو اس پر ہجرت واجب نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یہتدون سبیلا ہ فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنہم و کان اللہ عفوا غفورا۔

(النساء: ۹۹-۹۸)

الا یہ کہ مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہوں اور کفار کے شہروں سے نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے، ان سے شاید اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بہت درگزر کرنے والا ہے۔

(۳) جو لوگ دار الکفر میں رہتے ہیں اور اس شہر سے ہجرت کرنے پر قادر ہوں لیکن وہ دار الکفر میں دین کے اظہار اور فرائض و واجبات کی ادائیگی بھی بخوبی کر سکتے ہوں، ان کے لیے ہجرت کرنا مستحب ہے واجب نہیں ہے، اور یہ استحباب اس وجہ سے ہے کہ وہ دار الاسلام میں رہ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شامل ہو سکیں گے، اور مسلمانوں کی افرادی قوت میں اضافہ کا سبب بنیں گے اور دیگر معاملات میں ان کے معاون ہوں گے اور کفار کے ساتھ اختلاط، ان کی عددی قوت میں اضافہ اور ان کے فواحش اور منکرات کو دیکھنے سے بچے رہیں گے اور ان پر ہجرت کرنا واجب اس لیے نہیں ہے کہ وہ ہجرت کے بغیر بھی فرائض اور واجبات کو ادا کر سکتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے باوجود مکہ میں مقیم رہے اور روایت ہے کہ حضرت نعیم نحام نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کی قوم (بنو عدی) ان کے پاس گئی اور کہا تم اپنے دین پر قائم رہو اور ہمارے پاس ٹھہرو اور جو شخص تمہیں اذیت پہنچانے کا ارادہ کرے گا ہم تم کو اس سے محفوظ رکھیں گے اور تم جو ہماری کفالت کیا کرتے تھے وہ کرتے رہنا (حضرت نعیم بنو عدی کے یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے) سو ایک مدت تک انہوں نے ہجرت نہیں کی اور کافی عرصہ کے بعد انہوں نے ہجرت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تمہاری قوم میری قوم سے بہتر ہے، میری قوم نے مجھے وطن سے نکال دیا اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اور تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت اور حمایت کی اور تمہیں جانے نہیں دیا، حضرت نعیم نے کہا یا رسول اللہ! بلکہ آپ کی قوم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دشمن کے خلاف جہاد کی طرف نکالا اور میری قوم نے مجھے ہجرت اور اللہ کی عبادت سے روک لیا۔[1]

علامہ ابن قدامہ نے جو ہجرت کی تیسری قسم بیان کی ہے آج کل اس کا مصداق وہ مسلمان ہیں جو معاشی ضروریات کی بنا پر ترک وطن کر کے، انگلینڈ، آسٹریلیا، امریکہ، ہالینڈ، مغربی جرمنی اور افریقہ وغیرہ میں سکونت اختیار کر چکے ہیں اور

[1] علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ ھ، المغنی ج ۹ ص ۲۳۶-۲۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

الحملہ نے ان علاقوں کی مستقل شہریت اختیار کر لی ہے، کتاب الجہاد میں ہم نے اس مسئلہ کو زیادہ تفصیل اور تحقیق سے بیان کیا ہے۔

بَابُ كَيْفِيَّةِ بَيْعَةِ النِّسَاءِ

عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ

۴۷۱۹ - حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَتِ الْمُؤْمِنَاتُ إِذَا هَاجَرْنَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْتَحَنَّ بِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهٰذَا مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ فَقَدْ أَقَرَّ بِالْمِحْنَةِ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْرَرْنَ بِذٰلِكَ مِنْ قَوْلِهِنَّ قَالَ لَهُنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقْنَ فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ وَلَا وَاللّٰهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ قَالَتْ عَائِشَةُ وَاللّٰهِ مَا أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النِّسَاءِ قَطُّ إِلَّا بِمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَمَا مَسَّتْ كَفُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَّ امْرَأَةٍ قَطُّ وَكَانَ يَقُولُ لَهُنَّ إِذَا أَخَذَ عَلَيْهِنَّ قَدْ بَايَعْتُكُنَّ كَلَامًا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان عورتیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو آپ اس آیت کی بناء پر ان کا امتحان لیتے تھے، (ترجمہ:) اے نبی جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں آئیں اور آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو شریک نہیں بنائیں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی الخ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مسلمان عورتوں میں سے جو عورت ان باتوں کا اقرار کر لیتی، اس کا امتحان مستند سمجھا جاتا اور جب وہ ان باتوں کا اقرار کر لیتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: جاؤ میں تمہیں بیعت کر چکا ہوں! بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا، ہاں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو زبان سے بیعت کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے انہی باتوں کا عہد لیا جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کبھی کسی عورت کی ہتھیلی سے مس نہیں ہوئی، آپ جب بھی ان سے بیعت لیتے تو زبانی فرما دیتے میں نے تم سے بیعت کر لی۔

۴۷۲۰ - وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ وَأَبُو الطَّاهِرِ قَالَ أَبُو الطَّاهِرِ أَخْبَرَنَا وَقَالَ هَارُونُ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ عَنْ بَيْعَةِ النِّسَاءِ قَالَتْ مَا مَسَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی بیعت کے متعلق بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوا، البتہ آپ ان سے زبانی عہد لیتے تھے اور جب وہ عہد کر لیتیں تو آپ فرماتے جاؤ میں نے تم کو بیعت کر لیا۔

امْرَأَةً قَطُّ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهَا فَإِذَا أَخَذَ عَلَيْهَا فَأَعْطَتْهُ قَالَ اذْهَبِي فَقَدْ بَايَعْتُكِ.

ف: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت کا ہاتھ پکڑے بغیر ضرورت کی بناء پر اس سے کلام کرنا جائز ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ مردوں سے ہاتھ پکڑ کر بیعت کرنا چاہیے، اور یہ کہ ضرورت کے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے، اور یہ کہ ضرورت شرعی کے بغیر عورت کے بدن کو چھونا جائز نہیں ہے، اس میں علاج معالجہ کی ضروریات داخل ہیں۔

بَابُ ٦٢٢ الْبَيْعَةِ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِيمَا اسْتَطَاعَ

حسب استطاعت احکام سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت

۴۷۲۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ أَيُّوبَ) قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ كُنَّا نُبَايِعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتَ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کرتے تھے، اور آپ ہم سے فرماتے تھے "جن کاموں کی تم میں استطاعت ہو۔"

ف: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر انتہائی شفقت ہے کہ آپ بیعت کے وقت امت کو یہ تلقین فرماتے کہ جن کاموں کی ہمیں استطاعت ہے تاکہ بیعت کے عموم میں ایسی چیزیں نہ داخل ہوں جن کی استطاعت نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص کسی کو دیکھے کہ وہ اپنی قدرت اور طاقت سے زیادہ کسی چیز کا التزام کر رہا ہے تو اسے منع کرے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من الاعمال ما تطیقون وہ کام کرو جو ہمیشہ کر سکو۔

بَابُ ٦٢٣ بَيَانِ سِنِّ الْبُلُوغِ

سن بلوغ کا بیان

۴۷۲۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عَرَضَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ فِي الْقِتَالِ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَمْ يُجِزْنِي وَعَرَضَنِي يَوْمَ الْخَنْدَقِ وَأَنَا ابْنُ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ احد [illegible] نے آپ کو جہاد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش [illegible] وقت میری عمر چودہ سال تھی آپ نے مجھے اجازت نہیں دی، غزوۂ خندق میں میری عمر پندرہ سال تھی اس وقت پھر

خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَأَجَازَنِي قَالَ نَافِعٌ فَقَدِمْتُ عَلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ خَلِيفَةٌ فَحَدَّثْتُهُ هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ إِنَّ هَذَا لَحَدٌّ بَيْنَ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ فَكَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ أَنْ يَفْرِضُوا لِمَنْ كَانَ ابْنَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَمَنْ كَانَ دُونَ ذَلِكَ فَاجْعَلُوهُ فِي الْعِيَالِ۔

نے اپنے آپ کو پیش کیا تو آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ نافع کہتے ہیں جس زمانہ میں عمر بن عبدالعزیز خلیفہ تھے میں ان کے پاس جا کر یہ حدیث بیان کی، تو انھوں نے کہا یہ صغیر اور کبیر کے درمیان حد ہے پھر انھوں نے اپنے عاملوں کو یہ لکھ دیا کہ جو شخص پندرہ سال کا ہو اس کا حصہ مقرر کریں اور جو اس سے کم کا ہو اس کو بچوں میں شمار کریں۔

۴۷۲۳۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَعَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِي الثَّقَفِيَّ جَمِيعًا عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمْ وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَاسْتَصْغَرَنِي۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔ اس میں ہے کہ جب میں چودہ سال کا تھا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے صغیر سمجھا۔

بلوغت کے معیار میں مذاہب فقہاء

علامہ ابی مالکی قاضی عیاض مالکی کے حوالے سے لکھتے ہیں: امام شافعی، امام احمد، اور فقہاء مالکیہ میں سے ابن وہب کا مسلک یہ ہے کہ جب کسی لڑکے یا لڑکی کی عمر کے پندرہ سال مکمل ہو جائیں تو اس کو بالغ قرار دیا جائے گا خواہ لڑکے کو ابھی احتلام نہ ہوا ہو اور لڑکی کو حیض نہ آیا ہو، اور اسحاق نے یہ کہا ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں داخل ہوتے ہی اس کو بالغ قرار دیا جائے گا خواہ بلوغ کی علامات ظاہر نہ ہوئی ہوں، امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں صرف جہاد میں قتال کی اجازت دی جائے گی اور مال غنیمت سے حصہ مقرر کیا جائے گا، ان کے نزدیک اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) جہاد میں شرکت اور مال غنیمت سے حصہ لینے کے لیے پندرہ سال کی عمر کا ہونا ضروری ہے۔

(۲) اگر علامات بلوغ ظاہر نہ ہوں تو امام مالک کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے احکام کا مکلف ہونے کے لیے سترہ سال عمر ہونا ضروری ہے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک لڑکے کے لیے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لیے سترہ سال عمر کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) جنگ میں کافر کو قتل کرنے کے جواز کے لیے اس کا اتنی عمر کو پہنچنا کافی ہے کہ اس کے زیر ناف بال نکل آئے ہوں، یہ امام شافعی کا قول ہے۔

(۴) جس عمر میں اللہ اور بندے دونوں کے حقوق متعلق ہوتے ہیں جیسے حد زنا، حد سرقہ اور حد قذف وغیرہ، امام مالک کا اس میں ایک قول یہ ہے کہ اس کے زیر ناف بال واضح طور پر آگئے ہوں کیونکہ اس پر ہم یہ تہمت لگا سکتے ہیں کہ وہ حد ساقط کرنے کے لیے علامات بلوغ کو چھپا رہا ہے، اور زہری، عطاء اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ جس شخص کو

احتلام نہ ہوا ہو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، امام مالک کا ایک قول یہ بھی ہے اور بعض فقہاء مالکیہ نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں کہ مذہب مختار یہ ہے کہ لڑکا احتلام سے بالغ ہوتا ہے یا موئے زیر ناف اگنے سے یا عمر سے اور عمر میں اختلاف ہے، ایک قول میں پندرہ سال ہے، ایک قول میں سترہ سال ہے اور ایک قول میں اٹھارہ سال ہے اور لڑکی میں بھی عمر کے متعلق یہی اقوال ہیں، باقی لڑکی حیض یا حاملہ ہونے سے بالغ ہوتی ہے[1]

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

لڑکا احتلام سے یا کسی لڑکی کو حاملہ کر دینے سے یا وطی کے بعد انزال سے بالغ ہوتا ہے، اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو اٹھارہ سال مکمل ہونے کے بعد بالغ ہوتا ہے، اور لڑکی حیض، احتلام اور حاملہ ہونے سے بالغ ہوتی ہے، اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پھر وہ سترہ سال مکمل ہونے کے بعد بالغ ہوگی، یہ امام ابوحنیفہ کا نظریہ ہے، اور امام ابو یوسف اور امام محمد یہ کہتے ہیں کہ جب لڑکے اور لڑکی کے پندرہ سال مکمل ہو جائیں تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں، امام ابوحنیفہ سے بھی اس قول کی ایک روایت ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور امام شافعی سے ایک روایت یہ ہے کہ لڑکا انیس سال کی عمر میں بالغ ہوتا ہے، اس کی تقریر یہ کی گئی ہے کہ وہ اٹھارہ سال مکمل ہونے کے بعد انیسویں سال میں شروع ہو، پھر امام شافعی کا امام ابوحنیفہ سے کوئی اختلاف نہیں رہتا، لڑکے کے لیے بالغ ہونے کی کم از کم مدت بارہ سال فرض کی گئی ہے اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم از کم مدت نو سال فرض کی گئی ہے، امام ابوحنیفہ جو لڑکے کے بلوغ کے لیے اٹھارہ سال کی عمر کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے حتی یبلغ اشدہ۔ اور شدت اور پختگی اٹھارہ سال کی عمر میں آتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی تفسیر مروی ہے، اور لڑکیوں کا نشو و نما لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ سرعت سے ہوتا ہے اس لیے ہم نے ان کے حق میں ایک سال کم کر دیا۔[2]

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پندرہ سال کی عمر بالغ ہونے کی حد ہے اور یہی امام شافعی، امام اوزاعی، ابن وہب اور امام احمد کا مسلک ہے اور ان سب فقہاء نے یہ کہا ہے کہ پندرہ سال کی عمر پوری ہو جانے کے بعد انسان بالغ ہو جاتا ہے، خواہ اس کو احتلام نہ ہوا ہو اس پر عبادات وغیرہ کے احکام جاری ہو جائیں گے، اور وہ مال غنیمت میں سے حصہ کا مستحق ہوگا، اور اگر اہل حرب کے ساتھ میدان جنگ میں ہو تو قتل کر دیا جائے گا۔[3]

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

لڑکے اور لڑکی کا بالغ ہونا تین چیزوں میں سے کسی چیز کے ثبوت سے متحقق ہوتا ہے، یہ تین علامتیں دونوں میں مشترک ہیں اور بلوغ کی دو علامتیں لڑکی کے ساتھ مخصوص ہیں، جو تین علامتیں لڑکے اور لڑکی میں مشترک ہیں

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۱۴ - ۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
[2] علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۳۵۰ - ۳۵۰، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
[3] علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

وہ یہ ہیں:

(۱) شرمگاہ سے منی کا نکلنا (یعنی تیزی اور دھار سے وہ پانی نکلنا جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے) خواہ وہ منی نیند میں نکلے یا بیداری میں، جماع سے نکلے یا احتلام سے یا اور کسی طریقہ سے بھی نکلے تو اس سے بلوغت متحقق ہو جائے گی اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا بلغ الاطفال منکم الحلم فلیستاذنوا کما استاذن الذین من قبلھم۔ (النور: ۵۹)

اور جب تم میں سے لڑکے احتلام (بلوغت) کو پہنچ جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ (بھی) اسی طرح اجازت طلب کریں جس طرح ان سے پہلے (بالغ ہونے والے) مردوں نے اجازت طلب کی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رفع القلم عن ثلاث عن الصبی حتی یحتلم الحدیث۔ (جامع ترمذی وسنن ابوداؤد)

تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا ہے، بچہ سے حتی کہ اسے احتلام ہو۔۔۔۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا:

خذ من کل حالم دینارًا (سنن ابوداؤد)

ہر وہ شخص جس کو احتلام ہوتا ہو (یعنی بالغ ہو) اس سے ایک دینار لو۔

علامہ ابن منذر نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ فرائض اور احکام اس شخص پر واجب ہوتے ہیں، جو عاقل اور محتلم ہو اور عورت پر احکام اس وقت واجب ہوتے ہیں جب اس کو حیض آجائے۔

(۲) انبات: اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کے ذکر پر یا عورت کی فرج پر سخت بال اگ جائیں جن کو استرے سے صاف کیا جاتا ہے۔ امام مالک نے بھی لڑکے اور لڑکی کی بلوغت میں اس علامت کا اعتبار کیا ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مشرکین کے بچوں کی علامت ہے اور کیا مسلمانوں کے بلوغ کی بھی یہ علامت ہے؟ سو اس میں دو قول ہیں، امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ سخت زیر ناف کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ بدن کے اور بالوں کی طرح بال ہیں، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کا حکم بنایا تو انہوں نے کہا ان کے جنگجو افراد کو قتل کیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کر لیا جائے اور یہ حکم دیا کہ ان کے تہبند کھول کر دیکھے جائیں، سو جس کے بال اگ آئے تھے اس کو جنگجو افراد میں شامل کیا اور جن کے بال نہیں اگے تھے ان کو بچوں میں شامل کیا، اور عطیہ قرظی کہتے ہیں کہ یوم قریظہ کو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، لوگوں کو میری بلوغت کے متعلق شک تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس کے بال اگے ہیں یا نہیں، لوگوں نے دیکھا تو میرے بال ابھی نہیں اگے تھے سو مجھ کو بچوں میں شامل کر دیا گیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو یہ لکھا کہ صرف اس شخص سے جزیہ لو جو استرا استعمال کرتا ہو، نیز اس لیے کہ ان بالوں کا اگنا بلوغت کو لازم ہے اور یہ علامت مذکر اور مؤنث دونوں کو لازم ہے سو یہ بھی احتلام کی طرح بلوغت کی علامت ہے اور اس لیے کہ ایک چیز خارج متصل ہے اور ایک چیز خارج منفصل ہے سو جب خارج منفصل بلوغت کی علامت

ہے تو نماز حمل کو بھی بلوغت کی علامت ہونا چاہیے، نیز جو چیز مشرکین کے حق میں بلوغت کی علامت ہے وہ مسلمانوں کے حق میں بھی بلوغت کی علامت ہونی چاہیے۔

(۳) مذکر اور مؤنث میں بلوغت کی تیسری مشترک علامت عمر ہے اور لڑکا اور لڑکی دونوں جب پندرہ سال کے ہو جائیں تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں، امام اوزاعی، امام شافعی، امام ابویوسف اور امام محمد کا یہی قول ہے اور داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ بلوغت میں عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھا لیا گیا، بچے سے حتیٰ کہ اسے احتلام ہو جائے، الحدیث۔ اس لیے بغیر احتلام کے بلوغت کا اعتبار کرنا حدیث کے خلاف ہے، یہ امام مالک کا قول ہے، اور فقہاء مالکیہ نے سترہ یا اٹھارہ سال کا اعتبار کیا ہے۔ لڑکے کے متعلق امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں ایک سترہ سال کی ہے اور دوسری اٹھارہ سال کی ہے، اور لڑکی کے لیے ہر حال میں سترہ سال کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ حد بغیر توقیف اور اتفاق کے ثابت نہیں ہوتی اور اس مسئلہ میں نہ کوئی نص وارد ہے اور نہ اتفاق ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے چودہ سال کی عمر میں غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، تو آپ نے مجھے جہاد میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی اور جب میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ نے اجازت دے دی (صحیح بخاری و صحیح مسلم) حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب بچے کے پندرہ سال پورے ہو جائیں تو اس پر احکام فرض ہو جاتے ہیں اور اس پر حدود نافذ ہو جاتی ہیں، نیز جس طرح انزال کی وجہ سے بلوغت میں مذکر اور مؤنث برابر ہیں اسی طرح عمر کے لحاظ سے بلوغت میں بھی دونوں کو مساوی ہونا چاہیے، ہم نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان سے اصحاب ابوحنیفہ کے دلائل کا جواب واضح ہو جاتا ہے اور جس حدیث سے داؤد ظاہری نے استدلال کر کے بلوغت میں عمر کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے، اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دوسری علامتوں کی نفی نہیں ہے، اسی وجہ سے مسے زیر ناف کا بلوغت میں اعتبار کیا گیا ہے حالانکہ اس حدیث میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

رہا حیض تو یہ بلوغت کی ایسی علامت ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ دوپٹہ کے بغیر حائضہ (بالغہ) کی نماز کو قبول نہیں کرتا، اور حمل بھی بلوغت کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت کے پانی کے بغیر بچہ کو پیدا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فلینظر الانسان مم خلق ○ خلق من ماء دافق ○ یخرج من بین الصلب والترائب ۔ (طارق: ۷-۵)

پھر انسان غور سے دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

اور احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کیا ہے کہ جب لڑکی حاملہ ہو جائے تو وقت حمل سے اس کی بلوغت کا حکم لگایا جائے گا۔[1]

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۴ ص ۲۹۵-۲۹۴، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

بَابُ النَّهْيِ أَنْ يُسَافَرَ بِالْمُصْحَفِ إِلَى أَرْضِ الْكُفَّارِ إِذَا خِيفَ وُقُوعُهُ بِأَيْدِيهِمْ

کفار کے ہاتھ لگنے کا خطرہ ہو تو قرآن مجید کو ارض کفار میں لے جانے کی ممانعت

۴۷۲۴ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے ملک میں قرآن مجید لے کر سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۴۷۲۵ - وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ رُمْحٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَنْهَى أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ مَخَافَةَ أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کی سرزمین میں قرآن مجید لے کر سفر کرنے سے منع فرماتے تھے، اس خوف سے کہ دشمن کے ہاتھ قرآن مجید لگ جائے گا۔

۴۷۲۶ - وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ وَأَبُو كَامِلٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فَإِنِّي لَا آمَنُ أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ قَالَ أَيُّوبُ فَقَدْ نَالَهُ الْعَدُوُّ وَخَاصَمُوكُمْ بِهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو لے کر سفر نہ کرو، کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ وہ دشمن کے ہاتھ پڑ جائے گا، راوی ایوب نے کہا قرآن مجید دشمن کے ہاتھ لگ گیا تو وہ قرآن مجید کے ساتھ تم سے مقابلہ کرے گا۔

۴۷۲۷ - حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ عُلَيَّةَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَالثَّقَفِيُّ كُلُّهُمْ عَنْ أَيُّوبَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ أَخْبَرَنَا الضَّحَّاكُ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ جَمِيعًا عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ ابْنِ عُلَيَّةَ وَالثَّقَفِيِّ فَإِنِّي أَخَافُ وَفِي حَدِيثِ سُفْيَانَ وَحَدِيثِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ مَخَافَةَ أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ.

امام مسلم نے اس حدیث کی تین سندیں بیان کی ہیں، ایک سند کے ساتھ حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خوف ہے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: دشمن کے ہاتھ لگنے کے خوف سے۔

ارض کفار میں قرآن کے ساتھ سفر کرنے اور کفار کو خطوط میں آیات قرآن لکھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قرآن مجید کو ارضِ کفار میں لے جانے سے منع فرمایا ہے، اور اس کی علت حدیث میں یہ بیان کی ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کفار کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس کی بے حرمتی کریں، اور جب یہ علت نہ ہو بایں طور کہ مسلمانوں کا لشکر غلبہ کے ساتھ ارضِ کفار میں داخل ہو تو پھر اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور علت نہ ہونے کی وجہ سے ممانعت نہیں ہے، یہی قول صحیح ہے، امام ابوحنیفہ، امام بخاری، اور دیگر فقہاء اور محدثین کا یہی قول ہے، امام مالک اور بعض فقہاء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ ممانعت مطلقاً ہے، اور ابن منذر نے امام ابوحنیفہ سے مطلقاً جواز کی روایت نقل کی ہے، اور امام ابوحنیفہ کا صحیح قول وہی ہے جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ نیز فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ کفار کی طرف ایسا مکتوب روانہ کرنا جائز ہے جس میں قرآن مجید کی چند آیات لکھی ہوئی ہوں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف ایک مکتوب روانہ کیا تھا جس میں قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی تھیں، امام مالک اور دیگر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جن دراہم اور دنانیر وغیرہ پر اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا ذکر لکھا ہوا ہو ان کا کفار کے ساتھ معاملہ کرنا مکروہ ہے۔ [1]

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ قرآن مجید کو ساتھ لے کر سفر کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک اور ان کے قدیم اصحاب اس سے منع کرتے تھے، خواہ لشکر بڑا ہو، اس لیے کہ کبھی انسان بھول جاتا ہے اور کبھی مصحف کریم گر جاتا ہے، ابن منذر نے امام ابوحنیفہ سے مطلقاً جواز کی روایت نقل کی ہے اور ان کا صحیح قول یہ ہے کہ بڑے لشکروں میں قرآن مجید کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اور چھوٹے لشکروں میں قرآن مجید کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ بڑے لشکروں میں دشمن کے ہاتھ قرآن مجید کا لگ جانا نادر الوقوع ہے سو یہ وثوق کی وجہ نہیں ہے، فقہاء نے ان کی طرف خطوط میں قرآن مجید کی آیات لکھنے کو جائز کہا ہے، کیونکہ ان کو خطوط میں اسلام کی دعوت دی جا سکتی ہے البتہ امام مالک نے الکافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینے سے منع کیا ہے اور امام ابوحنیفہ نے اس کو جائز کہا ہے۔ امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، جو جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کافر اس وجہ سے اسلام قبول کر لے اور جو ناجائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ فی الحال کافر نجس ہے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب کا دشمن ہے اور کافر کو خط میں قرآن مجید کی آیات کو لکھنا، ان آیات کو قرآن کے خطرہ میں ڈالنا ہے، امام مالک کے نزدیک جن دراہم اور دنانیر پر اللہ کا نام لکھا ہوا انہیں کفار کو دینا مکروہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس طرح کے درہم اور دینار نہیں تھے۔ [2]

علامہ بدر الدین عینی حنفی حدیث ہرقل کے تحت لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دشمن کی سرزمین میں سفر کرنے کی ممانعت مصحف یا بڑی سورتوں پر محمول ہے، ایک آیت یا دو آیتوں کو ارضِ کفار میں بھیجنا ممنوع نہیں ہے، علامہ ابن بطال نے کہا

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ، شرح مسلم ج ٢ ص ١٣٢، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ١٣٧٥ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ٨٢٨ھ، اکمال اکمال المعلم ج ٥ ص ٢٢١، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء اسلام میں ہرقل کی طرف خط لکھا تھا جس میں قرآن مجید کی آیات لکھی تھیں، کیونکہ اس وقت اسلام کی دعوت عام کرنا ضروری تھا، بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ممکن ہے یہ قرآن مجید کی آیات کندہ ہوں وہ مشرکین کو دے دیے جائیں، (علامہ عینی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ خطابی کا کلام زیادہ صحیح ہے، کیونکہ علامہ ابن بطال کے کلام سے نسخ لازم آتا ہے، اور ارض کفار میں قرآن مجید کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت اس صورت میں ہے جب یہ خطرہ ہو کہ قرآن مجید کافروں کے ہاتھ لگ جائے گا اور وہ اس کی بے حرمتی کریں گے۔[1]

بَابُ الْمُسَابَقَةِ بَيْنَ الْخَيْلِ وَتَضْمِيرِهَا

گھوڑ دوڑ میں مقابلہ اور اس کی تیاری کا بیان

۴۷۲۸ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بِالْخَيْلِ الَّتِي قَدْ أُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَكَانَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ فِيمَنْ سَابَقَ بِهَا.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار شدہ گھوڑوں میں حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک دوڑ کا مقابلہ کرایا اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں میں ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک مقابلہ کرایا، حضرت ابن عمر نے بھی اس دوڑ میں حصہ لیا تھا۔

ف: اضمار کا معنی ہے کہ گھوڑے کا چارہ کم کر کے اسے ایک گرم جھول پہنا کر کسی کوٹھری میں بند کر دیں تاکہ اس کو خوب پسینہ آئے اس سے اس کا گوشت کم ہو اور وہ زیادہ تیز دوڑ سکے۔

۴۷۲۹ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَمُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح وَحَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ وَأَبُو الرَّبِيعِ وَأَبُو كَامِلٍ قَالُوا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ) عَنْ أَيُّوبَ ح وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَعُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا

امام مسلم نے اس حدیث کی نو سندیں ذکر کیں، ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں آگے نکل گیا اور گھوڑا لے کر مسجد میں چڑھ گیا۔

[1] علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۱۰۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

يَحْيَى وَهُوَ الْقَطَّانُ، جَمِيعًا عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ح وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ ح وَحَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ (يَعْنِي ابْنَ زَيْدٍ) كُلُّ هٰؤُلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِمَعْنَى حَدِيثِ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ وَزَادَ فِي حَدِيثِ أَيُّوبَ مِنْ رِوَايَةِ حَمَّادٍ وَابْنِ عُلَيَّةَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَجِئْتُ سَابِقًا فَطَفَّفَ بِي الْفَرَسُ الْمَسْجِدَ ۔

دوڑ کا مقابلہ (ریس) منعقد کرانے میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: اس باب کی احادیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اضمار شدہ اور غیر اضمار شدہ گھوڑوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کرایا، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کرانا جائز ہے اور گھوڑوں کو اضمار کرنا بھی جائز ہے، اضمار سے یہ مراد ہے کہ پہلے گھوڑوں کو کھلایا پلایا جائے، پھر ان کا کھانا بتدریج کم کیا جائے یا ان کا چارہ کم کر کے ان کو ایک کوٹھڑی میں رکھا جائے اور ان پر جھول ڈال دی جائے تاکہ ان کو خوب پسینہ آئے اور ان کے دوڑنے کی صلاحیت بڑھ جائے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ گھوڑوں میں دوڑ کا مقابلہ کرانا مباح ہے یا مستحب ہے، ہمارے اصحاب (فقہاء شافعیہ) کا مذہب یہ ہے کہ مسابقت یعنی دوڑ کا مقابلہ کرانا مستحب ہے، اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ بلا عوض دوڑ کا مقابلہ کرانا گھوڑوں کی تمام اقسام میں جائز ہے خواہ ان کے درمیان کوئی تیسرا شخص ہو یا نہ ہو اور عوض کے بدلہ میں بھی مسابقت بالاجماع جائز ہے لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ مقابلہ کرنے والوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص عوض ادا کرے، اور اگر عوض مقابلہ کرنے والوں کے درمیان ہو تو پھر اس کے جواز کے لیے ان کے درمیان کسی تیسرے شخص کا بحیثیت محلل[2] ہونا ضروری ہے۔ اس باب کی احادیث میں عوض کا ذکر نہیں ہے۔[1]

دوڑ کا مقابلہ منعقد کرانے میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ مسابقت یہ ہے کہ ایک مقام مقرر کر دیا جائے پھر دو فریقوں میں سے ہر ایک اس مقام تک دوسرے سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرے

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[2] محلل کی وضاحت فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف کے حوالوں میں آرہی ہے۔ منہ

مسابقت گھوڑوں اور اونٹوں کے دوڑانے میں ہوتی ہے، کسی ہدف پر تیر سے نشانہ لگانے میں ہوتی ہے، اور دو انسانوں کے دوڑنے میں بھی ہوتی ہے، پہلی تین چیزوں میں مسابقت کا ثبوت اس حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا سبق الا فی خف او حافر او نصل (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۸) "مسابقت صرف اونٹوں میں، یا گھوڑوں میں، یا تیر اندازی میں ہے" اور انسانوں کے دوڑنے میں مسابقت کا ثبوت حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے (حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ایک انصاری سے دوڑنے میں مقابلہ کیا اور جیت گئے۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۵، سعیدی غفرلہ) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو دوڑنے میں مقابلہ کیا تھا اس سے بھی جواز ثابت ہوتا ہے۔ امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ انھا کانت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر قالت فسابقتہ فسبقتہ علی رجلی فلما حملت اللحم سابقتہ فسبقنی فقال ھذہ بتلک السبقۃ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھیں، وہ کہتی ہیں میں نے حضور سے دوڑنے میں مقابلہ کیا اور میں پہلے پہنچ گئی پھر جب میرا بدن فربہ ہو گیا، تو میں نے پھر مقابلہ کیا اس دفعہ حضور مجھ پر سبقت لے گئے، آپ نے فرمایا یہ سبقت، اس سبقت کے جواب میں ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور پاکستان۔)

اس حدیث سے انسانوں کے آپس میں دوڑ کے مقابلہ کا ثبوت ہے، بعض فقہاء شافعیہ نے کبوتروں اور گدھوں میں بھی مسابقت کو جائز کہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ دوڑ کے مقابلہ اور تیر اندازی کے مقابلہ میں کامیاب ہونے والے شخص کو انعام دینے میں اور اس پر شرط لگانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور شرطیکہ یہ شرط جانبین سے نہ ہو مثلاً ہر فریق اس کا اقرار کرے کہ غالب ہونے والے شخص کو مغلوب اتنی رقم ادا کرے گا، یہ قمار اور جوا ہے اور قرآن مجید کی نص قطعی سے حرام ہے، اور اگر ایک فریق دوسرے سے کہے کہ تم کامیاب ہو گئے تو میں تم کو یہ انعام دوں گا اور دوسرا فریق اس کے مقابلہ میں کسی چیز کا التزام نہ کرے تو پھر جائز ہے یا تیسرا شخص دونوں سے کہے کہ تم میں سے جو بھی کامیاب ہو گیا میں اس کو یہ انعام دوں گا، یہ بھی جائز ہے۔ سعیدی غفرلہ) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مسابقت اور تیر اندازی کے علاوہ اور کسی مقابلہ میں انعام کی شرط لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ سنن ابوداؤد کی جو روایت گزر چکی ہے اس میں صرف اونٹوں یا گھوڑوں کی دوڑ اور تیر اندازی میں مسابقت کا انحصار بیان کیا گیا ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک انعام کی شرط رکھنے کا جواز صرف گھوڑوں کی دوڑ میں ہے، کیونکہ گھوڑوں کی دوڑ میں انعام رکھنا اہل عرب کا معروف طریقہ تھا۔ علماء نے کہا ہے کہ ہر چیز میں مسابقت جائز ہے، اور شاید ان کی مراد یہ ہے کہ انعام کی شرط کے بغیر ہر چیز میں مسابقت جائز ہے ورنہ یہ جمہور کے قول کے خلاف ہے، اور اس میں قمار اور جوا ہے، جس کی ممانعت ہے اور ناجائز طریقہ سے دوسرے کا مال کھانا ہے (علامہ ابی مالکی کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ جوا تو ہر چیز میں ناجائز ہے، حتیٰ کہ گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ کی مسابقت اور تیر اندازی کی مسابقت میں جانبین سے شرط لگانا قمار اور جوا ہے اور ناجائز اور حرام ہے، ہاں اس میں ایک جانب سے شرط لگانا جائز ہے اسی طرح باقی چیزوں کی مسابقت میں بھی ایک جانب سے شرط لگانا جائز ہے

اور یہ قمار نہیں ہے اور اس میں ناجائز طریقہ سے دوسرے کا مال کھانا لازم آتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں، کہ مسابقت کی چار صورتیں ہیں، ایک صورت بالاتفاق جائز ہے اور ایک صورت بالاتفاق ممنوع ہے اور دو صورتیں مختلف فیہ ہیں۔

(۱) جو شخص گھوڑا دوڑانے میں حصہ نہیں لے رہا وہ ایک انعام مقرر کرے اور یہ اعلان کرے کہ جس شخص کا گھوڑا اوّل آئے گا اس کو یہ انعام دیا جائے گا یا تین پوزیشنوں کے تین اعلان کر دے، اور اعلان کے مطابق انعام دیا جائے، اس صورت کے جواز پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کیونکہ اس میں قمار اصلاً نہیں ہے۔

(۲) گھوڑا دوڑانے والوں میں سے ہر شخص ایک انعام رکھے (مثلاً دس آدمیوں میں سے ہر شخص پانچ روپے انعام رکھے) اور جس کا گھوڑا اوّل آئے وہ سب کے انعام سمیٹ کر لے جائے، (مثلاً اس صورت میں وہ پچاس روپے لے جائے) یہ صورت تمام فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ اس میں غرر اور خطر (دھوکا اور خطرہ، Risk) ہے اور یہ وہ قمار اور میسر ہے جس کو قرآن مجید نے حرام کر دیا ہے۔

(۳) دو گھوڑا دوڑانے والے ایک تیسرے شخص کو اپنے درمیان داخل کر لیں، اس کو محلل کہتے ہیں، دو مقابلہ کرنے والے انعام کی شرط رکھیں، اور یہ شخص کوئی شرط نہ رکھے اور یہ طے کریں کہ اگر محلل کا گھوڑا اوّل آگیا تو وہ ان دونوں کے رکھے ہوئے انعام لے جائے گا اور اگر محلل کے علاوہ ان دونوں میں سے کسی کا گھوڑا اوّل آگیا تو وہ دونوں انعام لے جائے گا، ابن مسیب اور امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے اور امام مالک کے اس میں دو قول ہیں اور زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے۔

(۴) گھوڑا دوڑانے والے دو مثلاً دو شخصوں میں سے ایک شخص ایک معین انعام کی شرط رکھے اور دوسرا شخص کوئی شرط نہ رکھے اور یہ طے کیا جائے کہ جس شخص کا گھوڑا اوّل آئے گا وہ انعام لے جائے گا خواہ یہ وہ شخص ہو جس نے انعام رکھا تھا یا دوسرا شخص ہو، اس کو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے جائز کہا ہے اور امام مالک سے اس میں بھی دو قول ہیں۔ [1]

دوڑ کا مقابلہ منعقد کرانے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: مسابقت (یعنی گھوڑوں اور اونٹوں میں دوڑ کا مقابلہ کرانا) سنت اور اجماع سے جائز ہے، سنت کے ثبوت میں علامہ ابن قدامہ نے صحیح مسلم کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس کی ہم تشریح کر رہے ہیں، پھر لکھتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا مسابقت کے جواز پر اتفاق ہے، مسابقت کی دو قسمیں ہیں ایک عوض کے ساتھ اور ایک بلا عوض، جو مسابقت بلا عوض ہو وہ مطلقاً جائز ہے، خواہ انسانوں کا دوڑ میں مقابلہ ہو، یا گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ کا مقابلہ کرایا جائے، یا کشتیوں وغیرہ کا مقابلہ ہو، یا پہلوانی میں مقابلہ ہو۔

جس مسابقت میں عوض ہو (یعنی اس پر کسی انعام کی شرط رکھی جائے) وہ گھوڑوں، اونٹوں اور تیر اندازی کے سوا اور کسی چیز میں جائز نہیں ہے، ان تین چیزوں میں عوض کو اس لیے جائز قرار دیا گیا ہے کہ یہ آلات جنگ میں سے ہیں اور

بیروت

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۱۸-۲۱۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ

ان کو سیکھنے اور ان کی مشق حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جب ان چیزوں پر انعام کی شرط رکھ کر ان میں مقابلہ کرایا جائے گا تو ان میں مشق اور مہارت حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی جائے گی، اور شریعت میں ان کی مشق کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم۔

(الانفال: ٦٠)

جس قدر تم سے ہو سکے دشمن کے خلاف اس قدر طاقت حاصل کرو اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ کرو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الا ان القوة الرمى الا ان القوة الرمى۔ سنو! قوت تیر اندازی ہی ہے سنو! قوت تیر اندازی میں ہے۔

امام احمد کے علاوہ زہری اور امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے کہ ان تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں مسابقت بالعوض جائز نہیں ہے اور اہل عراق نے کہا ہے کہ انسانوں کے دوڑنے اور چڑائی کے مقابلہ میں بھی انعام رکھ کر مسابقت جائز ہے، کیونکہ ان دونوں کے متعلق بھی احادیث ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دوڑنے میں مسابقت کی، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۸، ۳۴۹ سنن ابن ماجہ ص ۱۴۲ مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۴، ۱۲۹، ۳۹) اسی طرح حضرت سلمہ بن اکوع نے ایک انصاری سے دوڑنے میں مقابلہ کیا، (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۵، سعیدی غفرلہ) اور حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے کشتی میں مقابلہ کیا، فقہاء شافعیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، اسی طرح پرندوں اور کشتیوں کی مسابقت کے متعلق بھی ان کے دو قول ہیں۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیر اندازی، اونٹ یا گھوڑوں کی دوڑ کے سوا کسی چیز میں مسابقت (جائز) نہیں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین چیزوں کے سوا ہر چیز میں مسابقت کی نفی کر دی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ انعام کی شرط کے ساتھ ان تین کے علاوہ اور کسی چیز میں مسابقت جائز نہیں ہے، اور چونکہ انعام کی شرط کے بغیر تمام چیزوں میں مسابقت کے جواز پر اجماع ہے اس لیے یہ متعین ہو گیا کہ حدیث میں انعام اور شرط کے ساتھ ان تین کے علاوہ باقی چیزوں میں مسابقت (کے جواز) کی نفی کی ہے اور یہ ہمارے موقف پر واضح دلیل ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ان تینوں کے علاوہ باقی چیزوں کی جہاد میں ضرورت نہیں ہوتی (علامہ ابن قدامہ کے زمانے میں ایسا ہی ہو گا لیکن اس زمانہ میں آلات جہاد کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور اس علت کی بناء پر مسابقت کا دائرہ بھی وسیع ہو جائے گا، سعیدی غفرلہ) فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ ہر نوک دار ہتھیار میں مسابقت جائز ہے اور نیزہ اور تلوار میں ان کے دو قول ہیں، اسی طرح گدھوں اور خچروں کی مسابقت میں بھی ان کے دو قول ہیں۔ [1]

[1] علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ٦٢٠ھ، المغنی ج ٩ ص ٣٦٩-٣٦٨، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ١٤٠٥ھ

دوڑ کا مقابلہ منعقد کرانے میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں:

تیر اندازی، گھوڑا یا اونٹ دوڑانے اور قدموں کے ساتھ دوڑنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ یہ چیزیں جہاد کے اسباب سے ہیں، اس لیے ان میں مسابقت مستحب ہے، ملتقی اور مجمع میں ہے کہ خچر اور گدھے میں بھی مسابقت مستحب ہے، مصنف نے یہاں تو اس کو جائز لکھا ہے اور مسائل شتی میں اس کے خلاف لکھا ہے اور وہاں مسابقت کو صرف تیر اندازی، گھوڑے یا اونٹ یا قدموں کی مسابقت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، یعنی خچر اور گدھے میں مسابقت کو وہاں ناجائز لکھا ہے۔ (شامی) امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک شرط لگا کر قدموں کے ساتھ مسابقت جائز نہیں ہے، اور بغیر شرط کے تمام کھیلوں میں مسابقت جائز ہے، مسابقت میں شرط کے ذریعہ جو مال حاصل ہو وہ جائز ہے بشرطیکہ شرط ایک جانب سے ہو، مثلاً حامد محمود سے کہے اگر میرا گھوڑا یا اونٹ تمہارے گھوڑے یا اونٹ سے آگے نکل جائے تو تم کو مجھے سو روپے دینے ہوں گے، اور اگر تمہارا گھوڑا یا اونٹ میرے گھوڑے یا اونٹ سے آگے نکل جائے تو مجھ پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ (شامی) اور اگر مسابقت میں دونوں جانب سے شرط لگائی گئی تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ قمار اور جوا ہے، ہاں اس صورت میں حرام نہیں ہے جب وہ دونوں تیسرے شخص کو بطور محلل اپنے درمیان داخل کر لیں بشرطیکہ اس کا گھوڑا دوڑنے میں ان کے گھوڑوں کے برابر ہو اور دوڑ میں آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو مثلاً یہ کہ مسابقت کرنے والے دونوں شخص تیسرے شخص کو اس مقابلہ میں داخل کریں اور اس سے یہ کہیں کہ اگر تم دونوں پر سبقت کر جاؤ تو ہم دونوں کا مال تمہارا ہے اور اگر ہم تم پر سبقت کر جائیں تو ہم تم سے کچھ نہیں لیں گے۔ مغرب میں ہے کہ جب وہ شخص اپنے درمیان محلل کو داخل کر لیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے یہ کہے اگر تم مجھ پر سبقت لے جاؤ تو میں تم کو دس روپے دوں گا، اور اگر میں تم سے آگے نکل گیا تو میں تم سے دس روپے لوں گا اور اگر تیسرا شخص یعنی محلل آگے نکل گیا تو اس کو کچھ نہیں ملے گا اس سے معلوم ہوا کہ محلل کو داخل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ اس صورت کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تیسرا شخص یعنی محلل کو کچھ تاوان اور یقینی نہیں ہے ہو سکتا ہے ملے یا نہ ملے اس وجہ سے یہ صورت قمار سے خارج ہو گئی۔ (شامی) کشتی کرنا بدعت نہیں ہے لیکن اگر کشتی سے جہاد میں قوت حاصل کرنا ہو تو قربت ہے اور اگر اس سے محض کھیل کود مقصود ہو تو مکروہ ہے، اور مال کی شرط کے بغیر ہر چیز میں مسابقت کرنا جائز ہے مثلاً دوڑنے، کبوتر اڑانے اور پہیلیاں بوجھنے میں مسابقت جائز ہے، اسی طرح کسی ماہر اور تجربہ کار شخص کے لیے حلال کھیل دکھانا بھی جائز ہے، مثلاً سانپ پکڑ کر دکھانا وغیرہ۔[1]

مسابقت کی اس بحث میں چونکہ قمار اور میسر (جوا) کا ذکر آگیا ہے اس لیے ہم یہاں اختصار کے ساتھ قمار اور میسر کا لغوی معنی اور شرعی معنی اور اس کے احکام ذکر کریں گے۔

جوئے کی تعریف

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

صحاح میں قمار کا معنی یہ بیان کیا ہے: کسی شخص کا کھیل میں دوسرے شخص پر غالب آنا۔[2]

---

[1] علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص [illegible] مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول [illegible]

[2] علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۳ ص [illegible] مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر [illegible]

نیز علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

میسر کا معنی ہے تیروں سے جوا کھیلنا، میسر اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر عرب جوا کھیلتے تھے، جب وہ لوگ جوا کھیلنے کا ارادہ کرتے تو ایک اونٹ ادھار خرید لیتے اور اس کو ذبح کرکے اس کے دس یا اٹھائیس حصے کرتے پھر تیروں سے قرعہ اندازی کرتے جس شخص کے نام پر نشان زدہ تیر نکلتا وہ کامیاب ہوتا اور جس شخص کے نام پر بے نشان تیر نکلتا وہ ناکام قرار دیا جاتا اور اس کو اونٹ کی پوری قیمت دینی پڑتی، اونٹ کو میسر اس لیے کہتے تھے کہ وہ تقسیم کا محل بنتا تھا، میسر نرد پر بھی کہتے ہیں، حضرت علی سے روایت ہے کہ شطرنج عجمیوں کا جوا ہے، ہر وہ چیز جس میں جوا ہو وہ میسر ہے حتیٰ کہ بچوں کا اخروٹ کے ساتھ کھیلنا بھی میسر ہے، بطور شرط ہر اس کھیل میں یہ طے کیا جائے کہ ہارنے والا جیتنے والے کو فلاں چیز دے گا۔ میسر (ملخصاً)[1]

رئیس معلوف لکھتے ہیں: قمار ہر وہ کھیل ہے جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ غالب، مغلوب کو کوئی معین چیز ادا کرے گا خواہ وہ چیز چاندی ہو یا کوئی اور چیز ہو۔[2]

میر سید شریف جرجانی لکھتے ہیں:

قمار ہر وہ کھیل ہے جس میں یہ شرط لگائی جائے کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دی جائے گی۔[3]

جوئے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما. (بقرہ: ۲۱۹)

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ آپ کہیے ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ ہے اور ہر چند کہ ان میں لوگوں کے لیے (دنیاوی) منافع بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

يايها الذين امنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطن فاجتنبوه لعلكم تفلحون. (مائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے (فال نکالنے والے تیر) یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

انما يريد الشيطن ان يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر ويصدكم عن ذكر الله وعن الصلوة فهل انتم منتهون (مائدہ: ۹۱)

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، کیا تم ان چیزوں سے باز آنے والے ہو۔

۱۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ، تاج العروس ج ۳ ص ۶۲۳۔۶۲۴، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ ۱۳۰۶ھ

۲۔ رئیس معلوف الیسوعی، المنجد ص ۶۵۳، المطبعۃ الکاثولیکیہ بیروت، الطبعۃ التاسعۃ عشرۃ ۱۹۶۶ء

۳۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ، کتاب التعریفات ص ۷۷، المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ

جوئے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمرو ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الخمر والميسر والكوبة والغبيراء. ١

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی شراب، جوئے، طبل اور جوار کی شراب سے منع فرمایا۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال حرمت الخمر ثلاث مرات قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يشربون الخمر ويأكلون الميسر فسألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عنهما فانزل الله على نبيه صلى الله عليه وسلم يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما اثم كبير ومنافع للناس واثمهما اكبر من نفعهما الحديث. ٢

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شراب کو تین بار حرام کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے دراں حالیکہ وہ لوگ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں آپ کہیے ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کا (دنیاوی) نفع بھی ہے اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔

جوئے کے حکم میں فقہاء احناف کی رائے

علامہ نسفی حنفی لکھتے ہیں:

گھوڑے سواری، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر اندازی میں مسابقت کا مقابلہ کرنا جائز ہے اور جانبین سے شرط مقرر کرنا حرام ہے اور ایک جانب سے شرط مقرر کرنا حرام نہیں ہے۔ ٣

علامہ زیلعی حنفی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جانبین سے شرط مقرر کرنے کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہے اگر تمہارا گھوڑا آگے نکل گیا تو میں تم کو اتنے روپے دوں گا اور اگر میرا گھوڑا آگے نکل گیا تو تمہیں مجھ کو اتنے روپے دینے ہوں گے، یہ قمار ہے اس لیے جائز نہیں ہے، اور اگر ایک جانب سے شرط ہو تو یہ قمار نہیں ہے، مثلاً ایک شخص دوسرے سے یہ کہے اگر تم مجھ سے آگے نکل گئے تو میں تم کو اتنے روپے دوں گا، اور اگر میں آگے نکل گیا تو تم پر کچھ لازم نہیں ہے، چونکہ اب نقصان اور فائدہ دونوں فریقوں میں لازم نہیں ہے، بلکہ ایک کو صرف فائدہ ہوگا اور دوسرے کو فقط نقصان ہوگا (یا فائدہ نہیں ہوگا) اس لیے اب یہ قمار نہیں ہے، کیونکہ قمار وہ باب مفاعلہ سے ہے جس کا تقاضا ہے کہ ہر دو فریق

١ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ٢٧٥ھ، سنن ابوداؤد ج ٢ ص ١٦٣، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ١٤٠٥ھ

٢ امام احمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ، مسند احمد ج ٢ ص ٣٥١، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٣٩٨ھ

٣ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی ٧١٠ھ، کنز الدقائق ص ٣٢٣، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

میں نفع اور نقصان دائر ہو، اور جب اس صورت میں قمار کا معنی نہیں پایا گیا تو یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے استحساناً جائز قرار پایا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط (انعام) رکھ کر گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرایا، اور قیاس کے تقاضے سے یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں تعلیق خطر (RISK) پر موقوف ہے، اسی لیے ان چار (گھڑ دوڑ، شتر سواری، پیدل چلنے اور تیر (اندازی)) کے سوا اور کسی چیز میں ایک جانب سے شرط رکھ کر بھی مسابقت جائز نہیں ہے۔ [1]

علامہ ابو بکر رازی جصاص حنفی لکھتے ہیں:

اہل علم کا قمار کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور باہم شرط لگانا بھی قمار ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: باہم شرط لگانا بھی قمار ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ پہلے اپنے مال اور بیوی کی شرط لگاتے تھے پہلے یہ مباح تھا بعد میں اس کی تحریم نازل ہو گئی، جب سورہ روم نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر نے رومیوں کے ایرانیوں پر غلبہ کی شرط لگائی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرط میں زیادتی کرو اور مدت بڑھا دو، پھر بعد میں آپ نے اس سے منع فرما دیا، اور قمار کی حرمت نازل ہو گئی اور اس کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، البتہ شتر سواری، گھڑ دوڑ اور تیر بازی میں سابقت کے مقابلہ پر شرط لگانے کی رخصت ہے، بشرطیکہ ایک شخص مستحق ہو اور سابق ہونے پر دوسرا شخص مستحق نہ ہو اور اگر یہ شرط لگائی کہ جو آگے نکل گیا وہ دے گا جو پیچھے رہ جائے گا وہ دے گا تو یہ شرط باطل ہے اور اگر ان دونوں نے درمیان میں کسی تیسرے شخص کو اس شرط میں داخل کر لیا کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو انعام کا مستحق ہوگا اور اگر پیچھے رہ گیا تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا تو یہ امر جائز ہے اور اس تیسرے شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل فرمایا ہے۔ [2]

جوئے کے حکم میں فقہاء شافعیہ کی رائے

امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

ابن سیرین، مجاہد اور عطاء سے روایت ہے کہ جس چیز میں بھی شرط لگائی جائے وہ میسر (جوا) ہے، امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب شطرنج کے کھیل میں شرط نہ لگائی جائے اور فحش گفتگو کی جائے اور نماز سے غفلت کی جائے تو وہ حرام نہیں ہے، اور میسر سے خارج ہے کیونکہ میسر مال دینے یا مال لینے کو واجب کرتا ہے، اس لیے شطرنج کا کھیلنا میسر نہیں ہے۔ [3]

جوئے کے حکم میں فقہاء مالکیہ کی رائے

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنی بیوی اور مال کی شرط لگاتا تھا اور جو شخص اس شرط کو جیت لیتا وہ ہارنے والے کے مال اور اس کی بیوی کو لے جاتا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: یہ لوگ

---

1. علامہ عثمان بن علی زیلعی متوفی ۷۴۳ھ، تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۲۷، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان
2. علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن ج ۱ ص ۳۲۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ
3. امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ

آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ ان سے کہیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے۔ (بقرہ: ۲۱۹) [1]

نیز علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے فرمایا: میسر کی دو قسمیں ہیں، میسر اللہو اور میسر القمار، میسر اللہو میں نرد، شطرنج اور تمام کھیل داخل ہیں، اور میسر القمار وہ ہے جس میں لوگ شرط لگائیں۔ [2]

جوئے کے حکم میں فقہاء حنبلیہ کی رائے

علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ہر وہ کھیل جس میں قمار ہو وہ حرام ہے، خواہ کسی قسم کا کھیل ہو اور یہ اس میسر میں داخل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اجتناب کا حکم دیا ہے، اور جو شخص بار بار یہ کھیل کھیلے اس کی شہادت مردود ہے، اور قمار سے خالی وہ کھیل ہوتا ہے جس میں جانبین سے کوئی عوض ہو نہ کسی ایک جانب سے، ان میں سے بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں، چوسر سے کھیلنا امام ابو حنیفہ اور اکثر فقہاء شافعیہ کے نزدیک حرام ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ [3]

معمہ، لاٹری اور سٹہ کا شرعی حکم

ہمارے زمانے میں معمہ اور لاٹری کا رواج ہے، معمہ میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مقررہ فیس ادا کر کے لوگ اس معمے کو حل کر کے صاحب معمہ کے پاس قسمت آزمائی کے لیے بھیج دیتے ہیں اور لاکھوں شرکاء کی فیسوں کے ذریعہ جو رقم جمع ہوتی ہیں اس میں سے تین یا چار انعام مقرر کیے جاتے ہیں، علمی حیثیت سے تو اس معمے کے بہت سے حل صحیح ہو سکتے ہیں لیکن انعام اس شخص کو ملتا ہے جس کا حل کسی معقول کوشش کی بناء پر نہیں بلکہ محض اتفاق سے کسی پیپر کے حل کے مطابق ہو، چونکہ معمے میں بھی تملیک کا مدار خطر (Risk) پر ہے اس لیے یہ بھی میسر اور قمار ہے اور شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

اسی طرح لاٹری بھی جوا ہے، لاٹری میں بڑے بڑے انعامات کا لالچ دے کر لاکھوں ٹکٹ فروخت کیے جاتے ہیں اور ٹکٹوں کے ذریعہ جو رقم جمع ہوتی ہیں اس میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ چند لاکھ روپے تقسیم کر دیئے جاتے ہیں، ہمارے زمانہ میں ہلال احمر اور فاطمیہ فاؤنڈیشن کے ریفل ٹکٹ کا کاروبار عام ہے، یہ کاروبار خالص جوا ہے، اگر کوئی شخص تپ دق کے مریضوں کی مدد اور غریب بیماروں کے لیے خون مہیا کرنا چاہتا ہے تو سیدھے اور صاف طریقہ سے ان اداروں میں عطیات جمع کرائے، لاٹری کے ٹکٹ خرید کر قسمت آزمائی کے راستے سے غریب اور نادار مریضوں کے لیے جوئے کی رقوم مہیا نہ کرے، اسی طرح وہ سارے کھیل اور کام جوئے میں داخل ہیں جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے، گھوڑ دوڑ کے مقابلوں میں اور بین الاقوامی کھیلوں میں ہار جیت پر جانبین سے شرط لگانا اسی طرح باطل ہونے یا دہونے

---

[1] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۵۳

[3] علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۱۰ ص ۱۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

پر یا کسی بھی اتفاقی امر پر جانبین سے شرط لگانا عرفاً و شرعاً جوا ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

بیمہ کیا چیز ہے؟

ہمارے دور میں بیمہ کا بہت رواج ہے اور اس پر بحث و تحقیق جاری رہتی ہے کہ آیا بیمہ میں قمار ہے یا نہیں، اور بیمہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیمہ کا شرعی جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری ہوگا کہ پہلے ہم یہ جان لیں کہ بیمہ کیا چیز ہے؟ بیمہ کے ذریعے کسی فرد یا ادارہ کو پیش آنے والے متوقع نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مثلاً بیمہ کمپنی زید کی زندگی کا بیمہ کرتی ہے اور زید بیمہ کمپنی سے دس سال کے لیے دس ہزار کی پالیسی خریدتا ہے، اب چاہیے تھا کہ بیمہ کمپنی اس سے دس سال تک ہر سال ایک ہزار روپیہ بطور قسط وصول کرتی، لیکن وہ ایک ہزار دو سو روپیہ سالانہ وصول کرتی ہے، اور یہ جو زائد دو سو روپیہ سالانہ ہیں ان میں سے ایک سو روپیہ اس کے دفتر اور اسٹاف کے اخراجات کے ہیں اور ایک سو روپیہ امدادی فنڈ میں داخل کر دیا جاتا ہے اس طرح ہر پالیسی ہولڈر ایک سو روپیہ سالانہ امدادی فنڈ میں داخل کرتا ہے اور اگر کوئی پالیسی ہولڈر اپنی میعاد پوری کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اگر اس کی موت طبعی ہو تو اس کی پالیسی کی ساری رقم اس کے ملزوم وارث کو دے دی جاتی ہے، اسی طرح اگر کسی بس، کارخانے یا جہاز کا بیمہ کیا جائے اور بس کسی حادثہ میں تباہ ہو جائے، یا کارخانے میں آگ لگ جائے، یا جہاز ڈوب جائے تو پہلے سے طے شدہ پالیسی کے مطابق رقم اس بس، کارخانے یا جہاز کے مالک کو دے دی جاتی ہے اور اس کے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے۔ پالیسی ہولڈر اپنی اقساط کے ذریعہ جو پیسہ بیمہ کمپنی میں داخل کرتے ہیں کمپنی اس پیسے کو منجمد نہیں رکھتی بلکہ اس پیسے کو گردش میں رکھتی ہے، بڑی بڑی عمارتیں خرید کر یا بنا کر ان کو کرائے پر دیتی ہے، پالیسی ہولڈرز اور تجارتی اداروں کو سود پر قرضہ فراہم کرتی ہے اور بعض کمپنیاں صنعتی اور تجارتی اداروں کے حصص خریدتی ہیں اور اس طریقہ سے جو اس کو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو پالیسی ہولڈرز میں تقسیم کرتی ہے، اس نفع کی شرح ہر سال مختلف ہوتی رہتی ہے اور یہ رقم پالیسی ہولڈرز کے کھاتوں میں جمع کر دی جاتی ہے۔

بیمہ کی تاریخ اور ارتقاء

بیمہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ابتداء میں اس کی زیادہ تر شکلوں میں باہمی تعاون کی روح کار فرما تھی، کسی بھی شعبہ میں نقصان کا اوسط معلوم کر کے بعض انسانی گروہوں نے ایسے خطرات کے مقابلے یا ایسی ضروریات کی تکمیل کے لیے جو ایک گروہ کے کسی فرد کو پیش آ سکتی ہیں یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ گروہ کا ہر فرد عام حالات میں ایک مشترکہ فنڈ میں کچھ رقم جمع کرتا ہے تاکہ گروہ کے کسی فرد کو اگر کوئی حادثہ پیش آ جائے تو بوقت ضرورت اس کی مدد کی جا سکے، رومن دور حکومت میں اسی اصول پر چندہ کر کے تجہیز و تکفین کی جاتی تھی، ستر ہویں صدی عیسوی میں انگلستان میں جہازوں کی امداد کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا، اٹھارہویں صدی عیسوی میں تاجروں نے اپنی انجمنیں قائم کیں اور تاجر برادری کا جو فرد کسی حادثہ کا شکار ہو جاتا اس کی مشترکہ فنڈ سے مدد کی جاتی تاہم انگلستان سے متعلق قدیم ترین بحری انشورنس کی تاریخ ۱۵۴۰ء بتائی جاتی ہے۔

مجوزین بیمہ کے عقلی اور شرعی دلائل

بیمہ کی ماہیت میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بازار میں کبھی کبھی کسی دکان میں آگ لگ جاتی ہے، ویسے بازار بہت سے ہیں اور ان سب میں

یہ حادثہ پیش آتا رہتا ہے اگر بہت سے بازاروں میں آگ لگنے کے ایک طویل مدت کے واقعات کا جائزہ لے کر اوسط نکالا جائے تو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ایک سال میں ایک لاکھ دکانوں میں سے کتنی دکانیں آگ لگنے کے حادثے سے دوچار ہوتی ہیں اگر اس حادثے سے محفوظ رہنے کے لیے کوئی غیر معمولی حفاظتی اور انسدادی تدابیر اختیار نہ کی جائیں تو آئندہ چند برسوں کا تجربہ بتا دے گا کہ یہ اوسط کس حد تک درست ثابت ہوا۔

کسی ایک آدمی کی موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں، جو آدمی آج عمر کے اکیسویں سال میں داخل ہوا ہے وہ یہ سال پورا کر کے بائیسویں سال میں قدم رکھے گا یا نہیں؟ اس سوال کا یقین کے ساتھ جواب نہیں دیا جا سکتا، مگر یہ بات تقریباً یقین کے ساتھ متعین کی جا سکتی ہے کہ اسی جیسے ایک لاکھ افراد جو عمر کے اکیسویں سال میں داخل ہوئے ہیں ان میں سے کتنے افراد عمر کے بائیسویں سال میں قدم رکھنے کے لیے زندہ رہیں گے، اس تعیین کی بنیاد ماضی کا طویل تجربہ ہے، انسانوں کی بہت بڑی تعداد کے متعلق ریکارڈ کے مطالعہ سے عمر کے اکیسویں سال میں وفات کے امکان کی اور اس امکان میں تقلیل کے امکان کی پیمائش کی جا چکی ہے، مزید برآں اس پیمائش پر بعد کے تجربات کی روشنی میں نظر ثانی کی جاتی رہتی ہے۔ اس تعیین کی عملی اہمیت یہ ہے کہ عمر کے اکیسویں سال میں وفات کے مالی عواقب سے عہدہ برآ ہونا ان معلومات کی روشنی میں زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا پیمائش سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ افراد گروہ کی شکل میں چھوٹی چھوٹی رقمیں ادا کر کے مذکورہ بالا قسم کے قابل پیمائش خطرات کے زبردست مالی عواقب سے عہدہ برآ ہونے کا اہتمام کر سکیں، مثلاً اگر بحری سفر میں غرقابی کا اوسط ہر دس ہزار جہازوں میں سے ایک جہاز فی سال ہے اور ایک بحری جہاز کی اوسط قیمت دس لاکھ ہے تو اگر ہر جہاز ران سو روپے سالانہ ادا کرے تو سارے جہاز ران مل کر سال بھر میں ایک جہاز کی قیمت جمع کر سکتے ہیں جو باہمی راضی نامے کے مطابق اس جہاز ران کو دی جا سکتی ہے جس کا جہاز ڈوب جائے یہ اہتمام پورے گروہ کے ہر فرد کو اس خطرے سے بے نیاز کر سکتا ہے کہ بحری سفر میں جہاز کے ڈوب جانے سے اسے دس لاکھ کا نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے یہ بے نیازی کسی فرد کے لیے کسی انفرادی کوشش کے ذریعہ ممکن نہیں ہو سکتی ہے مذکورالصدر اہتمام دس ہزار جہاز ران اجتماعی راضی نامے سے کریں، یا کوئی کمپنی فرد ان کو یہ پیشکش کرے کہ اگر ان دس ہزار جہاز رانوں میں سے ہر شخص اس کو سو روپے ادا کرے تو وہ ڈوبنے والے جہاز کی قیمت ادا کر دیا کرے گا یا حکومت بطور خود تمام جہاز رانوں کو اس کا پابند کرے کہ وہ سالانہ سو روپے ادا کریں اور ڈوبنے والے جہاز کی قیمت ادا کرنا اپنے ذمہ لے لے، تینوں صورتوں میں یہ نتیجہ یکساں طور پر حاصل ہوگا کہ ہر جہاز ران جہاز ڈوبنے کے اندیشہ اور اس سے وابستہ نقصان سے بے نیاز ہو کر جہاز رانی کر سکے گا یہی طریقہ انشورنس کہلاتا ہے، مکان یا دکان میں آگ لگنے، سامان چوری ہو جانے، موٹر کے حادثہ کا شکار ہو جانے وغیرہ دوسرے قابل پیمائش خطرات کے سلسلہ میں بھی اسی طرح انشورنس کر کے تحفظ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

جہاز رانی ایک مفید سماجی عمل ہے جس سے بہت سے انفرادی اور اجتماعی مفادات وابستہ ہیں مثلاً افراد کا بحری سفر کر کے ایک ملک سے دوسرے ملک جانا، تجارت خارجہ وغیرہ، اگر ہر جہاز ران کو ہر بحری سفر میں اس اندیشہ کا سامنا ہو کہ جہاز ڈوب سکتا ہے تو زبردست مالی نقصان کا یہ اندیشہ جہاز رانی کے عمل میں رکاوٹ بنے گا

اور اس کا بین الممالک سفر اور تجارت پر برا اثر پڑے گا، ایسی صورت میں اگر ہر جہاز راں ایک چھوٹی سی رقم ادا کر کے یہ اطمینان
حاصل کر سکے کہ جہاز غرقاب ہو جانے کی صورت میں اسے جہاز کی قیمت مل جائے گی تو یہ رکاوٹ دور ہو جائے گی، آمد و رفت
سہولت کے ساتھ جاری رہے گی، تجارت کو فروغ حاصل ہوگا اور ملک ترقی کرے گا۔ آگ لگنے کا خطرہ مول لے کر دکان
کھولنے، حادثہ کا خطرہ مول لے کر روڈ پر چلانے، صنعتی حادثات کے خطرے کے باوجود صنعتی کارخانوں میں کام کرنے
اور ایسے ہی دوسرے اقتصادی کاموں پر بھی یہی وجہ صادق آتی ہے۔ حادثے کی صورت میں جو مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے
اگر اس کا سارا بوجھ اسی شخص پر ڈال دیا جائے جس کی دکان، کار، ہوائی جہاز، بحری جہاز یا جسم و جان اس حادثے میں شکار
ہوئے تو لوگ ان خطرات کو مول لے کر ان کاموں کو انجام دینے کی ہمت کم ہی کر سکیں گے اور سماج کو اس قدر فراوانی کے
ساتھ یہ اقتصادی خدمات میسر نہیں آ سکیں گی اس کے برعکس اگر انشورنس کا طریقہ اختیار کر کے ہر فرد کو اس کا موقع دیا
جائے کہ وہ تھوڑی سی لاگت برداشت کر کے ان خطرات کے مالی عواقب کی تلافی کا اہتمام کر سکے تو اس قسم کے کام کرنے
والوں کا حوصلہ بڑھے گا اور دنیا والے ان کی خدمات سے بہرہ مند اور مستفید ہو سکیں گے۔

انشورنس کی شرعی نظیر کے سلسلہ میں مجوزین دیت کا ذکر کرتے ہیں، اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو خطاءً قتل کر دے تو
اس پر دیت لازم آتی ہے دیت کی مقدار سو اونٹ یا ایک ہزار مثقال سونا ہے (۴.۳۷۴ کلوگرام) یا دس ہزار درہم چاندی
(۳۰.۶۱۸ کلوگرام) ہے جو قاتل کی عاقلہ کو تین سال میں ادا کرنا ہوتی ہے، قتل تو ایک شخص نے کیا ہے لیکن چونکہ اس
شخص پر ایک غیر معمولی بوجھ آ پڑتا ہے اس لیے اسلام نے اس کے قبیلہ والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس ناگہانی آفت میں
اس کا ہاتھ بٹائیں اور سب مل کر اس کی دیت ادا کریں، قتل خطاء بھی دراصل ایک حادثہ ہے جس کے مالی عواقب کی تلافی کے
لیے ایک بڑے گروہ کو ذمہ دار بنایا گیا ہے، اس طرح ایک فرد کو جس کے ہاتھوں یہ سانحہ واقع ہوا زبردست مالی صدمہ
سے بچایا گیا ہے اور اس گروہ کے دوسرے افراد کو اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اگر انہیں بھی کبھی اس صدمہ
کا ہدف بننا پڑا تو ان کا بھی اسی طرح تحفظ کیا جائے گا البتہ اس تحفظ کے بدلے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ لاگت ادا کرنی ہوگی
یعنی بوقت ضرورت دیت کا متناسب حصہ اپنی جیب سے ادا کرنا ہوگا، اور تھوڑے سے فرق کے ساتھ انشورنس
بھی اسی قیاس پر ہے۔

مجوزین بیمہ کی طرف سے بیمہ میں عنصر قمار اور سود کی وضاحت

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

قمار میں جو خرابی ہے وہ یہ ہے کہ جوا کھیلنے والا بازی لگا کر یا شرط بد کر اپنے لیے ایک ایسا خطرہ مول لیتا ہے جو
پہلے سے موجود نہ تھا یا اگر موجود تھا تو خود اس کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ لاٹری کے ٹکٹ خریدنا، گھوڑدوڑ
کا دوڑ، یا فٹ بال کے مقابلہ میں یا تاش شطرنج وغیرہ کے کھیلوں میں ہار جیت پر بازی لگانا اس کی عام مثالیں ہیں۔
قمار کی تمام ممکن شکلوں اور اس کی تمام مروجہ قسموں میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ شخص جو بازی لگا کر ایک رقم ہار جانے کا خطرہ
مول لیتا ہے اگر چاہتا تو بازی نہ لگاتا اور اگر وہ بازی نہ لگاتا یا شرط نہ بدتا تو اس کو اس رقم کے نقصان کا خطرہ پیش نہ آتا۔
انشورنس کا معاملہ اس سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ جس خطرے کے پیش نظر انشورنس کرنے والا انشورنس کراتا
ہے، اس کا وجود اور اس کی زد سے اس کا تعلق اس کے انشورنس کرانے یا نہ کرانے پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر حال میں پایا

پایا جاتا ہے۔ یہ خطرہ زندگی کی کسی نارمل سرگرمی، اقتصادی عمل، پیشہ یا حرفہ سے لازمی طور پر وابستہ ہوتا ہے جس کا مکمل ازالہ انشورنس کے سوا کوئی اور تدابیر اختیار کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ ان تمام خطرات سے مالی نقصان بھی وابستہ ہوتا ہے اس کی سب سے نمایاں مثال موت ہے جس کا خطرہ زندگی کے ساتھ لگا ہوا ہے اور جس سے ہمیشہ جیسی شکل کو، بالخصوص اگر متوفی جوان ہو، اس کے متعلقین کو مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ آدمی اس نقصان کی تلافی کے لیے انشورنس کرائے یا نہ کرائے اس نقصان کا اندیشہ بہرحال موجود رہتا ہے کیونکہ اس کا تعلق موت سے ہے جو تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود کسی وقت بھی واقع ہو سکتی ہے اور کبھی نہ کبھی ضرور واقع ہو کر رہتی ہے۔ اسی طرح موٹر کار، بحری جہاز، ہوائی جہاز اور دوسری سواریوں کے مالکوں کو کسی حادثے کے نتیجے میں ان سواریوں کی بربادی یا ان کی ٹوٹ پھوٹ کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے یہ اندیشہ ان کے استعمال کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہے اور حادثے کی صورت میں مالی نقصان یقینی ہے۔ اسی طرح ہر مسافر کو جو ان سواریوں کے ذریعہ سفر کرتا ہے، یہ خطرہ مول لینا پڑتا ہے کہ سواری کو حادثہ پیش آنے کی صورت میں اس کی جان چلی جائے یا وہ مجروح ہو جائے، جس سے اکثر حالات میں مالی نقصان وابستہ ہوتا ہے۔ مکان، دکان، سامان تجارت، کھیت، کارخانہ اور دوسری املاک کے ساتھ بھی آتش زدگی وغیرہ حوادث کے نتیجے کے طور پر بربادی کا اندیشہ وابستہ ہے برخلاف قمار بازی کے مسافر، سواری کا مالک یا مکان وغیرہ کا مالک متعلقہ حادثے کا اور اس سے وابستہ مالی نقصان کا خطرہ جان بوجھ کر نہیں مول لیتے، سفر، سواری رکھنا اور اسے استعمال کرنا، مکان، کارخانہ کھیت، سامان تجارت وغیرہ اثاثوں کی ملکیت اور ان کا استعمال، عام کاروباری زندگی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں جن سے دستبرداری ممکن نہیں۔ صنعتی مزدور مشینوں کے درمیان نقل و حرکت کے لیے اور ایسے کارخانوں میں کام کرنے کے لیے مجبور ہیں جن میں آتش گیر مادے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ سرگرمی روزی کمانے کے لیے ضروری ہے مگر اس کے ساتھ یہ خطرہ بھی لگا ہوا ہے کہ شاید صنعتی حادثے کے نتیجے میں اعضاء مجروح ہو جائیں اور معذوری کے سبب مدت العمر مالی نقصان اٹھانے پڑیں۔ ان تمام صورتوں میں خطرے کا اور اس سے وابستہ مالی صدمے کا احتمال بہرحال موجود ہوتا ہے خواہ انشورنس کرایا جائے یا نہ کرایا جائے۔

جوئے بازی اور انشورنس کے درمیان دوسرا بنیادی فرق نفع کی امید سے تعلق رکھتا ہے، جوئے بازی کا اصل محرک اس مالی منفعت کا حصول ہے جو بازی جیت جانے کی صورت میں ہوگی جبکہ انشورنس کرانے کا اصل محرک اس نقصان کی تلافی ہے جو متعلقہ خطرہ پیش آ جانے کی صورت میں ہوگا۔ جس حادثے کے اندیشے سے انشورنس کرایا گیا ہے اگر وہ واقعتاً پیش آ جائے تو معاہدے کے مطابق انشورنس کرانے والے کو جو رقم ملے گی اس کی حیثیت کسی نفع کی نہیں ہے۔ یہ رقم صرف اس مالی نقصان کی تلافی کرتی ہے جو عملاً واقع ہو چکا۔ اس رقم کے ملنے سے حادثے کا شکار ہونے والے کی دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا بلکہ صرف اس کمی کی تلافی ہوتی ہے جو حادثے کے نتیجے میں واقع ہو چکی اس کے برعکس بازی جیتنے کی صورت میں جوئے باز کو جو رقم ملتی ہے وہ اس کی دولت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کے لیے اس رقم کی حیثیت خالص نفع کی ہے۔ جوئے باز اور انشورنس کرانے والے کے محرکات یکسر مختلف ہیں۔ اول الذکر کی نظر اس خالص نفع پر ہے۔ دوسرے کی نظر اس نقصان کی تلافی پر ہے جس کا اسے اندیشہ ہے۔ لاٹری کا ٹکٹ خریدنے والا جو دس لاکھ روپے کا انعام پاتا ہے اس کا مقابلہ بحری جہاز کے مالک سے کیجیے جس کا جہاز ڈوب جائے

کی صورت میں انشورنس کے معاہدے کے مطابق اس جہاز کی قیمت کے طور پر دس لاکھ روپے ملتے ہیں۔ جہاز کے مالک کی مالی حیثیت اب بھی وہی ہے جو جہاز ڈوبنے اور انشورنس کی رقم ملنے سے پہلے تھی وہ انشورنس سے ملنے والی رقم کے نتیجے میں پہلے سے زیادہ دولت مند نہیں ہو گیا ہے اس کے برعکس لاٹری میں انعام پانے والا اب پہلے سے زیادہ دولت مند ہے اس کی دولت میں دس لاکھ کا اضافہ ہو گیا ہے۔

اب معاملے کے دوسرے پہلو کا جائزہ لیجئے۔ جوئے باز بازی ہار جاتا ہے تو اسے مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ لاٹری کے ٹکٹ کے دام ضائع جاتے ہیں، یا شرط کے مطابق بازی جیتنے والا اس سے ایک رقم وصول کرتا ہے۔ اس رقم کی ادائیگی ایک خالص نقصان ہے اس کے بالمقابل ہارنے والے جوئے باز کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں صرف اس امید کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ جوئے میں جیت بھی ہو سکتی تھی اور ایک رقم ہاتھ آ سکتی تھی۔ مگر یہ امید صوری طور پر ہارنے اور خسارہ برداشت کرنے سے وابستہ نہیں ہے اس سے الگ وجود رکھتی ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی جوئے باز شروع سے ہی نہ بازی ہارے، مسلسل جیتتا چلا جائے۔ انشورنس کرانے والا معاہدے کے مطابق ایک پریمیم ادا کرتا ہے۔ اس ادائیگی کے عوض اسے اس بات کی ضمانت حاصل ہوتی ہے کہ اگر متعلقہ حادثہ پیش آگیا تو اس کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصان کی تلافی کی جائے گی۔ یہ تحفظ اسے معاہدہ کراتے ہی حاصل ہو جاتا ہے خواہ حادثہ واقع ہو یا نہ ہو۔ پریمیم اس تحفظ کی لاگت ہے یہ تحفظ معنوی اقتصادی اہمیت کا حامل ہے اور اس کی افادیت پر اس کا اثر نہیں پڑتا کہ حادثہ واقع ہوتا ہے اسے نقصان ہوتا ہے اور اس نقصان کی تلافی کے لیے اسے رقم ملتی ہے یا حادثہ واقع نہیں ہوتا۔ اقتصادی سرگرمیوں کی انجام دہی اور معاشی کارکردگی کی خاطر اس تحفظ کی اہمیت پریمیم ادا کرنے کی ایک معقول بنیاد ہے۔ پریمیم گویا تحفظ کی لاگت ہے۔ اس کے برعکس جوئے میں ہاری ہوئی رقم سراسر گھاٹا ہے۔ پریمیم ادا کرنا ایک مجبوری کے تحت ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ جن خطرات سے نقصان کا اندیشہ وابستہ ہے ان سے مفر نہیں اور اندیشۂ نقصان سے تحفظ کی واحد صورت یہ ہے کہ پریمیم ادا کیا جائے۔ لاٹری کے ٹکٹ کے دام ادا کرنے یا بازی ہارنے کی صورت میں طے شدہ رقم ادا کرنے کے ساتھ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے جوئے باز اپنے اختیار سے یہ گھاٹا مول لیتا ہے۔

انشورنس کرانے والا اگر انشورنس نہ کرائے تو اس کو وہ حادثہ جس کا خطرہ تھا واقع ہونے کی صورت میں اسے بڑے مالی نقصان کا اندیشہ لگا رہے گا یہ اندیشہ اس کے فیصلوں پر بہرحال اثر انداز ہو گا خواہ آئندہ وہ خطرہ واقع ہو یا نہ ہو کیونکہ فیصلہ کا وقت پہلے آتا ہے۔ بحری جہاز کا مالک اپنے جہاز کو بحری سفر پر بھیجے یا نہ بھیجے اس فیصلہ پر اس امر کا گہرا اثر پڑے گا کہ جہاز ڈوب سکتا ہے اور اس حادثے کے نتیجے میں دس لاکھ روپے کا نقصان ہو سکتا ہے۔ یہ بات کہ اس سفر میں یہ جہاز ڈوبا یا نہیں ڈوبا بعد میں معلوم ہو گی۔ یہی حال ان تمام اقتصادی اعمال اور سرگرمیوں کا ہے جن کے ساتھ کوئی خطرہ وابستہ ہو۔ ان تمام صورتوں میں مالی نقصان کی تلافی کی ضمانت حاصل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ پر گہرا اثر پڑنا لازمی ہے اور یہ اثر اس سے بے نیاز ہے کہ فی الواقع نقصان واقع ہوتا ہے یا نہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں اس پر غور کیجئے کہ جوئے کی ہاری ہوئی بازی سے وابستہ مالی خسارہ اور حادثہ واقع نہ ہونے کی صورت میں ادا کیا جانے والا پریمیم ایک ہی نوعیت کے حامل ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر انشورنس کرانے والے

کہ مثلاً وہ حادثہ پیش نہ آیا جس کا اندیشہ تھا، نہ کوئی مالی نقصان ہوا اور نہ اس کی تلافی میں کوئی رقم ملی تو اس نے جتنا پریمیم ادا کیا وہ اس کے لیے سراسر گھاٹا ہے اگر وہ انشورنس نہ کراتا تو پریمیم نہ ادا کرنا پڑتا اور گھاٹا نہ ہوتا۔ جس طرح جوئے باز اگر بازی نہ لگاتا تو نہ ہارتا اور اسے گھاٹا نہ ہوتا۔ اوپر ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ معاہدہ انشورنس سے یہ ضمانت حاصل ہوتی ہے کہ اگر نقصان ہوا تو اس کی تلافی کی جائے گی اور خود یہ ضمانت اقتصادی اعمال اور ان تمام سرگرمیوں کے لیے جن سے خطر محض وابستہ ہے ایک قدر و قیمت رکھتی ہے۔ لاٹری کے ٹکٹ کی قیمت یا جوئے میں ہاری ہوئی رقم کے مقابلہ اس طرح کی کوئی قابل قدر چیز وابستہ نہیں ہے۔ انعام پانے یا بازی جیتنے کی امید اس سے وابستہ ہے وہ کسی اقتصادی فیصلہ پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ در اصل اس کا کوئی تعلق کسی اقتصادی عمل یا سرگرمی سے نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بازی جیتنے کے بعد ملنے والی رقم سے جوئے باز کوئی مفید کاروبار کرنے کا خواہش مند ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خواہش کے باوجود وہ صرف امید کی بنا پر مستقبل کا کاروباری فیصلے بازی لگاتے وقت نہیں کر سکتا۔ انشورنس کا معاملہ بالکل مختلف ہے یہاں فیصلہ کا موقع پہلے آتا ہے انشورنس کا سوال بعد میں پیدا ہوتا ہے اور انشورنس کرانے یا نہ کرانے کا اس فیصلے پر گہرا اثر پڑتا ہے جوئے میں بازی لگانے یا نہ لگانے کا اس کاروباری فیصلے پر کیا اثر پڑ سکتا ہے جس کی مالی بنیاد ابھی فراہم ہی نہیں ہو سکی ہے نہ اس کی فراہمی یقینی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بازی جیتنے کی امید صرف بازی لگانے کے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور اس کا محرک بن سکتی ہے۔ یہ امید کسی دوسرے فیصلے سے نہ کوئی تعلق رکھتی ہے نہ اس پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

انشورنس کو قمار قرار دینے والوں کی غلط فہمی کا سبب بعض ایسی باتیں ہیں جو بظاہر دونوں معاملوں میں مشترک نظر آتی ہیں جوئے باز اور انشورنس کرانے والے دونوں کو بعض اوقات ایک بڑی رقم ملتی ہے جس کے مساوی کوئی معاوضہ ان کی طرف سے نہیں ادا کیا گیا ہے۔ بعض انشورنس کرانے والے مسلسل پریمیم ادا کرتے ہیں۔ مگر ان کو اس کے عوض کوئی بڑی رقم نہیں ملتی، جس طرح کہ بعض جوئے باز بازی ہارتے ہی چلے جاتے ہیں، یا ایک شخص لاٹری کے متعدد ٹکٹ مسلسل خریدتا رہتا ہے مگر انعام نہیں پاتا۔ اوپر کی بحث سے یہ غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے۔ مزید اطمینان کے لیے ہم ان دونوں بظاہر یکساں امور کے سیاق میں انشورنس اور قمار کا جامع موازنہ بھی کر لیں گے۔ پہلے اس رقم کو لیجئے جو انشورنس کرانے والے کو پریمیم کے طور پر تھوڑی رقم ادا کرنے پر مل جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ رقم واقع شدہ نقصان کی تلافی کرتی ہے اس طرح نقصانات کی تلافی کا طریقہ اختیار کرنے سے سماج میں اقتصادی اعمال کی انجام دہی کے لیے ایک محفوظ و مامون فضا برقرار رکھی جاتی ہے خطر محض یعنی ایسے حوادث کا اندیشہ جن سے نقصان وابستہ ہے، اقتصادی سرگرمیوں کے لیے از حد ہمت شکن ہوتا ہے اس کا اقتصادی کردار اس کاروباری خطرے سے یکسر مختلف ہے۔ جن کے ساتھ نقصان کا اندیشہ اور نفع کی امید دونوں ہی وابستہ ہیں۔ سماج اپنے کارکنوں کو انشورنس کے ذریعے خطر محض کے مالی صدمات سے محفوظ کر کے ان خطرات کے سماج دشمن اور ہمت شکن اقتصادی اثرات سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔

خطر محض سے وابستہ نقصانات سماج میں دولت اور آمدنی کی عادلانہ تقسیم کے دشمن ہیں اور اس میں خلل انداز ہوتے ہیں، کیونکہ ان کا تعلق غیر اختیاری اور بخت و اتفاق پر مبنی امور سے ہے جبکہ دولت اور آمدنی کی عادل تقسیم محنت، صلاحیت و استعداد اور اختیاری اعمال پر مبنی ہوتی ہے انشورنس کے ذریعہ خطر محض سے وابستہ مالی نقصانات

کی تلافی کا طریقہ اختیار کر کے سماج دولت اور آمدنی کی تقسیم میں اس خلل اندازی کا تدارک کرتا ہے اور تقریباً اسی تقسیم کو بحال کر دیتا ہے جو ان کے بغیر پائی جاتی۔

ان دونوں باتوں کے نتیجے میں یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ اقتصادی اعمال اور سماجی خدمات جن میں بخت و اتفاق کے دخل سے کارکنوں کو غیر متوقع مالی صدمات سے دوچار ہونے کا احتمال ہے، تسلسل، استقلال اور اندیشہ صدمہ سے بے نیاز ہو کر اطمینان کے ساتھ انجام پا سکیں۔

اس کے برعکس وہ چیزی رقم جو بازی جیتنے والے جوئے باز کو ملتی ہے نہ صرف یہ کہ کسی واقع شدہ نقصان کی تلافی نہیں کرتی بلکہ کوئی بھی مفید سماجی یا اقتصادی عمل نہیں انجام دیتی۔ اس طرح بازی جیتنے پر رقم دینے کا طریقہ اختیار کرنے سے سماج میں محنت و صنعت اور خدمت و تجارت کا وہ متوازن نظام درہم برہم ہو جاتا ہے جو اقتصادی اعمال کی متوازن انجام دہی کے لیے ضروری ہے۔ اس طریقہ کے عام ہونے کی صورت میں سماج کے کارکنوں کی توجہ دولت حاصل کرنے کے لیے پیداآور خدمات انجام دینے کی بجائے بازی لگانے اور بخت و اتفاق کا سہارا لینے کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اس طریقہ کا رواج سماج کو اور اس کے نظام پیداوار دولت کو بہت سے لائق، باصلاحیت اور عمل دار افراد کی خدمات سے محروم کر دیتا ہے، انسانی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ محنت و صلاحیت کے سہارے کمائی ہوئی دولت کے برعکس جو دولت محض بخت و اتفاق کے طفیل مل جاوے وہ مفید پیداآور کاموں میں لگنے کے بجائے نشہ بازی، عیش کوشی اور اسراف و تبذیر کی نذر ہوتی ہے۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ دولت کا اس طرح انتقال اور اس کی یہ نئی تقسیم جو جوئے بازی اور جیت کے نتیجے میں عمل میں آتی ہے عدل و انصاف کے منافی ایک اندھی تقسیم ہے۔ انشورنس کرانے والے جن افراد کو پریمیم ادا کرنے کے عوض کوئی رقم اس لیے نہیں ملی کہ ان کے ساتھ متعلقہ حادثہ عملاً نہیں پیش آیا ان کی ادا کی ہوئی رقمیں ان انشورنس کرانے والوں کو منتقل ہو گئیں جن کے ساتھ حادثہ پیش آیا اور جنہیں مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ علاوہ کرنہ ان حادثات سے متاثرہ انسان کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصانات سے پہلے سماج کو عمومی طور پر وہ مالی نقصانات بہر حال برداشت کرنے تھے جو تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود آتش زدگی، غرقابی، صنعتی حادثات، سواریوں کو پیش آنے والے حادثات اور قدرتی طبیعی سے پیش آنے والے نتیجے میں واقع ہوتے سوال صرف یہ تھا کہ ان نقصانات کا بار تمام تر صرف انہی افراد پر ڈالا جائے جو عملاً ان حادثات کا شکار ہوں یا ان کو برداشت کرنے میں وہ تمام لوگ شریک ہوں جن کے ساتھ ایسے حادثات پیش آ سکتے تھے اور پیش آ سکتے ہیں۔ دوسری راہ اختیار کرنے کے حق میں متعدد اخلاقی اور اقتصادی فوائد کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ وسیع پیمانے پر پریمیم جمع کر کے حادثات کا شکار ہونے والوں کے نقصان کی تلافی کر دینے کے جن فوائد پر روشنی ڈالی جا چکی ہے ان کے علاوہ یہاں ہمارا مرکز توجہ اس کا وہ پہلو ہے جو سماجی عدل اور سماج میں دولت کی تقسیم سے متعلق ہے۔ حادثات کا شکار نہ ہونے والوں سے حادثات کا شکار ہونے والوں کی طرف جو دولت منتقل ہوتی ہے اس کے نتیجے میں دولت کی کوئی نئی تقسیم نہیں عمل میں آتی بلکہ تقریباً وہ تقسیم بحال کی جاتی ہے جو حادثات رونما ہونے سے پہلے پائی جاتی تھی جن افراد کی دولت کا ایک حصہ ان کی کسی نالائقی، کوتاہی، غلطی یا جرم کے بغیر اتفاقاً ضائع ہو گیا تھا ان کی پوری کر دی جاتی

سے انشورنس کے نتیجے میں کسی بھی فرد کو بغیر استحقاق مزید دولت حاصل نہیں ہوتی بلکہ جو دولت اسے کسی استحقاق کی بناء پر ملی تھی وہ حادثہ کے نتیجہ میں ضائع ہو گئی تھی وہی واپس مل جاتی ہے۔

قمار اور انشورنس کی نوعیت، ان کے محرکات، ان کے وہ اثرات جو اقتصادی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور سماج میں دولت کی تقسیم پر پڑتے ہیں نیز دونوں کے نفسیاتی پس منظر اور اثرات کا جامع موازنہ اس شبہ کے ازالہ کے لیے کافی ہونا چاہیے کہ دونوں یکساں ہیں یا انشورنس قمار کو مستلزم ہے۔ یا ان کے بعض پہلو ایک دوسرے کے مماثل ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں اعمال کے درمیان جو کوئی اشتراک ہے نہ مماثلت اور اپنے سماجی اور اقتصادی کردار کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔

انشورنس اور سُود

انشورنس کرانے والے جو پریمیم ادا کرتے ہیں ان سے انشورنس کمپنیوں کے پاس ایک کثیر سرمایہ جمع ہو جاتا ہے، یہ سرمایہ کسی متعین وقت پر اس رقم سے زیادہ ہوتا ہے جو ان انشورنس کرانے والوں کو نقصانات کی تلافی کے لیے کمپنی ادا کرتی ہے۔ اس کے حاصل سبب تین ہیں، ایک سبب برابر نئے افراد کا انشورنس کرتے رہنا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ انشورنس کا پریمیم احتیاطاً اس کم سے کم رقم سے زیادہ رکھا جاتا ہے جو انشورنس کرانے والے افراد کے پورے گروہ کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کے لیے درکار ہوتی ہے۔ ایک تیسرا سبب یہ بھی ہے کہ پریمیم کی رقمیں ایک معلوم و متعین حساب کے مطابق برابر ملتی رہتی ہیں جبکہ ادا کی جانے والی رقموں کے بارے میں اوقات کی زیادہ پابندی نہیں ہوتی۔ انشورنس کمپنیاں اپنا فاضل سرمایہ اس طرح مشغول رکھنا چاہتی ہیں کہ نقصان کا اندیشہ کم سے کم ہو اور اصل سرمایہ کے تحفظ کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہے۔ مروجہ نظام میں اس کی عملی شکل سودی تمسکات کی خریداری ہے۔ انشورنس کمپنیاں عام تجارتی حصص کی خریداری بھی کم ہی اختیار کرتی ہیں۔

چونکہ پریمیم سے حاصل ہونے والے سرمائے میں اس طرح اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لیے انشورنس کرانے والوں کے لیے واجب الادا پریمیم کا حساب لگانے میں بھی اس اضافہ کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ پریمیم کی مقدار اس سے کم رکھی جاتی ہے جو پریمیم کے ذریعے حاصل ہونے والے سرمائے کو مشغول کرکے اس میں اضافہ نہ کرنے بلکہ بیکار جمع رکھنے کی صورت میں رکھنی پڑتی۔ اس طرح پریمیم کا حساب لگانے میں بھی سود اور اس کی مروجہ شرحوں کا دخل ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر پریمیم سے حاصل ہونے والے سرمائے کو مشغول کرکے اس میں اضافہ کرنے کی کوئی ایسی صورت ممکن ہو جو سود سے پاک ہو تو انشورنس کا نظام سود سے پاک کیا جا سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک خود طریقۂ انشورنس کا تعلق ہے اسے اس طرح بھی اختیار کیا جا سکتا ہے کہ پریمیم سے حاصل ہونے والے سرمائے کو صرف جمع رکھا جائے، مشغول نہ کیا جائے مگر اس طرح انشورنس کرانے والوں کو زیادہ مقدار میں پریمیم ادا کرنا ہوگا اور انشورنس کی لاگت بڑھ جائے گی۔ سرمائے کی ایک کثیر مقدار کو بیکار جمع رکھنا قومی وسائل کے ضیاع کا ہم معنی ہوگا۔ مختلف انفرادی اور اجتماعی مصالح کا تقاضا ہے کہ اس سرمایہ کو مزید سرمایہ کاری کے لیے استعمال کیا جائے تاکہ قومی دولت میں اضافہ ہو اور انشورنس کی لاگت بھی کم کی جا سکے۔ اس لیے انشورنس پریمیم سے

سے حاصل ہونے والے فاضل سرمائے کو مشغول کر کے اس میں اضافہ کرنا چاہیے۔

اصل سوال یہ ہے کہ غیر سودی نظام میں انشورنس کے سرمایہ کا نفع آور استعمال کس طرح عمل میں آئے کہ مستقلاً فوائد حاصل کیے جا سکیں۔ اس سوال کے جواب پر غور کرتے وقت اس اہم حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ یہ سوال جس صورت میں انشورنس کے نجی کاروباری اداروں کے لیے پیدا ہوتا ہے اس صورت میں ریاست کے زیر اہتمام انشورنس میں نہیں پیدا ہوتا۔ ریاست کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس سرمایہ کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی پیداآوری یقینی ہے اور سرمائے کے ڈوبنے کا خدشہ یا اس میں نقصان اٹھانے کا سوال نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ آگے واضح کیا جائے گا۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ اسلامی نظام معیشت کے ایک وسیع دائرہ میں انشورنس کی تنظیم پوری طرح ریاست کے ہاتھوں میں ہو؎۔ اس دائرہ کی حد تک اس سوال کا جواب آسانی کے ساتھ ممکن ہے۔

جس محدود دائرہ میں نجی کاروبار کے طور پر انشورنس کی اجازت دی جائے گی اس کی حد تک فاضل سرمائے کے نفع بخش استعمال کی نسبتاً محفوظ راہیں ایک غیر سودی معیشت میں بھی میسر آ سکیں گی۔

غیر سودی معیشت میں انشورنس کے نجی کاروباری اداروں کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اپنا فاضل سرمایہ حکومتی حصص شرکت یا اونچی ساکھ کے نجی کاروباری اداروں کے حصص خریدنے میں صرف کریں۔ بنکوں کے مضاربت کھاتوں میں رقم جمع کرنا بھی ان کے نفع آور استعمال کی ایک محفوظ شکل ہوگی کیونکہ ان کھاتوں سے وابستہ اندیشۂ نقصان کو عملاً ختم کر دیا جائے گا۔ تجربے کی روشنی میں ان مختلف راہوں میں سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والی اوسط شرح نفع کا ایک قابل اعتماد اندازہ لگانا ممکن ہوگا جسے پریمیم کا حساب لگانے میں استعمال کیا جا سکے۔ یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ بازار میں سود کی شرح ایک متعین اور معلوم مقدار ہوتی ہے جب کہ غیر سودی نظام میں نفع کی شرح کے ایک محتاط اندازے کو مذکورہ بالا حساب کی بنیاد بنانا ہوگا لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ بازار میں سود کی شرح بھی بدلتی رہتی ہے اور انشورنس کمپنیاں پریمیم کا حساب لگانے میں سود کی مروجہ شرح میں ممکن تبدیلیوں کے پیش نظر اس کے ایک محتاط اندازے کو بنیاد بناتی ہیں کیونکہ پریمیم کی مقدار بازار میں شرح سود کی ہر تبدیلی کے ساتھ تبدیل نہیں کی جا سکتی۔

انشورنس کے سرمایہ کے نفع آور استعمال سے عملاً اس سے زیادہ نفع ہو سکتا ہے جس کو پریمیم کا حساب لگانے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ اس فاضل نفع سے ایک معیاری ریزرو فنڈ قائم کیا جا سکتا ہے جو سرمائے کے استعمال میں نقصان کے فطری اندیشے سے تحفظ کا کام کر سکے۔ جس سال عملاً نقصان سے دوچار ہونا پڑے اس سال نقصان کی تلافی اس ریزرو فنڈ سے کی جا سکتی ہے تاکہ نقصان کے نتیجے میں انشورنس کرانے والوں سے پریمیم کی مقدار بڑھانے کا مطالبہ نہ کرنا پڑے۔ اس طرح کے احتیاطی ریزرو موجودہ نظام میں بھی ضروری ہوتے ہیں۔ اس ریزرو کے ذریعہ عرصۂ طویل میں پریمیم کی مقدار کو واقعی شرح نفع کے مطابق رکھنے کا کام لیا جا سکتا ہے۔

چونکہ انشورنس کا تعلق سود سے صرف ضمنی طور پر سرمایہ کے نفع آور استعمال میں قائم ہوتا ہے اس لیے یہ تعلق ایک ایسی معیشت میں خود بخود ختم ہو جائے گا جس کی تنظیم سود کے بغیر کی گئی ہو، جہاں سرمایہ کے نفع آور استعمال کی غیر سودی راہیں

؎ اب ہمارے ملک میں پاکستان میں تمام انشورنس کمپنیوں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا ہے اور مجوزہ نظام اس میں جاری کرنا زیادہ آسان ہے۔ سعیدی غفرلہ

بہتر ہوں۔ مگر بعض اوقات یہ رائے بھی ظاہر کی جاتی ہے کہ خود معاہدۂ انشورنس ربا کو مستلزم ہے کیونکہ پریمیم ادا کرنے والے کو اس سے زیادہ رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا جاتا ہے جتنی وہ حادثہ کے وقوع کے وقت تک بالاقساط جمع کر چکا ہو۔ اس رائے کی بنیاد اس مفروضہ پر ہے کہ ہر اضافہ ربا ہے۔ یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے شریعت میں ہر اضافہ کو علی الاطلاق ربا نہیں قرار دیا گیا ہے۔ پریمیم کے طور پر ادا کی جانے والی رقم قرض نہیں ہے کہ اس کے بالمقابل زیادہ رقم کی ادائیگی کو اصل پر اضافہ کے ساتھ واپسی قرض قرار دے کر ربا کا حکم لگایا جا سکے۔ اپنی حقیقی روح کے اعتبار سے پریمیم کی نوعیت زر تعاون یا چندہ کی ہے جو ایک مفید اجتماعی خدمت کی فراہمی کے لیے دیا جا رہا ہو۔ تعاونی انشورنس .... Mutual Insurance اور ریاست کے زیر اہتمام انشورنس میں اس کی یہ نوعیت بالکل واضح ہے۔ اگر ہم انشورنس کی اس کاروبار کو تسلیم کر سامنے رکھ کر بھی غور کریں تو بھی پریمیم کو قرض نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اسے ایک ایسی خدمت کی قیمت سمجھا جا سکتا ہے جس کی انجام دہی اس کی ضرورت پڑنے پر موقوف ہے۔

برخلاف عام سودی قرض کے انشورنس میں ملنے والی رقم کا انحصار نہ تو مدت کے طول پر ہوتا ہے نہ اس کی مقدار اس مجموعی رقم پر منحصر ہوتی ہے جو پریمیم ادا کرنے والے نے حادثہ واقع ہونے کے وقت تک مجموعی طور پر ادا کی ہو اس رقم کا انحصار اصلاً متعلقہ حادثہ کے نتیجے میں واقع ہونے والے مالی نقصان پر ہوتا ہے۔ انشورنس کی بعض شکلوں مثلاً آتشزدگی وغیرہ میں یہ رقم پہلے سے متعین نہیں ہوتی بلکہ نقصان واقع ہو جانے پر نقصان کے مطابق متعین کی جاتی ہے۔ بعض دوسری شکلوں میں اس کی پیشگی تعیین کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ نقصان واقع ہونے پر اس کی مالیت بھی پہلے سے معلوم ہوتی ہے مثلاً بحری جہاز کا ڈوب جانا۔

زندگی کے بیمے میں ایک مشکل سوال یہ سامنے آتا ہے کہ کسی خاص عمر میں کسی آدمی کی موت سے اس کے اہل تعلق کو مالی طور پر کتنا نقصان واقع ہو گا اس کا اندازہ کس طرح لگایا جائے۔ مال و املاک کے سلسلے میں مالیت کی تعیین معروضی پیمانوں کے مطابق آسانی سے ممکن ہے۔ مگر جان کے سلسلے میں تعیین کے معروضی پیمانے صرف جزئی طور پر ہی میسر ہیں۔ ایسی صورت میں ایک حد کے اندر رہتے ہوئے اس بات کا فیصلہ متعلق فرد یا افراد کی صوابدید پر چھوڑنا ناگزیر تھا کہ وہ اس نقصان کا کیا اندازہ قائم کرتے ہیں اور اس کے پیش نظر کس رقم کی پالیسی خریدنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اس فرد یا افراد کی مالی بچت کرنے کی صلاحیت اور اس پر آمادگی بھی اہمیت رکھتی ہے اور اس سوال کو بھی اس پر چھوڑا جا سکتا تھا۔ ان تمام باتوں پر نظر ثانی ممکن ہے۔ مگر ان کی موجودگی میں صرف یہ بات کہ بیمہ زندگی کرانے والے کو اپنی ادا کردہ رقم سے زیادہ مل سکتی ہے اس معاملہ کو سود قرار دینے کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ اگر انشورنس کی خالص شکل یعنی تعاونی معاملہ کو تسلیم کر سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو انشورنس کرانے والے افراد پریمیم کے طور پر مجموعی طور پر جو رقم ادا کرتے ہیں اتنی ہی رقم افراد کے اس گروہ کو مجموعی طور پر واپس دی جاتی ہے نہ کم نہ زیادہ کیونکہ پریمیم کا حساب قانون اعداد کثیرہ اور قانون اوسط کی روشنی میں اس اصول پر مبنی ہے کہ وہ پورے گروہ کے نقصان کی تلافی کر سکے۔ اگرچہ کسی ایک فرد نے جو رقم ادا کی ہے اس میں اور اس فرد کو جو رقم ملتی ہے اس میں فرق ہو گا مگر ان تمام افراد پر مشتمل مجموعہ کے سلسلے میں دونوں رقموں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس وضاحت میں ہم نے تنظیم انشورنس پر آنے والے انتظامی اخراجات اور انشورنس کے سرمایہ کے نفع آور استعمال سے ہونے والے اضافہ دونوں کو نظر انداز کر دیا ہے تاکہ

مسئلہ کی اصل نوعیت کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ عملاً مذکورہ بالا احتیاجات کے پیش نظر انشورنس کرانے والوں کی ادا کردہ رقوم ان کو مجموعی طور پر دی جانے والی رقم سے زیادہ ہوں گی۔ مگر دوسری طرف سرمایہ کے نفع آور استعمال سے ہونے والے اضافہ کے پیش نظر ان کو دی جانے والی رقم ان سے لی جانے والی رقم سے زیادہ ہوگی۔ عملاً اس اضافے کا پیشگی حساب کر کے اس نسبت سے انشورنس کرانے والوں سے (پریمیم کے طور پر) نسبتاً کم رقم کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مسئلہ کی اس نوعیت پر غور کرنے سے واضح ہے کہ انشورنس کا معاملہ ربا سے یکسر مختلف ہے۔ سودی قرض میں قرض لینے والے کو انفرادی طور پر لی ہوئی رقم سے زیادہ رقم واپس دینی ہوتی ہے اور یہی صورت حال ان تمام افراد کے مجموعہ کے لیے بھی قائم رہتی ہے جو سود پر قرض لیتے ہیں۔ انشورنس میں انشورنس کرانے والے افراد کو مجموعی طور پر اتنی ہی رقم واپس ملتی ہے جتنی انہوں نے ادا کی ہوتی ہے، اگرچہ انفرادی سطح پر صورت حال مختلف ہوتی ہے۔

انشورنس کے سلسلے میں دوسری خرابیوں کا احتمال

یہ دیکھ لینے کے بعد کہ انشورنس اصلاً قمار اور ربا سے پاک ہے اور انشورنس کا نظام اس طور پر چلایا جا سکتا ہے کہ اس کی تفصیلات ان خرابیوں سے داغدار ہوں ہمیں اس بات کا بھی اطمینان حاصل کرنا ہے کہ یہ طریقہ ان دوسری خرابیوں سے بھی پاک ہے جن سے شریعت عام معاملات زندگی، بالخصوص لین دین کے معاملات کو پاک دیکھنا چاہتی ہے۔ قمار اور ربا کے علاوہ دوسری خرابیاں یہ ہیں:

(۱) اکراہ۔

(۲) اضطرار سے بے جا فائدہ اٹھانا۔

(۳) غش و غبن

(۴) غرر فاحش اور جہل مفضی الی النزاع

(۵) ضرر۔

کتاب اللہ یا سنت نبوی نے جن معاملات کو ممنوع قرار دیا ہے ان میں یہی خرابیاں پائی جاتی ہیں اور یہی ان کے ممنوع ہونے کا سبب ہیں۔ فقہ اسلامی میں معاملات کے جواز یا عدم جواز کا حکم اسی بنیاد پر لگایا گیا ہے کہ وہ ان خرابیوں سے پاک ہیں یا ان سے آلودہ ہیں۔ جو معاملات ان خرابیوں سے پاک ہوں وہ مباح ہیں اگر وہ معتبر انسانی مصالح کے خادم ہوں تو پسندیدہ اور مطلوب بھی ہیں۔ انشورنس کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام خرابیوں سے پاک ہے اور ساتھ ہی اہم انفرادی اور اجتماعی مصالح کا خادم بھی ہے۔

پہلی تین خرابیوں سے عام حالات میں انشورنس کا پاک ہونا کسی بحث کا محتاج نہیں معلوم ہوتا اگر کسی مخصوص معاہدہ میں ان میں سے کوئی خرابی پائی جائے تو قانون کی مداخلت سے اس کی اصلاح ممکن ہوگی اور اصلاح کے بعد بھی انشورنس کا طریقہ اختیار کیا جا سکے گا۔ انشورنس کے کسی کاروباری ادارے اگر معقول مقدار سے زیادہ پریمیم وصول کریں تو اسے غبن قرار دیا جا سکتا ہے، انشورنس کرانے والا فرد اپنی عمر، صحت، مالی حیثیت یا جن املاک کا انشورنس کرایا جا رہا ہو ان کی ملکیت کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے تو یہ غش کی تعریف میں آئے گا، وغیرہ۔

اسی طرح پانچویں خرابی، یعنی غرر سے بھی انشورنس کا طریقہ پاک ہے۔ انشورنس کے معاہدے سے کسی تیسرے فریق کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا، نہ اس طریقہ کو اختیار کرنے سے کوئی اجتماعی مفاد مجروح ہوتا ہے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

شریعت کا منشا یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر معاملہ میں فریقین متعلقہ امور سے پوری طرح آگاہ ہو کر معاہدہ کریں تاکہ وہ اپنے نفع نقصان یا حقوق و فرائض کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور آئندہ آگاہی ہونے پر جھگڑے دکھڑے ہوں اور ایک دوسرے کے خلاف تنازعہ نہ پیدا ہو۔ خرید و فروخت کے معاملات میں قیمت اور خریدی جانے والی چیز اور دوسرے متعلق امور کے بارے میں جب ایسا عدم علم پایا جائے جو آئندہ جھگڑے کی بنیاد بن سکتا ہو تو معاملہ کرنے سے روکا گیا ہے۔

غرر سے مراد دھوکہ ہے جس کی بنیاد عدم علم اور عدم تعیین ہے۔ سنت میں ممنوع بیع غرر کی چند مثالیں یہ ہیں: تالاب میں جتنی مچھلیاں ہوں ان کی ایک متعین قیمت کے عوض فروخت، مادہ اونٹنی کے بچہ جننے سے پہلے اس بچہ کی فروخت، درخت پر پیدا ہونے پر ان پھلوں کی فروخت جو ابھی تیار نہیں ہوئے ہیں۔ جب فروخت کی جانے والی چیز وصف اور مقدار سے معلوم اور متعین نہ ہو تو معاہدہ بیع میں غرر کا عنصر داخل سمجھا جائے گا۔ ضمانت کی فروخت اور لین دین کے دوسرے معاملات میں بھی جب فریقین کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں اس نوعیت کے عدم تعیین یا عدم علم کا شکار ہوں تو معاملہ غرر پر مبنی ہوگا۔

سنت میں غرر کی بنا پر ممنوع معاملات کے درمیان ایک قدر مشترک یہ بھی ہے کہ مقصد کا حصول غرر سے بچتے ہوئے بھی ممکن ہو۔ مثلاً مذکورہ بالا مثالوں میں یہ ممکن ہے کہ ادا کی جانے والی قیمت کی مقدار مچھلیوں کی اس مقدار پر منحصر ہو جو تالاب سے نکلیں۔ یا اونٹنی کے بچہ جننے کے بعد اس کو خریدا جائے، یا درخت کے پھل تیار ہونے پر ان کی فروخت عمل میں آئے۔ ہمارے علم کی حد تک سنت میں غرر کی بنیاد پر کسی ایسے معاملے سے نہیں روکا گیا ہے جو کسی ضرورت کی تکمیل یا مصلحت کے حصول کے لیے ناگزیر ہو، مگر اسے غرر، یعنی عدم علم اور عدم تعیین سے پاک کرنا کسی طرح ممکن نہ ہو۔ فقہاء نے عام طور پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ تمدنی ضرورت کے جن معاملات کو عدم علم سے پوری طرح پاک نہ کیا جا سکتا ہو، ان کی اجازت ہے اور ان کی ضرورت کے پیش نظر تھوڑے غرر کو گوارا کیا جائے گا۔ البتہ اگر غرر زیادہ ہے تو معاملے سے روک دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس تھوڑے اور بہت کی تعیین میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا مثالوں میں سے پہلے اور تیسرے معاملہ کا عدم جواز متفق علیہ ہے اور متعدد فقہاء متعلقہ غرر کو قابل درگذر سمجھتے ہیں کیونکہ اس کا ازالہ زحمت طلب ہے۔

جہاں تک انشورنس کرنے والے ادارے کا تعلق ہے وہ رقم معلوم اور متعین ہوتی ہیں جو اسے انشورنس کرانے والے افراد کے مجموعے سے ملیں گی اور انھیں ادا کرنی ہوں گی۔ یہ علم اور تعیین قانون اوسط، اور اس امر پر مبنی ہے کہ پریمیم کا حساب اسی بنیاد پر لگایا جاتا ہے کہ پورے گروہ کو بحیثیت مجموعی کتنی ادائیگی کرنی، قانون اوسط کی روشنی میں لازم آئے گی۔ ان حسابات میں غلطی کی گنجائش کم ہے اور جو غلطی رہ جائے اس کی تلافی تعاونی اور ریاستی انشورنس کی صورتوں میں بآسانی ممکن ہے۔ انشورنس کرانے والے کسی ایک فرد کے اعتبار سے البتہ یہ بات معلوم اور متعین نہیں ہے کہ اسے کوئی رقم ملے گی یا نہیں، یا کتنی رقم ملے گی اور پریمیم کی صورت میں اسے مجموعی طور پر کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی۔ اس عدم علم اور عدم تعیین کا سبب یہ ہے

کہیں حادثے اور اس سے مالی نقصان کے پیش نظر انشورنس کرایا جاتا ہے اس کا وقوع کسی ایک فرد کے ساتھ معلوم و متعین نہیں ہے۔ یہ عدم علم اور عدم تعین کہ کسی فرد کو کوئی متعین حادثہ پیش آئے گا یا نہیں، انسانی زندگی سے دور کرنا ممکن نہیں ہے۔ انسان اس عدم علم اور عدم تعین کے سلسلے میں معذور ہے۔ یہی صورت حال انشورنس کا طریقہ اختیار کرنے کی داعی بنتی ہے۔ انفرادی سطح پر اس عدم علم اور عدم تعین کو اگر غرر قرار دیا جائے تو بھی اس کی بنیاد پر انشورنس کے طریقے کو ممنوع قرار دینا مناسب نہ ہوگا، کیونکہ اسے ممنوع قرار دینے کی صورت میں متعلقہ ضرورت کی تکمیل اور مصالح کا تحفظ کسی صورت ممکن نہ رہ جائے گا۔ مزید برآں یہ معاملہ اپنی مخصوص نوعیت رکھتا ہے۔ اس کی اجتماعی نوعیت کو نظر انداز کر کے صرف انفرادی سطح پر موجود غرر کی بناء پر اسے ممنوع نہیں قرار دینا چاہیے۔

انشورنس ایک نیا معاملہ ہے اس کی نوعیت لین دین کے دوسرے معاملات سے بالکل مختلف ہے۔ اس معاملہ میں عدم علم اور عدم تعین جہاں اور جس قدر پایا جاتا ہے اس کی نوعیت سادہ خرید و فروخت میں پائے جا سکنے والے اس عدم علم یا عدم تعین سے مختلف ہے جس کی مثالیں سنت میں ممنوع بیع غرر کے معاملات کی شکل میں ملتی ہیں۔ یہ معاملہ اجتماعی سطح پر معلوم و متعین اور انفرادی سطح پر غیر معلوم و غیر متعین ہے۔

انشورنس میں جس نوع کا عدم علم اور عدم تعین پایا جاتا ہے وہ آگے چل کر فریقین کے درمیان جھگڑے کی بنیاد نہیں بنتا کیونکہ انشورنس کرانے والا اس عدم علم اور عدم تعین سے پوری آگاہی کے ساتھ انشورنس کراتا ہے۔ اسے اس بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوتی۔ وہ جانتا ہے کہ وہ ایک حادثے کے اندیشے کی بناء پر انشورنس کرا رہا ہے اور ممکن ہے کہ وہ حادثہ واقع نہ ہو۔ آگے چل کر اگر اسے وہ حادثہ پیش نہیں آتا جس کے اندیشے سے انشورنس کرایا گیا تھا تو یہ بات اس میں انشورنس کرنے والوں کے خلاف غم و غصہ پیدا کر سکتی ہے، نہ یہ احساس کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا یا اس کی لاعلمی سے بے جا فائدہ اٹھایا گیا۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، انشورنس کرانے والا فرد جو پریمیم ادا کرتا ہے اسے متعلقہ حادثے کے مالی نقصان سے تحفظ کی قیمت قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ تحفظ ایک معلوم اور متعین امر ہے جو اسے معاہدہ انشورنس کے تحت ہر صورت حاصل ہوتا ہے خواہ متعلقہ حادثہ پیش آئے یا نہ آئے۔ قطع نظر اس سے کہ کسی فرد کو یہ تحفظ نقصان کی تلافی میں ملنے والی رقم سے حاصل ہوتا ہے اور کسی فرد کو اس طرح کہ اسے سرے سے نقصان ہی نہیں ہوتا اور کسی فرد کو پریمیم کی کتنی قسطیں ادا کرنا پڑتی ہیں، اگر اس تحفظ کو محل عقد بنایا جائے تو اس معاملے میں انفرادی سطح پر بھی غرر کا وجود مشتبہ ہے۔ معاملے کے دونوں فریقوں کے حقوق و فرائض بالکل معلوم اور متعین ہیں، البتہ ان کی مالی تعبیر ایسے حادثات پر منحصر ہیں جو عدم علم اور عدم تعین کا شکار ہیں۔

جیسا کہ بعض معاصر اسلامی مفکرین نے اشارہ کیا ہے، سنت میں غرر کی بناء پر بعض معاملات سے اسی صورت میں روکا گیا ہے جب غرر بہت زیادہ ہو[1] نیز اس میں بیع غرر کی ممانعت کی گئی ہے نہ کہ مجرد غرر کی خواہ وہ زندگی کے کسی

لہ مصطفیٰ احمد الزرقاء: عقد التامین (السوکرہ) و موقف الشریعۃ الاسلامیۃ ص ۵۰، مطبعۃ جامعۃ دمشق ۱۹۶۲ء نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد البہی: نظام التامین فی ہدی احکام الاسلام وضرورات المجتمع المعاصر طبع قاہرہ ۱۹۶۵ء

معاملے میں پایا جاتا ہے[1] اگر جائزہ لیا جائے تو متعدد امور زندگی میں شریعت نے ایسے فیصلوں اور معاہدات کو روا رکھا ہے جو تمام متعلقہ باتوں کے پورے علم پر مبنی نہیں ہوتے یا مبنی نہیں ہو سکتے، مثلاً عقد نکاح اجارہ، انتخاب امیر، حکم کے ذریعہ تنازعات کا فیصلہ چارہ وغیرہ[2]

بیمہ کے متعلق علامہ ابن عابدین حنفی شامی کی رائے

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: ہم نے جو یہ بیان کیا ہے کہ دارالاسلام میں اگر کوئی کافر مستامن (یا ویزا پرمٹ سے) آئے تو اس کے ساتھ بھی سود اور قمار کا معاملہ جائز نہیں ہے، اس جواب سے بیمہ کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا، جس کے متعلق ہمارے زمانہ میں بکثرت سوالات کیے جاتے ہیں کیونکہ اب لوگوں میں یہ معمول بن گیا ہے کہ تاجر جب کسی حربی سے کوئی جہاز کرائے پر لیتے ہیں تو اس کو کرایہ دینے کے علاوہ، دارالحرب میں رہنے والے کسی باشندہ کو ایک معین رقم اس شرط پر دیتے ہیں کہ اگر جہاز ڈوب گیا یا جل گیا یا اس کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا یا کسی اور ناگہانی آفت کا شکار ہو گیا تو یہ شخص اس رقم کے بدلہ میں اس نقصان کا ضامن ہو گا، اس رقم کو "سوکرہ" "بیمہ کی رقم" کہا جاتا ہے، اس حربی (انشورنس کمپنی کا مالک) کا ایک وکیل (ایجنٹ) سلطان اسلام کی اجازت سے ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں مستامن بن کر (یا پرمٹ کے ساتھ) رہتا ہے جو تاجروں سے بیمہ کی رقم وصول کرتا ہے اور اگر سمندر میں تاجر کا مال ضائع ہو جائے تو وہ تاجروں کو اس کا پورا پورا معاوضہ ادا کر دیتا ہے۔

علامہ شامی اس مسئلہ میں اپنی تحقیق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس مسئلہ میں مجھ پر جو چیز منکشف ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ تاجروں کے لیے اس مستامن وکیل سے اپنے نقصان کا بدل لینا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اس چیز کا التزام ہے جو اس پر لازم نہیں ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امانت رکھنے والا اگر امانت رکھنے کی اجرت لے تو امانت ضائع ہو جانے کی صورت میں اس پر امانت کا معاوضہ لازم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بیمہ کو امانت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، یہ مال بیمہ کرانے والے کی تحویل میں نہیں تھا، بلکہ جہاز والوں کی تحویل میں تھا اور اگر بالفرض جہاز میں بیمہ کمپنی کا مرکب بھی ہو تب بھی مالی نقصان کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہو گا، کیونکہ اس صورت میں بیمہ کمپنی اجیر مشترک متصور ہو گی جس نے مال پہنچانے اور مال کی حفاظت کرنے دونوں کی اجرت لی ہے، اور غرقابی وغیرہ ناگہانی آفت سے مال تلف ہونے کی صورت میں امانت دار اور اجیر مشترک دونوں ضامن نہیں ہوتے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ باب الکفالہ میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے یہ کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو اس راستہ میں کوئی خطرہ نہیں ہے، اس شخص نے اس راستہ پر سفر کیا اور اس راستہ میں اس کا مال لوٹ لیا گیا تو وہ ضامن نہیں ہو گا لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ یہ راستہ بے خطر ہے اور اگر تمہارا مال لوٹ گیا تو اس کا میں ضامن ہوں گا تو اس صورت میں اس کو ضامن قرار دیا جائے گا، علامہ حصکفی صاحب در مختار نے ان دونوں صورتوں میں اس طرح فرق کیا ہے کہ دوسری صورت میں اس نے ضمانت کا التزام کر لیا ہے اور پہلی صورت میں اس نے ضمانت نہیں دی اور جامع الفصولین میں یہ فرق اس طرح بیان کیا ہے کہ دھوکا کھانے والا، دھوکا دینے والے سے اس وقت ضمان لے گا جب اس کو کسی عقد معاوضہ کے

---

[1] سید محمد صادق الحسینی الروحانی، المسائل المستحدثہ، جلد اول ص ۲۲، دار الفکر قم ایران، ۱۳۹۲ھ

[2] ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں ص ۳۳۔۳۲، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، اکتوبر ۱۹۷۴ء

ضمن میں دھوکا دیا جائے یا دھوکا دینے والا دھوکا کھانے والے شخص کے حق میں سلامتی کی ضمانت دے (جیسا کہ زیر بحث عقد میں ہے) عقد میں دھوکے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کسی چکی والے کے پاس گندم پسوانے کے لیے لایا چکی والے نے اس شخص سے کہا کہ اس برتن میں ڈال دو، اتفاق سے اس برتن میں سوراخ تھا جس سے چکی والا واقف تھا اور اس کے باوجود اس نے اس برتن میں گندم ڈالنے کے لیے کہا جس کی وجہ سے سب گندم ضائع ہو گئی تو اب چکی کا مالک اس نقصان کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے عملاً اجارہ میں دھوکا دیا ہے، جب کہ اس عقد کا تقاضا یہ تھا کہ اس مال کی حفاظت کی جائے۔[1] علامہ شامی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ اس وقت ہے جب دھوکا دینے والا اس نقصان سے واقف ہو اور دھوکا کھانے والا اس نقصان سے واقف نہ ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیمہ کمپنیوں کا مقصد تاجروں کو دھوکا دینا نہیں ہوتا اور نہ ان کو جہاز کے ڈوبنے یا اس میں آگ لگنے کا علم ہوتا ہے رہا عدم خطرہ تو اس کا بیمہ کمپنی اور تاجر دونوں کو علم ہوتا ہے کیونکہ تاجر اسی وقت بیمہ کراتے ہیں جب ان کو خطرہ ہو اور نقصان کی تلافی کی امید ہو لہٰذا بیمہ کے مسئلہ کو اس مسئلہ پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ شامی نے بیمہ کی جس صورت پر بحث کی ہے اب وہ صورت معمول نہیں ہے، جس صورت سے علامہ شامی نے بحث کی ہے اس میں قمار ہونا بالکل نمایاں ہے کیونکہ بحری جہاز کا ہر مسافر بیمہ کمپنی کو ایک خاص رقم ادا کرتا ہے کہ اگر ایک یا چند مسافروں کا نقصان ہو گیا تو بیمہ کمپنی اس کی تلافی کر دے گی اور اگر نقصان نہیں ہوا تو بیمہ کمپنی ان تمام رقوم کی مالک ہو جائے گی اور چونکہ اس عقد میں جانبین کو نفع یا نقصان لازم ہے اور یہ کھلا ہوا قمار ہے، اسی لیے علامہ شامی نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

بیمہ زندگی کے متعلق علماء مصر کا نظریہ

علماء مصر سے سوال کیا گیا کہ:

ایک شخص نے کسی بیمہ کمپنی سے اپنی زندگی میں یہ عقد کیا کہ اگر وہ اقساط پوری کرنے سے پہلے مر جائے تو اتنی رقم اس کی اولاد کو دی جائے تو اب اس کے مرنے کے بعد بیمہ کی اس رقم کو اس کی اولاد میں تقسیم کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: احکام شرعیہ کا تقاضا یہ ہے کہ مذکور الصدر عقد، عقد شرعی نہ ہو، حتیٰ کہ بیمہ کی رقم کو اس کے ورثاء میں تقسیم کرنا صحیح ہو، ہاں متوفی نے جس قدر اقساط جمع کرائی تھیں وہ اقساط اس کی جائز ملکیت ہیں وہ تمام اقساط بیمہ کمپنی سے واپس لے کر اس کے وارثوں میں تقسیم کر دی جائیں، اور جمع شدہ اقساط سے جو زائد رقم بیمہ کمپنی اپنی خوشی سے محض تبرعاً اور احساناً دیتی ہے اور ورثاء بھی اس کو قبول کرنے پر راضی ہوں تو شریعت میں بطور احسان اور تبرع کے کسی عطیہ لینے کی ممانعت نہیں ہے۔[2]

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ بیمہ کمپنی جمع شدہ اقساط سے زائد جو رقم دیتی ہے اس کو تبرع اور احسان کے طور پر لینا جائز ہے اور اپنا حق سمجھ کر وصول کرنا ناجائز ہے، جیسا کہ آج کل بیمہ کی رقم کو عدالت کے ذریعہ جبراً وصول کیا جاتا ہے، اس جواب کی روشنی میں بطریق مذکور ناجائز نہیں ہے۔

آتش زنی اور دیگر ناگہانی آفات سے تحفظ کی خاطر بیمہ کرانے کے متعلق علماء مصر کا نظریہ

علماء مصر سے سوال کیا گیا کہ:

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ۳ ص ۲۴۵، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ

[2] الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۳۵ ص ۱۴۰۰-۱۳۹۹، مطبوعہ القاہرہ ۱۴۰۰ھ

بعض کمپنیاں آتش زدگی سے تحفظ کے لیے بیمہ کرتی ہیں، ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مثلاً کسی دکان کے مالک سے سالانہ ایک معین قسط وصول کرتی ہیں، اور اس کے بدلہ میں وہ یہ ضمانت فراہم کرتی ہیں کہ اگر دکان میں آگ لگ گئی تو جس قدر نقصان ہوگا وہ اس کا معاوضہ ادا کریں گی بہت سے لوگ اپنی زمینوں کا بھی ان کمپنیوں میں بیمہ کراتے ہیں، یہ بتلائیے کہ آیا اس قسم کا بیمہ احکام شرعیہ کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور یہ بتائیں کہ کسی وقف کا متولی اوقاف ملوکہ کا بیمہ کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب سوال مذکور میں بیمہ کمپنیوں کا جو طریقہ کار بیان کیا گیا ہے وہ شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق نہیں ہے اور کسی شخص کے لیے اس قسم کا بیمہ کرانا جائز نہیں ہے خواہ وہ شخص کسی وقف کا متولی ہو یا غیر، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ ضمانت صرف دو شکلوں میں ہوتی ہے۔ (۱) کوئی شخص کسی مقروض کے قرض کا ضامن ہو کہ اگر اس نے قرض ادا نہیں کیا تو وہ اس رقم کو ادا کرے گا اس کو ضمان بطریق الکفالت کہتے ہیں (ب) کوئی شخص تعدی یا تجاوز کر کے کسی شخص کی کوئی چیز تلف اور ضائع کر دے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ وہ اس شخص کو اس چیز کے بدلہ میں اس جیسی چیز یا اس کی قیمت فراہم کرے اس کو ضمان بطریق التعدی والاتلاف کہتے ہیں بیمہ کمپنیاں آتش زدگی کے بعد جو رقم ادا کرتی ہے وہ ضمان الکفالۃ کے تحت بالکل نہیں آتی، کیونکہ کفالت میں یہ شرط ہے کہ مکفول بہ (جس چیز یا جس رقم کی ضمانت دی گئی ہے) یعنی (قرض یا واجب الاداء حق مثلاً مہر یا نفقہ) ایسی چیز ہو جو ادا کرنے یا معاف کر دینے کے ساقط نہ ہو، یا کوئی ایسی معین چیز ہو جسے مکفول لہ (طالب حق) کے سپرد کرنا مکفول عنہ (مقروض یا جس پر کسی کا حق ادا کرنا لازم ہو) پر واجب ہو، (مثلاً کسی شخص سے عاریۃً کوئی چیز لی تو اس کو واپس کرنا مستعیر پر واجب ہے، یا بیع سلم میں بائع نے پیشگی قیمت لے کر کوئی چیز (فروخت کر دی تو اس پر مبیع کا ادا کرنا واجب ہے) اگر وہ چیز تلف ہو گئی تو مکفول عنہ اس کا ضامن ہوگا کہ اس چیز کی مثل مکفول لہ کو ادا کرے اور اگر اس کی مثل نہیں ہے تو اس کی قیمت ادا کرے، مثلاً کوئی چیز بیع فاسد کے ساتھ فروخت کی گئی یا بدل خلع یا بدل صلح عمد میں بدل خلت، بدائع الصنائع اور دیگر فقہ کی معتبر کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے، اس قاعدہ کے مطابق عقد کفالت میں چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے، (۱) **کفیل:** یعنی جس شخص پر کسی کی طرف سے کسی چیز کی ضمانت واجب ہو، (۲) **مکفول لہ:** یعنی جس شخص کے سپرد وہ مال کیا جائے جس کی ضمانت کی گئی، (۳) **مکفول عنہ:** جس شخص پر اصالۃً ضمانت شدہ مال کو سپرد کرنا واجب ہے، ......
(۴) **مکفول بہ:** یہ وہ مال ہے جس کو طالب حق کے سپرد کرنا واجب ہے۔ ان چار امور کے بغیر عقد کفالت متصور نہیں ہوتا، اور بیمہ کمپنیاں جو آتش زدگی سے تحفظ کی خاطر دکان وغیرہ کا بیمہ کرتی ہیں اس میں یہ امور نہیں پائے جاتے اس لیے ان میں عقد کفالت متحقق نہیں ہوگا، کیونکہ بیمہ کرانے والا جس مال کو بیمہ کمپنی کی ضمانت میں دیتا ہے وہ اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہوا اور کسی شخص پر یہ واجب نہیں کہ وہ اس مال کو اس کے سپرد کرے اور نہ ہی کوئی چیز منجملہ کمپنی کی ضمانت میں داخل ہوئی جیسا کہ مال کمپنی کی ضمانت میں نہیں ہے کیونکہ بیمہ کرانے والے کے مال کا بیمہ کمپنی پر کوئی حق نہیں ہے اور نہ کسی چیز کی ادائیگی کمپنی کے ذمہ ہے لہٰذا کمپنی بیمہ کرانے والے کی کسی چیز کی ضامن نہیں ہوتی اور بغیر کسی ضمانت کے عقد کفالت کس طرح منعقد ہو سکتا ہے؟

اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ بیمہ کمپنی جو ادائیگی کرتی ہے وہ ضمان تعدی یا ضمان اتلاف کے تحت بھی داخل نہیں ہے، کیونکہ جس مال کی انشورنس کی گئی ہے اس مال پر کمپنی والوں نے کوئی تعدی کی ہے نہ اس کو تلف کیا ہے بلکہ اس مال کو کوئی معمولی سا ضرر بھی نہیں پہنچایا، اب وہ مال قضاء و قدر سے ضائع ہو جاتا ہے یا کسی اور تیسرے شخص

فتح القدیر۔ واللہ تعالیٰ اعلم[1]

بیمہ کے متعلق سید مودودی کا نظریہ

سوال: انشورنس کے مسئلے میں مجھے تردد لاحق ہے اور صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آسکا کہ آیا بیمہ کرانا اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا ناجائز؟ اگر بیمے کا موجودہ کاروبار ناجائز ہے تو پھر اسے جائز بنانے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اگر موجودہ حالات میں ہم اسے ترک کر دیں تو اس کے نتیجے میں معاشرے کے افادیت سے فائدے سے محروم ہو جائیں گے۔ دنیا بھر میں یہ کاروبار جاری ہے اور تمام دنیا پھیلنے پر انشورنس کی تنظیم کر چکی ہے اور سب اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں ابھی تک اس بارے میں تامل اور تذبذب پایا جاتا ہے۔ آپ اگر اس معاملے میں صحیح صورت میں رہنمائی کریں تو ممنون ہوں گا۔

جواب: انشورنس کے بارے میں شرعاً اسلامی نقطۂ نظر سے تین اساسی اعتراضات ہیں جن کی بنا پر اسے جائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

اوّل یہ کہ انشورنس کمپنیاں جو روپیہ پریمیم (Premium) کی شکل میں وصول کرتی ہیں اس کے بہت بڑے حصے کو سودی کاموں میں لگا کر فائدہ حاصل کرتی ہیں اور اس ناجائز کاروبار میں وہ لوگ آپ سے آپ حصہ دار بن جاتے ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں اپنے آپ کو یا اپنی کسی چیز کو ان کے پاس انشورڈ کراتے ہیں۔

دوم یہ کہ موت یا حادثہ یا نقصان کی صورت میں جو رقم دینے کی ذمہ داری کمپنیاں اپنے ذمہ لیتی ہیں اس کے اندر قمار کا اصول پایا جاتا ہے۔

سوم یہ کہ ایک آدمی کے مر جانے کی صورت میں جو رقم ادا کی جاتی ہے، اسلامی شریعت کی رُو سے اس کی حیثیت مرنے والے کے ترکے کی ہے جسے شرعی وارثوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ مگر یہ رقم ترکے کی حیثیت میں تقسیم نہیں کی جاتی بلکہ اس شخص یا ان اشخاص کو مل جاتی ہے جن کے لیے پالیسی ہولڈر نے وصیت کی ہو۔ حالانکہ وارث کے حق میں شرعاً وصیت ہی نہیں کی جا سکتی۔

رہا یہ سوال کہ انشورنس کے کاروبار کو اسلامی اصول پر کس طرح چلایا جا سکتا ہے تو اس کا جواب اتنا آسان نہیں جتنا یہ سوال آسان ہے۔ اس کے لیے یہ ضرورت ہے کہ ماہرین کی ایک مجلس جو اسلامی اصول کو بھی جانتی ہو اور انشورنس کے معاملات کو بھی سمجھتی ہو، اس پورے مسئلہ کا جائزہ لے اور انشورنس کے کاروبار میں ایسی اصلاحات تجویز کرے جن سے کاروبار بھی چل سکتا ہو اور شریعت کے اصولوں کی خلاف ورزی بھی نہ ہو۔ جب تک یہ نہیں ہوتا، کم از کم یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ ہم ایک غلط کام کر رہے ہیں۔ غلطی کا احساس بھی اگر ہم میں باقی رہے تو پھر اصلاح کی کوشش کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔

بے شک موجودہ زمانے میں انشورنس کی بڑی اہمیت ہے، اور ساری دنیا میں اس کا چلن ہے مگر اس دلیل سے کوئی حرام چیز حلال ہو سکتی ہے اور نہ کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب حلال ہے یا اسے اس بنا پر حلال ہونا چاہیے کہ دنیا میں اس کا چلن ہو گیا ہے۔ ایک مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم جائز و ناجائز میں فرق کریں اور اپنے معاملات کو جائز طریقوں سے چلانے پر اصرار کریں۔[2] (ترجمان القرآن، اگست ۱۹۶۲ء)

---

[1] امام احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، فتاویٰ رضویہ ج ۹ ص ۵۱ - ۵۰، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

[2] سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، رسائل و مسائل ج ۳ ص ۳۱۲ - ۳۱۳، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لاہور

بیمہ کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ

شیخ روح اللہ خمینی لکھتے ہیں:

(۲۸۵۸) بیمہ ایک قرار داد اور عقد ہے جو بیمہ کرانے والے اور بیمہ کرنے والے یا بیمہ کمپنی یا مسئول بیمہ کے درمیان ہوا کرتا ہے اور یہ عقد باقی تمام عقود کی طرح ایجاب و قبول کا محتاج ہے اور موجب و قابل عقد کے شرائط جو باقی عقود میں معتبر ہیں وہ اس میں بھی معتبر ہیں اور یہ عقد ہر زبان میں ہو سکتا ہے۔

(۲۸۵۹) بیمہ میں علاوہ ان شرائط کے جو باقی عقود میں ہیں کہ وہ شخص بالغ، عاقل، مختار وغیرہ ہو، چند اور شرائط بھی معتبر ہیں:

۱۔ مورد محل بیمہ کا تعین کرو وہ فلاں شخص یا فلاں تجارت خانہ یا فلاں کشتی موٹر یا ہوائی جہاز ہے۔
۲۔ عقد کرنے والے جانبین کا تعین کرو وہ اشخاص ہیں یا ادارے یا کمپنیاں یا حکومت ہے۔
۳۔ رقم کا تعین جو کہ اس کو ادا کرنی ہے۔
۴۔ قسطوں کا تعین کہ جو دینی ہیں اور ان کے وقت کا تعین۔
۵۔ وقت بیمہ کا تعین کہ فلاں مہینے یا سال سے چند مہینوں یا سالوں تک۔
۶۔ وہ خطرے کہ جو نقصان کا سبب بنتے ہیں ان کا تعین مثلاً جل جانا، غرق ہونا، چوری ہو جانا یا مر جانا یا مریض ہونا اور تمام آفتیں جو نقصان کا باعث بنتی ہیں انہیں قرار داد میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

(۲۸۶۰) یہ ضروری نہیں کہ قرار داد بیمہ میں میزان نقصان کو معین کیا جائے پس اگر یہ قرار طے ہو کہ جتنا نقصان ہو اس کا جبران کریں گے تو صحیح ہے۔

(۲۸۶۱) عقد بیمہ کی کئی ایک صورتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بیمہ کرانے والا کہے کہ میرے ذمے اتنی رقم ہے کہ فلاں وقت تک ہر ماہ اتنی رقم ادا کروں گا اور اس کے مقابلے میں جو نقصان میرے کارخانے کے جلنے یا چوری ہونے کی وجہ سے پہنچے تو اس کا جبران کرو گے اور طرف مقابل قبول کرے یا طرف مقابل کہے کہ تمہارے اوپر ہے کہ جو نقصان پہنچے گا جلنے یا چوری ہونے سے تو وہ میرے ذمے ہے اور اس کے مقابلے میں اتنی رقم تجھے ادا کرنی ہوگی اور تمام شرائط جو گذشتہ مسئلہ میں بیان ہو چکے ہیں وہ معلوم اور ان کے مطابق قرار داد ہونی چاہیے۔

(۲۸۶۲) ظاہر ہے کہ تمام قسمیں ان شرائط کے ساتھ جو ذکر ہو چکی ہیں صحیح ہیں چاہے زندگی کا بیمہ ہو یا تجارتی کارخانوں کا یا مکانات کشتیوں اور ہوائی جہازوں کا یا حکومت اور اداروں میں کام کرنے والوں کا یا کسی بستی یا شہر کا بیمہ اور بیمہ ایک مستقل عہد ہے اور اسے دوسرے بعض عقود کے عنوان سے مثلاً صلح میں بھی اجرا کیا جا سکتا ہے۔[1]

شیخ ابوالقاسم موسوی خوئی لکھتے ہیں:

(۲۸۶۹)۔ اگر حکومت یا کسی بیمہ کمپنی اور پالیسی ہولڈر کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ وہ ہر ماہ یا ہر سال ایک خاص رقم دیتا رہے گا تاکہ اُسے اگر کوئی نقصان پہنچے اور حکومت یا کمپنی اس کا تدارک کرے تو یہ بیمہ یا انشورنس کہلاتا ہے کبھی بیمہ زندگی کا ہوتا ہے کبھی مال کا، کبھی آگ لگنے کا، کبھی ہوائی جہاز کا، کبھی کشتی وغیرہ کا۔ بیمہ کی دوسری اقسام بھی ہیں جن کا وہی حکم ہے جو اس کی مذکورہ اقسام کا ہے لہٰذا ان کا ذکر ضروری نہیں۔

---

[1] شیخ روح اللہ خمینی متوفی ۱۴۰۹ھ، توضیح المسائل ص ۴۵۱ - ۴۵۲ مطبوعہ سازمان تبلیغات اسلامی تہران، ۱۴۱۲ھ

(۲۸۸۰) اس معاملے کے حسب ذیل اجزاء ہیں۔

(۱)۔ کمپنی کی پیش کش۔ (۲) پالیسی ہولڈر کا قبول کرنا۔ (۳) وہ چیز جس کا بیمہ کیا گیا ہو یعنی زندگی وغیرہ۔ (۴) اقساط جو پالیسی ہولڈر ہر سال یا ہر ماہ ادا کرتا رہے گا۔

(۲۸۸۱) یہ ضروری ہے کہ جس چیز کا بیمہ کیا گیا ہو وہ معین ہو اور یہ بھی بیان کیا جانا چاہیے کہ حکومت یا بیمہ کمپنی کس قسم کے نقصان کا تدارک کرنے کی ذمہ داری اٹھائے گی مثلاً غرق ہونا، آگ لگنا، چوری ہو جانا، مریض ہو جانا، مر جانا وغیرہ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ قسط کی کیا مقدار ہوگی۔ ساتھ ہی ابتدا اور انتہا کے لحاظ سے بیمہ کی مدت بھی معین ہونی چاہیے۔

(۲۸۸۲) بیمہ کی تمام اقسام کو مشروط بخشش قرار دیا جا سکتا ہے یعنی پالیسی ہولڈر بیمہ کمپنی کو اس شرط پر اقساط کی صورت میں ایک معین رقم بخشش (ہبہ) کے طور پر ادا کرے گا کہ معاملہ کے ضمن میں مذکورہ نقصانات اگر پیش آئیں تو کمپنی ان کا تدارک کرے گی۔ اس صورت میں کمپنی پر واجب ہے کہ اس شرط پر عمل کرے۔ پس بیمہ کا جو نظام اور طریقہ بھی رائج ہے۔

(۲۸۸۳) اگر حکومت یا بیمہ کمپنی شرط پر عمل نہ کرے تو پالیسی ہولڈر کو حق حاصل ہوگا کہ معاملے کو ختم کر کے اقساط واپس لے لے۔

(۲۸۸۴) اگر پالیسی ہولڈر اقساط پابندی سے ادا نہ کرے تو بیمہ کمپنی کے لیے واجب نہیں ہے کہ وہ حادثے کی صورت میں اسے ہرجانہ ادا کرے اور نہ ہی پالیسی ہولڈر اپنی اقساط واپس لے سکتا ہے۔

(۲۸۸۵) عقد بیمہ کی صحت کے لیے کوئی خاص مدت معتبر نہیں ہے بلکہ بیمہ کمپنی اور پالیسی ہولڈر جتنی مدت پر متفق ہو جائیں، درست ہے۔

(۲۸۸۶) اگر کمپنی کے حصے دار اس شرط پر کمپنی میں سرمایہ لگائیں کہ ان میں سے کسی کو خاص نقصان پہنچا تو کمپنی اس کا تدارک کرے گی تو کمپنی پر لازم ہے کہ اس شرط پر عمل کرے۔[1]

بیمہ کے متعلق مصنف کی تحقیق اور بحث و نظر

مصنف کے نزدیک بیمہ کی اسکیم انسانی معاشرہ کے لیے مفید اور لائق عمل ہے اگر بیمہ کے نظام کو شریعت اسلامیہ کے احکام کے مطابق نافذ کیا جائے تو اس کی افادیت اور استحسان میں کوئی شبہ نہیں ہے بلکہ یہ عمل اسلامی اخوت اور مساوات کے قریب تر ہے، لیکن بیمہ کا موجودہ نظام اور طریق کار متعدد وجوہ سے اسلامی احکام کے خلاف ہے اس لیے احکام شریعت کے مطابق اس نظام کی تطہیر اور اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے ہم بیمہ کے موجودہ نظام کی خرابیاں بیان کریں گے پھر اس نظام کی تطہیر اور اصلاح کے اصول اور احکام بیان کریں گے فنقول وباللّٰہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

بیمہ کے موجودہ نظام کے شرعی مفاسد

(۱) بیمہ کمپنی اپنے جمع شدہ سرمایہ کو گردش میں رکھنے کے لیے دیگر صنعتی اور تجارتی اداروں کو سود پر قرض فراہم کرتی ہے اور سود حرام قطعی ہے۔

(۲)۔ بیمہ کرانے والے کو اگر قرض لینا ہو تو بیمہ کمپنی اس کو بھی سود پر قرض دیتی ہے۔

---

[1] شیخ ابوالقاسم الخوئی، توضیح المسائل ص ۵۴۳–۵۴۴، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، کراچی

(۳)۔ بیمہ کرانے والا اگر دو یا تین قسطیں دینے کے بعد باقی اقساط ادا نہ کرے تو اس کی رقم اس کو واپس نہیں دی جاتی اور یہ ظلم اور ناجائز عمل ہے۔

(۴)۔ بیمہ کمپنی مدت پوری ہونے کے بعد بیمہ کرانے والے کو اس کی اصل رقم مع سود کے لوٹاتی ہے، اور سود لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔

(۵)۔ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص طبعی موت مر جائے یا کسی حادثہ میں ہلاک ہو جائے تو اس کو پہلی صورت میں پوری مدت کی رقم اور دوسری صورت میں دگنی رقم دی جاتی ہے اب اس کو اس کی جمع شدہ اقساط سے زائد رقم جو دی جاتی ہے اس کو اگر شرط لازم قرار دیا جائے (جیسا کہ عملاً اسی طرح ہے) تو یہ عقد صحیح نہیں ہے اور اگر اس کو تبرع اور احسان قرار دیا جائے تو یہ واقع کے خلاف ہے۔

(۶)۔ زندگی کا بیمہ کرانے والا اپنے کسی وارث کے نام بیمہ کی رقم نامزد کر دیتا ہے اور وہ رقم مرنے کے بعد اس وارث کو ملتی ہے اور یہ نامزدگی وصیت ہے اور اسلام میں وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ورثاء کے حصص مقرر کر دیئے ہیں، امام دار قطنی حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں لا وصیۃ لوارث[1] وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔

کیا بیمہ قمار کو مستلزم ہے؟

اکثر علماء نے بیمہ کے عدم جواز کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ بیمہ میں قمار کا دخل ہے، لیکن ہمارے نزدیک بیمہ میں قمار کا دخل نہیں ہے، قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس کھیل یا عقد میں دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کو نفع اور دوسرے کو نقصان لازم ہو، ابتداءً یہ نفع اور نقصان مبہم ہو لیکن کھیل یا عقد کے اختتام پر نفع اور نقصان معلوم اور متعین ہو جائے اور بیمہ کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہر شخص اپنی مقررہ پالیسی کا ماہانہ سالانہ پریمیم ادا کرتا ہے اور مدت پوری ہونے کے بعد اس کو اپنی جمع کردہ اقساط کی مجموعی رقم مل جاتی ہے یہ اس کو ابتداءً معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی نقصان ہے اور نہ خطرہ، بیمہ کمپنی ہر بیمہ کرانے والے سے ہر قسط پر ایک متعین رقم بطور چندہ وصول کرتی ہے اور اس چندہ کو ایک امدادی فنڈ میں جمع کر دیا جاتا ہے اس فنڈ سے اس شخص کی مدد کی جاتی ہے جو اقساط کی مدت پوری ہونے سے پہلے فوت ہو جائے اور اس کے نامزد کردہ کو پالیسی کی پوری رقم دے دی جاتی ہے یا جس شخص کی مثلاً دکان کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو گئی تو اس کو بیمہ کی رقم اس فنڈ سے دی جاتی ہے، اب جب بیمہ کرانے والے نے اس فنڈ میں چندہ داخل کر دیا اور مدت پوری ہونے کے بعد اس کو اس کی دی ہوئی مجموعی رقم چندہ منہا کرنے کے بعد ملی تو اس کو بیمہ کرانے والے کا نقصان نہیں کہا جائے گا اور وہ اس رقم سے بیمہ کمپنی کو کوئی فائدہ حاصل ہوا کیونکہ یہ رقم امدادی فنڈ میں داخل کر دی جاتی ہے، اسی طرح اگر کسی ناگہانی حادثہ کے شکار ہونے والے کو بیمہ کمپنی کوئی رقم ادا کرتی ہے تو اس سے بیمہ کمپنی کو کوئی نقصان نہیں ہوتا کیونکہ کمپنی اپنی جیب سے وہ رقم ادا نہیں کرتی بلکہ امدادی فنڈ سے ادا کرتی ہے۔ اس لیے اس عمل پر قمار اور جوئے کی تعریف صادق نہیں آتی۔

---

[1] امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۹۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

بیمہ کے موجودہ نظام کے لیے قابلِ عمل اصلاحی ترامیم

یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ بیمہ کے موجودہ نظام میں کیا خرابیاں ہیں اور کیا نہیں ہیں اس کے بعد ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ ان خرابیوں کو کس طرح دور کیا جا سکتا ہے۔

(۱)۔ پہلی خرابی یہ ہے بیمہ کمپنی اپنے سرمایہ کو گردش میں رکھنے کے لیے صنعتی اور تجارتی اداروں کو سود پر قرضہ فراہم کرتی ہے، اس کا حل یہ ہے کہ بیمہ کمپنی شرکت اور مضاربت کے اصول پر اپنا سرمایہ لگائے، مقالات سعیدی میں "بے سود معیشت" کے عنوان سے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس کے علاوہ مختلف کاروباری اداروں کے حصص بھی خریدے جا سکتے ہیں، اور بڑی بڑی عمارتیں بنا کر ان کو کرایہ پر دیا جا سکتا ہے۔

(۲)۔ بیمہ کرانے والے کو سود پر قرض نہ دیا جائے۔

(۳)۔ جو شخص دو یا تین قسطیں جمع کرا کر باقی اقساط جمع نہ کرے اس کی رقم واپس کر دی جائے، البتہ اس سے دفتری اخراجات وضع کر لیے جائیں۔

(۴)۔ بیمہ کرانے والوں کو بیمہ کمپنی حصہ دار قرار دے اور ان کے سرمایہ کو حصص قرار دے اور ان کے حصص کا جس قدر اوسط منافع بنتا ہے وہ ان کو دے دیا جائے البتہ کمپنی اپنا کمیشن مقرر کر کے اس کو وضع کر سکتی ہے۔

(۵)۔ بیمہ کمپنیوں کو حکومت اپنی تحویل میں لے لے اور یہ جبری قانون بنا دے کہ بیمہ پالیسی پر لگنے والی مقدار کی رقم کاٹ لی جائے گی اور اس جمع شدہ فنڈ سے ان بیمہ کرانے والوں کی مدد کی جائے گی جو کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائیں یا کسی پالیسی کی مدت پوری کرنے سے پہلے فوت ہو جائیں، لوگوں کی فلاح اور بہبود کے لیے حکومت ایسا قانون بنا سکتی ہے، کیونکہ امداد فنڈ میں چندہ دینا ہر چند کہ مستحب ہے اور فی نفسہٖ واجب نہیں لیکن قاعدہ یہ ہے کہ امام اگر کسی مباح کام کا بھی حکم دے تو وہ واجب ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کی فلاح کے لیے حکومت کسی امرِ مباح کو واجب کر سکتی ہے

علامہ شامی لکھتے ہیں:

اذا امر الامام بالصیام فی غیر الایام المنھیۃ وجب لما قدمناہ فی باب العید من ان طاعۃ الامام فیما لیس بمعصیۃ واجبۃ۔[۱]

جب امام (اسلامی حکومت کا سربراہ) ایام ممنوعہ کے علاوہ کسی دن میں روزہ رکھنے کا حکم دے تو اس دن روزہ رکھنا واجب ہے، کیونکہ ہم باب العید میں بیان کر چکے ہیں کہ غیر معصیت میں امام کی اطاعت واجب ہے۔

اور باب العید میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

فتجب علیہ متابعتہ وترک رأیہ برأی الامام لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فما لم

نماز کے امام پر سربراہ مملکت کی اطاعت کرنا واجب ہے اس پر لازم ہے کہ وہ سربراہ مملکت کی رائے کے مقابلہ میں اپنے امام جیسی رائے کو ترک کر دے، کیونکہ نبی کریم

[۱] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۹۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

یظہر خطئوہ بیقین کان اتباعہ واجبا۔[1]

علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کسی شخص کو امام (سربراہ مملکت) اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے سو تم اس کی مخالفت سے اختلاف نہ کرو۔" لہٰذا جب تک سربراہ مملکت کی رائے کا یقینی طور پر غلط ہونا ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی اتباع کرنا واجب ہے۔

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی لکھتے ہیں:

واما النوائب فان ارید بہا ما یکون بحق ککری النہر المشترک واجر الحارس والموظف لتجہیز الجیش وفداء الاساری وغیرہا جازت الکفالۃ بہا علی الاتفاق۔[2]

جائز اور صحیح کاموں کے لیے حکومت کا ہنگامی ٹیکس وصول کرنا بالاتفاق صحیح ہے مثلاً کسی مشترک نہر کو کھودنا مقصود ہو یا پولیس کو تنخواہیں دینا ہوں، یا لشکر تیار کرنے کے لیے فوج کو تنخواہیں دینا ہوں، یا مسلمان قیدیوں کو چھڑانا ہو وغیرہا، ان ٹیکسوں کی ادائیگی میں ایک شخص کا دوسرے کی طرف سے ضامن بننا بالاتفاق صحیح ہے۔

علامہ بابرتی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

والضمان فیہا جائز بالاتفاق لوجوب ادائہ علی کل مسلم اوجبہ الامام علیہ لوجوب طاعتہ فیما یجب النظر للمسلمین۔[3]

ان ٹیکسوں کی ادائیگی کی ضمانت دینا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ جن ٹیکسوں کا ادا کرنا امام (اسلامی حاکم) نے واجب قرار دیا ہو اس کا ادا کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے کیونکہ مسلمانوں کی خیر خواہی میں حکمران کی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

اور علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

لانہا واجبۃ علی کل مسلم موسر بایجاب طاعۃ ولی الامر فیما فیہ مصلحۃ للمسلمین۔[4]

کیونکہ ان ناگہانی ٹیکسوں کا ہر خوشحال مسلمان پر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ جن کاموں میں مسلمانوں کی مصلحت ہو ان میں حکمران کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

علامہ ابو الحسن المرغینانی نے حکومت کے ٹیکس تین قسم کے بیان کیے ہیں، ایک وہ ٹیکس ہیں جو اصول کے مطابق ہوں، جن کو حکومت ہر ماہ یا ہر تین ماہ کے بعد وصول کرتی ہے اس کو "قسمۃ" کہتے ہیں دوسرے "نوائب" ہیں جو

---

[1] علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ رد المحتار ج ا ص ۳۰۰، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ
[2] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۱۲۵، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان
[3] علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ۳۳۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
[4] علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۳۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

حکومت کسی جائز مقصد کے لیے ہنگامی بنیاد پر وصول کرتی ہے، ان دونوں ٹیکسوں کی ادائیگی کرنا واجب ہے اور ایک وہ ٹیکس ہیں جن کو حکومت ظلماً وصول کرتی ہے ان کو جبایات کہتے ہیں مثلاً حکومت کسی مزدور کی اجرت پر ٹیکس عائد کر دے، ان کی ادائیگی کی ضمانت میں فقہاء کا اختلاف ہے، فخر الاسلام امام بزدوی نے ان کی ادائیگی کی کفالت کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ ؎

بہرحال فقہاء احناف کی ان عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر حکومت مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے کوئی ٹیکس لگائے تو اس کا ادا کرنا واجب ہے اور اس کا ضامن ہونا بالاتفاق صحیح ہے، علیٰ ہٰذا القیاس اگر حکومت یہ قانون بنائے کہ ہر بیمہ دار بہ اپنی پالیسی کے تناسب سے اتنے فی صد رقم بطور چندہ امدادی فنڈ میں جمع کرانا واجب ہے اور اس فنڈ سے ان بیمہ داروں کی امداد کرنا واجب ہے جو کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو گئے ہوں تو یہ قانون شریعت اسلام کی روشنی میں جائز اور صحیح ہو گا اور اب نقصان زدہ بیمہ دار کا بیمہ کی رقم حاصل کرنا تبرع اور احسان نہیں ہو گا بلکہ یہ اس کا قانونی حق ہو گا جس کو وہ عدالت کے ذریعہ بھی حاصل کر سکے گا۔

(۹) زندگی کا بیمہ کرانے والا بیمہ کی رقم کی ملکیت کے لیے کسی شخص کو نامزد کرے، بلکہ عدالت کے کسی جج یا درجہ اول کے مجسٹریٹ کو بیمہ کی رقم کا وصیاں اور اس کے ورثاء میں تقسیم کے لیے نامزد کرے، اور جب بیمہ کی رقم تمام وارثوں میں تقسیم کی جائے گی تو اس سبب سے بہت سے اعتراضات کم ہو جائیں گے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس شخص کو بیمہ کی رقم کی ملکیت کے لیے نامزد کیا جاتا ہے وہی شخص بعض اوقات بیمہ کرانے والے کو ہلاک کر دیتا ہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد وہ رقم اس کو مل جائے۔

باہمی تعاون اور دوسروں کا بوجھ اٹھانے کی ہدایات سے بیمہ پر استدلال

بیمہ کے عمل کے ذریعہ ناگہانی نقصان اٹھانے والے تاجروں کی مدد کی جاتی ہے، اور ایک بیمہ دار کے نقصان کے بار کو تمام بیمہ داروں پر اس طرح پھیلا دیا جاتا ہے کہ اس بار کا ہر جزو ایک خفیف سی قربانی سے تمام شرکاء کے لیے مالی تحفظ فراہم کرتا ہے، یہ مقصد قرآن اور سنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان. (مائدہ: ۲)

نیکی اور خدا ترسی میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ط ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون. (حشر: ۹)

اور جو کچھ ان کو دیا جائے وہ اپنے دلوں میں اس کی کوئی حاجت محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو خود سخت ضرورت ہو، اور جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

؎ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ہدایہ اخیرین ص ۲۵، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

علیہ وسلم انا اولی بالمؤمنین من انفسہم فمن مات وترک مالا فمالہ لموالی العصبۃ ومن ترک کلا او ضیاعا فانا ولیہ فلادعی لہ۔[1]

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں پر ان کے نفسوں سے زیادہ میرا حق ہے، سو جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا وہ مال اس کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا اور جو شخص نادار یتیم بچے اور نقصان چھوڑ کر مرا تو اس کا والی میں ہوں اس کے لیے مجھے بلایا جائے۔

اس حدیث میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ یتیم بچوں کی کفالت اور مرنے والے کے نقصان کی تلافی کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور کاروباری اداروں اور صنعتوں کا بیمہ اس نقصان کی تلافی اور کفالت کی ایک عملی صورت ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا اولی بالمؤمنین من انفسہم فمن مات وعلیہ دین ولم یترک وفاء فعلینا قضاؤہ ومن ترک مالا فلورثتہ۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں پر ان کے نفسوں سے زیادہ میرا حق ہے، سو جو شخص قرض چھوڑ کر مرا اور اس کو ادا کرنے کے لیے اس کے پاس مال نہیں تھا تو اس قرض کو ادا کرنا ہم پر لازم ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرا وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

شیخ عبدالحی کتانی لکھتے ہیں:

وفی سنن ابی داؤد والبیہقی عن عبد اللہ الہوزنی قال لقیت بلالا بحلب فقلت یا بلال حدثنی کیف کانت نفقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما کان لہ شیء وکنت انا الذی الی ذلک منہ منذ بعثہ اللہ حتی توفی وکان علیہ السلام اذا اتاہ الانسان مسلما فرآہ عاریا یأمرنی فانطلق فاستقرض فاشتری لہ البردۃ فاکسوہ واطعمہ وروی ابن المنذر فی الاشراف فی کتاب النفقات بسندہ عن مسروق عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انفق بلالا ولا تخش

سنن ابوداؤد اور بیہقی میں عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میری حلب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، میں نے کہا: اے بلال! یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا کیفیت تھی؟ حضرت بلال نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز نہ تھی اور بعثت سے لے کر وفات تک آپ کے تمام اخراجات کی میں ہی نگرانی کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مسلمان کو برہنہ دیکھتے تو آپ مجھے حکم دیتے اور میں جا کر کسی شخص سے قرض لیتا پھر اس رقم سے کپڑے خرید کر اس کو پہناتا اور کھانا خرید کر اس کو کھلاتا اور ابن منذر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ

---

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۹-۹۹۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] ” ” ” ” ” ” صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۷ ” ” ”

من ذی العرش اقلالاً۔ [1]

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا اے بلال خرچ کرو اور عرش والے پر بھروسہ کرکے تنگی سے نہ ڈرو۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

قال الثلث والثلث کثیر انک ان تدع ورثتک اغنیاء خیر من ان تدعھم عالۃ یتکففون الناس فی ایدیھم۔ [2]

تہائی مال کی وصیت کرو، تہائی مال بہت ہے اگر تم اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو تنگ دست چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔

مذکور الصدر احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دوسرے تنگ دست اور مفلوک الحال مسلمانوں کی دستگیری کرنا ریاست کی بھی ذمہ داری ہے اور عام مسلمانوں کا بھی فریضہ ہے اور ایک مسلمان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے پس ماندگان کو خوشحال چھوڑنے کی تدبیر کرے اور بیمہ کی تمام صورتیں جو امداد باہمی کے اصول پر مبنی ہیں ان کی اصل اور اساس یہی احادیث ہیں۔

قتل خطاء کی دیت سے بیمہ کے جواز پر استدلال

جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا تھا کہ اسلام میں دیت کا حکم بیمہ کی اصل اور اساس ہے، اب ہم قرآن مجید، احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات کی روشنی میں دیت کے احکام بیان کریں گے جس سے یہ واضح ہو جائے گا کہ بیمہ کا نظریہ دیت کے حکم سے انتہائی مماثل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین توبۃ من اللہ وکان اللہ علیما حکیما۔

(نساء: ۹۲)

اور جس شخص نے کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دیا، تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور دیت کا ادا کرنا لازم ہے جو اس کے وارثوں کو دی جائے گی، الا یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور مقتول مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کو آزاد کرنا لازم ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے اور جس شخص کو (غلام یا باندی) نہ ملے تو اس پر بطور توبہ مسلسل دو ماہ کے روزے لازم ہیں اور اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت میں قتل خطاء پر دیت لازم کی ہے اور دیت کی مقدار کا بیان اس حدیث میں ہے:

دیت کی مقدار

امام محمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

---

[1] شیخ عبد الحی کتانی التراتیب الاداریہ (نظام الحکومۃ النبویہ) ج ۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت

[2] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال على اهل الورق من الدية عشرة آلاف درهم وعلى اهل الذهب الف دينار وعلى اهل البقر مائتا بقرة وعلى اهل الابل مائة من الابل وعلى اهل الغنم الفا شاة وعلى اهل الحلل مائتا حلة قال محمد وبهذا كله نأخذ وكان ابو حنيفة يأخذ من ذلك بالابل والدراهم والدنانير.[1]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا چاندی والوں پر دس ہزار درہم (۳۰ء۶۱۸ کلوگرام چاندی) دیت ہے اور سونے والوں پر ایک ہزار دینار (۴ء۳۷۴ کلوگرام سونا) دیت ہے اور گائے والوں پر دو سو گائیں دیت ہے اور اونٹ والوں پر سو اونٹ دیت ہے اور بکریوں والوں پر دو ہزار بکریاں دیت ہے اور حلے (ایک قسم کی دو چادریں) والوں پر دو سو حلے دیت ہے، امام محمد کہتے ہیں ہمارے نزدیک ان تمام اجناس سے دیت ادا ہو سکتی ہے اور امام ابو حنیفہ ان میں سے صرف اونٹ، درہم اور دینار کا دیت میں اعتبار کرتے ہیں۔

اس حدیث میں دیت کی مقدار بیان کی گئی ہے اور دوسری احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دیت قاتل کی عاقلہ یعنی عصبات (باپ کی طرف سے رشتہ داروں) پر لازم ہوتی ہے،

عاقلہ کا مصداق

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن المغيرة بن شعبة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المرأة يعقلها عصبتها ويرثها بنوها.[2]

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبات ادا کریں گے اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی۔

حافظ الہیثمی طبرانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابی الملیح عن ابیه قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ميراث المرأة لزوجها وولدها وان العقل على عصبة القاتلة.[3]

ابو الملیح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ عورت کی میراث اس کے خاوند اور اس کی اولاد کو ملے گی اور قتل کرنے والی عورت کی دیت اس کے عصبات پر لازم ہے۔

اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کی ادائیگی کے امر کو پورے قبیلہ اور گروہ پر پھیلا دیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

---

[1] امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار ص ۲۳۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ

[2] امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۹ ص ۴۹۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[3] حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۰۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

عن ابن عباس، قال کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابا بین المھاجرین والانصار ان یعقلوا معاقلھم وان یفدوا عانیھم بالمعروف والاصلاح بین المسلمین۔ ؎۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے لیے ایک تحریر لکھوائی کہ مہاجرین اور انصار اپنی اپنی دیت ادا کریں اور دستور کے مطابق اپنے اپنے قیدی چھڑائیں اور مسلمانوں کی آپس میں صلح کرائیں۔

عن الشعبی قال، جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقل قریش علی قریش وعقل الانصار علی الانصار۔ ؎۲

شعبی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دیت قریش پر مقرر کی اور انصار کی دیت انصار پر مقرر کی۔

عن ابراھیم قال العقل علی اھل الدیوان۔ ؎۳

ابراہیم کہتے ہیں کہ دیت کا ادا کرنا ان پر لازم ہے جن کو بیت المال سے وظیفہ ملتا ہو۔

عن الحکم قال، عمر اول من جعل الدیۃ عشرۃ عشرۃ فی العطیات المقاتلۃ دون الناس۔ ؎۴

حکم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے عام لوگوں کو بجائے لشکر والے افراد پر دس دس درہم دیت مقرر کی۔

ان احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ قتل خطا میں مقتول کی دیت قاتل کی عاقلہ پر لازم آتی ہے اور عاقلہ میں قاتل کے عصبات اس کے مددگار اور اس کی برادری اور گروہ کے تمام لوگ شامل ہیں جو اس آڑے وقت میں اس کے کام آتے ہیں۔

علامہ المرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

والعاقلۃ اھل الدیوان ان کان القاتل من اھل الدیوان یؤخذ من عطایاھم فی ثلاث سنین واھل الدیوان اھل الرایات وھم الجیش الذین کتبت اسامیھم فی الدیوان وھذا عندنا وقال الشافعی علی اھل العشیرۃ لانہ کان کذلک علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نسخ

اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہو تو اس کی عاقلہ اہل دیوان ہیں، ان کے وظیفوں میں سے تین سال میں دیت کو وصول کیا جائے گا، اہل دیوان وہ فوجی ہیں جن کو جھنڈے دیے جاتے ہیں اور وظیفوں کے رجسٹروں میں ان کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے، یہ ہمارا موقف ہے، اور امام شافعی کے نزدیک عاقلہ قاتل کا قبیلہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہی معمول تھا اور اس کے بعد

؎۱ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ٢٣٥ھ، المصنف ج ٩ ص ٢١٨، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ١٤٠٦ھ
؎۲ 〃 〃 〃 〃، المصنف ج ٩ ص ٣١٩، 〃 〃 〃 〃 〃 〃
؎۳ 〃 〃 〃 〃، المصنف ج ٩ ص ٣٦١، 〃 〃 〃 〃 〃 〃
؎۴ 〃 〃 〃 〃، المصنف ج ٩ ص ٣٦١، 〃 〃 〃 〃 〃 〃

بعده ولانه صلة والاولى بها الاقارب ولنا قضية عمر رضي الله عنه فانه لما دون الدواوين جعل العقل على اهل الديوان وكان ذلك بمحضر من الصحابة رضي الله عنهم من غير نكير منهم وليس ذلك بنسخ بل هو تقرير معنى لان العقل كان على اهل النصرة وقد كانت بانواع بالقرابة والحلف والولاء والعد وفي عهد عمر رضي الله عنه قد صارت بالديوان فجعلها على اهله اتباعا للمعنى ولهذا قالوا لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم اهل الحرفة وان كان بالحلف فاهله والدية صلة كما قال لكن ايجابها فيما هو صلة وهو العطاء اولى منه في اصول اموالهم والتقدير بثلاث سنين مروي عن النبي صلى الله عليه وسلم ومحكي عن عمر رضي الله عنه ولان الاخذ من العطاء للتخفيف والعطاء يخرج في كل سنة مرة[1]

یہ عمل منسوخ نہیں ہوا، نیز دیت کی ادائیگی صلہ رحمی ہے اور اس کا تعلق رشتہ داروں سے زیادہ مناسب ہے، اور ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جب انہوں نے رجسٹر مرتب کیے تو انہوں نے اہل دیوان پر دیت مقرر کی، حضرت عمر نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ فیصلہ کیا اور کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا، اور یہ طریقہ حدیث سابق کے لیے ناسخ نہیں ہے بلکہ اس کا مؤید اور مؤکد ہے، کیونکہ دیت قاتل کی حمایت اور نصرت کرنے والوں پر مقرر کی جاتی ہے اور حمایت اور نصرت رشتہ داری سے بھی ہوتی ہے، حلف اٹھانے سے بھی ہوتی ہے، ولاء سے بھی ہوتی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اہل دیوان آپس میں ایک دوسرے کی حمایت کرتے تھے، اسی وجہ سے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر اس زمانہ میں ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے حمایت اور نصرت کرنے لگے تو پھر قاتل کی عاقلہ اس کے ہم پیشہ لوگ ہوں گے۔ (جیسا کہ آج کل لوہار، موچی اور گوالے وغیرہ کو ایک برادری کہا جاتا ہے۔) اور اگر حلف اٹھانے سے حمایت اور نصرت ہو تو پھر حلف اٹھانے والے عاقلہ قرار پائیں گے، اسی طرح چونکہ دیت صلہ رحمی ہے لیکن جو لوگ وظیفہ لیتے ہوں ان پر دیت مقرر کرنے میں زیادہ صلہ رحمی ہے، اور تین سال کی مدت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر سے منقول ہے اور وظیفوں سے دیت کی رقم وضع کرنے میں تخفیف ہے اور وظیفہ سال میں ایک بار ملتا ہے۔

عاقلہ پر دیت مقرر کرنے کی حکمت

مقتول کی دیت قاتل کی عاقلہ پر مقرر کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے علامہ شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

عطاء بن مالک بن نابغہ روایت کرتے ہیں کہ دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں ایک عورت نے دوسری عورت کے پیٹ

[1] علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ ھ، ہدایہ اخیرین ص ۶۲۴ - ۶۲۵، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان

پر خیمہ کی چوب ماری جس سے اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے والی عورت کے ورثاء سے فرمایا اس بچہ کی دیت ادا کرو، الحدیث (علامہ سرخسی لکھتے ہیں) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دیت قاتل کی عاقلہ پر واجب ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ قاتل کسی شخص کو قتل کرنے کی جرأت اور ہمت اس وقت کرتا ہے جب اس کو یہ اعتماد ہو کہ اس کی پشت پر اس کے مددگار اور حامی موجود ہیں اور اس مدد اور حمایت کے کئی اسباب ہوتے ہیں ایک سبب یہ ہے کہ قاتل اہل دیوان کے گروہ کا ایک فرد ہوتا ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ قاتل ایک قبیلہ کا فرد ہوتا ہے تیسرا سبب یہ ہے کہ وہ ایک محلہ کا فرد ہوتا ہے چوتھا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کا ایک فرد ہوتا ہے، اور قاتل کو یہ اعتماد ہوتا ہے کہ اس کی پشت پر اس کے اہل دیوان یا اس کا قبیلہ یا اس کا محلہ یا اس کے ہم پیشہ برادری کے لوگ موجود ہیں جو اس کی حمایت اور مدد کریں گے، اسی وجہ سے مال کی ادائیگی ان پر لازم کی گئی ہے تاکہ وہ اپنی برادری کے کسی احمق شخص کو اس حماقت سے باز رکھیں اور اگر وہ کسی کو قتل کرنے کا پروگرام بنائے تو اس کو روک لیں، تاکہ قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کا ارتکاب نہ ہو سکے، کیونکہ قتل ایسا عظیم جرم بے پرواہی سے یا بغیر ارادہ کے بہت کم ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں انسان لاپرواہی اسی وقت برتے گا جب اسے اپنی پشت پر کسی قوت کی مدد کا بھروسہ ہو، اور لاپرواہی کے نتیجے ہی میں قتل خطاء کا تحقق ہوتا ہے، اور دیت ایک بہت بڑی مالی مقدار ہے اگر یہ تمام مقدار قاتل پر واجب کر دی جائے تو قاتل برباد ہو جائے گا۔ اس وجہ سے شریعت نے قاتل کی عاقلہ پر دیت واجب کی ہے تاکہ قاتل کو بربادی کے ضرر سے بچایا جا سکے جس طرح صلہ رحمی کی وجہ سے رشتہ داروں پر ضرورت کے وقت نفقہ واجب کیا ہے، اسی وجہ سے ان پر قلیل مقدار میں قسط وار دیت واجب کی ہے تاکہ ہر شخص آسانی اور سہولت کے ساتھ وہ قسط ادا کر سکے، نیز ہر شخص اس بات سے ڈرے گا کہ اگر اس نے کسی شخص کو خطاءً قتل کر دیا تو اسے بھی اپنے رشتہ داروں کی مدد کی ضرورت ہوگی اس لیے اگر آج وہ کسی کی دیت ادا کرے گا تو کل کوئی اس کی دیت ادا کرے گا، اس لیے ہر شخص قاتل کو بربادی کے نقصان سے بچانے کے لیے مدد کرے گا اور مقتول کا خون رائیگاں جانے جانے سے بچ جائے گا، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عاقلہ پر دیت ڈالنا صلہ رحمی، امداد باہمی اور مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آنے کی بناء پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک شخص کی غلطی کی سزا دوسرے شخص کو دی جائے۔[1]

دیت کے مسئلہ میں حرف آخر | دیت کے مسئلہ میں ہم نے جن نکات کو قرآن مجید، احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات کی روشنی میں بیان کیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(ا)۔ قتل خطاء میں دیت لازم آتی ہے۔

(ب)۔ دیت کی مقدار سو اونٹ، ایک ہزار دینار (۴،۳۷۴ کلو سونا) یا دس ہزار درہم (۳۰،۶۱۸ کلو چاندی) ہے۔

(ج)۔ دیت کو تین سال میں قسط وار ادا کرنا قاتل کی عاقلہ پر لازم ہے۔

(د)۔ عاقلہ سے مراد قاتل کے حامی اور مددگار ہیں، یہ اس کے اہل قبیلہ، اہل محلہ اور اہل صنعت و حرفت ہو سکتے ہیں۔

(ہ)۔ قاتل کی عاقلہ پر دیت کا وجوب صلہ رحمی، امداد باہمی اور مصیبت کے وقت ایک دوسرے کے کام آنے کی

---

[1]۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲۶ ص ۶۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ

بنیاد پر ہے تاکہ قاتل کو بربادہونے کے خطرہ سے بچایا جاسکے۔

اگرچہ یہ صورت حال بہ ہی ہی مگر پیش ہے کہ بیمہ کمپنی کے تمام بیمہ دار ایک ساتھ اور جب کوئی بیمہ دار کسی حادثہ کا شکار ہو جائے مثلاً اس کو جانشیں جب جائے یا اس کی دکان جل جائے یا وہ کسی گاڑی کے نیچے آکر کام کا نہ کے قابل نہ رہے تو اس کو بربادی کے خطرے سے بچانے کے لیے تمام بیمہ داروں کو مل کر امداد باہمی اور معیشت میں کسی کے کام آنے کے جذبہ سے اس کے نقصان کی تلافی کرنی چاہیے اسی جذبہ سے ہر بیمہ دار کو امدادی فنڈ میں چندہ جمع کرنا چاہیے تاکہ بوقت ضرورت کسی بیمہ دار کے ناگہانی نقصان کی تلافی کی جاسکے۔

ہم نے بیمہ کے جواز پر جو دلائل دیے ہیں وہ بیمہ کی اصولی بحث سے متعلق ہیں باقی رہا بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام سو وہ متعدد وجوہ سے ناجائز اور فاسد ہے جیسا کہ ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کی اصلاح کے لیے تجاویز بھی پیش کی ہیں۔ الٰہ العالمین میں نے بیمہ کے متعلق یہ جو کچھ لکھا ہے اگر یہ حق اور صواب ہے تو یہ آپ کی تائید اور توفیق سے ہے اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے ہے اور اگر یہ غلط اور فاسد ہے تو یہ میرے مطالعہ کا نقص اور میری فہم کی کوتاہی ہے آپ اور آپ کا رسول اس سے بری ہیں۔ رب العالمین! مجھے اس کتاب کو مکمل کرنے کی ہمت اور توفیق دے، مجھے دین پر استقامت عطا فرما، اور اس کتاب کو قبول فرما، اور اس کو قبولیت عامہ اور بقاء دوام عطا فرما، الٰہ العالمین ہمارا ایمان پر خاتمہ فرما آخرت میں اپنی رحمت اور بخشش اور اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نواز۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خاتم النبیین سید المرسلین اول الشافعین والمشفعین وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بَابُ الْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت مرکوز ہونا

۴۷۳۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے برکت رکھ دی گئی ہے۔

۴۷۳۱۔ وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَابْنُ رُمْحٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى كُلُّهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ح وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ

امام مسلم نے اس حدیث کی پانچ سندیں ذکر کی ہیں۔

حَدَّثَنِي أُسَامَةُ كُلُّهُمْ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ۔

۴۷۳۲۔ وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَصَالِحُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ وَرْدَانَ جَمِيعًا عَنْ يَزِيدَ قَالَ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْوِي نَاصِيَةَ فَرَسٍ بِإِصْبَعِهِ وَهُوَ يَقُولُ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ بِنَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْرُ وَالْغَنِيمَةُ۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں سے گھوڑے کی پیشانی کے بال بل رہے تھے، اور فرماتے تھے کہ خیر اور برکت قیامت تک کے لیے گھوڑے کی پیشانی میں مرکوز ہے، یعنی اجر اور غنیمت۔

۴۷۳۳۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ كِلَاهُمَا عَنْ يُونُسَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں ذکر کیں۔

۴۷۳۴۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ۔

حضرت عروہ بارقی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر اور برکت قیامت تک کے لیے گھوڑے کی پیشانی میں مرکوز ہے، یعنی اجر اور غنیمت۔

۴۷۳۵۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ وَابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَيْرُ مَعْقُوصٌ بِنَوَاصِي الْخَيْلِ قَالَ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ بِمَ ذَاكَ قَالَ الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

حضرت عروہ بارقی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر مرکوز ہے، آپ سے پوچھا گیا یا رسول اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا قیامت تک اجر اور غنیمت۔

۴۷۳۶۔ وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ حُصَيْنٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

عُرْوَةَ بْنِ الْجَعْدِ.

۴۷۳۷ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَخَلَفُ بْنُ هِشَامٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ جَمِيعًا عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ جَمِيعًا عَنْ شَبِيبِ بْنِ غَرْقَدَةَ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْأَجْرَ وَالْمَغْنَمَ وَفِي حَدِيثِ سُفْيَانَ سَمِعَ عُرْوَةَ الْبَارِقِيَّ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

امام مسلم نے حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور روایت کی سند بیان کی۔

۴۷۳۸ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْعَيْزَارِ بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْجَعْدِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا وَلَمْ يَذْكُرِ الْأَجْرَ وَالْمَغْنَمَ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی اس میں اجر اور غنیمت کا ذکر نہیں ہے۔

۴۷۳۹ - وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں ہے۔

۴۷۴۰ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ (يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ) ح وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ سَمِعَ أَنَسًا يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ.

امام مسلم نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی مثل مروی ہے۔

ف: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعداء دین سے قتال اور جہاد کرنے کے لیے گھوڑوں کو رکھنا مستحب ہے اور ان کی فضیلت اور ان کا خیر اور ان کے ذریعہ جہاد قیامت تک باقی رہے گا، بعض احادیث میں ہے کہ کبھی گھوڑوں میں نحوست بھی ہوتی ہے اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جن کو جہاد کے لیے نہ رکھا ہو، بعض احادیث میں ہے کہ گھوڑے

کی تین اقسام ہیں ایک گھوڑا اجر ہوتا ہے، دوسرا ستر ہے اور تیسرا گناہ اور بوجھ ہوتا ہے، اس کی تقریر یہ ہے کہ جو گھوڑا جہاد کے لیے ہو وہ اجر ہوتا ہے اور جو اپنے آرام اور دنیاوی کاموں کے لیے ہو وہ ستر ہوتا ہے اور جو گھوڑا ریاکاری اور نام و نمود کے لیے ہو وہ گناہ کا باعث ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں گھوڑے سے مراد مطلقاً جہاد کا سامان ہو خواہ وہ گھوڑا ہو یا کوئی اور چیز، اس صورت میں اونٹ، ٹرک، جیپ، لڑاکا طیارے اور بحری جہاز وغیرہ میں قیامت تک کے لیے خیر اور برکت کا محل قرار پائیں گے۔

بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ صِفَاتِ الْخَيْلِ
گھوڑے کی بری قسمیں کون سی ہیں؟

۴۷۳۱ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرُونَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلْمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشِّكَالَ مِنَ الْخَيْلِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اشکل گھوڑے کو ناپسند کرتے تھے۔

۴۷۳۲ - وَحَدَّثَنَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي ح وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ جَمِيعًا عَنْ سُفْيَانَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ فِي حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَالشِّكَالُ أَنْ يَكُونَ الْفَرَسُ فِي رِجْلِهِ الْيُمْنَى بَيَاضٌ وَفِي يَدِهِ الْيُسْرَى أَوْ فِي يَدِهِ الْيُمْنَى وَرِجْلِهِ الْيُسْرَى.

عبدالرزاق بیان کرتے ہیں کہ جس گھوڑے کا داہنا پاؤں اور بایاں ہاتھ سفید ہو یا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں سفید ہو وہ گھوڑا اشکل ہوتا ہے۔

۴۷۳۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ جَمِيعًا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ النَّخَعِيِّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ وَكِيعٍ وَفِي رِوَايَةِ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ وَلَمْ يَذْكُرِ النَّخَعِيَّ.

ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کا مثل مروی ہے۔

ف: قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ اشکل گھوڑا وہی ہوتا جس کا حدیث میں ذکر ہے، ابن درید نے کہا ہے کہ جس گھوڑے کا ایک ہاتھ اور ایک پیر سفید ہو وہ اشکل ہوتا ہے، ابو عبید نے کہا ہے کہ جس گھوڑے کے تین پیروں میں سفیدی ہو اور ایک عام ہو، یا ایک پیر میں سفیدی ہو اور تین عام ہوں، مطرزی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ جس

کے دونوں ہاتھ سفید ہوں، اور ایک قول یہ ہے کہ جس کے دو پیر سفید ہوں وہ اشکل ہوتا ہے۔ علامہ خطابی نے کہا کہ اشکل گھوڑے کو ناپسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پیروں میں دوڑنے کی زیادہ قوت نہیں ہوتی، اور اس ناپسندیدگی سے شرعی کراہت مراد نہیں ہے۔

بَابُ فَضْلِ الْجِهَادِ وَالْخُرُوجِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اللہ کی راہ میں نکلنے اور جہاد کی فضیلت

۴۷۴۴۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ وَهُوَ ابْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَضَمَّنَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَإِيمَانًا بِي وَتَصْدِيقًا بِرُسُلِي فَهُوَ عَلَيَّ ضَامِنٌ أَنْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ أَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ نَائِلًا مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا مِنْ كَلْمٍ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهِ حِينَ كُلِمَ لَوْنُهُ لَوْنُ دَمٍ وَرِيحُهُ مِسْكٌ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْلَا أَنْ يَشُقَّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ مَا قَعَدْتُ خِلَافَ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَبَدًا وَلَكِنْ لَا أَجِدُ سَعَةً فَأَحْمِلَهُمْ وَلَا يَجِدُونَ سَعَةً وَيَشُقُّ عَلَيْهِمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أَغْزُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأُقْتَلُ ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں نکلے اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو جاتا ہے، جو شخص صرف میرے راستے میں جہاد کے لیے اور صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کی وجہ سے نکلا ہو تو میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس کو جنت میں داخل کروں گا، یا اس کو اجر اور غنیمت کے ساتھ اس کے گھر لوٹاؤں گا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اللہ کی راہ میں جو زخم لگے گا قیامت کے دن وہ اسی حالت میں اٹھے گا جس حالت میں وہ زخم لگا تھا، اس کا رنگ خون کی طرح ہو گا اور اس کی خوشبو مشک کی طرح ہو گی، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے لشکر کا ساتھ کبھی نہ چھوڑتا، لیکن میرے پاس اتنی وسعت نہیں ہے کہ میں سب مسلمانوں کو سواریاں مہیا کر سکوں، اور نہ مسلمانوں کے پاس اتنا مال ہے، اور مسلمانوں کا میرے پیچھے رہ جانا ان کے لیے دشوار ہو گا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں پھر جہاد کروں اور پھر قتل کیا جاؤں اور پھر جہاد کروں اور پھر قتل کیا جاؤں۔

۴۷۴۵۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

بِهٰذَا الْإِسْنَادِ۔

۴۷۳۶۔ وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِزَامِيُّ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا جِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَتِهِ بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے درآں حالیکہ اس کا گھر سے نکلنا صرف اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کے دین کی تصدیق کی خاطر ہو تو اللہ اس کے لیے اس بات کا ضامن ہو جاتا ہے کہ اگر وہ شہید ہو گیا تو اس کو جنت میں داخل کرے گا یا اجر اور غنیمت کے ساتھ اس کو اس کے مسکن میں واپس کر دے گا جہاں سے وہ روانہ ہوا تھا۔

۴۷۳۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَالرِّيحُ رِيحُ مِسْكٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ کو خوب علم ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا زخم بہہ رہا ہوگا اس کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔

۴۷۳۸۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ تَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا إِذَا طُعِنَتْ تَفَجَّرُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ فِي يَدِهِ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لَا أَجِدُ سَعَةً فَأَحْمِلَهُمْ وَلَا يَجِدُونَ سَعَةً فَيَتَّبِعُونِي وَلَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَقْعُدُوا بَعْدِي۔

ہمام بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی احادیث روایت کیں، ان میں سے ایک حدیث یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو اللہ کے راستہ میں جو زخم بھی لگا قیامت کے دن وہ زخم اسی حال پر ہوگا جیسا کہ زخم لگنے کے وقت تھا اس سے خون ابل رہا ہوگا اس کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور خوشبو مشک کی طرح ہوگی، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والے کسی لشکر سے پیچھے نہ رہتا، لیکن میرے پاس اتنی وسعت نہیں ہے کہ میں سب مسلمانوں کو سواریوں پر سوار کر سکوں اور نہ سب مسلمانوں کے پاس سواریاں ہیں کہ وہ میرے ساتھ جا سکیں اور وہ میرے پیچھے رہ جانے پر بھی خوش نہیں ہوں۔

۴۷۴۹ - وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مَا قَعَدْتُ خِلَافَ سَرِيَّةٍ بِمِثْلِ حَدِيثِهِمْ وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أُحْيَى بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اگر مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں کسی لشکر کے پیچھے نہ رہتا (یعنی ہر لشکر کے ساتھ جاتا) اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے مجھے یہ پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں، اس کے بعد حسب سابق ہے۔

۴۷۵۰ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِي الثَّقَفِيَّ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ كُلُّهُمْ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَحْبَبْتُ أَنْ لَا أَتَخَلَّفَ خَلْفَ سَرِيَّةٍ نَحْوَ حَدِيثِهِمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو مجھے یہ پسند تھا کہ میں کسی لشکر کے پیچھے نہ رہوں اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۴۷۵۱ - حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَضَمَّنَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ إِلَى قَوْلِهِ مَا تَخَلَّفْتُ خِلَافَ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اللہ اس کے لیے ضامن ہے (اس کے بعد یہاں تک فرمایا:) جو لشکر اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلے میں اس سے پیچھے نہ رہتا۔

اللہ تعالیٰ پر جنت عطا کرنے کے وجوب کا محمل

اس باب کی حدیث نمبر ۴۷۴۲ میں ہے: اللہ تعالیٰ نے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کو جنت کی ضمانت دے دی ہے اور جس چیز کو دینے کی ضمانت دے دی جائے اس کا دینا واجب ہو جاتا ہے، اس لیے اب اللہ تعالیٰ پر ان کو جنت کا دینا واجب ہوگا، اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ (توبہ: ۱۱۱) "اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا" اور خریدنے والے پر ثمن کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ مومنوں کو جنت دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، لیکن یہ وجوب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بناء پر ہے، بندوں کے عمل اور ان کے استحقاق کی بناء پر نہیں ہے اور اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان یہی فرق ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے کے ایمان اور اعمال صالح

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر اس کو جنت میں داخل کرنا واجب ہے، اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ بندے کے عمل کا کوئی دخل اور استحقاق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے چونکہ جنت کا وعدہ کر لیا ہے اس لیے جنت واجب ہو گئی کیونکہ کریم جب کسی کو کچھ دینے کا وعدہ کر لے تو وہ اس کے خلاف نہیں کرتا۔

جنت کی بشارت میں شہداء کا عام مسلمانوں سے امتیاز

اس حدیث میں ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنے والے مومن کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی ضمانت دے دی ہے، اس پر یہ سوال ہے کہ عام مومنوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے پھر شہداء کی اس میں کیا تخصیص ہے، قاضی عیاض نے اس کے دو جواب دیے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ راہ خدا میں لڑنے والے کو اللہ تعالیٰ مرتے ہی جنت میں داخل کر دے گا جیسا کہ شہداء کے متعلق ارشاد ہے: جب کہ دوسرے مسلمان قیامت کے دن حساب وکتاب کے بعد جنت میں داخل ہوں گے، دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور ان سے کوئی حساب وکتاب نہیں ہوگا اور شہادت کی وجہ سے ان کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا۔

نیکی یا بدی پر مرنے والوں کا حشر

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ شہید قیامت کے دن اسی حال میں اٹھے گا جس حال میں وہ شہید ہوا تھا اور اس کے زخم سے اسی طرح خون بہہ رہا ہوگا، شہید کا اسی حال میں اٹھانا اس کی عزت افزائی کے لیے ہوگا تاکہ قیامت کے دن سب لوگ شہداء کو پہچان لیں۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایام حج میں احرام باندھے ہوئے اونٹنی سے گر کر فوت ہو گیا، آپ نے فرمایا یہ قیامت کے دن اسی طرح تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۸۴) ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو کوئی نیکی کرتے ہوئے یا عبادت کرتے ہوئے موت آگئی وہ اس نیکی اور عبادت کے حال میں قیامت کے دن اٹھے گا، اے اللہ ہمیں بھی حسن خاتمہ عطا فرما اور نیکی اور عبادت کے حال میں ہماری روح قبض کرنا! (آمین) باقی رہا یہ کہ جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کرتے ہوئے فوت ہو گیا کیا اس کا حشر اس برائی کے ساتھ ہوگا؟ یہ چیز تحقیق طلب ہے بہرحال اللہ تعالیٰ کریم ہے اور امید ہے کہ وہ ستر فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ نیکی کا اجر دس گنا بڑھا دیتا ہے سات سو گنا کر دیتا ہے پھر اس کو کئی گنا کر دیتا ہے، بعض اوقات بے حساب اجر عطا کر دیتا ہے، لیکن برائی کی سزا میں کوئی اضافہ نہیں کرتا اور بسا اوقات معاف فرما دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ اسلوب سے حسن ظن یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ نیکی پر مرنے والوں کا اسی نیکی میں حشر فرمائے گا اور برائی پر مرنے والوں سے درگزر فرمائے گا۔

موت کی تمنا کی ممانعت کے باوجود شہادت کی تمنا کیوں جائز ہے؟

اس حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں، پھر جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں اور پھر جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں۔ اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود موت کی تمنا کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیاوی مصائب اور مشکلات سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا منع ہے لیکن اللہ کے دین کی سربلندی کے

لیے جان دینے اور لقاء الٰہی کے اشتیاق میں موت کی تمنا کرنا اور موت کو بصورت شہادت طلب کرنا مستحسن اور مستحب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اے اللہ! اپنے دین کے واسطے ہمیں شہادت کی موت عطا فرما۔ (آمین)۔

بَابُ فَضْلِ الشَّهَادَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ تَعَالٰى — اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی فضیلت

۴۷۵۲ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَحُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ يَسُرُّهَا أَنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى الدُّنْيَا وَلَا أَنَّ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا إِلَّا الشَّهِيدُ فَإِنَّهُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ فَيُقْتَلَ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَرَى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ شخص جو فوت ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اچھا اجر ہو وہ دنیا میں واپس جانے کو پسند نہیں کرتا اور نہ دنیا و مافیہا کو پسند کرتا ہے البتہ شہید جب شہادت کی فضیلت کو دیکھے گا تو صرف وہ یہ تمنا کرے گا کہ وہ پھر دنیا میں واپس جائے اور اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے۔

۴۷۵۳ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَأَنَّ لَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ غَيْرُ الشَّهِيدِ فَإِنَّهُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرَى مِنَ الْكَرَامَةِ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ شخص جو جنت میں داخل ہوگا وہ دنیا میں واپس جانا پسند نہیں کرے گا خواہ اس کو روئے زمین کی تمام چیزیں مل جائیں، البتہ شہید جب اپنی عزت اور وجاہت دیکھے گا تو صرف وہ یہ تمنا کرے گا کہ وہ پھر دنیا میں جائے اور دس بار راہ خدا میں قتل کیا جائے۔

۴۷۵۴ - وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْوَاسِطِيُّ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ لَا تَسْتَطِيعُونَهُ قَالَ فَأَعَادُوا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا تَسْتَطِيعُونَهُ وَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کے برابر کون سی عبادت ہے، آپ نے فرمایا تم اس عبادت کی استطاعت نہیں رکھتے، حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے سوال پھر دہرایا، یا تین بار پوچھا آپ نے ہر بار فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، تیسری بار فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا جہاد سے واپسی تک اس شخص کی طرح ہے جو روزہ دار ہو، قیام کرنے والا ہو، اللہ کی آیات پر عمل کرنے والا ہو، روزے اور نماز سے تھکتا یا اکتاتا نہ ہو۔

صَلَاةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

۴۷۵۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ ح وَحَدَّثَنِيْ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ ح وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ كُلُّهُمْ عَنْ سُهَيْلٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهٗ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو اور سندیں ذکر کی ہیں۔

۴۷۵۶۔ حَدَّثَنِيْ حَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُوْ تَوْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَّامٍ أَنَّهٗ سَمِعَ أَبَا سَلَّامٍ قَالَ حَدَّثَنِي النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيْرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا أُبَالِيْ أَنْ لَا أَعْمَلَ عَمَلًا بَعْدَ الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنْ أُسْقِيَ الْحَاجَّ وَقَالَ آخَرُ مَا أُبَالِيْ أَنْ لَا أَعْمَلَ عَمَلًا بَعْدَ الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنْ أَعْمُرَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَقَالَ آخَرُ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَفْضَلُ مِمَّا قُلْتُمْ فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ وَقَالَ لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ عِنْدَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَلٰكِنْ إِذَا صَلَّيْتُ الْجُمُعَةَ دَخَلْتُ فَاسْتَفْتَيْتُهٗ فِيْمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ الْآيَةَ إِلٰى آخِرِهَا۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا ایک شخص نے کہا اسلام لانے کے بعد اگر میں صرف حاجی کو پانی پلانے کے سوا کوئی عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، دوسرے شخص نے کہا اگر اسلام لانے کے بعد میں صرف مسجد حرام کو آباد کروں اور اس کے سوا اور کوئی عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، تیسرے نے کہا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا تمہاری کہی ہوئی عبادتوں سے افضل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹ کر فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس آواز اونچی نہ کرو اور اس دن جمعہ تھا، میں جمعہ کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جس مسئلہ میں تمہارا اختلاف تھا اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: کیا تم حاجی کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو اس شخص کے عمل کے برابر قرار دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔

۴۷۵۷۔ وَحَدَّثَنِيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ أَخْبَرَنِيْ زَيْدٌ أَنَّهٗ سَمِعَ أَبَا سَلَّامٍ قَالَ حَدَّثَنِي النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيْرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا تھا، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَدِيْثِ ابْنِ تَوْبَةَ۔

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو شہید کہنے کی وجوہات

اس باب کی احادیث میں شہادت کی بہت عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے کہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھ کر شہید کے سوا اور کوئی شخص دوبارہ دنیا میں واپس جانے کی تمنا نہیں کرے گا۔

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو شہید کہنے کی علماء کرام نے متعدد وجوہ بیان کی ہیں، نضر بن شمیل نے کہا ہے کہ ان کو شہید اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ زندہ ہوتے ہیں اور ان کی ارواح اسی وقت جنت میں شاہد (حاضر) ہو جاتی ہیں، اس کے برخلاف دوسرے مسلمانوں کی ارواح قیامت کے دن جنت میں شاہد ہوں گی، ابن الانباری نے کہا ان کو شہید اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ان کے حق میں جنت کی شہادت دیتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کے بدن سے روح نکلتے ہی ان کی روح اس عزت اور اجر و ثواب پر شاہد (حاضر) ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے، ایک قول یہ ہے موت کے وقت ان کے پاس ملائکہ شاہد (حاضر) ہوتے ہیں اور ان کی روح کو لے جاتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا ظاہر حال ان کے ایمان اور حسن خاتمہ پر شہادت دیتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن یہی لوگ سابقہ امتوں کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ ان کے انبیاء علیہم السلام نے ان کو تبلیغ کر دی تھی لیکن یہ وصف شہداء کے ساتھ خاص نہیں ہے[1]

بَابُ ۶۵ فَضْلِ الْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ — صبح یا شام کو راہ خدا میں نکلنے کی فضیلت

۴۷۵۸ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح یا شام اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

۴۷۵۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ أَبِيْ حَازِمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالْغَدْوَةُ يَغْدُوْهَا الْعَبْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کے وقت بندے کا خدا کی راہ میں نکلنا دنیا اور ما فیہا سے بہتر ہے

۴۷۶۰ - وَحَدَّثَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ عَنِ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح یا شام کو اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

۴۷۶۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ ذَكْوَانَ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوَدِدْتُ أَنَّ رِجَالًا مِنْ أُمَّتِي وَسَاقَ الْحَدِيثَ وَقَالَ فِيهِ وَلَرَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ غَدْوَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت میں ایسے لوگ نہ ہوتے ــــــ اس کے بعد فرمایا اللہ کی راہ میں صبح کرنا یا شام کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

۴۷۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ وَإِسْحٰقَ) قَالَ إِسْحٰقُ أَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا الْمُقْرِئُ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ حَدَّثَنِي شُرَحْبِيلُ بْنُ شَرِيكٍ الْمَعَافِرِيُّ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَغَرَبَتْ۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں صبح یا شام کو نکلنا ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے۔

۴۷۶۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُهْزَاذَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ وَحَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدَّثَنِي شُرَحْبِيلُ بْنُ شَرِيكٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ سَوَاءً۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد مثل سابق حدیث ہے۔

بَابُ بَيَانِ مَا أَعَدَّهُ اللهُ تَعَالَى لِلْمُجَاهِدِ فِي الْجَنَّةِ مِنَ الدَّرَجَاتِ

جنت میں مجاہد کے درجات کا بیان

۴۷۶۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي أَبُو هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا سَعِيدٍ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ أَعِدْهَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَفَعَلَ ثُمَّ قَالَ وَأُخْرَى يُرْفَعُ بِهَا الْعَبْدُ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ قَالَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوسعید! جو شخص اللہ کے رب ہونے پر راضی ہو گیا اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو گیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ حضرت ابوسعید کو یہ بات اچھی لگی تو کہنے لگے یا رسول اللہ! اس بات کو دوبارہ فرمائیے۔ آپ نے دوبارہ اسی طرح فرمایا پھر فرمایا: ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے بندے کے سو درجات بلند ہوتے ہیں اور ہر درجہ میں زمین اور آسمان جتنا فاصلہ ہے۔ پوچھنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ درجے کس چیز سے ملتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ۔

ف: قاضی عیاض نے کہا یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور درجات سے مراد منازل ہیں جو بعض، بعض سے بلند ہیں اور جنت کی ایسی ہی صفت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جنتی اپنے بالاخانوں سے چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح نظر آئیں گے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ بلندی سے یہاں یہ مراد ہو کہ ان کو اتنی کثیر اور عظیم نعمتیں ملیں گی جن کا کوئی انسان تصور کر سکتا ہے نہ بیان کر سکتا ہے اور ان کو عزت و کرامت کی اس قدر انواع و اقسام حاصل ہوں گی جن کی بہت زیادہ فضیلت ہوگی یا یہ کہ ان کی فضیلت کا ہر درجہ اتنا بڑا ہوگا جتنا زمین اور آسمان میں فاصلہ ہے۔

باب ۶۵۲: مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كُفِّرَتْ خَطَايَاهُ إِلَّا الدَّيْنَ

جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے اس کے قرض کے سوا تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

۴۷۷۵ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَامَ فِيهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْإِيمَانَ بِاللّٰهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ تُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں کھڑے ہو کر یہ ذکر کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا تمام اعمال میں افضل ہے، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! یہ بتلائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ درآں حالیکہ تم صبر کرنے والے ہو یعنی جم کر مقابلہ کرنے والے ہو، ثواب کی نیت رکھنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم

ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَتُكَفَّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِي ذَلِكَ.

نے کیا کہا تھا؟ اس نے عرض کیا میں نے کہا تھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہوں کی معافی ہو جائے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں درآں حالیکہ تم صبر کرنے والے ہو اور ثواب کی نیت رکھنے والے ہو گے بڑھ کر حملہ کرنے والے ہو اور پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو، تو قرض کے سوا تمہارے باقی گناہ معاف کر دیے جائیں گے، کیونکہ (حضرت) جبرائیل علیہ السلام نے مجھے یہ ابھی بتایا ہے۔

۴۷۶۶- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى (يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ) عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِمَعْنَى حَدِيثِ اللَّيْثِ.

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا مجھے یہ بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں ... اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۴۷۶۷- وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ ضَرَبْتُ بِسَيْفِي بِمَعْنَى حَدِيثِ الْمَقْبُرِيِّ.

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے کچھ کمی اور زیادتی کے ساتھ یہ روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا درآں حالیکہ آپ منبر پر تھے اس نے کہا مجھے یہ بتلائیے کہ اگر میں اپنی تلوار سے مارا جاؤں پھر حسب سابق ہے۔

۴۷۶۸- حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى بْنِ صَالِحٍ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ (يَعْنِي ابْنَ فَضَالَةَ) عَنْ عَيَّاشٍ (وَهُوَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِيُّ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض کے سوا شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔

كُلَّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ۔

۴۷۶۹۔ وَحَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ حَدَّثَنِي عَيَّاشُ بْنُ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِيُّ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا الدَّيْنَ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا قرض کے سوا تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

ف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کے گناہوں کی معافی سے قرض کو جو مستثنیٰ کیا ہے اس سے یہ تنبیہ ہے کہ جہاد، شہادت اور دوسرے نیک اعمال صرف حقوق اللہ کا کفارہ ہو سکتے ہیں، بندوں کے حقوق کا کفارہ نہیں ہو سکتے۔

بَابُ فِي بَيَانِ أَنَّ أَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِي الْجَنَّةِ وَأَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

شہداء کی ارواح جنت میں ہوتی ہیں اور شہداء زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے

۴۷۷۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ وَعِيسَى بْنُ يُونُسَ جَمِيعًا عَنِ الْأَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ نُمَيْرٍ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا أَسْبَاطٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَا حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ سَأَلْنَا عَبْدَ اللهِ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ قَالَ أَمَا إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا قَالُوا أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِي وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوا مِنْ أَنْ يُسْأَلُوا قَالُوا يَا رَبِّ نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا

مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو مردہ گمان مت کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے" حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم نے بھی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، آپ نے فرمایا ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں ان کے لیے عرش میں قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ سب جنت میں جہاں چاہیں چرتی پھرتی ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں، ان کا رب ان کی طرف مطلع ہو کر فرماتا ہے: کیا تم کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ کہتے ہیں: ہم کو کس چیز کی خواہش ہو سکتی ہے ہم جہاں چاہتے ہیں جنت میں چرتے پھرتے ہیں۔ ایسے تین بار اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے، پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کو سوال کے بغیر چھوڑا نہ جائے گا تو وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل کیے جائیں، پھر جب اللہ تعالیٰ

حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى فَلَمَّا رَاٰى اَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا۔

یہ دیکھے گا کہ ان کو کوئی حاجت نہیں ہے تو پھر ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔

ارواح شہداء کے سبز پرندوں میں متمثل ہونے کی تحقیق

اس باب کی حدیث میں ہے: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، علامہ نووی لکھتے ہیں: سبز پرندوں میں رہتی ہیں، موطا میں ہے مومن کی روح پرندے میں ہوتی ہے، ایک اور حدیث میں حضرت قتادہ سے روایت ہے: شہید کی روح سفید پرندے کی صورت میں ہوتی ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ روح پرندہ ہوتی ہے یا پرندے کی صورت میں ہوتی ہے، اکثر روایات سے یہی ثابت ہے خصوصاً جب کہ روایات میں یہ بھی ہے کہ روحیں عرش کے نیچے قندیلوں میں آکر ٹھہرتی ہیں، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس امر کو مستبعد قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ اس میں کوئی چیز مانع انکار ہے، اور دونوں حدیثوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ جس روایت میں پرندے یا پرندے کے پیٹ کا ذکر ہے وہ از روئے معنی کے زیادہ صحیح ہے اور اس امر میں قیاس اور عقل کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہ تمام امور جائز ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ مومن یا شہید کی روح کو قندیلوں میں یا پرندوں کے پیٹوں میں کرنا چاہتا ہے تو کر دیتا ہے اور یہ کوئی بعید از قیاس نہیں ہے خصوصاً ان لوگوں کے نزدیک جو ارواح کو اجسام مانتے ہیں، قاضی عیاض یہ کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ جب جسم سے روح نکلتی ہے تو وہ جسم کے ایک جز میں باقی رہتی ہے اور اسی جز کو درد یا عذاب ہوتا ہے اور وہی جز لذت اور ثواب حاصل کرتا ہے اور وہی جز یہ بتاتا ہے کہ اے رب مجھے دنیا میں واپس بھیج دے اور وہی جز جنت کے درختوں میں چرتا ہے، اور یہ کوئی محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جز کو پرندہ بنا دے یا پرندے کے پیٹ میں رکھے یا عرش کے نیچے قندیلوں میں رکھے یا جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کو رکھے۔[1]

سبز پرندوں میں ارواح شہداء کے منتقل ہونے پر تناسخ کے اشکال کا جواب

بعض ملحدین ان حدیثوں سے تناسخ پر استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اچھے انسان کی روح مرنے کے بعد خوب صورت جسموں میں منتقل ہو جاتی ہے اور برے لوگوں کی روح مرنے کے بعد بری صورتوں میں منتقل ہو جاتی ہے اور یہی ثواب اور عذاب ہے اور یہ لوگ جنت اور دوزخ اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہ اس کو آواگون سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن ان حدیثوں سے ان کے موقف پر استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ تناسخ اور آواگون کا حاصل یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح کسی اور جسم میں آجاتی ہے اور وہ اس جسم کی حیات کا سبب ہوتی ہے اور جسم میں ایسے ہی سرایت کر جاتی ہے جیسے پہلے جسم میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ اس کے برخلاف جن احادیث میں ہے کہ شہداء کی روحیں پرندوں میں ہوتی ہیں ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان پرندوں میں سرایت کر جاتی ہیں اور ان پرندوں کی حیات ان روحوں

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

کے سبب سے ہوتی ہے بلکہ وہ روحیں ان پرندوں میں بمنزلہ سوار اور مسافر ہیں اور وہ پرندے بمنزلہ سواری ہیں اور ان پرندوں کی اپنی الگ روح ہوتی ہے جس سے ان کی حیات ہوتی ہے جیسے لوگ ہوائی جہاز میں اڑتے ہیں، اسی طرح ارواح شہداء پرندوں میں اڑتی پھرتی ہیں اور یہی احادیث ہیں۔ ہے کہ اشتراک روح اور پرندوں کی شکل میں منتقل کر دیتا ہے یعنی وہ روح سبز پرندہ بن جاتی ہے اس پر کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ تناسخ تب ہوتا جب روح الگ ہوتی اور پرندے کا جسم الگ ہوتا اور وہ روح اس جسم میں سرایت کر جاتی اور اس روح سے اس جسم کی حیات ہوتی اور یہاں اس طرح نہیں ہے بلکہ بعینہٖ اس روح کو سبز پرندہ بنا دیا جاتا ہے لہٰذا یہ تناسخ نہیں ہے تماثل ہے۔

میرے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ امروہہ میں ان کے زمانہ تعلیم میں ان کا ایک ہندو مناظر پنڈت رام چند سے مناظرہ ہوا اس نے کہا قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو بندر اور خنزیر بنا دیا اور یہ تناسخ ہے حضرت نے فرمایا تناسخ تب ہوتا کہ وہ بنی اسرائیل مر جاتے اور مرنے کے بعد ان کی ارواح کو بندروں اور خنزیروں میں منتقل کیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ ان بنی اسرائیل کی اسی حالت حیات میں شکل تبدیل کر دی اور ان کی حقیقت اور شخصیت وہی رہی صرف ان کی ہیئت بدل دی یعنی ان کی صورتیں مسخ کر دیں، یہ تناسخ نہیں ہے وہ کہنے لگا میں آئندہ سال آکر پھر اسی جگہ مناظرہ کروں گا، حضرت نے فرمایا موت اور زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اگر تم درمیان سال میں مر گئے تو کس صورت اور کس جون میں آکر مناظرہ کرو گے وہ آپ کی اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا اور اپنی گھڑی اتار کر انعام میں دے گیا، اس واقعہ کو اس سے زیادہ تفصیل سے ہم نے مقالات سعیدی میں بیان کیا ہے۔

روح کی ماہیت میں فقہاء اسلام کے نظریات

اس باب کی حدیث میں شہداء کی ارواح کا ذکر ہے، علامہ نووی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ علماء کا روح کی ماہیت میں بہت زیادہ اختلاف ہے جس کو ضبط اور حصر کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے، بہرحال اس سلسلہ میں چند اقوال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) جمہور علماء اور متکلمین نے یہ کہا ہے کہ روح کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں اور اس کا بیان کرنا صحیح نہیں ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے قل الروح من امر ربی "آپ کہیے کہ روح آپ کے رب کے امر سے ہے" خلاصہ نے اس میں بہت غور کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ روح نہیں ہے۔

(۲) جمہور اطباء نے کہا ہے کہ روح ایک لطیف بخار (سٹیم) ہے جو بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے۔

(۳) ہمارے اکثر شیوخ نے کہا ہے کہ روح حیات ہے۔

(۴) بعض علماء نے کہا کہ روح ایک جسم لطیف ہے جو اس جسم عنصری کے مشابہ ہے اس کی حیات سے یہ جسم زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ جب یہ جسم لطیف اس جسم عنصری سے نکل جاتا ہے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

(۵) بعض علماء نے کہا کہ روح ایک جسم ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ روح نکل گئی، اس کو قبض کر لیا وہ حلقوم تک پہنچ گئی اور یہ جسم کی صفات ہیں معانی کی نہیں۔

(۶) ہمارے بعض متقدمین ائمہ نے کہا ہے کہ روح انسانی صورت پر ایک جسم لطیف ہے جو اس جسم عنصری میں داخل ہے

(۷) بعض علماء نے کہا روح خون ہے۔ یہ قاضی عیاض کے بیان کردہ اقوال ہیں۔

(۸) علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک روح ایک جسم لطیف ہے جو بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس کے الگ ہونے سے انسان مر جاتا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ روح اور نفس میں بھی اختلاف ہے بعض علماء نے کہا یہ دو لفظ ہیں اور ان کا معنی ایک ہے، بعض نے کہا نفس آنے جانے والے سانس کو کہتے ہیں، بعض نے کہا نفس حیات کو کہتے ہیں بعض نے کہا نفس خون کو کہتے ہیں۔ [1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے روح کی بحث میں حسب ذیل اقوال بیان کیے ہیں:

(۱) علامہ مازری مالکی لکھتے ہیں کہ روح کے مباحث بہت دقیق ہیں اور اس میں بکثرت کتابیں لکھی گئی ہیں اس سلسلہ میں امام اشعری کا مشہور قول یہ ہے کہ روح وہ سانس ہے جو آ اور جا رہا ہے۔

(۲) قاضی ابوبکر نے کہا ہے کہ روح سانس اور حیات کے درمیان ایک امر متردد ہے۔

(۳) ایک قول یہ ہے کہ روح اجسام ظاہرہ اور اعضاء ظاہرہ میں ایک امر مشترک ہے۔

(۴) ایک قول یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پیدا کیا اور اللہ سبحانہ کی یہ عادت جاریہ ہے کہ وہ اس جسم لطیف کے بغیر جسم عنصری میں حیات پیدا نہیں کرتا، اور یہ روح اس عالم میں بھی حی ہے اور سبز پرندوں کے پوٹوں میں بھی ہوتی ہے۔

(۵) اس میں بھی اختلاف ہے کہ روح اور نفس ایک چیز ہیں یا الگ الگ حقیقتیں ہیں، زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ متغائر ہیں کیونکہ نفس انسانی وہ حقیقت ہے جس کو ہر شخص "میں" سے تعبیر کرتا ہے، اکثر فلاسفہ نے نفس اور روح میں فرق نہیں کیا انہوں نے کہا نفس وہ لطیف بخار ہے جو قوت حس اور حرکت ارادیہ کا حامل ہے اور یہ جوہر ہے اسی کو وہ روح حیوانی کہتے ہیں اور یہ قلب یعنی نفس ناطقہ اور بدن کے درمیان واسطہ ہے۔

(۶) امام غزالی نے کہا کہ نفس مجرد ہے یعنی جسم اور جسمانیات سے نہیں ہے اور روح وہ جوہر ہے جو بنفسہٖ قائم ہے غیر متحیز ہے، جسم میں داخل ہے نہ جسم سے خارج ہے، متصل ہے نہ منفصل ہے۔

(۷) ایک قول یہ ہے کہ روح عرض ہے کیونکہ اگر وہ جوہر ہو تو تمام جواہر مساوی ہیں پھر لازم آئے گا کہ اس جوہر کے لیے بھی ایک روح ہو۔

(۸) ایک قول یہ ہے کہ وہ جوہر فرد ہے (یعنی جزء لایتجزیٰ) وہ جسم حیوانی کی حیات کے خلاف ہے اور صفات معتبرہ کا حامل ہے۔

(۹) ایک قول یہ ہے کہ وہ جسم کی صورت لطیفہ کے مطابق ایک صورت لطیفہ ہے اس کی دو آنکھیں ہیں، دو کان ہیں، دو ہاتھ ہیں، دو پیر ہیں اور جسم کے ہر عضو کے مقابلہ میں اس کا ایک عضو ہے۔

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۳۰۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

(۱۰) جمہور متکلمین اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کا بدن میں اس طرح حلول ہے جس طرح پانی کا پھول میں حلول ہوتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اہلسنت کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے علم کو مبہم رکھا ہے اور اس کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا حتیٰ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی روح کا علم نہیں ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب اور سید خلق ہیں اور آپ کا منصب اس بات سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو۔ آپ کو روح کا علم کیسے نہیں ہوگا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان فرمایا ہے وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما۔ "آپ جو کچھ بھی نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا علم دے دیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے"۔[1]

قاضی عیاض اور دوسرے علماء نے روح کی تعریف میں جو اقوال نقل کیے ہیں، علامہ وشتانی مالکی ان پر علامہ خطابی کا تبصرہ نقل کرتے ہیں:

یہ تمام اقوال ہیں اور لوگوں کے ملتے جلتے گمان ہیں، جن کو لوگوں نے بغیر کسی بصیرت کے بیان کیا ہے، در حقیقت روح کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل الروح من امر ربی۔ اور تحقیق یہ ہے کہ روح ایک امر ہے جس کو جسم میں پھونک دیا جاتا ہے اور اس کو جسم سے قبض کر لیا جاتا ہے، اور یہ روح مومن بھی ہوتا ہے اور کافر بھی ہوتی ہے، عالم بھی ہوتی ہے اور جاہل بھی ہوتی ہے مریض بھی ہوتی ہے اور ملکین بھی ہوتی ہے اس کو لذت بھی حاصل ہوتی ہے اور اذیت بھی ہوتی ہے اور یہ تو واضح ہے کہ یہ عرض نہیں ہے کیونکہ ان معانی کا عرض کے ساتھ قیام محال ہے، اس لیے ضروری ہے کہ یہ ایک ایسا امر ہو جو قائم بنفسہ ہو اور ان اعراض اور صفات کا محل اور قابل ہو، پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ جواہر متحیزہ سے ہے یا غیر متحیزہ سے ہے، لیکن عدم تحیز چونکہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس لیے یہ صحیح کہا ہے کہ یہ جواہر متحیزہ سے ہے نیز اہل تحقیق کا اس پر اتفاق ہے کہ روح حادث ہے کیونکہ ارواح متغیر ہوتی ہیں اور ہر متغیر حادث ہوتا ہے اور قدیم صرف اللہ عزوجل کی ذات اور صفات ہیں۔[2]

علامہ سید آلوسی حنفی روح کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ خفاجی نے یہ کہا ہے کہ روح کی کنہ ممکن ہے بر خلاف اللہ عزوجل کی کنہ کے، اور کشف میں ہے کہ روح کو جاننے کی سبیل یہ ہے کہ دل کی آنکھوں میں اللہ عزوجل کے کلام کا سرمہ لگا کر اس نا واقفیت کے پردے ہٹا دیے جائیں سو جن کے دلوں کی آنکھوں میں یہ سرمہ ہے ان کے لیے روح بھی اور واضح ہے، اور جو اس سے محروم ہیں ان کے لیے روح مخفی ہے، لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ کو روح کا علم نہیں تھا اس کی تاویل یہ ہے کہ بعد

---

[1] علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۰۱، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

[2] علامہ ابو عبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ کے نزدیک روح کا علم متشابہ ہو ورنہ ہر وہ چیز جس کا علم ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اس حصول کے بعد ہوا ہے جیسا کہ امام احمد اور ترمذی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک رات کو میں اٹھا اور جو نماز میرے مقدر میں تھی وہ میں نے پڑھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی اور جب (میری پلکیں) بوجھل ہوگئیں تو میں نے اپنے رب عزوجل کو بہت حسین صورت میں دیکھا میرے رب نے فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں، میں نے کہا اے میرے رب، میں نہیں جانتا! پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست اقدس میرے شانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی وتجلی لی کل شئی وعرفت۔ پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ [1]

حیات شہداء کے حیات حقیقی ہونے پر امام رازی کے دلائل

اس باب کی حدیث میں حیات شہداء کا بھی ذکر ہے، اور اس سلسلے میں قرآن مجید کی اس آیت کو بیان کیا گیا ہے:

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون ۝ فرحين بما اتاهم الله من فضله ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم الا خوف عليهم ولا هم يحزنون۔ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰)

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو ہرگز مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، وہ اللہ کے دیے ہوئے فضل پر خوش ہیں اور ان کے بعد میں آنے والے لوگ، جو ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق اس بشارت سے خوش ہوتے ہیں کہ ان پر (بھی) کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

امام رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوگیا کہ شہداء زندہ ہیں، معتزلہ نے یہ کہا کہ یہ حیات مجازی ہے یعنی وہ آخرت میں زندہ ہوں گے لیکن ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت راہ خدا میں قتل ہونے والے زندہ تھے، دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے اغرقوا فادخلوا نارا ۝ "قوم نوح غرق کی گئی اور فوراً آگ میں داخل کر دی گئی" نیز قرآن مجید میں ہے النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا "آل فرعون کو صبح اور شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کو مرنے کے بعد قیامت سے پہلے زندہ کرکے ان کو عذاب دیتا ہے ______ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل عذاب اور عقاب پر راجح ہے، اور جب وہ اہل عذاب کو قیامت سے پہلے زندہ کرکے عذاب دیتا ہے تو قیامت سے پہلے اہل ثواب کو زندہ کرنا اس کے فضل اور احسان کے زیادہ لائق ہے، تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر اس آیت سے یہ مراد ہو کہ شہداء قیامت میں زندہ ہوں گے تو پھر یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ ان کو مردہ گمان نہ کرو کیونکہ قیامت کی زندگی کے بارے میں تو کسی مسلمان کو کوئی تردد نہیں تھا نیز قیامت کی حیات میں شہداء کی کیا تخصیص ہے وہ تو سب مسلمانوں کو حاصل ہوگی! چوتھی دلیل یہ ہے کہ اس آیت

[1] علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۹۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

مطلب ہے کہ ان شہداء کے بعد میں آنے والے لوگ جو ابھی فوت نہیں ہوئے ان کے متعلق بشارت پاکر شہداء خوش ہوتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو یہ خوشی اس دنیا میں قیامت سے پہلے حاصل ہو، کیونکہ قیامت میں تو وہ لوگ مرکر شہداء کو لاحق ہو چکے ہوں گے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ابھی وہ ان کو لاحق نہیں ہوئے اس لیے ضروری ہے کہ یہ خوشی ان کو اس دنیا میں قیامت سے پہلے حاصل ہو اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ شہداء زندہ ہوں۔ [1]

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

شہداء جنت میں زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے ہر چند کہ وہ فوت ہو گئے اور ان کے اجسام مٹی میں دفن ہو گئے، لیکن ان کی ارواح باقی مومنوں کی ارواح کی طرح زندہ ہوتی ہیں، اور ان کو قتل کے وقت سے لے کر تا حیات رزق کی فضیلت دی جاتی ہے۔

شہداء کی حیات میں علماء کا اختلاف ہے لیکن جمہور علماء کا وہی نظریہ ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے، پھر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شہداء کی قبروں میں ان کی روحیں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہ ثواب حاصل کرتے ہیں جس طرح کفار کو قبروں میں زندہ کر کے عذاب دیا جاتا ہے، مجاہد نے کہا ہے کہ انہیں جنت کے پھل دیے جاتے ہیں یعنی وہ ان پھلوں کی خوشبو سونگھتے ہیں، اور بعض علماء نے کہا یہ مجاز ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنت کی نعمتوں کے مستحق ہیں، جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص مرا نہیں یعنی اس کا ذکر زندہ ہے، یعنی شہداء کو نیک نامی اور ثناء جمیل کا رزق دیا جاتا ہے، اور بعض علماء نے کہا کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں اور انہیں جنت میں رزق دیا جاتا ہے وہ وہاں کھاتے ہیں اور نعمتیں پاتے ہیں، اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ یہ احادیث کے مطابق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ شہداء کی ارواح قیامت تک عرش کے نیچے رکوع اور سجدہ کرتی رہتی ہیں جس طرح اب زندہ مسلمانوں کی روحیں جو وضو کر کے سوتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ شہید کا جسم قبر میں بوسیدہ نہیں ہوتا اور مٹی اس کو نہیں کھاتی ہے اور ہم نے "تذکرۃ" میں لکھا ہے کہ انبیاء، شہداء، علماء، ثواب کے لیے اذان دینے والوں اور قرآن کے حافظوں کے اجسام کو قبر نہیں کھاتی۔ [2] اللہم اجعلنی منہم۔ آمین

علامہ ابن جوزی حنبلی لکھتے ہیں:

شہداء زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور جنت میں چرتی ہیں، سو شہداء اس اعتبار سے زندہ ہوتے ہیں، اگرچہ روح نکلنے کے لحاظ سے وہ مردہ ہوتے ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس طرح کی حیات تو ہر مسلمان کو مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے اور ان کو ثواب ملتا ہے پھر اس میں شہداء کی کیا تخصیص ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہداء کی دوسرے مسلمانوں پر یہ فضیلت ہے کہ شہداء کو جنت کے کھانوں سے رزق دیا جاتا ہے اس کے برخلاف دوسرے مسلمانوں کو دوسری انواع کا ثواب دیا جاتا ہے۔ [3]

---

[1] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۲۷۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[3] علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ۱ ص ۱۶۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت۔

حیات شہداء کی کیفیت میں فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں: شہداء کی حیات کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر متقدمین نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے اور جسم اور روح کے ساتھ ہے لیکن ہم اس زندگی میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے، ان کا استدلال اس آیت سے ہے عند ربھم یرزقون ''انہیں ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے'' نیز صرف روحانی حیات میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ یہ حیات تو عام مسلمانوں بلکہ کفار کو بھی مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے پھر ان کا دوسروں سے کیا امتیاز ہوگا؟ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات صرف روحانی ہوتی ہے اور ان کو رزق دیا جانا اس کے منافی نہیں ہے، کیونکہ حسن سے مروی ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحوں کو رزق پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کو فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے، جس طرح آل فرعون پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے جس سے ان کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہے، سو رزق سے مراد یہ فرحت اور مسرت ہے، اور شہداء کا باقی مسلمانوں کی روحوں سے صرف حیات میں امتیاز نہیں ہے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی قرب حاصل ہے اور جو ان کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں خصوصی عزت اور وجاہت حاصل ہوگی اس سے ان کا باقی مسلمانوں سے امتیاز ہوگا۔

بلخی نے شہداء کی حیات کا مطلقاً انکار کیا ہے اور اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ شہداء کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور ان کو ابھی جزا دی جائے گی اور بعض معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ حیات سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر زندہ رہے گا اور دنیا میں ان کی تعریف ہوتی رہے گی اور اصم سے منقول ہے کہ حیات سے مراد ہدایت اور موت سے مراد گمراہی ہے یعنی یہ نہ کہو کہ شہداء گمراہ ہیں بلکہ وہ ہدایت پر ہیں، لیکن یہ تمام اقوال نہایت ضعیف ہیں بلکہ باطل ہیں اور شہداء کی حیات جسمانی کا قول ہی برحق ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد، حسن، عمرو بن عبید، واصل بن عطاء، جبائی، رمانی اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہی مختار ہے۔

جو علماء شہداء کی جسمانی حیات کے قائل ہیں ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان کا وہی جسم زندہ ہوتا ہے جس کو قتل کیا گیا تھا یا وہ کسی اور جسم کے ساتھ زندہ رہتے ہیں، جو علماء اس کے قائل ہیں کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ رہتے ہیں جس کو قتل کیا گیا تھا وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس قتل شدہ جسم میں ایسی حیات پیدا کر دے جس کی وجہ سے ان کو احساس اور ادراک حاصل ہو جائے اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اجسام زمین میں مدفون ہیں اور کوئی تصرف نہیں کر رہے اور ان میں زندہ جسموں کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی، کیونکہ حدیث میں ہے کہ انتہا بعد تک مومن کی قبر میں وسعت کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تم دلہن کی طرح سو جاؤ، حالانکہ ہم اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے کیونکہ برزخ کے احوال اور واقعات ہمارے ذہنوں اور ادراک و شعور سے بہت دور ہیں۔

جسمانی حیات کے بعض قائلین نے کہا کہ شہداء کی حیات ایک اور جسم کے ساتھ ہوتی ہے جو پرندوں کی صورت پر ہوتا ہے اور ان کی روح اس جسم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے ان کی دلیل اس حدیث سے ہے، امام عبد الرزاق، عبد اللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی قندیلوں پر معلق رہتی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان

کو ـــــ ارشاد دے گا۔ اگر یہ سوال ہو کہ اس حدیث کے معارض یہ حدیث ہے کہ امام مالک، امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور جنت کے پھلوں یا درختوں پر معلق رہتی ہیں اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اور جنت میں جہاں چاہیں چرتی ہیں پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں ٹھہرتی ہیں، کیونکہ پرندوں کے پوٹوں میں یا ان کے پوٹوں میں ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ پرندوں کی صورت پر ہوتی ہیں کیونکہ دیکھنے والا ان کو صرف پرندوں کی صورتوں میں دیکھتا ہے۔

بعض امامیہ کا یہ مسلک ہے کہ شہداء اپنے دنیاوی جسم کی صورت پر ایک اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں (یعنی جسم مثالی کے ساتھ) حتیٰ کہ اگر ان کو کوئی شخص دیکھ لے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ابو جعفر یونس بن ظبیان سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں ابو عبداللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے کہا مومنین کی ارواح کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عرش کے نیچے سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی، ابو عبداللہ نے کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو سبز پرندے کے پوٹے میں رکھے، اللہ تعالیٰ جب مومن کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو وہ اس روح کو ایسے قالب (جسم) میں رکھتا ہے جو اس کے دنیاوی قالب کی مثل ہوتا ہے پھر وہ کھاتے پیتے رہتے ہیں پھر جب ان کے پاس کوئی شخص آتا ہے تو وہ اس کو ان کی اسی دنیاوی صورت سے پہچان لیتا ہے[1] اگر اس حدیث میں مومنین سے مراد شہداء ہوں پھر تو وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے، اور اگر اس سے مراد عام مومن ہوں تو پھر شہید کا حال اس سے بطریق اولیٰ معلوم ہو گا ہے۔

شہید اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوتا ہے یا جسم مثالی کے ساتھ یا سبز پرندوں کے جسم کے ساتھ؟

علامہ آلوسی لکھتے ہیں میرے نزدیک ہر مرنے والے کے لیے برزخ میں حیات ثابت ہے خواہ وہ شہید ہو یا نہ ہو، اور اس بات سے کوئی مانع نہیں ہے کہ اس دنیاوی بدن کے علاوہ کسی اور برزخی بدن کے ساتھ اس کی روح کا تعلق ہو اور ارواح شہداء کا بھی برزخی ابدان کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے جس سے وہ دوسروں سے ممتاز رہتے ہیں اور علاوہ ازیں ان کو ایسی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور ایسی نعمتیں اور ثواب حاصل ہوتا ہے جو ان کے مقام کے لائق ہے اور ان برزخی ابدان لطیفہ کی دنیاوی اجسام کثیفہ کے ساتھ مکمل مشابہت ہوتی ہے

[1] شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ، الفروع من الکافی ج ۳ ص ۲۴۵ مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران، ۱۳۹۱ھ

[2] علامہ آلوسی ایسے متصلب سنی عالم کا احادیث اہل سنت کے خلاف امامیہ کی روایت سے استدلال کرنا باعث حیرت ہے۔ سعیدی غفرلہ

اور یہ بھی ممکن ہے کہ احادیث میں شہداء کے لیے جو سبز پرندوں کا ذکر ہے وہ بہ طور تشبیہ ہو یعنی یہ اجسام برزخیہ اس قدر سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں کہ ان کو سبز پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور صورت کا معنی صفت ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے خلق آدم علی صورۃ الرحمان "آدم کو صورت رحمان پر پیدا کیا گیا ہے" یعنی رحمان کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے، اور حضرت ابو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جو روحوں کی روح کے سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہنے کو مستبعد قرار دیا وہ اس کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اور ہم نے جو بیان کیا ہے کہ سبز پرندوں سے مراد ان کے تیزی سے اڑنے کی صفت ہے اس بناء پر یہ اشکال لازم نہیں آئے گا کہ ایک جسم کے ساتھ دو روحیں متعلق ہو گئیں ایک پرندے کی روح اور ایک شہید کی روح، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شہید کی روح بعینہٖ پرندہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے، کیونکہ ارواح انتہائی لطیف ہوتی ہیں اور ان میں کسی جسم کی صورت اختیار کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل نے حضرت دحیہ کلبی کی شکل اختیار کر لی تھی، رہا یہ کہنا کہ دنیاوی جسم جو بوسیدہ ہو جاتا ہے جس کے اجزاء بکھر جاتے ہیں اور جس کی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے، شہید کا یہی جسم زندہ رہتا ہے تو ہر چند کہ اس جسم کا زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے لیکن اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور نہ اس میں شہید کی کوئی فضیلت اور عظمت ہے، بلکہ اسی کی وجہ سے ضعیف الایمان مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں، اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اتنے سال پہلے شہید ہوا تھا اور اس کے جسم کے زخم اب بھی ترو تازہ ہیں اور اس کے زخم سے پٹی ہٹائی تو اسی طرح خون بہہ رہا تھا تو یہ محض قصہ کہانیاں اور خرافات ہیں۔[1]

شہداء کی حیات جسمانی میں مصنف کا موقف اور بحث و نظر

علامہ آلوسی کے علم و فضل کے باوجود ہمیں علامہ آلوسی کی اس رائے سے اختلاف ہے کیونکہ یہ امر تسلسل اور تواتر سے منقول ہے کہ کسی وجہ سے بعض شہداء کی قبریں ایک عرصہ کے بعد کھل گئیں اور ان کے اجسام اسی طرح ترو تازہ پائے گئے اور ان کے زخموں سے اسی طرح خون رس رہا تھا،

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

عن مالک عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن صعصعۃ انہ بلغہ ان عمرو بن الجموح وعبد اللہ بن عمرو الانصاریین کانا قد حفر السیل قبرھما وکان قبرھما مما یلی السیل وکانا فی قبر واحد وھما ممن استشھد یوم احد فحفر عنھما لیغیرا من مکانھما فوجدا لم یتغیرا کانھما ماتا

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبدالرحمن بن عبداللہ بن صعصعہ سے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمرو بن الجموح انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما ان دونوں کی قبروں تک سیلاب کا پانی پہنچ گیا تھا، یہ دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے تھے اور ایک قبر میں مدفون تھے ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جا سکے، جب ان کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسم بالکل متغیر

[1] علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی ج ۲ ص ۲۲۔ ۲۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔

بالامس وکان احدھما قد جرح — ووضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذلک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت وکان بین احد وبین الحفر عنھما ست واربعون سنۃ.[1]

نہیں بدلے تھے یوں لگتا تھا جیسے کل فوت ہوئے ہوں، ان میں سے ایک زخمی تھا اور دفن کے وقت اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا اور اس کا ہاتھ اب بھی اسی طرح زخم پر تھا جب اس کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو وہ پھر اسی طرح زخم پر آگیا غزوۂ احد اور اس قبر کو کھودنے کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ تھا۔

امام مالک کی یہ روایت بہ طور تائید درج کی ہے۔

نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عبد اللہ قال دفن مع ابی رجل یوم احد فلم تطب نفسی حتی اخرجتہ ودفنتہ علی حدۃ وعن جابر قال فاستخرجتہ بعد ستۃ اشھر فاذا ھو کیوم وضعتہ غیر اذنہ.[2]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا، میں اس سے خوش نہیں ہوا، حتیٰ کہ میں نے اپنے والد کو اس قبر سے نکال کر علیحدہ دفن کیا، حضرت جابر کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو چھ ماہ بعد نکالا تھا اور ان کے کان کے سوا ان کا پورا جسم اسی طرح تر و تازہ تھا جیسے اسی دن دفن کیا ہو۔

ایک اور سند سے امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

عن جابر قال دفن مع ابی رجل فکان فی نفسی من ذلک حاجۃ فاخرجتہ بعد ستۃ اشھر فما انکرت منہ شیئا الا شعیرات کن فی لحیتہ مما یلی الارض.[3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا، اس سے میرے دل میں کچھ بات تھی پھر میں نے چھ ماہ کے بعد اپنے والد کے جسم کو نکالا تو ان کی ڈاڑھی کے چند بالوں کے سوا جو زمین کے ساتھ لگے ہوئے تھے، باقی پورا جسم اسی طرح تازہ تھا۔

خیال رہے کہ حضرت جابر کے والد، حضرت عبد اللہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔

ان قوی آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بسا اوقات شہداء کے یہ دنیاوی اجسام باقی رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان اجسام کو زندہ رکھتا ہے اور گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے اور مرور زمانہ کے باوجود یہ اجسام اسی طرح تر و تازہ رہتے ہیں اور ان کے زخم اسی طرح خون آلود رہتے ہیں البتہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں جو مسلمان قتل کیے جاتے

---

[1] ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات ج ۴ ص ۷۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ

[2] امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۴ ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[3] " " " " سنن کبریٰ ج ۴ ص ۵۸

ہیں کچھ عرصہ کے بعد ان کے اجسام پھول جاتے ہیں اور ان سے بدبو آنے لگتی ہے، ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی حیات جسمانی اس دنیاوی جسم کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی جسم کے بدلہ ان کو کوئی اور جسم دے دیا ہے جو ان کے دنیاوی جسم کی شکل ہے۔

شہداء کی حیات جسمانی کے سلسلہ میں تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کے درجات اور مراتب کے اعتبار سے شہداء کی حیات جسمانیہ کے متعدد اعتبار ہوتے ہیں، صحابہ کرام اور دوسرے مقربین اور صالحین اگر شہید ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اسی جسم کے ساتھ زندہ رکھتا ہے، اور بعض شہداء کو جسم مثالی عطا فرما دیتا ہے کیونکہ جو مسلمان اللہ کی راہ میں ایک چیز خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی دس مثلیں عطا فرماتا ہے تو اس لیے ہوسکتا ہے کہ جب شہداء اللہ کی راہ میں اپنے جسم کو خرچ کریں اور وہ جسم قتل کے بعد بوسیدہ اور مٹی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس جیسے کئی اجسام مثالیہ عطا فرما دے، اور بعض شہداء کی روحوں کو اللہ تعالیٰ سبز پرندوں کی صورت میں متشکل فرما دیتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی صراحت ہے اور بعض شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں اڑتی پھرتی ہیں، جنت کی کیاریوں میں چرتی ہیں اور عرش کے نیچے قندیلوں میں لٹکی رہتی ہیں اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بَابُ ۶۵۲ فَضْلِ الْجِهَادِ وَالرِّبَاطِ

سرحدوں پر پہرہ دینے اور جہاد کی فضیلت

۴۷۷۱ - حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْوَلِيدِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ فَقَالَ رَجُلٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ اللهَ رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہ سوال کیا کہ لوگوں میں سے کون سا شخص افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتا ہے، اس نے پوچھا اس کے بعد پھر کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پھر وہ مومن افضل ہے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں رہتا ہو وہ لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے اور اپنے رب عزوجل کی عبادت کرے۔

۴۷۷۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا وہ مومن جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرے، اس

مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ۔

نے پوچھا کہ پھر کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا پھر وہ شخص ہے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں تنہا بیٹھ کر اللہ کو یاد کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔

۴۷۷۳۔ وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ فَقَالَ وَرَجُلٌ فِي شِعْبٍ وَلَمْ يَقُلْ ثُمَّ رَجُلٌ۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اس میں ہے ورجل فی شعب ثم رجل ۔ نہیں ہے۔

۴۷۷۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ بَعْجَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَطِيرُ عَلَى مَتْنِهِ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهُ أَوْ رَجُلٌ فِي غُنَيْمَةٍ فِي رَأْسِ شَعَفَةٍ مِنْ هٰذِهِ الشَّعَفِ أَوْ بَطْنِ وَادٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَوْدِيَةِ يُقِيمُ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْيَقِينُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِي خَيْرٍ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی بہترین زندگی کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص گھوڑے کی لگام پکڑ کر اللہ کی راہ میں نکل جائے وہ اس کی پشت پر اڑتا رہا ہو جس طرف دشمن کی آہٹ یا خوف محسوس کرے اسی طرف گھوڑے کا رخ کر دے اور قتل یا موت کی تلاش میں نکل جائے، یا اس آدمی کی زندگی بہتر ہے جو چند بکریاں لے کر پہاڑ کی کسی چوٹی یا کسی وادی میں نکل جائے وہاں نماز پڑھے زکوٰۃ ادا کرے اور اپنے رب کی عبادت کرے حتیٰ کہ اسی حال میں اس کو موت آئے اور بھلائی کے سوا وہ لوگوں کے کسی معاملہ میں نہ پڑے۔

۴۷۷۵۔ وَحَدَّثَنَاهُ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ وَيَعْقُوبَ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْقَارِيَّ كِلَاهُمَا عَنْ أَبِي حَازِمٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَقَالَ عَنْ بَعْجَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَدْرٍ وَقَالَ فِي شَعَفَةٍ مِنْ هٰذِهِ الشِّعَابِ خِلَافَ رِوَايَةِ يَحْيَى۔

ایک اور سند سے بھی یہ روایت ہے اور اس میں من هذه الشعاب کا لفظ ہے۔

۴۷۷۶۔ وَحَدَّثَنَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ بَعْجَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ بَعْجَةَ وَقَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی حسب سابق ہے اور اس میں فی شعب من الشعاب کے الفاظ ہیں۔

فِی شِعْبٍ مِّنَ الشِّعَابِ۔

شہر میں رہ کر اجتماعی اور تمدنی زندگی گزارنا افضل ہے یا پہاڑ کے دامنوں گھاٹیوں اور وادیوں میں خلوت گزینی افضل ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس باب کی احادیث میں شہروں کی اجتماعی اور تمدنی زندگی پر جنگلوں اور پہاڑوں کے دامنوں اور گھاٹیوں میں زندگی گزارنے کی فضیلت کا بیان ہے، اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف مشہور ہے، امام شافعی اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اجتماعی اور تمدنی زندگی خلوت گزینی سے افضل ہے، بشرطیکہ شہروں کی اجتماعی زندگی میں فتنوں سے سلامت رہنے کی امید ہو، ان احادیث کی بناء پر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خلوت گزینی افضل ہے، جمہور علماء ان احادیث کو جنگ اور فتنوں کے زمانہ پر محمول کرتے ہیں، جیسا کہ یزید کے دور میں واقعہ حرہ کا فتنہ تھا مسلم بن عقبہ مدینہ میں ہر شخص کے سر پر تلوار لے کر کھڑا ہو جاتا کہ میرے ہاتھ پر یزید کی بیعت کرو کہ تم یزید کے غلام ہو چاہے وہ تم کو قتل کرے یا بیچ ڈالے اور جو شخص یہ بیعت نہ کرتا اس کو قتل کر دیتا، اس وقت بہت سے صحابہ اور اخیار تابعین پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ سعیدی غفرلہ) انبیاء علیہم السلام، جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین علماء اور زہاد اور ارکان سے سبل بل کر رہتے تھے اور تمدنی زندگی کے فوائد حاصل کرتے تھے، مثلاً پانچ وقت کی نماز کو جماعت سے پڑھنا، جمعہ اور عید ادا کرنا، نماز جنازہ پڑھنا، مریضوں کی عیادت کرنا، ذکر و فکر کے حلقے قائم کرنا، علم پڑھنا اور پڑھانا، دینی کتب کی تصانیف اور اشاعت کرنا، مظلوموں کے حقوق کے لیے داد رسی کا انتظام کرنا، حدود و تعزیرات کا نظام، زکوٰۃ کا نظام اور حج اور عمرہ کا بندوبست، اسلام کے یہ تمام احکام شہر میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کا تقاضا کرتے ہیں اور بغیر کسی ناگزیر وجہ کے اسلام میں خلوت گزینی کی اجازت نہیں ہے۔[1]

بَابُ بَيَانِ الرَّجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ
قاتل اور مقتول کے جنت میں داخل ہونے کا بیان

۴۷۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَضْحَكُ اللَّهُ إِلَى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالُوا كَيْفَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ يُقَاتِلُ هَذَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے، کیونکہ ایک آدمی دوسرے کو قتل کرے گا اور یہ دونوں جنت میں داخل ہو جائیں گے، صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ایک شخص راہ خدا میں شہید کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۶ھ

عَزَّ وَجَلَّ فَيُسْتَشْهَدُ ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيُسْلِمُ فَيُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَيُسْتَشْهَدُ

اس کے قاتل کو توبہ کی توفیق دے گا وہ اسلام قبول کر کے اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہو جائے گا (جیسا کہ حضرت حمزہ اور وحشی رضی اللہ عنہما)۔

٤٧٧٨ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

ایک اور سند سے بھی یہ روایت اسی طرح منقول ہے۔

٤٧٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَحَادِيثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ اللّٰهُ لِرَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَالُوا كَيْفَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ يُقْتَلُ هَذَا فَيَلِجُ الْجَنَّةَ ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَى الْآخَرِ فَيَهْدِيهِ إِلَى الْإِسْلَامِ ثُمَّ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُسْتَشْهَدُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ دو شخصوں کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے ان میں سے ایک شخص دوسرے کو قتل کرے گا اور وہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کس طرح ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ شخص قتل کیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہو گا پھر اللہ تعالیٰ اس دوسرے شخص کو اسلام کی ہدایت دے گا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید کر دیا جائے گا۔

ف: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ہنسنے سے مراد انسانوں کی متعارف ہنسی نہیں ہے کیونکہ اس ہنسی کا محل اجسام ہوتے ہیں اور وہ چیزیں ہوتی ہیں جن میں تغیر طاری ہو سکے، یہاں ہنسی سے مراد ہے، ان دو بندوں کے فعل پر اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا، ان کو ثواب عطا کرنا، ان کی تعریف و تحسین کرنا اور فرشتوں کی ان سے محبت کے ساتھ ملاقات کرنا، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے اللہ کی ہنسی سے مراد یہاں پر فرشتوں کی ہنسی ہو۔ کیونکہ بعض اوقات فرشتوں کے افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی جاتی ہے۔

بَابُ مَنْ قَتَلَ كَافِرًا ثُمَّ سَدَّدَ

کافر کو قتل کرنے کے بعد نیک عمل پر قائم رہنا

٤٧٨٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (يَعْنُونَ ابْنَ جَعْفَرٍ) عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَقَاتِلُهُ فِي النَّارِ أَبَدًا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر اور اس کو قتل کرنے والا مسلمان جہنم میں کبھی جمع نہیں ہوں گے۔

٤٧٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَوْنٍ الْهِلَالِيُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْفَزَارِيُّ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي النَّارِ اجْتِمَاعًا يَضُرُّ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ قِيلَ مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مُؤْمِنٌ قَتَلَ كَافِرًا ثُمَّ سَدَّدَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو شخص جہنم میں اس طرح جمع نہیں ہوں گے کہ ایک شخص دوسرے کو ضرر پہنچائے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: مومن جو کسی کافر کو قتل کرنے کے بعد نیکی پر قائم رہے۔

ف: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جو مومن کسی کافر کو قتل کرنے کے بعد نیکی پر قائم رہے گا وہ جہنم میں داخل ہی نہیں ہوگا پھر جہنم میں ان کے اجتماع کی نفی سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نیکی پر قیام سے مراد ہے ایمان پر قائم رہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایمان پر قائم رہنے کے بعد اور گناہ کیے ہوں تو اس لیے اس کو ان گناہوں کی سزا دی جائے گی لیکن وہ ایک دوسرے کو نہیں پہنچائیں گے اور ایمان پر قائم رہنے والا مسلمان جہنم میں عارضی طور پر رہے گا اور بالآخر اس کو جہنم سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

بَابُ فَضْلِ الصَّدَقَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کی فضیلت

۴۷۸۲ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُومَةٍ فَقَالَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُمِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ.

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص اونٹنی کی مہار پکڑ کر لایا اور کہنے لگا یہ اللہ کی راہ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس کے بدلے قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور ان سب کی نکیل ڈلی ہوگی۔

۴۷۸۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ زَائِدَةَ ح وَحَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ (يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ) حَدَّثَنَا شُعْبَةُ كِلَاهُمَا عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

بَابُ فَضْلِ إِعَانَةِ الْغَازِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِمَرْكُوبٍ وَغَيْرِهِ

غازی اور مجاہد کی سواری وغیرہ کے ساتھ مدد کرنے کی فضیلت

۴۷۸۴ - وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ (وَاللَّفْظُ لِأَبِي كُرَيْبٍ) قَالُوا

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر

حدثنا ابو معاویۃ عن الاعمش عن ابی عمرو الشیبانی عن ابی مسعود الانصاری قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی ابدع بی فاحملنی فقال ما عندی فقال رجل یا رسول اللہ انا ادلہ علی من یحملہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ۔

کہ عرض کیا یا رسول اللہ میرا جانور ضائع ہو گیا، آپ مجھے کسی جانور پر سوار کر دیجئے، آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں آپ کو ایسا شخص بتاتا ہوں جو اس کو سوار کر دے گا، آپ نے فرمایا جو شخص کسی نیکی کا راستہ بتلائے گا، اس کو بھی نیکی کرنے والے کا اجر ملے گا۔

۴۷۸۵۔ وحدثنا اسحٰق بن ابراھیم اخبرنا عیسی بن یونس ح وحدثنی بشر بن خالد اخبرنا محمد بن جعفر عن شعبۃ ح وحدثنی محمد بن رافع حدثنا عبد الرزاق اخبرنا سفیان کلھم عن الاعمش بھذا الاسناد۔

امام مسلم نے اس حدیث کی دو سندیں ذکر کی ہیں۔

۴۷۸۶۔ وحدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمۃ حدثنا ثابت عن انس بن مالک ح وحدثنی ابو بکر بن نافع (واللفظ لہ) حدثنا بھز حدثنا حماد بن سلمۃ حدثنا ثابت عن انس بن مالک ان فتی من اسلم قال یا رسول اللہ انی ارید الغزو ولیس معی ما اتجھز قال ائت فلانا فانہ قد کان تجھز فمرض فاتاہ فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرئک السلام ویقول اعطنی الذی تجھزت بہ قال یا فلانۃ اعطیہ الذی تجھزت بہ ولا تحبسی عنہ شیئا فواللہ لا تحبسی منہ شیئا فیبارک لک فیہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا جہاد کرنے کا ارادہ ہے اور میرے پاس جہاد کا سامان نہیں ہے، آپ نے فرمایا: فلاں شخص کے پاس جاؤ اس نے جہاد کا سامان تیار کیا تھا لیکن وہ بیمار ہو گیا، وہ آدمی اس شخص کے پاس گیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے تم کو کہ وہ سامان مجھے دے دو جو تم نے تیار کیا ہے اور اس میں سے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھو۔ انھوں نے کہا اے فلانی! اس کو وہ چیزیں دے دو جو میں نے تیار کی ہیں اور اس سے کچھ مت روکو، بخدا! اگر تم نے اس میں سے کوئی چیز بھی اپنے پاس رکھی تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔

۴۷۸۷۔ وحدثنا سعید بن منصور وابو الطاھر قال ابو الطاھر اخبرنا ابن وھب وقال سعید حدثنا عبد اللہ بن وھب اخبرنی عمرو بن الحارث عن بکیر بن الاشج عن بسر بن سعید عن زید بن خالد الجھنی عن رسول

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے راستہ میں کسی غازی کو سامان مہیا کیا اس نے بھی جہاد کیا اور جس شخص نے غازی کے گھر کی اچھی طرح دیکھ بھال کی تو اس نے بھی جہاد کیا۔

الله صلى الله عليه وسلم أنه قال من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا ومن خلفه في أهله بخير فقد غزا۔

٤٧٨٨۔ حدثنا أبو الربيع الزهراني حدثنا يزيد (يعني ابن زريع) حدثنا حسين المعلم حدثنا يحيى بن أبي كثير عن أبي سلمة بن عبد الرحمن عن بسر بن سعيد عن زيد بن خالد الجهني قال قال نبي الله صلى الله عليه وسلم من جهز غازيا فقد غزا ومن خلف غازيا في أهله فقد غزا۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی مجاہد کے لیے سامان مہیا کیا اور جس نے مجاہد کے گھر کی دیکھ بھال رکھی اس نے بھی جہاد کیا۔

٤٧٨٩۔ وحدثنا زهير بن حرب حدثنا إسماعيل بن علية عن علي بن المبارك حدثنا يحيى بن أبي كثير حدثني أبو سعيد مولى المهري عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث بعثا إلى بني لحيان من هذيل فقال لينبعث من كل رجلين أحدهما والأجر بينهما۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لحیان (یہ ہذیل کی ایک شاخ ہے) کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور فرمایا ہر (گھر کے) دو مردوں میں سے ایک مرد نکلے اور ثواب دونوں کو ملے گا۔

٤٧٩٠۔ وحدثنيه إسحاق بن منصور أخبرنا عبد الصمد (يعني ابن عبد الوارث) قال سمعت أبي يحدث حدثنا الحسين عن يحيى حدثني أبو سعيد مولى المهري حدثني أبو سعيد الخدري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث بعثا بمعناه۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اس کے بعد حسب سابق ہے۔

٤٧٩١۔ وحدثني إسحاق بن منصور أخبرنا عبيد الله (يعني ابن موسى) عن شيبان عن يحيى بهذا الإسناد مثله۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی ہے۔

٤٧٩٢۔ وحدثنا سعيد بن منصور حدثنا عبد الله بن وهب أخبرني عمرو بن الحارث عن يزيد بن أبي حبيب عن يزيد بن أبي سعيد

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لحیان کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور فرمایا ہر دو آدمیوں میں سے ایک آدمی

مَوْلَى الْمَهْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَى بَنِي لِحْيَانَ لِيَخْرُجْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ رَجُلٌ ثُمَّ قَالَ لِلْقَاعِدِ أَيُّكُمْ خَلَفَ الْخَارِجَ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ بِخَيْرٍ كَانَ لَهُ مِثْلُ نِصْفِ أَجْرِ الْخَارِجِ۔

جانے اور فرمایا تم میں سے جو شخص کسی (جہاد پر) جانے والے کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لیے اور اس کے گھر اور اس کے مال کی نگہبانی کے لیے بیٹھے گا، اس کو جہاد کے لیے جانے والے شخص کا آدھا اجر ملے گا۔

بَابُ ۶۵۹ حُرْمَةِ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ وَإِثْمِ مَنْ خَانَ فِيهِنَّ

مجاہدین کی عورتوں کی عزت اور ان میں خیانت کا گناہ

۴۷۹۳ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِينَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِنَ الْمُجَاهِدِينَ فِي أَهْلِهِ فَيَخُونُهُ فِيهِمْ إِلَّا وُقِفَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَأْخُذُ مِنْ عَمَلِهِ مَا شَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھروں میں بیٹھنے والوں پر مجاہدین کی عورتوں کی عزت ان کی ماؤں کی عزت کی طرح ہے اور گھروں میں بیٹھنے والوں میں سے جو شخص مجاہدین کے گھر بار کی دیکھ بھال رکھے اور پھر اس میں خیانت کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کے عمل میں سے جو چاہے گا لے لے گا اب تمہارا کیا خیال ہے!

۴۷۹۴ - وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے بعد حسب سابق ہے۔

۴۷۹۵ - وَحَدَّثَنَاهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ قَعْنَبٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ فَخُذْ مِنْ حَسَنَاتِهِ مَا شِئْتَ فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَمَا ظَنُّكُمْ۔

ایک اور سند سے یہ روایت ہے اس میں ہے مجاہد سے کہا جائے گا کہ تم اس کی نیکیوں میں سے جو چاہو لے لو، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اب تمہارا کیا خیال ہے!

بَابُ ۶۶۰ سُقُوطِ فَرْضِ الْجِهَادِ عَنِ الْمَعْذُورِينَ

معذوروں سے فرضیت جہاد کا ساقط ہونا

۴۷۹۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت کریمہ

بَشَّارٍ (وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى) قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ أَنَّهُ سَمِعَ الْبَرَآءَ يَقُولُ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا فَجَآءَ بِكَتِفٍ يَكْتُبُهَا فَشَكَا إِلَيْهِ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ ضَرَارَتَهُ فَنَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ، قَالَ شُعْبَةُ وَأَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بِمِثْلِ حَدِيثِ الْبَرَآءِ وَقَالَ ابْنُ بَشَّارٍ فِي رِوَايَتِهِ سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ.

(ترجمہ:) گھر بیٹھنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مسلمان برابر نہیں ہیں کی تفسیر میں حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ ایک شانہ کی ہڈی لے کر آئیں اور اس پر یہ آیت لکھ دیں، اس موقع پر حضرت ابن ام مکتوم نے اپنی نابینائی کی شکایت کی، تب اس آیت کے بعد غیر اولی الضرر، "ماسوا معذوروں کے" یہ الفاظ نازل ہوئے۔ ایک اور سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی کی مثل مروی ہے، حضرت زید بن ثابت سے ایک اور سند سے بھی یہی روایت ہے۔

۴۷۹۷- وَحَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ بِشْرٍ عَنْ مِسْعَرٍ حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ كَلَّمَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَنَزَلَتْ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ.

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "گھر بیٹھنے والے مسلمان جہاد کرنے والے مسلمانوں کے برابر نہیں ہیں" تو حضرت ابن ام مکتوم نے آپ سے گفتگو کی، تب غیر اولی الضرر، "ماسوا معذوروں کے" یہ الفاظ نازل ہوئے۔

ف: اس باب کی احادیث میں یہ ثبوت ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ عہد رسالت میں جہاد فرض عین تھا اور اب فرض کفایہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ جہاد جب سے شروع ہوا ہے فرض کفایہ ہے۔

بَابُ ثُبُوتِ الْجَنَّةِ لِلشَّهِيدِ (۶۶)

شہید کے لیے جنت کا ثبوت

۴۷۹۸- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ (وَاللَّفْظُ لِسَعِيدٍ) أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ جَابِرًا يَقُولُ قَالَ رَجُلٌ أَيْنَ أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ قُتِلْتُ قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمَرَاتٍ كُنَّ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ وَفِي حَدِيثِ سُوَيْدٍ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرا کہاں ٹھکانا ہوگا؟ فرمایا جنت میں! اس شخص کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں اس نے ان کو پھینکا اور پھر لڑنا شروع کر دیا حتی کہ وہ شہید ہو گیا اور سوید کی روایت میں یہ ہے کہ اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ احد میں یہ سوال کیا تھا۔

۴۷۹۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ زَكَرِيَّاءَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي النَّبِيتِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ جَنَابٍ الْمِصِّيصِيُّ حَدَّثَنَا عِيسٰى (يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ) عَنْ زَكَرِيَّاءَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي النَّبِيتِ قَبِيلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ ثُمَّ تَقَدَّمَ فَقَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمِلَ هٰذَا يَسِيرًا وَّأُجِرَ كَثِيرًا۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک قبیلہ بنو نبیت سے ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر میدان میں آگے بڑھ کر اس نے لڑنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وہ قتل کر دیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص نے عمل کم کیا اور اس کو اجر زیادہ دیا گیا۔

۴۸۰۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ بْنِ أَبِي النَّضْرِ وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَأَلْفَاظُهُمْ مُتَقَارِبَةٌ قَالُوا حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ (وَهُوَ ابْنُ الْمُغِيرَةِ) عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُسَيْسَةَ عَيْنًا يَنْظُرُ مَا صَنَعَتْ عِيرُ أَبِي سُفْيَانَ فَجَاءَ وَمَا فِي الْبَيْتِ أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا أَدْرِي مَا اسْتَثْنٰى بَعْضَ نِسَائِهٖ قَالَ فَحَدَّثَهُ الْحَدِيثَ قَالَ فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لَنَا طَلِبَةً فَمَنْ كَانَ ظَهْرُهٗ حَاضِرًا فَلْيَرْكَبْ مَعَنَا فَجَعَلَ رِجَالٌ يَسْتَأْذِنُونَهٗ فِي ظُهْرَانِهِمْ فِي عُلْوِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ لَا إِلَّا مَنْ كَانَ ظَهْرُهٗ حَاضِرًا فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهٗ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِينَ إِلٰى بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقَدِّمَنَّ أَحَدٌ مِّنْكُمْ إِلٰى شَيْءٍ حَتّٰى أَكُونَ أَنَا دُونَهٗ فَدَنَا الْمُشْرِكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی خبر لانے کے لیے بسیسہ کو جاسوس بنا کر بھیجا، جس وقت وہ واپس آیا تو گھر میں میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں تھا (راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت انس نے آپ کی ازواج میں سے کسی کا استثناء کیا تھا) حضرت انس کہتے ہیں کہ اس جاسوس نے آکر اپنی رپورٹ پیش کی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: ہمیں ایک چیز کی طلب ہے جس شخص کے پاس سواری ہے وہ ہمارے ساتھ سوار ہو کر چلے، کچھ لوگوں نے مدینہ کی چڑھائی سے اپنی سواریاں لانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: نہیں صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی سواریاں یہاں موجود ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب چل پڑے اور مشرکین سے پہلے بدر پہنچ گئے، ادھر مشرکین بھی آ پہنچے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک میں نہ کہوں تم میں سے کوئی شخص کسی چیز پر پیش قدمی نہ کرے، جب مشرکین قریب آ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس جنت کی طرف بڑھو جس کی پہنائی آسمان اور زمین ہیں، حضرت عمیر

قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ قَالَ يَقُولُ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ الْأَنْصَارِيُّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ جَنَّةٌ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ قَالَ نَعَمْ قَالَ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكَ عَلَى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِلَّا رَجَاءَةَ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا فَأَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرَنِهِ فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتَّى آكُلَ تَمَرَاتِي هٰذِهِ إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ قَالَ فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ.

بن حمام انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! جنت کا عرض آسمان اور زمین ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: آفرین آفرین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اس کلمہ کی تحسین کہنے کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! کچھ نہیں مگر اس امید سے کہا ہے کہ میں جنت کا اہل ہو جاؤں! آپ نے فرمایا: بلاشبہ تم اہل جنت میں سے ہو۔ حضرت عمیر نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکال کر انہیں کھانا شروع کیا، پھر کہا اگر میں ان کھجوروں کو ختم کرنے تک زندہ رہا تو زندگی بڑی لمبی ہو جائے گی (یعنی جنت ملنے میں دیر ہو جائے گی) پھر اس نے ان کھجوروں کو پھینک دیا اور قتال میں گھس گیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔

ف: سبحان اللہ! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ کون جنتی ہے اور کون نہیں ہے۔

۴۸۰۱ - **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ (وَاللَّفْظُ لِيَحْيَى) قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا وَقَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي وَهُوَ بِحَضْرَةِ الْعَدُوِّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَيْئَةِ فَقَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَأَلْقَاهُ ثُمَّ مَشَى بِسَيْفِهِ إِلَى الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ.

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ دشمن کے سامنے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں، یہ سن کر ایک خستہ حال شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے ابوموسیٰ! کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود یہ حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں، یہ سن کر وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا میں تم کو السلام علیکم کہتا ہوں، پھر اس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کر پھینک دیا اور اپنی تلوار لے کر دشمنوں میں گھس گیا حتیٰ کہ قتل کر دیا گیا۔

۴۸۰۲ - **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَاءَ نَاسٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ چند آدمی بھیج دیجئے جو

وسلم فقالوا أن ابعث معنا رجالا يعلمونا القرآن والسنة فبعث إليهم سبعين رجلا من الأنصار يقال لهم القراء فيهم خالي حرام يقرءون القرآن ويتدارسون بالليل يتعلمون وكانوا بالنهار يجيئون بالماء فيضعونه في المسجد ويحتطبون فيبيعونه ويشترون به الطعام لأهل الصفة وللفقراء فبعثهم النبي صلى الله عليه وسلم إليهم فعرضوا لهم فقتلوهم قبل أن يبلغوا المكان فقالوا اللهم بلغ عنا نبينا أنا قد لقيناك فرضينا عنك ورضيت عنا قال وأتى رجل حراما خال أنس من خلفه فطعنه برمح حتى أنفذه فقال حرام فزت ورب الكعبة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه إن إخوانكم قد قتلوا وإنهم قالوا اللهم بلغ عنا نبينا أنا قد لقيناك فرضينا عنك ورضيت عنا.

ہم کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیں، سو آپ نے ان کے ساتھ ستر انصاری بھیجے جن کو قراء کہا جاتا تھا ان میں میرے ماموں حضرت حرام بھی تھے انصار کے یہ لوگ قرآن مجید پڑھتے تھے یہ لوگ رات قرآن مجید کے درس تدریس اور تعلیم میں گزارتے اور دن میں مسجد میں پانی لا کر رکھتے اور جنگل سے لکڑیاں لا کر فروخت کرتے اور اس کے عوض اصحاب صفہ اور فقراء کے لیے کھانا خریدتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کفار کی طرف بھیجا ان کفار نے منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا، اس وقت انہوں نے کہا: اے اللہ! ہماری طرف سے ہمارے نبی کو یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے تجھ سے ملاقات کر لی ہے اور ہم تجھ سے راضی ہو گئے ہیں اور تو ہم سے راضی ہو گیا ہے۔ اس سانحہ میں ایک شخص نے پیچھے سے آکر میرے ماموں کے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ آر پار ہو گیا اور میرے ماموں نے کہا رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تمہارے بھائی قتل کر دیے گئے اور انہوں نے کہا: اے اللہ! ہمارے نبی کو یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے تجھ سے ملاقات کر لی سو ہم تجھ سے راضی ہو گئے اور تو ہم سے راضی ہو گیا۔

۴۸۰۳- وحدثني محمد بن حاتم حدثنا بهز حدثنا سليمان بن المغيرة عن ثابت قال قال أنس عمي الذي سميت به لم يشهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بدرا قال فشق عليه قال أول مشهد شهده رسول الله صلى الله عليه وسلم غيبت عنه وإن أراني الله مشهدا فيما بعد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليراني الله ما أصنع

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے وہ چچا جن کے نام پر میرا نام رکھا گیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ بدر میں حاضر نہیں تھے، اور یہ غیر حاضری ان پر بہت شاق گزری تھی، انہوں نے کہا یہ پہلا معرکہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور میں نہیں تھا، اب اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی معرکہ دکھایا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھا دے گا

قَالَ فَهَابَ أَنْ يَقُولَ غَيْرَهَا قَالَ فَشَهِدَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ قَالَ فَاسْتَقْبَلَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ لَهُ أَنَسٌ يَا أَبَا عَمْرٍو أَيْنَ فَقَالَ لَهُ وَاهًا لِرِيحِ الْجَنَّةِ أَجِدُهُ دُونَ أُحُدٍ قَالَ فَقَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ قَالَ فَوُجِدَ فِي جَسَدِهِ بِضْعٌ وَثَمَانُونَ مِنْ بَيْنِ ضَرْبَةٍ وَطَعْنَةٍ وَرَمْيَةٍ قَالَ فَقَالَتْ أُخْتُهُ عَمَّتِيَ الرُّبَيِّعُ بِنْتُ النَّضْرِ فَمَا عَرَفْتُ أَخِي إِلَّا بِبَنَانِهِ وَنَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا قَالَ فَكَانُوا يُرَوْنَ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِيهِ وَفِي أَصْحَابِهِ.

کر رہا ہوں، وہ ان کلمات کے علاوہ کوئی اور بات کہنے سے ڈرے، پھر غزوۂ احد میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، ان کے سامنے سے حضرت سعد بن معاذ آرہے تھے، حضرت انس (میرے چچا) نے کہا اے ابو عمرو کہاں جا رہے ہو، مجھے تو احد پہاڑ کی جانب سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، پھر وہ کفار کے خلاف لڑائی میں گھس گئے حتیٰ کہ شہید ہو گئے، ان کی لاش پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسّی سے زیادہ زخم تھے، پھر میری پھوپھی حضرت ربیع بنت نضر نے کہا میں نے اپنے بھائی کی لاش کو صرف ان کی پوروں سے پہچانا تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) "مسلمانوں میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا، ان میں سے کوئی (جہاد میں شہید ہو کر) اپنی نذر پوری کر چکا اور ان میں سے کوئی (ابھی) منتظر ہے اور ان لوگوں نے (اپنے وعدے میں) کوئی تبدیلی نہیں کی" (الاحزاب: ۳۳: ۲۳) صحابہ کرام کا یہ خیال تھا کہ یہ آیت حضرت انس اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ف: اس باب کی احادیث میں شہداء کے لیے جنت کی بشارت ہے، کسب حلال کی اور علم دین کے طلبہ پر صدقہ کرنے کی فضیلت ہے، اصحاب صفہ کا ذکر ہے، یہ وہ فقراء اور غرباء تھے جو مسجد نبوی میں رہتے تھے اور ان کے لیے مسجد کے آخر میں ایک چبوترہ بنا دیا گیا تھا جو مسجد سے ملحق تھا اس میں ایک سائبان ڈال دیا گیا تھا، یہ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اس چبوترہ میں رہتے تھے، [illegible] باقی ستر قاریوں کی شہادت کی تفصیل اور تحقیق اور اس کے تمام مباحث ہم شرح صحیح مسلم جلد ثالث میں بیان کر چکے ہیں، اس باب کی احادیث میں کفار کے خلاف جاسوسی کرنے کا بھی ثبوت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا بیان ہے کہ کون شخص شہید ہوگا اور کون جنتی ہوگا اور مسجد میں طلباء کے لیے کھانے پینے کے لیے صدقات ڈالنے کا بیان ہے۔

بَابُ ٦٦٢ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ

جو شخص دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرے اسی کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

۴۸۰۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے

(واللفظ لابن المثنى) قالا حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن عمرو بن مرة قال سمعت أبا وائل قال حدثنا أبو موسى الأشعري أن رجلا أعرابيا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل ليذكر والرجل يقاتل ليرى مكانه فمن في سبيل الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قاتل لتكون كلمة الله أعلى فهو في سبيل الله.

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر کہا: یا رسول اللہ! ایک شخص مال غنیمت کی خاطر لڑتا ہے، ایک شخص نام آوری کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اظہار شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے اللہ کے لیے لڑنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرے وہی درحقیقت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔

۴۸۰۵- حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة وابن نمير وإسحق بن إبراهيم ومحمد بن العلاء قال إسحق أخبرنا وقال الآخرون حدثنا أبو معاوية عن الأعمش عن شقيق عن أبي موسى قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل يقاتل شجاعة ويقاتل حمية ويقاتل رياء أي ذلك في سبيل الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله.

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص تعصب کی وجہ سے لڑتا ہے اور ایک شخص نمود و نمائش کے لیے لڑتا ہے، ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑے درحقیقت وہی اللہ کے لیے لڑنے والا ہے۔

۴۸۰۶- وحدثناه إسحق بن إبراهيم أخبرنا عيسى بن يونس حدثنا الأعمش عن شقيق عن أبي موسى قال أتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلنا يا رسول الله الرجل يقاتل منا شجاعة فذكر مثله.

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک شخص اظہار شجاعت کے لیے لڑتا ہے۔ اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

۴۸۰۷- وحدثنا إسحق بن إبراهيم أخبرنا جرير عن منصور عن أبي وائل عن أبي موسى

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ

الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ غَضَبًا وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً قَالَ فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

کی راہ میں جنگ کرنے کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ ایک شخص غضب کی وجہ سے جنگ کرتا ہے، اور ایک شخص تعصب کی وجہ سے جنگ کرتا ہے، آپ نے اس شخص کی طرف سر اٹھا کر دیکھا، آپ نے صرف اس لیے سر اٹھا کر دیکھا کہ وہ شخص کھڑا ہوا تھا، آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جنگ کرتا ہے وہی درحقیقت اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے۔

بَابُ مَنْ قَاتَلَ لِلرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ اسْتَحَقَّ النَّارَ

دکھاوے اور نام و نمود کی خاطر جہاد کرنے والا جہنمی ہے۔

٣٨٠٨- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ الْحَارِثِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ تَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ لَهُ نَاتِلُ أَهْلِ الشَّامِ أَيُّهَا الشَّيْخُ حَدِّثْنَا حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ قَاتَلْتُ فِيكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُقَالَ جَرِيءٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهُ وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے چھٹ گئے تو اہل شام میں سے ناتل نامی ایک شخص نے کہا: اے شیخ آپ مجھے وہ حدیث سنائیے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، آپ نے فرمایا: ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا اس کو بلایا جائے گا اور اسے اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے سو تجھے بہادر کہا گیا، پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا اس کو بلایا جائے گا اور اس کو اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تو نے ان نعمتوں سے

هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ۔

کیا کام کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو سکھلایا اور تیرے لیے قرآن مجید پڑھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے اس لیے علم حاصل کیا تھا تاکہ تو عالم کہلائے اور تو نے قرآن پڑھا تاکہ تو قاری کہلائے سو تجھے (عالم اور قاری) کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، حتیٰ کہ اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا؛ اور ایک شخص پر اللہ نے وسعت کی اور اس کو ہر قسم کا مال عطا کیا اس کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور وہ نعمتیں دکھائی جائیں گی اور جب وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا، وہ کہے گا کہ میں نے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس راستہ میں مال خرچ کرنا تجھ کو پسند ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے یہ کام اس لیے کیے تاکہ تجھ کو سخی کہا جائے سو تجھ کو سخی کہا گیا پھر اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا، اور پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

۴۸۰۹ - وَحَدَّثَنَاهُ عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ (يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ) عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ تَفَرَّجَ النَّاسُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ لَهُ نَاتِلُ الشَّامِ وَاقْتَصَّ الْحَدِيثَ بِمِثْلِ حَدِيثِ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ۔

سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابوہریرہ کے پاس سے چھٹ گئے تو شام کے ایک ناتل نامی شخص نے کہا، اس کے بعد حسب سابق حدیث ہے۔

قیامت کے دن کن لوگوں کا سب سے پہلے فیصلہ ہوگا؟

اس باب کی حدیث نمبر ۴۸۰۸ میں ہے: قیامت کے دن جس شخص کے متعلق سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا، اور ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے عبد مسلم کے عمل سے نماز کا حساب کیا جائے گا، اور ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قتل کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، یہاں پر یہ اشکال ہے کہ جس چیز کے متعلق سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ تو ایک ہی چیز ہوگی، اور احادیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اولیت اضافی ہے اور ہر چیز کی اولیت اس کی نوع کے اعتبار سے ہے، جن اعمال کو شہرت اور نام آوری کے لیے کیا جاتا ہے ان میں سب سے پہلے شہید، عالم اور مالدار کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، اور ارکان

دین میں سے جس رکن کا سب سے پہلے حساب ہوگا وہ نماز ہے، اور مظالم میں سے جس ظلم کا سب سے پہلے حساب کیا جائے گا وہ قتل ہے۔

کیا قیامت کے دن بھی جھوٹ بولنا ممکن ہے؟

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب مثلاً شہید یہ کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ میں شہید ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا "تو نے جھوٹ بولا" اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کذب معصیت ہے اور قیامت کے دن کوئی دھوکا ڈالنے والا نہیں ہوگا اور اس دن کوئی معصیت نہیں کرے گا، پھر اس شخص کا قول جھوٹ کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ جھوٹ کا صدور کبھی دانستہ ہوتا ہے اور کبھی خوف اور دہشت کی وجہ سے، اور اس جھوٹ کا صدور خوف اور دہشت کی وجہ سے ہوگا۔

کیا نیکی کرنے والا اپنی نیکی پر خوشی یا تعریف کی خواہش کر سکتا ہے؟

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے کار خیر پر کوئی مدح کی گئی تو اس کار خیر کرنے والے کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اگر یہی معاملہ ہو تو پھر کوئی مسلمان جہنم میں جانے سے نہیں بچ سکے گا، کیونکہ ہر نیک کام کرنے والے کی کوئی نہ کوئی تعریف کرتا ہے، اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جس نے کسی نیک کام کو محض فخر اور ریا کاری کی وجہ سے کیا ہو اور اس کام سے اس کی غرض صرف شہرت کو حاصل کرنا ہو، لیکن جس شخص کا کسی کام سے غرض نمائش اور نام و نمود نہیں تھی بلکہ اس کی نیکی صرف اللہ کے لیے تھی، اور اس کے قصد اور ارادے کے بغیر لوگوں نے اس نیکی کی جو تعریف کی اور اس تعریف سے اس کو فطری طور پر خوشی حاصل ہوئی تو وہ شخص اس وعید میں داخل نہیں ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے حکم کی تعمیل کے قصد سے نیک کام کرنے میں لگا رہے اور اگر اس کے دل میں یہ خطرات اور وسوسے پیدا ہوں کہ لوگ اس کے نیک کاموں کی تعریف کرتے ہیں اور اس سے اس کو خوشی ہوتی ہے اور لوگوں کی تعریف و توصیف کی وجہ سے اس کے کام میں ذوق و شوق بڑھتا ہے تو اس وسوسہ کی وجہ سے اس نیک کام کرنے کو ترک نہ کرے بلکہ اپنی نیت میں رضاء الٰہی کی پھر سے تجدید کرے۔

جو شخص محض رضاء الٰہی کے لیے کوئی نیک کام کرتا ہے اور لوگ دنیا میں اس کی نیکی کی تعریف کرنے لگتے ہیں تو اس کو تعریف سے گھبرانا نہیں چاہیے یہ درحقیقت اس کی نیکیوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں صلہ ہے اور اخروی جزا کی بشارت ہے امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عن ابی ذر قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت الرجل یعمل العمل من الخیر ویحمده الناس علیه قال تلک عاجل بشری المؤمن [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: یہ بتلائیے کہ ایک شخص نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس نیکی پر اس کی تعریف کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ مومن کی دنیا میں بشارت ہے۔

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

یعنی لوگوں کی یہ تعریف دنیا میں اس کے لیے آخرت کی خیر کی بشارت ہے اور دنیاوی بشارت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے اور اس سے محبت کرتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کردی ہے اور وہ اس کی تعریف و تحسین کرتے ہیں، اس معنی کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودًّا۔ (مریم ۹۶)

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے عنقریب رحمٰن ان کے لیے (اپنے بندوں کے دلوں میں) محبت پیدا کردے گا۔

اس آیت کی تفسیر اور تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اذا احب عبدًا دعا جبریل علیہ السلام فقال انی احب فلانًا فاحبہ قال فیحبہ جبرائیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانًا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء قال ثم یوضع لہ القبول فی الارض الحدیث [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے: "میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو"، پھر جبریل اس سے محبت کرتا ہے، پھر جبریل آسمان میں ندا کرتا ہے: "اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم اس سے محبت کرو"، پھر آسمان والے اس شخص سے محبت کرتے ہیں پھر زمین والوں (کے دلوں) میں اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

اس لیے جس شخص کے نیک کاموں کی اہل دین تعریف کرتے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہے کہ آسمان کے فرشتے، حضرت جبرائیل علیہ السلام اور اللہ عزوجل سب اس سے محبت کرتے ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: انتم شھداء اللہ فی الارض [2] تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال قال رجل یا رسول اللہ الرجل یعمل العمل فیسرہ فاذا اطلع علیہ اعجبہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہ اجران اجر السر واجر العلانیۃ [3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! ایک آدمی نیک کام کرتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے اور جب اس نیکی کی (لوگوں کو) اطلاع ہو جاتی ہے تو اس کو اچھا لگتا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو دو اجر ملیں گے، ایک اجر اخفاء کا اور ایک اجر اظہار کا۔

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ
[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۴۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

نیز قرآن مجید میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

واجعل لی لسان صدق فی الآخرین۔ (الشعراء: ۸۴) (اے اللہ) میرے بعد آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھ!

امام رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سے کیا غرض تھی کہ ان کی ثنا اور مدح کی جائے تو اس کے دو جواب ہیں۔ (۱) جب ایک انسان کی بہت سے لوگ تعریف کریں تو ان کی تعریفیں اس کے کمال کی زیادتی کا سبب بن جاتی ہیں (۲) جو شخص اپنے فضائل کی وجہ سے لوگوں میں ممدوح ہو تو اس کی مدح اور شہرت لوگوں کے دلوں میں ان فضائل کے حصول کا سبب اور محرک بن جاتی ہے۔ [۱]

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

امام مالک نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی شخص کی یہ خواہش ہو کہ اس کی نیکی کی تعریف کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ اس نیکی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کرتا ہو۔ [۲]

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص اس نیت سے اپنی نیکی کی شہرت چاہے کہ اس وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس نیکی کی رغبت ہو اور وہ بھی اس نیک کام کو کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے جس شخص نے کسی نیک کام کی ابتداء کی تو اسے اس نیکی کا اجر ملے گا اور قیامت تک جو لوگ اس نیکی کو کرتے رہیں گے ان کی نیکیوں کا اجر بھی اس کو ملے گا، لیکن یہ بات مخفی نہ رہے کہ ہر کام میں کام کرنے والے کی نیت اور قصد کا اعتبار ہوتا ہے۔ [۳]

بَابُ بَيَانِ قَدْرِ ثَوَابِ مَنْ غَزَا فَغَنِمَ وَمَنْ لَمْ يَغْنَمْ

جس غازی کو غنیمت ملی اور جس کو غنیمت نہیں ملی دونوں کے فرق کا بیان

۴۸۱۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِي هَانِئٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ غَازِيَةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللهِ فَيُصِيبُونَ الْغَنِيمَةَ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لشکر اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاتا ہے اور مال غنیمت حاصل کر لیتا ہے اس سے اجر آخرت کا دو تہائی حصہ مل جاتا ہے اور اس کا صرف ایک تہائی حصہ اجر رہ جاتا ہے اور اگر ان کو مال غنیمت نہ ملے تو ان کا مکمل اجر ہوتا ہے۔

---

[۱] امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۸۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ

[۲] علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ، تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۱۱۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ

[۳] علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۱۹ ص ۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

إِلَّا تَعَجَّلُوا ثُلُثَيْ أَجْرِهِمْ مِنَ الْآخِرَةِ وَيَبْقَى لَهُمُ الثُّلُثُ وَإِنْ لَمْ يُصِيبُوا غَنِيمَةً تَمَّ لَهُمْ أَجْرُهُمْ

۴۸۱۱ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلٍ التَّمِيمِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنِي أَبُو هَانِئٍ حَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ إِلَّا كَانُوا قَدْ تَعَجَّلُوا ثُلُثَيْ أُجُورِهِمْ وَمَا مِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تُخْفِقُ وَتُصَابُ إِلَّا تَمَّ أُجُورُهُمْ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس غزوہ یا لشکر کے لوگ جہاد کریں اور مال غنیمت حاصل کر کے سلامتی سے واپس آئیں تو وہ دنیا میں ہی اپنے اجر کا دو تہائی حصہ حاصل کر لیتے ہیں، اور جس غزوہ یا لشکر کے لوگ مال اور جانی نقصان اٹھائیں ان کو آخرت میں پورا اجر ملے گا۔

بَابُ ۹۶ قَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَأَنَّهُ يَدْخُلُ فِيهَا الْغَزْوُ وَغَيْرُهُ مِنَ الْأَعْمَالِ

اعمال کا مدار نیت پر ہے، ان اعمال میں جہاد بھی شامل ہے

۴۸۱۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے، ہر شخص کے عمل پر اس کی نیت کا پھل ملتا ہے، سو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی معتبر ہے، اور جس شخص کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف معتبر ہو گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

۴۸۱۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِي الثَّقَفِيَّ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا أَبُو خَالِدٍ

امام مسلم نے اس حدیث کی چھ سندیں ذکر کی ہیں بعض اسانید سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی۔

الْأَحْمَرُ سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا حَفْصٌ (يَعْنِي ابْنَ غِيَاثٍ) وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ كُلُّهُمْ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ بِإِسْنَادِ مَالِكٍ وَمَعْنَى حَدِيثِهِ وَفِي حَدِيثِ سُفْيَانَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَلَى الْمِنْبَرِ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

حدیث "انما الاعمال بالنیات" کی اہمیت اور عظمت

علامہ نووی لکھتے ہیں: تمام مسلمانوں کا اس حدیث کی اہمیت اور عظمت پر اجماع اور اتفاق ہے، اور اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں، فقہاء اسلام نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ثلث اسلام ہے، امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں فقہ کے ستر ابواب ہیں، بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ربع اسلام ہے، عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ نے کہا ہے کہ ہر شخص کو کسی کتاب کی تصنیف کرے وہ اس حدیث سے اپنی کتاب کی ابتداء کرے تاکہ اس کی نیت صحیح ہو، علامہ خطابی نے اس قول کو مطلقاً ائمہ سے نقل کیا ہے، امام بخاری اور دیگر ائمہ نے اسی وجہ سے اس حدیث سے اپنی اپنی تصانیف کی ابتداء کی ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو سات مقامات پر ذکر کیا ہے، حفاظ حدیث نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کے دو سو سے زیادہ راوی ہیں اور ان میں اکثر ائمہ حدیث ہیں البتہ شروع میں اس کے صرف ایک راوی ہیں اور وہ حضرت عمر ہیں اور ان سے صرف علقمہ نے روایت کیا، اسی بناء پر اس حدیث کو متواتر نہیں قرار دیا گیا ہر چند کہ یہ عوام اور خواص میں مشہور ہے۔[1]

آیا نیت کرنا عمل کی صحت کے لیے ضروری ہے یا عمل کی فضیلت کے لیے؟

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: نیت کا معنی قصد اور ارادہ سے کسی کام کو متعین کرنا، اس حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اعمال کے تحقق اور ثبوت کا مدار نیت پر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا شرعاً معتبر ہونا نیت پر موقوف ہے، اور کسی عمل سے پہلے اس کی نیت نہ ہو تو وہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وضو، غسل، تیمم، نماز، روزہ، حج، اعتکاف اور تمام عبادات نیت کے بغیر صحیح نہیں ہوتیں، باقی نجاست کا زائل ہونا ہمارے نزدیک نیت پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ وہ باب ترک سے ہے اور ترک میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی، اور اس پر فقہاء شافعیہ کا اجماع ہے، طلاق، عتاق اور قذف میں بھی نیت کا دخل ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کنایۃً طلاق دی تو اس میں نیت کا دخل ہے اور طلاق صریح میں نیت کا دخل نہیں ہے، اگر کسی شخص نے

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

طلاق صریح دی پھر کہا اس سے میری نیت کچھ اور تھی تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہ

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان علماء کا رد ہے جو طہارت اور بعض دیگر عبادات کو بغیر نیت کے جائز قرار دیتے ہیں، اور یہ بات اپنے مقام پر باوّل بیان کی جا چکی ہے کہ جس شخص نے وضو سیکھنے یا وضو سکھانے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے وضو کیا دراں حالیکہ اس فعل سے رفع حدث (طہارت حاصل کرنا) اس کا مقصد نہیں تھا تو اس کی عبادات کے لیے یہ وضو کافی نہیں ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ قسم، طلاق اور عتاق وغیرہ کے الفاظ بغیر نیت کے معتبر نہیں ہوتے، علماء کا اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے، ہمارے نزدیک حقوق العباد میں طلاق اور عتاق کے الفاظ میں ظاہری معنی کا اعتبار ہوگا اور اگر کوئی شخص صریحاً طلاق اور عتاق کے الفاظ بول کر یہ کہے میری مراد اس سے طلاق دینا یا آزاد کرنا نہیں تھی تو اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس کے صریح الفاظ سے جو معنی ظاہر ہوگا اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ٢ه

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے اکثر علماء نے وضو اور غسل میں نیت کے وجوب پر استدلال کیا ہے، وہ اس حدیث کا یہ معنی کرتے ہیں کہ اعمال کی صحت کا مدار نیت پر ہے، اور اس میں الف لام استغراق کا ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام عبادات میں نیت مطلوب ہے، اسی طرح طلاق اور عتاق میں بھی نیت ضروری ہے۔

اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر کے نزدیک وضو اور غسل میں نیت ضروری نہیں ہے، ایک روایت میں امام مالک کا بھی یہی قول ہے، فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اعمال کا کامل ہونا یا ان کا ثواب نیات پر موقوف ہے، کیونکہ نیت نہ ہونے سے اصل عمل باطل نہیں ہوتا اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا ہے: ولکل امرئ ما نوی ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملتا ہے اور اس سے ثواب ہی مراد ہے، نیز اگر اس سے مراد صحت لی گئی یعنی بغیر نیت کے عمل صحیح نہیں ہوتا تو لامحالہ بعض عبادات میں تخصیص کرنی پڑے گی، کیونکہ قرض کا ادا کرنا، امانتوں کا واپس کرنا، اذان دینا، تلاوت کرنا، وعظ و نصیحت کرنا، راستہ دکھانا، راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، یہ سب کام عبادات ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ یہ تمام کام بغیر نیت کے صحیح ہوتے ہیں، لہٰذا وضو اور غسل بھی بغیر نیت کے صحیح ہونے چاہئیں۔

تحقیق یہ ہے کہ یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہو کہ ہر عمل کا شرعاً صحیح ہونا نیت پر موقوف ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اعمال بغیر نیت کے شرعاً صحیح ہوتے ہیں، جیسا کہ بیع، شراء، اجارہ، نکاح، طلاق وغیرھا، اس لیے لامحالہ اس حدیث کو کمال اور ثواب پر موقوف کرنا ہوگا، یعنی ہر عمل کا کمال اور ثواب نیت پر موقوف ہے۔ ٣ه

لہ۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

٢ه۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۴۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

٣ه۔ علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۱-۳۰، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ

اگر نیت کیے بغیر عبادات بجالائے تو ان عبادات پر ثواب ہوگا یا نہیں؟

ابن سمعانی نے یہ کہا ہے کہ جو اعمال عبادات سے خارج ہیں اگر ان میں بھی عبادات کی نیت کر لی جائے تو ان پر بھی ثواب ملتا ہے، مثلاً کوئی شخص کھانے پینے سے عبادت میں تقویت حاصل کرنے کی نیت کرے، اور سونے میں یہ نیت کرے کہ اس کی تھکاوٹ زائل ہو جائے اور اس کو مزید عبادت کے لیے توانائی حاصل ہو، اور مجامعت میں یہ نیت کرے تاکہ وہ گناہ اور بے حیائی کے کاموں سے بچا رہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "تم میں سے ہر شخص کی شرمگاہ میں بھی صدقہ ہے"، بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جو افعال عبادات محضہ ہیں جب کوئی شخص ان کو عادۃً کرے اور ان میں عبادت کی نیت نہ کرے تو ہر چند کہ وہ افعال شرعاً نیک ہیں لیکن ان پر ثواب نہیں ملتا، یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو ہر جائز اور صحیح کام پر اجر ملتا ہے خواہ وہ اس کام میں عبادت کی نیت کرے یا نہ کرے، امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابی ذر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی مباضعتک اھلک صدقۃ فقال ابوذر ایؤجر احدنا فی شھوتہ قال ارأیت لو وضعتہ فی غیر حل اکان علیک وزر قال نعم قال افتحتسبون بالشر ولا تحتسبون بالخیر۔ [1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا اپنی بیویوں سے جماع کرنا بھی صدقہ ہے، حضرت ابوذر نے پوچھا اگر ہم محض شہوت سے یہ کام کریں کیا پھر بھی یہ صدقہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر تم حرام طریقہ سے یہ کام کرتے تو تم گناہ کے مستحق ہوتے؟ ابوذر نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تمہارا صرف شر پر حساب ہوگا اور خیر پر تمہارا حساب نہیں ہوگا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الزکاۃ میں اور امام ابوداؤد نے کتاب التطوع اور کتاب الادب میں بھی روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان کو ہر جائز اور صحیح کام پر اجر ملتا ہے خواہ وہ اس کام میں عبادت کی نیت کرے یا نہ کرے، کیونکہ مسلمان کا ناجائز اور حرام کام کو ترک کر کے جائز اور صحیح کام کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے حرام کام سے بچ کر حلال اور جائز کام کرتا ہے اور یہ اس کے صدق نیت اور اخلاص کی علامت ہے، ہاں اگر وہ اس کام میں اطاعت اور عبادت کی نیت کرے گا تو اس کو اضافی اجر ملے گا۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے: سو جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے سو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہجرت کرے گا تو اس کو ہجرت کا اجر و ثواب ملے گا اور جو شخص دنیا کی کسی چیز یا کسی عورت کی خاطر ہجرت کرے گا تو اس کو دنیا میں

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۸-۱۶۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

اپنا حصہ مل گیا اور آخرت میں اس کو اس ہجرت کی وجہ سے کوئی اجر نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں دنیا کے ساتھ عورت کا ذکر دو وجہ سے کیا گیا ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایک شخص نے ام قیس نامی ایک عورت سے شادی کرنے کے لیے ہجرت کی تھی اس وجہ سے اس شخص کو مہاجر ام قیس کہا جاتا تھا، دوسری وجہ عورت کے فتنہ پر خصوصی تنبیہ کرنا ہے تاکہ لوگ عورتوں کے فتنوں سے محفوظ رہیں، ہجرت پر مفصل بحث ہم اس کتاب میں باب "لا ہجرۃ بعد الفتح" الخ کے تحت بیان کر چکے ہیں، ہجرت کے مباحث کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

اگر ایک عمل میں متعدد اعمال کی نیات کر لی جائیں تو اس ایک عمل سے ان تمام اعمال کا ثواب مل جاتا ہے۔

اس حدیث میں ہے "انما لامرئ ما نوی" ہر شخص کو وہی پھل ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے، اس حدیث کی تشریح میں فقہاء اسلام نے یہ بیان کیا ہے کہ مسلمان اگر ایک کام میں متعدد چیزوں کی نیت کرے تو اس کو ان متعدد چیزوں کا اجر اور ثواب ملتا ہے مثلاً مسلمان مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے یہ ایک عمل ہے وہ اس میں یہ نیت کرے کہ (۱) مجھے راستہ میں جو مسلمان ملے گا اس کو سلام کروں گا (۲) اگر کسی نے سلام کیا تو اس کے سلام کا جواب دوں گا (۳) اگر کوئی ضرورت مند شخص نظر آیا تو اس کی مدد کروں گا (۴) کسی نابینا کو سڑک پار کرا دوں گا (۵) کسی سائل کو حسب استطاعت خیرات دوں گا (۶) اگر کسی شخص کو برا کام کرتے دیکھوں گا تو اس کو منع کروں گا (۷) حسب توفیق نیکی کا حکم دوں گا (۸) اگر راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہوئی تو اٹھا کر ایک طرف رکھ دوں گا (۹) راستہ میں اگر عورتیں نظر آئیں تو نیچی نظر کر کے گزر دوں گا (۱۰) کسی مسلمان سے بات کرنی پڑی تو شائستگی اور ملائمت سے بات کروں گا (۱۱) کسی مسلمان کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا تو اس کو یرحمک اللہ کہوں گا (۱۲) اگر راستہ میں کوئی جنازہ ملا تو اس کی تعظیم کے لیے سواری سے اتر جاؤں گا یا کھڑا ہو جاؤں گا (۱۳) اگر کوئی بیمار ملا تو اس کی عیادت کروں گا (۱۴) اگر کہیں سے موسیقی کی آواز آئی تو وہاں سے جلدی گزر جاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کانوں میں انگلیاں دے کر گزر دوں گا (۱۵) مسجد میں جانے کے لیے طویل مسافت کی راہ اختیار کروں گا تاکہ زیادہ چلنے کی وجہ سے زیادہ اجر و ثواب ملے (۱۶) مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پیر رکھوں گا (۱۷) داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھوں گا "اللھم افتح لی ابواب رحمتک" (۱۸) مسجد میں جتنی دیر بیٹھوں گا اعتکاف کی نیت سے بیٹھوں گا (۱۹) ایک روایت میں ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور جو شخص مسجد میں آتا ہے وہ اللہ کی زیارت کرنے اور اس سے ملاقات کے لیے آتا ہے، اور اپنے مہمانوں کی ضیافت کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے سو وہ یہ نیت کرے کہ وہ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ضیافت حاصل کرے گا (۲۰) جو شخص نماز با جماعت کے انتظار میں جتنی دیر مسجد میں بیٹھا رہتا ہے اس کا شمار نماز میں ہوتا ہے سو وہ یہ نیت کرے کہ میں مسجد میں جا کر جماعت کے انتظار میں بیٹھوں گا (۲۱) جب تک کوئی مسلمان مسجد میں باوضو رہتا ہے فرشتے اس کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، سو وہ فرشتوں کی دعا کے حصول کی نیت کرے (۲۲) قرآن مجید میں ہے "یا ایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا ـــــ" اے ایمان والو! صبر کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کرو اور

اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرو، بعض مفسرین نے ورابطوا کی تفسیر انتظار نماز سے کی ہے کیونکہ نماز کا انتظار کرنا بھی شیطان سے مدافعانہ جنگ اور اسلام کی حفاظت ہے۔ (۲۳) ایک حدیث میں ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا خطاؤں کے مٹنے، گناہوں کے معاف ہونے اور درجات بلند ہونے کا موجب ہے، (۲۴) ایک حدیث میں ہے فذلکم الرباط فذلکم الرباط "نماز کا انتظار کرنا ہی سرحد اسلام کی حفاظت کرنا ہے" (۲۵) یہ نیت کرے کہ جتنی دیر مسجد میں بیٹھا رہوں گا تمام محرمات شرعیہ اور حواس اور مشاعر کے گناہوں سے بچا رہوں گا مثلاً کوئی بری چیز دیکھوں گا نہ کوئی بری بات سنوں گا، (۲۶) مسجد میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کروں گا (۲۷) خلوت میں بیٹھ کر یاد خدا میں مشغول رہوں گا، (۲۸) قرآن مجید کی تلاوت کروں گا، (۲۹) اگر مسجد میں وعظ ہو رہا ہوگا تو وعظ سنوں گا، (۳۰) حدیث میں ہے جو شخص وضو کر کے مسجد میں جاتا ہے اور نماز ادا کرے اس کو حج اور عمرہ کا ثواب مل جاتا ہے، اس کی نیت کرے، (۳۱) سنت الفجر پڑھنے کی نیت کرے، (۳۲) تحیۃ المسجد پڑھنے کی نیت کرے، (۳۳) علمی افادہ اور استفادہ کی نیت کرے، (۳۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نیت کرے (۳۵) مسلمان بھائیوں کی زیارت اور حسب استطاعت ان کی مدد کی نیت کرے، (۳۶) مسجد میں موجود مسلمانوں کو سلام کرنے اور دعا دینے کی نیت کرے۔ (۳۷) مسجد میں بیٹھ کر امور آخرت میں غور و فکر اور توبہ و استغفار کرنے کی نیت کرے۔ (۳۸) جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کرے، (۳۹) مسجد سے جاتے وقت پہلے بایاں پیر باہر نکالے، (۴۰) مسجد سے جاتے وقت یہ دعا کرے "اللھم انی اسئلک من فضلک"

اسی طرح خوشبو لگانا ایک عمل ہے اس میں یہ نیت کرے کہ (۱) آپ خوشبو پسند کرتے تھے اس لیے خوشبو لگا رہا ہوں (۲) خوشبو لگانے سے مسجد کی تعظیم کا اظہار ہو۔ (۳) مسجد میں بیٹھنے والوں کو اس کے جسم سے بری بو نہ آئے، (۴) اگر اس کے جسم سے بری بو آئی تو نمازیوں کو تکلیف ہوگی اور ممکن ہے کہ وہ اس کی غیبت کر کے گناہ میں پڑ جائیں (۵) نمازیوں اور فرشتوں کو خوشبو سے راحت ہو، (۶) خوشبو سے دماغ کو راحت پہنچتی ہے اور ذکر و فکر میں تقویت حاصل ہوتی ہے اور اس کے علاوہ بھی خوشبو کی اچھی وجوہات تلاش کر کے ان کی نیت کرے۔

بَابُ اِسْتِحْبَابِ طَلَبِ الشَّهَادَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى

شہادت فی سبیل اللہ طلب کرنے کا استحباب

۴۸۱۴ - حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الشَّهَادَةَ صَادِقًا اُعْطِيَهَا وَلَوْ لَمْ تُصِبْهُ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صدق دل سے شہادت کا طالب ہو اس کو شہادت کا اجر مل جاتا ہے خواہ وہ شہید نہ ہو۔

۴۸۱۵ - حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى وَاللَّفْظُ لِحَرْمَلَةَ قَالَ اَبُو الطَّاهِرِ اَخْبَرَنَا وَقَالَ حَرْمَلَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِيْ

سہل بن حنیف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صدق دل سے شہادت کا سوال کرے اس کو اللہ تعالی شہداء کے مرتبہ پر

اَبُوْ شُرَيْحٍ اَنَّ سَهْلَ بْنَ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ حَدَّثَهٗ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ وَلَمْ يَذْكُرْ اَبُو الطَّاهِرِ فِیْ حَدِيْثِهٖ بِصِدْقٍ

پہنچا دیتا ہے، خواہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو۔ ابو الطاہر نے اپنی روایت میں صدق کا ذکر نہیں کیا۔

اس سوال کا جواب کہ شہادت کی دعا تو کافر کے ہاتھوں مسلمان کے مرنے کی دعا ہے۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ سے شہادت کے حصول کی دعا کا ثبوت ہے، اب سے تقریباً پندرہ سال پہلے کی بات ہے میں لاہور میں لال کھوہ کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتا تھا، وہاں ایک جرنیل نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ شہادت کا مفہوم یہ ہے کہ کافر مسلمان پر غلبہ پا کر اس کو قتل کر دے تو شہادت کی دعا کرنے کا یہ مطلب ہوا کہ ہم کافر کے ہاتھوں مسلمانوں کے مرنے اور کفر کے غلبہ کی دعا کرتے ہیں، میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ جب اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی کے لیے مسلم افواج کافروں سے جنگ کریں گی تو یہ عادۃً محال ہے کہ کسی ایک مسلمان کے بھی مرے بغیر مسلمان کافروں کو شکست دے دیں اس لیے اس جنگ میں لامحالہ کچھ مسلمان بھی راہ حق میں قتل کیے جائیں گے اور مسلمانوں کو اجتماعی اور آخری فتح حاصل کرنے کے لیے چند افراد کی لامحالہ قربانی دینا ہوگی اور جو لوگ اس قربانی کے لیے تیار ہو کر میدان جہاد میں اتریں گے اور کفار کے ہاتھوں سے راہ حق میں مارے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کا بہت بڑا مرتبہ اور نہایت عظیم اجر اور انعام رکھا ہے، اس لیے شہادت کی دعا کا حاصل یہ ہے کہ ”اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی کے لیے اگر جان کا نذرانہ دینا پڑے تو اے خدا اس راہ میں میری جان کا نذرانہ قبول فرمانا اور مسلمانوں کی اجتماعی فتح اور غلبہ اسلام کے لیے جس انفرادی قربانی کی ضرورت ہے اس انفرادی قربانی کے لیے مجھے چن لینا اور آخرت میں مجھے شہادت کا اجر عظیم عطا فرمانا۔ شہادت قبیح لذاتہٖ اور حسن لغیرہٖ ہے جیسے وضو کرنا فی ذاتہٖ پانی ضائع کرنا ہے لیکن چونکہ یہ کمل نماز کا وسیلہ ہے اس لیے حسن لغیرہٖ ہے اسی طرح شہادت میں فی نفسہٖ مسلمان کا کافر کے ہاتھوں مرنا ہے اور یہ قبیح لذاتہٖ ہے لیکن چونکہ یہ انفرادی قربانی مسلمانوں کی اجتماعی فلاح اور غلبہ اسلام کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اس لیے یہ حسن لغیرہٖ ہے اور ہم جو شہادت کی دعا کرتے ہیں تو وہ اس کے حسن لغیرہٖ کے اعتبار سے کرتے ہیں یا آخرت میں جو شہادت کا عظیم اجر ہے اس پر نظر رکھتے ہوئے شہادت کی دعا کرتے ہیں، اور پھر جان تو بہرحال جانی ہے اور اگر یہ جان راہ حق میں چلی جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی یا اللہ العالمین ہمیں وہ جرأت، ہمت اور حوصلہ عطا فرما جو شہادت کا بنیادی عنصر ہے اور راہ حق میں شہادت عطا فرما! آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ الف الف صلوات وتحیات وتسلیمات۔

بَابُ ذَمِّ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ

اس شخص کی مذمت کا بیان جو جہاد یا اس کی تمنا کیے بغیر مر گیا

۴۸۱۶ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْمٍ الْأَنْطَاكِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ وُهَيْبٍ الْمَكِّيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ قَالَ ابْنُ سَهْمٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ فَنُرَى أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر گیا درآں حالیکہ اس نے جہاد کیا تھا نہ جہاد کی تمنا کی تھی اس کی موت نفاق کے ایک شعبہ پر ہوگی، عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ ہمارے خیال میں یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا۔

جہاد یا اس تمنا کیے بغیر مرنے والے کا حکم

علامہ نووی لکھتے ہیں: یہ عبداللہ بن المبارک کا قول ہے اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ جو شخص جہاد اور اس کی تمنا کیے بغیر مر گیا وہ ان منافقوں کے مشابہ ہے جو بہانے کے جہاد سے پیچھے رہ جاتے ہیں، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے کسی فعل کی نیت کی اور اس فعل کو کرنے سے پہلے مر گیا تو اس شخص کی اتنی مذمت نہیں ہوگی جتنی اس شخص کی ہوتی ہے جو اس فعل کی نیت کیے بغیر مر گیا ہو۔

نیت کے باوجود فعل کیے بغیر مرنے والے کا حکم

فقہاء شافعیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ایک شخص اول وقت میں نماز پر قادر تھا، پھر اس نے اس نیت سے نماز کو مؤخر کر دیا کہ وہ اس نماز کو درمیان یا آخر وقت میں پڑھے گا، یا وہ اس سال حج کرنے پر قادر تھا اور اس نے اگلے سال تک حج کو مؤخر کر دیا اور وہ نماز پڑھنے یا حج کرنے سے پہلے فوت ہو گیا، آیا وہ شخص گنہ گار ہوگا یا نہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ حج مؤخر کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا اور نماز مؤخر کرنے کی وجہ سے گنہ گار نہیں ہوگا کیونکہ نماز کی مدت قریب اور کم ہے اس لیے اس میں تاخیر تقصیر نہیں ہوگی اس کے برخلاف حج میں تاخیر کی مدت زیادہ ہے، اس لیے اس میں تاخیر کرنا تقصیر میں شمار ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ دونوں کی تاخیر میں گنہ گار ہوگا، ایک قول یہ ہے کہ دونوں کی تاخیر میں گنہ گار نہیں ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ حج کی تاخیر کرنے میں بوڑھا شخص گنہ گار ہوگا اور جوان شخص گنہ گار نہیں ہوگا، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ لہ

(حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو)

امام مالک اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس کا گمان یہ ہو کہ وہ نماز کے آخر وقت تک زندہ نہیں رہے گا اور پھر نماز نہیں پڑھی تو گنہگار ہوگا اور اگر اس کو نماز کے آخر وقت تک مرنے کا گمان نہ ہو اور اس نے نماز میں تاخیر کی اور قضا ہو گئی تو گنہگار نہیں ہوگا اور اگر حج میں ایک سال کی تاخیر کی اور قضا ہو گیا تو گنہگار ہوگا، امام ابو حنیفہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۲۵۹)

بَابُ ۹۶۵ ثَوَابِ مَنْ حَبَسَهُ عَنِ الْغَزْوِ مَرَضٌ أَوْ عُذْرٌ آخَرُ

جو شخص بیماری یا کسی اور عذر کی وجہ سے جہاد نہ کر سکے اس کے ثواب کا بیان

۴۸۱۷ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ فَقَالَ إِنَّ بِالْمَدِينَةِ لَرِجَالًا مَا سِرْتُمْ مَسِيرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ نے فرمایا مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم جس جگہ سے گزرتے ہو یا جس وادی کو طے کرتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مرض کی وجہ سے ساتھ نہیں جا سکے۔

۴۸۱۸ - وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ إِلَّا شَرِكُوكُمْ فِي الْأَجْرِ.

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند ذکر کی اس میں ہے وہ تمہارے ساتھ ثواب میں شریک رہتے ہیں۔

عبادات کے چھوٹ جانے پر حزن و ملال کا مرتبہ اور مقام

اس حدیث میں نیک کام میں نیت کرنے کی فضیلت کا بیان ہے کہ جس شخص نے جہاد کرنے یا کسی اور عبادت کی نیت کی پھر اس کو بیماری یا عذر لاحق ہو گیا جس کے سبب سے وہ اس عبادت کو نہیں کر سکا تو اس کو اپنی نیت کی وجہ سے اس عبادت کا اجر مل جائے گا اور اس شخص کو اس جہاد میں شریک ہونے کا یا اس عبادت کے نہ کرنے کا جس قدر زیادہ افسوس ہوگا اور جتنی زیادہ وہ اس جہاد میں شرکت کی یا اس عبادت کی تمنا کرے گا اس کا اجر و ثواب اسی قدر زیادہ ہوگا۔ عبادت کے کرنے کا شوق اور اس کی تمنا کرنا اور کسی عبادت کے چھوٹ جانے پر رنج و ملال کرنا یہی وہ وصف ہے جو انسان میں ہے اور فرشتوں میں نہیں ہے یہی انسان کا مابہ الامتیاز ہے اور اسی وصف سے شرف انسانیت ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنی راہ میں جہاد کرنے اور دیگر عبادات کا ذوق و شوق اور محبت عطا فرما اور کسی اطاعت کے رہ جانے یا کسی عذر کی وجہ سے عبادت کے چھوٹ جانے پر تاسف اور حزن و ملال عطا فرما کیونکہ ہم زندگی میں اپنے نقصانات پر آنسو بہاتے رہتے ہیں، لیکن کسی عبادت کے چھوٹ جانے پر آنسو بہانے کا

لـه (حاشیہ صفحہ سابقہ) علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ

کچھ اہتمام ہے اس طرح کی امام ہوم المرتضیٰ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جب مناسک حج کے دوران آپ کو حیض آگیا تھا اس وجہ سے آپ خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکیں تو بے اختیار رو رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو تسلیاں دے رہے تھے!

بَابُ ۲۶۹ فَضْلِ الْغَزْوِ فِي الْبَحْرِ

سمندر پار کر کے جہاد کرنے کی فضیلت

۴۸۱۹ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ ثُمَّ جَلَسَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ يَشُكُّ أَيَّهُمَا قَالَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَا قَالَ فِي الْأُولَى قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ فَرَكِبَتْ أُمُّ حَرَامٍ بِنْتُ مِلْحَانَ الْبَحْرَ فِي زَمَنِ مُعَاوِيَةَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ام حرام بنت ملحان (رضاعی رشتہ سے آپ کی خالہ تھیں اور آپ کی محرم تھیں) کے پاس تشریف لے جاتے، اور وہ آپ کو طعام پیش کرتی تھیں، حضرت عبادہ بن صامت کے نکاح میں تھیں، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے انہوں نے آپ کو کھانا پیش کیا اور پھر آپ کے سر میں جوئیں دیکھنے لگیں (ایک سر مبارک جوؤں سے پاک تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے حضرت ام حرام کہتی ہیں، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ کس چیز کے باعث تبسم فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے خواب میں میری امت کے کچھ مجاہدین دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں سمندر میں بادشاہوں کے تختوں کی شکل سواری پر سوار ہو کر جا رہے تھے، حضرت ام حرام کہتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان مجاہدین میں شامل کر دے، آپ نے ان کے لیے دعا کی اور پھر اپنا سر رکھ کر سو گئے، پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ کس چیز کے باعث ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے خواب میں اپنی امت کے کچھ لوگ راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے دکھائے گئے جس طرح پہلے فرمایا تھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے! آپ نے فرمایا تم پہلے گروہ میں سے ہو، پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت

ام حرام بنت ملحان حضرت عبادہ کے نکاح میں تھیں اور جب سمندر سے نکلیں تو سواری سے گر کر ہلاک ہو گئیں۔

۴۸۲۰ - حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُمِّ حَرَامٍ وَهِيَ خَالَةُ أَنَسٍ قَالَتْ أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ عِنْدَنَا فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي قَالَ أُرِيتُ قَوْمًا مِنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ ظَهْرَ الْبَحْرِ كَالْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ فَقُلْتُ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ فَإِنَّكِ مِنْهُمْ قَالَتْ ثُمَّ نَامَ فَاسْتَيْقَظَ أَيْضًا وَهُوَ يَضْحَكُ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ فَقُلْتُ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ قَالَ فَتَزَوَّجَهَا عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ بَعْدُ فَغَزَا فِي الْبَحْرِ فَحَمَلَهَا مَعَهُ فَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ قُرِّبَتْ لَهَا بَغْلَةٌ فَرَكِبَتْهَا فَصَرَعَتْهَا فَانْدَقَّتْ عُنُقُهَا۔

حضرت انس بن مالک کی خالہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے (خواب میں) میری امت کا ایک گروہ دکھایا گیا جو بادشاہوں کے تختوں کی شکل پر سمندر میں سواری کر رہا تھا، میں نے عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کر دے! آپ نے فرمایا تم بھی انہی میں سے ہو، حضرت ام حرام کہتی ہیں کہ آپ پھر سو گئے اور دوبارہ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے اور میں نے پھر آپ سے سوال کیا اور آپ نے پہلے کی طرح جواب دیا، میں نے عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے! آپ نے فرمایا تم پہلے گروہ میں سے ہو، پھر اس کے بعد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا، انہوں نے سمندر کے راستہ جہاد کیا اور حضرت ام حرام کو اپنے ساتھ لے گئے، جب وہ واپس لوٹیں تو ان کے پاس ایک خچر لایا گیا وہ اس پر سوار ہوئیں لیکن خچر نے ان کو گرا دیا جس سے ان کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

۴۸۲۱ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ وَيَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَا أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ حَبَّانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ خَالَتِهِ أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ أَنَّهَا قَالَتْ نَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَرِيبًا مِنِّي ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَتَبَسَّمُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَضْحَكَكَ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ

حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب سو گئے پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے (خواب میں) اپنی امت کے کچھ لوگ دکھائے گئے جو اس سبز سمندر پر سوار ہو کر جا رہے تھے اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

يَرْكَبُونَ ظَهْرَ هَذَا الْبَحْرِ الْأَخْضَرِ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ.

۴۸۴۰ - وَحَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ وَابْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ (وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ أَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةَ مِلْحَانَ خَالَةَ أَنَسٍ فَوَضَعَ رَأْسَهُ عِنْدَهَا وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ وَمُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خالہ بنت ملحان کے پاس تشریف لے گئے، اور ان کے پاس سر رکھ کر سو گئے، اس کے بعد حسب سابق روایت ہے۔

حضرت ام حرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا رشتہ تھا؟

اس باب کی حدیث نمبر ۴۸۱۹ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام بنت ملحان کے پاس جایا کرتے تھے، علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محرم تھیں، لیکن اس کی کیفیت میں اختلاف ہے، علامہ ابن عبدالبر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالاؤں میں سے ایک رضاعی خالہ تھیں اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آپ کے والد یا دادا کی طرف سے خالہ تھیں کیونکہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ بنو نجار سے تھیں۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبریں دینا

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات کا بیان ہے، ایک یہ کہ آپ نے یہ غیب کی خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی امت باقی رہے گی، اور ان کو کثرت اور اقتدار حاصل ہوگا اور وہ سمندر کے راستہ جہاد کریں گے، اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اس وقت تک زندہ رہیں گی اور مجاہدین کے پہلے گروہ میں شامل ہوں گی اور الحمدللہ آپ کی ملی ہوئی خبروں میں سے ہر چیز اسی طرح واقع ہوئی جس طرح آپ نے خبر دی تھی۔

سمندری سفر کے حکم میں مذاہب فقہاء

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ام حرام نے سمندری سفر کب کیا تھا، صحیح مسلم کی اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سمندری سفر کیا اور سواری سے گر کر فوت ہو گئیں، قاضی عیاض نے یہ کہا ہے کہ اکثر مؤرخین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں ہوا، اور اس موقع پر حضرت ام حرام اپنے خاوند کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوئیں اور اس سے گر کر ہلاک ہو گئیں اور اسی جگہ دفن کر دی گئیں، اس بناء پر حدیث میں جو حضرت معاویہ کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت معاویہ کے ایام جہاد ہیں نہ کہ حضرت معاویہ کے

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

ایام خلافت مراد ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ ہی میں ظہور پذیر ہوا، اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ اس حدیث سے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سمندری سفر کا جواز ثابت ہوتا ہے، جمہور فقہاء کا یہی قول ہے، امام مالک نے عورتوں کے سمندری سفر سے منع کیا ہے کیونکہ اس سفر میں مردوں سے اپنی نگاہیں نیچی رکھنا اور عورتوں کا اپنی زینت کو چھپانا بہت دشوار ہے، قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب اور عمر بن عبد العزیز سے یہ روایت ہے کہ وہ سمندری سفر سے منع کرتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ تجارت اور طلب دنیا کے لیے بحری سفر سے منع کرتے تھے عبادات کے لیے بحری سفر سے منع نہیں کرتے تھے، اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ آپ نے حج، عمرہ اور جہاد کے سوا بحری سفر سے منع فرمایا ہے، لیکن امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی مجہول ہیں۔

اللہ کے راستہ میں مرنا یا قتل کیا جانا دونوں شہادت ہیں

بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا اور اللہ کی راہ میں موت کا آجانا، اجر و ثواب میں دونوں مساوی ہیں کیونکہ حضرت ام حرام فوت ہوئی تھیں اور قتل نہیں کی گئی تھیں، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کے متعلق یہ نہیں فرمایا تھا کہ یہ شہداء ہیں بلکہ یہ فرمایا تھا کہ یہ مجاہد ہیں، البتہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا وہ بھی شہید ہے اور جو شخص اللہ کے راستہ میں مر گیا وہ بھی شہید ہے، اور یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے:

ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ۔ (نساء: ۱۰۰)

جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلتا ہے اور پھر اس کو موت آلیتی ہے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔

پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام کے گھر گئے تو اس وقت وہ حضرت عبادہ بن صامت کے نکاح میں تھیں اور دوسری روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے بعد میں حضرت عبادہ سے نکاح کیا، اس لیے پہلی روایت کو دوسری روایت پر محمول کیا جائے گا بایں طور کہ راوی نے بعد میں ہونے والے نکاح کی پہلے خبر دے دی ہے۔[1]

بَابُ فَضْلِ الرِّبَاطِ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ
خدا کے راستہ میں پہرہ دینے کی فضیلت

۴۸۲۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ بَهْرَامَ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا لَيْثٌ (يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ) عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسٰى عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ السِّمْطِ عَنْ

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات سرحد پر پہرہ دینا ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے اور اگر وہ مر گیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

سلمان قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه وإن مات جرى عليه عمله الذي كان يعمله وأجري عليه رزقه وأمن الفتان۔

اس کا رزق جاری کیا جائے گا اور اس کو قبر کے فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔

۴۸۲۴۔ حدثني أبو الطاهر أخبرنا ابن وهب عن عبد الرحمن بن شريح عن عبد الكريم بن الحارث عن أبي عبيدة بن عقبة عن شرحبيل بن السمط عن سلمان الخير عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بمعنى حديث الليث عن أيوب بن موسى۔

حضرت سلمان خیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی ایک روایت کی ہے۔

ف: اس حدیث میں اسلام کی سرحدوں پر پہرہ دینے والوں کی ظاہر فضیلت ہے، کیونکہ ان کی موت کے بعد بھی ان کا عمل جاری رہتا ہے، اس فضیلت میں ان کا کوئی اور شریک نہیں ہے اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں صراحت ہے سرحد پر پہرہ دینے والے کے سوا ہر شخص کا عمل موت کے بعد منقطع ہوجاتا ہے، اور سرحد کے محافظ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔

باب بيان الشهداء

شہیدوں کا بیان

۴۸۲۵۔ حدثنا يحيى بن يحيى قال قرأت على مالك عن سمي عن أبي صالح عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فأخره فشكر الله له فغفر له فقال الشهداء خمسة المطعون والمبطون والغرق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله عز وجل۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کہیں جا رہا تھا اس نے راستہ میں ایک خاردار شاخ دیکھی تو اس کو راستہ سے ایک طرف ہٹا دیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول کر لیا اور اس کو بخش دیا، پھر آپ نے فرمایا: پانچ شخص شہید ہیں، (۱) طاعون کی بیماری میں مرنے والا۔ (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، (۳) ڈوبنے والا۔ (۴) کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا۔ (۵) اور جو شخص اللہ عز وجل کی راہ میں شہید ہو۔

۴۸۲۶۔ وحدثني زهير بن حرب حدثنا جرير عن سهيل عن أبيه عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما تعدون

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جو شخص اللہ عز وجل

الشَّهِيدَ فِيكُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ قَالَ إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِي إِذًا لَقَلِيلٌ قَالُوا فَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ قَالَ ابْنُ مِقْسَمٍ أَشْهَدُ عَلَى أَبِيكَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُ قَالَ وَالْغَرِيقُ شَهِيدٌ.

کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، آپ نے فرمایا پھر تو میری امت کے شہداء بہت کم ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پھر وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، اور جو شخص اللہ کی راہ میں مر جائے وہ شہید ہے، جو شخص طاعون میں مرے وہ شہید ہے، جو شخص پیٹ کی بیماری میں مرے وہ شہید ہے، ابن مقسم نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے باپ نے یہ بھی کہا تھا کہ جو ڈوب جائے وہ شہید ہے۔

۴۸۲۷- وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَيَانٍ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ سُهَيْلٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِ قَالَ سُهَيْلٌ قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مِقْسَمٍ أَشْهَدُ عَلَى أَخِيكَ أَنَّهُ زَادَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ وَمَنْ غَرِقَ فَهُوَ شَهِيدٌ.

عبید اللہ بن مقسم نے کہا کہ میں تیرے بھائی پر گواہی دیتا ہوں اور اس حدیث میں یہ زیادہ ہے کہ جو غرق ہو جائے وہ شہید ہے۔

۴۸۲۸- وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا بَهْزٌ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِي حَدِيثِهِ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مِقْسَمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ وَزَادَ فِيهِ وَالْغَرِقُ شَهِيدٌ.

امام مسلم نے ایک اور سند بیان کی ہے اس میں ہے کہ جو شخص غرق ہو جائے وہ شہید ہے۔

۴۸۲۹- حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ الْبَكْرَاوِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ (يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ) حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ قَالَتْ قَالَ لِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ بِمَ مَاتَ يَحْيَى بْنُ أَبِي عَمْرَةَ قَالَتْ قُلْتُ بِالطَّاعُونِ قَالَتْ فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُونُ شَهَادَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

حضرت حفصہ بنت سیرین کہتی ہیں کہ مجھ سے حضرت انس بن مالک نے پوچھا کہ یحییٰ بن ابی عمرہ کس سبب سے فوت ہوئے تھے؟ میں نے کہا طاعون سے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون ہر مسلمان کی شہادت ہے۔

۴۸۳۰- وَحَدَّثَنَاهُ الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَاصِمٍ فِي هَذَا الْإِسْنَادِ

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

مسئلہ۔

علامہ سیوطی کے تتبع سے حکمی شہداء کی تعداد کا بیان

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی نے کتاب التثبیت میں حکمی شہداء کی تعداد کو تیس تک پہنچایا ہے انہوں نے کہا: (۱) جو شخص پیٹ کی بیماری (خواہ اسہال ہو یا استسقاء) میں فوت ہو جائے (۲) ڈوب جائے (۳) کسی چیز کے نیچے دب جائے (۴) غریق ہو جائے (۵) عورت دردِ زہ میں مر جائے (۶) پھیپھڑوں کی بیماری ہو (۷) سفر ہو (۸) مرگی ہو (۹) بخار ہو (۱۰) اہل کی حفاظت کر رہا ہو (۱۱) مال کی حفاظت کر رہا ہو (۱۲) جان کی حفاظت کر رہا ہو (۱۳) مظلوم ہو یعنی ظلماً مارا جائے (۱۴) کسی سے عشق ہو اور اس کو مخفی رکھے اور حرام سے بچے (۱۵) جس شخص کے گلے میں پانی وغیرہ کا پھندا لگنے سے اچھو ہو اور اس سے مر جائے (۱۶) جسے درندے نے پھاڑ کھایا ہو (۱۷) بادشاہ نے ظلماً قید کیا ہو (۱۸) یا زبردستی چھپایا ہو (۱۹) بادشاہ کے خوف سے روپوشی میں مر گیا ہو، (۲۰) سانپ بچھو وغیرہ نے کاٹا ہو (۲۱) علم شرعی کی طلب میں مرا ہو (۲۲) ثواب کی نیت سے اذان دیتا ہو (۲۳) سچا تاجر ہو (۲۴) جو شخص اپنے اہل، اولاد اور دیگر ماتحت لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم جاری کرتا ہو اور ان کو حلال کی کمائی کھلاتا ہو (۲۵) جہاز میں متلی اور قے سے مر جائے (۲۶) جو عورت سوکن یا کسی دوسری عورت سے غیرت پر صبر کر کے مرے (۲۷) جو شخص ہر روز پچیس بار یہ دعا مانگے اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت (۲۸) جو شخص نماز چاشت پڑھے، ہر ماہ تین روزے رکھے اور سفر حضر میں بھی وتر کو ترک نہ کرے (۲۹) جو شخص امت کے فساد کے وقت سنت نبوی پر مضبوطی سے قائم رہے، (۳۰) جو شخص اپنے مرض موت میں چالیس بار کہے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

بعض مالکی علماء اور علامہ شامی کے تتبع سے حکمی شہداء کی تعداد کا بیان

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بعض مالکی علماء نے اس تعداد پر چند شہداء کا مزید اضافہ کیا ہے (۱) جو شخص جل کر مر جائے (۲) جو شخص گھوڑا تیار کر کے جہاد کا منتظر رہے (۳) جو شخص ہر شب سورۂ یٰسین پڑھے (۴) جو شخص سواری سے گر کر مر جائے (۵) جو رات کو باوضو سوئے اور اس کو اسی حال میں موت آئے (۶) جو شخص تمام زندگی لوگوں کی خاطر مدارات کرتا رہے (۷) جو شخص ہر روز سو بار درود شریف پڑھے (۸) جو شخص صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے کی دعا کیا کرے (۹) جو شخص عسرت کے وقت مسلمانوں کے کسی شہر میں غلہ پہنچانے کا انتظام کرے (۱۰) جو شخص جمعہ کے دن وفات پائے (۱۱) جو شخص صبح کو تین بار پڑھے، اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے اور اسی دن وفات پائے، ان کے علاوہ بھی علامہ شامی نے دو قسمیں ذکر کی ہیں، (۱) جو طاعون کی جگہ پر صبر کر کے ٹھہرا رہے، (۲) عورت نفاس میں مر جائے۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے حکمی شہداء کی تعداد تیس بیان کی، بعض مالکی علماء نے ان پر مزید گیارہ کا اضافہ کیا اور علامہ شامی نے بھی ان کے علاوہ دو قسمیں بیان کیں اور یہ کل تینتالیس اقسام ہو گئیں، لیکن علامہ شامی نے ان میں سے صرف دو، تین قسموں کے ثبوت میں احادیث پیش کی ہیں اور باقی تمام اقسام کے متعلق احادیث پیش نہیں کیں اور فرمایا

۱؎ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۸۵۳-۸۵۲، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

کہ ہم نے اختصار کی وجہ سے دلائل کو حذف کر دیا ہے۔

ہم نے اس سلسلہ میں احادیث اور آثار سے تتبع کر کے حکمی شہداء کی تعداد پینتالیس ۴۵ تک پہنچا دی ہے اور ان تمام اقسام کو ہم نے جن احادیث اور آثار سے تلاش کیا ہے ان کو اب ہم با حوالہ پیش کر رہے ہیں، فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق۔

مصنف کے تتبع سے حکمی شہداء کی تعداد کا احادیث اور آثار کے حوالوں سے بیان

ایک حدیث میں پانچ شہداء کا بیان ہے: طاعون میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دب کر مرنے والا اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہداء خمسۃ المطعون والمبطون والغرق وصاحب الھدم والشہید فی سبیل اللہ۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء پانچ ہیں، طاعون زدہ، پیٹ کی بیماری والا، ڈوبنے والا، دب کر مرنے والا اور شہید فی سبیل اللہ۔

اس حدیث میں پانچ شخصوں پر شہید کا اطلاق کیا گیا ہے اور سنن ابوداؤد کی روایت میں تین اور شخصوں کا اضافہ ہے اور آٹھ شخصوں پر شہید کا اطلاق کیا گیا ہے، وہ روایت یہ ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عن جابر بن عتیک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وما تعدون الشہادۃ، قالوا القتل فی سبیل اللہ تعالی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشہادۃ سبع سوی القتل فی سبیل اللہ المطعون شہید، والغرق شہید وصاحب ذات الجنب شہید والمبطون شہید، وصاحب الحریق شہید والذی یموت تحت الھدم شہید والمرأۃ تموت بجمع شہید۔[2]

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا، تم لوگ کس چیز کو شہادت شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ عزوجل کی راہ میں قتل ہونے کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قتل فی سبیل اللہ کے سوا شہادت کی سات قسمیں اور ہیں، طاعون میں مرنے والا شہید ہے، غرق ہونے والا شہید ہے، ذات الجنب میں مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے اور اگر (حاملہ) عورت دردِ زہ میں مبتلا ہو کر مر جائے تو شہید ہے۔

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ
[2] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

ان آٹھ قسموں کے علاوہ امام بخاری نے ایک اور قسم بیان کی ہے:

عن عبد الله بن عمرو قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من قتل دون ماله فهو شهيد۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

اس مفہوم کی حدیث امام مسلم نے بھی حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ [2]

امام ترمذی نے مال کے علاوہ، جان کی حفاظت، بیوی بچوں کی حفاظت اور دین کی حفاظت میں قتل کیے جانے والے شخص کے متعلق بھی حدیث روایت کی ہے، اس طرح بارہ قسمیں ہو گئیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد۔ [3]

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے "جو شخص مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے، جو دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے بیوی اور بچوں کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔"

امام احمد نے ایک روایت بیان کی ہے اس میں سواری سے گرنے والے کو بھی حضور نے شہید فرمایا ہے، اس طرح تیرہ اقسام ہو گئیں۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

عن ابى هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما تعدون الشهيد قالوا الذى يقاتل فى سبيل الله حتى يقتل قال ان الشهيد فى امتى اذا لقليل القتيل فى سبيل الله شهيد والطعين فى سبيل الله شهيد والغريق فى سبيل الله شهيد والنفساء

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا تم لوگ کس شخص کو شہید شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے حتیٰ کہ قتل ہو جائے، آپ نے فرمایا پھر تو میری امت میں شہید بہت کم ہو جائیں گے! اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا شہید ہے، طاعون میں مرنے والا شہید ہے، جو شخص اللہ کی راہ میں غرق ہوا وہ ـــــ

---

[1] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

[2] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[3] امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، جامع ترمذی ص ۲۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

عن رابط فی سبیل اللہ شھید والمجنوب فی سبیل اللہ شھید ۔ [1]

شہید ہے، جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر کر مر جائے شہید ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں قرض سے مر جائے شہید ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ کے راستہ میں مر گیا وہ شہید ہے، اللہ کے راستہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص علم دین پڑھتے ہوئے یا پڑھاتے ہوئے مر گیا یا نماز کو جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا یا حج کو جاتے ہوئے یا دینی کتب کی تصنیف و تالیف کے دوران مر گیا یا اللہ کی رضا جوئی میں کسی بھی نیک کام کو جاتے ہوئے یا نیک کام کرتے ہوئے مر گیا تو وہ شہید ہے، اس طرح چودہ اقسام ہو گئیں اور یہ چودھویں قسم متعدد اقسام کو متضمن ہے۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن نوفل قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المیت فی سبیل اللہ شھید ۔ [2]

حضرت عبد اللہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اللہ کی راہ میں مرنے والا شہید ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات فی سبیل اللہ فھو شھید ۔ [3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے راستہ میں مر جائے وہ شہید ہے۔

ایک روایت میں پہاڑ سے گر کر مرنے والے اور جس کو درندے کھا لیں اس کو بھی شہید فرمایا ہے، اس طرح سولہ اقسام ہو گئیں۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابن مسعود قال ان من یتردی من رؤوس الجبال وتاکلہ السباع ویغرق فی البحر لشھید عند اللہ ۔ [4]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص پہاڑ کی چوٹیوں سے گر کر مر جائے اور جس کو درندے کھا جائیں اور جو سمندر میں ڈوب جائے وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہیں۔

ایک روایت میں حالتِ نفاس میں مرنے والی عورت کو بھی شہید فرمایا ہے اس طرح سترہ اقسام ہو گئیں۔

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

---

[1] امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ

[2] امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۵ ص ۲۶۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[3] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[4] امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۵ ص ۲۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

عليه وسلم ما تعدون الشهيد فيكم؟ قالوا من قتل في سبيل الله، قال: ان شهداء امتي لقليل اذا، القتل في سبيل الله شهادة، والغرق شهادة، والطاعون شهادة، والنفساء شهادة[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کس شخص کو شہید شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے، آپ نے فرمایا پھر تو میری امت کے شہداء بہت کم ہوں گے، اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا شہادت ہے، ڈوبنا شہادت ہے، طاعون شہادت ہے اور حالت نفاس میں مرنا شہادت ہے۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے لیے رزق حلال کی طلب میں مر جائے یا اپنے اہل کے لیے رزق حلال کی طلب میں مر جائے تو وہ شہید ہے اور ان دو کو ملا کر اکیس اقسام ہو گئیں۔

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ايوب قال: اشرف على النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه رجل من قريش من راس تل، فقالوا ما اجلد هذا الرجل! لو كان جلده في سبيل الله، فقال النبي صلى الله عليه وسلم اوليس في سبيل الله الا من قتل؟ ثم قال من خرج في الارض يطلب حلالا يكف به اهله فهو في سبيل الله ومن خرج يطلب حلالا يكف به نفسه فهو في سبيل الله ومن خرج يطلب التكاثر فهو في سبيل الشيطان[2]

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا، صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقتور ہے، کاش اس کی طاقت اللہ کے راستے میں خرچ ہوتی! اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے، البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔

ایک روایت میں ہے جو شخص بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر فوت ہو وہ شہید ہے، اس کے ساتھ بیس اقسام ہو گئیں۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن مسروق قال: الطاعون والبطن والنفساء والغرق وما اصيب به مسلم فهو له شهادة[3]

مسروق بیان کرتے ہیں کہ طاعون، پیٹ کی بیماری، نفاس میں عورت کا مرنا، ڈوبنا اور مسلمان کو جس مصیبت (حادثہ) کی وجہ سے بھی موت آئے وہ شہادت ہے۔

---

[1] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۵ ص ۲۷۱-۲۷۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

[2] " " " " ، المصنف ج ۵ ص ۲۷۲-۲۷۱ " " "

[3] امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۵ ص ۳۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے صدق دل کے ساتھ شہادت کی دعا کرے تو اس کو بھی شہادت کا مرتبہ ملتا ہے اور یہ اکیسویں قسم ہے۔

امام حاکم نیشاپوری روایت کرتے ہیں:

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من سأل اللہ القتل فی سبیل اللہ صادقا ثم مات اعطاہ اللہ اجر شہید[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے صدق دل سے اللہ کی راہ میں قتل ہونے کا سوال کیا اور پھر مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

عن سہل بن حنیف ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من سأل اللہ الشہادۃ صادقا من قلبہ بلغہ اللہ منازل الشہداء وان مات علی فراشہ[2]

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صدق دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت کو طلب کیا، اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے درجات پر پہنچائے گا خواہ وہ شخص بستر پر فوت ہو۔

صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۴۸۱۵ میں بھی یہی ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ پھیپھڑوں کی بیماری (مثلاً تپ دق) اور سفر میں مرنے والا بھی شہید ہے، ان کو ملا کر تیئیس قسمیں ہو گئیں۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

عن عبد الملک بن ہارون بن عنترۃ عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قتل فی سبیل اللہ فہو شہید والمتردی شہید والنفساء شہید والغرق شہید و[illegible] والسل شہید والحریق شہید والغریب شہید[3]

عبدالملک بن ہارون اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے، پہاڑ سے گر کر مرنے والا شہید ہے، نفاس میں مرنے والی عورت شہید ہے، ڈوب کر مرنے والا شہید ہے، [illegible] کہ پھیپھڑوں کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، اور سفر میں مرنے والا شہید ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص دن میں پچیس بار یہ دعا کرے اللھم بارک لی فی الموت و فیما بعد الموت پھر وہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔ اس کے ساتھ چوبیس قسمیں ہو گئیں۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ

---

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ

[2] امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ، مسند دارمی ج ۲ ص ۱۲۵، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

[3] حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ

علیه وسلم من قال فی یوم خمسا وعشرین مرة اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت ثم مات علی فراشه اعطاہ اللہ اجر شھید۔ [1]

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایک دن میں پچیس بار یہ دعا کی "اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت" اس کو اللہ تعالیٰ شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ نیزہ کی ضرب سے مرنا بھی شہادت ہے، اور یہ پچیس قسمیں ہو گئیں۔

امام علی متقی ابن قانع کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ربیع الانصاری الطعن والطاعون والھدم واکل السبع والغرق والحرق والبطن وذات الجنب شھادۃ۔ [2]

حضرت ربیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ نیزہ کی ضرب، طاعون، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنا، درندوں کا کھانا، آگ میں جلنا، پیٹ کی بیماری میں مرنا اور [illegible] شہادت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی پر عاشق ہو گیا اور حرام سے بچا وہ بھی شہید ہے، اور یہ چھبیس قسمیں ہو گئیں۔

علامہ علی متقی بیان کرتے ہیں:

عن عائشة من عشق فعف ثم مات مات شھیدا۔ [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص کسی پر عاشق ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو حرام کاری سے بچایا پھر مر گیا وہ شہید ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص بخار کی بیماری میں مرے وہ شہید ہے اور یہ ستائیس اقسام ہو گئیں۔

امام علی متقی بیان کرتے ہیں:

عن انس الحمی شھادۃ۔ [4]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بخار شہادت ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مر جائے وہ شہید ہے، اب اٹھائیس قسمیں ہو گئیں۔

امام علی متقی سنن ابن ماجہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ من مات مرابطا مات شھیدا۔ [5]

جو شخص سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مر گیا وہ شہید ہے۔

ایک روایت میں ہے جو شخص کسی گھوڑے سے گر کر مر گیا وہ شہید ہے، اب انتیس قسمیں ہو گئیں۔

امام علی متقی بیان کرتے ہیں:

عن عبد اللہ بن جبیر وما تعدون الشھادۃ

حضرت عبد اللہ ابن جبیر سے روایت ہے کیا تم شہادت

---

1. حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ
2. امام علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۶، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ
3. " " " " کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۶، " " " "
4. " " " " کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۶، " " " "
5. " " " " کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۸، " " " "

الا من قتل فی سبیل اللہ ؟ ان شہداء کم اذا لقلیل، القتل فی سبیل اللہ شہادۃ، والبطن شہادۃ والحرق شہادۃ والغرق شہادۃ، والمغموم یعنی الہدم شہادۃ والمجنوب شہادۃ والمرأۃ تموت بجمع شہادۃ۔[1]

اس کو شہید سمجھتے ہو جو اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے، پھر تو تمہارے شہداء بہت کم ہوں گے، اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا شہادت ہے، پیٹ کی بیماری میں مرنا شہادت ہے، جل کر مرنا شہادت ہے، ڈوب کر مرنا شہادت ہے، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنا شہادت ہے، نمونیہ میں مر کر مرنا شہادت ہے، عورت کا صدمہ میں مرنا شہادت ہے۔

ایک حدیث میں ہے جس شخص پر ظلماً قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور یہ تیسری قسم ہے۔

امام علی متقی مسند احمد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابن عمر وما من مسلم یظلم مظلمۃ فیقاتل الا قتل شہیدا۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جس شخص پر ظلم کیا جائے وہ لڑے اور مارا جائے تو وہ شہید ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے اور یہ چوتھی قسم ہے۔

امام علی متقی بیان کرتے ہیں:

عن سوید بن مقرن من قتل دون مظلمتہ فہو شہید۔[2]

حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے حق کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں بستر پر فوت ہو وہ بھی شہید ہے اور جس کو سانپ یا بچھو ڈس لے وہ بھی شہید ہے، جو اچھو سے مر جائے وہ شہید ہے، اس طرح چند اور قسمیں ہوں گی۔

امام علی متقی طبرانی کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المقتول فی سبیل اللہ شہید والمرء یموت علی فراشہ فی سبیل اللہ شہید والمبطون شہید، والملدوغ شہید، والغریق شہید، والشریق شہید والذی یفترسہ السبع شہید والخار عن دابتہ شہید وصاحب الہدم شہید وصاحب ذات الجنب شہید، والنفساء یقتلہا ولدہا یجرہا بسررہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں قتل کیا جانے والا شہید ہے، جو شخص اللہ کی راہ میں بستر پر مرے وہ شہید ہے، سانپ یا بچھو سے ڈسا جانے والا شہید ہے، ڈوبنے والا شہید ہے، اچھو سے مرنے والا شہید ہے، جس کو درندہ پھاڑ کھائے وہ شہید ہے، جو سواری سے گر جائے وہ شہید ہے، جو دب کر مر جائے وہ شہید ہے، جو نمونیہ سے مر جائے وہ شہید ہے اور جو عورت نفاس میں مر جائے اس کا بچہ اس

---

[1] امام علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۹، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ

[2] کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۰

[3] کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۰

الی الجنة. ١

کر اپنی ناف سے گھسیٹ کر جنت میں لے جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص پڑوسی کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے، یہ چھتیسویں قسم ہے۔

امام علی متقی ابن نجار کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس من قتل دون اهله ظلمًا فهو شهيد، ومن قتل دون ماله ظلمًا فهو شهيد ومن قتل دون جاره ظلمًا فهو شهيد، ومن قتل في ذات الله فهو شهيد. ٢

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے اہل کی حفاظت کرتے ہوئے ظلماً مارا گیا وہ شہید ہے، جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا ظلماً مارا گیا وہ شہید ہے، جو شخص اپنے پڑوسی کی حفاظت کرتے ہوئے ظلماً مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو شخص اللہ کی ذات کی وجہ سے مارا گیا وہ شہید ہے۔

بعض احادیث میں ہے کہ جو شخص چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے وہ مر جائے وہ شہید ہے، جس شخص کے اوپر پتھر گرے اور وہ مر جائے وہ شہید ہے، جو عورت اپنے خاوند پر (کسی عورت کی وجہ سے) غیرت کرتی ہو اس کو شہید کا اجر ملے گا اور جو نیکی کا حکم دیتا ہو اور برائی سے روکتا ہو وہ بھی شہید ہے، اور جو اپنے بھائی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے اور یہ چالیس قسمیں ہو گئیں۔

امام علی متقی ابن عساکر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

عن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغريق شهيد، والحريق شهيد، والغريب شهيد، والملدوغ شهيد، والمبطون شهيد، ومن يقع عليه البيت فهو شهيد، ومن يقع من فوق البيت فتندق رجله او عنقه فيموت فهو شهيد، ومن تقع عليه الصخرة فهو شهيد، والغيري على زوجها كالمجاهد في سبيل الله فلها اجر شهيد، ومن قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون نفسه فهو شهيد ومن قتل دون اخيه فهو شهيد ومن قتل دون جاره فهو شهيد والآمر بالمعروف والناهي عن المنكر شهيد. ٣

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غرق ہونے والا شہید ہے، جلنے والا شہید ہے، مسافر شہید ہے، سانپ کے ڈسا جانے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، جس کے اوپر چھت گر جائے وہ شہید ہے، جو شخص چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر جائے وہ شہید ہے، جس پر پتھر گرے اور وہ مر جائے وہ شہید ہے، جو عورت اپنے خاوند پر غیرت کرتی ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس کے لیے شہید کا اجر ہے، جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے بھائی کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے پڑوسی کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے

١۔ امام علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ٩٧٥ھ، کنز العمال ج ٤ ص ٤٢٢، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ١٤٠٥ھ

٢۔ " " " ، کنز العمال ج ٤ ص ٤٢٥ " " "

٣۔ " " " ، کنز العمال ج ٤ ص ٤٢٥ " " "

جو شخص نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے وہ شہید ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص اللہ کی راہ میں ہو اور اس کو سواری گرا دے وہ شہید ہے (اس میں ہر قسم کے حادثات شامل ہیں اور اللہ کی راہ میں ہونا اس سے عام ہے کہ وہ جہاد کے لیے جائے یا رزق کمانے کے لیے یا کسی عبادت کے لیے یا کسی بھی نیک کام کے لیے) یا اس کو حشرات الارض میں سے کوئی ڈس لے یا اس کو کسی بھی طرح موت آجائے وہ شہید ہے یہ تینتالیس اقسام ہو گئیں۔

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن ابی مالک الاشعری قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من فصل فی سبیل اللہ عز وجل فمات او قتل فھو شھید او وقصہ فرسہ او بعیرہ او لدغتہ ھامۃ او مات علی فراشہ بای حتف شاء اللہ فانہ شھید وان لہ الجنۃ[1]

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ عزوجل کے راستہ میں نکلا پھر مر گیا یا قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے یا جس شخص کو گھوڑے یا اونٹ نے گرا دیا یا جس شخص کو حشرات الارض میں سے کسی نے ڈس لیا یا جو شخص (اس کی راہ میں) بستر پر مر گیا، یا جس طرح بھی اللہ نے چاہا اس کو موت آگئی تو وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت ہے۔

ایک حدیث میں ہے جو شخص طاعون کی جگہ سے نہ بھاگے اس کو شہید کا اجر ملے گا، اور یہ پینتالیسویں قسم ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عائشۃ انھا سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الطاعون فقال کان عذابا یبعثہ اللہ علی من یشاء فجعلہ اللہ رحمۃ للمؤمنین ما من عبد یکون فی بلد یکون فیہ ویمکث فیہ لا یخرج من البلد صابرا محتسبا یعلم انہ لا یصیبہ الا ما کتب اللہ لہ الا کان لہ مثل اجر شھید۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا طاعون ایک عذاب ہے جسے اللہ تعالیٰ جس قوم پر چاہتا ہے بھیج دیتا ہے، اور مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے طاعون کو رحمت بنا دیا، سو جو مسلمان کسی ایسے شہر میں ہو جس میں طاعون پھیلا ہوا ہو اور وہ اسی شہر میں ٹھہرا رہے اور صبر اور ثواب کی نیت کر کے اس شہر سے نہ نکلے اور اس پر یقین رکھے کہ جو چیز اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے وہ ہو کر رہے گی تو اس کو شہید کا اجر ملے گا۔

---

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۴۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ

[2] امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ

ایک اور حدیث میں ہے جو شخص کسی بھی بیماری میں فوت ہوا وہ شہید ہے اور اب شہداء کی پینتالیس قسمیں ہو گئیں۔
امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مات مريضاً مات شهيدا ووقى فتنة القبر وغدى وريح عليه برزقه من الجنة۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیماری میں مر اوہ شہید ہو کر مرا اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو صبح و شام جنت سے رزق دیا جائے گا۔

میں نے بعض حواشی میں پڑھا تھا کہ علامہ سیوطی نے کل شہداء کی تعداد میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس سلسلہ میں احادیث اور آثار سے تیس کل شہداء کا بیان کیا ہے، مجھے وہ رسالہ دستیاب نہیں ہو سکا، تاہم میں نے توکلا علی اللہ کتب احادیث میں ایسی احادیث کو تلاش کیا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص عمل پر شہادت کی بشارت دی ہو، اور "من جد وجد" کے مصداق الحمد للہ مجھے ایسی صریح احادیث مل گئیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینتالیس مختلف عملوں پر شہادت کی بشارت دی ہے، اس سے پہلے میرے علم میں ایسی کوئی تصنیف نہیں ہے جس میں احادیث کے حوالوں سے کل شہداء کی تعداد کو بیان کیا گیا ہو، روایات میں علامہ سیوطی کی نظر بہت وسیع ہے لیکن انہوں نے بھی بقول علامہ شامی احادیث کے حوالوں سے تیس شہداء کا بیان کیا ہے اور میں ان کے سامنے طفل مکتب اور بالکل تہی دامن ہوں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مجھے احادیث کے حوالوں سے پینتالیس شہداء کا بیان کرنے کی توفیق دی، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

ہر مومن کامل شہید ہے

کل شہداء کی تعداد کے سلسلہ میں تتبع اور چھان بین کرتے ہوئے مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر مومن کامل شہید ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

والذين امنوا بالله ورسله اولئك هم الصديقون والشهداء عند ربهم لهم اجرهم ونورهم۔ (الحديد: ۱۹)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے، وہ اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔

لہٰذا تابعین میں سے حضرت مجاہد کا قول یہ ہے کہ ہر مومن شہید ہے۔
امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن مجاهد ——— قال كل مؤمن شهيد ثم تلا والذين آمنوا بالله ورسله اولئك هم الصديقون والشهداء [2]

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر مومن شہید ہے پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی (ترجمہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے، وہی اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔

[1] امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ ص ۱۱۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی،
[2] امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۵ ص ۲۷۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ لوگ اپنے رب عزوجل کے نزدیک یعنی اس کے علم اور اس کے حکم میں صدیق اور شہید ہیں، اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے درجات اور مقامات کی بلندیوں میں صدیقین اور شہداء کے درجہ میں ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں شہداء سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ لوگ دوسری امتوں اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق گواہی دیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وکذلک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس لیکن پہلی تفسیر کی تائید میں بکثرت احادیث اور آثار مروی ہیں اس لیے وہی تفسیر راجح ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت کے مومن شہداء ہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: والذین امنوا باللہ ورسلہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم "جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی لوگ اللہ کے نزدیک صدیق اور شہداء ہیں" اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا "تم میں سے ہر شخص صدیق اور شہید ہے" کہا گیا اے ابوہریرہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ حضرت ابوہریرہ نے کہا قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو والذین امنوا باللہ ورسلہ (الآیۃ) اور امام عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ہر مومن شہید ہے اور اس پر انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا، عبد بن حمید نے عمرو بن میمون سے اس کی مثل روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے عمرو بن مرہ جہنی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتلائیے کہ اگر میں یہ گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول برحق ہیں اور پانچ نمازیں پڑھوں، زکوٰۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور رمضان میں قیام کروں تو پھر میں کن لوگوں میں سے ہوں گا؟ آپ نے فرمایا صدیقین اور شہداء میں سے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: مناسب یہ ہے کہ اس آیت میں مومن سے مراد وہ شخص ہو جس کا ایمان کامل اور قابل شمار ہو اور یہ وہی شخص ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی قابل ذکر عبادت کرتا ہو ورنہ یہ بات بہت بعید ہے کہ جو شخص نفسانی تقاضوں اور شہوات میں ڈوبا ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ کی عبادات سے غافل ہو وہ قیامت کے دن صدیقین اور شہداء کے زمرہ میں ہو اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ایک دن حضرت عمر نے لوگوں سے کہا یہ بتاؤ کہ جو شخص لوگوں کی عزت و ناموس کی پردہ دری کرتا ہو تم اس کی مذمت کیوں نہیں کرتے؟ لوگوں نے کہا ہم اس کی بدزبانی سے ڈرتے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا پھر تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو قیامت کے دن ان امتوں کے خلاف گواہی دیں گے جنہوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی تھی! اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللعانون لا یکونون شہداء "لعنت کرنے والے گواہی نہیں دیں گے" اور امام ابن مردویہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنی جان اور اپنے دین پر فتنہ کے خوف سے اپنے دین کو بچانے کے لیے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف بھاگا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جب وہ مر جائے تو اللہ تعالیٰ شہید کی طرح اس کی روح کو قبض کرتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: والذین امنوا باللہ ورسلہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء پھر آپ نے فرمایا وہ شخص ان میں داخل ہے، پھر آپ نے فرمایا جو لوگ اپنے دین کو بچانے کے لیے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف بھاگتے ہیں وہ قیامت کے دن جنت میں

حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کے دور میں ہوں گے، علامہ آلوسی لکھتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ وہ شخص ان صدیقین اور شہداء میں داخل ہے، اس سے مراد ہو کہ وہ ان میں سب سے پہلے داخل ہوگا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرب سے مراد ان کا بعینہٖ قرب ہے۔

ضحاک سے ایک یہ روایت بھی منقول ہے کہ یہ آیت ابتداءً اسلام میں سبقت کرنے والے آٹھ صحابہ کے حق میں نازل ہوئی ہے یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم لیکن اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ عموم کا خصوصیت کے مقابلہ میں ضحاک کے قول کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

بعض مفسرین نے کہا اولئك هم الصديقون۔ تک یہ جملہ پورا ہو گیا اور والشهداء عند ربهم لهم اجرهم ونورهم۔ سے نیا جملہ شروع ہوتا ہے پھر اس تقدیر پر یہ بھی اختلاف ہے کہ شہداء سے مراد شہداء فی سبیل اللہ ہیں یا انبیاء مراد ہیں جو قیامت کے دن شہادت دیں گے، علامہ ابوالحیان اندلسی نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے، علامہ آلوسی فرماتے ہیں جو شخص انصاف سے کام لے گا اس کو اس پر یقین ہوگا کہ ہم نے احادیث اور آثار کی روشنی میں جو پہلی تفسیر بیان کی ہے وہی صحیح تفسیر ہے۔ [۱]

شہداء کی تعداد کے بیان کے سلسلہ میں ہم نے کافی محنت کی ہے اور اس سلسلہ میں بہت تفصیل اور تحقیق کی ہے، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور مجھے بھی درجہ شہادت پر فائز فرمائے، آمین یا رب العالمین بحرمة نبيك محمد خاتم النبيين سيد المرسلين صلوات الله عليه وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته اجمعين۔

شہید کی وجہ تسمیہ

علامہ نووی لکھتے ہیں: نضر بن شمیل نے کہا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والے کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہوتا ہے اور اس کی روح جنت میں شاہد اور موجود ہوتی ہے اس کے برخلاف دوسرے مسلمانوں کی ارواح صرف قیامت کے دن جنت میں شاہد اور موجود ہوں گی، اور ابن الانباری نے کہا کہ اس کو شہید اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس کے حق میں جنت کی شہادت دیتے ہیں سو یہاں پر شہید مشہود له بالجنة کے معنی میں ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کو اس لیے شہید کہتے ہیں کہ اس کی روح جسم سے نکلتے ہی اس اجر و ثواب پر شاہد اور موجود ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے ایک قول یہ ہے کہ شہادت کے وقت رحمت کے فرشتے اس کے پاس شاہد اور موجود ہوتے ہیں اور وہ اس کی روح لے جاتے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس کا شہید ہونا اس کے ایمان اور خاتمہ بالخیر کی شہادت دیتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس کے شہید ہونے پر اس کا خون اور اس کے زخم شاہد اور گواہ ہوتے ہیں، ازہری وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ قیامت کے دن دوسری امتوں پر شہادت اور گواہی دے گا لیکن یہ چیز صرف شہید کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ [۲]

حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر احکام میں فقہاء شافعیہ کا مسلک

علامہ نووی شافعی لکھتے

۱۔ علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ۲۷ ص ۱۸۲-۱۸۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۱۳ ص ۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

ہیں، شہید کی تین قسمیں ہیں:

(۱)۔ جو شخص کفار کے خلاف جنگ میں کسی بھی سبب سے قتل کیا جائے، یہ شخص شہید الدنیا والآخرۃ ہے، اخروی شہادت کا ثمرہ اجر و ثواب اور عزت و کرامت ہے اور دنیاوی شہادت کا ثمرہ یہ ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

(۲)۔ جو شخص پیٹ کی بیماری یا طاعون میں مر جائے یا دب کر مر جائے یا اپنے مال وغیرہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے یا اور کسی ایسی وجہ سے مارا جائے جس کو احادیث میں شہید فرمایا گیا ہے، یہ صرف اخروی ثواب کے اعتبار سے شہید ہے دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں ہے، اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور آخرت میں اس کا اجر و ثواب پہلی قسم کے شہید سے کم ہوگا۔

(۳)۔ جس شخص نے مال غنیمت میں خیانت کی یا اور کوئی ایسا کام کیا جس کی بناء پر احادیث میں اس کو شہید کہنے سے منع فرمایا ہے ایسا شخص جب کفار کے خلاف جنگ میں قتل کیا جائے تو یہ صرف دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید ہے یعنی اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور اخروی احکام کے اعتبار سے شہید نہیں اور اس کو شہداء کا کامل ثواب نہیں ملے گا۔ [۱]

حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر احکام میں فقہاء مالکیہ کا مسلک

امام مالک اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا اور وہ اللہ کی رحمت سے شہید تھے۔ امام مالک بیان فرماتے ہیں کہ اہل علم سے ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جائیں، ان کو غسل دیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور جن کپڑوں میں وہ قتل کیے گئے ہیں انہیں میں ان کو دفن کر دیا جائے گا، امام مالک فرماتے ہیں جو مسلمان میدان کارزار میں قتل کر دیا جائے اور وہاں تک اس کا پتا نہ چلے اس کے بارے میں یہی سنت ہے، لیکن جس شخص کو میدان جنگ سے اٹھا کر لایا گیا اور جب تک اللہ نے چاہا وہ زندہ رہا تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ [۲]

علامہ ابو الولید باجی مالکی لکھتے ہیں:

شہادت ایک ایسی فضیلت ہے جس کی بناء پر، غسل میت کی فرضیت، اس کو نئے کفن پہنانے کا حکم اور اس کی نماز جنازہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا لیکن اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ علامہ باجی فرماتے ہیں یہ حکم اس مقتول کے بارے میں ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا ہو، لیکن جس شخص نے اپنے گھر کے اندر کسی دشمن سے مدافعت میں جنگ کی اور وہ

---

[۱] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

[۲] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک ص ۴۶۹۔ ۴۶۸، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور

قتل کر دیا گیا تو ابن قاسم یہ کہتے ہیں کہ اس کو غسل دیا جائے گا لیکن اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، علامہ ابن وہب اور اشہب یہ کہتے ہیں کہ اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، یہ اختلاف اس وقت ہے جب اس نے اپنی مدافعت میں جنگ کی ہو اور اگر اس نے مدافعت نہیں کی اور دشمن نے بغیر مزاحمت کے اس کو قتل کر دیا، مثلاً اچانک دشمن آکر اس پر ٹوٹ پڑے یا اس کو رستے میں قتل کر دیا یا قید کرنے کے بعد قتل کر دیا تو اشہب کہتے ہیں کہ اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور سحنون اور اصبغ کہتے ہیں کہ اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا ان کو جنگ میں نہیں بلکہ غفلت میں قتل کیا گیا تھا اور اس قتل میں ان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں تھی اور ان کو غسل بھی دیا گیا اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی گئی اور یہ عمل تمام صحابہ کے سامنے ہوا اور اس پر اجماع ہو گیا۔ (علامہ ابو الولید نے امام سحنون اور اصبغ کی طرف سے جو دلیل پیش کی ہے وہ ان کے قول کے بالکل برعکس ہے۔ سعیدی غفرلہ) [1]

حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر احکام میں فقہاء حنبلیہ کا مسلک

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

شہید جب میدان جہاد میں قتل کیا گیا ہو تو اس کو غسل دیا جائے گا نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، غسل کے معاملہ میں تمام اہل علم کا اتفاق ہے، البتہ حسن بصری اور سعید بن مسیب کا قول یہ ہے کہ شہید کو غسل دیا جائے گا کیونکہ ہر میت موت کے وقت جنبی ہو جاتا ہے، اور شہید کو غسل نہ دینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی اقتداء کرنا زیادہ لائق ہے۔

شہید کی نماز جنازہ کے متعلق صحیح قول یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، امام مالک، امام شافعی اور اسحاق کا یہی قول ہے اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اس قول کو خلال نے اختیار کیا ہے اور یہی ثوری اور امام ابو حنیفہ کا قول ہے، امام احمد کے اس قول کی تشریح یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ مستحب ہے واجب نہیں ہے، ایک جگہ امام احمد نے کہا اگر شہید کی نماز جنازہ پڑھ لی تو کوئی حرج نہیں۔ اور ایک جگہ کہا کہ شہید پر نماز جنازہ پڑھنا اچھا ہے اور اگر نہیں پڑھی تو بھی ٹھیک ہے، ان دونوں روایتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ مستحب ہے واجب نہیں ہے، استحباب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف تشریف لے گئے اور شہداء احد پر اس طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر منبر پر لوٹ آئے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی۔

(علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں) ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ شہداء احد کو ان کے خون کے ساتھ دفن کر دیا جائے، آپ نے ان کو غسل دیا نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی، اور حضرت عقبہ کی حدیث شہداء احد کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ آپ نے آٹھ سال بعد ان کی قبروں پر نماز پڑھی تھی حالانکہ ان کی قبریں

---

[1] علامہ ابو الولید سلیمان بن عبد الملک باجی اندلسی متوفی ۴۹۴ھ، المنتقی ج ۳ ص ۲۱۰، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر، ۱۳۳۲ھ

پر نماز بالکل نہیں پڑھی جاتی تھی، شہید کو غسل نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بدن سے شہادت کے آثار زائل نہ ہو جائیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تم میں سے جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوگا اور اللہ کو خوب علم ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہو رہا ہے، وہ قیامت کے دن جب آئے گا تو اس کے خون کا رنگ خون کی طرح ہوگا اور اس سے خوشبو مشک کی آرہی ہوگی، اور شہید سے نماز جنازہ ساقط ہونے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور نماز جنازہ مردوں کی پڑھی جاتی ہے (اس دلیل پر یہ اعتراض ہوگا کہ پھر شہید کو دفن بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دفن مردوں کو کیا جاتا ہے اور شہداء زندہ ہوتے ہیں۔ سعیدی غفرلہ) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز جنازہ میں میت کی شفاعت کی جاتی ہے اور شہید شفاعت سے مستغنی ہوتا ہے کیونکہ وہ خود اپنے گھر کے ستر افراد کی شفاعت کرتا ہے (اس دلیل پر بھی یہ اعتراض ہے کہ شہید سے حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے اس لیے اس کو بھی بہر حال شفاعت کی احتیاج ہوتی ہے۔ سعیدی غفرلہ) [1]

جو شخص ظلماً قتل کیا گیا یا اپنے مال، اپنی جان یا اپنے اہل وعیال کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے قتل کیا گیا، اس کے متعلق امام احمد سے دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ اس کو غسل دیا جائے گا، خلال نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، حسن بصری کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے، کیونکہ اس کا مرتبہ اس شخص سے کم ہے جو میدان جہاد میں شہید ہوتا ہے، امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ یہ اس شخص کے مشابہ ہے جو میدان جہاد میں شہید ہوا ہو، شعبی، اوزاعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مال کے پاس قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

جو شخص بغیر قتل کے شہید ہو مثلاً جو شخص پیٹ کی بیماری میں مرا یا طاعون میں مرا یا ڈوب کر مرا یا چھت یا دیوار کے نیچے آکر مرا یا عورت نفاس میں مری تو ان سب کو غسل بھی دیا جائے گا اور ان کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، ہمارے علم میں کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے، البتہ حسن بصری سے یہ قول منقول ہے کہ نفاس میں مرنے والی عورت کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے کیونکہ وہ شہید ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک عورت نفاس میں فوت ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے وسط میں کھڑے ہوئے (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اور حضرت سعد بن معاذ شہید ہوئے اور آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، اور حضرت عمر اور حضرت علی شہید ہوئے اور مسلمانوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ [2]

حقیقی اور حکمی شہید کے غسل، نماز جنازہ اور دیگر احکام میں فقہاء احناف کا مسلک اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

۱۔ علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی ج ۲ ص ۲۰۵-۲۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ

۲۔ المغنی ج ۲ ص ۲۰۷، ″ ″ ″ ″ ″ ″

جب کسی شہید (مسلمان شخص) کو میدان جنگ میں قتل کر دیا جائے تو ہمارے نزدیک اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، حسن بصری یہ کہتے ہیں کہ شہید کو غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے متعلق فرمایا: انہیں ان کے خون کے ساتھ کپڑوں میں لپیٹ دو اور ان کو غسل مت دو کیونکہ جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا اس کا رنگ خون کی طرح ہو گا اور خوشبو مشک کی طرح ہو گی۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے (اسی طرح امام مالک کا مذہب ہے اور امام احمد کا ایک قول ہے) کہا ہے کہ شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد میں سے کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، نیز شہداء شہادت کی بناء پر گناہوں سے پاک ہو گئے اور نماز جنازہ میت کے لیے دعا اور شفاعت ہے اور وہ اس دعا اور شفاعت سے اس طرح مستغنی ہیں جس طرح غسل سے مستغنی ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے شہداء کو زندہ قرار دیا ہے اور نماز جنازہ مردے کی پڑھی جاتی ہے زندہ کی نہیں پڑھی جاتی۔

(علامہ سرخسی فرماتے ہیں:) ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی، حتیٰ کہ روایت ہے کہ آپ نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی، اور اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت حمزہ کا جسد آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا آپ کے سامنے ایک ایک کر کے شہید کو لایا جاتا اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے اس سے راوی نے یہ گمان کر لیا کہ آپ نے حضرت حمزہ کی ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی ہے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے کہ شہداء احد میں سے کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی سو یہ ضعیف روایت ہے، اور اس کی یہ بھی تاویل ہے کہ حضرت جابر اس دن بہت مشغول تھے کیونکہ ان کے والد، ان کے بھائی اور ان کے ماموں سب شہید ہو گئے تھے اس لیے وہ مدینہ واپس چلے گئے تھے کہ ان لاشوں کو مدینہ لے جانے کی تدبیر کریں، سو جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی تو وہ اس وقت حاضر نہ تھے، اسی وجہ سے انہوں نے نماز نہ پڑھنے کی روایت کی اور دوسروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ پڑھنے کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی (اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی واقعہ کے متعلق نفی اور اثبات کی روایات متعارض ہوں تو اثبات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھ لی، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی سے یہ سنا: "جس جگہ لاشیں گری ہیں ان کو اسی جگہ دفن کیا جائے" اس پر حضرت جابر لوٹ آئے اور اپنے والد، بھائی اور ماموں کو احد میں دفن کر دیا، نیز نماز جنازہ میت کے اعزاز اور اکرام کے لیے مشروع کی گئی ہے اسی وجہ سے یہ مسلمانوں کے لیے خاص ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور اسباب کرامت کے ساتھ متصف ہونے کے شہید زیادہ لائق ہے اور بندے کے گناہ ہر چند کہ شہادت سے دھل جاتے ہیں لیکن وہ کسی وجہ سے بھی دعا سے مستغنی نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ شہداء کے درجہ سے بہت زیادہ ہے، باقی رہا شہید کا زندہ ہونا سو وہ احکام آخرت میں زندہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بل احیاء عند ربهم۔ "بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں" اور احکام دنیا میں شہید مردہ ہوتا ہے، اس کی میراث تقسیم کی جاتی ہے اور

عدت وفات پوری کرنے کے بعد اس کی عورت دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے اور نماز جنازہ کی فرضیت دنیاوی احکام کے اعتبار سے ہے اور اس اعتبار سے شہید مردہ ہے اس لیے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

شہید کو اس کے کپڑوں میں دفن کیا جائے گا (یعنی الگ سے کفن نہیں پہنایا جائے گا) کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو ان کے خون اور زخموں میں لپیٹ دو۔ اور جو شخص میدان جہاد سے زندہ اٹھا کر لایا گیا پھر وہ لوگوں کے ہاتھوں میں یا گھر آ کر مر گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا کیونکہ اب وہ مرتث ہے (یعنی ایسا زخمی ہے جس میں رمق حیات باقی ہے) اور جو شخص میدان جنگ سے اٹھا کر مردہ لایا گیا درآں حالیکہ اس کے جسم پر قتل کیے جانے کا کوئی اثر نہیں ہے اس کو بھی غسل دیا جائے گا۔

جس شخص کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے مال سے مدافعت کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے مال کے پاس مارا گیا وہ شہید ہے" اس لیے اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

جس شخص کو شہر میں کسی ہتھیار سے ظلماً قتل کر دیا گیا (جیسا کہ ہمارے شہروں میں تخریب کار موٹر سائیکل سوار راہ چلتے مسلمانوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیتے ہیں) ہمارے نزدیک اس کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا، امام شافعی کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا ان کے نزدیک قتل عمد دیت کا موجب ہے اور جب اس کی جان کے بدلے میں مال عطا کرنا واجب ہے تو اس کو غسل دیا جائے گا ہمارے نزدیک قتل عمد مال کو واجب نہیں کرتا اور یہ شخص ظلماً قتل کیا گیا ہے اور اس کا کوئی مالی عوض واجب نہیں ہے (مالی عوض یعنی دیت قتل خطا میں واجب ہے) لہٰذا یہ شہید ہے اور قصاص بدل محض نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی سزا ہے اور ہمارا استدلال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ہے، حضرت عثمان کو شہر میں قتل کیا گیا تھا (یعنی میدان جہاد میں نہیں قتل کیا گیا تھا) اور آپ شہید تھے اور آپ کو غسل نہیں دیا گیا تھا اور اگر کسی شخص کو شہر میں کسی ہتھیار کے بغیر قتل کیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا کیونکہ یہ قتل خطا ہے اور اس میں دیت واجب ہے، امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو پتھر یا بڑی لاٹھی سے مار کر قتل کیا گیا تو صاحبین کے نزدیک وہ ہتھیار سے قتل کرنے کے برابر ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں غسل دیا جائے گا، اس کا منشأ یہ ہے کہ پتھر اور لاٹھی سے قتل کرنے میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا وجوب قصاص میں اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک اس صورت میں قصاص ہے اور امام اعظم کے نزدیک اس میں دیت ہے۔

اگر کسی شخص کو قصاص میں قتل کیا گیا یا رجم کیا گیا تو اس کو غسل دیا جائے گا کیونکہ روایت ہے کہ جب حضرت ماعز کو رجم کیا گیا تو ان کے چچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ماعز کو کتے کی طرح قتل کر دیا گیا اب آپ اس کے متعلق مجھے کیا حکم دیتے ہیں آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو ماعز نے اتنی عظیم توبہ کی ہے کہ اگر اس کو تمام روئے زمین پر تقسیم کر دیا جائے تو کافی ہو جائے گی، جاؤ اس کو غسل دو، کفن پہناؤ اور اس کی نماز جنازہ پڑھو، نیز اس لیے کہ شہید اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان خرچ کرتا ہے اور یہ بات حد اور قصاص میں قتل کیے جانے والے میں نہیں پائی جاتی، کیونکہ اس کو دوسروں کے حق کی بناء پر قتل کیا جاتا ہے۔

جس مسلمان کو درندوں نے پھاڑ کھایا، یا جو آگ میں جل گیا، یا پہاڑ سے گر کر مر گیا یا دیوار یا چھت کے نیچے

اگر مر گیا یا ڈوب گیا، تو ہر چند کہ یہ لوگ حکماً شہید ہیں لیکن ان کو دوسرے مُردوں کی طرح غسل دیا جائے گا کیونکہ یہ امور احکام دنیا میں معتبر نہیں ہیں، اس طرح مرنے والے اور طبعی موت سے مرنے والے برابر ہیں، اسی طرح جو شخص محلہ میں مقتول پایا گیا اور اس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے، اسے غسل دیا جائے گا کیونکہ وہ اپنی جان کے عوض مالی بدل کا مستحق ہے اور قسامت اور اس کی دیت اہل محلہ پر واجب ہے۔ [1]

معصیت کے دوران اسباب شہادت سے مرنے اور معصیت کے سبب سے مرنے کا فرق اور مصنف کی بحث ونظر

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ اجہوری نے "عارضہ" میں لکھا ہے جو شخص ڈاکہ ڈالنے گیا اور پانی میں ڈوب گیا وہ شہید ہے اور اس پر اس معصیت کا گناہ ہوگا، اور ہر وہ شخص جو کسی معصیت کے سبب سے مر جائے وہ شہید نہیں ہوگا، مثلاً ایک شخص نے ساز والے پر ڈاکہ ڈالا، ساز والے نے مقابلہ کیا اور مقابلہ میں ڈاکو مارا گیا تو وہ شہید نہیں ہے۔ معصیت مضرّ ہے، اور اگر معصیت کے دوران کوئی شخص شہادت کے اسباب میں سے کسی سبب سے مر جائے تو پھر وہ شہید ہے، مثلاً کوئی شخص کسی کا گھوڑا غصب کر کے جہاد کے لیے گیا اور مارا گیا، یا کچھ لوگ کسی معصیت کا ارتکاب کر رہے تھے کہ اچانک چھت گری اور وہ لوگ مر گئے تو وہ شہید ہوں گے اور اپنی معصیت کی وجہ سے یہ لوگ عذاب کے مستحق ہوں گے، پھر علامہ اجہوری نے اس مسئلہ میں بحث کی ہے کہ اگر کسی شخص کو شراب پیتے ہوئے اچھو ہو گیا اور وہ اس اچھو سے مر گیا تو پھر وہ شہید ہے یا نہیں، بعض مشائخ نے کہا کہ وہ شہید ہے کیونکہ وہ معصیت کے دوران مرا ہے معصیت کے سبب سے نہیں مرا لیکن علامہ اجہوری نے کہا وہ مطلقاً اچھو لگنے سے نہیں مرا بلکہ خاص شراب کے اچھو لگنے سے مرا ہے اس لیے شہید نہیں ہوگا اسی طرح اس مسئلہ میں بھی بحث کی ہے کہ ایک عورت کے ہاں زنا سے بچہ پیدا ہوا اور وہ ولادت میں مر گئی، آیا وہ شہید ہو گی یا نہیں؟ علامہ رملی نے کہا اس کی موت کا سبب ولادت ہے اس لیے شہید ہو گی اور علامہ اجہوری نے کہا کہ اس ولادت کا سبب زنا ہے اور سبب کا سبب بھی سبب ہوتا ہے اس لیے وہ عورت معصیت کے سبب سے مری ہے، علامہ رملی شافعی نے اس مسئلہ کو اس پر قیاس کیا ہے کہ کوئی شخص کسی کام معصیت کے لیے سمندری سفر کرے اور ڈوب جائے یا کوئی عورت اپنے خاوند کی نافرمانی کر کے کسی سفر میں جائے اور ہلاک ہو جائے تو اس کو شہید قرار دیا جاتا ہے علامہ شامی نے علامہ رملی کے جواب میں یہ کہا ہے کہ سمندر میں ڈوبنے سے یا سفر میں مرنے سے اس وقت شہید ہوگا جب وہ سفر معصیت کے لیے نہ ہو۔ [2]

علامہ شامی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ پھر معصیت کے دوران مرنے اور معصیت کے سبب سے مرنے

۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط ج ۲ ص ۵۲-۴۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ

میں کوئی فرق نہیں ہوگا، اس لیے یا تو اس قاعدہ کا انکار کیا جائے ورنہ اس قاعدہ کے اطلاق سے یہ لازم ہے کہ جو شخص شراب کا اچھو لگنے سے مرا یا زنا سے ولادت میں عورت مرگئی یا سفر معصیت میں کوئی شخص ڈوب گیا یا مرگیا تو یہ سب لوگ شہید قرار پائیں گے اور ان پر ان کی معصیت کا وبال ہوگا، معصیت کے سبب سے مرنے کی ایک مثال ہم نے ذکر کی دی ہے دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے نسلی یا لسانی تعصب کی بناء پر لڑ رہا تھا اور لڑائی میں مارا گیا تو یہ معصیت کے سبب سے مرا اس لیے شہید نہیں ہوگا جو لوگ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے مارے جائیں تو یہ لوگ معصیت کے سبب سے مرے ہیں اس لیے شہید نہیں ہوں گے یا جو مسلمان کافروں کی فوج میں بھرتی ہو کر مسلمان ملک کے خلاف جنگ کریں اور مارے جائیں تو یہ معصیت کے سبب سے مرے ہیں، شہید نہیں ہوں گے، اسی طرح اگر کوئی شخص خودکشی کی نیت سے سمندر میں چھلانگ لگائے اور ڈوب کر مرجائے یا کوئی شخص خودکشی کی نیت سے اپنے آپ کو آگ میں جلائے، یا پلازہ کی چوٹی سے یا چھت سے گرادے تو یہ سب لوگ معصیت کے سبب سے مرے ہیں اس لیے شہید نہیں ہوں گے، دراصل معصیت کے سبب سے مرنے اور معصیت کے دوران مرنے میں بہت باریک فرق ہے، علامہ شامی بہت باریک بین اور نکتہ رس فقیہ ہیں اس کے باوجود وہ اس جگہ یہ فرق نہیں کرسکے حالانکہ اس بحث کے شروع میں خود انہوں نے علامہ اجہوری سے یہ نقل کیا ہے کہ "جو شخص ڈاکہ ڈالنے گیا اور پانی میں ڈوب گیا تو وہ شہید ہے" اگر سفر میں شہادت کے لیے یہ قید ضروری ہو کہ وہ سفر معصیت کا نہ ہو تو پھر یہ ڈاکو کیسے شہید ہوگا؟

اس جگہ تحقیق طلب بات یہ ہے کہ سبب سے کیا مراد ہے؟ سبب عام اور اغلب یا جزء فی الجملہ سبب ہو (یعنی اس پر کبھی کبھی اثر مرتب ہوتا ہو) اگر سبب سے مراد عام اور اغلب ہے تو شراب کے اچھو لگنے سے مرنے والے کو شہادت سے نکالنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات لازم یا اکثری نہیں ہے کہ انسان کو جب بھی شراب پینے میں اچھو لگے تو وہ مرجائے لہٰذا اس موت کو معصیت کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح جس عورت کے ہاں زنا سے بچہ پیدا ہو اور وہ عورت ولادت میں مرگئی تو ولادت کی وجہ سے مرنے کو موت کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات لازم اور اکثری نہیں ہے کہ جب بھی عورت کے ہاں ولادت ہو تو وہ عورت مرجائے، لہٰذا ولادت سے زانیہ کی موت کو معصیت کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہے اور نہ اس کی موت کو شہادت سے خارج کرنا صحیح ہے، اسی طرح جو عورت خاوند کی نافرمانی کرکے سفر کرے اور اس سفر میں مرجائے یا کوئی شخص سفر معصیت میں دریا میں ڈوب جائے تو یہ سفر بھی موت کا سبب عام یا سبب اغلب نہیں ہے بلکہ ان کو بھی شہادت سے نکالنا صحیح نہیں ہوگا، اور اگر سبب سے فی الجملہ سبب مراد ہے (یعنی جس کی طرف فعل کی نسبت صحیح ہو اور کبھی کبھار اس پر فعل مرتب ہوتا ہو خواہ اکثر نہ ہوتا ہو) تو جس شخص نے کسی کا گھوڑا غصب کرکے جہاد کیا اور مارا گیا تو یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ اس غصب شدہ گھوڑے کی وجہ سے مارا گیا اس لیے اس کی موت کو شہادت نہیں کہنا چاہیے، اسی طرح جو شخص ڈاکہ ڈالنے گیا اور ڈوب کر مرگیا تو کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ ڈاکہ ڈالنے نہ جاتا تو نہ ڈوبتا لہٰذا اس کی موت کو بھی شہادت نہیں کہنا چاہیے حالانکہ علامہ شامی اور علامہ اجہوری ان دونوں نے یہ کہا ہے کہ یہ معصیت میں موت ہے معصیت کے سبب سے موت نہیں ہے اور اس موت کو شہادت قرار دیا ہے۔

شہید حقیقی اور شہید حکمی کی اقسام اور ان کے احکام کو ہم نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور مجھے درجہ شہادت پر فائز فرمائے۔ اس کتاب کو لوگوں کے لیے نافع کر دے اس کو عام کر دے اور اس کو قبولیت عامہ عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین افضل المرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بَابُ فَضْلِ الرَّمْيِ

تیر اندازی کی فضیلت

٤٨٣١ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي عَلِيٍّ ثُمَامَةَ بْنِ شُفَيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ۔ کفار کے خلاف زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کرو، سنو قوت تیر اندازی ہے، سنو قوت تیر اندازی ہے، سنو قوت تیر اندازی ہے۔

٤٨٣٢ - وَحَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي عَلِيٍّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمْ أَرَضُونَ وَيَكْفِيكُمُ اللّٰهُ فَلَا يَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَلْهُوَ بِأَسْهُمِهِ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے عنقریب تم کو فتوحات حاصل ہوں گی اور تمہارے لیے اللہ کافی ہے، سو تم میں سے کوئی شخص تیر اندازی کی مشق سے غافل نہ ہو۔

٤٨٣٣ - وَحَدَّثَنَاهُ دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنْ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں۔

٤٨٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شُمَاسَةَ أَنَّ فُقَيْمًا اللَّخْمِيَّ قَالَ لِعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ تَخْتَلِفُ بَيْنَ هٰذَيْنِ الْغَرَضَيْنِ وَأَنْتَ كَبِيرٌ يَشُقُّ عَلَيْكَ قَالَ عُقْبَةُ لَوْلَا كَلَامٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عبدالرحمٰن بن شماسہ بیان کرتے ہیں کہ فقیم لخمی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا آپ بوڑھے ہونے کے باوجود ان دو نشانوں کے درمیان آتے جاتے رہتے ہیں یہ چیز آپ پر دشوار ہوگی! حضرت عقبہ بن عامر نے کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث نہ سنی ہوتی تو میں یہ مشقت نہ اٹھاتا۔ حارث کہتے ہیں میں نے ابن شماسہ

لَمْ أُعَانِيهِ قَالَ الْحَارِثُ فَقُلْتُ لِابْنِ شُمَاسَةَ وَمَا ذَاكَ قَالَ إِنَّهُ قَالَ مَنْ عَلِمَ الرَّمْيَ ثُمَّ تَرَكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا أَوْ قَدْ عَصَى.

سے پوچھا: وہ کیا حدیث ہے؟ انھوں نے کہا آپ نے فرمایا: جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو ترک کر دے وہ ہم میں سے نہیں ہے یا فرمایا اس نے نافرمانی کی۔

ف: ان احادیث میں تیر اندازی سیکھنے اس میں مشق اور مہارت حاصل کرنے کی ترغیب اور فضیلت ہے، اور تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو بھلانے پر وعید ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے، اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے اس کا مطلب وہ ہمارے طریقہ کار پر نہیں ہے تیر اندازی سے مراد ہر اس اسلحہ اور ہتھیاروں کی مشق ہے جن کا اس دور میں رواج ہو اس لیے اس دور کے مسلمانوں پر جدید فوجی تکنیک کو سیکھنا اور اس کی مشق کرنا ضروری ہے جس طرح پہلے تیر اندازی کا سیکھنا ضروری تھا۔

بَابُ ۶۶۳ قَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: "میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اسے کسی کی مخالفت سے نقصان نہیں ہوگا"

۴۸۳۵ - **حَدَّثَنَا** سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَأَبُو الرَّبِيعِ الْعَتَكِيُّ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ (وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ) عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذَلِكَ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ قُتَيْبَةَ وَهُمْ كَذَلِكَ.

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، جو شخص ان کو رسوا کرنا چاہے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا وہ اسی حال پر رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

۴۸۳۶ - **وَحَدَّثَنَا** أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَعَبْدَةُ كِلَاهُمَا عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا مَرْوَانُ (يَعْنِي الْفَزَارِيَّ) عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَنْ يَزَالَ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ لوگوں پر غالب رہے گا حتیٰ کہ قیامت آجائے گی درآں حالیکہ وہ غالب ہوں گے۔"

۴۸۳۷ - **وَحَدَّثَنِيهِ** مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِمِثْلِ حَدِيثِ مَرْوَانَ سَوَاءً.

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا...... اس کے بعد حسب سابق ہے ۔

۴۸۳۸ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس دین کی خاطر قیامت تک جنگ کرتی رہے گی۔

۴۸۳۹ - حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَحَجَّاجُ بْنُ الشَّاعِرِ قَالَا حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جنگ کرتا رہے گا اور ہمیشہ لوگوں پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آجائے گی ۔

۴۸۴۰ - حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ أَنَّ عُمَيْرَ بْنَ هَانِئٍ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَائِمَةً بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ.

عمیر بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا جو شخص ان کو رسوا کرنا چاہے گا یا ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا وہ (ہمیشہ) لوگوں پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آجائے گی۔

۴۸۴۱ - وَحَدَّثَنِي إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا كَثِيرُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ (وَهُوَ ابْنُ بُرْقَانَ) حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ الْأَصَمِّ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ ذَكَرَ حَدِيثًا رَوَاهُ عَنِ

یزید بن اصم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا جو میں نے کسی اور سے منبر پر نہیں سنی، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس شخص

النبي صلى الله عليه وسلم لم أسمعه روى عن النبي صلى الله عليه وسلم على منبره حديثا غيره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين ولا تزال عصابة من المسلمين يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناوأهم إلى يوم القيامة.

کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے، مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جنگ کرتا رہے گا اور اپنے مخالفین پر قیامت تک غالب رہے گا۔

۴۸۳۲ - حدثني أحمد بن عبد الرحمن بن وهب حدثنا عمي عبد الله بن وهب حدثنا عمرو بن الحارث حدثني يزيد بن أبي حبيب حدثني عبد الرحمن بن شماسة المهري قال كنت عند مسلمة بن مخلد وعنده عبد الله بن عمرو بن العاص فقال عبد الله لا تقوم الساعة إلا على شرار الخلق هم شر من أهل الجاهلية لا يدعون الله بشيء إلا رده عليهم فبينما هم على ذلك أقبل عقبة بن عامر فقال له مسلمة يا عقبة اسمع ما يقول عبد الله فقال عقبة هو أعلم وأما أنا فسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تزال عصابة من أمتي يقاتلون على أمر الله قاهرين لعدوهم لا يضرهم من خالفهم حتى تأتيهم الساعة وهم على ذلك فقال عبد الله أجل ثم يبعث الله ريحا كريح المسك مسها مس الحرير فلا تترك نفسا في قلبه مثقال حبة من الإيمان إلا قبضته ثم يبقى شرار الناس عليهم تقوم الساعة.

عبدالرحمن بن شماسہ مہری بیان کرتے ہیں کہ میں مسلمہ بن مخلد کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ان کی مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیٹھے تھے، حضرت عبداللہ نے کہا قیامت صرف بدترین مخلوق پر قائم ہوگی جو اہل جاہلیت کے لوگوں سے بھی بدتر لوگ ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ سے جس چیز کی بھی دعا کریں گے اللہ تعالیٰ اس کو رد کر دے گا، اسی اثناء گفتگو میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے مسلمہ نے کہا اے عقبہ سنیے عبداللہ کیا بیان کر رہے ہیں، حضرت عقبہ نے کہا وہ زیادہ جانتے ہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم کی خاطر لڑتا رہے گا اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گا اور دشمنوں کی مخالفت ان کو ضرر نہیں دے گی، وہ ہمیشہ اسی حال پر رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی، حضرت عبداللہ نے کہا ہاں، اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہوا بھیجے گا جس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی اور چھونے میں ریشم کی طرح ہوگی اور جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ ہوا اس ایمان کو قبض کر لے گی، پھر بدترین لوگ رہ جائیں گے اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔

۴۸۳۳ - حدثنا يحيى بن يحيى أخبرنا هشيم عن داود بن أبي هند عن أبي عثمان عن سعد بن أبي وقاص قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يزال أهل الغرب ظاهرين على الحق حتى تقوم الساعة.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل غرب ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

قیامت تک حق پر قائم رہنے والا کون سا گروہ ہے؟ اس باب کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: "مسلمانوں کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور حق کی خاطر جنگ کرتا رہے گا"۔ امام بخاری نے کہا اس سے اہل علم کا گروہ مراد ہے، امام احمد بن حنبل نے کہا اگر اس سے محدثین کا گروہ مراد نہیں ہے تو پھر میں نہیں جانتا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں، قاضی عیاض نے کہا اس سے اہل سنت و جماعت اور محدثین مراد ہیں۔

علامہ نووی فرماتے ہیں: مسلمانوں کے اس گروہ کی کئی اقسام ہیں، ان میں بہادر مجاہد ہیں، فقہاء ہیں، محدثین ہیں، زاہد ہیں، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں، اسی طرح نیکی اور خیر کے اور متعدد شعبوں کے لوگ ہیں، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تمام اقسام کسی ایک جگہ جمع ہوں بلکہ یہ تمام اقسام روئے زمین کے مختلف حصوں میں رہیں گی، کہیں محدث ہوں گے، کہیں فقیہ ہوں گے، کہیں قرآن کے قاری ہوں گے، کہیں واعظ ہوں گے اور کہیں اولیاء ہوں گے۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر یہ وصف آج تک قائم ہے۔[1]

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اور حجیت اجماع پر اس حدیث سے استدلال کرنا زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالۃ "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی" ضعیف ہے۔

علم فقہ کی فضیلت حدیث نمبر ۴۸۲۱ میں ہے: "جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرما دیتا ہے"۔ اس میں علوم دین کے ماہرین اور فقہاء کے لیے بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں خیر کا ارادہ کر لیا ہے۔

فقہ کا لغوی معنیٰ ہے علم، اور عرف میں فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ نے نماز کا قطعی حکم دیا اور فرمایا واقیموا الصلوٰۃ اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے قطعی حکم دیا ہو وہ فرض ہے سو معلوم ہوا کہ نماز فرض ہے اور اللہ عزوجل کا قول اقیموا الصلوٰۃ دلیل تفصیلی ہے جس سے فرضیت نماز کا حکم حاصل کیا گیا ہے۔ حسن بصری نے کہا جو شخص دنیا میں زاہد اور آخرت کی طرف راغب ہو، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو اور دائمی عبادت کرتا ہو وہ فقیہ ہے، امام ابوحنیفہ نے فرمایا فقہ وہ علم ہے جس کے ذریعے انسان یہ جان لے کہ کیا چیز اس کے لیے فائدہ مند ہے اور کیا چیز نقصان دہ ہے۔

اس حدیث میں علم فقہ کی فضیلت ہے کیونکہ فقہ کی وجہ سے انسان میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ عبادت الٰہی کی کوشش کرتا ہے اور لوگوں کو حلال اور حرام کے مسائل بتاتا ہے، لوگ اس کی وجہ سے حلال کام کرتے ہیں اور حرام سے بچتے ہیں۔

بَابُ مُرَاعَاةِ مَصْلَحَةِ الدَّوَابِّ فِي السَّيْرِ وَالنَّهْيِ عَنِ التَّعْرِيْسِ فِي الطَّرِيْقِ

سفر میں جانوروں کی رعایت کرنا اور اخیر شب کو راستہ میں اترنے کی ممانعت

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم ج ۲ ص ۱۴۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ

٤٨٤٤ - حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَأَسْرِعُوا عَلَيْهَا السَّيْرَ وَإِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ فَإِنَّهَا مَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ہریالی میں سفر کرو تو زمین سے اونٹوں کو ان کا حصہ دو اور جب تم خشک سالی (یا قحط) کے موسم میں سفر کرو تو وہاں سے جلدی گزرو، اور جب تم آخر شب میں اترو تو راستہ سے ہٹنا کیونکہ رات کو وہ جگہ حشرات الارض کا ٹھکانا ہے۔

٤٨٤٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ (يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ) عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوا بِهَا نِقْيَهَا وَإِذَا عَرَّسْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ فَإِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم ہریالی (یعنی جب زمین میں ہر طرف سبزہ اگا ہوا ہو) میں سفر کرو تو زمین سے اونٹوں کو ان کا حصہ دو، اور جب تم خشک سالی میں سفر کرو تو تیز چلو تاکہ اونٹ کمزور نہ ہو جائیں) اور جب تم آخر شب میں قیام کرو تو راستہ میں ٹھہرنے سے احتراز کرنا کیونکہ رات کے وقت وہ جگہ جانوروں اور حشرات الارض کی آماجگاہ ہوتی ہے۔

ف: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کرنے کے اور سفر میں قیام کرنے کے آداب بتلائے ہیں، کیونکہ حشرات الارض زہریلے کیڑے مکوڑے رستے میں اور رات کو راستے ہی میں پھرتے ہیں اس لیے آپ نے رات کے وقت جنگل کے راستہ میں قیام کرنے سے منع فرمایا۔

بَابُ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ وَاسْتِحْبَابِ تَعْجِيلِ الْمُسَافِرِ إِلَى أَهْلِهِ بَعْدَ قَضَاءِ شُغْلِهِ

سفر عذاب کا ٹکڑا ہے اور فراغت کے بعد جلد گھر لوٹے

٤٨٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ وَأَبُو مُصْعَبٍ الزُّهْرِيُّ وَمَنْصُورُ بْنُ أَبِي مُزَاحِمٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ (وَاللَّفْظُ لَهُ) قَالَ قُلْتُ لِمَالِكٍ حَدَّثَكَ سُمَيٌّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ يَمْنَعُ أَحَدَكُمْ نَوْمَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ فَإِذَا قَضَى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے وہ تم کو سونے اور کھانے پینے سے روک دیتا ہے، جب تم میں سے کسی شخص کا کام پورا ہو جائے تو وہ اپنے گھر آنے میں جلدی کرے۔

أَحَدُكُمْ نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيُعَجِّلْ إِلَى أَهْلِهِ قَالَ نَعَمْ۔

بَابُ كَرَاهَةِ الطُّرُوقِ وَهُوَ الدُّخُولُ لَيْلًا

رات کے وقت گھر واپس لوٹنے کی کراہت

۴۸۴۷۔ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا وَكَانَ يَأْتِيهِمْ غُدْوَةً أَوْ عَشِيَّةً۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے گھر نہیں آتے تھے، آپ صبح یا شام کو تشریف لاتے تھے۔

۴۸۴۸۔ وَحَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ لَا يَدْخُلُ۔

ایک اور سند سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس روایت کی مثل مروی ہے البتہ اس میں لا یطرق کی جگہ لا یدخل ہے۔

۴۸۴۹۔ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ سَالِمٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ ح وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى (وَاللَّفْظُ لَهُ) حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ سَيَّارٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوا حَتَّى نَدْخُلَ لَيْلًا أَيْ عِشَاءً كَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، جب ہم مدینہ پہنچے اور ہم شہر میں جانے لگے آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ توقف کرو حتی کہ ہم رات کے وقت یعنی عشاء کے وقت جائیں تاکہ جس عورت کے بال بکھرے ہوئے ہیں وہ اپنے بال درست کرے اور جس عورت کا شوہر غائب تھا وہ اب اپنے موئے زیر ناف صاف کرے۔

۴۸۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَيَّارٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ أَحَدُكُمْ لَيْلًا فَلَا يَأْتِيَنَّ أَهْلَهُ طُرُوقًا حَتَّى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات کو گھر واپس آئے تو رات کو (اچانک) جا کر گھر کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے (بلکہ اتنی دیر توقف کرے) کہ جس عورت کا شوہر غائب تھا وہ اپنے موئے زیر ناف صاف کر لے اور جس کے بال پراگندہ ہوں وہ اپنے بال ٹھیک کر لے۔

۴۸۵۱۔ وَحَدَّثَنِيهِ يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۸۵۲۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ (يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ) حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ الرَّجُلُ الْغَيْبَةَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ طُرُوقًا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کسی انسان کی گھر سے غیر حاضری طویل ہو جائے تو وہ (اچانک) رات کو اپنے گھر نہ جائے۔

۴۸۵۳۔ وَحَدَّثَنِيهِ يَحْيَى بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ۔

امام مسلم نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے۔

۴۸۵۴۔ وَحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُحَارِبٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَطْرُقَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ لَيْلًا يَتَخَوَّنُهُمْ أَوْ يَلْتَمِسُ عَثَرَاتِهِمْ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ انسان رات کو (اچانک) گھر جا پہنچے اور گھر کے حالات کا تجسس کرے اور گھر والوں کی لغزشوں پر مطلع ہو۔

۴۸۵۵۔ وَحَدَّثَنِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَ سُفْيَانُ لَا أَدْرِي هَذَا فِي الْحَدِيثِ أَمْ لَا يَعْنِي أَنْ يَتَخَوَّنَهُمْ أَوْ يَلْتَمِسَ عَثَرَاتِهِمْ۔

ایک اور سند سے بھی یہ حدیث ہے اس میں راوی نے یہ کہا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ گھر کے حالات کا تجسس کرے اور گھر والوں کی لغزشوں پر مطلع ہو، یہ الفاظ حدیث میں ہیں یا نہیں۔

۴۸۵۶۔ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَا جَمِيعًا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَارِبٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَرَاهَةِ الطُّرُوقِ وَلَمْ يَذْكُرْ يَتَخَوَّنُهُمْ أَوْ يَلْتَمِسُ عَثَرَاتِهِمْ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (اچانک) رات کو گھر آنے کی کراہت نقل کرتے ہیں، اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ گھر کے حالات کا تجسس کرے اور گھر والوں کی لغزشوں پر مطلع ہو۔

سفر سے رات کو گھر واپس آنے کی ممانعت کا محمل

علامہ نووی لکھتے ہیں: ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی لمبے سفر پر جائے وہ رات کو اچانک گھر واپس نہ آئے، لیکن جو شخص کسی قریب کی جگہ گیا ہو اور اس کی بیوی کو رات میں اس کے واپس آنے کی توقع ہو اس کے رات کو گھر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۴۸۵۲ میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب کسی انسان کی غیر حاضری طویل ہو جائے تو وہ (اچانک) رات کو اپنے گھر نہ جائے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اس کی غیر حاضری طویل نہ ہو تو پھر رات کو اس کی واپسی میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر وہ کسی بڑے قافلہ یا بڑے

لشکر کے ساتھ گیا ہو اور اس کے آنے اور پہنچنے کی شہرت ہو جائے اور اس کی بیوی اور اس کے گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اب آنے والے ہیں تو پھر اگر وہ رات کو آئے تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اب وہ علت نہیں رہی جس کی بناء پر رات کو آنے سے منع فرمایا تھا، کیونکہ اس ممانعت سے مقصد یہ تھا کہ گھر والے اس کے استقبال کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں اور جب اس کے آنے کی پہلے خبر مل جائے گی تو یہ مقصد حاصل ہو گیا، اور اس کی تائید حدیث نمبر ٤٠٣٩ سے ہوتی ہے جس میں مدینہ پہنچنے کے بعد آپ نے صحابہ کو اپنے گھروں میں جانے سے منع کیا اور فرمایا کہ شام تک توقف کرو تاکہ جن کے بال بکھرے ہوئے ہوں وہ اپنے بال سنوار لے اور جس عورت نے اپنے زیر ناف بالوں کو صاف کرنا ہو وہ ان بالوں کو صاف کر لے اور اس روایت میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ صحابہ دن کے اوائل میں گھروں کو جانا چاہتے تھے لیکن آپ نے یہ حکم دیا کہ وہ شام ہونے تک صبر اور انتظار کریں۔[1]

ہمارے زمانہ میں جب کہ ابلاغ اور مواصلات کے ذرائع بہت وسیع ہو گئے ہیں تو لوگوں کے لیے اس حکم پر عمل کرنے میں بہت سہولت ہو گئی ہے، وہ براہ راست ٹیلی فون کر کے اپنے آنے کی خبر دے سکتے ہیں، تار یا خط کے ذریعہ اطلاع دے سکتے ہیں، کسی آنے جانے والے شخص کے ہاتھ پیغام بھجوا سکتے ہیں بہر حال کسی شخص کا سفر سے رات کو گھر پہنچنا مطلقاً مکروہ نہیں ہے اگر اپنے آنے کی پیشگی اطلاع دی ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور اگر گھر قریب ہو اور گھر والوں کو توقع ہو کہ وہ رات کو کسی وقت واپس آ جائے گا تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔

❋

اختتامی کلمات

شرح صحیح مسلم کی جلد خامس، میں نے ١٩ رمضان ١٤٠٩ھ بمطابق ٢٦ اپریل ١٩٨٩ء کو شروع کی تھی اور الحمد للہ علی احسانہ آج ٢٠ رمضان ١٤١٠ھ بمطابق ١٦ اپریل ١٩٩٠ء کو یہ جلد اختتام کو پہنچ گئی، دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں آنے کے بعد جب سے شرح صحیح مسلم کے کام کی نشاۃ ثانیہ ہوئی ہے، جلد ثانی سے اب تک یہی معمول رہا ہے کہ ہر جلد رمضان المبارک کی کسی مبارک شب میں ختم ہوئی اور اگلی جلد شروع کرنے کی سعادت بھی رمضان المبارک ہی میں حاصل ہوئی، چونکہ مجھے ہائی بلڈ پریشر اور شوگر کا عارضہ ہے اس لیے درمیان میں ایام فترت بھی آتے ہیں جب تکلیف بڑھ جانے کی وجہ سے کام منقطع ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتا ہے اور میری خواہش کے مطابق رمضان المبارک ہی میں وہ جلد ختم ہو جاتی ہے، کوشش کروں گا کہ اس کے بعد دو جلدوں میں شرح صحیح مسلم مکمل ہو جائے، اس کے بعد ان شاء اللہ جلد ثالث کو دوبارہ لکھنے کا پروگرام ہے، بہت سے احباب کی خواہش ہے کہ شرح صحیح مسلم کے بعد قرآن مجید

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ٦٧٦ھ، شرح مسلم ج ٢ ص ١٤٥-١٤٦، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ، ١٣٧٥ھ

کی تفسیر پر بھی کام شروع کروں، میں نے فال کار خیر کی نیت کر لی ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے یہ کام میرے لیے مقدر کر دیا ہے تو پھر ان شاء اللہ یہ کام ہو جائے گا، اور اگر کسی وجہ سے یہ کام نہ ہو سکا تو اللہ تعالیٰ مجھے حسن نیت کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اس جلد میں میں نے ویسے تو تمام مباحث ہی میں بہت محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے، لیکن خاص طور پر پردہ، فلک اور وحدت کی شہادت پر بہت محنت اور غور و خوض سے کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس محنت اور کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے، اور جس طرح مجھے یہ پانچ جلدیں لکھنے کی توفیق دی ہے، اسی طرح شرح صحیح مسلم کی باقی ماندہ جلدیں لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، بار الٰہ مجھے اس شرح میں وہی حقائق لکھنے کی توفیق دے جو حق و صواب ہوں، اور میری تحریر میں اثر آفرینی عطا کر، اور اس کتاب کو تا دیر باقی رکھ اور اس کے فیض کو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچا دے، الٰہ العالمین اس کتاب کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول فرما اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ بنا دے، الٰہ العالمین میری مغفرت فرما، میرے والدین، میرے اساتذہ اور مشائخ اور میرے احباب اور متعلقین کی مغفرت فرما، اس کتاب کے قارئین، معاونین، اس کے ناشر، کاتب اور مصحح کی مغفرت فرما، الٰہ العالمین دارین کی خیر، سعادت اور فلاح کو ہم سب کا مقدر بنا دے، ہمیں دنیا اور آخرت کی ہر تکلیف اور پریشانی سے محفوظ اور مامون رکھ، ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما، رب العالمین تمام مسلمانان عالم پر دنیا اور آخرت میں رحم فرما، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین قائد الغر المحجلین اول الشافعین و المشفعین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین وعلی اصحابہ الکاملین الراشدین وعلی ازواجہ امہات المومنین وعلی اولیاء امتہ وعلماء ملتہ من المفسرین والمحدثین والفقہاء والمجتہدین اجمعین۔

ماخذ و مراجع

کتبِ الٰہیہ

۱۔ قرآن مجید
۲۔ تورات
۳۔ انجیل

کتبِ احادیث

۴۔ صحیح بخاری، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۸۱ھ، امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ
۵۔ صحیح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ، امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ
۶۔ جامع ترمذی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ
۷۔ سنن ابی داؤد، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ
۸۔ سنن نسائی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ
۹۔ سنن ابن ماجہ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ
۱۰۔ صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۵ھ، امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ
۱۱۔ موطا امام مالک، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان، لاہور، امام مالک بن انس اصبحی، متوفی ۱۷۹ھ
۱۲۔ مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ
۱۳۔ موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ
۱۴۔ کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ
۱۵۔ کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ
۱۶۔ مصنف عبد الرزاق، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ، امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ
۱۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ، امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ
۱۸۔ مسند احمد بن حنبل، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۸ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

۱۹ ـ مسند دارمی، مطبوعہ مطبع نظامی، کانپور، ۱۲۹۳ھ، امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ

۲۰ ـ سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان، امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ

۲۱ ـ شمائل ترمذی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ

۲۲ ـ شرح معانی الآثار، مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۲ھ، امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ

۲۳ ـ سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان، امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ

۲۴ ـ کشف الاستار عن زوائد البزار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۴ھ، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ

۲۵ ـ مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۰۲ھ، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ

۲۶ ـ شرح السنۃ، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۰ھ، امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ

۲۷ ـ الادب المفرد، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل، امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ

۲۸ ـ المستدرک، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ

۲۹ ـ جامع الصغیر، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۱ھ، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ

۳۰ ـ مراسیل ابی داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ

۳۱ ـ فردوس الاخبار، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، حافظ شیرویہ بن شہردار دیلمی متوفی ۵۰۹ھ

۳۲ ـ تلخیص المستدرک، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ، علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ

۳۳ ـ خصائص کبریٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ

۳۴ ـ الجوہر النقی، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی متوفی ۷۴۵ھ

۳۵ ـ نصب الرایۃ، مطبوعہ مجلس علمی، سورت ہند، ۱۳۵۷ھ، حافظ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ

۳۶ ـ مشکوٰۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، شیخ ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ

۳۷ ـ اعلاء السنن، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، شیخ ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۳۹۴ھ

۳۸ ـ کنز العمال، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ، علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ

۳۹ ـ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ، امیر علاؤ الدین علی بن بلبان فارسی متوفی ۷۳۹ھ

۴۰ ـ مسند طیالسی، مطبوعہ ہند، امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی متوفی ۲۰۴ھ

۴۱ ـ جامع الاصول فی احادیث الرسول، مطبوعہ مطبعۃ الملاح بیروت، ۱۳۹۰ھ، امام مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ

۴۲ ـ المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، حافظ عبد اللہ بن زبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ

۴۳ ـ مسند ابی یعلی الموصلی، مطبوعہ دار المامون للتراث بیروت ۱۴۰۴ھ، حافظ احمد بن علی المثنیٰ التمیمی متوفی ۳۰۷ھ

کتب تفسیر

۴۴ ـ احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ، علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی ۳۷۰ھ

۴۵ ـ تفسیر کبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی، متوفی ۶۰۶ھ

۴۶۔ الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ

۴۷۔ تفسیر خازن، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور، علامہ علی بن محمد خازن شافعی، متوفی ۷۲۵ھ

۴۸۔ عنایۃ القاضی، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۲۸۳ھ، علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ

۴۹۔ تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی اسکیلبی، متوفی ۹۸۲ھ

۵۰۔ روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی ۱۱۳۷ھ

۵۱۔ تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵ھ

۵۲۔ تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ

۵۳۔ روح المعانی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی حنفی، متوفی ۱۲۷۰ھ

۵۴۔ فتح القدیر، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ

۵۵۔ جامع البیان، مطبوعہ شرکہ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی مصر، الطبعۃ الثالثۃ ۱۳۷۳ھ، ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ

۵۶۔ التبیان فی تفسیر القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، ۳۸۵ھ

۵۷۔ اضواء البیان، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی۔

۵۸۔ الجواہر فی تفسیر القرآن، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری۔

۵۹۔ تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، علامہ محمد رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴ھ

۶۰۔ تفسیر المراغی، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۹۲ھ، علامہ احمد مصطفی مراغی

۶۱۔ تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ مصر، علامہ نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری، متوفی ۷۲۸ھ

۶۲۔ تفسیر الجلالین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ لاہور، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۶۳۔ انوار التنزیل، مطبوعہ دار صادر بیروت، قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی، متوفی ۶۸۵ھ

۶۴۔ الفتوحات الالٰہیہ، مطبوعہ مطبعہ البہیۃ مصر، ۱۳۰۳ھ، شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل، متوفی ۱۲۰۴ھ

۶۵۔ الدر المنثور، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۴ھ، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۶۶۔ تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت، ۱۳۸۵ھ، حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ

۶۷۔ فتح البیان، مطبوعہ کبری امیریہ بولاق مصر، ۱۳۰۱ھ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ

۶۸۔ خزائن العرفان، تاج کمپنی لاہور، صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ۱۳۶۷ھ

۶۹۔ بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ

۷۰۔ حاشیۃ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور، شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ و شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ

۷۱۔ معارف القرآن، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ، مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۶ھ

۷۲۔ مدارک التنزیل، مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور، علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی، متوفی ۷۱۰ھ

۷۳۔ البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ، علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی متوفی ۷۵۴ھ

۷۴۔ فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ، سید محمد قطب شہید مصری۔

۱۰۰۔ مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ

۱۰۱۔ اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار، لکھنؤ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ

۱۰۲۔ منتقیٰ، مطبوعہ مطبع السعادۃ، مصر، ۱۳۳۲ھ، علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی، متوفی ۴۷۴ھ

۱۰۳۔ شرح المؤطا، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، علامہ محمد باقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ

۱۰۴۔ فیض القدیر، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ، علامہ عبدالرؤف مناوی

۱۰۵۔ شرح مسند امام اعظم، مطبوعہ مطبع محمدی وبرید، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ

۱۰۶۔ التعلیق المغنی، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، شیخ محمد شمس الحق عظیم آبادی، متوفی ۱۳۲۹ھ

۱۰۷۔ التعلیق الممجد، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، مولانا عبدالحی لکھنوی، متوفی ۱۳۰۴ھ

۱۰۸۔ تقریرات ترمذی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، شیخ محمود الحسن دیوبندی، ۱۳۳۹ھ

اسماء رجال

۱۰۹۔ تاریخ بغداد، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، حافظ ابوبکر علی بن احمد خطیب بغدادی، متوفی ۴۶۳ھ

۱۱۰۔ تہذیب التہذیب، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ۱۳۲۶ھ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی، ۸۵۲ھ

۱۱۱۔ لسان المیزان، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ۱۳۲۹ھ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ،

۱۱۲۔ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، شیخ صفی الدین احمد بن عبداللہ خزرجی،

۱۱۳۔ الاکمال فی اسماء الرجال، مطبوعہ اصح المطابع، دہلی، شیخ ولی الدین تبریزی، متوفی ۷۴۲ھ

۱۱۴۔ کتاب الثقات، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۱ھ، حافظ محمد ابن حبان تمیمی، متوفی ۳۵۴ھ

۱۱۵۔ کتاب الجرح والتعدیل، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۱ھ، حافظ عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی، متوفی ۳۲۷ھ

۱۱۶۔ میزان الاعتدال، مطبوعہ مطبع محمدی، لکھنؤ، حافظ شمس الدین ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ

۱۱۷۔ المقاصد الحسنہ، مطبوعہ مکتبۃ الخانجی، مصر، ۱۳۷۵ھ، ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ

۱۱۸۔ موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ

۱۱۹۔ العلل المتناہیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ، علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی، متوفی ۵۹۷ھ

۱۲۰۔ کشف الاحوال فی نقد الرجال، مطبوعہ مطبع علوی ۱۳۰۳ھ، شیخ عبدالوہاب بن مولوی محمد غوث مدراسی،

لغت

۱۲۱۔ المفردات، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ، علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی، متوفی ۵۰۲ھ

۱۲۲۔ نہایہ، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران، ۱۳۶۴ھ، علامہ محمد بن اثیر الجزری، متوفی ۶۰۶ھ،

۱۲۳۔ تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ

۱۲۴۔ قاموس، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، علامہ مجد الدین فیروز آبادی۔

۱۲۵۔ لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزہ، قم ایران ۱۴۰۵ھ، علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ
۱۲۶۔ تاج العروس شرح القاموس، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ، سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ
۱۲۷۔ المنجد، مطبوعہ المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت، ۱۹۲۷ء، لوئیس معلوف الیسوعی
۱۲۸۔ المنجد مترجم، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، لوئیس معلوف الیسوعی
۱۲۹۔ مجمع بحار الانوار، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، علامہ محمد طاہر پٹنی، متوفی ۹۸۶ھ
۱۳۰۔ لغات الحدیث، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، شیخ وحید الزمان، متوفی ۱۳۳۸ھ
۱۳۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا ۱۹۵۰ء
۱۳۲۔ دائرۃ المعارف، القرن العشرین، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۷۱ء، علامہ محمد فرید وجدی
۱۳۳۔ الصحاح، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۴۰۴ھ، علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری، متوفی ۳۹۸ھ
۱۳۴۔ فقہ السنۃ، مطبوعہ شرکۃ دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ جدہ، علامہ سید سابق
۱۳۵۔ معجم البلدان، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ، شیخ شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی رومی بغدادی متوفی ۶۲۶ھ
۱۳۶۔ منتہی الارب، مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور، ۱۳۴۴ھ، عبدالرحیم بن عبدالکریم صفی پوری
۱۳۷۔ معجم متن اللغۃ، مطبوعہ دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء شیخ احمد رضا متوفی ۱۹۴۸ء
۱۳۸۔ لاروس، مطبوعہ مکتبۃ لاروس پالیس (پیرس)، ڈاکٹر خلیل الجر
۱۳۹۔ کتاب العین، مطبوعہ دار الہجرت، قم ایران، ۱۴۰۵ھ، امام ابو عبدالرحمن الخلیل بن احمد فراہیدی، متوفی ۱۷۵ھ
۱۴۰۔ اقرب الموارد، مطبوعہ منشورات مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران ۱۴۰۳ھ، علامہ سعید خوری شرتونی لبنانی

فضائل و سیرت

۱۴۱۔ شفاء، مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان، قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ
۱۴۲۔ نسیم الریاض، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی، متوفی ۱۰۶۹ھ
۱۴۳۔ شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ملا علی بن سلطان محمد القاری حنفی، متوفی ۱۰۱۴ھ
۱۴۴۔ سعادت الدارین، مطبوعہ مطبعۃ بیروت، بیروت، ۱۳۱۲ھ، علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ
۱۴۵۔ مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ
۱۴۶۔ الوفاء باحوال المصطفیٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، علامہ عبدالرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ
۱۴۷۔ زاد المعاد، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۶۹ھ، علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر متوفی ۷۵۱ھ {المعروف بابن قیم جوزیہ}
۱۴۸۔ المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، علامہ احمد قسطلانی، متوفی ۹۱۱ھ
۱۴۹۔ شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ، علامہ محمد عبدالباقی زرقانی، متوفی ۱۱۲۲ھ

۱۵۰۔ البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ، حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ

۱۵۱۔ انسان العیون، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۸۲ھ، علامہ علی بن برہان الدین حلبی، متوفی ۱۰۴۴ھ

۱۵۲۔ ازالۃ الخفاء، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۶ھ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، متوفی ۱۱۷۶ھ

۱۵۳۔ حجۃ اللہ علی العالمین، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور، علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ

۱۵۴۔ نشر الطیب، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ

۱۵۵۔ دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار النفائس، امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ

۱۵۶۔ مطالع المسرات، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور، علامہ محمد مہدی بن احمد بن علی بن یوسف فاسی

۱۵۷۔ السیرۃ النبویہ، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، حافظ ابو الفداء اسماعیل بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ

۱۵۸۔ الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ، امام محمد بن سعد، متوفی ۲۳۰ھ

۱۵۹۔ الاستیعاب، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، متوفی ۴۶۳ھ

۱۶۰۔ الاصابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ

۱۶۱۔ اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ

۱۶۲۔ تاریخ یعقوبی، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی ایران، شیخ احمد بن ابی یعقوب، متوفی ۲۹۰ھ

۱۶۳۔ تاریخ الخمیس، مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت، ۱۲۸۳ھ، علامہ حسین بن محمد دیار بکری

۱۶۴۔ الروض الانف، مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان، علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی، متوفی ۵۸۱ھ

۱۶۵۔ مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ المطبعۃ العربیہ، ۱۳۹۹ھ، شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی، ۱۲۴۲ھ

۱۶۶۔ سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، مطبوعہ مجلس اعلیٰ قاہرہ، ۱۳۹۵ھ، علامہ محمد بن یوسف شامی صالحی، متوفی ۹۴۲ھ

۱۶۷۔ المدخل، مطبوعہ مصر، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد المشہور بابن الحاج، متوفی ۷۳۷ھ

۱۶۸۔ الکامل فی التاریخ، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ، علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم شیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی ۶۳۰ھ

۱۶۹۔ تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار القلم بیروت، علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، متوفی ۳۱۰ھ

۱۷۰۔ تاریخ ابن خلدون، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۳۹۱ھ، علامہ عبد الرحمن ابن خلدون، متوفی ۸۰۸ھ

۱۷۱۔ تاریخ الخلفاء، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۱۷۲۔ مرآۃ الجنان، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی، بیروت، علامہ عبد اللہ بن اسعد بن علی یافعی، متوفی ۷۶۸ھ

۱۷۳۔ وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ، علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ھ

۱۷۴۔ الجوہر المنظم، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۴۰۵ھ، علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، ۹۷۴ھ

۱۷۵۔ جواہر البحار، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر، ۱۳۷۹ھ، علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، متوفی ۱۳۵۰ھ

۱۷۶۔ کتاب الاذکار، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ

۱۷۷۔ الصارم المسلول، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، شیخ ابو العباس تقی الدین ابن تیمیہ حرانی، متوفی ۷۲۸ھ

۱۷۸۔ لواقح الانوار القدسیہ، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ

۱۷۹۔ الصواعق المحرقہ، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ، علامہ احمد بن حجر مکی شافعی، متوفی ۹۷۴ھ
۱۸۰۔ الحدیقۃ الندیۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، [illegible]، علامہ عبد الغنی نابلسی، متوفی ۱۱۴۳ھ
۱۸۱۔ تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، حافظ ابو القاسم علی بن حسین شافعی المعروف بابن عساکر، متوفی ۵۷۱ھ
۱۸۲۔ سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۲ھ، علامہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ

کتب فقہ حنفی

۱۸۳۔ کتاب الخراج، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، متوفی ۱۸۲ھ
۱۸۴۔ مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، امام محمد بن حسن شیبانی، متوفی ۱۸۹ھ
۱۸۵۔ الجامع الصغیر، مطبوعہ مطبع مصطفائی ہند، ۱۲۹۱ھ، امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی ۱۸۹ھ
۱۸۶۔ کتاب الحجۃ، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور، ″ ″ ″
۱۸۷۔ شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الشرکۃ الاسلامیۃ افغانستان، ۱۴۰۵ھ، علامہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی ۴۸۳ھ
۱۸۸۔ مبسوط (شرح الکافی) مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ، ″ ″ ″
۱۸۹۔ فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ، علامہ حسن بن منصور اوزجندی، متوفی ۵۹۲ھ
۱۹۰۔ فتاویٰ النوازل، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ، علامہ ابو اللیث سمرقندی، متوفی ۳۷۳ھ
۱۹۱۔ بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ، علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی، متوفی ۵۸۷ھ
۱۹۲۔ ہدایہ اولین، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی ۵۹۳ھ
۱۹۳۔ ہدایہ اخیرین، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان، ″ ″ ″
۱۹۴۔ عنایہ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی ۷۸۶ھ
۱۹۵۔ کفایہ، مطبوعہ ″ ″ ″، علامہ جلال الدین خوارزمی،
۱۹۶۔ فتح القدیر، مطبوعہ ″ ″ ″، علامہ کمال الدین ابن ہمام، متوفی ۸۶۱ھ
۱۹۷۔ بنایہ، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد، علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی، متوفی ۸۵۵ھ
۱۹۸۔ البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ، علامہ زین الدین ابن نجیم، متوفی ۹۷۰ھ
۱۹۹۔ منحۃ الخالق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ، علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ
۲۰۰۔ تبیین الحقائق، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، علامہ عثمان بن علی زیلعی، متوفی ۷۴۳ھ
۲۰۱۔ در مختار، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ، علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی ۱۰۸۸ھ
۲۰۲۔ رد المحتار، مطبوعہ ″ ″ ″ ۱۳۲۷ھ، علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ
۲۰۳۔ حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۵ھ، علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی ۱۲۳۱ھ
۲۰۴۔ مراقی الفلاح، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ، علامہ حسن بن عمار شرنبلالی، متوفی ۱۰۶۹ھ
۲۰۵۔ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ، علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی ۱۲۳۱ھ

۲۰۶۔ غنیۃ المستملی، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی ۹۵۶ھ
۲۰۷۔ صغیری، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، " " " " "
۲۰۸۔ درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، مطبوعہ مطبعہ علوم مصر، ۱۳۰۴ھ، ملا احمد بن فرامرز خسرو، متوفی ۸۸۵ھ
۲۰۹۔ حاشیۃ الدرر و الغرر، مولانا عبد الحلیم
۲۱۰۔ جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، ۱۲۹۱ھ، علامہ محمد خراسانی، متوفی ۹۶۲ھ
۲۱۱۔ الجوہرۃ النیرۃ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، علامہ ابوبکر بن علی حداد، متوفی ۸۰۰ھ
۲۱۲۔ فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ، ملا نظام الدین، متوفی ۱۱۶۱ھ
۲۱۳۔ فتاویٰ بزازیہ، مطبوعہ " " " " " علامہ شہاب الدین ابن بزاز کردری، متوفی ۸۲۷ھ
۲۱۴۔ رسائل ابن عابدین، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۶ھ، علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ
۲۱۵۔ تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۳۹۶ھ، " " " " "
۲۱۶۔ تقریرات رافعی، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ، ۱۴۰۳ھ، شیخ عبد القادر رافعی مفتی الدیار المصریہ
۲۱۷۔ شرح النقایہ، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ
۲۱۸۔ فتاویٰ غیاثیہ، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۴۰۳ھ، علامہ داؤد بن یوسف الخطیب،
۲۱۹۔ حاشیۃ الدرر الغرر، مطبوعہ مطبع عارف شرف مصر، ۱۳۰۴ھ، علامہ حسن بن عمار شرنبلالی، متوفی ۱۰۶۹ھ
۲۲۰۔ اخبار القضاۃ، مطبوعہ الاستقامۃ قاہرہ، ۱۹۴۷ء، امام وکیع محمد بن خلف حیان، متوفی ۳۰۶ھ
۲۲۱۔ معین الاحکام، مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر، ۱۳۱۰ھ، علامہ علاؤ الدین ابو الحسن علی بن خلیل طرابلسی حنفی،
۲۲۲۔ مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی ۱۰۷۸ھ
۲۲۳۔ المسلک المتقسط، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ
۲۲۴۔ حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، علامہ شہاب الدین احمد شلبی
۲۲۵۔ تکملۃ البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ، علامہ محمد بن حسین بن علی طوری،
۲۲۶۔ خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ، شیخ طاہر بن عبد الرشید بخاری حنفی
۲۲۷۔ الدر المنتقیٰ علی ملتقی الابحر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، علامہ محمد علاؤ الدین بن علامہ قرن حادی عشر ۱۱۰۰ھ
۲۲۸۔ شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ، مصر، ۱۲۸۸ھ، علامہ معین الدین الہروی المعروف بملا مسکین، متوفی ۹۵۴ھ
۲۲۹۔ فتاویٰ عبد الحئی، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، ۱۳۲۵ھ، مولانا عبد الحئی لکھنوی، متوفی ۱۳۰۴ھ
۲۳۰۔ فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ، امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ
۲۳۱۔ الزبدۃ الزکیہ، مطبوعہ محبوب المطابع دہلی، " " " " " "
۲۳۲۔ کفل الفقیہ، مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی، ۱۳۲۴ھ، امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ
۲۳۳۔ فتاویٰ افریقیہ، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی " " "
۲۳۴۔ اسلام میں عورت کی دیت، مطبوعہ بزم سعید لاہور، علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ

۲۳۵۔ بہارِ شریعت، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، مولانا امجد علی متوفی ۱۳۶۷ھ
۲۳۶۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، شیخ عزیز الرحمان و مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۶ھ
۲۳۷۔ شرح النقایہ، مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید اینڈ کمپنی، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ
۲۳۸۔ حاشیہ ابی السعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ، مصر، ۱۲۸۷ھ، علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ
۲۳۹۔ فتاویٰ مسعودی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کراچی، ۱۴۰۱ھ، شاہ محمد مسعود دہلوی، متوفی ۱۳۰۹ھ
۲۴۰۔ جامع الفتاویٰ، مطبوعہ مطبع اسلامی پریس شاہ جہاں پور، ۱۳۳۲ھ، مولانا یاسین علی خان
۲۴۱۔ فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۱ھ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، متوفی ۱۲۳۹ھ
۲۴۲۔ امداد الفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی، شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ
۲۴۳۔ کتاب الاشباہ والنظائر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۴۴۔ غمز عیون البصائر، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، سید احمد بن محمد حنفی حموی
۲۴۵۔ انسانی اعضاء کی پیوند کاری، مطبوعہ مجلس مسائل تحقیق حاضرہ، کراچی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۶ھ
۲۴۶۔ پراویڈنٹ فنڈ پر سود اور زکوٰۃ کا مسئلہ، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، ؍ ؍ ؍ ؍
۲۴۷۔ اوزانِ شرعیہ، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، متوفی ۱۳۹۶ھ
۲۴۸۔ رسائل و مسائل، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ
۲۴۹۔ ۵-اے ذیلدار پارک (اثر و مجالس سید مودودی ۲)، مطبوعہ البدر پبلیکیشنز، ۱۹۸۵ء، سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ
۲۵۰۔ برجندی علی مختصر الوقایہ، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، ۱۳۲۲ھ، علامہ عبدالعلی برجندی
۲۵۱۔ حقوق الزوجین، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور، سید ابوالاعلیٰ مودودی، متوفی ۱۳۹۹ھ
۲۵۲۔ مقالات کوثری، مطبوعہ ایچ۔ایم۔سعید اینڈ کمپنی، کراچی، علامہ زاہد الکوثری، متوفی ۱۳۷۱ھ
۲۵۳۔ کنز الدقائق، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد محمود نسفی، متوفی ۷۱۰ھ

کتب فقہ شافعی

۲۵۴۔ کتاب الام، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۳ھ، امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ
۲۵۵۔ المہذب، مطبوعہ دارالفکر بیروت، شیخ ابواسحاق شیرازی، متوفی ۴۵۵ھ
۲۵۶۔ شرح المہذب، مطبوعہ دارالفکر بیروت، علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی ۶۷۶ھ
۲۵۷۔ تکملہ شرح المہذب، مطبوعہ دارالفکر بیروت، علامہ تقی الدین سبکی، متوفی ۷۵۶ھ
۲۵۸۔ فتح العزیز شرح الوجیز، مطبوعہ دارالفکر بیروت، علامہ ابوالقاسم عبدالکریم رافعی، متوفی ۶۲۳ھ
۲۵۹۔ مغنی المحتاج، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، علامہ محمد الخطیب من قرن العاشر
۲۶۰۔ احیاء علوم الدین، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، امام محمد بن محمد غزالی، متوفی ۵۰۵ھ
۲۶۱۔ الحاوی للفتاویٰ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ۹۱۱ھ

۲۶۲۔ مختصر المزنی، مطبوعہ دار المعرفت بیروت، امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی ۲۰۴ھ
۲۶۳۔ روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ، علامہ یحییٰ بن شرف نواوی، متوفی ۶۷۶ھ
۲۶۴۔ فقہ السنۃ، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۱ھ، ڈاکٹر یوسف قرضاوی

کتب فقہ مالکی

۲۶۵۔ المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی ۲۵۶ھ
۲۶۶۔ بدایۃ المجتہد، مطبوعہ دار الفکر بیروت، قاضی ابو الولید محمد بن احمد ابن رشد مالکی اندلسی، متوفی ۵۹۵ھ
۲۶۷۔ الشرح الصغیر علیٰ اقرب المسالک، مطبوعہ دار المعارف مصر، ۱۳۲۰ھ، علامہ ابو البرکات احمد بن محمد الدردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ
۲۶۸۔ التاج والاکلیل لمختصر خلیل، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری مالکی، متوفی ۸۹۷ھ
۲۶۹۔ الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، علامہ ابو البرکات سیدی احمد دردیر مالکی، متوفی ۱۱۹۷ھ
۲۷۰۔ حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، شیخ شمس الدین محمد عرفہ دسوقی مالکی، متوفی ۱۲۳۰ھ
۲۷۱۔ حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر للدردیر، مطبوعہ دار المعارف مصر، ۱۳۹۲ھ، علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی ۱۲۲۳ھ
۲۷۲۔ مواہب الجلیل، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی، متوفی ۹۵۴ھ

کتب فقہ حنبلی

۲۷۳۔ المتن، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ، علامہ ابو القاسم عمر بن الحسین بن عبد اللہ بن احمد الخرقی، متوفی ۳۳۴ھ
۲۷۴۔ المغنی، ″ ″ ۱۴۰۵ھ، علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی، متوفی ۶۲۰ھ
۲۷۵۔ المغنی مع الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ، علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی، متوفی ۶۲۰ھ
۲۷۶۔ الشرح الکبیر، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۲ھ، علامہ شمس الدین عبد الرحمن بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامہ حنبلی، متوفی ۶۸۲ھ
۲۷۷۔ الانصاف، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۷ھ، علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ
۲۷۸۔ مجموع الفتاویٰ، مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز آل سعود، شیخ ابو العباس تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی، متوفی ۷۲۸ھ
۲۷۹۔ کتاب الفروع، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۳۸۸ھ، علامہ شمس الدین مقدسی ابو عبد اللہ محمد بن مفلح حنبلی، متوفی ۷۶۳ھ
۲۸۰۔ تصحیح الفروع، مطبوعہ ″ ″ ۱۳۸۸ھ، علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی، متوفی ۸۸۵ھ
۲۸۱۔ کشاف القناع، ″ ″ ″ علامہ منصور بن یونس بن ادریس بہوتی حنبلی، ۱۰۵۱ھ

کتب فقہ ظاہریہ (غیر مقلدین)

۲۸۲۔ المحلی، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۵۲ھ، شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی ۴۵۶ھ
۲۸۳۔ نیل الاوطار، مطبوعہ الکلیات الازہریہ، ۱۳۹۸ھ، شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ
۲۸۴۔ مسک الختام، نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ

۲۸۵۔ ایک مجلس کی تین طلاقیں، مطبوعہ نعمانیہ کتب خانہ لاہور۔

۲۸۶۔ کتاب الاموال، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، امام ابو عبید قاسم بن سلام، متوفی ۲۲۴ھ

مذاہب اربعہ

۲۸۷۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۹ھ علامہ عبدالوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ

۲۸۸۔ الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، علامہ عبدالرحمن الجزیری

۲۸۹۔ القانون الاسلامی، دار الاتحاد العربی للطباعہ، ۱۴۰۰ھ

۲۹۰۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ، ڈاکٹر وہبہ زحیلی۔

۲۹۱۔ التشریع الجنائی، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، علامہ عبدالقادر عودہ

کتب شیعہ (حدیث و فقہ)

۲۹۲۔ الاصول من الکافی، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ، تہران، شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی، متوفی ۳۲۹ھ

۲۹۳۔ الفروع من الکافی، مطبوعہ " " ۱۳۹۱ھ " " " "

۲۹۴۔ من لا یحضرہ الفقیہ، مطبوعہ " شیخ ابو جعفر محمد بن علی قمی، متوفی ۳۸۱ھ

۲۹۵۔ تہذیب الاحکام، مطبوعہ " " شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی ۴۶۰ھ

۲۹۶۔ الاستبصار، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ، تہران " " " " "

۲۹۷۔ توضیح المسائل، مطبوعہ سازمان تبلیغات اسلامی ایران، ۱۴۰۲ھ، شیخ روح اللہ خمینی، متوفی ۱۴۰۹ھ

۲۹۸۔ توضیح المسائل، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی، کراچی، شیخ ابوالقاسم الخوئی،

۲۹۹۔ احتجاج، مطبوعہ دارالنعمان ایران، شیخ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی، متوفی ۶۲۰ھ

۳۰۰۔ حق الیقین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران، ۱۳۹۰ھ، ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ

۳۰۱۔ جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ انصاف پریس لاہور، ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ

۳۰۲۔ حیات القلوب (مترجم)، مطبوعہ حمایت اہل بیت [illegible] لاہور، ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ۱۱۱۰ھ

۳۰۳۔ تاریخ یعقوبی، مطبوعہ مرکز انتشارات علمی و فرہنگی ایران، ۱۳۶۲ھ، شیخ احمد بن ابی یعقوب، متوفی ۲۹۰ھ

۳۰۴۔ کشف الاسرار، مطبوعہ انتشارات آزادی قم ایران، شیخ روح اللہ خمینی موسوی، متوفی ۱۴۰۹ھ

۳۰۵۔ مجمع البیان، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ ایران، ۱۴۰۰ھ، شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی، متوفی ۵۴۸ھ

۳۰۶۔ المیزان، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران، ۱۳۶۲ھ، شیخ محمد حسین طباطبائی، متوفی ۱۴۰۲ھ

۳۰۷۔ فقہ الامام جعفر الصادق، مطبوعہ دارالعلم بیروت، شیخ محمد جواد مغنیہ،

۳۰۸۔ ناسخ التواریخ، مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ ایران، ۱۳۶۳ھ، میرزا محمد تقی مورخ سپہر، متوفی ۱۲۹۷ھ

۳۰۹۔ تفسیر قمی، مطبوعہ مطبعۃ النجف، ۱۳۸۶ھ، شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی، متوفی ۳۲۹ھ

٣١٠- بحار الانوار، مطبوعہ المطبعۃ الاسلامیہ طہران، ١٣٩٢ھ، ملا محمد باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی ١١١٠ھ
٣١١- تفسیر نمونہ، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران، ١٣٦٣ھ، جمعے از نویسندگان۔
٣١٢- [illegible]، مطبوعہ کتاب خانہ چہل ستون، مسجد جامع تہران، ١٣٩٠ھ، فقیہ سید محمد حسن قزوینی
٣١٣- شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران، ١٣٨٠ھ، شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی، متوفی ٦٧٩ھ

کتب عقائد و کلام

٣١٤- شرح عقائد نسفی، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ٧٩١ھ
٣١٥- شرح مواقف، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ٨١٦ھ
٣١٦- شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ١٣٧٥ھ، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ١٠١٤ھ
٣١٧- حاشیۃ الخیالی، مطبوعہ عبد الحکیم اینڈ سنز پشاور، مولانا شمس الدین احمد بن موسیٰ الخیالی، متوفی ٨٨٠ھ
٣١٨- المنقذ من الضلال، مطبوعہ ادارۂ اوقاف لاہور، ١٤٠٥ھ، علامہ محمد بن محمد غزالی، متوفی ٥٠٥ھ
٣١٩- الیواقیت والجواہر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ، مصر، ١٣٧٨ھ، علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ٩٧٣ھ
٣٢٠- نبراس، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ١٣٩٨ھ، مولانا عبد العزیز پرہاروی
٣٢١- حاشیہ عبد الحکیم سیالکوٹی مع مجموعہ حواشی البہیہ، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ١٣٩٦ھ، مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی، متوفی ١٠٦٧ھ
٣٢٢- شرح المقاصد، مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور، ١٤٠١ھ، علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ٧٩١ھ
٣٢٣- الاحکام السلطانیہ، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ١٣٩٣ھ، علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی، متوفی ٤٥٠ھ
٣٢٤- مسایرہ، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر، علامہ کمال الدین ابن ہمام، متوفی ٨٦١ھ
٣٢٥- مسامرہ، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر، علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی شریف القدسی الشافعی، متوفی ٩٠٦ھ
٣٢٦- کتاب العقائد، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، متوفی ١٣٦٧ھ

کتب اصول حدیث

٣٢٧- الکفایہ فی علم الروایہ، مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی، متوفی ٤٦٣ھ
٣٢٨- لقط الدرر، مطبوعہ مطبع شرکت مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ، مصر، ١٣٥٤ھ، علامہ عبد اللہ بن حسین خاطر
٣٢٩- شرح شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ١٠١٤ھ
٣٣٠- امعان النظر، مطبوعہ اکادمی شاہ ولی اللہ، حیدرآباد سندھ، قاضی محمد اکرم سندھی
٣٣١- تدریب الراوی، مطبوعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، ١٣٩٢ھ، علامہ جلال الدین سیوطی، متوفی ٩١١ھ

کتب اصول فقہ

٣٣٢- مستصفیٰ، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ ببولاق مصر ١٣٢٢ھ، امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی، متوفی ٥٠٥ھ

۳۳۳۔ فواتح الرحموت، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۲۴ھ، بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین متوفی ۱۲۲۵ھ
۳۳۴۔ الرسالہ، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۲ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ
۳۳۵۔ الاحکام فی اصول الاحکام، مطبوعہ مطبع محمد علی واولادہ مصر ۱۳۴۷ھ، علامہ سیف الدین علی بن علی آمدی متوفی ۶۳۱ھ
۳۳۶۔ اصول بزدوی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی متوفی ۴۸۲ھ
۳۳۷۔ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل، شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ

متفرقات

۳۳۸۔ کتاب التعریفات، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ، میر سید شریف علی بن محمد جرجانی، متوفی ۸۱۶ھ
۳۳۹۔ الجامع اللطیف، محمد جار اللہ، متوفی ۹۰۵ھ
۳۴۰۔ فتاویٰ حدیثیہ، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۶ھ، علامہ ابن حجر مکی، متوفی ۹۷۴ھ
۳۴۱۔ سباحۃ الفکر، مولانا عبد الحی لکھنوی، متوفی ۱۳۰۴ھ
۳۴۲۔ الکبریت الاحمر، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۷۸ھ، علامہ عبد الوہاب شعرانی، متوفی ۹۷۳ھ
۳۴۳۔ الاعتصام، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی، متوفی ۷۹۰ھ
۳۴۴۔ بوادر النوادر، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۳ء، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ
۳۴۵۔ براہین قاطعہ، مطبوعہ مطبع بلالی، ڈھوڑ، شیخ خلیل احمد انبیٹھوی، متوفی ۱۳۴۶ھ
۳۴۶۔ اسلام اور موسیقی، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۶۸ء، شاہ محمد جعفر پھلواری
۳۴۷۔ المہند علی المفند، مطبوعہ کتب خانہ دیوبند، شیخ خلیل احمد انبیٹھوی، متوفی ۱۳۴۶ھ
۳۴۸۔ دو اسلام، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، ڈاکٹر غلام جیلانی برق
۳۴۹۔ مکتوبات امام ربانی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۳۹۷ھ، حضرت مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ
۳۵۰۔ حیاۃ الحیوان الکبریٰ، مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۰۵ھ، علامہ محمد بن موسیٰ الدمیری متوفی ۸۰۸ھ
۳۵۱۔ عجائب المخلوقات، مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر ۱۳۰۵ھ، علامہ زکریا بن محمد بن محمود۔
۳۵۲۔ الملفوظ، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ
۳۵۳۔ تکمیل الایمان، مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ، ۱۹۲۲ء، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ
۳۵۴۔ منہاج السنۃ، مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر، شیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی، متوفی ۷۲۸ھ
۳۵۵۔ تقویۃ الایمان، مطبوعہ مطبع علمی لاہور، شیخ اسماعیل دہلوی، متوفی ۱۲۴۶ھ
۳۵۶۔ تحقیق الفتویٰ، مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۳۹۹ھ، علامہ فضل حق خیر آبادی، متوفی ۱۸۶۱ء
۳۵۷۔ ما ثبت بالسنۃ، مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ
۳۵۸۔ شمائم امدادیہ، مطبوعہ مدنی کتب خانہ ملتان، ۱۴۰۵ھ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، متوفی ۱۳۱۷ھ
۳۵۹۔ امداد المشتاق، مکتبہ اسلامیہ لاہور، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ

۳۴۰۔ فیصلہ ہفت مسئلہ، مطبوعہ مدنی کتب خانہ لاہور، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، متوفی ۱۳۱۷ھ
۳۴۱۔ المورد الروی فی المولد النبوی، مطبوعہ المدینۃ المنورۃ ۱۴۰۰ھ، ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی ۱۰۱۴ھ
۳۴۲۔ ابجد العلوم، مطبوعہ مکتبۃ قدوسیہ لاہور، ۱۳۹۳ھ، نواب صدیق حسن خان بھوپالی، متوفی ۱۳۰۷ھ
۳۴۳۔ الدرر الکامنۃ، مطبوعہ دار الجلیل بیروت، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ
۳۴۴۔ روزنامہ جنگ کراچی، میر خلیل الرحمن (مدیر اعلیٰ)
۳۴۵۔ جمہرۃ انساب العرب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۳ھ، ابو محمد علی بن حزم اندلسی، متوفی ۴۵۶ھ
۳۴۶۔ التلخیص الحبیر، حافظ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲ھ
۳۴۷۔ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری
۳۴۸۔ الحیلۃ الناجزۃ، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، ۱۹۸۷ء، شیخ اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۳۶۲ھ
۳۴۹۔ احسن الفتاویٰ، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ، مفتی رشید احمد
۳۵۰۔ الابریز من کلام سیدی عبد العزیز، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۸۰ھ، السید احمد بن عبد المبارک
۳۵۱۔ تحذیر الناس، مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند، ۱۳۹۶ھ، شیخ محمد قاسم نانوتوی، متوفی ۱۲۹۷ھ
۳۵۲۔ ازاحۃ العیب بسیف الغیب، مطبوعہ رضوی کتب خانہ لاہور، ۱۳۲۰ھ، امام احمد رضا قادری، متوفی ۱۳۴۰ھ
۳۵۳۔ صراط مستقیم، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، لاہور، شیخ اسماعیل دہلوی، متوفی ۱۲۴۶ھ
۳۵۴۔ میری داستان حیات، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔
۳۵۵۔ دو اسلام، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔
۳۵۶۔ فتاویٰ رشیدیہ کامل، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، شیخ رشید احمد گنگوہی، متوفی ۱۳۲۳ھ
۳۵۷۔ التراتیب الاداریہ (نظام الحکومت النبویہ)، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، علامہ عبد الحی الکتانی
۳۵۸۔ انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۲ء، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی
۳۵۹۔ شرح جامی، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی، مولانا عبد الرحمن جامی
۳۶۰۔ اعانۃ الطالبین، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، علامہ سید ابی بکر المعروف بالسید البکری
۳۶۱۔ مختصر المعانی، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی، علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، متوفی ۷۹۲ھ
۳۶۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ زیر اہتمام دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۳۹۱ھ
۳۶۳۔ مقالات کاظمی، مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال، ۱۳۹۰ھ، علامہ سید احمد سعید کاظمی، متوفی ۱۴۰۶ھ
۳۶۴۔ شرح جامع النحو مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، علامہ ابو الحیان اندلسی، متوفی ۷۴۵ھ
۳۶۵۔ المرأۃ فی الفکر الاسلامی، مطبوعہ مطابع جامعۃ الموصل بغداد، ۱۹۸۶ء، علامہ جمال محمد فقی رسول الباجوری
۳۶۶۔ اعلام الموقعین، مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان، علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ
۳۶۷۔ اتحاف سادۃ المتقین، مطبوعہ مطبعہ میمنیہ مصر، ۱۳۱۱ھ، علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی ۱۲۰۵ھ

شرح صحیح مسلم

از رشحات قلم

علامہ غلام رسول سعیدی

شرح صحیح مسلم کی خصوصیات

۱۔ احادیث کا آسان اور بامحاورہ اردو ترجمہ۔

۲۔ متقدمین کی شروح کی روشنی میں ہر باب کی احادیث کی مختصر اور جامع تشریح۔

۳۔ علم اصول حدیث کی روشنی میں احادیث پر فنی گفتگو۔

۴۔ ائمہ اربعہ کی امہات کتب سے ان کے مذاہب کا صحیح و مدلل بیان۔

۵۔ فقہ حنفی کی ترجیح کا بیان۔

۶۔ منکرین حدیث کے شبہات کے جوابات اور حجیت حدیث پر دلائل کا انبار۔

۷۔ اختلافی مسائل پر مہذب علمی گفتگو۔

۸۔ مسائل حاضرہ مثلاً فوٹوگراف، ریڈیو، ٹی وی، ویڈیو، ریل اور ہوائی جہاز میں نماز، پوسٹ مارٹم، بینک، چیک، انشورنس، انتقال خون، اعضاء کی پیوند کاری، استقرار حمل، ضبط تولید، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، رویت ہلال کمیٹی کے اعلان، پاکستان اور دیگر بعید ممالک میں اختلاف رویت ہلال کے اثر سے مختلف احکام، پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ، میعادی قرضوں کی ادائیگی پر زکوٰۃ، قطبین میں روزے اور نماز کے احکام، ٹیلیفون پر نکاح، بیمہ، اسلام میں غلاموں کی حیثیت، ایک مجلس میں تین طلاقیں، مدتی طلاق، متعہ وغیرہا، انعامی بانڈز، بینک نوٹ، ہوائی جہاز کی پیچیدگیاں۔ مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے بہت سے مسائل پر محققانہ بحث۔

۹۔ مصنف نے ہر مسئلہ میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ قرآن مجید، احادیث، آثار، اقوال تابعین، جمہور فقہاء اسلام اور فقہاء احناف کے ارشادات کی روشنی میں ہر مسئلہ لکھا ہے۔ کسی کی بھی فکر کے تابع برابر نہیں کیا۔

۱۰۔ اس شرح میں شائستگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے کسی کے خلاف مبتذل لب و لہجہ اختیار نہیں کیا گیا۔

علامہ غلام رسول سعیدی کی تصانیف

1. حیات استاذ العلماء
2. فاضل بریلوی کا فقہی مقام
3. توضیح البیان
4. ذکر بالجہر
5. ضیائے کنز الایمان
6. تذکرۃ المحدثین
7. مقالات سعیدی
8. مقام ولایت و نبوت
9. معاشرے کے ناسور
10. لفظ خدا کی تحقیق
11. نظام مصطفیٰ کی شرعی حیثیت، ضرورت اور اہمیت
12. شرح صحیح مسلم